رجسٹرڈ نمبر اے … جنوری سنہ ۱۹۴۳ء

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڈھ

سیرۃ النبیؐ

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی
ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہے مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر
محنت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات
اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے،
دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیس حکومتِ الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات اور اہلبیت
کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپکے معجزات وخصائصِ نبوت پر بحث ہے، اسمیں سب سے
پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں،
اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو
آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد
لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادات کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح و حکم کا بیان ہے
اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل، اور آداب کے
عنوانوں اور اسکی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم ۶۱۲ صفحے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اوّل تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں سے، تقطیع خورد ۵ر روپیہ،
حصہ سوم تقطیع کلاں سے، للعہ، تقطیع خورد ۵ر، حصہ چہارم تقطیع کلاں سے، تقطیع خورد ۴ر،
حصہ پنجم تقطیع کلاں ۸ر للعہ، تقطیع خورد ۵ر روپیہ، حصہ ششم تقطیع کلاں قسم اوّل ۵ر قسم دوم للعہ،

(منیجر دار المصنفین - اعظم گڈہ)

"جلد ۴۷" ماہ ذیحجہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۱ء " عدد ۱ "

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

دنیا کی تاریخ میں ایک نئے سال کا اور اضافہ ہوا، لیکن اس اضافہ کا استقبال مسرت کے ترانوں اور خوشی کے نعروں کے بجائے، مظلوموں کی آہوں اور بیکسوں کی فریادوں کے ساتھ ہوا، پوری دنیا اس وقت ایسی کشمکش کے گرداب میں ہے کہ اس کے مستقبل کا فیصلہ مشکل ہو رہا ہے، جو جیت رہے ہیں وہ ہار رہے ہیں جو ہار رہے ہیں وہ برباد ہو رہے ہیں،

لیکن ایک بات پوری طرح ظاہر ہے کہ دنیا میں جو قوم بھی اپنے کو دنیا کی امامت و قیادت کے لئے پیش کرتی ہے وہ جب تک اپنے خون کے سمندر میں خود غوطہ نہیں لگاتی اس منزل کو نہیں پہنچ سکتی، اجتماعی ترقی کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ جہاد ہے، یعنی ہر پہلو کا جہاد نفس کا جہاد، مال کا جہاد، علم کا جہاد، عقل کا جہاد، جسم کا جہاد، اور اس راہ میں جان و مال، اولا و عزیز اور ہر محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز متاع کی قربانی !

یہ تو مطلق جہاد کی راہ ہے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں جہاد کی منزلیں اس سے بھی زیادہ کٹھن ہیں، اس راہ میں صرف ایثار و قربانی ہی نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ یہ ساری جد و جہد اور قتل و خون کس غرض سے ہو، نسل و قومیت کی برتری

ملک وحکومت کی سرفرازی، دولت وسرمایہ کی فراوانی، صنعت وتجارت کی گرم بازاری، اشخاص کے بجائے قوموں کی نفسانی خواہشوں کے مظاہر ہیں، اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ مقام ہے جہاں اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے، خدا کے دین کے لئے اور خدا کے حکم کے لئے، قومیں نہیں بندے اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں، کہ اللہ کی بات کا بول بالا ہو، لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا، اور وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ، یعنی دین اور اطاعت صرف خدا کی ہو جائے، دنیا کی عام لڑائیوں اور اسلامی جہاد میں یہی فرق ہے،

موجودہ عالمگیر انسانی مصیبت یورپ کی محدود وطنی وقومی عصبیت کا افسوسناک نتیجہ ہے، ہر قوم اپنی نسلی برتری اور وطنی تفوق کے لئے برسرِ پیکار ہے، جرمن قوم کی ساری ہنگامہ آرائی اور کشت وخون کا ماحصل کیا ہے؟ صرف ایک کہ پوری جرمن نسل ایک علم کے نیچے جمع ہو کر ساری دنیا پر فرمانروائی کا اختیار حاصل کرلے، ایسی ہی دوسری قومیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر اسی قسم کے حق کی دعویدار ہیں، لیکن اسلام کا جہاد قوم کا نہیں، نسل کا نہیں، وطن کا نہیں، زبان کا نہیں، بلکہ پیغامِ حق کی دعوت کا نام ہے،

اسی پیغامِ حق کی متحدہ دعوت کا اثر تھا کہ ہر اسلامی سلطنت میں ہر مسلمان کا حق یکساں تھا، اس کے سایہ میں ہر قوم اور ہر نسل کے لوگ آرام پاتے تھے، پچھلی ترکی سلطنت کے حصّوں پر غور کیجئے کہ ایک ہی سلطنت کے اندر ترکی، مصری، شامی، عراقی، کردی، طرابلسی، حجازی، نجدی، یمنی، ہر ملک وقوم کے لوگ بسے تھے، قومیت کا امتیاز اور نسل کا تفرقہ بیچ میں حائل نہ تھا، رفتہ رفتہ یورپ کی قومی ونسلی دعوتوں نے ترکی قوموں کے درمیان نفاق کا بیج بودیا، اور قومی امتیاز

اور نسلی تفرقوں کے جذبات کو بیدار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس حکومت کے پرخچے اڑ گئے اور قوموں اور نسلوں کی وہ گرہ جو پیغامِ حق کی دعوت سے بندھی تھی کھل گئی، اور آخر ان میں سے ایک ایک قوم و نسل آسانی سے دوسروں کے ہاتھوں میں جا جا کر گرفتار ہوتی اور اپنی ہستی کھوتی رہی،

آج ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی آواز بلند کریں، اور تھکی ماندی دنیا کو بتائیں کہ اس کا امن اور چین قومی و نسلی امتیازات اور تفرقوں میں نہیں، بلکہ پیغامِ حق کے قبول میں ہے، پیغامی برادری قائم ہو، جس میں اس پیغام کے ہر قبول کرنے والے کو برابر کا درجہ ملے، اور اس پیغام کے مقدار قبول اور اس کے لئے جد وجہد کی ذمہ داری کے قبول کو حقوق کی کمی بیشی کا معیار بنایا جائے،

لیکن یہ پوری طرح یقین کر لینا چاہئے کہ دنیا میں کسی پیغام یا کسی تحریک و دعوت کی کامیابی، اس پیغام و دعوت کی صرف عمدگی سے نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے علم برداروں کی جد وجہد، سعی و محنت، سرگرمیِ عمل اور ایثار و قربانی سے ہو سکتی ہے، دنیا ایک بحرِ رواں ہے، اس بحرِ رواں میں وہی زندہ رہے گا جو خود بھی رواں ہے،

موجیم کہ آسودگیِ ما عدمِ ما
ما زندہ بآنیم کہ آرام نداریم

رحمتِ عالم، اب تک رحمتِ عالم نے بنگال تک رسائی حاصل نہیں کی تھی، اس مہینہ اس کے سو نسخے کلکتہ بھیجے گئے، عام مدرسوں میں بھی وہ متعدد شہروں میں داخل کی جا رہی ہے

مقالات

ابوالبرکات بغدادی اور اسکی کتاب المعتبر

سید سلیمان ندوی

" حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ مقالہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کے پہلے علمی اجتماع جولائی ۱۹۳۶ء مین عربی مین پڑھا تھا، جو دائرہ کی جانب سے مجموعۂ مقالات کے ساتھ چھپ چکا ہے، مولوی محمد اویس صاحب رفیق دارالمصنفین نے اسکا ترجمہ کیا ہی۔ (م)

قدرت نے آلِ عباس کو غیر فانی فضیلتیں عنایت فرمائی تھیں، انھون نے ایسی یادگارین چھوڑین جو رہتی دنیا تک باقی رہین گی، اسلام کے لئے بیت الحکمۃ بنایا، علم وفن کا چرچا پھیلایا، تمدن کو ترقی دی، اہلِ علم کی قدردانی کی، ان پر انعام واکرام کی بارش کی، بنی امیہ کے عہد مین علم صغرسنی کی منزلین طے کر رہا تھا، عباسیون کے زمانہ مین اس پر شباب آیا،

دنیا کی دوسری قومون کے علمی خزانے عربی زبان مین منتقل ہوئے، یونانی علوم وفنون کی موسلا دھار بارش نے بغداد کی زمین کو سرسبز وشاداب بنا دیا، فخرِ روزگار علما وحکما پیدا ہوئے انہی مین سے فلسفی عراق طبیب بغداد، یگانۂ روزگار ابوالبرکات ہبۃ اللہ بن علی بن ملکا بغدادی صاحبُ المعتبر ہے،!

عربی زبان مین جو فلسفہ منتقل ہو کر آیا، وہ زیادہ تر مشائین پیروانِ ارسطو کا تھا، جو اسکندرانیون

کی شرحون سے ملا جلا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان شارحون کی رائین ارسطو کی طرف منسوب ہوگئین، اس سے دو قسم کی خرابیان پیدا ہوگئین،

اول یہ کہ مسلمانون نے فلسفہ کو صرف ارسطو کی کتابون مین منحصر سمجھا، فلسفہ کے دوسرے مختلف اسکولون کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی، افلاطون (شیخ ارسطو) کے چند مسائل کے سوا انھون نے معلم اول ہی کو امام مطلق تسلیم کر لیا، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ ارسطو کے استاذ افلاطون یونانی اور افلاطون اسکندری الٰہی دونون مین اشتباہ ہوگیا، انھون نے افلاطون ثانی کے خیالات کو اول کی طرف منسوب کر دیا،

دوسرے یہ کہ انھون نے ارسطو کے اسکندرانی شارحون کے اقوال کو ارسطو کی نصوص کی طرح سمجھا، اور اس پر اس طرح ایمان لائے، کہ اس مین کسی قسم کی کمی و زیادتی کا امکان نہ تھا،!

ارسطو اور افلاطون کے درمیان جمع آرار کا کام سب سے پہلے معلم ثانی محمد بن طرخان ابونصر الفارابی (متوفی ۳۳۹ھ) نے کیا، اوس نے ارسطو اور افلاطون کے نظریات پر ایک مستقل کتاب لکھی، جو علوم فلسفہ مین اس کے رسوخ اور تحقیقی پایہ کی شاہد عادل ہے، یہ کتاب شرح حکمۃ الاشراق مطبوعہ ایران (۱۳۱۳ھ ۱۳۱۵ھ) کے حاشیہ پر چھپی ہے،!

اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا، کہ فارابی نے ارسطو اور افلاطون کی جانب ان خیالات کی نسبت کی ہے جن سے ان کا کوئی تعلق نہین ہے،! اسکی وجہ یہی ہر کہ اوس نے اسکندرانی شارحون کے اقوال پر اعتماد کیا، نیز اس مین دونون افلاطونون کے التباس کو بھی دخل ہی، کہ لوگون نے افلاطون اسکندرانی الٰہی کو افلاطون استاذ ارسطو سمجھا، حالانکہ دونون مین بڑا فرق ہی، افلاطون اسکندرانی وہ ہے جس نے دین کو فلسفیانہ رنگ دیا، کبھی اس مین کلامی مباحث پیدا کئے، کبھی صوفیانہ گفتگو کی، اور فلسفۂ اشراق سے دنیا کو روشناس کیا،!

بہرحال یہود و نصاریٰ کے ذریعہ جو فلسفہ مسلمانون تک پہونچا، وہ خالص فلسفہ نہ تھا، بلکہ اکی

رائین بھی اس مین مل جل گئی تھین،!

فلسفہ کا سب سے زیادہ کمزور پہلو فلکیات اور الٰہیات مین ظاہر ہوتا ہے،!

فلکیات تو درحقیقت یونانیون کی کواکب پرستی کا ایک افسانہ ہے، جو فلسفیانہ انداز مین پیش کیا گیا، یہ چند وہمی باتون کے سوا اس پر کوئی دلیل بھی نہین میسر آسکی ہے،! مثلاً حرکت افلاک، طبائعِ افلاک، نفوسِ افلاک اور ان کی تاثیرات کے مسائل وغیرہ،؟

لیکن الٰہیات، یا تو اسکندرانیون کے عقائد کا مجموعہ ہے اور یا متکلمین یہود و نصاریٰ کے مسائل ہین،! الٰہیات مین ارسطو کے نام سے لوگون کو جو کچھ ملا ہے، وہ درحقیقت اشراقی اسکندرانیون کے خیالات ہین، جو فلسفۂ تصوف کی بنیاد کے مانند ہین،! علماء اسی سے دھوکا کھا گئے، یہانتک کہ فاضلِ اجل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تفہیمات مین اس فریب سے نہ بچ سکے،!

یہی وہ رائین ہین جن کو فارابی نے اپنی فصوص مین جمع کرکے ایک نئے فلسفۂ مذہب یا نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، اور کچھ نئی باتین بھی فلاسفۂ اسلام کے خیالات سے لیکر اس مین شامل کر دین، یہی چیز بڑھتی رہی، اور رفتہ رفتہ ایک درخت کی دو شاخین بنکر ظاہر ہوئین، یہی دونون شاخین فلسفیانہ تصوف، اور الٰہیاتِ فلاسفۂ اسلام ہین،! مجلسِ اخوان الصفار کی ساری کوششین درحقیقت ان چیزون اور نصوصِ دینیہ کے درمیان تطبیق کے لئے تھین،!

جب عباسیون پر زوال آیا، فارس مین دیلمی حکومت قائم ہوئی، اور ان لوگون نے اپنے چہرہ پر تشیع کی نقاب ڈالی، اس وقت ان کے عہد مین اس فلسفہ کا بازار گرم ہوا، حکمران ان کی امداد کو اٹھ کھڑے ہوئے،! اس کے بعد سلجوقیون کا دور آیا، انھون نے دیلمیون کے نشانات تک مٹا ڈالے،

ان کی دینی اور سیاسی کھلی اور چھپی ہر چیز کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، اس وقت ان لوگون نے پہاڑون کا راستہ لیا، وہان جا کر چھپے اور ایک دینی فلسفہ کو گڑھا، اس چیز کو حکیم ناصر خسرو نے زاد المسافر اور اپنی دوسری

کتابون مین ظاہر کیا ہے!

شیخ الرئیس بو علی سینا کے والد نے مصریون کی دعوت قبول کر لی تھی، ان کا شمار اسماعیلیون مین تھا، جیسا کہ خود ان کا بیان ہے، اور طبقات الاطبار مین ابن ابی اصیبعہ نے بھی یہی لکھا ہے، ان ہی سے انھون نے نفس اور عقل کے بارے مین ان کے عقیدہ کی گفتگو سنی اسی طرح شیخ الرئیس کے بھائی بھی اسماعیلی تھے، جب یہ دونون آپسمین فلسفیانہ گفتگو کرتے، تو شیخ الرئیس ان کی گفتگو سنتے، اس کے بعد وہ ابوعبداللہ الناتلی کے پاس بخارے گئے، ان کو تفلسف کا دعوی تھا، غالبًا یہ بھی اسماعیلی داعی تھے، ابن سینا نے ان سے علوم فلسفہ اور ریاضی حاصل کیا،

پھر ابن سینا نے یہ خیال ظاہر کیا، کہ اس نے الٰہیات مین جو کچھ پڑھا ہے، اس کو سمجھا نہیں، آخر مین ابو نصر فارابی کی کتاب جو الٰہیات مین تھی، اس کے سامنے پیش کی گئی، اس وقت اس پر علوم الٰہیہ کے دروازے کھلے، اور اس نے نئی الٰہیات کی بنا ڈالی، اور اوس مین فلاسفہ کے عقائد اور اسماعیلی متکلمین کی رایون کو خلط ملط کر کے پیش کیا

یہ تاریخ فلسفہ اسلام کا ایک مختصر خاکہ ہے، جو ہم نے اس غرض سے پیش کر دیا، کہ اس راہ کی تاریکی کسی قدر چھنٹ جائے،!

فلسفہ کے فرنگی مورخون نے فلاسفۂ اسلام پر سخت تنقیدین کی ہین، کہ انھون نے کوئی نئی چیز نہین پیدا کی، بلکہ اپنی ساری عمر ارسطو کی پیروی اور اسکی تصانیف کی شرح و اختصار مین صرف کر دی، بعض بدذوقون نے تو یہان تک کہہ دیا، کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے، مین نے اس بہتان کی پوری تردید اپنے ایک مضمون مین کر دی ہے، جو آج سے دو سال پیشتر اسلامک کلچر مین شائع ہو چکا ہے

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ مسلمانون کے فلسفہ کے دو مختلف دور ہین، پہلا دور دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری ابن سینا تک دوسرا اس وقت سے لیکر بارھوین صدی ہجری تک بارھوین

صدی ہجری میں درحقیقت مسلمانون کا آفتاب حکمت غروب ہوگیا، اور ان کے فلاسفہ کسی شمار مین نہ رہے،!

ہماری رائے مین ابن سینا سے پہلے کا دور مسلمانون مین فلسفہ کا عہد زرین ہے، اس زمانہ کے فلاسفہ فلسفہ کے تمام مذاہب سے واقف تھے، اور اسکو غیر منسوخ دین اور جامد چیز نہ جانتے تھے، وہ خود اپنی ذاتی رائے رکھتے تھے، غور و فکر کرتے تھے، اسمین نئی چیزین پیدا کرتے تھے، دوسرون کے اقوال پر تنقید کرتے تھے، لیکن ان کے فلسفہ مین دین کا رنگ بھی ہوتا تھا، اس لئے وہ فلسفی کے نام سے مشہور نہ ہوئے، بلکہ متکلمین اول یا متکلمین معتزلہ کے نام سے دنیا مین روشناس ہوئے، مثلاً علاف، نظام، جاحظ وغیرہ،! مگر بدنصیبی یہ ہے، کہ ان کے مسائل گردش روزگار کی نذر ہوگئے، اور آج ان کا نام و نشان بھی نہین ملتا، مقالات وملل کی کتابون مین جو مختصر مصالحہ موجود ہے، وہ بھی غیر مترتب اور دوسرے کے واسطہ سے ہے! جس مین بڑی حد تک ان کی اصل رائے مسخ ہوگئی ہو!

ابن سینا نے ان مختلف چیزون کو اکٹھا کیا، ان کی تہذیب کی، ابواب، فصول اور کتابون کی شکل مین تمام چیزون کو مرتب کیا، قدیم فلاسفہ اسلام ان مباحث کو الگ الگ ابواب و رسائل مین نقل کرتے تھے، مثلاً سماع طبعی کی بحث ایک رسالہ مین! کون و فساد کی بحث دوسرے مین! سماء و عالم کی تیسرے مین، طبائع و حداثیات کی بحث چوتھے مین،! یہان تک کہ وہ منطقی مباحث کو الگ الگ رسائل وابواب مین لکھتے تھے، مثلاً ایساغوجی، قاطیغوریاس، ریطوریقا، طوبیقا، حکماے سلف اور قدیم مورخین، نیز فہرست ابن ندیم کے مطالعہ سے یہ چیز ظاہر ہوتی ہے،

بوعلی سینا کے فضائل مین یہی ہے، کہ اوس نے ان تمام چیزون کو ایک جگہ جمع کر دیا، اور اپنی کتاب شفا مرتب کی، اسمین وہ ارسطو کے قدم بقدم چلا، اسکی یہ کتاب گویا فلسفہ کی انسائیکلوپیڈیا بن گئی، اس سے قطع نظر کہ اس نے ارسطو کی جانب بعض وہ چیزین منسوب کین، جو ارسطو نے نہین کہی تھیں، اور اس بات کا خیال نہ کیا، کہ ایسی راہ اختیار کرنی چاہئے، جس سے اسکی اور دوسرون کی رائے

مین تمیز کیجا سکے، ابن رشد نے اپنی کتابون مین اسکے اس فعل پر بڑی ملامت کی ہے تاکہ سطح ارسطو کو متکلم اسلام امام غزالی کے حملون سے نجات دلائے،

بہرحال یہ پہلی کتاب تھی، جس مین فلسفہ کے تمام اقسام جمع کر دیئے گئے تھے، اس کے بعد فلسفہ مین کوئی نیا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ لوگ محض اختصار و تشریح و تاویل و تعدیل مین لگ گئے، گویا یہ ایک غیر منسوخ کتاب تھی،!

اس کے بعد چھٹی صدی کے وسط مین، ابوالبرکات ہبۃ اللہ بن ملکا البغدادی جیسے یگانہ روزگار فلسفی کا ظہور ہوا اس نے مشائین کے فلسفہ کی پوری طرح تنقید کی، ارسطو کے مسائل کو جانچا، اسکی کتابون پر استدراک کیا، اور جو کچھ دیکھا اور سمجھا اسکو اپنی کتاب المعتبر مین لکھدیا،

صاحب معتبر کے حالات | ہبۃ اللہ نام، اوحد الزمان لقب، ابو البرکات کنیت، باپ کا نام ملکا ہے، مذہبًا اسرائیلی تھا، ابن ابی اصیبعہ کہتے ہین کہ وہ بلدی ہے، کیونکہ اس کا مولد بلد ہے، پھر بغداد مین قیام کیا، اس نسبت سے بغدادی کہلایا، یاقوت کہتا ہے، کہ بلد چند جگہون کا نام ہے، ان میں سے مشہور ترین وہ پرانا شہر ہے، جو دجلہ پر آباد ہے، اس کے اور موصل کے درمیان سات فرسخ کا فاصلہ ہے، فارسی مین اس کا نام شہرآباد ہے، علما کی ایک جماعت اس طرف منسوب ہے،! اسی طرح شہر کرج کو بھی بلد کہتے ہین، جسکو ابودلف نے آباد کیا اور بلد نام رکھا، اس نام کے ساتھ ایک جماعت کا انتساب بھی ہے،

بلد سے مراد بغداد بھی مراد لیا جاتا ہے،! اس نام کا ساحلِ دجلہ پر بھی ایک چھوٹا شہر ہے، اسکی طرف کسی کی نسبت نہین دیکھی گئی،

سمعانی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ اسکی نسبت دو جگہون کی طرف ہے ایک تو وہ بلد جو موصل کے قریب ہے، اسکو بلد الحطب بھی کہتے ہین، اور ایک جماعت اس جانب منسوب ہے دوسرا بلد کرج ہے جسکو ابودلف نے بنایا اور بلد اس کا نام رکھا،

گمان غالب یہ ہو کہ ابوالبرکات اس بلد مین پیدا ہوا، جو موصل کے قریب ہے، پھر بغداد مین سکونت اختیار کی، اور بغدادی مشہور ہوا،

سالِ ولادت معلوم نہین، لیکن امام ظہیرالدین بیہقی جو ابوالبرکات کا قریب العہد بلکہ قریب قریب معاصر ہے، وہ تتمہ مین کہتا ہے، کہ ابوالبرکات کا انتقال ۵۴۷ھ مین اس دن ہوا، جس دن سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ کا انتقال ہوا، اور ابوالبرکات ۹۰ سال (بحساب شمسی) زندہ رہے، اس حساب سے اگر ان کے سالِ وفات سے ۹۰ سال گھٹا دئے جائین، تو ۴۵۷ھ باقی رہتا ہے، پھر شمسی سال کو قمری بنا جائے، اور اس مین تین سال کا اضافہ کیا جائے، تو ۴۶۰ھ ہوتا ہے،

لیکن قاضی قفطی کہتے ہین، کہ ابوالبرکات اسی سال زندہ رہے، اگر اس قول پر اعتماد کیا جائے تو سنہ ولادت ۴۶۷ھ ہوتا ہے، یہ سب اس وقت ہے، جب کہ ہم سلطان مسعود سلجوقی (جن کی وفات کے دن ابوالبرکات کا بھی انتقال ہوا ہے) کی تاریخ وفات بیہقی اور دوسرے معتبر مورخین مثلاً ابن اثیر وغیرہ کی روایت کے بموجب ۵۴۷ھ مین تسلیم کرین،

لیکن راوندی نے راحۃ الصدور مین لکھا ہے[۱] کہ سلطان کا انتقال ماہ رجب ۵۴۶ھ مین ہوا،

شہرزوری اور ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہین، کہ ابوالبرکات نے شیخ ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ سے تحصیل علم کی شیخ کا سالِ ولادت ۴۳۶ھ ہے، سالِ وفات ۴۹۵ھ ہے[۲] شیخ ابوالحسن علوم حکمت مین بہت ماہر اور مشہور تھا، مقتدی بامر اللہ عباسی اور اس کے بیٹے مستظہر باللہ کے زمانہ مین طب کی بڑی خدمت کی، اور طب، منطق، فلسفہ مین بہت سی کتابین لکھین،

شہرزوری اور ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے، کہ شیخ ابوالحسن کسی یہودی کو نہین پڑھاتا تھا، جب ابوالبرکات نے شیخ کے سامنے اسکی خواہش کی، تو شیخ نے انکار کر دیا، اور کہا کہ مین اپنے حلقہ مین کسی

---

[۱] راحۃ الصدور ص ۲۴۵، [۲] طبقات الاطبا، جلد ۲ ص ۲۵۴،

یہودی کو پسند نہین کرتا، اس وقت ابوالبرکات نے یہ تدبیر کی کہ شیخ کے دربان سے دوستی پیدا کی، درس کے وقت آتا اور دہلیز کے قریب بیٹھکر بحث سنتا، ایک دن شیخ کے تلامذہ کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے، سب کے سب متحیر تھے، کسی سے جواب نہین بن پڑ رہا تھا، اس وقت ابوالبرکات مجلس مین حاضر ہوا، اور کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی، شیخ نے اجازت دی، ابوالبرکات نے ایسے عمدہ پیرایہ مین زیر بحث مسئلہ پر تقریر کی کہ شیخ کو بھی پسند آئی، اور انھون نے ابوالبرکات سے اصل معاملہ کا انکشاف چاہا، ابوالبرکات نے اپنی پوری داستان سنا دی، اس وقت شیخ نے کہا کہ ایسے شخص کو رد کنا درست نہین، چنانچہ اسی وقت سے ابوالبرکات شیخ کے خاص شاگردون مین ہو گیا،

ابن ابی اصیبعہ سعید بن ہبۃ اللہ[۵] کے بارہ مین کہتے ہین، کہ وہ ۴۹۰ھ مین موجود تھا، اس لئے کہ مین نے انھی تاریخون کا اس کا ایک خط نفیس نظامی پر دیکھا ہے، اوس کو ابوالبرکات نے اُن سے پڑھا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ ابوالبرکات نے اپنے شیخ سعید بن ہبۃ اللہ سے ۴۹۰ھ کے قریب پڑھا ہے، اور غالبًا اس وقت انکی عمر تیس سال کی رہی ہوگی،!

تحصیل علم کے بعد جب ابوالبرکات کی شہرت ہونے لگی، تو خلفاء وسلاطین نے ان کو بلانا شروع کیا، چنانچہ وہ خلیفہ مسترشد باللہ عباسی کے پاس ۵۱۲ھ سے ۵۲۹ھ تک رہا،

۵۲۹ھ مین جب سلطان مسعود اور خلیفہ کے درمیان جنگ ہوئی، تو ابوالبرکات قید کر دیا گیا لیکن پھر چھوڑ دیا گیا، ابن ابی اصیبعہ کہتے ہین، کہ ابوالبرکات مستنجد باللہ کی خدمت مین رہا، مستنجد باللہ ۵۱۰ھ مین پیدا ہوا، ۵۴۷ھ مین ولی عہد مقرر ہوا، اور ۵۵۵ھ مین اوس کے والد کے انتقال کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، اور ابوالبرکات کا انتقال ۵۴۷ھ مین ہوا ہے، اسلئے قرین قیاس یہ ہو کہ ابوالبرکات مستنجد باللہ کی خدمت مین اس وقت تھا، جب وہ خلیفہ نہین ہوا تھا،!

[۵] طبقات الاطبا، جلد ۲ ص ۲۵۵،

اس طرح سلطان محمد بن ملک شاہ سنہ ۴۹۸-۵۱۱ھ اور اس کے بیٹے سلطان محمود سنہ ۵۱۱ھ الی سنہ ۵۲۵ھ اور سلطان مسعود سنہ ۵۲۸-۵۴۷ھ کے دربار سے بھی ابو البرکات وابستہ رہا،

ابو البرکات کے متعلق بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:-

"عراقیون کا فلسفی جس کو ارسطو کے ہم پلّہ ہونے کا دعوی تھا، ذہین تھا، کتاب المعتبر، اور کتاب النفس والتفسیر وغیرہ بہت سی تصنیفین کین، نوے سال (شمسی) زندہ رہا، جذام کی شکایت ہو گئی تھی، خود اپنے علاج سے شفا ہوئی، آخر عمر مین آنکھون سے معذور ہو گیا تھا، اور ایک مدت اسی معذوری کی حالت مین زندہ رہا، سلطان محمد بن ملک شاہ نے اس پر سوء علاج کا الزام لگایا، اور مدت تک قید رکھا،

سنہ ۵۴۷ھ مین سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ کو قولنج کی شکایت ہوئی جب لوگ بادشاہ کی زندگی سے ناامید ہو گئے، تو ابو البرکات کو اپنی زندگی کا خطرہ لاحق ہوا، اور وہ دوپہر کے قریب مر گیا، عصر کے بعد سلطان کا انتقال ہوا، ابو البرکات کا جنازہ حجاج کے ساتھ بغداد کی طرف گیا،

ابو البرکات کا قبولِ اسلام | ابو البرکات کے قبولِ اسلام کے سلسلہ مین مختلف روایتین ہیں:-

(۱) ایک روایت ہے کہ مسترشد باللہ اور سلطان مسعود کی جنگ مین یہ گرفتار ہوا، جب قتل کا وقت قریب ہوا، تو فوراً اسلام قبول کر لیا، اس طرح نجات پائی، اور خلعتِ شاہانہ سے سرفراز ہوا،

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دن وہ خلیفہ کے دربار مین حاضر ہوا، قاضی القضاۃ کے سوا تمام لوگ کھڑے ہو گئے، قاضی القضاۃ نے ابو البرکات کے ذمی ہونے کی وجہ سے تعظیم کرنا ضروری نہ سمجھا، ابو البرکات نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر قاضی صاحب نے حاضرینِ محفل کی پیروی محض اس لئے نہین کی کہ مین دوسرے مذہب پر ہون تو مین اسلام قبول کرتا ہون، مین صرف اس وجہ سے اپنی تنقیص نہ کرنے دونگا، یہ ابن ابی

اصیبعہ کی روایت ہے ؛!

(۳) تیسری روایت قاضی اکرم کی ہے کہ شاہان سلجوقیہ مین کوئی بادشاہ بیمار ہوا، اور اس نے ابوالبرکات کی طرف رجوع کیا اور شفا رہونے پر اس کو انعام واکرام سے بہت زیادہ سرفراز کیا، وہ بڑے تزک و احتشام کیساتھ عراق روانہ ہوا، اسی سلسلہ مین ابوالبرکات نے سنا کہ ابن افلح نے اسکی ہجو کی ہے کہ

"ایک طبیب ہے، جب وہ بات کرتا ہے، تو گفتگو مین اس کی حماقت ظاہر ہوتی ہے، کتا اس سے بدرجہا بہتر ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ابھی تک تیہ کی سرگردانی سے نہین نکل سکا ہی"

ابوالبرکات نے یہ ہجو سنی، تو اسلام قبول کرنے کا عزم کر لیا، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس کے متعدد لڑکیان تھین، جو اسلام نہین قبول کر رہی تھین، اگر وہ تنہا اسلام لاتا ہے، تو اس کے مرنے کے بعد لڑکیان اس کی دولت کی وارث نہ ہوسکین گی، ؟ ابوالبرکات نے خلیفہ کے سامنے درخواست پیش کی، کہ میرے بعد میرا مال لڑکیون کو دیدیا جائے، خواہ وہ اپنے مذہب ہی پر قائم ہون، یہ درخواست قبول ہوئی، اس کے بعد ابوالبرکات نے اپنا اسلام ظاہر کیا، اور درس وتدریس اور معالجہ مین مشغول ہوگیا، لوگ اس کی طرف رجوع ہوے، اور اس نے خوشحال زندگی بسر کی، لوگون نے بھی اس کے علم سے نفع اٹھایا،!

(۴) چوتھی روایت قفطی کی ابن الزاغونی کے حوالہ سے ہے، کہ ابوالبرکات بلاد جبل مین سلطان محمود کا مصاحب تھا، اتفاق سے سلطان کی بیوی خاتون جو اس کے چچا سنجر کی لڑکی تھی، اور سلطان کو بہت محبوب تھی، بیمار ہوئی، ابوالبرکات ہی معالج تھا، وہ شفایاب نہ ہوئی، اور وفات پاگئی، اس کی موت سے سلطان بے انتہا غمگین ہوا، اس وقت ابوالبرکات کو اپنی جان کا خوف ہوا، اور اس نے سلطان کے غضب سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر لیا،

اگر ابن الزاغونی کی یہ روایت صحیح ہے، تو ابو البرکات کے اسلام کا واقعہ ۵۲۴ھ کا ہے، اسلئے کہ ابن اثیر کی روایت کے مطابق خاتون بنت سلطان سنجر کا اسی سال انتقال ہوا ہے،!

ابو البرکات ایک طبیب تھا، بادشاہون کی خدمت اپنے فن سے اور عوام کی خدمت حُسن تدبیر سے کرتا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے طبقات مین اس کے کافی طبی معجزات کا ذکر کیا ہے اور ان معاملات کا بھی ذکر کیا ہے جو اس کے اور اوس کے شاگرد ابن التلمیذ کے درمیان پیش آئے، لیکن ان کا ذکر کچھ مفید نہین ہے، اسلئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہین،!

ابو البرکات کے حلقۂ درس سے بعض اکابر اہل علم پیدا ہوئے، مثلاً شیخ یوسف والد موفق الدین عبد اللطیف البغدادی، جمال الدین بن فضلان، ابن الدہان المنجم، اور مہذب بن نقاش وغیرہ،! ابو البرکات بغدادی آخر عمر مین آنکھون کی معذوری کے باعث املا کرا تا تھا،

اسکی کتابون مین سب سے بلند پایہ کتاب "کتاب المعتبر" ہے، ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ ابو البرکات کی کتابون مین سے کتاب المعتبر فلسفہ مین سب سے زیادہ جلیل القدر اور مشہور کتاب ہے، ایک مقالہ ستارون کے دن مین چھپنے اور رات مین ظاہر ہونے کے متعلق ہے، جو سلطان غیاث الدین ابی شجاع محمد بن ملک شاہ کے لئے لکھا تھا، اور تشریح کا اختصار ہے، جو جالینوس کے مضامین سے لی گئی، کتاب الاقراباذین تین مقالات پر مشتمل ہے،! ایک مقالہ دواپر ہے جس کا نام برشعثا ہے،

(یہ ن کتابون کو لوگ کہتے ہین، کہ اس کی اصل برالساعۃ ہے) اس میں اس کے حالات بیان کئے ہین، اور اوس کی دواؤن کی شرح کی ہے، ایک مقالہ دوسرے معجون مین ہے، اس کا نام امین الارواح ہے، ایک رسالہ ماہیۃ عقل مین ہے،!

بیہقی ان کی دو کتابون (کتاب المعتبر، کتاب النفس والتفسیر) کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اور بھی تصانیف ہین، مگر ان تصانیف کا نام نہین بتلاتا ہے،!

(باقی)

گنج بادآورد

رُباعیات سحابی نجفی کا قلمی نسخہ

از نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

سب سے اول میں نے رباعیاتِ سحابی کا تذکرہ علامہ شبلی مرحوم کی زبانی سنا تھا، اوسی زمانہ مین موصوف نے رباعیات کی نقل حاصل کی تھی، اوس کا کوئی نسخہ اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا تھا، حال مین ایک دست فروش جو تنگ دست بھی ہے، اور کم سواد بھی، ایک بستہ کتابوں کا لایا، کتابین اگرچہ قلمی تھین، مگر سخت خستہ شکستہ حالت مین تھین، دل دیکھنے سے گھبراتا تھا، تاہم اس خیال سے کہ لانے والا بددل نہ ہوجائے، اون کو دیکھا اور اس ارادہ سے دیکھا کہ کچھ نہ کچھ بہرحال خریدنا ہے، بڑی کاوش سے ایک معمولی نسخہ کلام ثنائی مشہدی کا نکلا اور دیکھا تو بڑی تقطیع کی جلی قلم کی لکھی ہوئی ایک کتاب ملی طرزِ تحریر سے خیال ہوا کوئی مثنوی ہے غور سے دیکھا تو رباعیات تھیں، اب یہ تلاش ہوئی کس کی ہین، کچھ پتہ نہ لگا، شوق نے کہا شاید سحابی کی ہون، جو رباعیاں سحابی کی یاد تھیں، وہ اس مین تلاش کین، ایک بھی نہ ملی، بہرحال کچھ نہ کچھ لینا تھا یہی دو نسخے لیکر چار روپیہ دست فروش کے ہاتھ پر رکھدے، اوسکی التجا پر ایک روپیہ اور دیدیا، جیب گنج اگر رباعیون کا نسخہ کھولتا ہون تو اول جس رباعی پر نظر پڑتی ہے، وہ سحابی کی معرکۃ الآرا رباعی ہے،

عالم بخروش لا الٰہ الّا ہوست
غافل بگمان کہ دشمن ست او یا دوست

دریا بوجودِ خویش موجے دارد
خس پندارد کہ این کشاکش با اوست

حُسنِ اتفاق ۔ یہی رباعی مولانا شبلی نے تذکرۂ رباعیات سحابی کے وقت سنائی تھی، جب یہ یاد تھی، تحقیق ہوا کہ رباعیات سحابی ہیں، اس وقت کیا مسرت ہوئی، اس کا بیان کیا ہو،

یہ نسخہ لائبی تقطیع پر ہے، اکثر صفحوں پر ۲۴ شعر ہیں، یعنی بارہ رباعیان، خوشخط جلی قلم، بہت کچھ صحیح ہے، اوّل سے ۳۲ ورق ناقص ہیں، ان میں سے پانچ ورق کا بالائی حصہ سالم ہے، جس میں حُسنِ اتفاق سے ۳۰ رباعیان محفوظ ہیں، بقیہ اوراق بالکل فنا ہیں، یا جزوی باقی، ساتھ ہی بیکار کہ ان پر ایک پورا شعر بھی نہیں باقی حصہ ورق ۳۳ سے ۲۲۸ ورق تک سب خوب محفوظ ہے، ورق ۲۲۸، اگرچہ سالم و محفوظ ہے، مگر کاتب نے اوس کے دوسرے صفحہ کا نصف حصہ (یعنے ۱۲ سطرین) لکھکر قلم رکھدیا ہے، کیوں، ؟ یہ کون بتا سکتا ہے، معلوم نہیں منقول عنہ نسخہ اسی قدر تھا، یا آنکہ مزید نقل کا موقع نہ ملا، اس طرح نام کاتب و سنہ کتابت بھی نہیں کاغذ و اندازِ تحریر بتاتا ہے، کہ نسخہ گیارہوین صدی کی ابتدار کا لکھا ہوا ہوگا، بہرحال ان اوراق میں کل نو ہزار تین سو ساٹھ اشعار ہیں، منجملہ ان کے ۵۱۰۴ رباعیان ہیں، اگر ابتدائی اوراق ضائع نہ ہوتے، تو اس نسخہ مین رباعیات کی تعداد کم و بیش ۵۱۵۶ ہوتی،

تین سو اکتالیس شعر مثنویون کے ہین، جو تعداد میں ۲۰ ہین، بڑی سے بڑی مثنوی کے شعر ۴۹ ہین، چھوٹی سے چھوٹی کے دو، غزل یا قطعہ کوئی نہین ہے، مثنویان سب کی سب معرفت مین ہین، قصہ کسی میں نہین، البتہ بعض میں کوئی حکایت درج کرکے نتیجہ نکالا ہے، اکثر ایسی ہین جن مین کوئی حکایت بھی نہین محض بیانِ معارف ہے، مثنویون کے انداز سے معلوم ہوتا ہے، کہ مثنوی مولانا رومؒ کے مطالعہ سے سحابی نے فیض حاصل کیا تھا، اور وہین سے مضامینِ معرفت لئے تھے، ایک مثنوی کے آخر میں مولانا کا شعر بشنو از نے تضمین کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے،

غیر ازین معنی نہ دارد گر شوی ۔۔۔ واقفِ مضمونِ بیتِ مولوی،

بشنو از نے چون حکایت میکند ۔۔۔ وز جدائیہا شکایت می کند

افسوس ہے ان مثنویون مین وہ شعر نہین ہے، جس کو مولانا شبلی مرحوم نے ہزار مثنویوں سے بہتر لکھا ہے،

عشق حقیقی ست مجازی مگیر این دُم شیر است ببازی مگیر

تذکرہ ریاض الشعراء مین یہ شعر انتخاب کیا ہے،

مولانا شبلی مرحوم نے الندوہ مورخہ ستمبر ۱۹۰۸ء مین ایک مقالہ سحابی پر لکھا تھا، بعنوان "فلسفہ اور فارسی شاعری" اوس مین رباعیاتِ سحابی نجفی سے بحث کی ہے، تعجب ہے کہ اگرچہ شعر العجم کا (جو اس وقت زیرِ تالیف تھی) اس مضمون کو نمونہ بیان فرمایا ہے، مگر خود شعر العجم مین سحابی کا مستقل ذکر نہیں فرمایا، بہر حال مقالہ مذکور مین لکھا ہے، کہ "مین نے دس ہزار رباعیان سحابی کی دیکھی ہین، ایک مجموعہ کی نسبت (جس مین چھ ہزار سے زیادہ رباعیان تھین) لکھا ہے کہ اسکی نقل میرے کتب خانہ مین ہے"۔ معلوم نہین یہ نقل کیا ہوئی، جو نسخہ مولانا کے کتابخانہ کا ندوۃ العلماء کے کتب خانہ مین دوسری کتابون کے ساتھ آیا، اس مین صرف ۲۲۴۳ رباعیان ہین، علاوہ رباعیون کے کوئی اور صنفِ کلام نہین ہے، مہتمم کتاب خانہ نے اپنے خط مین نسخہ ہذا کی بابت لکھا ہے، کہ "علامہ شبلی نے کسی نادر نسخہ سے نقل کرایا تھا" کتابخانہ کی یہ اطلاع بھی ہے کہ علامہ شبلی مرحوم نے اکثر رباعیات کا مفہوم کہین پنسل سے اور کہین قلم سے مختصر طور پر حاشیہ پر لکھدیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ علامہ کے زیر ملاحظہ رہا تھا،

ایک مجموعہ نوسو رباعیون کا انتخاب کرکے مولوی علی اوسط صاحب سابق سشن جج رئیس اعظم گڈھ نے چھپوایا ہے، اوس کے دیباچہ نے مجھکو بتایا کہ علامہ شبلی نے مقالۂ مذکورۂ بالا الندوہ مین شائع کیا تھا، اسی اطلاع پر مین نے اس کو پڑھا،

دوسرے کتابخانون سے بھی مین نے مراسلت کی، کتابخانہ آصفیہ سرکار عالی حیدرآباد مین دو قلمی نسخے ہین، دونون نسخون مین دیباچہ ہے، ایک نسخہ مین ابتدائی حصہ رباعیون کا ناقص ہے، اس کا

خط معمولی ہے رباعیاں بر فصل مسلسل لکھی ہیں جس سے مثنوی کا دھوکا ہوتا ہے، (اوپر آپ نے پڑھا کہ یہی انداز تحریر میرے نسخہ کا بھی ہے) دوسرا نسخہ نفیس خوشخط مطلّا ہے، مکمل ہے، اس میں رباعیاں ۱۴۸۴ ہیں، ایک مثنوی ہے جس کے خاتمہ پر بعنوان غزلیات چند منفرد اشعار ہیں، بالآخر یہ نسخہ ایک پانچ شعر کے قطعہ پر ختم ہوتا ہے جو محکوک کر دیا گیا ہے، دونوں نسخوں پر کاتب کا نام یا سنہ کتابت نہیں،

بانکی پور کے کتب خانہ میں دو نسخے ہیں، ایک ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے، دوسرا ۱۰۸۰ھ کا، مزید تفصیل سر دست معلوم نہیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ ایک نسخہ کے آخر میں ایک مختصر سی مثنوی بھی ہے،

حالات سحابی کا ماخذ | تذکرہ خلاصۃ الاشعار و نتایج الافکار تقی الدین کاشانی، عرفات العاشقین تقی اوحد ریاض الشعراء والہ داغستانی، سرو آزاد، میر غلام علی آزاد بلگرامی، مجمع الغرائب احمد علی سندیلوی، تذکرہ شعراء ماضی از سہیل، مجمع الفصحا، سپہر طرانی،

حالات سحابی | سحابی کا نام کمال الدین ہے، مولد و منشا شوستر، اصل جرجان ہے، اس لئے استرآبادی مشہور ہوئے، معاصر شاہ عباس ماضی تھے، ابتداءً قدم وادی شاعری میں رکھا، علوم متعلقہ حاصل کئے، عرفات العاشقین میں تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے" فاضل کامل موحد عارف" اس سے ان کے پایۂ علم و معرفت کا پتہ لگتا ہے، تحصیل علم کے بعد سیاحت کی، عراق عرب پہونچے، وہاں ائمۂ اطہار کی زیارتوں سے فارغ ہو کر نجف اشرف میں حاضر ہوئے، وہیں سکونت اختیار کی، قیام نجف اشرف بقول بعض چالیس سال رہا، اور بقول بعض تیس سال اس تمام زمانہ قیام میں کبھی بپاس ادب اندرون حرم و ساحت روضہ" داخل نہ ہوئے، صرف آستان بوسی پر قناعت کی،

مولف تذکرہ خلاصۃ الاشعار و نتایج الافکار تقی الدین کاشانی نے ۹۹۰ھ میں نجف اشرف میں سحابی سے ملاقات کی، جو بیس سال سے وہاں مقیم تھے، بحالت درویشی و گوشہ گیری آلایش دنیوی سے مبرا و معرا پایا،

تقی اوحدی مؤلف عرفات العاشقین سنہ ۱۰۰۵ھ مین نجف گیا، اوس سے چارسال قبل سحابی کی وفات ہو چکی تھی، اس حساب سے سنہ ۱۰۰۱ھ سنہ وفات سحابی ہوتا ہے، مجمع الفصحا مین سنہ وفات سنہ ۱۰۲۰ھ لکھا ہے، جو لغزشِ قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، تقی الدین اوحدی اور تقی کاشانی کے بیان کے ملانے سے سحابی کا قیام نجف مین تیس سال ثابت ہوتا ہے، یہی آزاد نے سرو آزاد میں لکھا ہے، وفات سرو آزاد مین حدود سنہ ۱۰۱۰ھ لکھی ہے، مدفن سحابی نجف مین ہے،

کلام سحابی | تعداد رباعیات۔ بقول آزاد ستر ہزار رباعیان تھین، جو دریا میں غرق کی گئین، بیاضون مین بیس ہزار باقی رہین، یہی تعداد مجمع الفصحا مین ہے، نیز مجمع الغرائب مین، مولانا شبلی نے ایک مجموعہ مین دس ہزار رباعیان دیکھین،

علاوہ رباعیات مثنویان ہین، غزلیات کا ہونا تذکرہ ریاض الشعرا، مجمع الفصحا، اور تذکرۂ شعرا ماضیہ سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حیدرآباد کے نسخہ مین کچھ اشعار غزل موجود ہین، دیباچہ ہے، ایک قطعہ ہے مگر مشکوک،

کلام پر رائے | سحابی کے کلام مین وہ مضامین بہت کم ہین، جن سے بالعموم کلام مین گرمیِ ہنگامہ کا سامان ہوتا ہے، یعنی بادہ و ساقی یا ناز و کرشمہ، گیسو و عارض، اگر خال خال کہین آبھی گئے ہیں تو شانِ حقیقت لئے ہوئے، اسی کے ساتھ عامیانہ شوخی و رندی سے بھی کلام بے تعلق ہے، مضامین بلند ہین، معرفت کی قوت کے ساتھ معرفت کے مطالب اس انداز کلام مین بیان کرتا ہے، جو شانِ تصوف کے شایان ہے، باوجود اس قدر احتیاط اور دائرۂ کلام کی تنگی کے قوتِ کمال یہ ہے، کہ کلام صاف، دلنشین، نادر اور اثر مین ڈوبا ہوا ہے، کہین اسکی رباعی پایۂ بلند سے گرتی نہیں، عرفات العاشقین مین اسکی طرز کی بابت لکھا ہے "آبِ بلاغت و براعت در جداولِ بیانش روان و نورِ فصاحت و ملاحت از جبہۂ کلامش عیان" اور یہ بالکل بجا ہے،

خلاصہ سحابی نے مضامینِ وحدت و معرفت اوس قوت اور ذوق سے بیان کئے ہیں، جو پڑھنے والے کے دل میں شوقِ معرفت پیدا کرتا ہے، اوس کا فلسفہ تخریبی نہیں تعمیری ہے، کمال یہ ہے کہ باوجود بلندیِ مطالب و نزاکتِ فکر کلام معمّا نہیں بنتا ہے، جو محتاجِ شرح ہو، چند رباعیاں بطور نمونہ نقل کیجاتی ہیں، ملاحظہ ہوں :-

توحید :-

عالم بجز و شِس لا الٰہ الا ہوست غافل بگمان کہ دشمن ست او یا دوست
دریا بوجودِ خویش موجے دارد خس پندارد کہ این کشاکش با اوست

نعت :-

اے سرورِ انبیاء و اے تاجِ کرام اے حامد و محمود و محمد از نام
پیغامِ رسل جملہ یکے تا دگرے کارِ تو بحق رسید و شد کار تمام

خداشناسی :-

در مجلسِ روزگار افسانہ توئی افسانہ چہ بل نشاءِ جانانہ توئی
کیفیت او را تو ہم از خویش طلب ہر چند کہ بادہ اوست پیمانہ توئی

فنا و بقا،

تا جملہ تو نیستی ز جانان دوری زان رو کہ ندارد او ز یک جاں دوری
قرآن کل ست و می نگنجد در جزو تا کُل نشوی ز سرِ قرآن دوری

ایضاً،

از جزو بکل اے کہ در تخییل گردی بشنو سخنِ کاہل تجمل گردی،
در ہستیِ خویش گر بمانی جزوی خود را ہمہ جا نظر کنی کُل گردی،

مناجات :-

ما را چو ظلومی و جهولی خوانی   خود برّ و رحیم و راحم و رحمانی،
ما خود کردیم آنچه اہلش بودیم   تو نیز بکن ہر آنچه اہل آنی،

ترقی مراتب :-

از لافِ وجود نیست تغیر ندمے   در عشق که ہست غیر آنجا عدمے،
ہر ساحلِ بحر سہل میگیری بحر   ادمی گوید که بیشتر نه قدمے،

امر و نہی :-

در ہر امر ست اشارت از محمودے   خلقِ ما گیر تا شوی موجودے،
در ہر نہی کنایه و ہم غیر ست   کان محض نمود ست و ندارد سودے،

حق جوئی :-

دیدار ز حق جوے کین یقین ست ترا   دیگر ہمه ظن کفر و دین ست ترا
ہر چیز که نشناخته آنِ تو نیست،   ہر چند جہان زیر نگین ست ترا

فنا و بقا :-

ہر کس گم شد نام و نشانہا او را   دادند جہان عقل و جانہا او را
احمد که بکنج بندگی ساکن شد   بردند بسیر آسمانہا او را

منتہاے اختلاف و نزاع :-

خلق اند ہمه بر سر کبر و کینہا   لافِ دینہا و دعوی آئینہا
حق می گوید گوش خالص دنیا   مقصد چو منم چه اختلاف ست اینہا

مناجات :-

ساقی در دہ شراب جاوید مرا	بر سنگ مزن شیشۂ امید مرا
بزدای غبار از دل نورانی من	مگذار درین کسوف خورشید مرا

کہ تہ نظری مانع حصول مقصد ہے،

تا دل بسوے خود نگرانست ترا	جانان تو از دیدہ نہانست ترا
خواہش موافق مراد خود نیست	چندین تنگ و یاس تشکوہ زین سست ترا

مناجات :-

جانم بوصال بر فروزان یارب	چشم زجمال بر مدوزان یارب
پروردۂ تست جملہ پا تا سر من	پروردۂ خویش را مسوزان یارب

شعر العجم حصہ اوّل

فارسی شاعری کی تاریخ، جس مین شاعری کی ابتدار، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات واسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعرار (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے، اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، قیمت :- ہٖ

شعر العجم حصہ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ، و ابن یمین تک) مع تنقید و تبصرہ قیمت :- ہٖ

"منیجر"

علم الانسان اور اسلامی تعلیمات

مترجمہ

سید ابو عاصم صاحب بسنوی

"گذشتہ اکتوبر کے اسلامک کلچر میں مشہور یوروپین مسلمان ڈاکٹر برن عمر رولف ابرن فلس نے جدید علم الانسان کی تحقیقاتون سے اسلامی تعلیمات کی تصدیق و تائید پر ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہی، ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے"۔

علم الانسان کی تعریف یہ کیجاتی ہے "تاریخ کے بغیر انسانون کی تاریخ" اس چیستانی تعریف سے کم سے کم اتنا پتہ چلتا ہے کہ علم الانسان کی تحقیق ایسے انسانون سے متعلق ہے جن کے ارتقائی مدارج کی تکمیل نہ ہوئی ہو، اور وہ رسم الخط کے استعمال سے ناواقف ہون جس سے اپنی تاریخ لکھ سکین، صرف سائنس کے اصولون پر ان کی تاریخ کا پتہ چلایا جائے، ان کے خیالی قصون، کہانیون، رسم ورواج، تاریخی اور رزمیہ داستانون ہی مین ان کی روایات کی جھلک مل سکتی ہو، یہ ماہر علم الانسان کا کام ہے کہ وہ ان ہی ذرائع سے قدیم انسانون کی معاشرتی اور تمدنی تاریخ مرتب کرے، اس عنوان کے تحت مین دنیا کی ان اقوام کی قدیم معاشرتی تاریخ بھی آجاتی ہے، جنھون نے بعد مین اپنی تاریخ لکھنی شروع کی، اور اب وہ مستقل تاریخ کی مالک ہین،

جہان تک عربون کا تعلق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم الانسان کی دلچسپی صرف زمانہ جاہلیت سے ہے اور دوسری طرف اسلامی علوم کا تعلق اسلامی عہد سے ہے، یہی حال افریقہ کے حبشی اور وسط ایشیا

کے خانہ بدوش مسلمانوں کا ہے، ممکن ہے اس نکتہ سے یہ خیال ہو کہ اسلامی علوم اگر علم الانسان کے مخالف نہیں تو موافق بھی نہیں ہیں، پہلی نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے، کہ علم الانسان کو اسلامی علوم سے کوئی علاقہ نہیں، قطع نظر اس امر کے کہ اسلامی تمدن و معاشرت پر عہدِ جاہلی کے ناگزیر اثرات کس حد تک پڑے، اس قسم کے اثرات کی اہمیت بہت زیادہ ہے جس کا اندازہ اب تک نہیں لگایا گیا ہے، اسلامی علوم اور علم الانسان کے درمیان رشتہ کی صرف یہی ایک کڑی نہیں ہے،

جدید معاشرتی تاریخی علم الانسان اس معمہ کو حل کرنے میں کوشاں ہے، کہ انسانوں کا پہلا مذہبی عقیدہ کیا تھا،

ہماری تحقیقات کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک براہِ راست مشاہدہ، دوسری قدیم انسانوں کے مذہبی اعتقادات سے نتیجہ کا استنباط،

ا۔ پہلا مذہبی عقیدہ اس کوشش میں اسلام اور قرآن کے طالب علم کو زیادہ دقت نہیں ہوگی، کیونکہ نفس مذہب کی اصل اور اسکی پہلی شکل کے متعلق اسلام کی تعلیمات میں صاف و صریح ارشادات موجود ہیں،

ا۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب کی اصل اور فطری صورت وحدانیت ہے، اور ہر انسان پیدایش کے وقت مسلمان رہتا ہے،

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے سچے پیغمبر تھے، جو انسانوں کے لئے پہلا پیغام الٰہی لائے،

اسلام کی یہ دو تعلیمات جو مذہب کی بنیاد ہیں، تہذیب و تمدن کے نظریۂ ارتقار کی ضد ہیں کیونکہ اگر انسانوں کا سب سے پہلا مذہب وحدانیت مان لیا جائے (جیسا کہ اسلام کا دعویٰ ہے) تو اس کے معنی یہ ہونے کہ قدیم ترین انسان موحد اور ایک بلند روحانی تخیل کا مالک تھا، اور اگر حضرت آدمؑ خدا کے پہلے رسول تھے، تو فطری طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ قدیم ترین انسان جو دنیا کی پرانی تہذیب و

وتمدن کا علمبردار تھا، وہ اخلاق وسیرت کا بھی مکمل نمونہ تھا، لیکن نظریہ ارتقار اور اس کے ساتھ ساتھ علم الانسان کا نظری تاریخی تخیل (جو پچھلی صدی کے آخر میں وجود میں آیا) اسلامی نقطۂ نظر کے بالکل مخالف ہے، اسکے نزدیک انسانی تہذیب اپنی اصل شکل میں بربریت اور حیوانیت تھی، جس نے آہستہ آہستہ ترقی کرکے موجودہ اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی اداروں کی صورت اختیار کی، اس نظریہ کے مطابق مذہب کی اصل یہ تھی، کہ انسان خیر و شر کے اعتبار سے مختلف قوتوں کی الوہیت پر عقیدہ رکھتا تھا، اور ایک مستقل خوف نے اوس کو ان قوتوں سے مدد مانگنے پر مضطر کر دیا تھا، جو ان کے خیال کے مطابق ہر ذی روح اور غیر ذی روح کے اندر موجود تھیں اس نظریہ کی تمام دلیلیں انسانوں کے طبیعیاتی اور حیوانیاتی پہلو سے اخذ کی گئی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں کا جسم اور اسکی شکل پہلے حیوانوں کی طرح رہی ہوگی، اور ہزاروں لاکھوں صدیوں کے تغیرات کے بعد موجودہ شکل وصورت کو پہونچی، جیسے موجودہ اعلیٰ قسم کے حیوان کسی زمانہ میں موجودہ ادنیٰ قسم کے جانوروں کے ہم شکل تھے، جیسے موجودہ تھن دار جانوروں کے آباد اجداد کبھی سانپ اور مچھلی کی شکل کے ہوں گے، پھر یہ مچھلیاں اور سانپ بھی، اس سے بھی ابتدائی درجوں میں (سیپ اور گھونگھا) رہے ہونگے، غالباً اسی ارتقائی تخیل نے علم الانسان اور نظریہ ارتقار کے علماء کو غلط فہمی میں ڈالدیا ہے، انھوں نے خیال کیا کہ جس طرح انسانوں کے جسم صدیوں ترقی کرتے رہے، اسی طرح ان کی تہذیب اور تمدن نے بھی حیوانی درجوں سے گذر کر موجودہ ترقی یافتہ صورت اختیار کی، یہ نظریہ ارتقائیوں کیلئے تو گمراہ کن تھا ہی، اہلیت والوں کو بھی اوس نے چکر میں ڈال دیا، اور وہ خیال کرنے لگے، کہ ان کی تہذیب و تمدن قدرت کا نظری تاج ہے" اس قسم کے نظریوں پر بہت سے ماہرین علم الانسان اور بشریات نے تحقیق کی ہے جن میں اکثر بڑے دقیقہ رس بھی تھے، امریکی تفتیش رساں مورگن (Morgan) اور سوئس محقق بے بے، بیکوفن (Backofen) نے بلاشبہہ علم الانسان کا میار بہت بلند کر دیا ہے، لیکن بعد کی تحقیقات سے ان کا نظریۂ ارتقائے تہذیب بے بنیاد ثابت ہو گیا، پہلانظریہ کہ مردوں

، ماہرین علم الانسان کو قدیم انسانون کے مشاہدہ کا موقع دیا، ان کی تحقیقات سے یورپ کے سائنسدانون
یہ بات روشن ہوگئی، کہ جنگل کی بسنے والی وحشی اور درندہ قوم قدیم انسانون کی نمایندہ نہین ہے'
ن لوگون سے یہ قیاس کرنا کہ کسی زمانہ مین سارے انسان ایسے ہی تھے، سخت غلطی ہے، کیونکہ اسکے
اف بہت ہی قدیم جنگلی قومون خصوصًا بونون مین مذہب، اخلاق اور سیرت کا بہت ہی
د معیار پایا گیا ہے،

اس سلسلہ مین ایک برطانوی ماہر علم الانسان اینڈریولینگ (Andre welang) کے
ناہدات بہت حیرت انگیز ہین، اس نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ وحدانیت کا غیر مبہم تخیل بہت ہی
لوک الحال جنگلی قومون اور خصوصًا بونون مین موجود تھا، یہ لوگ ان غیر آباد اور گمنام جزیرون مین
ہتے ہین، جہان بیرونی تہذیب و تمدن کی پرچھائیان بھی نہین پڑی ہین،

ازلی وحدانیت | آج کل وسط افریقہ، آبنائے نوآبادی (Strait Se Tlement)
بحر الکاہل کے بونون کے حالات جدید معاشرتی تاریخ کی دلچسپی کے مرکز بنے ہوئے ہین، جس سے بہت
پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، ان بونون اور ان جیسی دوسری اقوام مین وحدانیت کے عقیدہ کے
تعلق اینڈریولینگ کے بیانات نے علم الانسان اور قدیم تہذیب کی تحقیق کی نئی راہین کھول دی ہین'

وانا کے ماہر علم الانسان پروفیسر فادر ڈبلو سیکمٹ (FATHER.W.SCHMIDT)
جو آج کل ویٹیکن کے بشریاتی عجائب خانہ مین کام کر رہے ہین) نے اس موضوع سے متعلق تمام
بیانات اور آثار جمع کئے ہین، ان کی کوشش اینڈریولینگ کے خیالات کی پوری تصدیق کرتی
ہے، ان کی تحقیق سے ظاہر ہوا کہ سب سے پہلا مذہبی عقیدہ وحدانیت ہی تھا، اور ان زراعتی اور دیہاتی
قومون مین اولین بنیادی مذہبی تخیل کے زبردست آثار پائے جاتے ہین، گو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ
ِس عقیدہ مین برابر اختلاط ہوتا گیا، اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ بھوت پریت اور دوسری روحون

کو ماننے اور ڈرنے لگے، اور انھیں بھی خدا کا درجہ دیدیا، انہی خیالات نے جنگلی قوموں کو بھی جو پہلے موحد تھیں متاثر کیا، وحدانیت کے انحطاط کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ وحدانیت مین یہ تخیل بھی ہے کہ خدائے واحد کا پرتو اور اسکے جلوے مختلف انسانون مین نظر آتے ہین، اس تخیل نے یہان تک ترقی کی، کہ خدا کے علاوہ اوتارون کی بھی پرستش کی جانے لگی، گویا اصل وحدانیت مین غلط تخیل کی آمیزش نے بعد مین بہت سے خدا بنائے، ہندؤن کی مذہبی تاریخ سے یہ کڑی مل جاتی ہے، کہ کس طرح ایک خدا کے لئے پرتو یا اوتار پیدا ہوگئے، ان تمام امور پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ مذہب کی اصلی شکل وحدانیت تھی، گویا معاشرتی تاریخی علم الانسان کی تحقیقات نے اسلامی تخیل کی اسی شدت سے تائید کی جس سختی سے فطری تاریخی اور تہذیب و تمدن کے یک طرفہ نظریۂ ارتقار کو اس سے اختلاف تھا،

۲- جداول کے افسانے اور حضرت آدم علیہ السلام اس تحقیقات کے سلسلہ مین یونون وغیرہ کے اندر ایک ہی مشترک افسانہ کا پتہ چلا، اور وہ جد اول کا افسانہ ہے، اس قدیم افسانہ کے مطابق پہلے انسانی ماں باپ خدا کے قریب رہتے تھے اور اس کے گہرے دوست تھے اور یہی بنی نوع انسان کے لئے اخلاقی قوانین لائے گویا اسلامی تخیل کے مطابق خدا کے پہلے پیغمبر آدم تھے، یہ مشترک افسانہ ایک اور بات پر متفق ہے اور وہ یہ کہ دنیا مین بیماریان تکلیفین اور موت ناپید تھین لیکن یہ ساری مصیبتین جد اول کے احکام کی نافرمانی کے باعث وجود مین آئین، یہ افسانہ اسلامی تخیل سے کتنا مل جاتا ہے، کہ تمام انبیاء اور ان مین آدم بھی خدا کا پیغام لائے،

۳- پہلی تہذیب کے اخلاقی اصول علم الانسان کی اس نئی تحقیق نے یونون یا قدیم تہذیب و تمدن کے اصلی نمایندون کے اخلاقی اصولون، انکی خصوصیات، اور ان کے سماجی تخیلات کی چھان بین کر دی، اس پہلو سے نظر ڈالنے کے بعد یہ بھی پتہ چلا، کہ انصاف و رواداری اور یگانگت ان کی زندگی

کی خصوصیات ہین ، وہان حاکم، محکوم، آقا، غلام، مذہبی اور جنگ جو قومون کی تفریق نہین ہے، باپ اور مان بیٹے اور بیٹیون سے برابر کی محبت اور ان کی یکسان عزت کی جاتی ہے، نہ وہان حکومت پدری (Patriarchal) ہے جس مین بیوی شوہر کے قبیلہ مین شمار ہونے لگتی ہے، اور نہ حکومت مادری جس مین اوس کے برعکس ہوتا ہے، بلکہ مساوات اور ایک دوسرے کی عزت و تکریم کا بہت ہی بلند معیار ہے جس مین ہر شخص کے مساوی حقوق ہین، ان مین اخلاق کا معیار اتنا بلند تھا، کہ چوری زنا، قتل، جھوٹ، دغا، فریب کے الفاظ کا بھی پتہ نہین چلتا ، ان اصلی اور قدیم انسانون کے متعلق جو اپنے سے زیادہ مہذب لوگون سے ملوث نہین ہوئے، ماہرین علم الانسان کے متحدہ و متفقہ بیانات ہین، یہ وہ معاشرتی و اخلاقی اصول اور سچے مذہبی احکام ہین، جو اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلعم تک تمام پیغمبر اپنے ساتھ لائے، اس باب مین اسلام کو عیسائی تخیل سے اختلاف ہے، عیسائیون کا عقیدہ ہے، کہ کافر یعنی جو شخص عیسائیت کے دائرہ سے باہر ہے، وہ خدا کے ہدایات سے محروم ہے، اس کے برعکس اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ مین خدا کی ہدایات اس کے ہزارون پیغمبرون کے ذریعہ آتی رہین ،

اس مسئلہ مین بھی جدید علم الانسان کی تحقیقات نے اسلام کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیا ہے کہ مذہب کی اصل کیا تھی، اور اسکی اشاعت کس طرح کی گئی،

۵- انسانون کا نسلی اتحاد | مذہبی اور اخلاقی خیالات کی تاریخ کے متعلق علم الانسان کی تحقیقات نے اسلام کے نظریون کو اس طرح روشن کیا ہے، کہ حیرت ہوتی ہے، اور تنہا یہی نکتہ ہماری دلچسپی کا مرکز نہین ہے، بلکہ اس سلسلہ مین اتحاد کا مسئلہ بھی کافی دلچسپ ہے،

جب یہ بات ثابت ہوگئی، کہ وحدانیت ہی سب سے پہلا مذہبی عقیدہ تھا، تو اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ تمام انسانون کی نسل بھی ایک ہی ہوگی، اس خیال کو حال ہی کی تحقیقات نے اور قوت

پہنچائی، اور قدیم انسانون کے معاشرتی تعلقات کی متعدد گیڈنڈیون نے اس شاہراہ پر پہنچا دیا، ہم دیکھتے ہین کہ ایک ہی قسم کے افسانے ہر جگہ پائے جاتے ہین، یہ افسانہ اگر ایک طرف دائرہ قطب شمالی کے اسکیمو (شمالی امریکہ کی ایک قدیم نسل) مین پایا جاتا ہے، تو دوسری طرف ان سے ہزارون کوس دور مرکزی افریقہ اور ابناے نوآبادی کے حبشیون، شمالی امریکہ کے ٹیرا، ڈل فیوگو (Tierra-del-Fuego) قومون اور اسٹریلیا کے کورینی (Kurnai) اور کولن (Kulin) مین بھی موجود ہے، یہ افسانے رویت باری تعالی کے متعلق ہین، جو سراپا نور ہے، اس کے نظارہ کی تاب کوئی انسان نہیں لاسکتا، ان کہانیون کے مطابق انسانون کا جدّ اول اس کے ساتھ رہتا تھا، لیکن اسکی نافرمانی کی وجہ سے یہ عزت اس سے چھین لی گئی، بعض دوسرے افسانے دنیا کی تحقیق کے متعلق ہین، اس بارہ مین یہ عجیب خیال ان قدیم نسلون مین پایا جاتا ہے، کہ خدا کے حکم سے ایک آبی چڑیا زمین کو سمندر مین غوطہ دینے کے لئے لائی، یہ ناممکن ہے کہ اس قسم کے خیالات دنیا کے مختلف فرقون اور قومون مین خود بخود آگئے ہون، سب قومون مین ان کا اشتراک ہمین یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ انسانی خیالات اور تہذیب کا اتحاد اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان پہلے پہل دنیا کے ایک ہی گوشہ مین وجود مین آیا، پھر بعد مین سارے کرہ مین پھیل گیا،

اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہین کہ مختلف براعظمون کے قدیم ترین انسانون کی تہذیب مین ایک ہی معاشرتی اور اقتصادی نظام کام کرتا ہے، یہان تک کہ نظام مادری کے پابند ترقی یافتہ کاشتکارون اور نظام پدری کے پیرو خانہ بدوش صحرائیون دونون مین قریب قریب ایک ہی معاشرت ہے، ان مین مختلف تہذیبون کے نمایندے (۱- قدیم ۲- نظام مادری کے زراعتی اور ۳- نظام پدری کے خانہ بدوش) ایشیا، افریقہ، شمالی اور جنوبی افریقہ اور بحرالکاہل کے جزیرون مین پائے جاتے ہین ایک ہی قسم کی معاشرت کے پیرو انسانی تمدن کے ابتدائی ہی دور مین ساری دنیا مین تقسیم کردیے

گئے ہون گے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، جیسا کہ اکثرون کا خیال ہے، تو انسانیت کی اصل ایک نہ ہوتی بلکہ کرۂ ارض کے ہر حصّہ مین اختلافِ نسل کے باوجود اس کا ارتقا یکسان ہوتا،

اس ثبوت کے علاوہ طبیعاتی بشریات کے مشاہدات سے ہماری مزید رہنمائی ہوتی ہے، مختلف نسل کے لوگ اپنی جزئیات مثلاً رنگ، جسد، بالون کی ساخت، آنکھین، ناک، لب وغیرہ مین مختلف ہین لیکن جسمانی ساخت ساری دنیا کی قومون کی ایک ہی ہے، نسلون کے جزوی اختلافات باہم شادیون مین کوئی روک نہیں ہین، بلکہ بہت بڑی حد تک کشش کا باعث ہین، مختلف جنس کے جانور جیسے گھوڑے اور گدھے کی متعدد اولاد ہوتی ہے، لیکن اس جانور (خچر) مین مزید تولید کی صلاحیت نہین ہوتی، لیکن اس قسم کی باتین انسانون مین نہیں ہین، بلکہ اس کے برعکس زیادہ ہوتا ہے یعنی مختلف نسلون کی آمیزش سے اولاد باپ مان سے زیادہ طاقتور اور ان کے مقابلہ مین دوسری خوبیوں کی مالک ہوتی ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوگئی، کہ سارے انسان ایک ہی حیوانیاتی جنس سے تعلق رکھتے ہین یہ وہ بنیادی مشاہدات اسلام کے بنیادی نظریہ کے سائنٹفک ثبوت ہین، اور وہ نظریہ نسلی اتحاد پر اعتقاد ہے،

۲ - نسبی میل | انسانون کے نسلی اتحاد کی تشریح کے بعد مختلف قومون اور قبیلون کی باہمی شادیون اور نسبی میل کے مسئلہ پر نظر ڈالئے،

یہ مسئلہ بھی اسلام کے طالب علم کے لئے کافی دلچسپ ہے، کیونکہ قرآن پاک مین مختلف نسلون مین باہمی شادی بیاہ کے مسئلہ پر صاف و صریح ارشادات موجود ہین، قبل اسلام کے عرب ایک خود پسند اور جنگجو امیر طبقہ تھا، جس کے یہان ہندوستان کے چھتریون کی طرح آپس ہی مین شادی بیاہ ہوتے تھے، اس زمانہ کے عرب اپنی لڑکی کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے تھے، جس کو وہ اپنے سے بلند یا اپنے برابر نہ سمجھتے ہون، غیر سامی قومون کے ساتھ شادی کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا لیکن

اسلام نے عرب کے سارے نظام اور نظریوں کی کایا پلٹ دی، اب ہر قوم کا آدمی خواہ وہ حبشی ہو یا ایرانی، رومی ہو یا ہندوستانی، یونانی ہو یا چینی، آرمینی ہو یا جادی، اسلام قبول کرنے کے بعد ایک عرب لڑکی کے لئے مناسب جوڑا ہوسکتا تھا، اسی طریقہ سے مختلف ملکوں اور قوموں کی لڑکیاں عربوں کے معزز گھرانوں میں بیاہ کر آنے لگیں، گو امرا نے اکثر نسبی تعصبات کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں بنی امیہ اور خلفائے عباسیہ[۱] کا نام خصوصیت سے لیا جاسکتا ہے، لیکن اس رجحان کی سخت مخالفت کی گئی، کیونکہ یہ اسلامی روح کے منافی تھا، اسی لئے نسبی میل جول امت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت ہوگئی ہے، اور بلاشبہ دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان بیشتر اس ملک کے غیر مسلموں کے مقابلہ میں نسبی میل جول کا نتیجہ ہیں جس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، مثلاً مصر کے عیسائی قبطی اور مصری مسلمان نسب کے اعتبار سے بھی بہت کچھ ملتے جلتے ہیں، اور بڑی حد تک متحدہ نسل سے پیدا ہوا ہیں، ان کے اندر اگر قدیم مصریوں کی نازک اندامی ہے، تو عربوں کی جوانمردی اور سوڈانی حبشیوں کی شگفتہ مزاجی، شان اور تناسب اعضا کی گنگا جمنی بھی ہے، لیکن قبطیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں میں یہ خصوصیت زیادہ نمایاں ہے، یہی حال عرب کا ہے، عرب کے مختلف حصوں کے یہودی اور عیسائی قریب قریب اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس سے مسلمان ہیں، لیکن سطحی نظر رکھنے والا ایک مسلمان کے مقابلہ میں ان کے زرد رنگ اور نڈھال چہرے سے فرق محسوس کرلے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان عربوں کے اندر افریقائی عنصر بہت زیادہ ہے اور ان کے یہودی اور عیسائی ہم وطنوں کے اندر اس کی بڑی کمی ہے، ہندوستان ہی کو لیجئے، یہاں کے مسلمان ہندوؤں، عیسائیوں اور پارسیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ مخلوط ہیں، گویا جہاں کہیں اسلامی تہذیب کا اثر پہنچا وہاں نسبی اور نسلی میل جول کا عام رواج ہوگیا، اب

---

[۱] معارف:۔ بنی امیہ نے بیشک عربی خون کو خالص رکھنے کی کوششیں کیں، لیکن عباسی تو بالکل عجمی رنگ میں رنگ گئے تھے، ان میں شاید ہی ایک دو خلیفہ عربی ماں سے ہوں،

بنا یہ ہے، کہ اس مسئلہ مین علم الانسان اور علم آثار قدیمہ کی تحقیقات کیا ہین،

ـ نبی میل جول اور
یم تہذیب کی پیدائش

وانتا اسکول کے معاشرتی تاریخی علم الانسان نے ثابت کیا ہے کہ تمام تاریخی شہرون کی تہذیبیں اسی نسبی میل جول کا نتیجہ تھین، جو مسلسل کسی غیر اختیاری ل کے تحت مین ہو رہی تھیں، "مادری کاشتکارون" شہری پدری خانہ بدوشون اور وسط ایشیا کے جنگ جو خانہ وشون مین نسلی امتزاج ہو گیا تھا، شروع شروع ان کے اختلاط کی وجہ ان کا باہمی بغض و عناد تھا، یہ شی اقوام دیسی مادری اشخاص کے ترقی یافتہ شہروان انکے ہرے بھرے کھیتون اور کھلیانون کو لوٹا تی تھین لیکن پھر کچھ دنون کے بعد یہ خود بھی وہین بس گئین اور دیسی تہذیب کی بہت سی خوبیان دل کرلین، اور اس مین کچھ اپنی خصوصیات ملا کر ایک ملی جلی تہذیب کی بنیاد ڈالی، وسط ایشیا کے رون طرف ندیون کی وادیون مین قبل تاریخ کا یہ مخصوص عمل مسلسل اور پیہم جاری رہا، جیسے جیسے وہ ندیان ڈھلوانون سے زرخیز میدانون مین اترتی گئین، یہ خانہ بدوش بھی وہان سے نکل کر ہوانگ ہو یہ کہ ـ) اور چین مین ینگ تسی کیانگ (yang Tse Kiang) اور ہندوستان کے دریائے گنگا و سندھ ران کے ٹگرس و فرات مصر کے نیل کی وادیون اور ایشیائے کوچک اور مینوئن کریٹ کے اس عہد کے زرخیز یدانون مین چلے گئے، یہ خطہ مادری کاشتکارون اور شہریون کی جماعت اور نظام پدری کے پیرو وحشی نہ بدوشون کے درمیان مدتون جنگ کا میدان بنا رہا، ان ہی واقعات کی وجہ سے دو مختلف تہذیبون ل کر ایک ترقی یافتہ تہذیب کی بنیاد ڈال دی، جو بعد مین قدیم چینی ہندوستانی میسوپوٹیمین (عراق) مصری ر یونانی رومن تمدن کے مرکزون کی شکل مین ظاہر ہوئے،

یہ ضروری نہین ہے کہ تہذیبون کی آمیزش سے نسلون کے امتزاج کا مفہوم لیا جائے لن گذشتہ مثال اور علم آثار قدیمہ اور علم انسان کی تحقیقات سے مختلف نسلون کے بنیادی امتیازات ، فرق کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، اس سلسلہ مین دوسرے ذرائع بھی معاون ہو سکتے ہین، مختلف قومون

کی مصوری اور سنگ تراشی کی یادگارون سے ان کے باہمی اختلاط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گویا تہذیبون کی آمیزش کے ساتھ نسلون کے امتزاج کا بھی سراغ ملتا ہی،

آج بھی جب کہ مختلف تہذیبین ملکر شیر وشکر ہوگئی ہین، نسبون کے عنصر کا فرق آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے، ہندوستان ہی کی مثال لیجئے، یہان کے پنجابی کاشتکارون کے اندر ایشیائی عنصر (جو شما بحیرۂ روم اور آرمینی خطہ کے لوگون سے بہت ملتا جلتا ہے) اور کشمیری برہمنون کے اندر اصلی نارڈک[۱] اور مدراسیون کے اندر میلنائیڈ عنصر موجود ہے، جنوبی ہندوستان اور اس کے باہر بھی ایسے اثرات پھیلے ہوئے ہین، انتہائی جنوبی مغربی مالابار مین وادی گنگا اور دوسرے بالائی ہندوستان کے گریزائل-ان کی قسم کے لوگ موجود ہین، یہ سب مختلف نسبون کے باہم امتزاج کی مثالین ہین،

چین سے لیکر ہندوستان تک کا سارا خطہ اور پھر وسط اور مشرق قریب سے لیکر مغربی بحیرۂ روم کے کنارے تک تہذیب و تمدن نے جو ترقیان کی ہین، وہ نسبی میل جول کا شاندار کارنامہ ہے، اگر نسبی میل جول کا نتیجہ انحطاط ہی ہوتا، جیسا کہ بعضون کا خیال ہے تو ایسی پائدار اور بلند تہذیب کبھی پروان نہ چڑھتی،

نفسیاتی اثرات اور جدید نسبی میل

ان تمام مشاہدات کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ ایسے میل جول کی شادیون سے جو اولادین ہوتی ہین، انھین بہت سے پیچیدہ مسائل اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہی کہا جاتا ہے، کہ ان تمام مصیبتون کی جڑ نسبی میل جول کی شادی ہے لیکن ان معاملات پر اگر گہری نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا کہ علم الانسان کی جدید تحقیقات اسلامی نظریہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہورہی ہے، اسلام نے نسبی میل جول کی شادی کی تلقین کی ہی اور رواداری کا حکم دیا ہی، آ

---

[۱] نارڈک - فرنگیون کی ایک نسل ہے، جس کے افراد کا قد لانبا اور رنگ گورا ہوتا ہے، یہ اسکینڈی نیویا اور شمالی برطانیہ مین آباد ہے،

دیکھئے کہ اس نکتہ مین کتنا بڑا راز مضمر ہے، مشاہدات و تجربات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے، کہ ایسی شادیون کی اولادین جسمانی اور دماغی اعتبار سے اوسطاً استعداد کے والدین سے کسی حیثیت مین کم نہین ہوتین، ممکن ہے کہ ان مین کچھ ناپسندیدہ نفسیاتی خصوصیات بھی پیدا ہو جاتی ہون، جو غالباً تعصب اور غیر متوازن معاشرتی نظام کا نتیجہ ہین، جس سے ایک قسم کا خبطلکتری پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس کو نسلی میل جول کی شادی کا لازمی نتیجہ کہنا یقیناً زیادتی ہے،

مختلف نسلون کے میل جول کے اس نتیجہ کا جب اسی طرح کی دوسری شادیون سے جو مختلف نفسیاتی اور معاشرتی ماحول سے گھری ہوئی ہون، موازنہ کیجئے، اس وقت اس تخیل کی صحت کا یقین ہو جائیگا اور معلوم ہوگا، کہ علم الانسان کے مسائل کی غیر متعصبانہ اور سائنٹفک تشریح نے بھی اسلام کی چوکھٹ پر اپنا سر رکھدیا ہے،

۹- ہندوستان کی مثال | دور کیوں جائیے زمانہ قریب کی تین جدید مثالون پر غور کیجئے، جو اس سلسلہ مین بہت اہم ہین، حیوانیاتی نقطۂ نظر سے ان مثالون مین سر مو فرق نہین ہے لیکن نفسیاتی اور معاشرتی ماحول ہر ایک کا مختلف ہے، اور ان سب کے نتائج مختلف ظاہر ہوئے، درانحالیکہ جسمانی حیثیت سے ان میں کوئی فرق نہین ہوا، اس سے یہ بات روشن ہو گئی، کہ ایسی شادیون مین نفسیاتی عنصر کو غیر معمولی اہمیت ہے،

(۱) اینگلو انڈین- نظام پدری کے ماتحت اگر باپ انگریز اور ماں ہندوستانی ہو، تو ان کی اولاد نے نام، مذہب، زبان اور قومیت باپ کی اختیار کر لی ہے، اور ماں کا کوئی اثر نہیں لیا، اس میں کوئی شک نہین، کہ جسمانی اور دماغی اعتبار سے یہ طبقہ بہت بلند ہے لیکن اُسے معاشرہ میں کوئی مناسب جگہ نہیں ملتی ہے، اس لئے اسکو ذہنی خلجان سے دوچار ہونا پڑتا ہے،

(۲) نظام پدری کے ماتحت ہندوستانی باپ اور یورپین ماں کی اولاد ہندوستانی باپ کے نام، مذہب، زبان اور قومیت کے سانچے مین ڈھل جاتی ہے، نسب کے اعتبار سے تو یہ آخر الذکر

بھی اینگلو انڈین ہی ہیں لیکن نفسیاتی اور معاشرتی مصیبتوں سے انھیں دوچار ہونا نہیں پڑتا ہے، اور انھیں اپنے باپ کے خاندان میں مناسب جگہ مل جاتی ہے، اس مثال سے گذشتہ دشواریاں بے بنیاد ثابت ہوئیں اور یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مصیبتیں فطری اور نسبی میل جول کا نتیجہ نہیں ہیں، اس کے خلاف یہ دلیل پیش کیجا سکتی ہے کہ ماں کی بہ نسبت باپ کے نسب کا اثر زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس خیال کی کمزوری کے ثبوت میں دوسرے بہت سے تجربوں کے علاوہ غیر ہندوستانی مسلمان باپ اور ہندوستانی مسلمان ماں کی شادیاں پیش کیجا سکتی ہیں، جن کی اولادوں کو ان مصیبتوں کا کہیں سامنا نہیں ہوتا، اس سے زیادہ اور واضح ایک اور مثال لیجئے،

(۳) نظام مادری کے تحت میں یوروپین باپ اور ہندوستانی ماں کی اولادیں فطری طور پر ماں کے خاندانی اصولوں پر پروان چڑھتی ہیں، ان کا نام، مذہب، زبان اور قومیت بھی ویسی ہی ہوتی ہے، قدیم اور مقدس نظام مادری جو ایک زمانہ تک کامیابی سے چلتا رہا، اور اب آخری سانسیں لے رہا ہے، ایک زمانہ میں بہت رائج تھا، خصوصاً مالابار کے علاقوں میں اس کو بہت فروغ رہا، تیا یا ازہوا (Tiya or Izhava) فرقے اس سلسلہ میں زیادہ نمایاں تھے، ایک زمانہ میں اس فرقہ کی عورتوں نے یوروپین مردوں سے بکثرت شادیاں کیں، اور اس کا اتنا رواج ہوگیا تھا کہ ایڈگر تھرسٹن (Edgar Thurston) نے اپنی کتاب "جنوبی ہندوستان کے فرقے اور قبیلے" (مدراس ۱۹۰۹، باب تیا) میں لکھا ہے، کہ "اس اختلاط سے پہلے اور موجودہ کے مالابار میں اس طبقہ کی جسمانی شکل میں نمایاں فرق ہے، اور یہ ہندوستانی ماں اور یوروپین باپ کے گہرے نسبی امتزاج کی کھلی ہوئی مثال ہے"، لیکن انھیں نہ کوئی دشواری پیش آئی، اور نہ ان کی سوشل عزت میں کوئی فرق آیا، اور نہ کوئی ناخوشگوار اثرات پیدا ہوئے، جو ممکن ہے کسی خاص سبب کی بنا پر پیدا ہوگئے ہوں، بلکہ اس طبقہ نے اس میل جول کی وجہ سے اپنی تعلیمی، معاشی، اور معاشرتی حیثیت بہت

ذکری ہے، اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ نسبی میل جول بذات خود بہت اچھی چیز ہے، ناخوشگوار
ذات کی وجہ خالص نفسیاتی ہے، جو غیر متوازن خبط کتری اور دماغی پریشانیون کی صورت مین ظاہر
رتی ہین، ورنہ تیاماں اور یوروپین باپ کی اولادین بھی اس طرح خوش و خرم نہ رہتیں، جس طرح ہندوستانی
سلمان ماں اور غیر ہندوستانی مسلمان باپ، یا ہندوستانی ہندو، مسلمان پارسی باپ اور غیر ہندوستانی
ن کی اولادین رہتی ہین،

یہ تمام تجربات ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہین کہ نسبی میل جول سے جو ناخوشگوار نتائج پیدا
وتے ہین، ان کی وجہ خالص نفسیاتی ہے، جو خاندان کے مصنوعی تعصبات کا نتیجہ ہین،

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ کیا دماغی اثر اتنا زبردست ہوسکتا ہے؟ تحلیل نفسی کی تحقیقات نے ہمارے
لئے اس کا بہت ہی تشفی بخش جواب فراہم کردیا ہے، اس سلسلہ مین ایک دلچسپ مثال پیش کیجاتی
ہے، جو موجودہ ہندوستان کے معاشرتی تاریخی نظریہ پر مبنی ہے، ہندوستانی مسلمانون کی ایک خاصی
تعداد خالص ہندوستانی نسل سے ہے، اس کے باوجود ہم ان کے ہندو رشتہ دارون کے مقابلہ مین
بیشتر ان کی جسمانی ساخت اور شکل و صورت مین ایک خاص امتیاز پاتے ہین اسکی دوسری مثال کہ ایک
فرقہ کی نسبی خصوصیات کس طرح دوسرے فرقہ مین آجاتی ہین، ہندوؤن کے مختلف فرقے ہین، چنانچہ
جب ایک فرقہ کا کوئی شخص دوسرے فرقہ مین داخل ہو جاتا ہے، خواہ وہ تبدیلی معاشرتی، معاشی
یا مذہبی کیون نہ ہو تو اسی فرقہ کی خصوصیات اس مین پیدا ہو جاتی ہین، بہت سے غیر برہمن جو ایک
مدت کے بعد برہمن تسلیم کرلئے گئے، یا وہ غیر ہندو خاندان جو راجپوت ذات مین داخل ہو گئے، چندہی
پشتون کے بعد انھون نے اپنی ظاہری صورت بھی بدل لی، قریب قریب ساری دنیا مین حرفتی،
معاشی یا کاروباری ذاتین بھی قائم ہو جاتی ہین، مثلاً کسان، ماہی گیر، چرواہے، سپاہی، صاحب دماغ
رومن کیتھولک یا پروٹسٹنٹ پادری وغیرہ لیکن سب الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ہی قومیت کے دھاگے

مین بندھے ہوتے ہین،

۱۰۔ امریکن حبشی کی مثال | ابھی تک امریکہ کے حبشیون کی معاشرتی ترقی کی اہمیت کا اندازہ نہین لگایا گیا ہے، غور کیجئے کہ ایک مٹھی بھر منتشر غلام جن پر سرمایہ اور زمین وغیرہ کے ذرائع آمدنی بند کر دئے گئے ہون اور جو ایک ایسے ملک مین زبردستی بسائے گئے ہون، جہان ان کا مذہب عیسائی ماحول سے گھرا ہوا ہو جہان وہ آپس مین بھی اپنی زبان نہین بول سکتے، مختلف افراد اپنی جماعت بندی بھی نہین کر سکتے جہان ایک زمانہ تک تعلیم کے دروازے ان پر بند رہے ہون، ان تمام موانع اور مشکلات کے باوجود انھون نے اپنا معیار بہت بلند کر لیا ہے، جو یقینی حیرت انگیز ہے، ان کے اپنے کنڈر گارٹن، ابتدائی اور ثانوی اسکول قائم ہین، بہت سی بلند پایہ اکیڈمیان اور یونیورسٹیان چل رہی ہین، فنون لطیفہ، موسیقی وغیرہ کے ادارے، اسپتال، صحت گھر (سینٹوریم) بینک، تجارتی انجمنین قائم ہین، یہ تمام ادارے ان کے اپنے سرمایہ سے بنے ہین، اور ان کی باگ ڈور، ان ہی کے تعلیم یافتہ ماہرین فن کے ہاتھون مین ہے، دنیا کی تہذیب و تمدن کی تعمیر مین ان کے بعض افراد کا بھی حصہ ہے، امریکی حبشی اپنے افریقی بھائیون سے کہین آگے بڑھے ہوئے ہین، بلکہ اپنے سفید فام امریکی ہم وطنون کو بھی مقابلہ کے میدانون مین اکثر پیچھے چھوڑ دیا ہے، درانحالیکہ امریکیون پر حبشیوں کی جیسی پابندیان نہین تھین، انھین تو سرمایہ اور قوانین کی تمام سہولتیں بھی حاصل تھین،

ان تمام کارنامون کا سبب مختلف حبشی نسلون اور حبشی و امریکیون کے باہمی میل کا نتیجہ بتایا جاتا ہے، اس لئے یہ واقعہ مختلف نسلون مین باہمی شادیون کے فوائد کا عملی ثبوت ہے، جس کی اسلام نے تلقین کی ہے، اور صرف مذہبی اعتقادات مین یکسانیت کی شرط رکھی ہے، اسی کو علم الانسان کے غیر متعصبانہ تحقیقات نے بھی ثابت کر دیا ہے،

ممکن ہے بعض ان حبشیون اور سفید فام امریکیون کی مشترکہ اولادون کو ہمارے دعوی کی تردید مین بھی پیش کیا جائے، جن کے اندر خبط، کمتری اور بعض دوسرے نقائص نمایان طور پر موجود ہین،

لیکن اگر ان مثالون کا برازیل (BRAZIL) اور جنوبی امریکہ کے دوسرے حبشیون خصوصًا ہیٹی (HAITI) کی حبشی جمہوریت کی آبادی سے موازنہ کیجئے، تو ہمارے دعوی کی صحت مین کوئی شک وشبہہ نہ رہجائے گا، ہیٹی نہایت کامیاب اور ترقی پسند ملک ہے، یہان معاشرت اور شہری تمدن ل جل کر ایک گنگا جمنی تہذیب پرورش پا رہی ہے، اور کسانون کی آبادی بھی ہمت افزا ہے، کاشتکار اور زمیندار دونون ایک ہی حبشی غلام کی اولاد ہین، جنھون نے جنگ نپولین کے زمانہ مین آزادی حاصل کی تھی، ان کے اور سفید فام امریکیون کے بال بچے ایک ہیٹی کی حیثیت سے پرورش پاتے ہین، اور انھین اس قسم کی کوئی دشواری نہیں پیش آتی، جو شمالی امریکہ مین "مسئلہ حبشی" کے نام سے مشہور ہے،

ایسی اور بہت سی مثالیں دوسرے ملکون سے جمع کی جاسکتی ہین، لیکن ہماری تنگ دامانی اسکی اجازت نہین دیتی، ان مشاہدات سے یہ پتہ چلا کہ ایسی شادیون کے برے نتائج کی وجہ خالص نفسیاتی ہے، کوئی ناگزیر نسبی عنصر نہین،

ان تمام مشاہدات اور دلائل سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین، کہ علم الانسان اور اسلامی تعلیمات ایک دوسرے سے قریب ہوتے جاتے ہین، یا یون کہئے، اس کی ہوش کی آنکھین اسلام کی حقیقت کو دیکھنے لگی ہین،

مبادی علم انسانی

ازمولانا عبدالباری ندوی پروفیسر فلسفہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۱۳۶ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

لذّت

مسلمان فلاسفہ کی نگاہ مین

از

جناب صدر الدین الحسنی لکھنؤ

لذت کا موضوع بہت قدیم ہے، اس پر اخلاقی پہلو سے غور و فکر کا سلسلہ اس وقت سے قائم ہی، جب سے انسان نے زندگی کی راہون اور منکر و معروف پر فکر کی نگاہین ڈالنی شروع کی ہین، اس لئے کہ لذت کو خیر و شر مین بہت کچھ دخل ہے، اور یہی شرور و خیرات اخلاق کی بنیاد ہین، پرانے نظریات جو فلاسفہ کی ایک طویل کاوشِ فکر کا نتیجہ ہین، اور جو آج بھی موضوعِ فکر ہیں، اور تا ابد رہین گے، ان مین دو نظریے اساسی حیثیت رکھتے ہین، جو اپنے بانیون اور متبعین کے نامون سے موسوم ہین، پہلا فلسفہ رواقی[1] (Stoics) اور دوسرا ابیقوری (Epicurean) ہے، رواقیون کا مسلک تصوف اور زہد و تقشف ہے، وہ دنیا کی ہر لذت سے بُعد اور دنیا کی تمام خواہشات اور دلفریبیون سے کنارہ کشی کی دعوت دیتے ہین، لیکن ابیقوری اس کے بالکل خلاف ہین، ان کا مسلک یہ ہے، کہ انسان آخر کس لئے پیدا ہوا ہے، ؟ اسے چاہئے کہ اس دو روزہ زندگی مین لذت کو ہر ممکن طریقہ سے حاصل کرے، اور الم سے جہان تک ہو سکے اجتناب برتے، پھر نفس لذت کو مختلف اقسام مین تقسیم کرتے ہین، لذتِ جسمانی

---

[1] رواقی اور ابیقوری کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے، کہ رواقیت کا بانی یونانی فلسفی زینو (Zeno) جس کا

اور لذت عقلی، پائدار اور ناپائدار،

پائدار لذت وہ ہے، جو کچھ مشقت کے بعد ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے، اور ناپائدار وہ ہے جس سے ہم چند روز محظوظ ہو سکین، اور اس کا انجام الم ہے، ظاہر ہے کہ عقلی لذت جسمانی لذت سے بہتر ہے، اور پائدار اور ابدی لذت چند روزہ عیش سے کہین افضل ہے، ہمین اس وقت ان نظریات پر کوئی طویل بحث نہین کرنی ہے، بلکہ محض فلاسفہ کا ایک اصولی اختلاف بتانا مقصود ہے، جس کا یہ عالم ہے، کہ لفظ "رواقی" اصطلاح و لغت مین محض زاہد و ناسک کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور "ابیقوری" سے مراد ہمیشہ اس کا ضد ہوتا ہے،

مسلمان فلاسفہ نے لذت کے بارے مین مختلف راہین اختیار کی ہین جنھین ہم تین نظریات مین تقسیم کر سکتے ہین، پہلا یہ کہ حقیقی لذت آخرت کی سعادت و طاعت خداوندی اور اوامر الٰہیہ کی بجا آوری ہے، دوسرا یہ کہ اصل لذت تحصیل علم اور استحکام عقل ہی، تیسرا یہ کہ لذت کا اصل راز اعتدال مین مضمر ہے، پہلے مذہب کے موید اصحاب تصوف ہین، اور اسلام مین انہی کی رائے غالب ہے، اس مذہب کی تائید قرآن کی منصوصہ آیتون سے بھی ہوتی ہے، قرآن کریم مین ہے،

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ   اور بیشک آخرت تیرے لئے آغاز سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰) مسلک تصوف اور لذت و دنیا سے بُعد و استکراہ تھا، وہ اپنے فلسفہ کے درس و تدریس اور طالب علمون کے سامنے تقاریر و خطبے برساتی (Portico) مین دیا کرتا تھا، جسے یونانی زبان مین (Stoa) کہتے ہین، اسی لئے اسکے طالب علمون اور پھر معتقدون اور ہمنوالون کو (Stoics) کہنے لگے جسکو اردو مین "برساتی والے" کہا جاسکتا ہے، عربی مین لفظ رواقین یونانی لفظ (Stoics) کا لفظی ترجمہ ہے، رواق کے معنی عربی مین برساتی (Stoa) آتے ہین، اسی سے رواقی وغیرہ سب ماخوذ ہوا، اور ابیقوریین اپنے مفکر ابیقور (Epicurus) کے نام سے موسوم ہین، ابیقور کا مسلک تلذذ تھا، اس سے آج بڑھکر ہر متلذذ کو ابیقوری کہنے لگے ہین،

الْاُوْلٰى" (۴ - سورۃ الضحیٰ) بہتر ہے،

دوسری جگہ ہے :-

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (۲۱ ، سورۃ الاسراء)

دیکھو ہم نے ان کو ایک دوسرے پر کس طرح فضیلت دی ہے، اور یقین مانو کہ آخرت بہت بڑا درجہ اور اہم ترین فضیلت ہے۔

اسی طرح کی قرآن میں بے شمار آیتیں ہیں، لیکن وہ آیت جسے متصوفین ترک لذت کے استدلال میں پیش کرتے، اور جس کی بنیاد پر طالبین لذت کی عاقبت الم ابدی بتلاتے ہیں، وہ یہ ہے،

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى، (۳۷، ۳۸، ۳۹، سورۃ النازعات)

لیکن جس نے کہ سرکشی کی، اور دنیا وی زندگی کو ترجیح دی، تو یقین مانو کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے،

اور شاید اس کا سب سے بڑا محرک جس نے اس جماعت کو زہد عن الدنیا اور لذت سے اجتناب پر آمادہ کیا یہ تھا کہ انھوں نے دیکھا کہ ورع و تقویٰ مٹ چکا ہے، طبیعتوں میں طمع و خواہش نفسانی نے گھر کر لیا ہے، دلوں سے شریعت کی حرمت زائل ہو چکی ہے، صوم و صلوٰۃ لائق استہزاء، اور مسلمان ہر طرح کی غفلت میں سرگرم اور خواہشات کی دنیا پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں[1]، اس مرض کا سب سے بہتر علاج ان کو زہد و تقشف نظر آیا، یعنی دل کو دولت و طمع سے بالکل موڑ لیا جائے، اور دنیا کو ٹھکرا کر اسکی ہر لذت و تمنا اور خواہش دل سے دھو ڈالی جائے، اور صرف ایک خدائے واحد پر بھروسہ ہو جائے، چنانچہ حضرت حسن بصری زہد کی تعریف کرتے ہیں "زہد دنیا اور اسکی ہر شے سے بغض و منافرت کا نام ہے"

اس کے علاوہ فلاسفہ کی ایک دوسری جماعت ہے، جو متصوفین اور تارکین دنیا کے غلو کی

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۲ و ۳،

قائل نہین، یہ حرام وحلال مین تفریق کرتی ہے، اور لوگون کو جائز لذت سے متمتع ہونے کا حق بخشتی ہے، لیکن بعض وقت تطہیر نفس کی غرض سے ایک خاص مدت تک کے لئے دنیاوی لذائذ سے الگ رہنے کو مستحسن سمجھتی ہے، اس موقت زہد وکنارہ کشی کو اعتکاف کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اعتکاف کی تعریف ابن قیم جوزی یہ کرتے ہین،

(هو) عكوف القلب على الله	اعتکاف کے معنی یہ ہین، کہ دل کو یکسوئی
تعالى وجمعيته عليه والخلوة	اور دنیا وخلق کے تمام کامون سے الگ
به والانقطاع عن الشغل بالخلق	کرکے خدا کے ساتھ لگا دیا جائے یہانتک
والاشتغال به وحده سبحانه	کہ دل مین بجاے خیالات اور وسوسون
بحيث يصير ذكره وحبه و	کے محض خدا کی یاد اور اس کی محبت
والاقبال عليه فى محل هموم	ہو،..................
القلب وخطراته......ويصير	...............اور معتکف
أنسه بالله بدلا عن أنسه	کا انس ومحبت بجاے انسانون کے خدا
بالخلق......[1]	سے ہوجائے،

لذت کے بارے مین ابن سینا کا خیال ہے کہ عقلی لذت محسوسات کی لذت سے افضل ہے چنانچہ وہ کہتے ہین،

اللذة ادراك لما هو خير عند	اس چیز کے حصول کا نام جو طالب کے نزدیک
المدرك والالم ادراك لما	بہتر ہو لذت ہے، اور اس کے برخلاف
هو شر عند المدرك وقد	بری چیز کے حصول کا نام الم ہے لیکن اچھائی

[1] زادالمعاد جز ۱ ص ۲۴۰ و ۲۴۱،

یختلف الخیر والشر بحسب القیاس[۱] و برائی حسب رغبت و قیاس مختلف ہوتی ہے؛

ابن سینا کی یہ تعریف بالکل مجمل ہے، اور یہ سوال باقی رہتا ہے، کہ یہ لذت کس طرح کی ہوگی؟ اس کی تشریح کے لئے آگے چل کر بتلاتے ہیں، کہ عقلی لذت جسمانی لذّت سے بہتر ہے،

لما ثبت ان اللذۃ عبارۃ عن	جب یہ ثابت ہو گیا کہ مناسب چیز کے
ادراک الملائم و ثبت ان الملائم	حصول کا نام لذت ہے، اور یہ بھی
للجوھر العاقل ان یتمثل فیہ	ثابت ہو گیا، کہ ایک عاقل کے لئے
جلیۃ الحق قدر ما یمکنہ ان	مناسب وہ شے ہے، جس میں اس کو
ینال منہ بنہایتہ اللذی یخصہ	مخصوص غایت کے لحاظ سے ممکن الحصول
وثبت ان الادراک العقلی اشرف	حد تک کا عکس ہو، اور یہ بھی ثابت ہو گیا
من الادراک الحسی لان الادراک	کہ ادراک عقلی ادراک حسی سے افضل ہے،
العقلی غائص الی الکنہ والادراک	اس لئے کہ ادراک عقلی کی رسائی تہ
الحسی واقف علی السطح والمعقولات	تک ہے، اور ادراک حسی کی رسائی
متناھیۃ والمحسوسات قلیلۃ	محض سطح تک، اور معقولات کی دنیا
وظاھر ان مدرکات القوۃ	غیر متناہی ہے، اور محسوسات کی دنیا
العقلیۃ اشرف من مدرکات	محدود ہے تو ظاہر ہے کہ قوت عقلیہ کے مدرکات
القوۃ الحسیۃ[۲]	قوت حسیہ کے مدرکات سے افضل ہیں،

اسلئے معلم فارابی کہتے ہیں، کہ لذت صرف یہ ہے کہ اپنی ہر خواہش کو حق کے تابع اور اپنی ہر شے حق کی خاطر قربان کر دی جائے، اور کبھی اپنی بعض کتابوں میں اعتدال کا نظریہ اختیار کرتے ہیں؛

---

[۱] لباب الاشارات ص ۱۲۴ [۲] لباب الاشارات فخر الدین الرازی ص ۱۲۴، و ۱۲۵،

چنانچہ اپنے ایک رسالہ "ماینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفہ" میں پہلے خیال کی تائید میں لکھتے ہیں :-

وان الحال الذی یجب ان یکون	اس انسان کو جو ارسطو کے علم کا متعلم اور تشنہ
علیھا الرجل الذی یؤخذ عنہ	ہو، اسے چاہئے کہ اس نے اپنے نفس میں گذشتہ
علم ارسطو فھی ان تکون فی نفسہ	باتوں کو جگہ دی ہو، اور اپنے اخلاق کو درست
ما قد تقدم و اصلح الاخلاق	اور اپنے نفس شہوانیہ کی اصلاح کی ہو،
من نفسہ الشھوانیۃ لما تکون	اس طرح کہ اسکی ہر خواہش محض حق
شھوتہ للحق فقط لا للذۃ	کے لئے ہو، نہ کہ لذت کے لئے اور اس
واصلح مع ذلک قوۃ النفس الناطقہ	کے ساتھ ساتھ اس نے نفس ناطقہ کی
کیما تکون ارادتہ صحیحۃ،	قوت کی بھی اصلاح کی ہو تاکہ اسکے ارادے

اس کے بعد تیسرا نظریہ اعتدال کا ہے، جسے اکثر کاتبین عرب نے اختیار کیا ہے، یہ نظریہ ارسطو کے نظریۂ اعتدال سے ماخوذ ہے، جس کی بنیاد یہ ہے، کہ انسان تین عناصر و قوی سے مرکب ہے، قوت عقل، قوت شہوانیہ، قوت غضب، اس کے بعد ان سے متفرع فضائل چار ہیں، پہلے غور و فکر کا مادہ جو قوت عقل کا کرشمہ ہے، دوسرے شجاعت کا جوہر جو قوت غضب کا مظہر ہے، تیسرے عفت کی فضیلت جو قوت شہوانیہ کا صحیح رُخ ہے، پھر ان سب کے بعد چوتھی چیز جو سب کا ضروری جزء اور تمام فضائل کی میزان ہے، وہ عدل و اعتدال ہے، ہمارا نظریہ اعتدال بھی ارسطو کے اسی اصول سے ماخوذ ہے، اس نظریہ کے علم بردار امام غزالی ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ لذت دو وجوہ سے ضروری ہے، اول یہ کہ یہ قیام زندگی کے لئے ناگزیر ہے، دوسرے یہ کہ لذت کے احساس ہی کی وجہ سے ہم لوگوں کو جنت کی ترغیب دلا کر اور جہنم سے ڈرا کر دونوں کو حق کی جانب مائل کر سکتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

فانھم ان لم یحسّوا بھذہ اللذات والآلام لم یرغبوا فی الجنۃ ولم یحذروا النار ولو وعدوا بما لا عینٌ رأت ولا اذنٌ سمعت ولا خطر علی قلب بشر لما اثّر ذلک بمجردہ فی نفوسھم[1]

اگر انھیں اس لذت و الم کا احساس نہ ہو، تو وہ کبھی بھی جنت کی طرف راغب اور دوزخ سے خائف نہ ہوں گے، اس لئے کہ محض ایک ایسی چیز کے وعدہ سے جسے نہ آنکھوں نے دیکھا ہو، اور نہ کانوں نے سنا ہو، اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گذرا ہو، دلوں پر اثر

اس کے بعد لذت کی تقسیم کرکے اعتدال کی صحیح راہ بتلاتے ہیں:-

علی الانسان ان یراقب شھوتہ والغالب علیھا الافراط لاسیما الی مقتضی الفرج والبطن و الی المال والریاسۃ وحب الثناء والافراط والتفریط فی کل ذلک نقصان وانما الکمال فی الاعتدال ومعیار الاعتدال العقل والشرع......... ومن عرف ھذا کان مقصدہ من الطعام التقوی علی العبادۃ دون

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی خواہشوں کی جن پر ہمیشہ افراط غالب رہتی ہے نگہداشت کرے، بالخصوص شرمگاہ اور پیٹ کی طلب، مال و حکومت کی تمنا، اور مدح پسندی کی طرف ان کا میلان زیادہ رہتا ہے، ان میں افراط و تفریط ہر حال میں نقصان کا باعث ہے، اور فضل و کمال ہمیشہ اعتدال میں ہے، اور اعتدال کا معیار وہی ہے جسے عقل و شرع متعین کرے .... اور

[1] العمل للغزالی ص ۰۰،

التلذذ به فيقتصر ويقتصد لا | جس نے اسے سمجھ لیا تو اس شخص کے کھانے
محالة ولا يشتد اليه شرهه | کا مقصود بجائے تلذذ کے عبادت کے لئے
ويعلم ان شهوته الجماع | قیام قوت ہوگا اسلئے وہ لا محالہ اتنے ہی پر
خلقت لتكون باعثة على الجماع | اکتفا کرے گا اور اعتدال سے کام لے گا اور
الذى هو سبب بقاء النوع | لذتوں کی طمع اور ہوس کو تیز نہ ہونے دے گا،
محفوظا ليطلب النكاح للولد | نیز اُسے یہ جاننا چاہئے کہ جماع کی شہوت
وللتحصن لا للعب والتمتع[1] | صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اس
| سے نوعِ انسانی کا بقا مقصود ہے، پس اسے
| نکاح صرف پاکدامنی اور تولید کے لئے کرنا چاہئے،

اس قسم کا ایک لطیف اشارہ فارابی نے بھی اپنی کتاب آراء اهل المدينة الفاضلة" میں کیا ہے، چنانچہ وہ ان صفات کا ذکر کرتے ہوئے جن سے ایک صاحبِ فضل وکمال کو متصف ہونا چاہئے وہ لکھتے ہیں :-

(هو) ان يكون غير شره على | وہ کھانے پینے اور ازدواج کا کبھی حریص
للاكول والمشروب والمنكوح | نہیں ہوگا، اور وہ طبعی طور پر لہو ولعب سے
متجنبا بالطبع للعب ومبغضا للذات | بچنے والا، اور ان سے پیدا ہونے والی
الكائنة عن هذه، | لذات کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے والا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ حصولِ لذات سے مطلق انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ اس میں اعتدال کے طالب ہیں، اسی لئے "شرہ" یعنی طمع وہوس کا لفظ استعمال کیا، ترک نہیں کہا، آگے چل کر استغنائے مال کو یوں

---

[1] میزان العمل للغزالی ص ۷۰ و ۶۹،

بیان کرتے ہین،

(ھو) ان یکون الدرھم والدینار اسکی نگاہ مین درہم و دینار اور دنیا کی
وسائر اعراض الدنیا ھنیۃ عندہ ساری متاع حقیر ہو گی،

اس تصریح کے بعد اس کے مقابلہ مین مدینۂ جاہلیت کے لذت پرورون اور فاسقین کے اخلاق پر ایک نظر ڈالی ہے،

"ھی التی قصد اھلھا التمتع باللذۃ یہان کے باشندون کا مقصود کھانا پینا،
من الماکول والمشروب والمنکوح ازدواج و نکاح، لہو و لعب ہر محسوس و
بالجملۃ من المحسوس والتخیل و تخیل لذت سے ہر ممکن تمتع کا حصول ہو،
وایثار الھزل واللعب لکل وجہ"[1]

امام فخر الدین رازی کی رائے کا خلاصہ بھی اعتدال کی حد سے باہر نہین نکلتا ہے، ان کا یہ نظریہ انکی کتاب "الرسالۃ الفلسفیۃ" مین بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے، اس نظریہ کے اظہار کا سبب خود ان کے الفاظ مین یہ ہے،

ان ناسا من اھل النظر والتمیز بعض اصحاب نظر و تمیز نے جب دیکھا کہ ہم
عابو نا واستنقصونا لما راوناخالف امام فیلسوف سقراط کے طریقہ اور مذہب کے
سیرۃ امامنا سقراط الفیلسوف مخالف ہین تو ہم کو عیب و نقص سے متہم ٹھہرایا،

رازی کے نزدیک مباح اور جائز لذتون سے متمتع ہونے مین کوئی مضائقہ نہین، بلکہ وہ تارکین لذت پر سخت تنقید کرتے ہین، چنانچہ لذت کے حدود کے سلسلہ مین لکھتے ہین،

المغبون من اشتری لذۃ باذیۃ وہ شخص خسارہ مین ہے جس نے ایک غیر فانی

---

[1] المدینۃ الفاضلہ ص ۶۶ و ۶۷ و ۷۳ و ۷۵،

منقطعة متناهية بدائمة
باقية غير منقطعة ولا متناهية
لذلك لا ينبغي ان نطلب لذة لا بد
في الوصول اليها من ارتكاب
امر يمنعنا من التخلص الى عالم
النفس او يوجب الماً مقداره في
كميته وكيفيته اعظم واشد
من اللذة التي آثرناها واما
سائر ذلك من اللذات
فمباحة لنا،

لامتناہی اور غیر منقطع لذت کے بدلہ مین
ایک فانی منقطع اور متناہی لذت کو خریدا
اس لئے ہمین کسی ایسی لذت کا طالب
نہیں ہونا چاہیئے، جس کے حصول مین ایسے
امر کا ارتکاب کرنا پڑے، جو ہمین عالم
نفس تک پہونچنے سے باز رکھے،
یا جس کی وجہ سے ہم ایسے الم سے دوچار ہون
جو کیفیت و کمیت کے اعتبار سے ہماری ترجیح
دی ہوئی لذت سے کہیں زیادہ سخت ہے،
اس کے علاوہ باقی اور تمام لذتیں ہمارے لئے
مباح ہین

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

الحد الاعلى اللذة ان يمتنع الانسان
من الملاذ لا يمكن الوصول اليها
الا بارتكاب الظلم والقتل، و
الحد الاسفل اعني في التقشف
والتقلل فان يأكل الانسان
ما لا يضره ولا يحرص عليه
ولا يتعدى الى ما يستلذ لا غاية
الاستلذاذ ويشتهيه فيكون

لذت کی اعلیٰ حد یہ ہے کہ انسان ان تمام
لذتون سے اجتناب کرے جن کے حصول
مین ظلم و قتل جیسی بُری باتون کا ارتکاب
کرنا پڑے اور اس کی ادنیٰ حد یعنی قلت و
تقشف کی حد یہ ہے کہ انسان وہ چیزین
کھائے، جو اس کو مضر نہ ہون، لیکن انکی
حرص و طمع نہ ہو، ایسی چیزون کی طرف
حد سے زیادہ رغبت نہ کرے جو اسے لذت یا

القصد الیہ اللذۃ والشھوۃ لا لسد الجوع، — لذت بخش ہون ورنہ اس سے اس کا مقصد انسداد جوع کے بجائے محض لذت وخواہش کا حصول ہو جائے گا،

رازی ان لوگون پر جنھون نے اپنے آپ کو بالکلیہ مباح لذات سے روک کر اپنے نفس کو الم کا خوگر بنا دیا ہے، سخت تنقید کرتے ہیں، اسی لئے وہ مسیحی راہبون اور متصوفین اسلام کو اچھی نظرون سے نہین دیکھتے، لیکن اس مین کوئی مضائقہ نہین سمجھتے، کہ ایک فیلسوف بہت سی مباح لذتون کو اس لئے چھوڑ دے کہ اس سے اس کا مقصود تقویت نفس اور اپنے کو عوائد حسنہ کا خوگر بنانا ہو، اس مقصد کے حصول کے خاطر ایک فیلسوف کے لئے ترک لذت جائز ہو سکتا ہے، لیکن اسے زہد وتقشف کی عام دعوت بنا دینا کسی طرح معقول اور بہتر نہین ہے،

ان بحثون کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نظریے عربون کے نہین ہین، بلکہ یونانیون سے ماخوذ ہین، حکماے عرب کے ہان ان نظریات کا کوئی وجود نہ تھا، جب یونانیون کے علوم مسلمانون مین منتقل ہوئے تو ہمارے فلاسفہ نے ان کے بہت سے افکار وخیالات کو اسلامی جامہ پہنا کر اسلام مین داخل کر لیا، اور انھین بڑی ترقی دی، یہ نظریے یونانیون کے یہان ایسی مرتب اور مدون شکل مین موجود نہین تھے، بلکہ محض پراگندہ خیالات اور منتشر رائین تھین جنھین عربون نے مدون اور مرتب کرکے بہت آگے بڑھا دیا،

تلخیص و تبصرہ

عباسی عہد کے ظروف اور دوسرے آثار

اسلامی تہذیب کے قدیم آثار کے نمونے ہندوستانی عجائب خانوں میں بہت کم ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں ہندوستان کے باہر کے آثارِ قدیمہ کی جانب کم توجہ کی گئی ہے، چھٹی صدی ہجری کے بعد ہی اسلام کا تسلط ہندوستان میں ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود یہاں کے مقابلہ میں شکاگو، بوسٹن، نیویارک، برلن، پیرس اور لندن کے عجائب خانوں میں اموی اور عباسی عہد کے تمدن اور فنون کا مطالعہ زیادہ آسان ہے، اب ہندوستان میں بھی ادھر توجہ شروع ہوئی ہے، جس سے شاید یہ کمی پوری ہو سکے، گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کے چند چھوٹے لیکن نہایت خوبصورت ٹھیکرے فسطاط (مصر) سے ریاست بڑودہ کے عجائب خانہ میں آئے ہیں، ظروف سازی میں عربوں کے کمال کا پہلا نمونہ پرنس آف ویلس میوزیم بمبئی میں ہے، ان کی بڑی تعداد پارسی فاضل جے۔ ام۔ انولا (J. M. Unvala) نے قدیم سوسا کے کھنڈرات کی کھدائی کے سلسلہ میں ۱۹۲۶ء سے لیکر ۱۹۲۹ء تک جمع کیا تھا، سنہ ۱۸۴۹ء سے یعنی جب سے برطانوی کونسل لوفٹس (Loftus) نے سوسا کو ایران کے کیانی بادشاہوں کا سرمائی پایہ تخت بتایا ہے، علماء کی دلچسپی اسکی جانب بہت بڑھ گئی ہے، چنانچہ ۱۸۸۳ء میں فرانسیسی آثارِ قدیمہ کے مشن نے مشہور عالم، ام ڈیلا، فوڈی مارگن (M. Dieulafoy) (J. de Morgan) ۱۸۹۶ء اور آر۔ ڈی۔ مکیونم (R. de Mecquenem) کی زیرِ نگرانی

اس جگہ کا پتہ چلایا ہے، ان کی تحقیقات کے مطابق سوسا انسانی تاریخ کا بہت بڑا مرکز ہے، یہان یکے بعد دیگرے بڑے بڑے شہرون کے کھنڈرات کا پتہ چلا ہے، قبل تاریخ کی بہت سی آبادیون کے نشانات بھی ملے ہین، جو قریب قریب سندھ کے مہنجو دارو کے دور کی تہذیب سے جو اپنے بابلی کلچر کے ساتھ الی سلطنت کا پایہ تخت تھا، مل جاتے ہین، یہان کیانیون کے وہ شہر اور محلات ہین جنھون نے حضرت دانیال علیہ السلام اور یہودی ملکہ ایستھر کو دیکھا تھا، یہان یونانی سفیر بھی آئے تھے، یہین سکندر مقدونی نے ایران کے آخری تاجدار کی لڑکی سے شادی کی تھی، ساسانی بادشاہ شاپور اوّل نے نیشاپور کی بنیاد یہین ڈالی تھی، پھر اسلامی دور مین یہ مسلمانون کا ایک صوبہ ہو گیا جس کو بہت دنون کے بعد چنگیز خانی فوجون نے تباہ کر دیا، یہان عربون کے گھرون کے کھنڈرون مین ایک کمہار کا چاک اور سوسا کے مشرقی کھنڈرون کے ایک کنوین سے مسلمانون کی یادگارین نکلی ہین، جو اب پرنس آف ویلس کی ملک ہین،

اس مین کچھ تو دسوین یا گیارھوین صدی عیسوی کی ہین، لیکن زیادہ تر نوین صدی یعنی خلفاے عباسیہ (۸۳۸-۸۸۳) کے سامرہ کے شاندار محل کی ہم عصر ہین، ان کھنڈرات کو سب سے پہلے گذشتہ صدی مین فرانسیسی، جرمن اور برطانوی علماے آثار قدیمہ نے کھودا تھا، اب یہ کھنڈرات عربی تمدن کے دور شباب کے سب سے بڑے اثری قیاسیات ثابت ہوئے، یہ بمبئی کے عجائب خانہ کی خوش قسمتی ہے، کہ اس کے پاس خاص سامرہ کے ظروف کے بھی بعض چھوٹے چھوٹے ٹکڑے موجود ہین،

اس زمانہ کے مقبول برتن جن کے نقش و نگار ناخن اور انگوٹھے سے بنائے جاتے تھے، بہت ممتاز ہین، دوسرے بے آب برتنون مین جن مین نازک پھول اور پتیان ہین، قدیم بابلی کلچر کا نقش ملتا ہے، اور انھیں عربی یا ساسانی کہنا مشکل اور بعض وقت ناممکن ہو جاتا ہے، ایسے منقش

ظروف بھی ملے ہین، جن کے متعلق اگر کافی شہادت نہ مل جاتی کہ وہ مسلمانون کے بنائے ہوئے ہین، تو بعض علما انھیں قدیم مشرق کے تمدن کی یادگار سمجھ رہے تھے،

گیری برتنون سے بھی ساسانی روایات کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ ان کے نام ان کو آتش پرستون سے قریب کرتے ہین، لیکن ان کے نقوش اس خاص طرز کے ہین، جیسے ایران، خاصکر سوسا، ہمدان، زنجان، آمل رے، اور کرمان شاہ وغیرہ مین آٹھوین صدی عیسوی سے لیکر گیارہوین صدی تک اسلامی ظروف پر بنتے تھے، بدقسمتی سے بمبئی کے عجائب خانہ مین ان کے سالم نمونے نہین ہین، بلکہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہین، جن سے پوری وضاحت نہین ہوتی، اور دوسرے نمونون مین بیرونی اثرات کا بھی پتہ چلتا ہے، سب سے خوبصورت ایک چھوٹا سا ساغر یا پیالہ ہے، برتنون کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نفیس نازک اور سفید مٹی کے ہین، ان پر بہت ہی ہلکے خوبصورت ابھرے ہوئے نقوش ہین، جو اپنی نزاکت اور نفاست کی وجہ سے سانچے مین ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہین، یہ نقوش جن مین پھولوں کے ہار اور تمغے، لیکن زیادہ تر انگور کی بیلوں کے زیور ہین، خالص بیزنطینی معلوم ہوتے ہین، ماہرین آثار قدیمہ اس کی اصل شام تبلاتے ہین، جو اسلام کے قبل کئی صدیون تک رومیون کے قبضہ مین رہ چکا ہے، اور جہان بیزنطینی طرز عہد عباسیہ تک قائم رہا، لیکن یہ ٹکڑے سوسا مین ایک ظروف ساز کے گلخن میں پائے گئے ہین، اس لئے وہ یقیناً مقامی صنعت کی یادگار ہین، اس تضاد کی صرف یہ توجیہ ہوسکتی ہے، کہ یہ برتن ان شامیون کی صنعت کی یادگار ہین، جو مشرق مین بس گئے تھے، اور شامی اور یونانی کاریگر عراق میں کام کرتے تھے، عباسی عہد کے بغداد اور سامرہ کے کھنڈرات میں مزدورون کے جو نشانات ہین، ان سے ان کی مزید تائید ہوتی ہے، دریائے کرخہ کے کنارے جویزہ کے علاقہ مین سوسا کے قریب باطنی فرقہ کے عیسائی بھی رہتے تھے، یہان کے نوین صدی عیسوی کے دو برتن ڈاکٹر انولا کے ذریعہ بمبئی کے عجائب خانہ مین آئے ہین، ان پر باطنی فرقہ کے کچھ مذہبی کلمات لکھے ہوئے ہین،

اگرچہ اس کا طرز بزنطینی معلوم ہوتا ہے، لیکن انگور کی بیلوں کے زیور تو خالص ایشیائی ہیں، جس سے رومی فنون دوسری صدی کے اواخر میں متاثر ہونے لگے تھے، شروع میں یہ طرز شام اور عراق سے وہاں پہنچا، اور اتنا مقبول ہوا، کہ رومی سلطنت کی آرایش کا سب سے بڑا جزو بن گیا، اور اوس کے دارالسلطنت بزنطین تک پہونچ گیا، اوس کی اصل کلدانی تہذیب ہے، جہان انگور کی بیلون کے بجائے کھجور کے درخت ہوتے تھے، جنھیں شجر حیات سمجھا جاتا تھا، اس عہد کے مذہبی ہیجان میں جو عیسائیت کے ظہور سے لیکر اسلام کے طلوع تک قائم رہا، انگور کی بیلون ہی کو شجر حیات سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ڈیونس (Dionysus) دیوتا کے اعزاز میں قدیم یونانی جشن کے زمانہ سے ان کو روحانی زندگی کا مظہر تصور کیا جاتا تھا، عیسائیون میں اس سے وصال حق (مسیح) کی تمثیل دیجاتی تھی، اسی لئے وہ قرون وسطیٰ کے اوائل میں یورپ کے سارے فنون پر چھا گیا تھا، اسلامی دور میں بیت المقدس کی مسجد عمر اور اموی دور کے ایک صحرائی قلعہ میں اس کا نقش نظر آتا ہے، بعد میں ساسانی روایات سے مل کر اس نے مشہور طغرائی شکل اختیار کرلی،

اسی سلسلہ میں پانچ شیشہ کے گلاس اور عطر دان بھی جس میں چار پائے ہیں، قابلِ ذکر ہیں، اس سے بھی بزنطینی روایات کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ وہ ایک نازک چیز ہے لیکن اب تک احتیاط سے محفوظ ہے، اتنے دنون تک زیر زمین مدفون رہنے کی وجہ سے اس کے حسن میں کمی کے بجائے اور اضافہ ہوگیا ہے، اور ایک خاص قسم کی سُرخی مائل چمک آگئی ہے،

کانسہ کا ایک سادہ قرابہ بھی ہے، یہ ایک کیانی محل سے برآمد ہوا ہے، یہ نسبتہً زیادہ محفوظ حالت میں ہے، یہ بھی نویں یا شاید دسویں صدی عیسوی کا معلوم ہوتا ہے،

دوسری سمت کے آثار سے مشرق بعید کے اثرات مترشح ہیں، سلطنت عباسیہ کے اواخر میں چینی کے ظروف کی درآمد کا سب سے بڑا ذریعہ مبادلہ تھا، بنی کے عجائب خانہ میں دو سالم مٹی کے برتن ہیں

جن پر سبز اور کریم رنگ کی گلکاری ہے، جو سامرہ کے مخصوص طرز کے معلوم ہوتے ہین، فرساری (Fr. Sarre) نے اپنی ایک بلند پایہ تصنیف مین سامرہ کی ظروف سازی پر لکھا ہے، کہ یہ طرز چینی مٹی کے مشہور برتنون کی نقل ہے، جو ٹی انگ (T'ang) شاہون (۹۰۶-۶۱۸) کے زمانہ مین یہان داخل ہوئی، ٹی انگ کے دور کے چینی کے برتنون کے ٹکڑے سامرہ میں پائے گئے ہین، اور سخت چینی مٹی کے سفید اور سبز اور زرد رنگ کے ملے جلے ہوئے برتنون کے ٹکڑے بمبئی کے عجائب خانہ مین موجود ہین، جو سامرہ اور سوسا سے لائے گئے ہین، سبز اور زرد رنگ کے عربی ظروف چینی طرز پر بنائے جاتے تھے، یہ چیز ایک ٹکڑے سے جو سوسا سے لایا گیا ہے، ظاہر ہو جاتی ہے، اس پر نہایت خوبصورت چینی حروف لکھے ہوئے ہین، اگرچہ ان کے مفہوم سمجھنے مین غلطی ہوئی ہے،

جب وسط ایشیا کے خانہ بدوش صحرائیون کے پے درپے حملون نے عباسیون اور ایرانی سلطنتون کو نقصان پہنچایا، اور مشرق قریب مین معاشرتی اور سیاسی انقلاب برپا ہوا، اس وقت سے مشرق بعید کا اثر گہرا ہوتا گیا، سلجوقیون نے اپنے دور مین وسط ایشیا کے غیر مسلمون ایرانی اور ہندوستانی وغیرہ مختلف اقوام کے فنون لطیفہ کو رائج کر دیا تھا تاتاریون کے پیدا کردہ انقلاب نے عرب، بزنطینی اور ساسانی روایات کو مٹا کر چین اور وسط ایشیا کے فنون کو مسلط کر دیا، یہی وہ زمانہ تھا جب پہلی مرتبہ چین کا اثر یورپ پہنچا، جس نے بزنطینی روایات کو ختم کر دیا، اور ان کے بعد رفتہ رفتہ مشرق بعید کے اثرات آہستہ آہستہ گھٹنے لگے، اور اسلامی فنون لطیفہ کی روح ان کے اندر داخل ہو تی گئی،

بمبئی کے عجائب خانہ کے چند ٹکڑون کی روشنی مین ہم ان تدریجی تغیرات کا کچھ پتہ چلا سکتے ہین، ایرانی ظروف کے ٹکڑون پر گہرے نیلے اور کریم رنگ کے چمکیلے اور بھورے انگور کی بیلون کے نقوش ہین یہ ٹکڑے اس قدر چھوٹے ہین، کہ ان سے ان کے زمانہ کا تعین نہین کیا جا سکتا، لیکن غالباً وہ سلجوقی عہد یعنی گیارہوین اور بارہوین صدی کی یادگار ہین، سرخی مائل بادامی رنگ کا ایک دوسرا

محفوظا اور سالم مٹی کا برتن ہے، یہ اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس پر ان برجیوں کے نقش ہیں جو موجودہ تحقیق کے مطابق دہلی میں کبھی قطب مینار کے در اور شہ نشینوں میں تھیں، دوسرے ٹکڑوں میں دیوار کی نمود و آرایش کا وہ طرز ہے جو آخری خوانین کے زمانہ میں رائج ہوا تھا، اور تیمور لنگ کے زمانہ میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچا، اور ہندوستان میں بھی اور مغلوں کے ذریعہ داخل ہوا، (اگر چہ انفرادی طور پر لودی اور سوری بادشاہوں نے بھی اس کو رائج کیا تھا) اور آخر میں سفید اور نیلی مٹی کے برتن منگ اور منچو خاندان کے زمانہ سے مشہور ہوئے، اور انہی کی نقل ایران، ترکی اور سترہویں صدی کے ہندوستان میں اتاری گئی، اس کا بہت بڑا ذخیرہ حیدرآباد کے عجائب خانہ میں موجود ہے،

(ا - ع)

غیر ہر دلعزیزی کے اسباب

ہر دلعزیز ہونے کی خواہش انسانی فطرت میں داخل ہے، ہر انسان چاہتا ہے، کہ اسکے بہت سے دوست ہوں، جو اس کے اشارے کے منتظر رہیں، جو کام چاندی کے سکوں سے نکل سکتا ہو، وہ اس کے ادنیٰ تبسم سے ہو جائے، اور جو چیز توپ اور تفنگ سے نہ رک سکتی ہو، وہ اسکی نگاہ خشمگیں سے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے، جن دلوں میں حکومت کا سکہ نہ چلتا ہو، وہاں اس کا سکہ رواں ہو، گویا وہ سب کی محبت، عقیدت، فریفتگی اور جان نثاری کا مرکز ہو، لیکن عموماً ایسے لوگوں کا رویہ بہت ہی گمراہ کن ہوتا ہے، جس کا نتیجہ بالکل برعکس نکلتا ہے، اس غلط طرز عمل کو نفسیاتی اصطلاح میں "خود مرکزیت" کہتے ہیں،

ہر دلعزیزی کا راز اس صلاحیت میں مضمر ہے، کہ انسان دوسروں سے گہری دلچسپی لے سکے، اور اپنی ذات کو بھول جائے، اگر کوئی شخص انانیت کے فریب میں ایسا مبتلا ہو کہ ہر وقت اسی فکر میں رہے، کہ اسکی شخصیت دوسروں پر کس حد تک اثر انداز ہو رہی ہے، دوسروں کی

نگاہوں میں اسکی کتنی وقعت ہے، اس کے خود ساختہ قوانین پر کس حد تک عمل ہو رہا ہے، اور اسی طرح کے دوسرے ذاتی معاملات اس کے دل میں رہیں، تو سمجھ لیجئے کہ وہ شخص کبھی خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتا

بعض لوگوں میں یہ خود مرکزیت بالکل عریاں ہوتی ہے، اور بعض میں پردوں میں لپٹی ہوئی، جو بظاہر نظر نہیں آتی، لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہوتا ہے، اس کمزوری کی مختلف صورتوں پر نگاہ رکھنی ہر دلعزیزی کے لئے ضروری ہے،

(۱) ریک خود غرضی، بعض لوگ صرف اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوستی کرتے ہیں، اور ایسے ہی لوگوں سے تعلقات بڑھاتے ہیں، جن سے کچھ کام نکل سکتا ہو، ایسی غرض کی دوستی فوراً پہچان لی جاتی ہے، اور وہ انسان ہر اوس شخص کی نگاہوں سے گر جاتا ہے، جو اس خفیف حرکت کو سمجھتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے خاص خاص نام ایجاد ہوے ہیں، جیسے ابن الوقت، خوشامدی، اور دسترخوان کی بلی وغیرہ،

(۲) خودی اور خود پسندی، جو شخص اپنی بڑائی کے متعلق غلط رائے رکھتا ہے، اور ہر شخص سے اپنی عزت کا متوقع رہتا ہے، اور ہر شخص کو اپنے سے فرو تر سمجھتا ہے، اسکی حالت بہت قابلِ رحم ہوتی ہے، مثلاً اس قسم کی خودی کہ اس کا ہر اشارہ حکم کا درجہ رکھے، کوئی بات اس کی شان کے خلاف نہ ہونے پائے، اور اگر کوئی ادنیٰ بے عنوانی بھی ہو جائے، تو وہ سخت سے سخت سزا کی موجب ہو، ایک فوجی افسر کے لئے اور وہ بھی اس کی ڈیوٹی پر تو مناسب ہو سکتی ہے، لیکن اگر گھریلو زندگی میں بھی اسکے یہی تیور قائم ہیں، تو لوگ اسکی صورت سے بیزار ہو جائیں گے، اور وہ خود ایک گوشہ میں تن تنہا اپنی قابلِ نفرت زندگی پر سوچتا رہے گا،

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی شخص اپنی ذاتی خوبیوں اور کامیابیوں پر ناز نہ کرے لیکن ضروری ہے کہ اس کو دل میں رکھے، اور اس کا ڈھنڈورا نہ پیٹے، اگر کوئی شخص مبارکباد بھی پیش کرے

تو بھی اس پر فخر و مباہات نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بہت زیادہ خودستائی دوسرون کو بھلی نہیں معلوم ہوتی
انسانون کو یہی توقع ہوتی ہے، کہ وہ شخص کچھ انکسار اور تواضع کا بھی اظہار کرے، مان باپ اس کو خو
ہو کر سن لین گے لیکن عام انسانون کو اتنا فیاض سمجھنا حماقت ہے، ایسے لوگوں میں ایک اور عیب یہ
ہے، کہ وہ اپنے کو بڑا اور بہتر جتانے کے لئے ہر شخص کی شکایت اور بُرائی کرتے ہین لیکن اس کا اثر لوگو
پر بالکل الٹا ہوتا ہے، لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جو شخص دوسرے کے عیوب ہی کو دیکھتا ہے، اس کے اند
بھی کوئی خوبی نہین ہوتی، اور ایسا شخص کبھی ہر دلعزیز نہین ہو سکتا،

(۳) خود احساسی، یہ اکثر انتہائی انکسار کے بہروپ مین نظر آتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس
اس سے کوئی علاقہ نہین ہوتا، دوسرون کی حالت کے بجائے وہ خود اپنی ذات کے متعلق اتنا سو
ہے، کہ اپنے گرد و پیش کے لئے وبال ہو جاتا ہے،

ایسا شخص عجیب و غریب حرکتون، غلط سلط گفتگو، گھبراہٹ، پریشانی اور تلوّن وغیرہ متعد
حرکتون سے اس کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، کہ دوسرے اس سے خوش ہون اور اس کے متعلق اچھی ر
قائم کرین، لیکن وہ دوسرون کی راے کا تو پتہ چلا سکتا نہین، صرف اپنی حرکات سے خود راے
قائم کر لیتا ہے، اس کی نگاہ ہمیشہ اپنی ذاتیات پر ہوتی ہے، جب انسان اس فریب سے چھٹ
پا جائے کہ وہ تمام لوگون کی توجہ کا مرکز ہے، تو خود احساسی کے مرض سے نجات پا جائے گا،

جب ایسا شخص نیا کپڑا پہن کر پہلی مرتبہ باہر نکلتا ہے، تو اس کے متعلق حد سے زیادہ خود اح
ہوتا ہے، وہ کبھی اپنے کپڑون اور کبھی لوگون کی نگاہون کو دیکھتا ہے، لیکن کیا درحقیقت لوگ ا
کپڑون کو دیکھتے ہین، ؟ اگر وہ اپنا دماغی توازن قائم کرکے دیکھے، تو اس کو معلوم ہوگا، کہ کسی
ان کپڑوں کی جانب توجہ بھی نہین کی، ہر شخص اپنے خیال مین رہتا ہے، کون ان چیزون کی ط
توجہ کرتا ہے، یہ محض اس شخص کا فریب نفس ہے کہ لوگ اُسے دیکھ رہے ہین،

(۴) جذباتی افسردگی، جو شخص اپنے کو مسکین، قابلِ رحم، اور دوسروں کو قصور وار سمجھتا ہے، وہ کبھی ہر دلعزیز نہین ہوسکتا، اگر کوئی شخص کسی کے سامنے اپنی مصیبتوں کا دکھڑا رو کر اس سے مدد کا خواہان ہو تو عام انسان اس کے ساتھ ہمدردی کرسکتے ہین، لیکن عموماً جذبات کے روگی مدد نہین چاہتے، اور نہ کسی کو اپنے معاملات میں دخل دینے دیتے ہین، وہ صرف یہ جتانا چاہتے ہین، کہ وہ بہت ہی ستم رسیدہ ہین، وہ اپنی بدبختیون کا دفتر کھول دیتے ہیں، کہ انھون نے ہر شخص پر احسان کیا، ان کے آڑے وقت کام آئے، دکھ درد میں ساتھ دیا، لیکن کسی نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہین کیا، اگر کوئی ہمدرد انھین یہ بتائے کہ تم اپنے احسانون سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، اور لوگون پر بے جا ناز کرتے ہو، تو وہ بُرا مان جاتے ہین، وہ زمانہ اور اشخاص کے شاکی ہوتے ہین، اور اپنی کمزوریون پر نظر نہین ڈالتے،

ایک جذبات کے روگی کی خودغرضی اتنی ہی تکلیف دہ ہے جتنی خود پرست کی بڑائی، صرف فرق یہ ہے، کہ یہ نہایت ہوشیاری سے بھیس بدلے ہوتی ہے، کوئی اسے خودغرض نہیں کہتا، مگر کوئی اُسے پسند بھی نہیں کرتا،

(۵) جذبۂ اقتدار، چونکہ علانیہ اقتدار و تحکم کے جذبہ کو ہر شخص حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اسلئے بعض لوگ اس کو معاوضہ کی صورت مین حاصل کرنا چاہتے ہین، اگر کوئی شخص یہ شکایت کرتا ہے، کہ میں فلان شخص کے کام آیا، لیکن وہ احسان نہین مانتا تو سمجھ لیجئے کہ اس کا احسان بے لوث نہین تھا، وہ احسان کرکے اس پر تسلط جمانا چاہتا تھا، بے لوث محسن معاوضہ کا خواہش مند نہین ہوتا، اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرتا ہے، تو وہ احسان شناس فطری طور پر اپنے محسن کی قدر اور اس کی عزت کرتا ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہوجائے کہ وہ احسان کے بدلے مین اس پر حکومت کرنا چاہتا ہے، تو وہ اس سے متنفر ہوجاتا ہے، کیونکہ اس کی مہربانی کے پردہ مین اس کی ذاتی غرض معلوم ہوجاتی ہے،

احسان اور مہربانیوں سے کسی کو غلام بنانا ذلیل ترین حرکت ہے، ایسی ہر دلعزیزی کو کبھی قیام نہیں ہوسکتا،

خود مرکزیت کسی صورت مین ہو، ہر دلعزیزی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، دوسرون کی کمزوریون سے فائدہ اٹھانا کبھی بھی مفید نہین ہوسکتا، ہر دلعزیزی کا صحیح اصول یہ ہے، کہ ان لوگون سے محبت اور دوستانہ تعلقات قائم کئے جائین جن کی خوبیون کا دل معترف ہو، نہ کہ اپنے اغراض کے لئے ان لوگوں سے رشتہ جوڑا جائے جن سے کام نکلتا ہو، اگر کسی کا مقصد دوسرون کو خوش رکھنا ہے تو فطری طور پر دوسرے بھی اس کو خوش رکھین گے، لیکن اس میں کوئی غرض شامل نہ ہونی چاہئے، اگر انسان اتنا بلند ہوجائے، تو وہ خود بخود ہر دلعزیز ہوجائے گا، مگر اس کو اس کا متوقع نہ ہونا چاہئے، (ا-ع)

رحمت عالم

مبتدی طالب علمون، کم پڑھے لکھے لوگون، بچون اور عورتون کے لئے سیرت نبوی صلعم کی ایک ایسی مختصر، سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی، جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت مین کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہون اسی ضرورت کو سامنے رکھکر سیرت نگار نبوی **سید سلیمان** ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندۃ العلما لکھنو مین چھوٹے بچون کے دار الاقامہ کے لئے وقف کردیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد مین چھپی ہے ضرورت ہو کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اسکی خریداری سے انشا اللہ تعالیٰ دہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ ۱۲؍ ہے لیکن ۲۰ نسخون کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲؍ فی نسخہ زائد ہوگی،

"منیجر"

اخبار علمیہ

عجیب و غریب لیمپ

ڈاکٹر ان ٹی گورڈن نے ایک عجیب و غریب لیمپ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ گیس، بو، سردی، گرمی وغیرہ جیسی غیر مادی چیزون کو بھی آنکھون سے دیکھا جا سکتا ہے، اسکنکڈی کی تجربہ گاہ مین عنقریب اسکی نمایش کی جائیگی، گو یہ ایک چھوٹا سا بجلی کا لیمپ ہے لیکن اپنی قوت کے لحاظ سے یہ ایک دوسرا آفتاب ہے، اس طاقت کا لیمپ دنیا مین ابتک ایجاد نہیں ہوا،

چند مہینے ہوئے اتفاقی طور سے اسکی قوت کا اس طرح پتہ چلا کہ ڈاکٹر اور اس کا نائب ڈاکٹر آر بی جونس، سرچ لائٹ کا ایک نئی قسم کا عاکسہ دریافت کرنے کے سلسلہ مین اس لیمپ پر آخری تجربہ کر رہے تھے، اور سرچ لائٹ کی روشنی ان کے معمل مین پڑ رہی تھی کہ یکبارگی ڈاکٹر کی نظران عجیب و غریب خطوط پر پڑی، جو اس کی کھڑکی کے شیشے سے گذر رہے تھے، اور یہ دیکھکر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ روشنی کی یہ کرنین جو آلپین کی نوک جیسی باریک جگہ سے گذر رہی تھین، شیشے پر ایسے تغیرات کا نشان دے رہی تھین جن کا آنکھون سے اب تک مشاہدہ نہین کیا گیا تھا،

اس مشاہدہ نے ڈاکٹر موصوف کو غیر مرئی اشیا کے متعلق تحقیقات کی نئی راہ دکھائی، اور اوس نے لیمپ کی روشنی ایک سفید پردے پر ڈالی، جب اسکی سفید کرنین مختلف عرقیات گیس یا دوسری شفاف اور غیر مادی چیزون سے ہو کر گذرتین، تو ان چیزون کا سایہ سفید پردے پر پڑنے لگتا،

یہ سایے جو لاشعاع کی تصویرون (X - Rays) کی طرح ہوتے ہین، غیر مرئی اشیاء کو مختلف صورتون سے بے نقاب کرتے ہین مثلاً بدن کے بخارات یا کسی خوشبو کی بوتل کو کھولنے کے بعد دھندلے بادل کی طرح اس سے ایک چیز اوپر اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، جو یقینی بو ہوتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے تھوڑا سا کاربن ڈائی آکسائڈ انڈیلا، اس کے اس عمل سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے پردہ پر اس کے سایہ نے بڑھکر شمع کو بجھا دیا، اسی طریقہ سے ایک گلاس پانی جب اس کے سامنے رکھا گیا، تو کیمیائی ردعمل کے تغیرات اور مختلف بے رنگ عرق کا امتزاج صاف معلوم ہونے لگا،

ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ اس نئے تجربہ سے شیشے کی چیزون کو جانچنے کے لئے فیکٹریون میں کام لیا جا سکتا ہے، نیز اس سے کیمسٹری کے طلبہ کو کیمیائی ردعمل اور دوسری چیزون کا عینی مشاہدہ نصیب ہو سکتا ہے جو اب تک اُنکی آنکھون سے مستور رہتا تھا،

بچّون کی تعلیم کا نیا طریقہ

لونگ بیچ کیلف (Long Beach Calif) کے پبلک اسکولون مین خاص منفک سائنس اصولون پر ایک کلاس قائم کیا گیا ہے، جہان ایسے لڑکون کو تعلیم دیجاتی ہے، جن کی بصارت اور سماعت کی قوت کمزور ہوتی ہے، قوتِ سماعت کی کمزوری کی تلافی کے لئے ایک آلہ ہے یہ آلہ ریڈیو کی شکل کا ہوتا ہے، اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے، کہ لڑکا کتنا سن سکتا ہے، استاد ایک خاص کرے مین مائیکرو فون پر بولتا ہے، ہر لڑکے کے پاس ایک آلہ آواز ملانے اور ایک سننے کے لئے ہوتا ہے، سننے کا آلہ کان مین لگا یا جاتا ہے، اور آواز ملانے کا ٹیبل پر رکھدیا جاتا ہے،

اسکی مدد سے ہر لڑکا اپنی ضرورت کے مطابق آواز ملا لیتا ہے اس سے اسکو سننے مین کوئی دشواری نہین ہوتی، جن لڑکون کی آنکھیں خراب ہین، اُن کی تعلیم کے کمرے بھی اسی لحاظ سے بنائے گئے

ہین، کہ طلبہ کی آنکھون پر زور نہ پڑے، ان کی کتابین، ڈیسک اور کاغذ مین چمک نہیں ہوتی،
پنسلیں بڑی اور چاک خاص قسم کے ہوتے ہین، جن سے آنکھون کو دیکھنے مین بڑی مدد ملتی ہے،
جن لڑکون کی ایک آنکھ خراب ہوتی ہے، وہ اپنی اچھی آنکھ پر ربر کا چشمہ لگا لیتے ہین،

بجلی سے جنون کا علاج

برقی جھٹکون سے جنون کا علاج جدید دنیائے طب کا حیرت انگیز کارنامہ ہے، نیویارک کے دماغی ہسپتال مین اس مرض کے مایوس العلاج مریضون پر اس کا تجربہ کیا گیا ہے، جس مین پوری کامیابی ہوئی، اور اس علاج سے مریض اپنی اصلی حالت پہ آگئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بجلی کے فیتے کان کے اوپر سے سر مین لپیٹ دیئے جاتے ہین، اور ستر سے لے کر سو وولٹ تک کی بجلی دماغ سے گذاری جاتی ہے، اس عمل سے مرگی کے دورہ کی طرح سخت تشنج پیدا ہوجاتا ہے، یہی تشنج مرض کا علاج بنتا ہے، بعض مریضون کو ایک ہی جھٹکے سے فائدہ ہوجاتا ہے، جو یقینی ایک معجزہ ہے، بعض کے لئے اس سے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس کے بعد ان کی دماغی حالت بالکل درست ہوجاتی ہے،
اس عمل سے نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے، اور نہ بعد مین کوئی دوسرا نقصان وہ اثر باقی رہتا ہے، بلکہ مریض ایک عام انسان کی طرح اپنی زندگی بسر کرتا ہے، اس علاج مین کچھ زیادہ خرچ بھی نہیں ہوتا،

امریکہ کی علم نوازی

ترقی یافتہ قومین اپنے اہل کمال کی جتنی قدر دانی کرتی ہین، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ نے اپنے پانچ بڑے سائنس دانون اور موجدون کی یادگار مین پانچ ٹکٹ جاری کئے ہین، جن کے ایک طرف ان کی تصویرین ہین اور دوسری طرف انکی مختصر تاریخ،

پہلا ایک سنٹ کا ٹکٹ، ایلی وہٹنی ۱۷۶۵ء سے ۱۸۲۵ء (ELI-WHITNEY) کے نام پر ہے جسکی ایجاد نے سوتی کارخانوں مین انقلاب پیدا کر دیا، دوسرا دو سنٹ کا ٹکٹ سیموئل، اف، بی مورس ۱۷۹۱ء سے ۱۸۷۲ء (Samuel F. B. Morse) کے نام پر ہے، جس نے ۱۸۳۵ء میں ٹیلیگراف ایجاد کیا تھا، تیسرا تین سنٹ کا ٹکٹ سائرس اچ میکورمک ۱۸۰۹ء سے ۱۸۸۴ء (Cyrus H. McCormick) کی یادگار مین ہے، اس نے فصل کاٹنے کی مشین ایجاد کی تھی جس سے زراعت کو غیر معمولی ترقی ہوئی، چوتھا ٹکٹ سینے کی مشین کے موجد الیس ہو، ۱۸۱۹ء سے ۱۸۶۷ء (Elias Howe) اور پانچوان دس سنٹ کا ٹکٹ ٹیلی فون کے موجد الکزنڈر گراہیم بل ۱۸۴۷ء سے ۱۹۲۲ء (Alexander Graham Bell) کے نام پر ہے، اڈیسن کا نام اس فہرست مین نہین ہے، کیونکہ اس کے اعزاز مین اس سے پہلے ایک مخصوص ٹکٹ جاری ہو چکا ہے،

آبی کوٹ

ایک انگریز موجد نے برطانوی بحری امارت کو ایک اور کوٹ پیش کیا ہے، اس کی مدد سے انسان بغیر تیرنا سیکھے ہوئے پانی مین ڈوبنے سے محفوظ رہتا ہے، یہ اور کوٹ گبرڈین کا ہے، اس کے اندر کارک سے بھی ہلکی، اور سبک چیز ہوتی ہے، جس کا وزن موجودہ لائف بلٹ سے کہین کم ہے، اور اس سے کئی گنا گرم بھی ہے، کیونکہ اس کے اندر گرمی پہنچانے کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، یہ اپنی ارزانی کے لحاظ سے نہ صرف حکومت کے ضروریات کے کام آسکتا ہے، بلکہ سمندر کے خطرات سے بچنے کے لئے اس سے بہتر کوئی چیز ایجاد ہی نہین ہوئی ہے، اس سے عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین'

(ا - ع)

ادبیات

لیلۃ القدر

از

جناب روشن صدیقی

(۱) جاگ اے روح گراں خوابی دیرینہ سے
آج بیداریٔ کونین کی رات آئی ہے
شمع احساس ہے پھر زینت محراب ضمیر
پیش ادراک کشادہ ہے کتاب تقدیر
آج ہر راز نہفتہ ہے سراپا تفسیر
شب نہیں، روشنیٔ صبح نجات آئی ہے

(۲)
دور میں کشف حجابات کے پیمانے ہیں
چہرۂ ماضی پنہاں ہے برافگندہ نقاب
اٹھتے جاتے ہیں بہ ہر لمحہ حجابوں پہ حجاب
کہکشاں چھیڑ رہی ہے کوئی دیرینہ رباب
یہ ستارے ہیں کہ بھولے ہوئے افسانے ہیں

(۳)
یہ شب نور، یہ گردون کا سرود بیدار
ایک پیغام ہے معمورۂ امکان کیلئے
مہ و انجم ہیں اشارے دل انسان کیلئے
ہیں یہ اسرار خدا صاحب عرفان کیلئے
منزل فکر و نظر ہے یہ جہان انوار

(۴)
زندگی لوح تصور پہ نمودار ہوئی
قافلہ ہے کہیں کھوئے ہوئے ارمانوں کا
کہیں ہنگامہ ہے گذری ہوئی طوفانوں کا

وہی عنوان، وہی عالم ہو سب افسانوں کا
جیسے دنیا یہ ابھی خواب سے بیدار ہوئی

(۵)

اے مری روح! تجھے یاد ہے رودادِ حیات
آ کہ پھر ایک نظر جانبِ آغاز کریں
حسرتِ راز کو تصویر کشِ راز کریں
طائرِ وقت کو آمادۂ پرواز کریں
پھر ہے مانوسِ چمن نکہتِ برباد حیات

(۶)

دیکھ، اعمال میں اخلاص کی بو ہے کہ نہیں
کتنے لمحات ہیں تلبیس و ریا سے خالی
کتنے آنسو ہیں غمِ حرص و ہوا سے خالی
کتنے ارمان ہیں توہینِ وفا سے خالی
کہیں تقدیسِ محبت کی نمو ہے کہ نہیں

(۷)

حسرتیں کتنی ہیں تسلیم و رضا سے معمور
رنج و غم راہِ صداقت میں اٹھائے کتنے
اشک الفت میں غریبوں کی بہائے کتنے
خواب ایثار کے آنکھوں میں بسائے کتنے
کتنی راتیں ہیں مناجات و دعا سے معمور

(۸)

کبھی روشن ہوا سینے میں چراغِ ایثار
تو نے دیکھا بھی رخِ انجمنِ نیم شبی
دل میں بھڑکی بھی کبھی آتشِ یزداں طلبی
کبھی اشکوں نے بجھائی بھی تری تشنہ لبی
کبھی آہوں نے شکستہ کیا سازِ پندار

(۹)

رخ ہوا بھی کبھی قربانگہِ ملت کی طرف
دل میں انوارِ سعادت کے کچھ آثار بھی ہیں
تابشِ سوزِ محبت کے کچھ آثار بھی ہیں
عشقِ خورشیدِ رسالت کے کچھ آثار بھی ہیں
سر جھکا بھی کبھی ارشادِ نبوت کی طرف

(۱۰)

کس قدر شعلہ بداماں ہے گدازِ ہستی
قلب میں عشقِ محمدؐ کی تپش کتنی ہے
درد میں رحمتِ عالمؐ کی کشش کتنی ہے
سوز کتنا ہے محبت کی خلش کتنی ہے
کتنا بشکستہ و بیتاب ہے سازِ ہستی

(۱۱)

کیون ہو افسردہ و خاموش تو اے روحِ حزین
رازِ غم چھپ نہ سکے گا تری خاموشی سے
درد پیدا ہے ترے رنگِ فراموشی سے
سخت مغموم ہے تو شرمِ خطا کوشی سے
جیسے اندوہِ ندامت کے سوا کچھ بھی نہین

(۱۲)

کب تک اے روحِ پشیمان غمِ پیہم تجھکو
شدتِ رنج و تاسف سے گرانبار رہو تو
ایک اندوہِ مسلسل مین گرفتار ہے تو
کیا نہین یاد؟ غلامِ شہِ ابرار ہے تو
کھینچ لے گی کششِ رحمتِ عالم تجھکو
جاگ اے روح گران خوابیِ دیرینہ سے
تازہ کر عشق کو بیتابیِ دیرینہ سے

شورِ نشور

از جناب نشور واحدی

مین نظر نظر پہ مچل گیا، مین قدم قدم پہ ٹھہر گیا، — تری کائناتِ شباب مین مین جوان ہو کے جدھر گیا
یہ خرامِ ناز پہ مٹ گیا وہ شبابِ عمر پہ مر گیا — جو جوانیون سے گذر گیا وہ قیامتون سے گذر گیا
مری زندگی کا نفس نفس تجھے دیکھنے مین گذر گیا — تجھے دیکھتے ہوئے جی سکا تجھے دیکھتے ہوئے مر گیا
دل و دلربا کا وہ ساتھ ہو کہ اڑی تو دونون ہی اڑ گئے — مری آہ تا بفلک گئی، ترا حسن تا بقمر گیا
مین یہ کہہ رہا ہون بہار کو مجھے گلستان کی خبر نہین — ترا حسن دیکھ کے نظر گیا، ترا جلوہ لیکے نظر گیا
یہ فلک بھی تھا، یہ زمین بھی تھی مگر اک شباب کی تھی کمی — تری زلف تا بہ کمر گئی، تو جہانِ حسن سنور گیا
ہے جمالِ یار مین جزر و مد جو مثالِ نغمۂ زیر و بم — یہ تغیرات شباب ہین، یہ نشہ نہیں کہ اتر گیا
مری رات آج وہ رات ہے کہ قمر نہیں کہ سحر کرون — مری رات ایک وہ رات تھی کہ سحر ہوئی تو قمر گیا

یہ محبتون کا اثر ہے کیا! کہ نشور ایک نگاہ مین
جو طرب فزا تھا ابھی ابھی وہی نغمہ درد سے بھر گیا

باب التقریظ والانتقاد

بہارستان[1]

از مولانا عبد السلام ندوی

یہ مولانا ظفر علی خان کے مجموعۂ کلام کا نام ہے، جو اردو اکیڈیمی پنجاب کی طرف سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا ہے، اس لئے اسکی اشاعت پر ایک کافی زمانہ گذر گیا ہے، اور کتابون پر ریویو لکھنے کا جو معمولی طریقہ ہے، اوس کے لحاظ سے اب وہ خارج از میعاد ہو چکا ہے، لیکن مولانا ظفر علی خان کی شاعری بذاتِ خود وقتی زمانہ کی پابند نہین ہے، اور ادبی حیثیت سے اس پر ہر وقت اور ہر زمانہ مین ریویو لکھا جا سکتا ہے، اور اس وقت ہم کو اون کی اسی لازوال شاعری پر ریویو لکھنا ہے،

موجودہ زمانہ مین شعراء کے کلام کے جو مجموعے شائع ہوتے ہین، ان کا طرز یہ ہوتا ہے، کہ ابتدا مین شاعر کی تصویر بلکہ بعض حالات مین جا بجا بچپن، جوانی اور بڑھاپے ہر زمانہ کی تصویرین ہوتی ہین، پھر شاعر کے حالاتِ زندگی اور کلام پر تقریظ و تنقید ہوتی ہے، جس کو کبھی تو خود شاعر ہی لکھتا ہے، اور کبھی دوسرون سے لکھواتا ہے، اور بعض اوقات یہ سلسلہ اس قدر

---

[1] ضخامت:۔ ۲۰۸ صفحے، قیمت:۔ مجلد صہ، پتہ:۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

دل پکڑ جاتا ہو کہ اس قسم کی مداحانہ یا ناقدانہ تحریرون کی ضخامت اصل مجموعۂ کلام سے بھی بڑھ جاتی ہے لیکن
ولانا ظفر علی خان کے مجموعۂ کلام کی ضخامت اگرچہ آٹھ سو صفحات سے زیادہ کی ہے تاہم ان صفحات کی
سعت اور پھیلاؤ کو ان کے کلام ہی نے گھیر لیا ہی، تقریظ و تنقید اور سوانح و حالات سے انھون نے
اس مجموعہ کی ضخامت نہین بڑھائی ہے ابتدا مین صرف ان کی تصویر ہؤ اسکے بعد نظم مین ایک تقریب
ہے، جو مولانا حالی کی کہی ہوئی ہے، لیکن اس کو بھی انکی شاعری سے کوئی سروکار نہیں ہے
بلکہ اس مین صرف ان کے ذاتی اور اخلاقی محاسن گنائے گئے ہین، غرض شاعرانہ تقریظ و تنقید کے
لحاظ سے اس مجموعہ کے صفحات بالکل خالی ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص ان کے کلام پہ ریویو لکھنا
چاہے، تو اس کے لئے اظہار رائے کے لئے ایک کفِ دست چٹیل میدان مل جاتا ہے، اور ریویو نگار
کو یہ دقت پیش نہین آتی، کہ وہ اصل مجموعہ کے دوسرے نقادون کی ہمزبانی کرے، یا ان سے بچ کر
اپنا کوئی دوسرا راستہ نکالے، غرض وہ دوسرون کی موافقت اور مخالفت سے آزاد ہو کر اپنی
بے لاگ رائے کا اظہار کرسکتا ہے، اور ہم اس وقت اسی بے لاگ رائے کا اظہار کرنا چاہتے ہین،

مولانا ظفر علی خان کا کلام دورِ جدید کی پیداوار ہے، اور دورِ جدید مین قدیم شاعری پر
سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ وہ مضمون اور اسلوبِ بیان دونون حیثیتون سے ایک محدود
چیز ہے، غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ چند صنفین ہین، جن پر تمام قدیم شعرا نے اپنی دماغی
طاقتین صرف کردی ہین، اور انہی گھروندون مین پھنس کر رہ گئے ہین، حالانکہ موجودہ زمانہ کی
ضرورت اور خود شاعری کی وسعت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ع

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کیلئے

جدید شاعری کی تمامتر بنیاد اسی تخیل پر قائم ہے، لیکن بااینہمہ دورِ جدید کا کوئی شاعر اپنے آپ کو
پرانے قیود و حدود سے بالکل آزاد نہین کرسکا ہی، قدیم شاعری کی سب سے زیادہ مبتذل صنف غزل

سمجھی جاتی ہے، اور موجودہ دور میں اگرچہ غزل میں بہت کچھ اصلاحیں ہو چکی ہیں تاہم اس مبتذل صنف کی دلفریبیان اب تک بدستور قائم ہیں، اور موجودہ دور کے بہت سے شعراء کا مایۂ ناز صرف یہی صنف ہے، اس محدود دائرے سے نکل کر شاعرانہ زور آزمائیون کے لئے جو نئے نئے میدان پیدا کئے گئے ہین، وہ زیادہ تر انگریزی شاعری کی تقلید ہیں، مناظر قدرت مثلاً پہاڑ، دریا، جنگل وغیرہ پر کچھ نظمین لکھی گئی ہین، کچھ نظمین سیاسی، کچھ اخلاقی اور کچھ مذہبی، غرض اسی قسم کے متفرق مضامین پر متعدد شعراء نے نظمین لکھی ہین، اور انہی نظمون کے مجموعہ کو جدید اردو شاعری کے لقب سے پکارا جاتا ہے، لیکن ایشیا اور یورپ دونون کی تقلید سے آزاد ہو کر جس شخص نے اردو زبان کی جدید شاعری مین وسعت پیدا کی ہے، اور اس کو غیر محدود مضامین کا مجموعہ بنا دیا ہے وہ مولنا **ظفر علی** خان ہین، غزل کی ضرورت صرف اسلئے تسلیم کی گئی ہے، کہ انسان کے دل میں ہر وقت سیکڑون مفرد اور بسیط خیالات پیدا ہوتے رہتے ہین، جن پر طویل نظمین نہیں لکھی جا سکتین، اور وہ صرف غزل کے مفرد اشعار مین ادا ہو سکتے ہین، لیکن بعینہٖ اسی طرح دنیا مین ہزارون مذہبی، اخلاقی، سیاسی، اور اسی قسم کے دوسرے واقعات پیش آتے رہتے ہین، جن کا اظہار نہ تو دو ایک شعر مین ہو سکتا، نہ اس پر طویل نظمین لکھی جا سکتین، تاہم وہ شاعری کی گرفت میں آسکتے ہین، اور ان کے نظم کرنے پر صرف وہی شخص قدرت رکھتا ہے، جو انتہا درجہ کا قادر الکلام ہو، اور اسکی شاعری کا دائرہ محدود نہ ہو، مولانا ظفر علی خان اسی قسم کے قادر الکلام شاعر ہین، ان کی شاعرانہ طاقت کے اظہار کیلئے صبح کا سہانا وقت، شب ماہتاب کی دلفریبی اور گوشۂ چمن کی خلوت نشینی بالکل غیر ضروری چیزین ہین، وہ ایک سدابہار شاعر ہیں، اور ہر وقت اور ہر موضوع پر نظم لکھ سکتے ہین، دور جدید کے اور شعراء کے کلام کی اگر تحلیل کیجائے، تو وہ چند محدود مضامین کا مجموعہ ہوگا، لیکن مولانا ظفر علی خان کے اس مجموعۂ کلام کی فہرست پورے سولہ صفحے مین آئی ہے، اور نظمون کی مجموعی تعداد ۱۵۰، ہے،

ن سے قیاس ہو سکتا ہے، کہ انھون نے کتنے غیر محدود واقعات اور خیالات پر نظمین لکھی ہین لیکن یہ واقعات اور خیالات محض فرضی نہین ہین، بلکہ ہندوستان، یورپ اور دنیاے اسلام مین جو سیاسی مذہبی اور اخلاقی حالات پیش آئے ہین، ان سب پر انھون نے کوئی نہ کوئی نظم لکھدی ہے، اس لحاظ سے ان کا یہ مجموعۂ نظم گویا اس دور کی مجموعی تاریخ کے ابواب و فصول کا ایک مجموعہ بن گیا ہے اور اون کو پیش نظر رکھکر اس دور کی قومی سیاسی مذہبی تاریخ کا ایک مکمل خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے،

واقعات کے تنوع اور مضامین کی بوقلمونی کے ساتھ مولانا ظفر علی خان نے شاعرانہ حیثیت سے بھی اردو شاعری مین بہت زیادہ وسعت اور رنگینی پیدا کی ہے، چونکہ ابتدا ہی سے اردو شعرا چند محدود اصناف شعر مین طبع آزمائی کرتے چلے آتے تھے، اس لئے انھون نے قافیون اور ردیفون کو بھی محدود کر لیا تھا، اور ان کے علاوہ جتنے قافیے اور ردیفین تھین، سب بیکار ہو گئی تھیں، یورپ مین جو شاعر اپنی زبان کے جس قدر زیادہ الفاظ و محاورات استعمال کرتا ہے، اسی قدر اس کی قادر الکلامی کا اظہار ہوتا ہے، اس اصول کے لحاظ سے جو شاعر اپنے کلام مین جس قدر زیادہ نئے قافیون اور نئی ردیفون کا استعمال کرتا ہے، اسی قدر ہمارے نزدیک اس کی قادرالکلامی ثابت ہوتی ہے، اردو شعرا مین میر اکبر حسین الہ آبادی نے اپنی ظریفانہ نظمون مین سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس قسم کے نو قافیے اور نئی ردیفین استعمال کی ہین لیکن مولانا ظفر علی خان نے اس مین اور بھی زیادہ وسعت پیدا کی ہے، اور ہزارون قافیے ایسے استعمال کئے ہین، جو آج تک حدود شاعری سے خارج سمجھے جاتے تھے، مثلاً

کرنے لگا گیا وہاں جرنل کنّاوا — جہان بگڑا ہو سب آوے کا آوا
پھٹنے لگا کرتی دم مین کوہ آتشنا — بہا دے گا تمام اٹلی مین لاوا
ڈالا کسی نے ڈاکہ، مارا کسی نے چھاپا — رہتے ہین زار و وکٹر دور سے جناب پاپا

روتی ہے تجھ کو یورپ افریقہ کی تیمی اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا،

بسکہ تھا تثلیث عنوان دین قسطنطین کا پڑھ گیا آکر سبق انگورہ میں والتین کا

کہدو آغا خان سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئیگی بھینس کے آگے ہے بے مصرف بجانا بین کا

نکل جائیں گے تکلے کی طرح بل کسی دن کابلی بلوائیوں کے

ہوا میں ایک دن اڑتے پھرینگے پہاڑ ان ننھی ننھی رائیوں کے

کفر کے فتوے ہاتھ میں لیکر آئے ہیں پیر و صوفی و ملا دین مبین کی عظمت و شوکت ہوویگی ہو غائب غلّا

اے مرے مولا دور نہیں ہے انسے تری تقدیر کا ڈنڈا گاڑ دے ان کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

روس زخمی ہے، تو المانیہ ہے بے پر و بال رہا اٹلی سو ہے بیچارہ کی اکھڑی ہوئی سانس

پھرتے ہیں اہل فلسطین بھی باندھے ہوئے لٹھ اور بریلی سے چلے جا رہے ہیں بانس پہ بانس

سنگھٹن کے صدر دفتر میں بجا جس وقت سنکھ گھس گئے چاروں طرف سے آکے پانی پت میں جاٹ

ریت کے تودے سے بڑھکر بھس بھسی ثابت ہوئی مالوی جی جس کو تھے سمجھے ہوئے لوہے کی لاٹ

پھر انکو ہے چلیں شدھی کے بنیئے کی دکان چکر چلن جن کا ہے سودا تولنا اور مارنا ڈنڈی

جنھیں لینی ہو گالی لے لیں پرتاب ایک آنے میں کہ سستا کر چکی ہے بھاؤ اپنا کفر کی منڈی

حکومت کیا کروگے لیکے انگریزوں سے نادانو بجاؤ مسجدوں کے آگے باجا، گائے کو پوجو

وطن اور اسکی آزادی سے ایسی بھی عداوت کیا کہ آئنگر سے پھر کر لاجپت کی رائے کو پوجو

خدا کا نور مالا بار سے پھیلا ہے خیبر تک جو آنکھیں ہو تو اس کو ورنہ اسکے سایے کو پوجو

مالوی بھی علتی، اور مولوی بھی علتی حرف علت گر نکل جائے تو پھر ملت ہو ایک

رنج و راحت میں برابر کے ہوں دونوں حصہ دار ننگ و ناموس ایک ہو اور عزت و ذلت ہو ایک

متحد ہو جائیں باہم سارے مسلم اور ہنود تفرقے مٹ جائیں انکے کثرت و قلت ہو ایک

ڈھانپ لے ڈونون کو دامن رحمت اسلام کا کیمیا خانے کے اندر حرمت وعلت ہو ایک
ہو اسلامیوں مین جذبۂ حبِ وطن پیدا تو اس جذبہ کا سہرا ہو اسی مسکین کے سرپہ
خدا وہ دن کرے صدقے مین پیغمبر کی عزت کے کہ رکھون تاج دنیا کا مین تاج الدین کے سرپہ
مسلمانون کا مستقبل ہے روشن او دھیانے مین کہ ہے بار امانت سید لیسین کے سرپہ

اگرچہ اس قسم کی ردیف و قوافی کے استعمال کرنے سے بعض جگہ سنجید گی کا سررشتہ اون کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہ مجموعۂ کلام سنجیدہ مضامین اور سنجیدہ طرز بیان سے خالی ہے، بلکہ انھوں نے اسی جوش، اسی روانی، اور اسی برجستگی کیساتھ سنجیدہ مضامین بھی معمولی ردیف و قوافی مین ادا کئے ہین مثلاً

وطن کو مین چمنستان بنا کے چھوڑون گا اور اسکی صبح کو خندان بنا کے چھوڑونگا
ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو مین اپنے قصر کا دربان بنا کے چھوڑونگا
مین نام لے کے محمدؐ کے زیر دستون کا حریف رستم دستان بنا کے چھوڑونگا
ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی مین کانگرس کو مسلمان بنا کے چھوڑونگا
لہو شہید کا لون گا، اور اس کی سرخی کو مین غازۂ رخ ایمان بنا کے چھوڑونگا
وہ مشکلین جنھیں حل جبر کر نہیں سکتا بزور صبر اونھین آسان بنا کے چھوڑونگا

وہ جس کی شان ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور مین ہے
برنگ دور قمر جلوہ اس کی قدرت کا کبھی سنین مین ہے، اور کبھی شہور مین ہے
کبھی کبھی ہے وہ اوجِ سپہر پہ تابان کبھی کبھی وہ خرامان سواد طور مین ہے
کہین فسانہ وہ یعقوبؑ کا ہو کنعان مین کہیں ترانہ وہ داؤدؑ کا زبور مین ہے
شرار جستہ کی شکل اوس کے وہم کا پرتو تڑپ رہا مرے خاکستر شعور مین ہے

جو اسکو صورتِ اصلی مین دیکھنا چاہو، محمدؐ عربی کی جبیں کے نور میں ہے،

جدید وضع کے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہین، ہمارے طور طریقے بدلتے جاتے ہین،
دکھائی ہے ہمیں تہذیبِ مغربی نے جوت، ہم آنکھ بند کئے اس پہ چلتے جاتے ہین،
بھڑک رہا ہے کچھ اس جوش سے تنورِ فرنگ کہ دین کی برف کے تودے پگھلتے جاتے ہین،
دیارِ غرب کی مٹی کچھ ایسی چکنی ہے، بڑے بڑوں کے قدم بھی پھسلتے جاتے ہین،
محمد عربی کا یہ معجزہ سمجھو اگر عرب کے مسلمان سنبھلتے جاتے ہین،

واقعات کے تنوع کے لحاظ سے اگرچہ مولانا ظفر علی خان کے کلام مین ہمواری اور یکرنگی نہین ہے، بعض نظمون مین جابجا رکیک و ثقیل الفاظ موجود ہین، بعض نظمون میں خیالات بھی پست ہین تاہم انکی بہت سی نظمیں ایسی بھی ہین، جو فصاحتِ الفاظ اور متانتِ بیان کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہین، مثلاً

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہئے مگر جو کہئے وہ سچ کہئے اور بجا کہئے،
ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ لکھئے ہر ایک ظلم کا قصہ جدا جدا کہئے،
کبھی خود اپنے چمن کی برائیان گنئے اور اس کو اپنی خرابی کی ابتدا کہئے
عرب کی خاک اوڑی ہوگیا عجم پامال ستم ہوئے ہین وہ اسلام پر کہ کیا کہئے
نہین رہا ہے درازی رقیب کا خوف اب اٹھئے بزم مین جو کہئے برملا کہئے
بقولِ غالب اگر پار اتر گئی کشتی خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

یہ سوز و گداز کا موقع تھا اسلئے انھون نے نرم و رقیق الفاظ اختیار کئے ہین لیکن جوشِ بیان کے جن مواقع پر انھون نے متین و جزیل الفاظ استعمال کئے ہین، وہان بھی فصاحت کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، مثلاً شعرائے وقت کو خطاب کرکے کہتے ہین،

اے نکتہ ورانِ سخن آرا و سخن سنج اے نغمہ گرانِ چمنستانِ معانی

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۴ صفحے،
قیمت: [illegible] از مولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ،
ضخامت ۴۰۴ صفحے، قیمت: [illegible]

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد جدید کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۰۰ صفحے،
قیمت: [illegible] از مولنا سید عبد الحی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں عزیزوں شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم
حصہ اول ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت: [illegible]
حصہ دوم " " ۳۶۱ " " [illegible]

موازنہ انیس و دبیر، (از مولنا شبلی) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: [illegible]

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچیس سالہ عہد جدید کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت: [illegible]

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: [illegible]

نقوش سلیمانی، یہ مولنا سید سلیمان ندوی کی ہندی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریروں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے بعض موقعوں پر لکھے، قیمت: [illegible] ضخامت ۵۰۰ صفحے

دروس الادب، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈریں [illegible] مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے [illegible] طالب [illegible] ادب [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] قیمت [illegible]

مسعود علی ندوی — منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

مطبع معارف میں مسعود علی ندوی نے چھاپ کر شائع کیا

جلد نمبر ۲۷ — فروری سنہ ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت ۵ روپیہ سالانہ

مطبع دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اوران کے جوابات، مورخانہ تحقیق وتنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، قیمت : عہ ر ۵۰۴ صفحے

خلافت اورہندوستان، آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اورخلفائے اسلام سے جوتعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اورسلاطینِ ہند کی تاریخ، سکوں اورکتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت : عہ ر ۹۸ صفحے

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر، اس میں رقعات پرمختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فنِ انشا، اورشاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اورعالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پرخود ان خطوط وواقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت : للعہ ر ۲۸۲ صفحے۔

رقعاتِ عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط، رقعات جوزمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم وادب، سیاست اورتاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت : ہے ر ۲۹۳ صفحے۔

تاریخِ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پرڈھائی سو برس تک حکومت کی، اوراسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیروبرکت کا سرچشمہ بنادیا اورتقریباً پچھتّو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگرافسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اُردو وانگریزی میں کیا عربی میں موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت، تلاش وتحقیق کے بعد دوضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائرِ سسلی پراسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اورجلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت : للعہ ر ۴۷۵ صفحے،

تاریخِ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اورباشندوں کے اخلاق وعادات کا ذکر ہے، پھرنظامِ حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اوران کے اعمال کا ذکر ہے، پھرمعاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اورتجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم وآداب کا تذکرہ ہے، جن میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ الکلام، مناظرہ، شعروشاعری، علوم عقلیات، ریاضیات وطبیعیات کا تذکرہ، ایک ایک فصل میں ہے، اورخاص میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اورشعراء کے مفصل سوانح وحیات ان کی تصنیفات اورکلام نثرونظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت : للعہ ر [illegible] صفحے

جلد ۴۷ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۴۱ء عدد ۲

مضامین

شذرات

پچھلے پرچہ میں رحمتِ عالم کے بنگال تک پہنچنے کی جو اطلاع دی گئی تھی، ابھی وہ چھپنے بھی نہیں پائی تھی کہ کلکتہ سے برادرم مولوی عبدالرحمان صاحب کاشغری ندوی مدرس فقہ واصول مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا تار آیا کہ فی الفور اس کے ڈھائی سو نسخے بھیجے جائیں، چنانچہ وہ بھیجے گئے اور اب بنگال کے دوسرے شہروں تک بھی رحمت پہنچ چکی ہے، اسی طرح کراچی سندھ میں پچاس اور بمبئی میں اسی قدر نسخے جا چکے ہیں، فالحمد للہ،

مسلم یونیورسٹی کے دینیات میں مدت سے مولانا شبلی مرحوم کا رسالہ بدء الاسلام پڑھایا جاتا تھا، اب یہ اطلاع مل کر خوشی ہوئی کہ اس کی جگہ رحمتِ عالم کا انتخاب کیا گیا ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعہ یونیورسٹی کے نوجوانوں تک یہ پیامِ رحمت پہنچ جائے،

رحمتِ عالم کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے رامپور سے ایک دوست کی تحریک تھی کہ اس کا ہندی ترجمہ شائع کیا جائے، اس کی تائید اب حیدرآباد دکن سے ہو رہی ہے، وہاں کے ایک دیندار صاحبِ علم پروفیسر نے اس ہندی اڈیشن کے سو نسخوں کی ذمہ داری لی ہے، اگر ڈیڑھ سو نسخوں کی قیمت عہ (روپیہ) فی نسخہ کے حساب سے کوئی اور ہمدرد ادا کر سکیں تو اس ہندی اڈیشن

کی اشاعت مین کوئی رکاوٹ باقی نہین رہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

قرآن پاک کے اعجاز پر کوئی ایسی مستقل کتاب جس مین اصولاً بھی اور آیات پر بھی دقت نظر کے ساتھ بحث ہو موجود نہین، البتہ کتب معانی وبیان و امالی میں یہ مباحث منتشر و پراگندہ موجود ہین دار المصنفین مین مدت سے یہ کاوش ہو رہی تھی اور دو برس سے مستقل طور سے مولوی محمد اویس صاحب نگرامی ندوی کو یہ کام سپرد کیا گیا تھا جس کو انھوں نے پوری تندہی اور محنت سے انجام دیا، اور بحمد اللہ کہ یہ کام انجام کو پہنچ گیا، اور دو ایسی جلدیں تیار ہو گئیں جنمیں قرآن پاک کے ادبی ومعنوی ونحوی وغیرہ اعجازی نقطہ ہائے نظر جو ایک ہزار برس کی تحقیقات کا خلاصہ ہین یکجا ہو گئے ہیں، اس وقت ان جلدون کی فہرست زیر ترتیب ہے،

حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کی ترتیب کا جو کام پچھلے سال سے جاری تھا، بحمد اللہ کہ پورا ہو گیا، سوانح کی یہ پہلی جلد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہو گی، یہ شخصی سوانح ہونے کے علاوہ انشاء اللہ مسلمانوں کی چالیس برس کی علمی و تعلیمی ومذہبی وادبی وسیاسی تحریکات کی تاریخ بھی ہو گی، کتاب بہمہ وجوہ تیار ہو کر پریس مین جا رہی ہے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم کی چھوٹی تقطیع کی مانگ ہر طرف سے جاری ہے، اُن کی اطلاع کیلئے گذارش ہے کہ چھوٹی تقطیع چھپ رہی ہے، دو سو سے زیادہ صفحے چھپ چکے ہین، امید ہے کہ اخیر سال تک یہ پوری ہو کر قدردانون کے ہاتھوں مین پہنچے۔

حضرت کی ڈاک سے یہ معلوم کر کے بڑا افسوس ہوا کہ محمد پاشا محمود جو زغلول پاشا کے وفد کے ممبر تھے، اور بعد کو الگ ہو کر مصر کی وزارت میں شامل ہو گئے تھے، وفات پا گئے، ان کا ہندوستان سے

یہ نسبت تھی کہ محمد علی مرحوم کے ساتھ اوکسفورڈ میں انھون نے بھی تعلیم پائی تھی، پیرس میں وفد خلافت اور وفد مصر کی ملاقاتوں کے سلسلہ میں ان دونوں رفیقوں میں بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی تھی، اور خاکسار سے زغلول پاشا کی ثالثی میں صحیح بخاری کی صحت پر ایک پرلطف مناظرہ ہوا تھا، زغلول پاشا کا یہ فقرہ جو محمد پاشا محمود کو مخاطب کرکے انھوں نے کہا تھا اب تک کانوں میں گونج رہا ہے دع کلامہ یتکلم، اللہ تعالیٰ نام کی طرح اُن کی عاقبت بھی محمود فرمائے،

ہمارے صوبہ میں اسلام کے سیاسی اور اقتصادی نظام اور اصول کی ترتیب کیلئے جناب نواب صاحب چھتاری کی صدارت میں ایک چھوٹی سی مجلس بنائی گئی ہے، جسکا پہلا اجلاس دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عباسیہ ہال میں شروع جنوری میں ہوا، اور اس کے ارکان مولنا ابوالاعلیٰ مودودی، مولنا عبدالماجد دریابادی مولنا شبیر احمد عثمانی، مولنا آزاد سبحانی، مولنا عبدالحامد بدایونی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور خاکسار بنائے گئے، اور یہ طے پایا کہ مستند علماء اور لائق جدید تعلیم یافتہ اہلِ علم کی باہمی معاونت سے پہلے اسلامی سیاست و اقتصاد پر ایک معتبر کتاب تالیف کیجائے، اور پھر اس میں سے اس حصہ کو الگ کیا جائے جو موجودہ زمانہ میں اور ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال میں بھی قابلِ عمل ہو،

ہندوستان کے مختلف علماء اور اہلِ علم سے اس باب میں خط وکتابت ہو رہی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ تعاون کس حد تک حاصل ہو سکتا ہے، لیکن بہرحال ایک دو آدمی بھی مستعد ہو جائینگے تو یہ کام کسی نہ کسی طرح انجام پا جائیگا، لیکن اصل ضرورت ان بیتاب قلوب کی ہے جو اس راہ میں سرفروشانہ آگے بڑھیں اور جو کہتے ہیں وہ کر بھی گذریں، یعنی جس اسلامی زندگی کی انھیں تلاش ہے اس کا پتہ جب پالیں تو اس کے حصولِ عمل کو اپنی ہر قسم کی جد و جہد کا مرکز بنا لیں،

مقالات

ابوالبرکات بغدادی اور اسکی کتاب المعتبر

سید سلیمان ندوی

(۲)

کتاب المعتبر یہ بڑی بلند پایہ کتاب ہے، اور اپنے طرز میں بے نظیر، چنانچہ علما نے اسکی بڑی قدر کی؛ قاضی اکرم جمال الدین قفطی کہتے ہیں،

"ابوالبرکات بہترین معالج تھا، متقدمین اور متاخرین کی کتابوں سے واقف اور انکو سمجھتا تھا، اوس نے "المعتبر" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں ریاضی کے سوا منطق، طبعیات، اور الٰہیات کی بحثیں آگئی ہیں، عبارت کے لحاظ سے بہت ہی فصیح اور ادائے مطلب میں بہت واضح ہے، اس عنوان پر اس زمانہ کی بہترین کتاب ہے، !"

شہرزوری نے امام فخرالدین رازی کے متعلق لکھا ہے کہ حکما پر امام رازی نے جس قدر اعتراضات کئے ہیں، وہ سب درحقیقت ابوالبرکات یہودی کے ہیں،! اگرچہ اس بیان سے امام رازی کی تنقیص مترشح ہوتی ہے، لیکن ابوالبرکات کا مرتبہ تو بڑھ ہی جاتا ہے کہ ان کے بیان کردہ نکات امام رازی کی بارگاہ میں قبول ہوئے، شہرزوری اشراقی تھے، امام رازی سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی، اس لئے اُن پر کھلے ہوئے طعن کئے ہیں،!

متکلم اسلام امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الرد علی المنطقین" اور کتاب "العقل والنقل" میں بار بار ابو البرکات کا ذکر کیا ہے، خصوصاً صفات باری کے مسائل مین اوس کا بار بار حوالہ دیا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہین کہ چونکہ اللہ تعالیٰ حدوث و تغیر سے پاک ہے، اس لئے وہ جزئیات حادثہ کے علم سے بھی منزہ ہے، ابو البرکات ان کا رد کرتا ہے، وہ خدا کو جزئیات کا عالم مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ جزئیات کے علم سے ذات الٰہی مین تغیر ماننا ضروری نہین،

امام ابن تیمیہ کتاب العقل والنقل جلد ۲ ص ۵۰ مین ابو البرکات سے نقل کرتے ہین !

"ذات باری مین مطلق تغیر کے منع کے بارے مین جو کچھ کہا گیا ہے، کہ اس سے علم باری مین تغیر لازم آجائے گا، یہ لزوم کسی طرح صحیح نہین ہے"

اسی طرح جلد ۲ ص ۴۰ مین علامہ نے اس چیز کو نقل کیا ہے، جو ابو البرکات نے اپنے سوا قُدم عالم کے دونون اقوال مین سے معتبر مین بیان کیا ہے،

جلد ۳ ص ۲۲۳ مین ہے،

ابو البرکات نے ابن سینا پر اعتراض کیا ہے، جس سے ذاتی مقوم اور عرضی لازم کا فرق واضح ہوتا ہے، ابو البرکات چونکہ ائمہ مشائین کے اقوال کو دلائل سے جانچتا تھا، ان کی نری تقلید نہیں کرتا تھا، اور نہ اُن کے لئے تعصب رکھتا تھا، جیسا کہ ابن سینا وغیرہ کا طریقہ ہے،

علامہ ابن تیمیہ نے اسی کتاب کے جزء ثانی ص ۱۱ اور جزء رابع ص ۲۵۰ مین پھر ابو البرکات کا ذکر کیا ہے، نیز اپنی کتاب "منہاج السنۃ" میں اس کا ذکر کرتے ہین، اور اسکی تعریف مین کہتے ہین کہ وہ حدیث اور سنت سے زیادہ قریب تھا"

منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۹۰ میں اسکی وجہ یہ بتائی کہ

ابن سینا نے ان متکلمین کے درمیان پرورش پائی، جو صفات کے منکر تھے، ابن رشد کا ماحول کلابیہ کا تھا، ابوالبرکات بغداد کے علماے سنت و حدیث کے درمیان پروان چڑھا لہ اس سے پہلے کہا،

"ابوالبرکات اور انہی جیسے لوگون کے اقوال زیادہ صحیح ہوتے ہین، اس لئے کہ یہ لوگ عقلی نظریات مین مقلد جامد نہیں ہین، ان کے علوم انوار نبوت سے ماخوذ ہین، ابوالبرکات نے اللہ کے عالم جزئیات ہونے پر بہترین بحث کی ہے، اور اپنے پیش روؤن کا خوب رد کیا ہے"

الرد علی المنطقین ص ۹۹ مین فرماتے ہین، :-

"ابوالبرکات وغیرہ نے ارسطو کا خوب ہی رد کیا، اس لئے کہ یہ لوگ کہتے ہین، کہ ہمارا مقصود طلب حق ہے، کسی شخص یا کسی کے قول کے ساتھ خواہ مخواہ عقیدت ہمارا شیوہ نہین "

مشائین دس عقول کے قائل ہین لیکن اس کے انحصار کی کوئی دلیل ان کے پاس نہین ابوالبرکات اس عدد خاص کا قائل نہ تھا،

علامہ ابن تیمیہ نے ص ۱۲۱ پر لکھا ہے،

اور یہی عقول عشرہ ہین یا اس سے زیادہ، ان لوگون کے نزدیک جو ان کو زائد مانتے ہین مثلاً سہروردی اور ابوالبرکات وغیرہ،

صفات باری کے سلسلہ مین قدیم کے ساتھ حادث کے قیام کو وہ محال نہین سمجھتا تھا، علامہ ص ۲۲۴ پر کہتے ہین،

"اور ان مین سے جنھون نے صفات کے قیام کو باری تعالیٰ کے ساتھ جائز رکھا ہے، انھون نے

قدیم کے ساتھ حادث کے قیام کو جائز قرار دیا ہے، یہ مسلک قدمارین اکابر علما کا ہے،
متاخرین مین ابو البرکات کا بھی یہی خیال ہے،

ص ۲۹۲ پر فرماتے ہین :-

"ابو البرکات نے انہی کے مسلک کی پیروی کی ہے لیکن اِن کی پوری تقلید نہیں کی ہے
بلکہ اپنی عقل وفہم سے جانچا بھی ہے"۔

مسئلہ صفات مین کہتے ہین :-

"ابو البرکات نے جب ارسطو کے قول کی خرابی جان لی، تو اس کا رد کیا، جیسا کہ کتاب "المعتبر"
مین ظاہر کیا ہے"، ص ۴۵۵

صفاتِ باری کے سلسلہ مین تسلسلِ حوادث کا نظریہ درحقیقت اسی ابو البرکات کا پیش کیا ہوا ہے،
جس کو علامہ ابن تیمیہ نے بڑی شد و مد سے قبول کیا ہے، اور اپنی کتابون مین بار بار اس کا ذکر کیا ہے،

ص ۴۰۶ مین ہے،

"یہ لوگ ایسے حوادث کو جائز قرار دیتے ہین جن کی کوئی ابتدا نہین ہے، اسی لئے اِن کے
اکثر اکابر اور متاخرین میں ابو البرکات نے اثباتِ صفات اور قیامِ حادث بالواجب مین
ان سے اختلاف کیا، اور فلاسفہ سے کہا کہ تمھارے پاس اس مسئلہ مین کوئی دلیل نہین ہے"

علامہ سبکی شافعی اشعری نے "تسلسل حوادث بلا اول" کے نظریہ کی بنا پر ابن تیمیہ پر قدم عالم
کے قائل ہونے کا الزام قائم کیا ہے،

ابن تیمیہ نے اس الزام کی تردید کی ہے، کیونکہ قدم عالم کے ماننے والے خدا کو مضطر و مجبور مانتے ہیں
مضطر و مجبور ہین، اور تسلسلِ حوادث کے قائل خدا کو صاحب ارادہ اور صاحب مشیئت تسلیم کرتے ہین،
آخر مین ص ۴۵۰ مین کہا ہے،

"اس کے ماننے سے قدم عالم کا ماننا لازم نہیں آتا، اس کے ماننے والوں کے دو گروہ ہیں ان میں سے ایک یہ کہتا ہے، کہ "اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے، وہ اپنی قدرت اور مشیت سے کرتا ہے" ابوالبرکات نے جو دو قول نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے اور اسی کو اُس نے اختیار کیا ہے"۔ !

ابوالبرکات نے طبعیات کے مسائل میں بہت سی نادر باتیں پیدا کی ہیں، عام طور سے لوگوں کا خیال تھا، کہ مسائل طبیعی بھی الٰہیات اور منطقیات کی طرح ٹھوس ہیں، ان میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی ممکن نہیں، ابوالبرکات نے اس غلط خیال کی پردہ دری کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے، کہ مسائل طبیعیہ کی بنیاد وہم و قیاس اور کورانہ تقلید پر نہیں، بلکہ مشاہدہ و تجربہ پر ہے،

حکما، کا خیال تھا کہ دو حرکت مستقیمہ کے درمیان سکون لازم ہے، اسی بنا پر وہ افلاک کی گردش میں حرکت مستقیمہ کے منکر تھے، اس لئے کہ حرکت مستقیمہ کے لئے سکون لازم ہے، اور افلاک کا سکون فساد عالم کا موجب ہے،

ابوالبرکات نے اس سے تعرض کیا، اور کہا کہ جو لوگ دو حرکت مستقیمہ کے درمیان سکون کو لازم نہیں قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم فرض کریں کہ ایک بڑا پتھر بلندی سے گرا، راستے میں کھجور کی گٹھلی کی مانند ایک چیز سے اسکی ٹکر ہوئی، اب تمہارا کیا خیال ہے، ؟ گرنے والا پتھر اپنے ساتھ ہی اس کو نیچے لیتا آئے گا یا جس وقت یہ دونوں ملیں گے، اس وقت وہ بڑا پتھر اس چھوٹی کنکری کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے رک جائے گا، آخری شق تو بالکل محال ہے،

ابوالبرکات کے اصلی الفاظ یہ ہیں لیکن بعد کو نقل کرنیوالوں نے ان میں ترمیم کردی جیسا کہ میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ اور ملا محمود جونپوری کی شمس بازغہ سے معلوم ہو سکتا ہے !

حکما، نے ابوالبرکات کی اس دلیل کے جواب دینے کی پوری کوشش کی، چنانچہ محقق طوسی نے جواب دیا، اور اسکو امام رازی نے ذکر کیا، دونوں جماعتوں کے درمیان محاکمہ کرنے کے بعد انھوں نے کہا کہ

منکرین سکون کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے،

(مباحث مشرقیہ جلد ا ص۶۲۱)

فاضل میبذی نے شرح ہدایۃ الحکمۃ مین طبیعات سے متعلق ابوالبرکات کی بہت سی قابلِ قبول باتین نقل کی ہین، فلک کی حرکتِ مستدیرہ کے بیان مین کہتا ہے، ؛

"ابوالبرکاتِ بغدادی کہتا ہے، کہ حرکت کا وجود بلا کسی زمانہ کے متصور نہین ہو سکتا، پس وہ زمانہ جس کو حرکت کی ماہیت مقتضی ہے، محفوظ اور حرکاتِ ثلثہ (حرکت عدیم المیل، حرکت ذی المیل الاقوی، حرکت ذی المیل الاضعف) مین متحقق ہوگا، اور جو کچھ اس پر زائد ہوگا، وہ مانع کے لحاظ سے ہوگا، پس ضروری ہے، کہ اجسام ثلاثہ ایک ساعت مین اصل حرکت کی وجہ سے مشترک ہون، اور یہ زمانہ حرکت عدیم المیل کا ہے، محقق طوسی نے اس کا جواب دیا ہے لیکن وہ جواب بہتر نہیں ہے، البتہ ابوالبرکات نے جو کچھ کہا وہ روزِ روشن کی طرح عیان ہے"؛

چشمون کی پیدایش کے ضمن مین فاضل میبذی ابوالبرکات کی رائے نقل کرتا ہے:

"ابوالبرکات معتبر مین کہتا ہے، کہ چشمون وغیرہ کا سبب برف اور بارش ہے، کیونکہ برف اور بارش کی کمی اور زیادتی سے ہم ان چیزون مین بھی کمی اور زیادتی محسوس کرتے ہین، زمین کے اندرونی بخارات اور ہواؤن کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے، کہ زمین کا اندرونی حصہ گرمی مین بہ نسبت جاڑے کے زیادہ ٹھنڈا رہتا ہے، اگر اس کا سبب زمین کے بخارات وغیرہ کا استحالہ ہوتا تو چاہئے تھا، کہ چشمے اور کنوین کا پانی گرمی مین زیادہ اور جاڑون میں کم ہو، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، جیسا کہ تجربہ ہے"؛

میبذی کہتا ہے، اس مسئلہ مین صاحبِ معتبر کی رائے معتبر ہے،

ان معتبر کتابون کے حوالون سے یہ بات ظاہر ہوگئی، کہ ابوالبرکات کی رائین کس قدر صائب اور اوس کے مسائل کتنے صحیح ہوتے ہین، ؟ اور اہلِ علم کی بارگاہ مین اوس نے کس طرح حسنِ قبول پایا؟

ابوالبرکات اپنی کتاب کے مقدمہ مین کہتا ہے، کہ اوس نے اس کتاب کو اپنے ایک بڑے اور پُرانے شاگرد کی درخواست پر لکھا ہے، وہ طالب علم اس کا کاتب اور مستملی، نیز علوم مین کامل تھا!

ابوالبرکات نے اپنے اس شاگرد کا نام نہین تبلایا ہے، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے شیخ موفق الدین عبداللطیف بغدادی (صاحب لاعتبار ان کے والد ابوالبرکات کے شاگرد تھے،) سے نقل کیا ہے، کہ ان سے ابن الدھان منجم (شاگرد ابوالبرکات) نے بیان کیا کہ ابوالبرکات آخر عمر مین نابینا ہوگیا تھا، اور وہ جمال الدین ابن فضلان، ابن الدہان المنجم، یوسف (والد شیخ موفق الدین عبداللطیف) اور مہذب ابن النقاش پر کتاب المعتبر کا املا کیا کرتا تھا، (طبقات الاطبا جلد اول ص ۲۸۰، مصر)

ابوالبرکات کے دوست بھی تھے، دشمن بھی تھے، یاقوت معجم الادبا میں کہتے ہین، کہ ابن التلمیذ ہبۃ اللہ جو ایک فاضل طبیب تھا، اور ابوالبرکات، دونون خلیفہ مستضفی بامر اللہ کے دربار میں تھے، ان دونون میں چشمک رہتی تھی، یاقوت نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالبرکات اپنے معاصر کے لئے ایک چال چلا تھا، مگر اس مین ناکام رہا، (۷-۲۴۴)

ارسطو کے حامیون مین ایک شخص ظہیر الدین علی بن زید البیہقی (صوان الحکمۃ کے ضمیمہ تتمہ تاریخ الحکما کا مصنف) متوفی ۵۶۵ھ ہے، اوس نے ابوالبرکات کے رد مین ایک کتاب "المشتہر فی نقض المعتبر" لکھی، اس کتاب کا حال معلوم نہین اسلئے اسکے متعلق کوئی رائے نہیں ظاہر کیجا سکتی ہے،

ابوالبرکات اپنی کتاب کے شروع مین حمد کے بعد کہتا ہے :-

قدیم علماء حکماء کا قاعدہ تھا، کہ وہ کتابت اور قرأت کے بجائے زبانی درس دیا کرتے تھے، اور

شاگرد کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کیا کرتے تھے، اس طرح ان کے علوم نہ تو نا اہلون کے پاس پہونچتے تھے، اور نہ غیر مناسب اوقات مین شاگردوں کے سامنے پیش ہوتے تھے، اس زمانہ مین طلبہ اور مدرسین کی بڑی جماعت ہوتی تھی، ان کی عمرین کافی ہوتی تھین، ایک جماعت سے دوسری جماعت کے پاس علوم بغیر کسی کمی کے پہونچ جایا کرتے تھے،!

لیکن جب اہلِ علم اور طلبہ کم ہونے لگے، عمرین تھوڑی ہونے لگین، ہمتین پست ہوگئین، بہت سے علوم طلبہ اور اساتذہ کی کمی کی وجہ سے ختم ہونے لگے، تب علما نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا، تاکہ اس طرح علم باقی رہے، اور آیندہ نسلیں یا دور دراز کے باشندے جو اس کے اہل ہون، وہ ان تصانیف سے نفع اٹھا سکین،!

ان تصانیف مین علما نے مشکل عبارتین اور دقیق مضامین لکھے تاکہ اہلِ عقل ہی اسکو سمجھ سکین، اور علم نا اہلون سے محفوظ رہے،!

جب اہلِ علم کا فقدان برابر جاری رہا، تو متاخرین نے ان کی تصانیف کی مشکلات کی شرح اور ان کی اجمالی باتون کی تفصیل شروع کردی، اس طرح تصنیف و تالیف کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، اور اس زمرہ مین نا اہل بھی شامل ہوگئے، اہلِ علم کا کلام جاہلون کے کلام سے مخلوط ہوگیا،

جب مجھکو علومِ حکمت کی طرف توجہ ہوئی، اور اس سلسلہ مین متقدمین کی کتابون اور متاخرین کی شرحون کو دیکھنے کا موقع ملا، تو حال یہ تھا، کہ مین پڑھتا بہت تھا، لیکن علم کم حاصل ہوتا تھا، کیونکہ قدما کا کلام، اختصار، زبان مین نقل در نقل، اور عبارتون مین اختلال کی وجہ سے مشکل سے سمجھ مین آتا تھا، اسی طرح متاخرین کا کلام طولِ بیان، مشکلات شرح اور اصلی دلائل سے خالی ہونے کی وجہ سے غیر مفید تھا، اس وقت مین فہم مطالب کے لئے غور و فکر کرتا، کبھی میری رائے قدما مین سے کسی کے مخالف اور کسی کے موافق ہوتی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا، کہ غور و فکر سے ایسی چیزین سامنے آتین

جو کسی کتاب مین نہ موجود ہوتین، اور نہ اب تک کسی کا ذہن ادھر متوجہ ہوا تھا،

یہ تمام چیزین محض زبانی یادداشت سے باقی نہین رہ سکتی تھین، اس لئے مین نے ان باتون کو سوچنے سمجھنے کے لئے سپرد اوراق کر دیا تھا، بعض لوگون نے اس کے مسودات کی نقل چاہی لیکن مین نے اس خیال سے روک دیا، کہ اس طرح نا اہل کے پاس ان کے پہنچنے کا اندیشہ تھا،

جب اس قسم کے اوراق زیادہ ہو گئے، اور ان مین ایسی علمی باتین آگئین، جن کا ضائع کرنا آسان نہ تھا، اور لوگ اون کے جمع کرنے کے خواہشمند بھی تھے، اس سلسلہ مین سب سے زیادہ خیال مجھے اپنے قدیم اور بڑے شاگرد کی خواہش کا تھا، جو درحقیقت ان کے کاتب اور علوم مین پختہ ہین! تو مین نے علوم حکمت وجودیہ طبیعیہ اور الٰہیہ مین اس کتاب کی تصنیف قبول کی، اور المعتبر اس کا نام رکھا، یہ نام اسلئے رکھا کہ مین نے اس مین وہی مضامین رکھے ہین، جنکو خوب اچھی طرح پرکھ لیا ہے، اور ان پر کافی غور کر لیا ہے، مین نے اس کتاب مین ایسا نہین کیا ہے، کہ کسی مسئلہ مین اکابر کی رائے سے محض اسلئے اتفاق کر لیا، کہ وہ بڑے ہین، یا چھوٹون سے محض اسلئے اختلاف کیا کہ وہ چھوٹے ہین؛ بلکہ حق ہمیشہ پیش نظر رہا، حق اصل رہا، اور موافقت و مخالفت کو عرض کا درجہ حاصل رہا،

اس کتاب مین مین نے علوم وجودیہ پر علوم منطق کو مقدم رکھا ہے، جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فکر و تدبر کا پیمانہ ہین، اور اجزاء و مقالات و مسائل کی ترتیب مین مین نے وہی راستہ اختیار کیا ہے، جو ارسطو نے اپنی منطق طبیعی اور الٰہیات کی کتابون مین اختیار کیا ہے، ہر مسئلہ مین مین نے معتبر حکماء کے نظریات بیان کئے ہین، اور غور و فکر کے مطابق دلائل کا بھی ذکر کیا ہے، پھر مین نے ان مسائل پر تنقید کی ہے، اور جو کچھ سمجھ سکا ہون، اس کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکے سوا خواہ کچھ بھی ہو اور کسی طرف سے بھی ہو، اس کو مین نے ترک کیا ہے، جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو جائیگا!

کتاب تین فنون پر مشتمل ہے منطق، طبیعیات، الٰہیات، قفطی نے یہی بیان کیا ہے، اور خود

مصنف کی زبان سے بھی تم اوپر یہی سُن چکے ہو، اس سے حاجی خلیفہ کے اس قول کی غلطی معلوم ہوتی ہو، کہ ابوالبرکات کی کتاب المعتبر منطق مین ہے، غالبًا ان کو معتبر کا پہلا ہی حصہ پہونچا، جو منطق مین ہے، کتاب کا جزاوّل منطق مین ہے، اسی سے کتاب کی ابتدا ہے، ابوالبرکات اس مین ارسطو کے نقش قدم پر چلا ہے، لیکن اندھی تقلید یہان بھی نہین کی ہے، بلکہ ارسطو کی غلطیون کی تصیح کی ہے اور جو کچھ اوس نے چھوڑ دیا، اسے پورا کیا، شروع میں ابوالبرکات نے ایک مقدمہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ منطق کی حقیقت سے واقف ہے، اور اس سے بھی واقف ہے کہ منطق کہان تک اور کس قدر ضروری ہے، ؟ اوس نے متاخرین کی طرح جن کے نزدیک منطق ایک طلسم ہے منطق کی فضول تعریف نہین کی ہے، ابوالبرکات نے اپنے مقدمہ مین منطق کی یہ تعریف کتنی اچھی کی ہو،

انّھا قوانین الانظار و عروض الافکار	علم منطق مسائل مین غور و بحث کے اُل کا نام ہے اور غور و فکر مین اسکی حیثیت وہی ہے جو وزن شعر مین فن عروض کی ہے

گویا جس طرح علم عروض سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ کون شعر درست ہے، اور کون غلط؟ اسی طرح منطق سے حدو برہان کی غلطی یا صحت معلوم ہوتی ہے،

کتاب کا یہ حصہ منطق کے پانچ مقالات پر، اور ہر مقالہ متعدد فصلون پر مشتمل ہے، پہلا مقالہ حدود اور اس کے مقدمات (جن کو اوس نے "معارف" کے نام سے تعبیر کیا ہے) اور حدود اور رسوم کے ذریعہ معانی کے تصور پر ہے، اس میں ۱۶ فصلیں ہین، پہلے مقالہ کے خاتمہ پر کہتا ہے،

حدود کی بحث مین چند باتین باقی رہ گئی ہین، جو برہان اور حدود کے مناسبات سے آئین گی اور یہ اس سے کہیں زائد ہین، جتنا کہ متقدمین نے حد کی بحث مین اپنی کتابون مین بیان کیا ہے، اسی لئے وہ حدود کو برہان کے بعد ذکر کرتے ہین، اور اس میں بہت تھوڑا

گفتگو کی ہے جنہوں نے اوس پر سیر حاصل بحث کی ہے، وہ اسکو علم کلی کے ضمن میں لایا ہے"

دوسرا مقالہ سات فصلون مین اُن علوم پر ہے، جن سے تصدیق و تکذیب ہوتی ہے، ان فصلون مین ایجاب وسلب، قضایا کلیہ، قضایا جزئیہ، اور قضایا کی قسموں سے بحث کی ہے، اس کے بعد تیسرا مقالہ سترہ فصلون مین قیاس پر ہے، ان مین پہلی فصل قضیون کی صورۃ تالیف پر ہے، جن کے علم سے مجہول کا علم حاصل ہو، اس مین شکلون اور ان کے نتائج سے بحث کی ہے، چوتھا مقالہ سات فصلون مین علم برہان پر ہے، اس مین اقسام مقدمات بیان کئے ہین، اس جزء کا پانچواں اور آخری مقالہ طوبیقا پر ہے، جو بقول مصنف علم المناظرہ ہے،

حقیقت یہ ہو کہ مصنف نے حد ذاتی اور عرضی اور قیاس کی شکلون کی بحث میں کمال کر دیا ہے، حافظ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین مین اکثر ابوالبرکات کے اقوال کو پسندیدگی کے ساتھ ذکر کیا ہے،

کتاب کا دوسرا اور اہم حصہ طبعیات مین ہے، جو یہان ملتا ہے، وہ بڑی بڑی کتابوں مین نہین ملتا ہے، مجھکو زیادہ جو چیز پسند آئی، وہ یہ کہ ابوالبرکات اس بات کا یقین رکھتا ہے، کہ طبعیات کا تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہے، اس مین صرف قیاس اور محض وہم کو دخل نہیں ہے، اسی لئے وہ طبعیات مین اپنے ہم مشربون سے الگ رائے رکھتا ہے، فصل اول مین تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں کہتا ہے،

"متعلمین دو طرح کے ہوتے ہین، ایک وہ جو بلا قصد و ارادہ کے اتفاقیہ طور پر واقفیت حاصل کرتے ہین، ان کا معلم درحقیقت زمانہ ہوتا ہے، زمانہ کی نیرنگی، واقعات کا الٹ پھیر، موجودات مین غور و فکر، اُن کیلئے بہترین سبق ہین، اس طرح کے واقفین میں بچون کی بہ نسبت نوعمرون اور جوانون کی بہ نسبت بڈھون کا علم زیادہ ہوتا ہے، اور روز بروز زیادہ ہوتا رہتا ہے"

دوسرے طالبان علوم وہ ہین، جو قصد و ارادہ سے علوم حاصل کرتے ہین، ان کو ضرورت

ہوتی ہے، کہ کسی سے معلومات حاصل کرین، اہل علم و فن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرین، غور و فکر سے کام لین،

"ان دونون طریقون کے لئے مبادی و اسباب ہوتے ہین، جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہین، کیونکہ علم مجمل کی تکمیل اسکی تفصیلات سے، اور کلی کی معرفت جزئیات سے اور مرکب کی بسائط سے اور بعید کی قریب سے ہوتی ہے!"

فصل ثانی مین طبع و طباع کی حقیقت اور خواص اشیار کی وضاحت کے بعد کہتا ہے:-

"علوم طبعیہ ان علوم کا نام ہے، جو امور طبعیہ کا مشاہدہ کرتے ہین، وہ ہر متحرک و ساکن جس سے حرکت و سکون ہو جس کی طرف ہو، اور جس مین ہو، اس پر نظر رکھتے ہین، اور طبعیات انہی اشیار، اور اُن کے احوال و حرکات اور افعال کا نام ہے، جو اجسام مین حواس کے تحت مین واقع ہین پس پہلے علم ظاہر کا ہوتا ہے، پھر خفی کا، پھر اخفیٰ کا،! الخ

اسی لئے ہم دیکھتے ہین کہ ابو البرکات کی زیادہ توجہ بجائے قیاسات اور کلیات کے مشاہدات پر ہے، اسکی کتاب سے چند مثالین یہان بیان کی جاتی ہین! (باقی)

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طاحسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ابن خلدون اور اسکے فلسفہ اجتماعی پر فرنچ زبان مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کا ترجمہ انہی کے ایماسے محمد عبداللہ المنان نے عربی مین کیا اب اوس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولینا عبدالسلام ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے، یہ کتاب درحقیقت ہماری زبان مین اجتماعیات پر ایک بہترین اضافہ ہے، اور بالکل پہلی مرتبہ ابن خلدون کے نظریہ اجتماعی کو اس وسعت اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، حجم ۲۰۰ صفحے، قیمت:- عہ

منیجر

اقبال اور برگسان

از

مولانا عبدالسلام خان صاحب رامپوری

یہ مقالہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کی زیر صدارت ۱۹ ستمبر ۷۴ء کو صولت پبلک لائبریری رامپور کی تقریب یوم تاسیس پر پڑھا گیا۔ "عبدالسلام"

اقبال غالباً پہلا مسلمان فلسفی ہے، جس نے مغربی فلسفہ کی بنیاد پر مشرقی خیالات کی عمارت کھڑی اور ایک مکمل نظام کی تشکیل کی ہے، اقبال کا یہ فلسفیانہ نظام لامذہبی کے بجائے ایک خاص مذہب یعنی اسلام سے متعلق ہے، جس کے لئے قدیم اصطلاح "کلام" ہے، قدیم "کلام" اپنے دور کی عقلیت پر قائم تھا، اقبال کا "کلام" موجودہ عقلیت پر مبنی ہے، اقبال کا یہ "کلام" اس معنی میں متصوفانہ کلام ہے، کہ اس میں کائنات کی مجموعیت کی حمایت کی گئی ہے، جس کا بیشتر حصہ وجدانی اور نفسیاتی تجربات پر قائم ہے، اس کے ڈانڈے مادیت کے بجائے روحانیت سے ملے ہوئے ہیں، اس جدید "کلام" پر غور کرنا اس میں کمی بیشی کرنا یا اس کے نظریوں کی توضیح اور تعمیم کرنا بعد کے مفکرین کا کام ہے، اقبال کے کلام کے ترکیبی اجزاء بڑی حد تک مغربی ہیں، لیکن اور کون متکلم یا فلسفی ہے جس کے

نظریون کی بنیاد دوسرون کے خیالات کی مرہون نہین، دیکھنا یہ ہے، کہ اقبال کی مجموعی عمارت کیسی ہے، اور اوس کے لئے اقبال نے جس ساز و سامان کا انتخاب کیا ہے، یا جس کو مسترد کیا ہو اسکی کیا اہمیت ہے، اقبال کی صحیح قیمت کا اندازہ اسکی مکمل عمارت سے ہی کیا جا سکتا ہے، نہ کہ اجزار کی جدت، و ندرت سے، یہ بھی صحیح نہیں کہ اقبال کے اجزا رمین کوئی جدت نہین، ان کے کلام کے بہت سے اجزار خالص انہی کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہین،

اقبال کے فلسفہ پر اوران اثرات پر جو دوسرے مفکرین کے ان کے فلسفے پر پڑے ہین، اس تھوڑی سی مدت مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، جو آئینہ ہے مسلم نوجوانون کی غیرمعمولی عقیدت کا، یہی وجہ ہے کہ اقبال کے متعلق عام تحریرین زیادہ تر معتقدانہ ہین تاہم اقبال پر اب بھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے، خواہ معتقدانہ ہی کیون نہ ہو، زیر نظر مقالہ اسی سلسلہ کی ایک طالب علمانہ کڑی ہو اور محض اظہارِ عقیدت کے طور پر،

اقبال کے کلام کی فکری خصوصیت

اقبال نے نظم و نثر دونون مین اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کی نظمون مین ہم آہنگی ہے، حیات کا خاص تصور ہے، دعوتِ عمل ہے، ایک خاص مرکزی طرف جس سے دوسرے شعرار کا کلام خالی ہے، ان کی نظمین مخصوص فکری نظام کی حامل ہین جن مین متصوفانہ تصوریت اور اسلام ایک دوسرے مین جذب ہین، اس فکری نظام کی بنیاد اور اسکی تفصیلات سمجھنے کیلئے اقبال کے منثور مقالات کو سامنے رکھنا ضروری ہی خصوصاً انکے "اسلامی تصورات کے تعمیرِ نو پر خطبات"۔

اقبال کا فکری نظام اصولاً تصوری ہے، لیکن اس مین اسلام کے عملی رُخ کو بھی نظرانداز نہین کیا گیا ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے، کہ انھون نے تصوریت اور اسلامی عملیت کو ترکیب دیکر اپنے فلسفہ کی اساس بنائی ہے، انھون نے اپنے خیالات کی مابعد الطبیعاتی بنیاد کے لئے ایسی تصوریت کا انتخاب کیا ہے، جو تصوریت اور مادیت کے بین بین ہے، عموماً مذاہب مادی فلسفہ پر قائم نہین

مذاہب کی بنیاد کے لئے تصوریت ہی کو اختیار کرنا پڑتا ہے، اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نہ خالص مادیت پر قائم ہوسکتا ہے، اور نہ خالص تصوریت پر، غالبًا اقبال نے اسی وجہ سے فرانس کے مشہور فلسفی ہنری برگسان کی مابعدالطبیعیات کو اپنے کلام کی اساس قرار دیا، اقبال نے برگسانی مابعد الطبعیات کو جون کا تون اختیار نہین کیا، انھون نے اوس کے بہت سے خلاؤن کو پُر بھی کیا ہے، اور نئی چیزون کا اضافہ کیا ہے، پھر بھی دونون کے نظامہاے فکر اصولاً ایک ہی ہین، دونون کی ابتدا ایک ہی نقطہ سے ہوتی ہے، اور دونون کا منتہی بھی آخرین کسی نہ کسی حد تک ایک ہی ہوجاتا ہے،

علم اور اس کے ذرائع علم کا مسئلہ فلسفہ کے ہر دور مین غور و فکر کا مرکز بنا رہا ہے، مگر عمومًا یہ بحث اوس کی کونیاتی حیثیت یعنی اوس کی حقیقت، اوس کی قسمون اور اوس کے ذرائع و وسائل تک محدود رہی لاک نے سب سے پہلے علیاتی طور پر اس کا امتحان کیا، برکلے نے نفس الامر سے اوس کے تعلق پر غور کیا، اور ثابت کیا کہ علم اور حقیقت ایک ہی شے ہے، اوس کے بعد سے علم کا حقیقت سے تعلق انتقادی فلسفے کا ایک اہم جزو بن گیا، علم کی دو صورتین ہین: فکر اور وجدان، سوال یہ ہے کہ ذریعۂ علم ہونے کے اعتبار سے کونسا علم صحیح ہے، اگر ہم حقیقت کو جاننا چاہین، تو علم فکری کی طرف رجوع کرین یا وجدان کی طرف، صوفیہ بالعموم وجدان کو ترجیح دیتے ہین، اور فلاسفہ علم فکری کو کانٹ نے سب سے پہلے ان دونون کے متعلقات مین خط امتیاز کھینچا، مسلم متصوفین کے عام مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اون کے نزدیک بھی علم فکری اور علم وجدانی کے معلومات اور متعلقات مین فرق ہے، چنانچہ وہ مابعد الطبعیاتی مسائل مین وجدان کو تسلیم کرتے ہین، اور عام کاروباری مسائل مین علم فکری کی اہمیت سے انکار نہین کرتے،

برگسان تمام تاریخ فلسفہ مین پہلا شخص ہے، جس نے حقیقت مطلقہ کو تسلیم کرتے ہوئے وجدان کو علم فکری پر نہ صرف ترجیح دی، بلکہ حقیقت تک رسائی کے لئے فکر کو ناکارہ ثابت کر دیا،

اقبال علم فکری کو بالکل ناکارہ نہین کہتے، مگر باطن حقیقت تک اس کی رسائی کے وہ بھی

منکر ہیں، اقبال کے نزدیک ہر شے کے دو رُخ ہیں، ظاہری اور باطنی، اور یہ دونوں رُخ حقیقت سے خارج نہیں، حقیقت ان دونوں رخوں کا ہی نام ہی، علم فکری حقیقت کے ظاہری رُخ سے متعلق ہی، اور وجدان اوسکے باطنی رُخ سے، اسلئے کسی ایک کو ناکارہ مان لینے سے حقیقت کا کوئی ایک رُخ مجہول رہ جائے گا۔

برگساں اور اقبال دونوں کے فلسفے کے مختلف اجزاء اس قدر ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں کہ ان کو علحدہ علحدہ بیان کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اس لئے ان دونوں کے مخالف اور موافق پہلوؤں کا موازنہ کرنے سے پہلے ضروری ہو کہ دونوں کے نظاموں کے اہم اور ضروری خط و خال کا ایک ہلکا خاکہ پیش کر دیا جائے، ان دونوں کے نظاموں میں چونکہ برگساں کا نظامِ فکری اصل ہے، اس لئے میں پہلے اسی کو بیان کرتا ہوں،

برگساں کے نزدیک کائنات کی حقیقت کائنات اور اسکی ہر شے برابر بدل رہی ہے، اور حرکت کر رہی ہے، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیلی اور حرکت روزمرہ کا مشاہدہ ہے، ہر سلیم عقل رکھنے والا جانتا ہے اور یقین رکھتا ہے، کہ اس حرکت اور تبدیلی کے پس پردہ ایک قائم اور جامد شے ہی، جس پر حرکت اور تبدیلی طاری ہوتی رہتی ہی، اور اصل شے علیٰ حالہ باقی اور مستمر ہی، عقل عمومی کے اس فیصلہ کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہو کہ اس عالم کون و فساد میں حرکت اور تبدیلی کے علاوہ کوئی دوسری شے نہ ہو، یعنی حرکت اور تبدیلی ہی اصل حقیقت ہوں، اور انکے پردے میں کوئی قائم اور ثابت شے نہ ہو، مشہور یونانی فلسفی ہرقلیطوس اس خیال کا حامی ہے، اور یہی خیال برگساں کے فلسفہ کا مرکزی نقطہ ہے، اوس کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ

"کائنات میں جس شے کی ہستی اور واقعیت کا ہمیں سب سے زیادہ یقینی علم ہے، وہ ہماری اپنی ذات ہی، اب اگر میں اپنی ہستی کا تجزیہ کروں، اور غور کروں کہ میں کیا ہوں تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک حالت سے دوسری حالت میں گذر رہا ہوں، میری ہستی انہی تبدیلیوں اور تغیروں میں منقسم ہے، میں اپنی ذات پر خواہ کتنی ہی زیادہ توجہ کروں، اور اس کو براہ راست گرفت کرنے

کی کوشش کروں نتیجۃً میری توجہ اور گرفت کا تعلق ہمیشہ کسی نہ کسی حالت سے ہی رہے گا، اب اگر ان نفسی حالتوں کا جائزہ لیا جائے جو مجھ پر یکے بعد دیگرے طاری ہوتی رہتی ہیں، اور بظاہر ایک دوسرے سے علیحدہ اور قائم وجود رکھتی ہیں، تو معلوم ہوگا، کہ "میری ہر انفرادی حالت بھی ہر لمحہ بدل رہی ہے"، چنانچہ ایک بظاہر قائم حالت کا ہر حالیہ لمحہ اپنے ماقبل کے لمحہ کے شعور اور اسکی یاد پر مشتمل ہوتا ہے، کسی حالت کے باقی رہنے کے معنی ہی یہ ہیں، کہ "مجھے شعور ہو، کہ اب سے پہلے بھی یہی حالت تھی، جہاں یہ شعور ختم ہوتا ہے، وہیں سے اس حالت کی ابتداء ہوتی ہے یعنی جس نقطہ پر میں یہ محسوس کروں کہ اس سے پہلے یہ حالت نہ تھی، وہی اس حالت کی ابتدا اور کسی دوسری ماقبل کی حالت کا اختتام ہے" اس کا واضح نتیجہ ایک ہی ہو سکتا ہے، "کہ اگر کسی ذہنی تبدیلی کا اختلاف ہوتا رہنا بند ہو جائے، تو اوس کے استمرار اور بقا کا بہاؤ بھی بند ہو جائے"، سوال یہ ہے کہ اگر ہماری ہر ذہنی حالت خود ایک سلسلۂ تغیر و اختلاف ہے، تو پھر ہمیں کسی ایک مخصوص حالت کے اندرونی تغیرات اور اختلافات کا احساس کیوں نہیں ہوتا، اور کیوں تغیر کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب ایک حالت کے ختم ہو چکنے کے بعد دوسری نئی حالت طاری ہو جاتی ہے، برگسان جواب دیتا ہے، کہ کسی حالت کے اندرونی تغیرات بہت آہستہ آہستہ ہوتے ہیں، جن کی طرف ہماری توجہ منعطف نہیں ہوتی، اور "جب تغیر اتنا عظیم ہو جاتا ہے، کہ وہ خود بخود ہماری توجہ اپنی طرف جذب کر لے، تو ہم سمجھتے ہیں، کہ پہلی حالت کے بجائے کوئی دوسری حالت طاری ہو گئی"، ان حالتوں کا منفرد اور علٰحدہ علٰحدہ احساس، حالتوں کی ذاتی انفرادیتوں کا معلول نہیں، بلکہ منفرد اور علٰحدہ علٰحدہ توجہات کے تعلق کا نتیجہ ہے، ہماری مسلسل ذہنی حیات کے جس نقطہ پر توجہ منعطف ہو جاتی ہے، وہی ایک منفرد حالت سمجھ لی جاتی ہے،

اگر فی الواقع کسی قائم اور ثابت شے کا وجود نہیں، اور حقیقی ہستی نام ہے مسلسل تغیرات کا،

تو پھر ہم محض مسلسل تغیرات کے بجائے قائم و ثابت حقیقت "انا" کو کیون محسوس کرتے ہین، اور سمجھتے ہین، کہ یہی تغیرات کا محل ہے، برگسان جواب دیتا ہے کہ چونکہ اس ذہنی حیات کا حقیقی تواتر اور بہاؤ توجہ کے الگ الگ عمل سے قطع ہو جاتا ہے، اس لئے حقیقی تواتر اور واقعی مستمر وحدت کے بجائے مصنوعی بقا اور فرضی وحدت "انا" کے نام سے تسلیم کر لینی پڑتی ہے، اس کو بے رنگ، بے تعلق، غیر متغیر، باقی اور ثابت فرض کر لیا جاتا ہے،

"انا" یا ذہنی حیات کی اس تحلیل پر برگسان پوری کائنات کو قیاس کرتا ہے جس طرح ہماری ذہنی حیات تبدیلیان ہین، اسی طرح پوری کائنات بھی تبدیلیون کے علاوہ کچھ نہین، کائنات مین بھی کوئی ایسی شے نہین جس پر تبدیلیان طاری ہون، یا جو حرکت کرتی ہون، کائنات محض حرکت اور تبدیل ہوتے رہنے کا نام ہے،

برگسان کا تخلیقی ارتقار برگسان کے تصور کائنات کے مطابق کائنات جامد اور قائم شے ہونے کے بجائے متحرک، سیال اور زندہ فعل ہے، ارتقار اسی سیلان کی حرکت ہے، کائنات کا منبع ایک مرکز قرار دیا جا سکتا ہے، جس سے مختلف عالم، حیات، مادہ وغیرہ نکل رہے ہین، یہ مرکز یا منبع بھی مادی اور جامد شے نہین، کیونکہ اگر اس کو دائمی تغیر و حرکت کے علاوہ کوئی اور شے تسلیم کیا جائے تو برگسان کے اصل مرکزی تصور کے متناقض ہوگا، کہ "دائمی حرکت کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہین ہو سکتا" یہ مرکز محض فعلیت اور عمل ہے، جو مختلف اور متخالف سمتون مین بلا انقطاع جاری و سیال ہے، حیات اور مادہ مختلف مرکزون سے متعلق نہین، حرکت اپنے بہاؤ اور مرکز سے متخالف سمت مین زندگی اور حیات ہے، اور خود مرکز اور منبع کی جانب پہلی حرکت سے الٹی سمت مین مادہ ہے،

"حیات جو ایک قسم کا تموج ہے، ایک جرثومہ سے دوسرے جرثومہ مین گذر رہی ہے"، اور "ہر لمحہ کسی نہ کسی شے کو پیدا کر رہی ہے"، زندگی اور حیات کی یہ آفرینش مطلق اور آزاد نہین، اسکو اپنے

متعاکس حرکت یا مادہ سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اور مکمل آزاد آفرینش ناممکن ہو جاتی ہے، حیات کا محرک یا باعث حرکت حیات سے خارج نہیں، محض آفرینش کی ضرورت اور حیات کا مظاہرہ اسکی حرکت کے باعث ہیں،

زندگی کا صدور اور خروج عناصر کے باہم ملنے اور ترکیب پانے یا کسی عنصر کے مزید شامل ہونے سے متعلق نہیں، بلکہ افتراق اور تقسیم سے متعلق ہے، مرکزی فعلیت اور حرکت سے زندگی مختلف اور متخالف سمتون مین تقسیم ہوتی رہتی ہے، اس تقسیم سے حیات کی قوت مین کمی اور ضعف نہیں آتا بلکہ برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، یہ اضافہ اور قوت کی زیادتی انہی متخالف سمتون کے اعتبار سے ہوتی ہے، حیات کی روانی، اور پھٹ پڑنے والی قوت کا مادہ سے تصادم ہوتا ہے، مادہ پہاڑ کو روکنا چاہتا ہے، یہ تصادم اور مادہ کی مزاحمت زندگی کو مختلف افراد و انواع مین تقسیم کر دیتی ہے، زندگی کو مخصوص قسم کے میلان سے تشبیہ دیجا سکتی ہے، جس کا نشو و نما ایک مجموعہ کی صورت مین ہو رہا ہے، یہ مجموعی نشو و نما منتشر اور متخالف سمتون کی آفرینش کی علت ہے،

کائنات کا کوئی مقصد نہین کائنات کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا، نہ تکمیل، اور نہ کوئی مقصد، برگسان مدعی ہے، کہ کائنات محض حرکت اور غیر مختتم تغیر ہے، اگر اسکے پہلے یا بعد اس حرکت کے علاوہ کوئی شے بھی تسلیم کیجائیگی، تو وہ حرکت نہ ہوگی، اور پھر کائنات کو حرکت محضہ اور عملیت صرفہ ماننا کس طرح ممکن ہوگا، لہذا یہ دائمی حرکت کسی علت اور سبب کا نتیجہ نہین، بلکہ خود بخود اور آزاد عمل ہے، جو متواتر پھیلتی اور بڑھتی چلی جا رہی ہے، اوس کو پہلے سے جاننا یا اوسکے نتائج معلوم کر لینا ایک حد تک ناممکن ہے، "زیادہ سے زیادہ ارتقائی حرکت کے مطالعہ سے منتشر سمتون کی کسی خاص تعداد کا انکشاف اور ہر سمت کے ساتھ واقع ہونے والی چیزون کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے"،

برگسان کے نزدیک کائنات کے اس مرکز کو جو نکلتے رہنے کا تسلسل اور محض عمل و حرکت ہے خدا بھی کہا جا سکتا ہے، مگر اس خدا کو کسی ساختہ و پرداختہ شئے سے سروکار نہیں، کیونکہ کائنات میں کسی ساختہ و پرداختہ شئے کا وجود نہیں، ہر شئے بنتے رہنے یا بگڑتے رہنے کا عمل ہے، یہ خدا بلا انقطاع زندگی ہے، عمل ہے، آزادی ہے، آزادی سے برگسان کا مقصود نکلتے رہنے کا شعور ہے،

برگسان کا یہ نظریۂ ارتقا محض نفسیاتی تجربات پر موقوف نہیں، اوس نے حیاتیاتی بنیادوں پر اسکو استوار کیا ہے اور حیاتیاتی اور عضویاتی تجربوں کی بہت بڑی تعداد کو جمع کر کے ثابت کیا ہے کہ مادی ارتقاء کا نظریہ خواہ اسکو اتفاقات پر مبنی قرار دیا جائے خواہ ماحول سے مطابقت پر کسی طرح بھی زندگی کی ارتقائی حرکت کی توجیہ نہیں کر سکتا،

زمانہ کی تقسیم | برگسان کے نزدیک کائنات مستمر حرکت، اور نہ ختم ہونے والا تغیر ہے، اس کا مخرج اور منبع عمل اور حرکت کا مستمر اور سیال مرکز ہے، برگسان زمانہ اور وقت کو بھی اسی قوت اور عملیت کا ایک رُخ اور پہلو سمجھتا ہے، وہ اسکو حقیقی واقعیت جانتا ہے، برگسان کے نزدیک وقت کے دو تصور ہیں، ایک ریاضیاتی، یا طبیعاتی تصور، یہ محض وہمی اور خیالی شئے ہے، دوسرا حقیقی، یہ واقعی اور نفس الامری حقیقت ہے،

ریاضیاتی زمان | تغیر تخلیق اور تاثیر ہی کائنات میں حقیقت ہے، اس کے علاوہ سب خیالی تصویریں چونکہ ریاضیاتی وقت تاثیر اور تغیر نہیں، اس لئے اوس کا حقیقی وجود بھی نہیں، ریاضیاتی وقت مادی اشیاء کی باہمی اضافتوں اور اُن کے تعلقات کا نام ہے اور بس، اگر یہ اضافتیں، اور تعلقات غیر متناسب طور پر بڑھی ہوئی یا گھٹی ہوئی ہوں، تو ہم وقت کا تصور کر سکتے ہیں، اور اس کے تقدم اور تاخر کو دریافت کر سکتے ہیں، لیکن اگر یہ تعلقات اور اضافتیں مخصوص تناسب سے کم یا زیادہ گھٹ بڑھ جائیں، تو زمانہ کا کوئی احساس باقی نہ رہے گا، یہ زمانہ مسافت کے وہ نقطے ہیں جن کو متحرک اثنائے حرکت میں گذرتا ہے، اس سے متحرک کی مختلف نقطوں پر مختلف وضعیں اور اسی کے

اعتبار سے کائنات اور اوس کے مشمولات کی وضعین سامنے آجاتی ہین، مثلاً متحرک "د" حرکت کر رہا ہے، اب زمانہ کے معنی وہ مختلف وضعین ہین جو اوس کو اور اس متحرک کی اضافت سے دوسری چیزون کو مختلف نقاط پر حاصل ہوتی ہین، اگر متحرک "د" "نقطہ الف" پر ہوگا، تو کائنات یا اوس کی کوئی خاص چیز کہان ہوگی، اور نقطہ "ج" پر ہوگا، تو کہان ہوگی، علیٰ ہذا القیاس، اس قسم کے زمانی تصور سے اشیاء کی معاصرتین تو حاصل ہوسکتی ہین، لیکن جہان تک سیلان اور استمرار کا تعلق ہے، خصوصاً شعور پر اوس کے اثر کا، وہ قطعاً نظر انداز ہو جاتا ہے، کیونکہ ہمارے سامنے سیلان کے محض جامد نقطے ہین، نہ کہ اصل سیلان، توالی یا حرکت، حالانکہ حقیقت اور واقعیت یہ ہے، ریاضیاتی وقت محض صورت ہے، اس کی مدد سے عقل واقعیت کو سمجھنا چاہتی ہے، کیونکہ ہماری عقل اشیاء کو اسی حیثیت مین سمجھ سکتی ہے، کہ وہ زمانہ کے اندر یکے بعد دیگرے آتی رہین،

حقیقی زمان یا استمرار | اس ریاضیاتی اور طبیعاتی وقت کے علاوہ وقت کا ایک دوسرا تصور بھی ہے، برگسان اس کو استمرار کہتا ہے، برگسان کے نزدیک واقعی اور حقیقی وقت یہی ہے، پہلے معلوم ہوچکا ہے، کہ زندہ ہستی کے وجود کے معنی تغیر ہین، اور بس ہمین جس شے کے متعلق کامل یقین ہے، وہ سیلان اور بہاؤ ہے، برگسان اسی سیلان اور بہاؤ کو استمرار کہتا ہے، یہ سیلان لمحات کی یکے بعد دیگرے آمد یا کسی متحرک شے کا خط حرکت نہین، جو ریاضیاتی وقت کی شان ہے، بلکہ یہ سیلان خود حرکت اور زندگی ہے، جو خود بخود مستمر ہے "استمرار ماضی کی مسلسل ترقی ہے، جو مستقبل سے ملجاتی ہے، اور جتنی بڑھتی جاتی ہے، اوتنی ہی پھیلتی جاتی ہے" ریاضیاتی وقت کی طرح یہ غیر موثر ذھانچ نہیں، بلکہ برگسان کے الفاظ مین "حقیقی استمرار چیزوں کو کترتا ہے، اور ان پر اپنے دانتون کے نشان چھوڑ جاتا ہے" یہ استمرار صور و اشکال کی ایجاد و تخلیق اور کسی جدید شے کی مسلسل تکمیل ہے؛ خلاصہ یہ ہو کہ حقیقی زمان یا استمرار مسلسل فعلیت ہے،

اس استمرار کے شعور اور وقوف کی کیا صورت ہے، برگسان کہتا ہے کہ ہم خود اس استمرار سے ہی متعلق ہین، اسلئے اگر ہم اپنے نفسی تجربات پر بغور متوجہ ہون، تو ہم استمرار کا بلاواسطہ خود احساس کر سکتے ہین، لیکن یہ توجہ عقلی قسم کی نہ ہونی چاہئے، بلکہ اس توجہ کا تعلق ایک طرح ہماری جبلت سے ہونا چاہئے، اپنے آپ کو صرف جبلت کی مدد سے ہی اس حقیقی بہاؤ مین شامل محسوس کر سکتے ہین، ہماری فطرت کے جبلی رُخ کو اس پہلو کو جس سے ہمین براہ راست اوس استمرار کا شعور ہو جاتا ہے، اور جس مین خود ہمارا اپنا بھی حصہ ہے، برگسان وجدان کہتا ہے، برگسان کے نزدیک حقیقی زمان یا استمرار کے شعور کیلئے وجدانی توجہ کی ضرورت ہے،

شعور اور استمرار | برگسان کے نزدیک کائنات اور اسکی تمام بوقلمونیون کی اصل استمرار ہے، جو برابر سیال ہے، اس سیلان اور استمرار کو سمجھنے کے دو طریقے ہو سکتے ہین، پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اجزار کو علٰحدہ علٰحدہ توجہ کے ذریعہ سے جُدا کر لیا جائے، اور اس کل کو ان منفرد اجزار کے مجموعہ کی حیثیت مین سمجھنے کی کوشش کیجائے، یہ طریقہ نظر و فکر کا عام تحلیلی طریقہ ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کل کو بحیثیت کل کے محسوس کیا جائے، اور اجزا کی فرضی انفرادیت سے جو عقلی توجہ کا نتیجہ ہے، قطع نظر کر لیجائے، اور اس کل کو اسکی وجدانی حیثیت مین محسوس کیا جائے، لیکن جب تک ہم اس کل سے خارج ہو کر دیکھین گے اسوقت تک اس استمرار کی کلی وحدت ہمارے سامنے سے غائب رہے گی، اور ہماری فہم اور احساس کا تعلق اوس استمرار اور سیلان کے کسی نہ کسی جامد اور منقطع حصے سے ہی ہو سکے گا، مزید بران کل مین مجموعۂ اجزار کے علاوہ ایک مبہم اور داخلی شے ہوتی ہے، جو بیرونی طور پر کسی طرح نظر نہین آسکتی، وہی شے عضوی اور غیر عضوی کل مین امتیاز پیدا کرتی ہے، اور جب یہ مبہم شے ہمارے احساس سے غائب ہو جائے، تو ہم کل کو اسکی کلی حیثیت مین کبھی محسوس نہیں کر سکتے، اس کو محسوس کرنے کیلئے اس کل مین گھسنے کی ضرورت ہے، اور اس طرح اوس کل کے اندر رہکر اوس کو محسوس کیا جائے گا،

یہ طریقہ وجدانی طریقہ ہے،

وجدان | "وجدان" سے برگسان کی مراد ایسی ذہنی ہمدردی ہے، جس کی بدولت انسان اپنے آپ کو کسی شے کے اندر اسلئے رکھتا ہے، تاکہ اوس شے مین جو مخصوص اور ناقابلِ اظہار امر ہے، اوس سے توافق پیدا ہو جائے" وجدان بسیط حرکت ہے، جو زندگی کی سمت مین جاری ہے، یہ جبلت ہے جس مین وسعت اور شعور ذات پیدا ہو گیا ہے، اس لئے وہ ذواتِ اشیار کا ادراک اور اسکو محسوس کر سکتا ہے اسلئے وجدانی طریقہ ہی حقیقت تک پہونچنے بلکہ اوس کو محسوس کرنے کے لئے ناگزیر ہے، اس طرح کائنات اپنی گوناگونیون اور کثرت کے باوجود بسیط اور وجدانی طور پر محسوس ہونے لگے گی، جو کل کا خاصہ ہے، اس طرح اس استمرار کی حقیقی وحدت اور حقیقی کثرت جو متضاد معلوم ہوتی ہین، ایک جگہ اپنی ذاتی حیثیت مین محسوس ہونے لگین گی،

عقل و فکر | پہلا طریقہ یعنی کسی شے کا نظر و فکر سے ادراک حقیقی استمرار کو سمجھنے کے لئے ناکافی ہے کیونکہ عقل کا مصدر بھی اگرچہ وہی ہے، جو وجدان کا مرکز ہے لیکن ان دونون کی سمتِ حرکت مین اختلاف ہے عقل مادہ کی سمتِ حرکت ہے اسلئے اس کی حرکتِ جمودی ہے، اور زندگی کی حرکت کے متعاکس جانب ہے، لہذا اس سے محض مادہ کا ہی ادراک کیا جا سکتا ہے، وہ اگر زندگی کو سمجھنے کی کوشش بھی کرے گی، تو اس طرح کہ اوسکی روانی اور سیلان سے منفرد اور جامد نقطے محسوس کرے جس طرح متحرک تصاویر لینے کا کیمرہ، جو چلتی پھرتی شے کے محض جامد رخوں کی تصویر لے سکتا ہے، اور اس شے کی اصل حرکت یا دوسرے لفظون مین اس شے کی زندگی اسکی گرفت سے نکل چکی ہوتی ہے، چنانچہ کائنات کو جتنا اور جتنی بار بھی ادراک کرنے کی کوشش کیجائیگی، اوتنے ہی مختلف جامد غیر متحرک رُخ سامنے آجائین گے، لیکن ان مین اصل کائنات کوئی بھی نہ ہوگا؛

علاوہ ازین کسی شے کو نظر و فکر کے ذریعہ سے حاصل کرنے کا مفہوم یہ ہوتا ہے، کہ اوس شے کی ذات

اور خواص مختصہ کو کسی دوسری معلوم صورت مین تبدیل کر لیا جائے، اس عمل سے شے کی حقیقی خصوصیات اور اسکی ذات کا واقعی ادراک غائب ہو جاتا ہے، اور ذات اور اسکی خصوصیات کے غیر حقیقی مشابہات جو پہلے سے معلوم ہوتے ہین، سامنے آجاتے ہین، شے کی حقیقی حیثیت اور اس کا بطن اور مادہ غیر معلوم ہی رہتا ہے، برگسان کے لفظون مین "عمل فکری اوس فعل کا نام ہے جسکی بدولت کوئی شے، اون عناصر کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جو پہلے سے معلوم ہوتے ہین" یعنی وہ عناصر جو اس شے اور دیگر اشیا مین مشترک ہوتے ہین، اسلئے کسی شے کی تحلیل کے یہ معنی ہین کہ اس کا اس طرح اظہار کیا جائے جو اوس کے علاوہ کسی اور شے کا فعل ہے، یون تو ہر تحلیل سے تحلیل شدہ شے علامات کی شکل مین منتقل ہوتی یا نشو ونما پاتی ہے"۔

عقل اور عملیت حقائق کی دنیا جیسا کہ کہا جا چکا ہے مسلسل تغیرات کی دنیا ہے، زندگی کی نہ منقطع ہونیوالی حرکت ہے، برابر جاری اور سیال، اس حقائق کی دنیا کو محسوس کرنے کے لئے ہمین اپنے وجدان کو وسیع کرنے اور شاعر بالذات بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح ہم جو خود اس زندگی کے بہاؤ کے جزء ہین، اوس کو محسوس کر سکتے ہین، یہ واقعیت جس مین نہ کوئی انقطاع ہے، اور نہ الگ الگ حدین ہین عملی زندگی کے لئے بالکل غیر مفید ہے، ہمارے اعمال کے لئے محدودیت اور اشیاء کا سکون لازمی ہے، برگسان کہتا ہے، کہ ہماری اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عقل ناگزیر ہے عقل کا کام یہ ہے، کہ اس غیر منقطع اور سیال زندگی یا واقعیت کو اپنی توجہ سے الگ الگ مصنوعی حصون مین تقسیم کر دے اور جامد و ساکن بنا دے، اس سے ہماری عملی زندگی کے لئے مواد مہیا ہو جائے گا، برگسان کے لفظون مین "عقل ایک ایسا ملکہ ہے جس سے مصنوعی اشیاء بنائی جاتی ہین، اور جو خود اصل صنعت سے بھی مختلف شے ہے" عقل اشیاء کے تعلقات اور اضافات کا ادراک کر سکتی ہے، مگر اصل اشیاء کے ادراک کے لئے وہ بالکل ناکارہ ہے، اشیاء کے حدود اور اُن کا جمود حقیقۃً اشیاء کی مصنوعی صورتون اور مشابہات کے

حدود اور ان کا وجود ہے،

علوم عقلیہ مین اختلافات کی وجہ | عقل کی اس خصوصیت کی وجہ عقلی نظامون کی کثرت ہے، جو آپس مین ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متناقض ہین، چونکہ وہ حقیقت کی مختلف رخون سے لی ہوئی تصویرین ہین، اس لئے ان مین سے ہر ایک صحیح ہے، یعنی وہ کسی نہ کسی مخصوص زاویہ نظر کی نمایندگی کررہا ہے، اور اس معنی مین ہر ایک غلط ہے، کہ ان مین سے کوئی بھی حقیقت کا مجموعی اور کلی نمایندہ نہین، برگسان کے لفظون مین ہم ان کی پے در پے نقطہا ے نظر سے تصاویر لیتے ہین، جن کی بدولت ہین وہ تمام ممکن مشابہتین نظر آتی ہین، جو ان مین اور ان چیزون مین پائی جاتی ہین جن کے علم کا ہم کو یقین ہے عقل کو جس شے کا چکر لگانا پڑتا ہے، وہ اس کا استیعاب چاہتی ہے لیکن اسکی یہ آرزو کبھی پوری نہین ہوتی، اور وہ اس نہ پوری ہونے والی آرزو کی بنا پر اپنے نقطہا ے نظر مین بے شمار اضافے اور اپنی علامات مین غیر منقطع تغیر کرتی رہتی ہے، تاکہ اوسکی ہمیشہ نامکمل رہنے والی تصویر اور سدا کی ناتمام نقل مکمل اور تمام ہو سکے، اوس کا یہ سلسلہ تا ابد جاری رہتا ہے، لیکن وجدان کی یہ حالت نہین، اگر وجدان ممکن ہے، تو وہ ایک بسیط فعل،

برگسانی فلسفہ کے اساسی نقطے اور اسکی شہرت کی وجہ | برگسان کا یہ فلسفہ باوجود غیر معمولی شہرت کے مغرب مین پایدار مقبولیت نہ حاصل کرسکا، مگر اس نے اوس عام ذہنی بغاوت کی اچھی طرح نمایندگی کی جو ڈارون اور اسپنسر کے خالص ماکینی ارتقار کے خلاف پھیل رہی تھی، اس بغاوت کے تفصیلی اسباب کچھ بھی ہون، یہ واقعہ ہے کہ خالص ماکینی ارتقاء کا نظریہ جو جامد اور بے شعور مادہ کی تبدیلیون اور اس کی تحلیل و ترکیب پر مبنی ہے، کائنات کے نازک اور پیچیدہ نظامون پر حاوی نہین ہوسکتا، اور حالات یا ماحول کے اختلاف سے پوری کائنات کی صحیح توجیہ دشوار ہے، برگسان نے اس ماکینی نظریہ ارتقار کے مقابلہ مین تخلیقی ارتقاء کا نظریہ پیش کیا ہے، برگسان کے فلسفہ کا

بنیادی پتھر ایک ذی حیات مجہول الکنہ حرکت کا استمراری وجود ہے، جس پر اس کے فلسفہ کی پوری عمارت قائم ہے، زمانہ حقیقی واقعیت ہے جس کو استمرار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس میں ماضی خود بخود محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے، اور وہی مستقبل پر پھیلتا جاتا ہے، مادہ اور روح شعور اور لاشعوری اسی حیاتیاتی حرکت کی متخالف سمتیں ہیں، کائنات بنتی یا بگڑتی ہوئی حرکت اور عمل ہے جو ارتقائی حیات آفرین حرکت کا متوک نتیجہ ہے، جو پھیلتا چلا جا رہا ہے، نہ وہ کسی سوچے سمجھے ہوئے منصوبے کی تعمیل ہے اور نہ ماحول وحالات کے اختلاف کا منطقی نتیجہ، عقل اور وجدان شعور کی دو متخالف سمتیں ہیں، ایک کا صورت سے تعلق ہے، دوسرے کا ذات سے، کاروبار میں عقل مفید ہے لیکن حقیقت اور واقعیت تک پہونچنے کے لئے وجدان ضروری ہے، عقل خود جامد ہے، اس لئے متحرک اعمال کی جامد تصاویر ہی لے سکتی ہے، اوس میں نہ حرکت ہے اور نہ متحرک مجموعیتوں کو بسیط طور پر جذب کر لینے کی طاقت،

اقبال کی مابعد الطبیعیات کی اجمالی خصوصیت

اقبال کی مابعد الطبیعیات اور برگسانی فلسفے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کوئی اصولی فرق نہیں، کہیں کسی مبہم نقطہ کی تفصیل ہے، اور کہیں کسی نقص کی تکمیل، برگساں کے اساسی تصورات پر اقبال نے خالص مذہبی عمارت کو استوار کرنے کی کوشش کی ہے، اس عمارت میں مشہور جرمن فلسفی فشٹے کے "انا" کا تصور بہت اہم ہے، علاوہ ازیں اقبال نے اسلامی مابعد الطبیعیات کو مسلمان متصوفین اور متکلمین کے زیر اثر برگسانی فلسفے میں جذب کر دیا ہے، اس کے لئے ضروری مابعد الطبیعیاتی پہلوؤں کا برگسانی فلسفے کے قالب میں اضافہ کر دیا ہے، اس طرح اسلام کی سادہ اور عملی مابعد الطبیعیات تصوری فلسفے کے قالب میں ڈھل گئیں، اور اسلامی مابعد الطبیعیات خالص فلسفہ ہو کر رہ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال کو اسلام کے مختلف شعبوں کے مستحکم اور قائم نظاموں میں ترمیم اور اصلاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی،

اقبال کے نزدیک کائنات کا تصور

اقبال کا تصور کائنات برگساں کے تصور سے ماخوذ ہے، اور انہی

دلائل پر مبنی ہے، اقبال کے نزدیک کائنات مکمل اور بنی بنائی شے نہیں، اس کی تعمیر اور بناوٹ اس قسم کی ہے، جس میں برابر پھیلتے رہنے اور بڑھتے رہنے کی اہلیت ہے، اتنا ہی نہیں کہ اس میں محض اہلیت ہی اہلیت ہے، بلکہ واقعہ میں وہ مسلسل بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے، اقبال کے بقول کائنات جامد، مکمل، غیر متحرک اور ناقابلِ تغیر نہیں، اسکی ہستی کے بطن میں نئی تولید کا خواب پوشیدہ ہے"۔

جنبش سے ہے زندگی جہان کی یہ رسم قدیم ہے جہان کی

چونکہ کائنات اور اوس کا ہر ذرہ آگے کی جانب برابر سیال اور متحرک ہے، اس لئے اس میں اعادہ اور تکرار ناممکن ہے، کائنات میں ذوقِ پیدائی، اور ہر لحظہ ایک نئی حالت اور نئی شان میں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا شوق پنہاں ہے،

ٹھہرتے نہیں کاروانِ وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا یہی ہے ایک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ

پسند اوس کو تکرار کی خو نہیں کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی ہر ذرہ شہیدِ کبریائی

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شی کو قرار ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ مزاجِ روزگار

کائنات ایک آزاد اور ذاتی حرکت ہے، جو اشیاء کو پیدا کرتی چلی جا رہی ہے یہی حرکت کائنات کی اصل ہے، کائنات میں حرکت کے علاوہ اور کسی شے کا وجود نہیں، لیکن محض حرکت کا تصور جو عرض ہے، بلا کسی مادی محل کے کس طرح ہو سکتا ہے، اقبال کا جواب یہ ہے کہ "شے کا تصور ایک استخراجی اور استنباطی تصور ہے" یعنی ہمیں سب سے پہلے حرکت اور تغیر کا تصور ہوتا ہے، اور چونکہ اس حرکت اور تغیر کے لئے ایک مادی محل یا کسی شے کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا ہم اشیاء کو اس ضرورت کی بنا پر تسلیم

کر لیتے ہیں، چنانچہ یہ حقیقت ہے، کہ ہم اشیاء کا حرکت سے تو استنباط اور استخراج کر سکتے ہیں لیکن اگر حرکت کو اصل نہ مانا جائے، بلکہ ساکن اور غیر متحرک اشیاء کو کائنات کی اصل قرار دیا جائے تو پھر ان غیر متحرک اشیاء سے خود حرکت کا استنباط نہیں ہو سکتا، حالانکہ حرکت اور تغیر مشاہدہ ہے، "واقعیت کی" یا دوسرے لفظوں میں حقیقی کائنات کی "اصل اگر دیمقراطیسی جواہر فردہ کو مانا جائے تو حرکت کا عروض خارج سے تسلیم کرنا پڑے گا، حالانکہ جب کائنات کی مجموعی اصل ان ساکن ذرات کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو پھر کسی خارجی حرکت کا وجود کہاں سے آئے گا، لیکن اگر ہم خود نفس حرکت کو اصل فرض کریں، تو جامد چیزوں کا اوس سے استنباط کیا جا سکتا ہے، موجودہ طبعیات نے بھی ہر چیز کو حرکت میں تحلیل کر دیا ہے، جدید سائنس میں ذرات کی اصل خود برق ہے، (جو نام ہے محض منفی اور مثبت لرزش کا) نہ کوئی برقائی ہوئی شئے" اقبال کے نزدیک بھی کائنات کا ظاہری جمود اور ثبات ہمارے تفکر کی مخصوص ساخت کا نتیجہ ہے، ہمارا تفکر اوس فعلی اور تخلیقی استمرار کو جو واقع میں موجود ہے، جذب نہیں کر سکتا، لہذا وہ کائنات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور جامد بنا کر ہی اپنی گرفت میں لا سکتا ہے، اور اوس کو اسی حیثیت میں سمجھ سکتا ہے، ورنہ واقع میں کائنات کی حیثیت شے کی نہیں ہے، بلکہ ایک فعل کی ہے،

فریب نظر ہے سکون و ثبات ۔ تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ میں ۔ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں

اقبال کا بارادہ تخلیقی ارتقاء یا خلق کائنات یا واقعیت کی حیثیت روحانی ہے، اسکی اصل ایک حیاتیاتی حرکت ہے، یہ حرکت تخلیقی اور بارادہ ہے، واقعیت مطلقہ یا حیات مطلقہ منفرد، متشخص اور خلاق نفسیت ہے، جس کو اقبال "انا کامل" سے تعبیر کرتے ہیں، سطحی نظر سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کائنات بنی بنائی چیز ہے، اور اگر اوس کا کوئی بنانے والا ہے، تو وہ اوس کو بنا کر اس سے

غیر متعلق ہو گیا ہے، اور اگر اب اوس خلّاق کا وجود ہے بھی تو یہ عالم اوس سے بے نیاز ہے، عالم مختلف اور منفرد چیزوں یعنی خالق اور مخلوق پر مشتمل ہے، اقبال کے نزدیک کائنات کا یہ تصور خلق کے معنی کی غلط تحلیل پر مبنی ہے، حقیقۃً خلق متواتر فعلیت ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہیگی،

ہر ایک شے سے پیدا رم زندگی وما دم رواں ہے یم زندگی،

مخلوق نہ خلق سے علٰحدہ کوئی چیز ہے، اور نہ خالق سے، بلکہ خود خالق بھی اسی فعلیت کا دوسرا نام ہے، یہ فعلیت متشخصہ، غیر متناہی اور نہ ختم ہونے والے امکانات پر مشتمل ہے، جو برابر ارادے اور شعور کے ساتھ پھیلتی اور بڑھتی جارہی ہے، امکانات جو اس فعلیت میں خفتہ ہیں، بسیط فعل کی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں، یہ مسلسل فعلیت جن کو ہمارا تفکر منفرد و منقطع افعال میں متشکل کر دیتا ہے ایسے جواہر فردہ پر مشتمل ہے، جن کا نہ حجم ہے اور نہ مکانی یا زمانی وضع، ان کی حیثیت روحانی افعال کی سی ہے، ہمارا تفکر ان کو مکانی اور زمانی بنا دیتا ہے، انہی جواہر فردہ کی ترکیب کا نام عالم محسوسات ہے، ان بسیط افعال کا محسوس ہونا موقوف ہے ان کی ترکیب پر، حیات مطلقہ یا "انا کامل" کی حرکت ارتقائی ہے جس سے دوسری ذوات یا دوسرے "انا" مسلسل بڑھتے چلے آرہے ہیں، یہ مسلسل اور ارتقائی فعلیت حیات مطلقہ یا "انا کامل" کا مظاہرہ ہے، یعنی ان امکانات کا فعلی ظہور جو "انا کامل" میں خفتہ ہیں، ان کا ظہور بعینہٖ اس فعلیت کا اظہار ہے،

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری
نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے، کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا
یہ مشت خاک، یہ صرصر، یہ وسعت افلاک کرم ہے یا کہ ستم ہے یہ لذت ایجاد

یہ حرکت ارتقائی ہے، اسلئے برابر کائنات ناقص سے کامل اور کامل سے کامل تر ہوتی جارہی ہے کائنات کی ہر شے کا بطن وہی فعلیت اور حیات مطلقہ ہے، یہی وجہ ہے، کہ ہر شے اپنے آپ کا مظاہرہ کرنا

چاہتی ہے، اور کرتی ہے، کیونکہ فعلیت اور حیات اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں،

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا، کہ ذرہ ذرہ میں ہے ذوقِ آشکارائی

لذت گیر وجود ہر شے، سرمستِ مئے نمود ہر شے،

تو شاخ سے کیوں پھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا اک جذبۂ پیدائی اک لذتِ یکتائی

مادہ اور روح میں اصل جوہر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، ان میں محض کیفی فرق ہے جو منبعِ حیات سے جو افعال یا دوسرے لفظوں میں ذوات یا انا پھوٹ رہے ہیں، آپس میں کمال و نقص کے اعتبار سے مختلف ہیں، ناقص افعال کی ترکیب اور اجتماع مادہ ہے یہی مادہ اپنے اجزار کی صلاحیت کے اعتبار سے مختلف، کامل اور اکمل انا کا تجلی گاہ یا مظہر بنتا ہے، روح و مادہ کے اختلاف کی یہی وجہ ہے، ناقص اور غیر کامل بسیط افعال کا اجتماعی مرکب مادہ یا جسم ہے، اور نسبۃً کامل فعل روح ہے اور ان دونوں فعلوں پر اشیاء مشتمل ہیں،

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود کہ شعلہ میں پوشیدہ ہے موجِ دود

اس ارتقائی حرکت کی آخری صورت انسان ہے، ہر انا کسی نہ کسی حد تک اپنی موجودیت کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اظہار موجودیت اور ساتھ ساتھ ظہور وجود میں تفاوت ہوتا ہے، جو انا زیادہ کامل ہے، وہ اظہار اور ظہورِ وجود کا دوسری ذوات کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہے، اور اس کے اظہارِ وجود کے مقابلہ میں دوسری ذوات کالعدم ہیں، اس لئے انسان دوسری ذوات کے مقابلہ میں زیادہ مستحقِ وجود ہے،

ایک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں باقی ہے نمودِ سیمیائی

تو زندگی ہے، پایندگی ہے، باقی ہے جو کچھ سب خاکبازی

اس لئے انسان اس انا مطلق سے زیادہ مشابہ اور اپنی فعلیتوں کے اعتبار سے اوس سے زیادہ

قریب ہے، کائنات کے مقابلہ مین انسان مین حیاتِ مطلقہ یا فعلیت مطلقہ کا ظہور سب سے زیادہ ہے لہذا کائنات پر اوسکو تفوق اور اقتدار حاصل ہو اور یہ کائنات مین خلیفۃ اللہ ہے،

فطرت نے تجھے بخشے ہین جوہرِ ملکوتی		خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

تیرے مقام کو انجم شناس کیا جانے		کہ خاکِ زندہ ہے تو تابع ستارہ نہین

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسمان کیلئے		جہان ہو تیرے لئے تو نہین جہان کیلئے

یہ فعلیت درجۂ ارتقاء مین ہے، اور ارتقار کے مدارج کی کوئی انتہا نہیں اسلئے انسان کی مزید ترقی کس حد تک ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا،

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہو تیرا		حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہین

خردمندون سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہو		کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہو

حیراں ہو بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہون		رومی یہ پوچھتا ہو کہ جاؤن کدھر کو مین

(باقی)

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیوں مین پڑھائی جاتی تھیں، اس کے سوانح اور فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۳۸۹ صفحے قیمت سے ر

منیجر

فارسی پر اردو کا اثر[1]

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) اسسٹنٹ لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار

زبان کی اہمیت زبان دراصل کسی خاص مذہب یا فرقہ سے تعلق نہین رکھتی، بلکہ اس کا تعلق کسی ملک سے ہوتا ہے، عربی اور فارسی ہی کو دیکھئے، عربی محض مسلمانون کی زبان نہین بلکہ عرب کے ہر باشندے کی زبان ہے خواہ وہ مسلمان ہو، خواہ یہودی، خواہ عیسائی ہو، خواہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اسی طرح فارسی بھی محض مسلمانون کی زبان نہین، بلکہ ہر ایرانی کی مادری زبان ہے، خواہ وہ کسی فرقہ کا فرد ہو، لیکن ہندوستان مین الٹی گنگا بہائی جارہی ہے، اور یہان یہی کہلایا جارہا ہے، کہ اردو صرف مسلمانون کی زبان ہو، میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ آخر زبان کے مسئلہ میں کونسی عقلمندی کے اظہار کے لئے ایسا روڑا اٹکایا جارہا ہے، اور مذہب وسیاست کی پچر کیون لگائی جارہی ہے،؟ مولانا عبدالحق صاحب نے ایک تقریر کے دوران مین (ہماری زبان، یکم ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۳) ایک بہت معنی خیز واقعہ بیان کیا، کہ توریت مین لکھا ہے کہ جب انسان کا تمدن بڑھا، تو انسان کو آسمان فتح کرنے کا خیال بھی ہوا، اور اس کام

---

[1] میرے بزرگ استاذ حضرت احسن مارہروی مرحوم نے اس مضمون کے لکھنے کو مجھ سے فرمایا تھا، لیکن افسوس ہے کہ وہ اسے ملاحظہ نہ فرما سکے، اور اصل مسودہ بھی گم ہوگیا، پھر مخدومی قبلہ نواب صدر یار جنگ علامہ حبیب الرحمن خان صاحب شروانی دامت برکاتہ کی ہمت افزائی پر مین نے یہ مضمون دوبارہ لکھ کر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس پونا مین ابھی ۲۹ ردسمبر کو پڑھا،

کے لئے اس نے ایک بڑا مینار آسمان پر جانے کے لئے بنایا، لیکن خدا نے ان مینار بنانے والوں کی بولیاں مختلف کر دین جس سے یہ لوگ منتشر ہو گئے" چنانچہ اب یہی انتشار اور لعنت ہندوستانیوں کے نصیب مین آئی ہے، جو زبان کے معاملے مین بھی اپنے اور پرائے کی رٹ لگانے لگے ہین، حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے، تو معلوم ہو گا، کہ زبان اپنی فطرت مین غیر کی محتاج ہے، زبان کے لئے ایک بولنے والا اور ایک سننے والا یعنی غیر بھی چاہئے۔ ورنہ وہ اس پاگل کی بڑ سے زیادہ وقعت نہین رکھے گی جو خود ہی بولتا ہے اور خود ہی سنتا ہے اور اُسے غیر کی ضرورت نہیں ہوتی، بس یہی جُنون اب اُن لوگون پر سوار ہے، جو آنکھ بند کرکے اپنی سیاسی "قابلیت" کا اظہار زبان کے مسئلے میں کرتے ہین، اور ملک کو دو ہزار سال پہلے کے تاریک زمانے مین ڈھکیل دینا چاہتے ہین،

عربی پر فارسی کا اثر حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جہان بس گیا، اور جو زبان سیکھ لی بس وہی اُس کی زبان ہے، یہ اور بات ہے، کہ زمان و مکان کے بدل جانے سے اسکی زبان میں فرق پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ ہر چیز کی فطرت کا تقاضا بھی ہے، چنانچہ کوئی زندہ زبان ایسی نہیں جو ہمیشہ سے ایک ہی طرز پر قائم ہو اور تبدیل نہ ہوئی ہو، کیونکہ انسان ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کو منتقل ہوتا رہتا ہے جس سے اس کی زبان کھچڑی ہوتی جاتی ہے، ہماری یہی "کھچڑی" زبان اللہ پاک کو بھی پسند ہے چنانچہ اسکی مقدس کتاب یعنی قرآن مجید مین بھی غیر عربی الفاظ پائے جاتے ہین، ہمین فارسی کے بھی ہین، مثلاً سورۂ فیل مین لفظ "سجیل" ہے جو مفسرین کے نزدیک "سنگ و گل" کا معرب ہے، اسی طرح قرآنی الفاظ "سُندُس" اور "استبرق" کو "استبرہ" اور "سردق" کو "سراپردہ" کا معرب بتایا گیا ہے، لفظ "فردوس" کو بھی فارسی لفظ کہا گیا ہے،[۱] ان کے علاوہ اور بہت سے فارسی الفاظ معرب ہوئے، مثلاً "عوض" کے مقابلہ مین جو "جوہر" ہے، وہ فارسی لفظ "گوہر" سے معرب ہے، اسی طرح "استاد" سے "استاذ"، "گریبان" سے "جربان" وغیرہ الفاظ

---

[۱] معارف علامہ سیوطی نے غیر عربی قرآنی الفاظ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے،

عربی مین آئے، علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہندوستانی الفاظ "مشک" "زنجبیل" اور "کافور" بھی قرآن پاک مین جگہ پائے ہوئے ہین، بقول صاحب رشیدی، لفظ طلا بھی ہندوستانی لفظ تلہ کا معرب ہے، جو پھر مطلا ہوا، اسی طرح "کھانڈ" یا "کھنڈ" ایران جاکر "کند" ہوا، اور عربی مین "قند" اور پھر "قناد" (حلوائی) وغیرہ بن گیا، تذکرۂ دولت شاہ کے دیباچہ مین ہے، کہ رباعی ایران کی ایجاد ہے، اور اسے پہلے دوبیتی کہتے تھے، اسی لئے عرب مین بھی یہ "دوبیتی" کہلائی، حالانکہ بعد مین ایران نے اسے "رباعی" نام دیا، خان آرزو نے چراغ ہدایت مین لکھا ہے کہ "مدینہ" بھی عربی لفظ نہیں بلکہ "ژند" یا "پاژند" کی زبان ہے، جس مین "مدینا" مستعمل ہے، اور اب اختصار کے لئے "مدینیدم" کے معنی "زیارت مدینہ کردم" لئے جاتے ہین، ان مثالون سے یہ بتانا مقصود تھا، کہ عرب بھی عجم یعنی "گونگے" ملکون کا محتاج ہوا،

فارسی پر عربی کا اثر اب دوسرا رُخ دیکھیئے کہ عربی نے فارسی پر کیا اثر کیا، ؟ مقامات حمیدی، تاریخ وصاف، ظفرنامۂ تیموری، تاریخ عالم آرائے عباسی، اور دُرّۂ نادرہ جیسی عربی نواز کتابون کے علاوہ یون بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا، کہ شاہنامہ اور نامۂ خسروان کے مصنفون جیسے لوگ لاکھ کوشش کرین، پھر بھی بغیر عربی کی مدد کے کچھ نہیں لکھ سکتے، عربی الفاظ کی اس کثرت کے ذمہ دار کچھ تو عرب فاتح ہین، لیکن زیادہ تر ایرانی ہی ہین، جو خود عربی کے مایۂ ناز فاضل اور ادیب ہوئے، چنانچہ حیرت ہوتی ہے، کہ بعض فارسی شعراء نے جان بوجھ کر فارسی الفاظ مین عربی رنگ چڑھایا، مثلاً سنائی (المتوفی ۵۲۵ھ) نے "پلید" کے بجائے "پلیذ" اور "سود" کے بجائے "سوذ" لکھا ہے[1]:-

گر نویسم ترا یکے تعویذ، پاک دارا ے جوان ازو پلیذ[2]

---

[1] معارف :- یہ عربی کے بجائے قدیم فارسی کی تقلید ہے [2] حدیقہ، طبع لکھنؤ ص ۱۱۱

تو شوی بروز حشر از ان ماخوذ — وان زمان حسرتت ندارد سود[1]

اسی عربی رنگ نے "نازک" سے "نزاکت" لفظ بنایا، "روغن" سے "مُروغن"، "تاب" سے "مُلتب"، "رتش"

تراشیدن" سے "مترّش" جیسے ابو نصر نصیرائے بدخشانی کا شعر ہے :-

نز و مسلمان نبود شایان — بہر امامت مرد مترّشش

پھر "شُدر" سے "مُشنشدر" بنایا گیا جسے شاید مجیر بیلقانی (م ۵۹۴ھ / ۱۱۹۸ء) نے سب سے پہلے استعمال کیا :-

کم زنان نزد وغا باختن آغاز کنند — مہرۂ خصم برا و مید مشندر گیرند[2]

اسی طرح "زلف" سے "مُزلّف" بنایا گیا، ممکن ہے، کہ کوئی صاحب اسے عربی لفظ سمجھیں لیکن آرزو

نے اسے فارسی ہی سمجھا ہے، اور محمد اسحاق شوکت کا شعر پیش کیا ہے :-

مزلّف است رخ خام ام زبجت سیاہ — سواد شام فراقم خط لب جام است[3]

پھر بعض فارسی مصادر بھی عربی لفظوں سے تراشے گئے، مثلاً طلبیدن، فہمیدن، رقصیدن، بلعیدن،

غارتیدن، طلوعیدن، تمیزیدن وغیرہ، محمد ابراہیم سالک قزوینی (عہد شاہجہانی) کا شعر ہے :-

سالک بفروشند بما بادۂ صافی — کز ذائقۂ محتسب ما نہ تمیزد

پھر بعض فارسی الفاظ کی جمع عربی طریقے سے بنائی گئی، مثلاً فرمان سے فرامین، خان سے خوانین

باجی سے بواج، نبیرہ سے نبائر، بستان سے بساتین جیسا کہ خاقانی نے بھی لکھا ہے :-

بساتین کہ ضائع شود در بساتین — کز انجیر خواران غرابے نہ بیند[4]

"رند" سے "رنود" جو غالباً نجم الدین راوندی (م ۵۹۹ھ / ۱۲۰۲ء) نے سب سے پہلے استعمال کیا ہے :"... آن

خوردنی رنود بغارت بردند (راحت الصدور صفحہ ۳۸۶) پھر یہ لفظ تاریخ جہانگشا اور جامع التواریخ وغیرہ

میں بھی ہے، اور عربی لفظ "کرایہ" سے اسم فاعل "کرائیدہ" بنایا، (چراغ ہدایت)

---

[1] حدیقہ، طبع لکھنؤ، صفحہ ۶۴۹ [2] راحت الصدور صفحہ ۳۱۴ [3] چراغ ہدایت [4] کلیات جلد اول صفحہ ۹۲۹،

"شفقت" کہ جس کے معنی خوف تھے، فارسی میں غمخواری کے معنی لئے گئے، اس میں قاف مشدد بھی رائج ہے، مثلاً واعظ قزوینی کا شعر ہے :-

سربلندے آرزو داری شفقت پیشہ کن کین علم را ریزش باران احسان پرچم است[۵۱]

غرض ایسی مثالیں تو بہ کثرت ملتی ہیں، لیکن ان کے پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ جب دو شخص مختلف ملک و زبان والے آپس میں ملتے ہیں، تو ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے، کہ دوسرے کے الفاظ حتی الامکان استعمال کئے جائیں، تاکہ دوسرا شخص اسکی بات کو آسانی سے سمجھ سکے پس زبان کے بننے اور وسیع ہونے کی اصل وجہ یہی ہے، اور یہی ایک ایسی چیز ہے جہاں کسی قسم کی تنگ نظری کارگر نہیں ہو سکتی، اور نہ کسی سمجھدار شخص کو یہ تنگ نظری پسند ہو سکتی ہے،

توافق لسانین ہمیں اس مضمون میں یہی بتانا ہے کہ ہماری زبان نے کیسے کیسے فراخ دل لوگ شروع ہی سے پائے، جنھوں نے اپنی مایۂ ناز زبان فارسی میں اور ادبی شہ پاروں میں ہماری "گھر بھاکھا" کو جگہ دی، اور یہ محکوم و مذموم چیز اپنے حاکم پر غالب آگئی، یا یوں کہ لیجئے کہ ایرانی ماں کی دو بیٹیاں (یعنی فارسی اور سنسکرت) جب دو مختلف ملکوں میں بیاہی گئیں، تو حالات و مقامات کے بدل جانے سے ان کا رنگ روپ بھی بدل گیا لیکن انکی پچھلی نسلوں میں پھر رشتہ قائم ہوا، اور جو اولاد پیدا ہوئی وہی دراصل اردو ہے، پھر اس اولاد کی وراثت اور ملکیت کو اُسکی اصلیت پر قائم رکھنے اور پہچاننے کی غرض سے جو اصول بنائے گئے ہیں، ان کا تعلق "لسانیات" سے ہے، اس علم کے ذریعہ ہم اپنی زبان کے بھولے بچھڑے الفاظ کی شکل و صورت پہچان سکتے ہیں، مثلاً ہماری زبان میں سب سے زیادہ عام فعل "ہے" بمعنی "ہست" ہے یہ فارسی میں بھی آیا ہے، اور مولانا مختار احمد صاحب نے یہ اشعار ثبوت کے لئے دیے ہیں :-

---

[۵۱] چراغ ہدایت

حافظ رح:۔

ساقی اگرت ہوا ے ما ہے   جز بادہ میار درمیاں شے

حکیم سوزنی:۔

ہیم بہ پلۂ نیکی زیک سپندان کم   بہ پلۂ بدی اندر ہزار سندانم

مولانا روم رح:۔

گفت یارب مرترا خاصان ہیند   کہ مبارک دعوت و فرخ پئیند[۵]

اسی طرح لفظ "ایدھر" جو میر اور سودا کے عہد تک تھا، فردوسی (شعرالعجم جلد اول) سے لیکر بعد کے متقدمین کے یہان بھی ہے، مثلاً سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ ۱۱۶۹ء) کہتے ہین:۔

نا وردۂ بہ شہر جو من در ہزار سال   اینک تو ایدری فلکا و من ایدرم

یا مجیر بیلقانی (المتوفی ۵۹۴ھ ۱۱۹۷ء) کہتا ہے:۔

غافل نیم ز عالم جان در بسیط خاک   مانند آفتاب ہمان جا ہم ایدرم

اس "ہے" اور "ایدر" کی طرح بعض مرکب الفاظ بھی دونون زبانون مین ہو بہو اپنی اصل شکل مین قائم ہین، مثلاً دشنام، دشمن، شگون وغیرہ، لیکن شلنک اور چھلانگ، چرا اور چھیر، جارو ب اور جھاڑو، بھن اور پھاگن، کاہ اور گھاس مین جو توافق لسانی پایا جاتا ہے، وہ دراصل آب و ہوا اور غذا کے اختلاف کو ظاہر کر رہا ہے، ورنہ فطرت اور اصلیت دونون کی ایک ہی ہے، اسی سلسلے مین ایک بات اور عرض ہے، کہ علم تجوید کے جاننے سے "لسانیات" مین کوئی الجھن باقی نہین رہتی کیونکہ موخر الذکر مین حروف کا ردّ و بدل سوا ے چند مستثنیات کے بالکل ایسا ہی ہے، جیساکہ ادغام متجانسین اور ادغام متقاربین مین پایا جاتا ہے، بہرحال لسانیات کے متعلق اس معترضہ بحث کا مقصد صرف یہ ہے

---

[۵] قاموس الاغلاط صفحہ ۱۸۱،

کہ ہماری زبان جو بالخصوص فارسی اور سنسکرت کا صدقہ ہے، اتنی صلاحیت رکھتی ہے، کہ اُن میں گھل مل جائے، اور اسی صلاحیت نے دراصل اس کا ڈھانچہ تیار کیا ہے، جس کو ہم بلا مبالغہ اور بلا شک و شبہہ کم از کم پانچوین صدی ہجری سے ضرور پاتے ہین،

ہم نے اپنی آسانی کے لئے اس کے مختلف دور قائم کئے ہین، جو حسب ذیل ہین:۔

پہلا دور، پانچوین اور چھٹی صدی ہجری (یعنی گیارہوین اور بارہوین صدی عیسوی)

اس میں شک نہیں کہ علامہ سید سلیمان ندوی اور قبلہ نواب شروانی صاحب وغیرہ نے اپنے مقالات مین بہت سے ثبوت پیش کئے ہین، اور ہماری زبان کے وہ الفاظ بھی بتائے ہین، جو پانچوین صدی کے بہت پہلے عربی یا دیگر زبانون مین شامل ہو چکے تھے، لیکن ان کا تعلق فارسی سے نہ تھا، ہم یہان یہ بتانا چاہتے ہین، کہ ہماری زبان نے فارسی پر کس طرح بتدریج غلبہ حاصل کیا، چنانچہ اس غلبہ کی ابتدا ہمین پانچوین صدی ہجری سے معلوم ہوتی ہے، جب کہ محمود غزنوی (المتوفی ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) نے ہندوستان پر متواتر حملے شروع کئے، اور اپنی فتوحات سے ہندی لونڈی غلام اس حد تک حاصل کئے، کہ غزنین کے ہر گھر مین ان کی فراوانی ہوگئی، ان کے علاوہ غزنوی فوجون مین ہندوستانی بھی بہت تھے، اور یہ سلسلہ آخر عہد تک قائم رہا، چنانچہ محمود غزنوی کے پرپوتے سلطان بہرام شاہ غزنوی (المتوفی ۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء) نے جب جمعہ ۲ محرم ۵۴۴ھ (مطابق ۱۳ مئی ۱۱۴۹ء) کو سیف الدین سوری کو شکست دی، تو اس کے درباری شاعر سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ / ۱۱۶۹ء) نے ایک قصیدہ لکھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

بگرد شاہ فوجا فوج لشکر ہای ہندستان کہ گوئی ذرّہ برخورشید برجو رشید از خاور

اس کے علاوہ سلطان محمود کے دربار مین ہندی کا مترجم تلک نام ایک ہندو تھا۔۔۔ سلطان مسعود محمود کے زمانہ مین جو ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء مین تخت پر بیٹھا تھا، اُس عہدے پر ایک ہندو بیربل نام سرفراز تھا، سلطان

کے دربار مین جہان عرب وعجم کے ادبا رہتے تھے، فضلاے ہند بھی ان کے پہلو بہ پہلو تھے، کالنجر کے راجہ نندا نے ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء مین ہندی زبان مین بادشاہ کے لئے مدحیہ شعر لکھے ...." (ملاحظہ ہو نقوش سلیمانی ص ۳۵)

ظاہر ہے کہ جب اہل ولایت کے یہان ہندی غلامون اور کنیزون کی فراوانی ہوئی، اور ان کے علاوہ دربار مین بھی ہندوستانی برسر اقتدار ہوے، تو ضرور ان کے رہنے سہنے اور ملنے جلنے سے ایک مخلوط زبان پیدا ہوئی ہو گی، اور کم از کم اس سے تو انکار نہین کہ اس اختلاط سے ولایت کی زبان مین ہمارے ہندوستانی الفاظ داخل ہونا شروع ہوئے، جو یقیناً فارسی پر اپنا قبضہ جما رہے ہین؛ چنانچہ لفظ کوتوال جو دراصل کوٹ والا (معنی مالک قلعہ) تھا، بقول پروفیسر شیرانی، فردوسی کے یہان پایا جاتا ہے:-

چو آگاہ شد کوتوال حصار   برآویخت با رستم نامدار[1]

یہی لفظ تاریخ بیہقی مین بھی متعدد مقامات پر پایا جاتا ہے، مثلاً

"..... بوعلی کوتوال و دیگر اعیان و مقدمان بنشستہ بودند و طاعت و بندگی نمودہ و بوعلی کوتوال بگفتہ کہ از برادر با آن شغل بر نیاید ...." (تاریخ بیہقی مطبوعہ طہران ص ۴۲)

صفحہ ۷۷ پر بھی ہے:- "..... و از غزنین نامہ کوتوال بوعلی رسید"

پھر راحت الصدور مین بھی پایا جاتا ہے،

منوچہری (المتوفی ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) کے یہان لفظ لنگن پایا جاتا ہے:-

الا تا مومنان دارند روزہ   الا تا ہندوان گیرند لنگن،

یہی لفظ سنائی رح (المتوفی ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کے یہان بھی ہے:-

---

[1] پنجاب مین اردو ص ۲۹

گر ہمی لنگمت کند فربہ سیر خوردن ترا ز لنگمن بہ[1]

علامہ سید سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی ص ۴۸ مین لکھا ہے، کہ یہی شعر فوائد الفواد ص ۸۶ مین حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی ثم الدہلوی سے بھی منسوب ہے،

منوچہری کے یہان "چندن" پایا جاتا ہے:-

عنان بر گردن سرخش فگندہ چو دو مار سیہ بر شاخ چندن

پھر یہ لفظ بہت سے شعرائے متقدمین کے یہان ہے، مثلاً سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ ۱۱۶۹ء) لکھتے ہین:-

در دہسرم صبا دکہ بر بایدم طلی باید زمہ گلاب و ز خورشید چندنم

زہر تن فضل راست تریاک در دہسر آز راست چندن

سنائی کے یہان "چندن" اور "صندل" دونون پائے جاتے ہین،

بر تو رہ رفتن است و جان کندن تا شود بید چوب تو چندن[2]

مار اگرچہ بخاصیت بدخواست پاسبان درخت صندل او ست[3]

سنائی کے یہان اور کئی لفظ پائے جاتے ہین، مثلاً "شارہ" جو غالباً ہندوستان مین "ساری" ہے،

خارہ در تفت او چو خار سبک شورہ بر سنگ او چو شارہ تنک[4]

لیکن فردوسی کے یہان "عمامہ" کے معنی مین ہے:-

ز گفتار او ماند شکل شگفت ز سر شارۂ ہندوی برگرفت

ہمارے یہان کی "لاکھ" بھی ان کے کلام مین ہے:-

---

[1] حدیقہ لکھنؤ ص ۵۶۸ [2] ص ۹۴ [3] ص ۲۲۸ [4] ص ۱۶۱۔

زمین سپس عکس خون زگرد فاک آسمان را کند بسرخی لاک [۵۱]

"بیلک" جو بقول صاحب شرف نامہ، ہندوستانی دو شاخہ تیر ہے، وہ بھی سنائی استعمال کرتے ہیں :-

خنجرش ہست سوئے ملک افروز بیلکش رائے سوز و ایلک دوز [۵۲]

ابوالفرج رونی (المتوفی ۴۹۲ھ ۱۰۹۹ء) کے یہاں بھی ہے :-

چرخ گردندۂ شہاب انداز کاندر آورد بیلک اندازی [۵۳]

رونی کے یہاں (فرخی کی طرح) "شل" یعنی سیل ہندی بھی پایا جاتا ہے :-

نکند کار تیر آیا زی شل ہندی و نیزۂ تازی [۵۴]

اور ایک جگہ ہے :-

شل او بر کتف گرگ نشست جو ہر گرگ فرو ماند ز کار [۵۵]

"ہیلاج" جو بقول صاحب شرف نامہ ہندوستانی لفظ ہے، سنائی کے یہاں ہے :-

نسبت کد خدائی و ہیلاج کہ منجم بود بدو محتاج [۵۶]

پھر یہ لفظ عام طور پر فارسی میں مستعمل ہونے لگا، چنانچہ خاقانی (المتوفی ۵۹۵ھ ۱۱۹۹ء) بھی لکھ گئے ہیں :-

تسییر براندند و براہین بفروزند ہیلاج نمودند کہ جاوید بقائی [۵۷]

سنائی کے یہاں لفظ "پانی" دو جگہ پایا جاتا ہے، ایک شعر پروفیسر شیرانی نے "پنجاب میں اردو صفحہ ۳۶ پر نقل کیا ہے، اور دوسرا علامہ سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی صفحہ ۳۶ میں علامہ موصوف

---

۵۱ حدیقہ لکھنو صفحہ ۲۲۵ ۵۲ ایضاً ص ۶۵۵ ۵۳ دیوان صفحہ ۱۱۶ ۵۴ دیوان ابوالفرج ص ۱۱۶ ۵۵ دیوان ص ۴۵ ۵۶ حدیقہ لکھنو ص ۲۱۲ ۵۷ کلیات جلد اول صفحہ ۲۴۴،

نے یہ بھی لکھا ہے، کہ "نیدہ" جو سنائی کے یہاں ہے فارسی لغات میں ضرور پایا جاتا ہے لیکن شاید ہندی ہی لفظ ہے، بہرحال اس کا تعلق "خلال مائدہ" سے بھی ضرور معلوم ہوتا ہے جو عید کی سویّوں کے لئے مستعمل ہے (غیاث اللغات ص۱۶۳)

سنائی کا نام لینے سے ایک بات اور یاد آئی، وہ یہ کہ غالباً وہی پہلے شخص ہیں، جنھوں نے لفظ "چک"[۵۱] استعمال کیا ہے :-

در تو ناری خود آور دے شک ‌ ‌ ‌ بنویسند بے حضورِ تو چک[۵۲]

پروفیسر شیرانی نے مسعود سعد سلمان (المتوفی ۵۱۵ھ ۱۱۲۱ء) اور ان کے ہم عصر عثمان مختاری کے یہاں بھی ایک دو لفظ ڈھونڈ نکالے ہیں، ان کے علاوہ فرخی (المتوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء) کے یہاں لفظ "کت" پایا جاتا ہے، جو یقیناً کھاٹ (Cot) کی بگڑی ہوئی لیکن بہترین شکل ہے، :-

خلافت جدا کرد جیپال پیان را ‌ ‌ ‌ زکت ہائے زرّین و شاہانہ زیور

یہی لفظ مسعود سعد سلمان کے یہاں ہے، :-

براین تیغ کوہ گل انبار گوئی ‌ ‌ ‌ چو فغفور بر تخت تم دور برکت[۵۳]

ازرقی (المتوفی ۵۲۸ھ ۱۱۳۳ء) کے یہاں "کرتہ" پایا جاتا ہے، جو فرہنگِ آنند راج (جلد دوم ص۱۰۵۶) کے قول کے مطابق ماوراء النہر کی فارسی ہو تو ہو[۵۴] لیکن ہماری زبان کا لفظ ضرور ہے :-

از سیم خام برگ بر آورده یاسمین ‌ ‌ ‌ با زر پختہ کرتہ بدل کرد اقحوان[۵۵]

حکیم قطران بن منصور راجی (ہمعصر وطواط و انوری) کے یہاں "جندال" ہے جو یقیناً "چنڈال" کا معرّب ہے :-

---

[۵۱] معارف فارسی ہے اس سے عربی میں سک بنا ہے، اور کتب فقہ میں مستعمل ہے [۵۲] حدیقہ لکھنؤ ص۲۰۳ [۵۳] دیوان، مطبوعہ طہران ص۶۵ [۵۴] معارف کرتہ فارسی ہے، اسی سے عباسیوں کے زمانہ میں عربی میں قرطق اور اس سے مقرطق بنا ہے [۵۵] مونس الاحرار قلمی ص۲۱۱ حبیب گنج،

در بشب باد آور وجندال ہندا ازکین تو   باز نشناسد بر وزانہ قامت جندال وال[۵۱]

ہندوستانی حاکمون کے لئے فارسی مین لفظ "رائے" بہت مستعمل ہے، لیکن انہی متقدمین مین انوری (المتوفی ۵۸۵ھ ۱۱۸۹ء) کے یہان لفظ راجا (راجہ) بھی پایا جاتا ہے :-

تا عشق تو در سینہ مکان کرد کراجا؟   کس دید در آفاق بہ یک شہر دو راجا؟

پھر ایک اور ہندوستانی بلکہ سنسکرت لفظ "مندۃ" بمعنی "گھوڑا" انوری نے استعمال کیا ہے :-

دارند بلفظِ ترکی و ہندی   از جود و مکارمت آت و مندہ[۵۲]

یہان تک تو پانچوین اور چھٹی صدی ہجری کے شعرا کے کلام مین اپنے ہندوستانی الفاظ بتائے گئے، اب ہم اس اثر کے دوسرے دور مین داخل ہوتے ہین جب کہ غزنوی عہد ختم ہو کر غوریون کا زمانہ شروع ہوتا ہے، ہم اس دور کو صرف ساتوین صدی ہجری تک محدود کرتے ہین تاکہ پہلے دور کی طرح یہ دور بھی ایک خاص سیاسی اور تاریخی اثر کو ظاہر کرسکے،

دوسرا دور، ساتوین صدی ہجری (یعنی تیرہوین صدی عیسوی) :-

غوریون نے اس ساتوین صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی بہت جلد لاہور اور ملتان سے آگے بڑھکر گجرات اور بنگال تک اپنے گھوڑے دوڑا دیے، اُن کے اس میل جول سے جیساکہ طبقات ناصری (ص ۱۵۲، طبع کلکتہ) سے ظاہر ہوتا ہے، پنجاب سے لیکر بنگال تک ایک ہی قسم کی بول چال عوام کی زبان سے نکلتی تھی، قطب الدین ایبک جو ۶۰۲ھ ۱۲۰۶ء مین دہلی کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا وہ بقول فرشتہ (نقوش سلیمانی ص۳۷) "لکھ بخش" یعنی لاکھوں کا دینے والا کے خطاب سے مشہور ہوا، اور اوس کے زمانہ کو کال قطب الدین کہا گیا، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس بادشاہ کے نام کے ساتھ سکون مین شری امیر لکھا ہوا تھا،

---

۵۱ مونس الاحرار قلمی ص۱۰۱ حبیب گنج ۵۲ کلیات انوری، لکھنوی ص۳۶،

پھر اسی صدی کی دو فارسی تاریخون مین ہمارے ہندوستانی الفاظ بکثرت پائے جاتے ہین، یہ تاریخین ضیاء الدین برنی اور سراج عفیف کی ہین، جو چھٹی صدی کے آخر اور ساتوین صدی کے اوائل مین لکھی گئین، علامہ سیلمان ندوی نے نقوش سلیمانی ص۲۵ مین بہت سے الفاظ ان تاریخون سے نقل کئے ہین، مثلاً برنی کی تاریخ مین ٹھگ، لونڈی، ٹیکہ، ڈھولک، چبوترہ، ہٹھ، منڈی، تھانہ، چودھری، ماش وغیرہ، سراج عفیف کی تاریخ میں بھی بکثرت ہین، مثلاً لک، لکھوک، چونہ، راج (معمار) کنگرہ، چودھریان، لت، گھڑیال، چھتر وغیرہ۔

مذکورۂ بالا الفاظ سے ظاہر ہے کہ ہماری زبان ساتوین صدی ہجری سے بہت عام ہو گئی تھی، اور پانچوین اور چھٹی صدی ہجری کی بہ نسبت اس صدی مین اردو کے الفاظ فارسی مین زیادہ رائج تھے، اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے، کہ مسلمانون نے جب دہلی کو مستقل طور پر اپنا پایہ تخت بنایا اور اس طریقہ سے ان کا مستقل قیام ہندوستان مین ہوا، تو ان کے میل جول مین وسعت پیدا ہوئی اور اس وسعت سے ہندوستانی الفاظ کے استعمال مین بھی وسعت ہوئی، اور ایک ایسا مکمل ہیولیٰ تیار ہوا، جس سے ہماری موجودہ اردو زبان کی صورت پیدا ہوئی،

اس مختصر سیاسی دور سے ملا ہوا ہمارے مضمون کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، جو بہت مبارک ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اسی دور مین فارسی سے بے نیازی بھی برتی گئی، اور بالکل علحدہ طور پر اردو کے مستقل جملے محفوظ ہو گئے،

تیسرا دور آٹھوین اور نوین صدی ہجری (یعنی چودھوین اور پندرھوین صدی عیسوی)

اس دور مین داخل ہوتے ہی ہمین فارسی تصانیف مین محض اردو الفاظ کے استعمال کے بجائے اردو کے قبضہ اور قوت کے ایسے ثبوت ملتے ہین، جن کو ہم کسی تاویل اور توجیہ سے رد نہین کر سکتے، حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) کی خالق باری سے پروفیسر شیرانی صاحب نے انکار ضرور کیا ہے

لیکن اُن کے دوسرے اشعار بھی پیش کئے ہین، (پنجاب مین اردو ص ۱۲۵، ۱۲۷) جن سے کم ازکم یہ ثابت ہے، کہ امیر خسروؒ نے ہماری زبان مین شاعری کی، گو کہ وہ اپنے قدیم رنگ مین ہے، اسکے علاوہ ان کی فارسی شاعری مین بھی ہندوستانی رنگ آجاتا ہے، اُن کا ایک شعر ہے،:-

بلبل ازین غصہ چنان خون نشست کز تہ دُم رنگ دگر گونہ بست

بقول صاحب بہار عجم "خون نشستن" دراصل ہندوستانی محاورے کا ترجمہ ہے، اس شعر سے یہ بھی ثابت ہو کہ ہندوستانی گُلدم کو امیر خسرو نے بلبل ہی کہا ہے:-

سراج عفیف کی طرح خسرو نے بھی ہندوستانی "لاکھ" کو "لک" باندھا ہے:-

شعراز بخشش شود گرچہ مواجب صد لک است نے کہن آید فرا ہم ہیچ معنی نے نوم

خسرو کے پیر حضرت نظام الدین اولیاء کے فارسی ملفوظات جو "فوائد الفواد" کے نام سے موسوم ہین، ان مین بعض ہندوستانی لفظ بھی بلا تکلف آگئے ہین، مثلاً پیاز، لنگوٹہ، کھٹ، چھجہ، لنگھن لٹ وغیرہ (نقوش سلیمانی ص ۴۴)

اُن بزرگان دین مین سے جنھون نے اس دور مین اپنے باقیات صالحات چھوڑے ہین، کم ازکم خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ (المتوفی ۶۶۴ھ، ۱۲۶۵ء) شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ (المتوفی ۷۸۲ھ، ۱۳۸۰ء) اور سید اشرف جہانگیر سمنانی رح (المتوفی ۸۰۸ھ، ۱۴۰۵ء) ضرور قابل ذکر ہین، ان بزرگون کے ملفوظات اور فقرات سے ہماری زبان کی تاریخ مین بہت مدد ملی ہے، اوران ادبی شہ پارون کے جمع کرنے مین حکیم شمس اللہ، مولانا عبدالحق صاحب، علامہ سلیمان ندوی اور ورد کاکوروی صاحب کے ہم بہت ممنون ہین، شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ کے جس اردو فالنامہ کے ستائیس فقرون کے متعلق علامہ سلیمان صاحب نے ذکر کیا ہے، اس کے دو نسخے میرے وطن جبل پور مین میرے نانا مولانا عبدالقادر خانصاحب ٹونکی مرحوم کی ایک بیاض مین بھی ملے ہین،

ان بزرگان دین کے علاوہ اس دور کی لغت کی تین کتابیں بھی اب کافی مشہور ہو چکی ہیں یعنی بحر الفضائل (۸۹۵ھ/۱۴۹۲ء) اداۃ الفضلا (۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء) اور شرف نامہ (۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) ان کے علاوہ چوتھی کتاب لغت موید الفضلا ہے، جو ۹۲۴ھ/۱۵۱۸ء میں مرتب ہوئی، ان لغات میں ہماری زبان کے الفاظ اگر ہمارے اس مضمون کی تائید میں، فارسی تحریر میں اپنا اثر بتا رہے ہیں، تو ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر رہے ہیں، کہ ان کے مولفین ان الفاظ کے استعمال کرنے پر مجبور ہوئے تاکہ ان کے پڑھنے والے ہماری اردو زبان کی مدد سے زیادہ آسانی کے ساتھ فارسی الفاظ کے معنی سمجھ سکیں، یہ ہے ہماری زبان کا قبضہ اور قوت ۔

یہ تو خیر فارسی تحریریں تھیں، جن میں ہماری زبان گھر کئے ہوئے ہے لیکن حیرت ہوتی ہے، کہ ابن بطوطہ جو اسی دور میں یعنی ۷۳۳ھ/۱۳۳۲ء میں ہندوستان آیا، وہ بھی ہماری زبان کے الفاظ سے اپنے عربی سفرنامہ میں گریز نہ کر سکا، چنانچہ کچھ تحریف کے ساتھ اس کے سفرنامہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں : ٹٹو، منڈی، ڈولہ، کہار، کنگھ، کتری (کھچڑی) جوتری (چودھری) جوگیہ (جوگی) قطارہ (کٹارہ) وغیرہ (عالمگیر خاص نمبر ۳۵ء صفہ ۲۴، پروفیسر حامد حسن قادری)

اسی دور کے آخر میں ملا حسین واعظ کاشفی (المتوفی ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء) نے جب انوار سہیلی لکھی، تو اس میں بھی ہمارے ہندوستان کے ایک دو لفظ کو یاد کیا، لکھتے ہیں کہ جب رائے دابشلیم اپنی منزل مقصود پر پہونچا، تو اسے معلوم ہوا کہ "آن مسکن حکیمے است کہ اورا بیدپائے خوانند یعنی طبیب مہربان، و از اکابر ہند استماع افتادہ کہ نام او بیدپائے است کہ بہ ہندی ہتی پات خوانند" ممکن ہے کہ بعض حضرات کو ان لفظوں کے سننے سے یہ کہنے کا موقع ملے کہ انوار سہیلی تو اپنی اصلیت میں ہندوستان ہی سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے یہ لفظ بھی وہاں قائم رہے، تو عرض ہے کہ ان لفظوں کا تعلق بھاشا سے ہے نہ کہ سنسکرت سے ۔

ملا واعظ کاشفی کا نام آجانے سے ایک بات یاد آئی، کہ اُن کی ایک اور کتاب رشحات عین الحیات جو ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء مین لکھی گئی، اس کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لقب یا تخلص "صفی" تھا، اور قرین یقین ہے کہ مولانا عبد الحق صاحب نے قصہ چہار درویش کے ماخذ کے متعلق جس صفی کے فارسی قصے کے متعلق بحث کی ہے، وہی واعظ کاشفی ہون، کیونکہ طرز تحریر بہت زیادہ ملتا جلتا ہے اور خود انوار سہیلی ایک ثبوت ہے کہ وہ مذہب و اخلاق کے قصون مین بھی دلچسپی لیتے تھے،

یہان تک تو نوین صدی ہجری یعنی پندرہوین صدی عیسوی تک کے متعلق بحث تھی کہ کس کس طرح ہماری اردو نے فارسی پر قبضہ جمایا، اور کیسی لافانی زندگی ہمارے ادب کو حاصل ہوئی اب ہم دسوین اور گیارہوین صدی ہجری مین داخل ہوتے ہین، جب کہ فارسی کے بڑے سے بڑے شاعر بھی ہماری زبان کے محتاج ہوئے (لیکن ہم یہان فیضی اور ابو الفضل کے ہندوستانی الفاظ کو اُن کی کافی شہرت کی وجہ سے بیان کرنے کی ضرورت نہین سمجھتے)

(باقی)

رُباعیات خیام مرصاد العباد مین

از

مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور

مرصاد العباد من المبدأ والمعاد نجم الدین ابوبکر رازی ہمدانی کی فارسی سلوک مین ایک کتاب ہے، جو ۶۲۰ھ مین تالیف ہوئی ہے، اس مین مختلف موقعون پر بعض رباعیان اور اشعار آگئے ہین، اس سلسلہ مین خیام کی بھی چند رباعیان آگئی ہین، رباعیات خیام کے قدیم ماخذون کی تقریب سے اس کتاب کا بھی ذکر آتا ہے، سب سے پہلے اسکا حوالہ ۱۸۹۷ء مین روسی مستشرق زدکووسکی کے مضمون مین آیا ہے، اور جو مظفریہ نام مجموعہ مین شائع ہوا ہے،

لیکن زدکووسکی نے اس کتاب کے صرف دو موقعون کا حوالہ دیا ہے، جس مین خیام کے نام سے دو رباعیان مذکور ہین، لیکن اس کتاب مین اور بھی چند ایسی رباعیان ملتی ہین جن مین گو خیام کی تصریح نہیں، مگر وہ خیام کے بعض نسخون مین مذکور ہین، ذیل کی سطرون مین ان تمام مقامات کا حوالہ دیا جاتا ہے، جن مین یہ رباعیان نام سے یا بلا نام اس کتاب مین مذکور ہین،

میرے سامنے اس وقت کتاب کا وہ قلمی نسخہ ہے، جو کتب خانہ رامپور مین بذیل فارسی سلوک نمبر ۲۲۰۳ پر ہے،

۱- ورق ۱۱، الف و ب تا ۱۲، الف،

"و چون مرید صادق وطالب عاشق از سر صدق و تا نی نہ از سر ہوا و تمنی مطالعہ کند و بر اصول

نسول اطلاع یابد، واقف گردد که او کیست، از کجا آمده است، و چون آمده است، بچه کار آمده است، وکجا خواهد رفت، و چون خواهد رفت، و مقصد و مقصود او چه چیز است، رباعی

جان و دلِ عاقلان، عالم زچیست　　زان یک منزل که جمله در پیش است

از تیغ اجل بریده در طشت فنا　　زین غم سر صد هزار زیر کنش است

و معلوم گردد که روح پاک علوی نورانی را در قالب خاکی سفلی ظلمانی کشیدن چه حکمت بود و باز مفارقت دادن و قطع تعلق روح از قالب کردن، و خرابی صورت چراست، و باز در حشر قالب را نشر کردن و کسوت روح ساختن سبب چیست، آن که از زمرهٔ "اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا" بیرون آید، و بمرتبه انسانی رسد، و از حجاب غفلت يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ" خلاص یابد، و قدم شوق و ذوق در راه سلوک نهد، تا آنچه در نظر آرد، در قدم آورد که ثمرهٔ نظر ایمان است، و ثمرهٔ قدم عرفانست، بیچاره فلسفی دهری و طبایعی که ازین هر دو مقام محروم مند و بیخبر و سرگشته و گم گشته، تا یکے از فضلا که نزد ایشان بفضل و حکمت و کیاست معروف و مشهور است، و آن عمر خیام است عَلَيْهِ مَا يَسْتَحِقُّهُ، از غایت حیرت در تیه ضلالت او را جنس این بیتها می آید، گفت و اظهار نابینائی کرد، رباعی

در دائرهٔ پرکار صفت رفتن ہست　　آنرا نه بدایت نه نهایت پیداست

کس می نزند دمی درین عالم راست　　کین آمدن از کجا و رفتن بکجاست

رباعی

دارنده چو ترکیب طبایع آراست　　باز از چه قبل فگندش اندر کم و کاست

گر زشت آمد این صُوَر عیب کراست　　ور خوب آمد خرابی از بهر چراست

و آن سرگشته نابینا "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ"

راخبر نیست کہ حق تعالیٰ را بندگانند کہ در متابعت سید المرسلین و سید الاولین والآخرین بر کل کائنات عبور کردہ اند، و از "قاب قوسین" درگزشتہ، و در سر "او ادنیٰ" ہمگی ہستی خویش گم کردہ و دیدۂ بصیرت را بکحل "ما ذاغ البصر ما طغیٰ" مکحل گردانیدہ" الخ"

یہ دونون رباعیان کتاب مذکور کے ورق ۱۰۱، الف پر درج ہین :-

۲- کتاب مذکور ورق ۲۲۶، الف

"اما آنچہ حکمت در میرانیدن بعد از حیات و در زندہ کردن بعد از ممات چہ بود تا جواب آن سرگشتۂ غافل و گم گشتۂ عاطل گفتہ آید کہ می گوید، عمر خیام، رباعی

دارندہ چو ترکیب طبائع آراست | باز از چہ قبل فگند اندر کم و کاست
گر زشت آمد صور تش آن عیب کراست | ور نیک آمد خرابی از بہر چہ است

یہ رباعی ورق مذکور پر سابق رباعی سے مختلف الالفاظ شکل مین منقول ہے، بعینہ جیسا مین نے نقل کیا ہے،

۳- کتاب مذکور ورق ۴۴، الف و ب،

" الطاف الوہیت و حکمت ربوبیت بسر ملایکہ فرو می گفت "انی اعلم ما لا تعلمون"، شما چہ می دانید کہ ما را با این مشت خاک از ازل تا ابد چہ کارہا در پیش است :- شعر

عشقے است کہ از ازل مرا در سر بود | کاریست کہ تا ابد مرا در پیش است

شما معذورید کہ شما را سر و کار با عشق نبودہ است شما خشک زاہدان صومعہ نشین خطابر قدس آید، از گرم روان خرابات عشق چہ خبر دارید، سلامتیان را از ذوق حالت ملامتیان چہ چاشنی تو اند بود، رباعی

قدر گل و مل بادہ پرستان دانند | نے تنگ دلان تنگ دستان دانند

از بیخبری بے خبران معذورند سریست درین شیوہ کہ مستان دانند
در دلِ خستہ دردمندان دانند نے خوش منشان دخیرہ خندان دانند
از سرِ قلندری تو گر محرومی سرّیست درین شیوہ کہ رندان دانند

پہلی رباعی خیام کے مجموعۂ رباعیات میں شامل ہے، لیکن مرصاد العباد میں بے نام مذکور ہوئی ہے، اور دوسری رباعی خیام کی نہیں، غالباً کسی شاعر نے اُسی زمین میں طبع آزمائی کی ہے۔

۴ - الف ورق ۱۰۵، ب

رباعی

تا دل ز بد و نیک جہان آگاہست دستش ز بد و نیک جہاں کوتاہست
زین پیش دلی بود و ہزار اندیشہ اکنوں ہمہ لا الٰہ الا اللہ است

۵ - ایضاً - ورق ۱۰۱، الف،

اما این ضعیف بنا بران نظر کہ بس مدعیان بی معنی در میان این طائفہ پدید آمدہ اند۔۔۔

چنان کہ عزیزی گوید، رباعی:

پوشیدہ مرقعہ این خامی چند بگرفتہ ز طامات الف لامی چند
نا رفتہ رہ صدق و صفا گامی چند بدنام کنندۂ نکونامی چند

خواست تا برائے محک این مدعیان از مقامات واحوال سلوک شمہ بیان کند،

یہ رباعی بھی مجموعہ رباعیات خیام میں نظر آتی ہے، لیکن مرصاد میں کسی نام کے بغیر مذکور ہے۔

تلخیص و تبصرہ

شاہجہاں کے ہمعصر مورخین

مولوی ہدایت حسین صاحب نے جنوری ۱۹۴۱ء کے اسلامک کلچر میں شاہجہانی عہد (سنہ ۱۰۳۷-۱۰۶۹ھ مطابق سنہ ۱۶۲۸-۱۶۵۹ء) کے مورخین کی تصانیف اور ان کے مختصر حالات لکھے ہیں، یہ مقالہ مغلون کی تاریخ کے طالب علمون کے لئے مفید اور کار آمد ہے، اس لئے اسکی تلخیص پیش کیجاتی ہے،

۱- **احوال شاہزادگی شاہجہان**:- اس کتاب میں شاہجہان کے بچپن سے لیکر اوسکی تخت نشینی تک (سنہ ۱۰۰۰-۱۰۳۷ھ مطابق سنہ ۱۵۹۰-۱۶۲۷ء) کے حالات ہین مصنف کتاب نے اپنا نام نہین ظاہر کیا ہے، لیکن تحقیقات سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ معتمد خان کی تصنیف ہے، ڈاکٹر ریو (Dr. Rieu) نے اپنے کیٹلاگ میں لکھا ہے کہ اگر اس کتاب کے مصنف کا نام معتمد خان لیا جائے، تو اقبال نامہ جو جہانگیر کی مشہور تاریخ سمجھی جاتی ہے، اس کا مصنف کوئی دوسرا شخص تھا، اس کتاب کے چند مصرعون سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شاہجہان کے عہد مین لکھی گئی،

۲- **بادشاہ نامہ** یا شاہجہان نامہ مولفہ مرزا جلال الدین طباطبائی، یہ ایک سرکاری تاریخ ہے جس مین شاہجہان کی حکومت کے پانچوین سال کی آغاز سے آٹھوین سال کے خاتمہ (۱۰ مارچ سنہ ۱۶۳۲ء ۱۹ مارچ سنہ ۱۶۳۶ء) تک کے حالات درج ہین، مرزا جلال الدین سنہ ۱۰۴۲ھ مطابق سنہ ۱۶۳۲ء مین اصفہان سے ہندستان آیا، اور درباری مورخ مقرر کیا گیا، وہ پانچ سال کی تاریخ مرتب کرنا

چاہتا تھا، لیکن حریف کی سازش سے یہ ارادہ ترک کر دینا پڑا،

یہ فارسی انشا میں ایک نئے طرز کا مالک تھا جو بہت ہی مقبول تھا، ابوالفضل کے علاوہ کسی کی انشا میں یہ بات نہیں ہے، ذیل کی تصنیفات بھی اسی کی ہیں،

(الف) **شش فتح کانگڑہ**:۔ شاہجہان نے گجرات کی صوبہ داری کے زمانہ میں سورج مل ولد راج باسو کے خلاف راجہ بکرماجیت کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی تھی جس نے ہمالیہ کے دامن کا ایک قلعہ کانگڑہ فتح کیا، مصنف نے مذکورۂ بالا کتاب میں اسی ایک واقعہ کو چھ اسلوبوں میں لکھکر اپنی انشا کے جوہر دکھلائے ہیں،

(ب) **توقیعات کسرویہ**:۔ یہ عربی کتاب خسرو انوشیروان کا فارسی ترجمہ ہے اس میں موبدمغان کے نظریہ کے مطابق سوال و جواب کی صورت میں ابتداے آفرینش یا تخلیق عالم اور دوسرے فلسفیانہ مباحث ہیں،

(ج) **منتخب از بیاض**:۔ یہ خطوط کا مجموعہ ہے جس میں مبارکباد میں اور دوسری وقتی تحریریں ہیں، ذیل کے خطوط خاص طور سے دلچسپ ہیں، افضل خان (ملا شکر اللہ شیرازی وزیر شاہجہانی متوفی ۱۰۴۸ھ) مرزا محمد حسین اور شاعر طالب کلیم کے نام اور عبداللہ خان اوزبک کو شاہ عباس کی طرف سے اور انکے علاوہ بہت سے مبارکباد کے خطوط خود شاہجہان کے نام ہیں،

۳۔ **جنگ اسلام خان** یا مثنوی در فتح بنگالہ مصنفہ محمد قلی سلیم طہرانی:۔ اس میں کوچ بہار اور آسام پر اسلام خان کی فتح کے واقعہ کو منظوم کیا گیا ہے، مصنف کچھ دنوں مرزا عبداللہ صوبہ دار لاہجان کے ساتھ تھا، پھر شاہجہان کے عہد میں ہندوستان آیا، یہاں شاہی دربار کے ایک معزز امیر اسلام خان نے اوسکی سرپرستی کی، اسلام خان نے کوچ بہار اور آسام ۱۰۴۷ھ مطابق ۱۶۳۷ء میں فتح کیا تھا، محمد قلی کا انتقال ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء میں ہوا،

۴۔ **شاہجہان نامہ** یا تواریخ شاہجہانی مصنفہ صدیق خان :۔ یہ شاہجہان کی ایک نایاب تاریخ ہے، جو جہانگیر کی علالت اور شاہجہان کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے، ہر سال کے واقعات سال بہ سال سادہ عبارت مین لکھے ہین، یہ داستان شاہجہان کی نظر بندی کے بعد ختم ہو جاتی ہے، آخر مین یہ لکھا ہے کہ شاہجہان کی زندگی کے آخری آٹھ سال قید مین گذرے،

مصنف کا مولد ایران ہے، اوس نے بڑی وفاداری سے شاہجہان کی خدمت کی، تخت نشینی کے بعد وہ بخشی بنا دیا گیا تھا، اور پھر شاہزادہ شجاع کا اتالیق مقرر ہوا، مالوہ، خاندیس اور بدخشان وغیرہ مین اس کے ساتھ تھا، بیس سال کی عمر سے برابر وہ شاہجہان کے ساتھ رہا، آگرہ مین وہ واقعہ نویس کے عہدہ پر بھی مامور تھا، دارا شکوہ کی شکست کے وقت وہ ان چند امراء مین سے تھا، جو آخر وقت تک شاہجہان کے ساتھ رہے، اس نے اپنی کتاب مین ان امراء پر خفگی کا اظہار کیا ہے، جنھون نے مریض بادشاہ کو چھوڑ کر اوس کے باغی بیٹے کا ساتھ دیا، اورنگزیب نے اوس کو ۱۶۵۸ء مین برطرف کر دیا،

۵۔ **ظفرنامۂ شاہجہانی** مصنفہ محمد جان الملقب بہ قدسی :۔ اسمین شاہجہانی عہد کی تاریخ کو ایک مثنوی کی شکل مین پیش کیا گیا ہے، مصنف کتاب نے بچپن ہی مین حج کیا تھا، اور ۱۰۴۱ھ مین ہندوستان آیا، عبد اللہ فیروز خان چھ ہزاری (متوفی ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء) نے دربار شاہجہانی مین اس کا تعارف کرایا، بادشاہ نے اس کے کمالات کی پوری قدر کی، اور انعام و اکرام سے نوازا، اس کا اعزاز اتنا بڑھا کہ وہ درباری شاعر ابو طالب کلیم سے کم رتبہ نہ رکھتا تھا، ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء میں اس کا انتقال ہوا،

۶۔ **بادشاہ نامہ** مصنفہ میر محمد یحیٰ کاشی، اس مین شاہجہان کے حالات نظم کئے گئے ہین، اور اسکی عمارتون کا بھی کچھ حال ہے،

وہ کاشان سے ہندوستان آیا، اور بادشاہ اور ولی عہد کا قصیدہ نگار، اور پھر شاہی لائبریرین مقرر ہوا، اسے بادشاہ کے حالات نظم کرنے کا حکم ملا تھا، لیکن پھر شاہی نظر عنایت سے محروم ہو گیا، اس لئے غالباً وہ تاریخ ناتمام رہی، اس کا کچھ حصہ صرف برٹش میوزیم مین ملتا ہے،

۷- چہار چمن مصنفہ چندر بھان المتخلص بہ برہمن اس مین شاہجہان کے دربار اس کی شان وشکوہ، آداب و رسوم، اور اس عہد کے خاص خاص شہروں شاہجہان آباد وغیرہ کی رونق اور چہل پہل کی تفصیل ہے، کتاب کے آخر مین مصنف نے اپنے حالات لکھے ہین،

یہ پنجاب کے برہمن دھرمداس کا لڑکا تھا، اس کی پیدایش لاہور مین ہوئی اور وہین مُلا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تعلیم حاصل کی، افضل خان کا معتمد مقرر ہوا، جو شاہجہان کے پہلے ہی سال جلوس میرسامان اور دوسرے سال دیوانِ کل مقرر ہوا، افضل خان کے انتقال ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۹ء کے بعد چندر بھان شاہی خدمت مین داخل ہوا، اور ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء مین واقعہ نویسِ حضوری مقرر ہوا، اس کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ رہے اور ہر روز کے واقعات وارادہ قلمبند کرتا رہے، پھر بادشاہ کے ایما سے داراشکوہ کی خدمت مین داخل ہوا، لیکن ۱۰۶۶ھ ۱۶۵۶ء مین اسکی خدمات دارالانشا مین منتقل ہوگئین، اور رائے کا خطاب عطا ہوا، پھر شاہی سفیر کی حیثیت سے شاہ بیجاپور کے پاس بھیجا گیا،

مرأۃ الخیال صفحہ ۲۱۵ مین ہے کہ داراشکوہ کے انتقال کے بعد ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء مین وہ شاہی خدمات سے دست بردار ہوگیا، اور بنارس چلا گیا، اور وہین ۱۰۷۳ھ مطابق ۱۶۶۳ء مین اوس نے انتقال کیا،

رائے چندر بھان بلند پایہ نثر نگار تھا، شاعری سے بھی خاصا ذوق رکھتا تھا، یہ کتاب بہت شگفتہ نثر مین ہے، اور جا بجا اوس کے اپنے اشعار بھی ہین، یہ چار چمن چار ابواب مین منقسم ہی،

(۱) پہلے باب مین دربار کے رسومات کا ذکر ہے، اور رسومات کے موقع کے اس کے اشعار

بھی درج ہین،

(۲) دوسرے باب مین دربار کی شان وشکوہ، شاہجہان کے روزانہ کے معمولات، اس کے دارالسلطنت شاہجہان آباد اور سلطنت کے دوسرے صوبون اور علاقون کی تفصیل ہے،

(۳) تیسرے مین مصنف کے حالاتِ زندگی اور اوس کے کچھ خطوط ہین،

(۴) چوتھے مین مذہبی اور اخلاقی خیالات سے بحث ہی،

۸- **بادشاہ نامہ** یا شاہجہان نامہ مصنفہ ابوطالب کلیم، اس مین شاہجہان کے منظوم حالات ہین،

ابوطالب کلیم ہمدان مین پیدا ہوا، اور عمر کا زیادہ حصہ کاشان مین گذرا، شیراز مین علم کی تحصیل کی، اور جہانگیر کے زمانہ مین ہندوستان آیا، پھر ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۸ء مین وطن لوٹ گیا، اور وہان دو تین سال قیام کرنے کے بعد پھر ہندوستان واپس چلا آیا، شاہجہان کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد وہ شاہی دربار سے متوسل ہو گیا، بہت جلد بادشاہ کا محبوب شاعر بن گیا اور ملک الشعرار کے خطاب سے سرفراز ہوا، اکثر تذکرون مین یہ واقعہ لکھا ہے، کہ شاہ روم نے مغل بادشاہ سے یہ سوال کیا تھا، کہ وہ صرف ہندوستان کا بادشاہ ہو کر سارے جہان کی بادشاہی کا کیون مدعی ہے، کلیم نے اس کا یہ مشہور جواب دیا تھا ؎

ہند و جہان ز روے عدد چون برابر است ... بر شہ خطاب شاہ جہان زان مقرر است

کلیم اور قدسی دونون ایک ہی وقت مین شاہجہان کے حالات نظم کر رہے تھے، کلیم کشمیر میں اسکی تکمیل کر رہا تھا جہان ۱۰۶۲ھ یا ۱۰۶۱ھ مطابق ۱۶۵۱ء یا ۱۶۵۰ء مین راہی ملک بقا ہوا، خلاصۃ الکلام کے بیان کے مطابق اس مین شاہجہان کے دس سال کے حالات ہین، اس اشعار کی تعداد ۴۰۴۹۱۴۹ ہے،

۹- **لطائف الاخبار یا تاریخ قندھاری،** شاہزادہ دارا شکوہ کی مہم قندھار (۶۳ ۱۰ھ مطابق ۱۶۵۲ء) کے تفصیلی حالات ہیں، کتاب میں مصنف کا کہیں نام نہیں ہے، لیکن خافی خان اسکو راشد خان معروف بہ محمد بدیع دیوان مہابت خان کی طرف منسوب کرتا ہے، تمہید میں اس نے لکھا ہے، کہ وہ قندھار کی مہم میں دارا شکوہ کے ساتھ تھا، یہیں ان واقعات کو جنہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر ذرائع سے سُنا اس کتاب میں قلمبند کیا ہے،

دارا شکوہ کی شکست کے بعد اس نے اورنگزیب کی خدمت میں تقرب حاصل کیا، اور اسکے چوبیسویں سال دیوان خالصہ مقرر ہوا، تذکرۃ الامراء کے بیان کے مطابق اوس نے اورنگزیب کے ۴۲ وین سال جلوس ۱۱۱۰ھ ۱۶۹۸ء میں انتقال کیا، اور تاریخ محمدی کے بیان کے مطابق ۱۱۰۷ھ ۱۶۹۵ء میں آگرہ میں اس کا انتقال ہوا،

یہ کتاب تین حصّوں میں منقسم ہے، (۱) اس میں کچھ حالات مہم قندھار سے پہلے کے ہیں، مثلاً اوزبک کی بغاوت ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء اور اورنگزیب اور مراد کی سرکردگی میں قندھار کی مہم اور آخر میں دارا شکوہ کی چڑھائی (۲) محاصرہ کے واقعات جو روز کے روز لکھے جاتے تھے یعنی ۱۰/ جمادی الثانی ۱۰۶۳ھ مطابق ۸ مئی ۱۶۵۲ء سے اسی سال کے ۱۵/ ذی قعدہ تک۔ (۳) قندھار سے دارا شکوہ کی واپسی اور ۹/ ذیحجہ ۱۰۶۳ھ مطابق ۳۱/ اکتوبر ۱۶۵۲ء میں ملتان میں اس کا ورود،

میجر ریورٹی (Major Raverty) نے انگریزی میں اس کا سرسری ترجمہ کیا تھا، جس کا ذکر اسٹوری نے کیا ہے،

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجہ واقعات بالکل صحیح ہیں، اس مہم کے بعد دارا شکوہ پر شاہی نظرِ عنایت کی بارش ہوئی، اور اس کو شاہزادہ بلند اقبال کا خطاب ملا، اور دربار عام میں بادشاہ کے تخت کے پہلو میں ایک چاندی کی کرسی اس کے لئے مخصوص کی گئی، منصب میں دس ہزار

پیادہ اور دس ہزار سوار کا اضافہ ہوا، اور ایک لاکھ اشرفی انعام ملی،

۱۰- **بادشاہ نامہ** مصنفہ عبدالحمید لاہوری، یہ شاہجہان کے عہد کی سرکاری تاریخ ہے اور تین جلدون مین ہے، ہر جلد مین دس قمری سال کے حالات درج ہین، کل حالات بیس سال (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء تا ۱۶۴۷ء) کے ہین، مصنف ابوالفضل کا شاگرد تھا، اور اپنے استاذ کے طرز انشا کا ماہر، شاہجہان نے اس کا نام سنکر اپنے دربار مین بلایا، اور اکبر نامہ کی طرح ایک تاریخ مرتب کرنے کا حکم دیا، اس نے پہلی دو جلدین بڑی کامیابی سے لکھی ہین جس پر سعد اللہ خان وزیر شاہجہان نے نظر ثانی کی ہے، ضعف پیری نے تیسری جلد لکھنے نہ دی، ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۵ء مین اس کا انتقال ہوا، تیسری جلد جسمیں ۱۰۵۷ھ سے لیکر ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء سے لیکر ۱۶۵۷ء تک کے حالات ہین محمد وارث نے لکھی ہے، یہ عبدالحمید کا شاگرد اور فارسی انشاء پر قادر تھا، استاذ کی معذوری کے بعد یہ خدمت اوس کے لائق شاگرد کے سپرد ہوئی، حکم ہوا کہ یہ کتاب فاضل خان کے پاس نظر ثانی کے لئے بھیجی جائے، وارث خان دس ربیع الاول کو ایک پاگل طالب علم کے ہاتھ سے مارا گیا،

۱۱- **ملخص** یا شاہجہان نامہ مصنفہ محمد طاہر تخلص آشنا معروف بہ عنایت خان بن ظفر خان ابن خواجہ ابوالحسن، اس کے آبا واجداد صاحب قلم تھے، اور مغل سلاطین کے زمانہ سے بہت ممتاز عہدون پر سرفراز رہے، اس کا دادا ابوالحسن متوفی ۱۰۴۲ھ شاہ جہانگیر کے زمانہ مین پنج ہزاری منصب رکھتا تھا، اور اوس کا باپ ظفر خان کشمیر اور کابل کا صوبہ دار تھا، وہ شاہجہان کا ذاتی حضوری اور داروغہ کتابخانہ کے عہدہ پر مامور تھا، اکثر کتابون پر اس کے دستخط ملتے ہین، اورنگزیب کے عہد مین وہ کشمیر مین عزلت نشین ہوگیا، جہان ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۶۶ء یا ۱۶۷۰ء میں راہی ملک بقا ہوا،

اسکی کتاب عبدالحمید اور محمد وارث کے بادشاہ نامہ کا خلاصہ ہے، اسی لئے اس کا نام ملخص

رکھا گیا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ جس کو میجر فولر (Major Fuller) نے کیا تھا، برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، الیٹ کی ساتویں جلد ص ۱۲۳ سے ۱۲۸ تک تمہید اور کچھ حصون کے ترجمے ہین،

کلیات آشنا بھی اسی سے منسوب ہے،

۱۲ **تاریخ دلکشا** مصنفہ شیخ عنایت اللہ کنبوہ، اس مین شاہجہان اور اوس کے ماقبل کی تاریخ ہے، مولف برہان پور مین پیدا ہوا، محمد صالح مصنف عمل صالح کا بڑا بھائی اور استاذ تھا، کچھ دنون تک اوس نے شاہجہان کی خدمت کی، اوس کے بعد دنیا چھوڑ کر دہلی مین حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے روضہ پر زندگی گذار دی، ۱۰۸۲ھ مطابق ۱۶۷۱ء مین ۶۵ برس کے سن میں انتقال کیا، مشہور و مقبول کتاب بہار دانش بھی اسی کی تالیف ہے،

۱۳ **عمل صالح** مصنفہ محمد صالح کنبوہ لاہوری یہ شاہجہان کی ایک مفصل تاریخ ہے، مصنف عنایت اللہ کنبوہ کا شاگرد تھا، اور اوسکو اپنا بڑا بھائی کہکر پکارتا تھا، لاہور کے ایک شاعر سے بچپن سے اس کے گہرے تعلقات تھے جسکا عین شباب مین انتقال ہوگیا، پروفیسر ڈوسن (Dowson) تاریخ الیٹ جلد، ص ۱۲۳) کو صالح کاشفی اور مصنف کتاب ہذا کے بارہ مین اشتباہ ہوگیا، میر صالح کشفی ایک مشہور اہل قلم اور شاعر تھا، جس کا انتقال ۱۰۶۱ھ مطابق ۱۶۵۰ء یعنی اس کتاب کی تصنیف سے نوسال پہلے ہوا، ایس، ام لطیف نے اپنی کتاب لاہور اور اوس کی تاریخ مین اس کی تاریخ وفات ۱۰۸۵ھ مطابق ۱۶۷۵ء لکھی ہے، موچی دروازہ لاہور مین ابتک اس کا مقبرہ موجود ہے، پروفیسر غلام یزدانی اپنے مقدمہ ص ۸ مین لکھتے ہین: ایک چھوٹی سی مسجد جو اس کے حکم سے بنی تھی، موچی دروازہ مین ابتک موجود ہے، مسجد مین اسکی تعمیر کی تاریخ ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۶۶۸ء درج ہے،

عمل صالح بہت کارآمد تصنیف ہے، یہ ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۴ء میں تکمیل کو پہونچی، شاہجہان

کی وفات اور دوسرے حالات جو ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۹ء تک وقوع پذیر ہوئے، وہ بعد کے اڈیشن مین بڑھائے گئے ہون گے، محمد صالح مذکورہ کتاب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابون کا بھی مصنف ہے،

(الف) **فتح بلخ**: اسمین اس مہم کے حالات ہین جو شاہجہان نے شاہزادہ مرادبخش اور علی مردان خان کی سرکردگی مین اوزبک سردار نذر محمد کے خلاف بھیجی تھی، اس مہم مین ۶ ۲ جمادی الاول ۱۰۵۶ھ مین شاہزادہ مذکور نے بلخ فتح کیا،

(ب) **بہار سخن**:- یہ اوس کے خطوط اور قصائد اور انشا پردازی کے نمونون کا مجموعہ ہے، جو چار حصون مین منقسم ہے، جس کو چمن کہتے ہین، چنانچہ شاہجہان کی شان مین چند قصائد اور شاہجہان، اورنگزیب اور دوسرے شاہزادوں کے نام سے چند خطوط اور شاہجہان آباد، آگرہ، کشمیر اور بعض دوسرے مقامات کے حالات ہین،

۱۴- **تحفۂ شاہجہانی**، مصنفہ سودھاری لال، یہ شاہجہان کی پیدایش ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۲ء سے لیکر اسکی وفات ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۶ء کی مختصر تاریخ ہے، مصنف کے حالات معلوم نہ ہوسکے،

۱۵- **آشوب نامۂ ہندوستان**، مصنفہ بہشتی شیرازی، یہ شاہجہان کے عہد کی خانہ جنگی پر ایک تاریخی نظم ہے، اس میں تخت و تاج کے لئے اس کے بیٹون کی خانہ جنگی کے حالات ہین بہشتی مشہور شاعر اور سلطان مرادبخش کا قصیدہ نگار تھا، یہ تصنیف اوس نے اپنے آقا کی حمایت اور اورنگزیب کی مخالفت مین لکھی اور مراد کی موت کے قبل اوس نے اس کتاب کی تکمیل کر لی تھی، اسکو آشوب ہندوستان بھی کہتے ہین

۱۶- **بادشاہ نامہ** مصنفہ محمد امین بن عبدالحسین قزوینی معروف بہ مرزا امینا، یہ شاہجہان کے پہلے دس سال کی تاریخ ہے، مصنف ایران کا رہنے والا تھا، شاہجہاں کے زمانہ مین ہندستان

آیا، اور اسکی تخت نشینی کے پانچوین سال منشی کی خدمت پر مامور ہوا، شاہجہان اپنے درباری مورخین کے کام سے مطمئن نہین تھا، اس لئے آٹھوین سال جلوس مین اُسے وقائع نگار مقرر کیا، اور اپنی دس سالہ حکومت کی تاریخ کی تدوین اس کے سپرد کی، جس کا نام بادشاہ نامہ خود شاہجہان ہی نے رکھا تھا، مصنف دوسری جلد مین دوسرے دس سال کی تاریخ لکھنا چاہتا تھا، لیکن پھر محکمۂ خبر رسانی مین منتقل ہو گیا، اس لئے یہ کام پورا نہ کر سکا، یہ کتاب تین ابواب مین منقسم ہے،

پہلے باب مین شاہجہان کی پیدایش، اس کے آبا و اجداد کے حالات اور اس کی کم سنی کے واقعات ہین،

دوسرے باب مین تخت نشینی اور حکومت کے دس سال کے حالات ہین،

آخری سال کی تاریخ مکمل نہیں ہے، اور شہور مطابق جمادی الاول ۱۰۴۷ھ پر ختم ہو جاتی ہے، اس مین یہ ہے کہ بادشاہ نے شمسی مہینون کے بجاے قمری مہینے جاری کئے ہین، اور یہ حکم دیا ہے کہ نئے سنہ یعنی اسکے جلوس کے گیارہوین سال کا آغاز پہلی جمادی الثانی سے کیا جائے،

بانکی پور مین اس کا نہایت قیمتی نسخہ موجود ہے، اس پر جارج پنجم اور ملکہ میری کے دستخط بھی ہین جو ۱۹۱۱ء مین تاجپوشی کے موقع پر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا،

اس کتاب مین شاہجہان کے وقت کے گیارہ نہایت خوبصورت مرقعے اور عمارتون مسجدون کی سات تصویرین بھی ہین، ایک مرقع مین جہانگیر شاہزادہ خرم (شاہجہان) کے ساتھ شکار مین جا رہا ہے، جہانگیر کا گھوڑا ایک شیر کو دیکھکر بھڑکا، بادشاہ نے گھوڑے سے اتر کر شیر پر گولی چلائی لیکن نشانہ خطا کر گیا، شیر غضبناک ہو کر میر شکار پر حملہ آور ہوا، جہانگیر نے پھر دوسری گولی چلائی، شیر نے جہانگیر پر بھی حملہ کر دیا، بادشاہ کو بچانے کے لئے انوپ راے بیچ مین آگیا، شیر نے انوپ راے کو زخمی کر دیا، اور اوس کے ہاتھ اور بازو کو اپنے جبڑون مین دبا لیا، اوس نے ایک ہاتھ چھڑا لیا، شاہزادہ

خرم نے تلوار سے شیر پر وار کر کے انوپ رائے کی جان بچائی،

۱۷۔ کتاب تاریخ، تین مغل بادشاہوں بابر، اکبر اور شاہجہان کی تاریخ ہو کتاب کے شروع میں تیمور کے کچھ حالات بھی ہیں، مصنف اور کتاب کا نام کہیں نہیں دیا ہے، لیکن اتنا یقینی ہے کہ وہ شاہجہاں کے عہد میں لکھی گئی ہے، کیونکہ بادشاہ کے متعلق ہمیشہ صیغہ حاضر استعمال کیا گیا ہے، بادشاہ کے آٹھویں سنہ جلوس ۱۰۴۴ھ مطابق ۱۶۳۴ء میں کتاب ختم ہو جاتی ہے،

۱۸۔ وقائع دکن، شاہجہانی عہد کے دکن کے حالات ہیں، مصنف کا نام معلوم نہیں

۱۹۔ حلیہ شاہجہانی، یہ ایک مثنوی ہے، جس میں شاہجہان کا سراپا ہے، مورخ کا نام معلوم نہیں ہے، لیکن غالباً کوئی درباری شاعر تھا، "ا-ع"

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغہ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اسکی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت للعہ، ۳۹۰ صفحے،

رقعات عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت سےر، ۴۰۰ صفحے،

"منیجر"

اخبار علمیہ

پیلو مار کی عظیم الشان دوربین

ستر سال قبل جولس ورن (Jules Verne) نے ایک عالک دوربین کے متعلق
رہ کیا تھا جس سے زمین سے لیکر چاند تک کی ساری چیزیں دیکھ لی جاسکیں گی، لیکن وہ اس
لی ثبوت نہ پیش کرسکا، اس لئے اوس کے دعوی کو خواب سے تعبیر کیا گیا،

بارہ سال ہوتے ہیں کہ ڈاکٹر جارج ایری ہیل (Dr. George Ellery
Hale) کیلی فورنیا کی مونٹ ولسن رصدگاہ کے بانی نے ورن کی پیشین گوئی کو حقیقی شکل دینی
، اور ایک ۲۰۰ انچ کی دوربین بنانی شروع کی جو آج بحرالکاہل سے ایک میل
بلندی پیلو مار کی چوٹی پر تکمیل کو پہنچ رہی ہے، اور بہت جلد اوس کا رُخ آسمان کی طرف ہوگا،
توقع ہے کہ ہزاروں ستارے جو آج تک نگاہوں سے مستور ہیں، اب ظاہر ہوجائیں گے اور
کا خواب آج واقعہ بن جائے گا،

جارج ہیل کو تیرہ سال کی عمر سے نجومی بننے اور دوربین بنانے کا شوق تھا، اس کے باپ
اوسکی ہمت بڑھائی، اور اوس کے شوق کی تکمیل کے لئے اس کی پوری مدد کرتا رہا، گریجویٹ
نے کے دو ہی سال بعد اس نے ہیئت کا ایک آلہ تیار کیا جس سے آفتاب کی تصویر لی جاسکتی ہے،
اسپکٹرو ہیلو گراف (Spectro heliograph) کہتے ہیں تیس سال

کی عمر مین وہ آفتاب کا ماہر سمجھا جانے لگا، جو بیس سال مین شکاگو یونیورسٹی مین پروفیسر مقرر ہوا، جب اوس نے یورپ کا سفر کیا تو اوس سے پہلے اسکی شہرت وہان پہونچ چکی تھی، اور اس کی ایجا بڑے بڑے عالمون سے داد و تحسین حاصل کر چکی تھی،

ڈاکٹر جارج ایری ہیل دنیا کی تین رصدگاہون کا مالک تھا، وہ ۱۹۳۸ء مین اس دنیا سے چل بسا، لیکن ۲۰۰ انچ کی دوربین بنا کر جو قریب تکمیل ہو چکی ہے، دنیا مین اپنا نام چھوڑ گیا،

ووٹ شماری کا جدید سائنٹفک طریقہ

ہندوستان مین ووٹ شماری کا جو طریقہ ہے، ہر شخص کو معلوم ہے، کہ اس مین بڑا وقت اور بڑی محنت صرف ہوتی ہے، لیکن متمدن ممالک ہر کام سائنس سے لیتے ہین، چنانچہ امریکہ مین روزولٹ اور ولکی کے انتخاب مین نئے سائنٹفک طریقہ سے کام لیا گیا، جس سے ۰۰۰،۰۰۰،۴۰ اشخاص کے ووٹ چند گھنٹون مین لئے، اور گنے گئے، اور نتیجہ کا اعلان کر دیا گیا، پہلے اس مین کئی دن لگ جاتے تھے،

ٹیلی ٹائپ، ٹیلی فون، ٹیلیگراف اور ریڈیو وغیرہ پہلے سے اس کام مین معاون تھے، لیکن ووٹ ریکارڈ کرنے کے آلہ نے اور زیادہ سہولت پیدا کر دی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ووٹر پولنگ اسٹیشن پر ایک ہینڈل گھما دیتا ہے، جس سے اس کے چارون طرف پردہ گر جاتا ہے، پھر وہ اپنے امیدوار کے نام کا بٹن دبا دیتا ہے، جس سے مشین کے اندر اوس کا نام درج ہو جاتا ہے، اور نمبر بڑھتے جاتے ہین، جب ووٹنگ ختم ہو جاتی ہے، تو فوراً اعداد کا شمار ہو جاتا ہے، اور یہ سارا کام مشین کے ذریعہ انجام پاتا ہے،

روزولٹ کے انتخاب مین ساڑھے نو بجے صبح ووٹنگ شروع ہوئی تھی، اور سات

شام کو ختم ہوگئی، ساڑھے سات بجے پولیس کے ذریعہ اس کے نتائج مرکزی دفاتر میں بھیج دیے گئے، ساڑھے نو بجے نیوز ایجنسی تک خبر پہونچ گئی، اور سوا دس بجے کل نشر گاہوں میں بھیج دی گئی، ساڑھے دس بجے وہاں چارٹ تیار ہوگیا، اور گیارہ بجے امریکہ سے ساری دنیا میں نشر ہوگیا،

شطرنج سے ہوائی حملون کی روک

حال مین شطرنج کی چالون کے ذریعہ ہوائی حملوں کی مدافعت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اسکی صورت یہ ہو کہ ایک خاص کمرہ مین جو نقشے، فون، ریڈیو اور خبر رسانی کے آلون سے آراستہ ہوتا ہو، ایک ٹیبل پر شطرنج کی بساط بھی ہوتی ہے، جس کے چارون طرف کھلاڑی بیٹھے رہتے ہین، سب کے کانوں میں فون لگا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ انھیں منٹ منٹ کی خبرین ملتی رہتی ہین، جب دشمن کے ہوائی جہازوں کی آمد کی خبر ہوتی ہے، تو اسی کے مطابق دشمن کے مہرے بڑھائے جاتے ہین اور فریق مخالف دفاع اور جوابی حملون کی تدبیرون پر غور کرکے مدافعت کے لئے اپنے مہرے بڑھاتا ہے، اور ریڈیو کے ذریعہ یہ ہدایات فوراً نشر کر دی جاتی ہین، اور اس ہدایت کے مطابق ہوائی جہازون اور طیارہ شکن بندوقون کے ذریعہ مدافعت شروع کر دیجاتی ہے،

سپاہیون کیلئے رات کے چشمے

برٹش ٹرننگ یونٹ کے افسر ایک خاص قسم کے چشمے لگا کر دن مین رات کی جنگ کی مشق کرتے ہین، ان چشمون کے لگانے سے بالکل رات کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اس کی مشق سے جوان سپاہیون کو تاریکی کی چیزین صاف نظر آنے لگتی ہین، اور نشانہ مین بھی غلطی نہین ہوتی، اس مشق سے توقع ہے کہ رات کی جنگ مین تاریکی سے انھین کوئی دشواری پیش نہین آئے گی،

"ع-۱۱۱"

باب التقریظ والانتقاد

نئے رسالے

تاریخ (سہ ماہی) مرتبہ جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ دفتر تاریخ حیدرآباد دکن،

تاریخ و آثار قدیمہ کا یہ رسالہ نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے حکیم شمس اللہ صاحب قادری کی ادارت مین نکلاہے، تاریخ مین لائق مدیر کی نظر محتاجِ بیان نہین، رسالہ کا پیش نظر نمبر اس کا نمونہ ہے، اس مین متعدد تاریخی اور اثری مضامین ہین، اور سب کے سب فاضل اڈیٹر کے قلم کے ہین، مقالات مین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے محققانہ حالات ہین، مشرقی افریقہ مین جزیرہ کلوہ مدتون مسلمانون کا مرکز رہ چکا ہے، اور یہان کئی مسلمان خانوادون نے حکومت کی، جن کے حالات سے اردو دان بالکل واقف نہین، فاضل مدیر نے کتاب السلوۃ فی اخبار کلوہ سے ان حکمرانون کے حالات پر روشنی ڈالی ہے، تیسرے مقالہ مین تاریخ راحت افزا محمد علی الحسنی کے بیان سے ارکاٹ کی مہم مین نواب ناصر جنگ کے قتل گاہ کی تعیین کی کوشش کی گئی ہے، یہ تینون مقالے معلومات کے اعتبار سے مفید اور پڑھنے کے لائق ہین، آثار قدیمہ مین پوناملی اور بیڑ (دکن) کے بعض قدیم اسلامی کتبون اور بابر کے ان سکون پر جو ائمۂ اثنا عشر کے نام پر مضروب ہوئے، تاریخی روشنی ڈالی گئی ہے، تاریخ کے دوبارہ اجراء سے علمی رسالون مین ایک مفید اور کارآمد رسالہ کا اضافہ ہوا ہے، وہ اہل علم کی قدردانی کا مستحق

نظام ادب (ششماہی) جناب منظور احسن صاحب ہاشمی تقطیع بڑی ضخامت ۲۴۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ عہ پتہ: معتمد نظام ادب نظام کالج حیدرآباد دکن

یہ رسالہ حیدرآباد کے نظام کالج کے طلبہ کا ترجمان ہے، اور معلومات کے تنوع اور مضامین کے اعتبار سے اچھا رسالہ ہے، علمی ادبی اور تاریخی ہر ذوق کے خاصے مضامین ہین، زیر نظر نمبر کے سنجیدہ مضامین مین "مکاتیب اردو" جناب غلام جیلانی صاحب "چند یورپی سیاح" اڈیٹر "ہندوستان کے عہد قدیم کی جامعات" جناب حسن علی صاحب مفید مضامین ہین، ادب اور افسانے مین "حیدرآباد سے کشمیر تک" آغا حیدر حسن صاحب دہلوی، "اور شاعری کا بھوت" ناکارہ حیدرآبادی پرلطف ہین، ضمیمہ مین ابتدائی جماعتون کے طلبہ کے مضامین بھی ان کی استعداد کو دیکھتے ہوئے برے نہین ہین، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ طلبہ کی قلمی کوششون کا اچھا نمونہ ہے،

معاصر (ماہوار) مرتبہ جناب عظیم الدین احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۴ر، پتہ :- نیا سنسار کتاب گھر بانکی پور پٹنہ؛

عظیم آباد کے ممتاز اہل قلم نے وہان کی پرانی ادبی روایات کو زندہ کرنے کے لئے ایک دائرہ ادب کی بنیاد ڈالی ہے، معاصر اوسی کا نقیب ہے، یہ رسالہ حال ہی مین نکلا ہے، ہم نے اس کے چند نمبر دیکھے مضمون نگارون مین عظیم آباد کے ممتاز اہل قلم کے نام ہین، اور مضامین مین تنوع معلومات اور زبان و ادب ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور علمی و ادبی دونون حیثیتون سے یہ رسالہ اردو کے اچھے رسالون مین شمار ہونے کے لائق ہے، "اردو پر تنقیدی نظر" "میر تقی کی شاعری" اڈیٹر "دیوان ہمایون بادشاہ" جناب شمس الدین احمد صاحب "زبان کی تاریخ" محمد فضل الرحمن صاحب نسوی، "دلکشا" سید حسن عسکری صاحب "سکندر یہ اور اوس کے ذہنی کارنامے" جناب محمد مسلم مفید اور اچھے مضامین ہین، ادب اور افسانے کا حصہ بھی ستھرا ہے، اختر صاحب اورینوی کے افسانے خاص طور سے دلچسپ نظر آئے، بہار کی سرزمین

رسالوں کے لئے بہت شور واقع ہوئی ہے، لیکن یہ رسالہ زندہ رکھنے کے لائق ہے، دائرہ کے کارکنون کے ناموں کو دیکھکر رسالہ کے بقا کی امید کیجا سکتی ہے، البتہ لائق اڈیٹر سے اتنی گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین میں مبالغہ اور لفاظی کا عنصر ذرا کم کر دین، اس سے واقعی حقیقت بھی الفاظ مین گم ہو جاتی ہے، اور پڑھنے والے پر اچھا اثر نہیں پڑتا،

نشیمن، مرتبہ جناب مجنون گورکھپوری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ سے ششماہی ۱۲؎ فی پرچہ ۵؍، پتہ:- دفتر نشیمن بلاقی پور، گورکھپور،

یہ رسالہ تقریباً ایک سال سے گورکھپور سے نکلتا ہے، کئی مہینے ہوئے ہمارے پاس ریویو کے لئے آیا تھا، ہم نے اس کے کئی نمبر دیکھے، آج کل کے عام ادبی رسالوں سے بُرا نہین ہے، لیکن لائق مدیر کی نگرانی سے جس معیار کی توقع تھی، وہ اس رسالہ سے پوری نہین ہوتی، رسالہ کا دائرہ صرف ادب اور افسانے تک محدود ہے، وہ بھی بہت معمولی درجہ کے کسی کسی نمبر مین کوئی قابلِ توجہ مضمون نظر آجاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اڈیٹر کا تعلق محض برائے نام ہے، ورنہ کم از کم ادبی معیار اس سے بلند ہوتا، انکی توجہ سے یہ خامی پوری ہوسکتی ہے،

النوائط مرتبہ جناب بہاء الدین اکرمی صاحب ندوی، تقطیع بڑی، ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ عہ، ششماہی ۱ؔ؎ فی پرچہ ۳؍، پتہ:- ٹیمکر اسٹریٹ آغاخان بلڈنگ، بمبئی نمبر ۹،

جنوبی ہندوستان مین نوائط ایک اہم اور تاریخی قوم ہے، النوائط اسی کا آرگن ہے، لیکن اس کا دامن عام مسلمانوں کی خدمت کیلئے بھی وسیع ہے، جنوبی ہندوستان کو دیکھتے ہوئے غنیمت رسالہ ہے، علمی اور ادبی دونوں طرح کے مضامین ہوتے ہین، "نوائط کی تاریخ" اور "مصر کے حالات" قابلِ ذکر ہین، عام دلچسپی کے لئے ادب اور افسانے کی بھی چاشنی ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ قوم نوائط کی خدمت کیساتھ

جنوبی ہند میں اردو کی بھی خدمت انجام دے گا،

حور مرتبہ بیگم صدیق انصاری تقطیع بڑی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ سے ششماہی عہ فی پرچہ ۴ر، پتہ:- نمبر ۳ سوا کیڈمین بیا گھٹ، کلکتہ۔

یہ رسالہ آج سے اٹھارہ سال پہلے کلکتہ سے نکلتا تھا، برسوں کے بعد پھر دوبارہ نکلنا شروع ہوا ہے، اس کا مقصد عورتوں میں علمی وادبی ذوق اور ان میں مشرقی تہذیب و شائستگی پیدا کرنا، اور انھیں مغربی تہذیب سے بچانا، اور مردوں کے مقابلہ میں ان کی آزادی اور حقوق کی حفاظت ہے" مقاصد بہت اچھے ہیں، لیکن ہمارے پاس جو پرچہ ریویو کے لئے آیا ہے، اس میں ان مقاصد کا اثر بہت کم نظر آتا ہے زیادہ حصہ شعر و شاعری اور ادب لطیف کا ہے سنجیدہ اور مفید مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں، سنجیدہ شعر و ادب بُری چیز نہیں، لیکن حور کے مقاصد کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ثانوی ہونی چاہئے اصل مقصد پر غالب نہ آجانا چاہئے، ہم نے اس کا صرف ایک ہی نمبر دیکھا ہے، اسلئے پورا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ حور کی گذشتہ روایات سے امید ہے کہ اس دوسری زندگی میں بھی عورتوں کی مفید خدمت انجام دیگا'

شاد (ششماہی) مرتبہ جناب سید عبدالقیوم صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- اردو بزم ادب ضلع اسکول، رانچی،

رانچی ضلع اسکول کے طلبہ نے اردو کی ایک بزم ادب قائم کی ہے، شاد اسی کا رسالہ ہے، اسکا مقصد طلبہ میں اردو کا ذوق اور مضمون نگاری کی مشق پیدا کرنا ہے، چنانچہ اس رسالہ کے بیشتر مضامین انہی کے قلم کے ہیں، اور ان کی استعداد اور رانچی جیسے مقام کو دیکھتے ہوئے غنیمت ہیں، لیکن زبان کی صحت کے لئے کسی اچھے زباندان استاد کی نگرانی اور مضامین میں اسکی حک و اصلاح ضروری ہے، ورنہ رسالہ کا مقصد حاصل نہ ہوگا، امید ہے کہ اس رسالہ کے اجراء سے چھوٹا ناگپور میں اردو کا ذوق ترقی کریگا۔

اخبارات

مسلمان (ہفتہ میں دو بار) مرتبہ جناب نصر اللہ خان صاحب عزیز، تقطیع بڑی اخباری ضخامت ۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ سے ر ششماہی ہیر فی پرچہ ار، پتہ :- دفتر مسلمان اچھرہ لاہور،

یہ اخبار غالبًا عرصہ سے نکلتا ہے، لیکن اب اسکی ادارت نصر اللہ خان صاحب عزیز کے ہاتھوں میں آئی ہے، موصوف کا صحافتی تجربہ اور سیاسی خدمات تعارف سے مستغنی ہیں، وہ کہنہ مشق اخبار نویس، ملک و ملت کے پرانے خادم اور آزادی ہند کے سچے طلب گار ہیں، یہی مسلک اس اخبار کا بھی ہے، مذہب و ملت کے تحفظ کے ساتھ ہندوستان کی آزادی اس کا نصب العین ہے، اس لئے سیاسی مضامین و مباحث کے ساتھ اسلامی مسائل پر بھی سنجیدہ مضامین اور مفید معلومات پیش کرتا ہے، فاضل مدیر کا مسلک اور ان کی صحافتی خصوصیات اتنی متعارف ہیں، کہ اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں، اور اس کا پورا یقین ہے کہ ان کی رہنمائی میں اخبار مذکور مسلمانوں کی مفید سیاسی خدمت انجام دیگا، اسکی قدر دانی مسلمانوں کا کام ہے،

نوائے وقت (ہفتہ وار) مرتبہ جناب شبیر حسن صاحب و حمید نظامی صاحب، تقطیع اوسط اخباری، ضخامت ۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- عار عہ، فی پرچہ ار، پتہ ریلوے روڈ لاہور،

یہ ہفتہ وار اخبار کئی مہینے سے میاں بشیر احمد صاحب کی زیر سرپرستی نکل رہا ہے، ہم نے اس کے چند ابتدائی نمبر دیکھے، یہ نیم ادبی و نیم سیاسی اخبار ہے، اور مسلمانوں کی سیاست پر خیالا

اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کرتا ہے، زبان کا مسئلہ خاص طور سے اوس کا موضوعِ بحث ہے، اور اس موضوع پر اوس کے مضامین خصوصیت سے مفید اور لائق غور ہوتے ہین، سیاسی اور لسانی مباحث کے ساتھ مختلف علمی و ادبی مضامین اور متفرق مفید معلومات بھی پیش کرتا ہے، اوس کے سیاسی مسلک مین اختلاف کی گنجایش ہو سکتی ہے، لیکن ادبی اور لسانی پہلو سے یقیناً قدر دانی کا مستحق ہے،

مستقل (ہفتہ وار) مرتبہ جناب مولوی ضیاء اللہ محمد شبیث صاحب ندوی تقطیع اوسط، ضخامت:- ۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت، بہتر، قیمت سالانہ سے، پتہ:- مستقل محلہ قضیانہ جونپور،

یہ اخبار حال ہی مین چند ندوی نوجوانون کی ادارت مین مشہور تاریخی شہر جونپور سے نکلا ہے، سیاسی صحافت کے لئے بڑے تجربہ کی ضرورت ہے، اس لئے سیاسی اعتبار سے اس اخبار مین ابھی کوئی خاص بات نہین ہے، لیکن اس کی ادارت ایسے نوجوانوں کے ہاتھوں مین ہے، جو جونپور کے ایک قدیم علمی و مذہبی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہین، اور خود بھی دینی تعلیم سے آراستہ ہین، اس لئے علمی و ادبی اور عام معلومات کے اعتبار سے خاصہ اخبار ہے، اور امید ہے، کہ اس حیثیت سے وہ مشرقی اضلاع مین اچھی خدمت انجام دیگا،

اتحادِ افغان مرتبہ جناب آغا شیر احمد خان صاحب خاموش بی اے، ایل ایل بی، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶ صفحے کاغذ اچھا کتابت وطباعت معمولی قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ، پتہ:- دفتر اتحاد افغان لودیانہ، پنجاب،

ہندوستان کی تاریخ مین پٹھانون کا بہت اہم حصہ رہا ہے، اور اب بھی یہاں پٹھانون کی بڑی آبادی ہے جو دل و دماغ اور تعلیم و دولت وغیرہ کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک ہین، اس سے کئی سال پہلے اتحادِ افغان ان کی تنظیم اور انھیں ایک رشتہ مین منسلک کرنے کے لئے جاری

ہوا تھا، پھر بند ہوگیا، اب دوبارہ جاری ہوا ہے، اور پٹھانوں کی شاندار روایات اور تاریخ کو پیش کرکے پھر ان کی خصوصیات کو زندہ کرنا چاہتا ہے، اس تنظیمی مقصد کے ساتھ اس میں علم و ادب کا بھی حصہ ہوتا ہے، پٹھان ہندوستان کی مسلمان آبادی کا نہایت اہم عنصر ہیں، اس لئے ان کی تنظیم و ترقی کی ہر کوشش عام مسلمانوں کے لئے بھی فائدہ سے خالی نہیں، اور ہم اس افغانی نقیب کا پرخلوص خیر مقدم کرتے ہیں، ہندوستان کے علم دوست اور صاحب ثروت پٹھان اپنے ایک قومی اخبار کو بہت آسانی کے ساتھ چلا سکتے ہیں،

منصور گزٹ (ہفتہ وار) مرتبہ جناب منیر کرمانی، تقطیع اوسط اخباری ضخامت ۱۲ صفحے، کاغذ اکتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ ار پتہ اخبار منصور گزٹ، کانپور،

اسلام کی سطح معاشرتی نشیب و فراز سے پاک ہے، اسلامی تعلیم کے رو سے سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور اسلامی حقوق و فرائض میں برابر ہیں، لیکن ہندوستان میں کچھ پیشوں کی تقسیم کچھ ہندی تہذیب کے اثر سے مختلف طبقوں میں بٹ گئے ہیں، اور ان میں اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز قائم ہوگیا ہے، خوشی کا مقام ہے، کہ اب پیشہ ور طبقوں میں اپنی تنظیم کے ذریعہ اسلامی مساوات سے متمتع ہونے کا احساس پیدا ہوگیا ہے، منصور گزٹ اسی مقصد سے نکلا ہے، مسلمانوں کو ہر ایسی کوشش خندہ پیشانی سے قبول کرنی چاہئے، لیکن اوس کا مقصد اپنی تنظیم اور اپنے حقوق کا تحفظ ہونا چاہئے، نہ کہ مسلمانوں میں تفریق و اختلاف جیسا کہ اس قبیل کی اکثر کوششوں میں نظر آتا ہے، لیکن ہم کو خوشی ہے، کہ منصور گزٹ کے جتنے نمبر ہم نے دیکھے، وہ اس جذبہ سے پاک نظر آئے، یہ اخبار منصور کی ترجمانی و تنظیم کے ساتھ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید معلومات فراہم کرتا ہے،

(م)

مطبوعات جدیدہ

تحفہ ربیع الاول مرتبہ جناب ابو ظفر محمد بدرالدین خان صاحب سب رجسٹرار تقطیع
چھوٹی ضخامت ۱۳۰ صفحے کاغذ کتابت معمولی قیمت عہ پتہ دلسنگ سرائے ضلع دربھنگہ صوبہ بہار

میلاد نبوی کی مجلسوں میں پڑھنے کے لئے مؤلف نے سیرت کی مطول کتابوں سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے اس میں سیرت نبوی کے واقعات کے ساتھ بعثت نبوی کے اسباب و نتائج، قدیم صحیفوں سے بعثت نبوی کی پیشین گوئی، حیات طیبہ کے علمی و اخلاقی اسوۂ حسنہ، اسلام کی تعلیمات کا فلسفہ اور انکی برتری، عملی زندگی سے اوسکے تعلق، انسانی زندگی کیلئے اسکی ضرورت اور معجزات وغیرہ سیرت اور اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہے، اور انھیں دنیا کے سامنے نظام عمل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جابجا یورپین مصنفین کے تائیدی بیانات بھی ہین، تعدد ازدواج، غلامی اور تقدیر وغیرہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، ان کے جوابات دیئے ہین، اور آخر مین یورپ پر اسلامی تعلیم کے اثرات دکھائے گئے ہین، کتاب بڑی عقیدت اور اسلام کی محبت مین لکھی گئی ہے لیکن کہین کہین غلط روایتیں بھی شامل ہوگئی ہین، حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت ابراہیم سے امہات المومنین کے رشک و رقابت کو ایلا کا سبب قرار دینا غلط ہے، بعض باتیں مؤلف کے قلم سے ایسی نکل گئی ہین، کہ انھیں دیکھکر تعجب ہوتا ہے، مثلاً آنحضرت صلعم کی تاریخیت کی بحث مین ہے کہ "حضرت ابراہیمؑ کی سیرت تو درکنار ان کی شخصیت تک کا کوئی پتہ نہیں چلتا ص ۲۶) مؤلف کے قلم سے غالباً شدت غلو مین بے سمجھے بوجھے یہ فقرہ نکل گیا، حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت مین اشتباہ سارے اسرائیلی انبیاء و رسل، بلکہ خود آنحضرت صلعم قرآن اور اسلام کا

انکار ہے، ان کے ذکر سے کون الہامی صحیفہ خالی ہے، خود قرآن مین بیسیون مقام پر ان کا ذکر ہے، بانی کعبہ کون تھا، ملت ابراہیمی کیا ہے؟ خود اسلام کس مذہب کی تکمیل ہے؟ رسول اللہ صلعم کس کی نسل سے تھے، زبان، املا اور کتابت کی غلطیان صفحہ صفحہ پر ہیں، بعض بعض موٹی موٹی غلطیان یہ ہین "غور خوذ" بینا، (معنی) "عالی نصب" پیرو کے بجائے پیرو کار، "آل اسمٰعیل" کے بجائے خاندان اسمٰعیلیہ "نازرخیز (بنجر) کنذان (کندہ) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کا ترجمہ "اپنے رب کا گیت گاؤ" "آنحضرت صلعم کی وفات کے ذکر مین اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی یا بل الرفیق الاعلیٰ کے بجاے الرفیق الاعلیٰ من الجنۃ اس سلسلہ مین فرشتہ سے غائبانہ گفتگو کا واقعہ بھی بالکل بے بنیاد ہے، میلاد کے جو مراسم لکھے ہین وہ بھی مولف کا ذاتی خیال ہے،

اردو رسم الخط، از جناب محمد سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن،
تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، مولف سے ملے گی،

اردو کے بہت سے نسخ و نستعلیق ٹائپ رائج ہین لیکن اردو کا رسم الخط اتنا پیچیدہ ہے، کہ ناواقفون کے لئے اس کے سیکھنے اوس کے ٹائپ بنانے اور اوس کو کمپوز کرنے مین بڑی دشواری پیش آتی ہے، اس لئے ایک سادہ اور آسان رسم الخط کا مسئلہ عرصہ سے ہی خواہان اردو کے پیش نظر ہے اس سلسلہ مین عثمانیہ ٹریننگ کالج کے خطاط شیخ حسین صاحب نے اردو ٹائپ کا ایک نمونہ بنایا ہے، فاضل مرتب نے اس رسالہ مین رسم الخط کی ایجاد عربی اور فارسی رسم الخط کی تاریخ، اس کے عہد بعہد کے تغیرات و ترقیون اور اوس کے مختلف اقسام کو بیان کرکے ان کے نمونے دکھائے ہین، اور موجودہ رسم الخط کی پیچیدگیون اور گوناگون دشواریون کو دکھا کر شیخ حسین صاحب کے ایجاد کردہ رسم الخط کا نمونہ پیش کیا ہے، اور اسکی سہولتیں اور آسانیان دکھائی ہین، ہم نے اس خط کو غور و تامل سے دیکھا، اس مین شبہہ نہیں، کہ اوس کے جوڑ بند بہت کم ہین، موجودہ رسم الخط سے بے گانہ اور بے تعلق

بھی نہیں ہے، حروف کے وصل و ترکیب مین بہت سے حروف کی تقریباً اصلی شکل قائم رہتی ہے، ارتفاع مین جگہ کم گھیرتا ہے، کرسی بھی ہموار ہے لیکن پھر بھی اس سے پیچیدگی کا پورا حل نہیں ہوتا، ارتفاع مین جگہ کم گھیرتا ہے، لیکن طول مین زیادہ گھیرتا ہے، اور حسن خط سے بالکل عاری ہے، اس لئے نگاہون کو بُرا معلوم ہوتا ہے لیکن بہر حال رسم الخط کی دشواری کو حل کرنے کے لئے کسی نہ کسی حد تک نقائص کو انگیز کرنا ناگزیر ہے، کہ اسی سے آیندہ ترقی کا راستہ کھلتا ہے، اس لئے یہ نمونہ اپنے نقائص کے باوجود لائق غور ہے،

جدید جغرافیہ پنجاب مصنفہ جناب سندباد جہازی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ :- اردو اکیڈمی لوہاری دروازہ لاہور

جناب چراغ حسن صاحب حسرت المعروف بہ سندباد جہازی کی طنز نگاری پہلے سے مسلّم ہے، پنجاب کا یہ جغرافیہ لکھ کر انھون نے طنز نگاری کا ایک نیا نمونہ پیش کیا ہے، اس مین جغرافیہ کی زبان اور اسکی اصطلاحون مین پنجاب کے مختلف طبقون، جماعتون، مجلسون اور تحریکون کانگریس، مسلم لیگ، ہندو سبھا، احراری، اشتراکی، حکومت کے عمال، امرا، اعیان، اڈیٹرون، لیڈرون، اخبارون، ہندو مسلم اور سکھ وغیرہ ہر جماعت اور ہر طبقہ اور ان کے اکابر اور رہنماؤن کے حالات، خصوصیات، اعمال سیاست اور ماضی و حال، بلکہ مستقبل پر بھی نہایت دلچسپ اور عموماً صحیح تنقید کی ہے، بلکہ جغرافیہ کی زبان مین "چوھدری" بیان کی ہے، جس سے ان کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، اس لئے یہ کتاب محض سامان تفریح نہیں، بلکہ بہتوں کے لئے سامان بصیرت بھی ہے، طرز بیان اتنا اچھوتا ہے، کہ اس سے ہر شخص لطف اٹھا سکتا ہے، خصوصاً جن لوگوں کو پنجاب کے حالات سے پوری واقفیت ہے، ان کے لئے تو یہ کتاب بہت ہی دلچسپ ہے، اس کے لطف کا اندازہ پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے، ہم جناب مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، اس سے اردو مین ایک نئے

اور دلچسپ طنزیہ اسلوب کا اضافہ ہوا،

نازو اور دوسرے افسانے از جناب اختر انصاری بی اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ کتابت طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:۔ مکتبہ جہان نما اردو بازار دہلی

یہ کتاب جناب اختر انصاری کے چودہ افسانوں کا مجموعہ ہے، اس میں حسن وعشق کے دلکش افسانے، ہماری معاشرت کے سبق آموز قصے، اور درد والم اور فرحت وانبساط کی سچی تصویریں مختلف رنگ کے ستھرے افسانے ہیں، اور کسی میں مذاق سلیم کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا ہے، تمام افسانے ابتذال ورکاکت سے پاک اور تخیل، پاکیزگی لطف زبان اور مصنف کی دوسری ادبی خصوصیات کا نمونہ ہیں سب افسانے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں "زبیدہ" "میرے بچوں کی قسمت" "وہ کہاں ہے" "کسی کی کہانی چاند کی زبانی" "زینت" اور "غم نصیب" خاص طور سے ہمیں پسند آئے،

رہنمائے تاریخ اردو، مؤلفہ جناب حاجی محمد عبد القادر صاحب تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؍ ، پتہ حاجی عبد القادر صاحب رٹائرڈ وکیل بنارس،

تاریخ گوئی شاعری کی ایک مشکل صنف ہے، معمولی تاریخ کہنا بہت آسان لیکن اچھی تاریخ نکالنا بہت مشکل ہے، تاریخوں تذکروں اور دواوین میں اکابر کی وفات اور مختلف واقعات وحوادث کی سیکڑوں تاریخیں بکھری ہوئی ہیں، لائق مرتب نے اس کتاب میں فن تاریخ گوئی کے اصول وقواعد، اور اس کے اقسام کو مثالوں سے سمجھایا ہے، اور مختلف واقعات اور ہر دور کے سینتالیس شعرا اور اکابر کے مختصر حالات اور ان کی تاریخہائے وفات کو جمع کر دیا ہے، اس لئے یہ کتاب مختصر تذکرہ بھی ہے، اور فن تاریخ گوئی کی کتاب بھی، جن لوگوں کو اس سے دلچسپی ہو ان کیلئے اس میں بہت سی مفید اور کارآمد باتیں ہیں،

"م"

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا. جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۴۴ صفحے قیمت: ۱۲ر

مختصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا سید ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں، ضخامت ... ۲ صفحے، قیمت: عہ

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں،

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، جس کی زبان بچوں کے لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں، قیمت: عہ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں؛ ضخامت ۶۷ صفحے، قیمت ۱۲ر

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلامی جلد اول، اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ: مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۰ قیمت [illegible]

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین) یہ سلاطین کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اول سے [illegible] تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اور دوسرے میں [illegible] ترکی حکومت کی [illegible] تاریخ [illegible] حجم [illegible] قیمت [illegible]

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بچوں، طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بہنوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر، سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی پیچیدگی اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو اور پھر بیان مستند واقعات ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں پڑھنے والے بچوں کے دارالاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں [illegible] ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں اس کا ایک نسخہ [illegible] اس کی خریداری سے [illegible] ثواب بھی حاصل ہوگا

قیمت فی نسخہ [illegible] لیکن [illegible] ایک روپیہ فی نسخہ

قیمت [illegible] فی نسخہ [illegible] ہوگی

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ کشمکش [illegible] کے ساتھ [illegible] دنیا کے مسلمان [illegible] مسلمانوں کی [illegible] کے علاوہ [illegible] دوسرے حصوں اور ملکوں [illegible] اس حصہ کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر [illegible] عراق، کویت، فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں [illegible] چینی مسلمان [illegible] صاحب [illegible] مسلمان [illegible] سیاسی [illegible] ہندوستانی زبان میں [illegible] ۳۳۶ [illegible] قیمت [illegible]

[illegible] مطبع [illegible] المصنفین [illegible]

[illegible]

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ — مارچ سنہ ۱۹۴۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتّبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، قیمت: عہ ر و ۴۴۴ صفحے

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفائے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ ر ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فنِ انشاء اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت: للعہ ر ۴۸۷ صفحے.

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سے ر ۳۹۰ صفحے.

تاریخ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ ر ۵۸۰ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل سوانح حیات، ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ ر ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۷ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۱ء عدد ۳

مضامین

۱

شذرات

مسلمانون کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ ترکی کی موجودہ حکومت اپنی پچھلی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تیار ہو رہی ہے، مشہور روسی ترکی عالم علامہ موسیٰ جار اللہ جو کئی سال ہندوستان مین رہ کر ایک اسلامی مقصد سے جاپان گئے تھے، وہان سے وہ اب واپس آکر ترکی روانہ ہوگئے ہین ایک دوست کے ذریعہ سے انکا ایک خط آیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ سالہا سال سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے، کہ ان کو ترکی حکومت کے کسی مرکزی شہر مین ایک خالص مذہبی عربی درسگاہ کے قیام کی اجازت دیجائے، اب ترکی حکومت نے ان کی اس تجویز کو مان لیا ہے، اور اجازت دیدی ہے کہ وہ اسکے حدودِ سلطنت مین جہان چاہین اپنی مجوزہ مذہبی درسگاہ قائم کرین بلکہ سلطنتِ مذکور اوس کے مصارف ادا کرنے کو بھی تیار ہے، لیکن علامہ ممدوح اوسکو سرکاری مدرسہ بنانے کے بجاے قومی مدرسہ بنانا زیادہ موزون سمجھتے ہین،

انہی کے خط سے یکبیک ایک حقیقت جو اوجھل سی ہو رہی تھی، نظر کے سامنے آگئی، ترکی و تاتاری نسل، جس کے مسلمان بادشاہون اور عالمون نے تقریباً چھ سو برس تک اسلام کے سیاسی وعلمی خدمات انجام دیے تھے، اس دور مین خدمتِ دین، بلکہ خود دین سے اتنی دور ہوگئی کہ کاشغر سے لیکر کریمیا اور قازان تک سارا علاقہ جو اسلام کا معدن تھا، بالشویک اثر اور حکومت کے ماتحت ہو کر ہر قسم کی علمی وعملی و مذہبی تحریک سے خالی ہو گیا ہے، عثمانی ترک بھی اپنے نئے دورِ انقلاب مین اس سے اتنے ہی کورے ہوگئے، اور اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ ترک و تاتار کی پوری نسل جس کی تعداد دس کروڑ سے کم نہ ہوگی، سلسلۂ محمدی سے بیگانہ سی ہو رہی ہے،

اس حالت مین اس نئی مذہبی درسگاہ کا قیام نہ صرف ٹرکی کیلئے بلکہ ساری ترکی و تاتاری نسل مین دوبارہ پیغام محمدی کے احیار کیلئے ہوگا، اور عجب نہین کہ آیندہ چل کر وہ کسی عظیم الشان اسلامی تحریک کا مرکز بن جائے وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز،

علامہ ممدوح اپنی اس تجویز کے مطابق ٹرکی روانہ ہوگئے ہین، اور ہندوستان کے مسلمانون کیلئے اپنی ایک درخواست چھوڑ گئے ہین جسمین وہ فرماتے ہین کہ اسلامی دنیا مین ہندوستان کے مسلمانون کو جو اہمیت حاصل ہے اور اسلامی تحریکات سے انکو جو دلچسپی ہے اسکی بنا پر ان سے یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ وہ اس تجویز سے پوری دلچسپی لین گے، اور ان سے وہ صرف یہ امداد چاہتے ہین، کہ مجوزہ درسگاہ کے اسلامی کتب خانہ کے لئے ہندوستانی مطبوعات فراہم کردین، اور خصوصیت کے ساتھ انھون نے دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی مطبوعات کی خواہش کی ہے، ہم نے انھین امید دلائی ہے کہ انشاء اللہ ہندوستان اور دکن کے مسلمان اس فرض کے ادا کرنے مین پیچھے نہین رہین گے، انشاءاللہ تعالیٰ،

ندوۃ العلما، کی تحریک کو ہندوستان مین دوبارہ زندہ کرنے کیلئے ہم کئی مہینون سے غور کر رہے تھے، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ ہندوستان مین اسوقت جس قسم کے اختلافات پیدا ہین اور دینی تحریک سے جس درجہ قوم کے نوجوانون مین تغافل بلکہ بیگانگی پھیل رہی ہے اسکو روکنے اور اسلام کے نام کو بلند کرنیکے لئے دوبارہ حضرات علما کو ہر قسم کے سیاسی اختلافات کے باوجود دینی خدمت کے ایک متحدہ پلیٹ فارم پر مجتمع ہونیکی دعوت دیجائے اور یہ سوچا جائے کہ موجودہ مذہبی اقتصادی و سیاسی انتشار فکر کی حالت مین مسلمان نوجوانون کو اسلامی تعلیم سے کیونکر مانوس کیا جائے،

اس سلسلہ مین ہم نے بہت سے علما، اور زعمار سے زبانی اور تحریری گفتگو کی ہے اور ہم کو یہ معلوم

ہو کر تسلی ہوئی کہ وہ سب اس مقصد سے پوری طرح متفق ہین، ہمارے پچھلے چند سال ہماری قومی تاریخ کے سب سے سیاہ اوراق ہین جن مین ہمارے تغافل، تکاسل پست ہمتی، انتشار فکر اور اختلافات کے سوا کچھ اور لکھا نہین اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی خانہ جنگی کے افسوسناک نیتجوں کو پوری طرح سمجھین اور اپنے بعض اختلافات کو اگر وہ نہ مٹ سکین تو ان کو اپنی جگہ محدود رکھکر ہم سب اسلامی خدمت کے مقصد پر متفق ہو جائین،

دارالعلوم ندوۃ العلماء مین چھوٹے بچون کے بورڈنگ کی تعمیر کے لئے "رحمت عالم" کی خریداری کی تجویز کے ذریعہ جو کوشش کی گئی تھی، بحمد اللہ کہ وہ پوری طرح کامیاب ہوئی، اور اس وقت تک تین ہزار روپیے نقد اس سلسلہ مین جمع ہو چکے ہین، اور امید ہے کہ پانچہزار پورے ہو جانے پر ایک دو مہینہ کے اندر اندر اسکی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا، جو اصحاب یون بھی اس کار خیر مین شریک ہونا چاہتے ہین، وہ بخوشی شریک ہو سکتے ہین،

بعض گھڑی کی تحریکین عجیب طرح سے کامیاب ہوتی ہین، رحمتِ عالم کے ہندی ترجمہ کی جو تحریک ایک دوست نے شروع کی تھی، وہ پچھلے پرچہ مین شائع ہی ہوئی تھی، کہ اہلِ خیر نے مسابقت الی الخیر کی، صرف تین آدمیون نے مل کر اس کی مالی مشکل کو حل فرما دیا، حیدر آباد کے بعد اس کیلئے علی گڈہ کے ایک ذوالریاستین صاحب علم نے حسب معمول سبقت فرمائی، آخری حصہ کی رقم پروفیسر سید الطاف کریم صاحب نے رانچی سے بھیجدی ہے، ترجمہ کا کام مولوی محفوظ الرحمان صاحب نگرامی نے جو ہندی کے اچھے ادیب ہین، شروع کر دیا ہے،

۱

مقالات

مولانا سجاد کی یاد

مرنا اور جینا دنیا کے روزانہ کے کاروبار ہیں، کون نہیں مرا، اور کون نہیں مریگا، آج وہ کل ہماری
ی ہے، اس پر بھی عزیزوں اور دوستوں کی موت پر رونے والے روتے ہیں، ان کے دائمی فراق پہ
اتم اور فریاد کرتے ہیں، ان کی ایک ایک خوبی کو یاد کر کر کے ان کا نوحہ پڑھتے ہیں، عام حالت یہی
ہے لیکن بعض موتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، کہ ان کی خبر سن کر زبان بند ہو جاتی ہے، آنسو سوکھ جاتے ہیں،
دل کی حرکت بڑھ جانے کے بجائے گھٹ جاتی ہے، اندر ہی اندر گھٹن محسوس ہوتی ہے، مگر جی نہیں چاہتا
کہ کچھ بول کر دل کی بھڑاس نکالئے، اور آنسو بہا کر غم ہلکا کیجئے، مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم کے سانحہ
کا مجھ پر بالکل یہی اثر ہوا، دن بیت گئے، ہفتے گذر گئے، مہینے ختم ہو گئے، مگر زبان نہ کھلی، اور
دل کی امانت قلم کے سپرد نہ ہو سکی، عزیزوں اور دوستوں کو تعجب ہے کہ میرا قلم جو احباب کے سوگ
مین ہمیشہ اشک ریز رہتا ہے، اس پہلی دفعہ وہ اپنے فرض کو کیوں بھولا ہے، مگر یہ کیسے بتاؤں کہ اس
ناگہانی اور غیر متوقع غم سے مجھے کیوں چپ سی لگ گئی، ہر چند زبان خاموش تھی، لیکن کئی دن تک سوتے
جاگتے مرحوم کی صورت آنکھوں میں پھرتی، اور خواب میں نظر آتی رہی، تدمع العین ویحزن القلب و
لا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک لمحزونون۔

اکثر اکابر او مشاہیر کی ملاقاتیں خاص حالات کی بنا پر یاد رہتی ہیں اور یہ بھی یاد رہتا ہے کہ یہ ملاقاتیں کب ہوئیں، کہاں

ہوئیں اور کیسے ہوئیں لیکن اگر محبت کا عہد یاد کی عمر سے زیادہ ہو تو اوس کو ازلی ملاقات کہہ سکتے ہین کالارواح جنود مجندۃ فما ائتلفت منہا ائتلفت وما اختلفت منہا اختلفت اسی اصول کی بنا پر مجھے یاد نہین کہ دنیا مین میری ان کی ملاقات کب ہوئی، کہان ہوئی، اور کیونکر ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرب مکانی اتحاد زمانی، اور شدتِ ہم ذوقی کی بنا پر ہم ایک دوسرے سے اتنے آشنا تھے کہ پہلی ملاقات مین دید وشنید کوئی نیا اضافہ نہ کرسکی،

اس آخری زمانہ میں دو سال مین ایک دفعہ میرے ایام قیام وطن مین کوئی نہ کوئی کام نکال کر وہ ضرور تشریف لاتے، اور میری عزت بڑھاتے، اوران کے ملنے والون مین کون تھا جس کی عزت اپنی محبت سے وہ نہیں بڑھاتے تھے، ان کی تواضع مین بلندی، سادگی مین بناؤ، اور خاموشی مین گویائی تھی، وہ اکیلے تھے لیکن لشکر تھے، پیادہ تھے، مگر برق رفتار تھے، وہ قال نہ تھے، سراپا حال تھے، کہنا کم کرتے زیادہ تھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ "راہ" اور "منزل" کے فرق کو کبھی فراموش نہیں کیا، اونھون نے راہ میں ہمراہیوں کے لطفِ کلام مین پھنسکر منزل سے ہٹنا کبھی گوارا نہیں کیا، وہ وطن کی آزادی اور احکامِ مذہبی کی پیروی کے درمیان التباس اور تصادم سے کبھی بے خبر نہیں رہے جذبۂ آزادی کی پوری قوت کے باوجود انھون نے کانگریس یا کانگریسی حکومت کے غلط قدم اٹھانے کبھی بزدلانہ یا صلح پسندانہ درگذر سے کام نہیں لیا، مرحوم کی زندگی کے سوانح لکھنے والے لکھین گے، مگر عقیدت کی یہ چند سطرین اون کے دیرینہ نیازمند کی طرف سے یادگار اوراق رہین تو محسن کے شکریہ کا بار کے کندھے سے کم ہو،

وطن | صوبہ بہار مین قصبۂ بہار اور گیا کے درمیان کا علاقہ ہندوؤن کے عہد مین بودھون اور جینیون کی یادگارون سے بھرا ہوا ہے، اسی راستہ مین قصبۂ بہار سے چند میل آگے بڑھ کر بودھون کی مشہور درسگاہ نالندہ کے آثار اور کھنڈر رہین، اسی سے ملا ہوا پنہسا نام مسلمانون کا ایک گاؤن ہے، جہان سادات کے

کچھ گھرانے آباد ہین انہی مین سے ایک گھر میں مولانا سجاد کی ولادت ہوئی،

تعلیم و تربیت | تیرہوین صدی کے شروع مین صوبہ بہار مین مولانا وحید الحق صاحب استھانوی بہاری کے دم قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی، قصبۂ بہار مین انھون نے مدرسۂ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور بہت سے عزیزون کی تربیت کی، ان میں سے ایک مولینا محمد سجاد بھی تھے، عربی کی ابتدائی تعلیم انہی کے زیر سایہ ہوئی، اور ان کی پہلی شادی بھی اونہی کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی، آخری تعلیم الہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ مین مولینا عبد الکافی صاحب الہ آبادی کے درس میں ہوئی، اور وہین ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۲۲ھ تک رہ کر سند فراغ حاصل کی،

ابتدائی کام | تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسی کی خدمت انجام دی، اس عرصہ مین کبھی وہ مدرسۂ اسلامیہ بہار مین رہے، اور کبھی مدرسۂ سبحانیہ الہ آباد مین، ۱۳۲۹ھ تک یعنی سات برس تک وہ اس فرض کو انجام دیتے رہے، ۱۳۲۹ھ مین گیا مین مدرسۂ انوار العلوم کی بنیاد ڈالی، مولانا عبد الوہاب منطقی بہاری بھی شریک کار تھے، یہ بات مجھے یون یاد رہی کہ شاید ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء تھا، کہ مدرسۂ مذکور کے ایک جلسۂ سالانہ مین مولانا عبد الوہاب صاحب کی دعوت پر مولانا شبلی نعمانی مرحوم اور مولینا عبد الحق صاحب حقانی دہلوی مرحوم شریک جلسہ ہوئے تھے اور تقریریں کی تھین،

مولانا سجاد صاحب مدرسۂ انوار العلوم کا یہ جلسہ سال بسال کیا کرتے تھے، اور اس مین علماء کو بلاتے تھے، اور ان سے تقریرین کراتے تھے، میرا خیال ہے کہ اکثر علماء سے ان کی ملاقاتوں کا آغاز انہی جلسون مین ہوا، مجھے بھی ایک دو دفعہ ان جلسون میں حاضری کا اتفاق ہوا،

سیاسیات کا ذوق | ان کو سیاسیات کا ذوق جنگ عظیم میں ٹرکی کی شکست، اور ممالک اسلامیہ کی پراگندگی سے ہوا، وہ اوس وقت الہ آباد مین تھے، ان کے ایک انگریزی دان شاگرد ان سے عربی پڑھنے آتے تھے، وہ اپنے ساتھ اردو اور انگریزی اخبارات لاتے تھے، اور مولانا کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے، یہ

آگ روز بروز بھڑکتی چلی گئی، مولانا ابوالکلام کے الہلال کی تحریک نے بنگال کے قرب کے سبب بہار پر پورا اثر کیا تھا، اور بہت سے علماء نے ان کی اس تحریک پر لبیک کہا، ان مین سے مولانا سجاد کا نام بھی لیا جا سکتا ہے،

رانچی کی اسیری کے زمانہ مین مولانا ابوالکلام نے ہم خیال وکارفرما علماء کی تلاش وتفتیش کا کام ایک مخلص کے سپرد کیا تھا، اونھون نے جن علماء کا نشان دیا، ان مین سے ایک مولانا سجاد بھی تھے، جو جو اس وقت انوار العلوم گیا کی مسند درس پر تھے،

۱۹۱۹ء سے تحریک خلافت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مولانا کا ذوق سیاست بھی بڑھتا گیا، ۱۹۲۰ء مین مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل کی تحریک اور مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم کی تائید سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت مین جب جمعیۃ العلماء دہلی کی بنیاد پڑی، تو موصوف اوس کے لبیک کہنے والون مین سب سے اول تھے، اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا، کہ اون کے کتنے رفیق سفر تھک تھک کر اپنی جگہ پر بیٹھ رہے تھے، مگر اُنہی کی ایک ہستی تھی جو آخر تک جمعیۃ کے ساتھ لگی رہی، بلکہ یہ کہنا چاہئے، کہ انہی کی روح تھی جو اوس کے قالب مین جلوہ گر ہوتی رہی،

بہار مین امارت شرعیہ کا قیام ان کی سب سے بڑی کرامت ہے، زمین شور مین سنبل پیدا کرنا، بنجر علاقہ مین لہلہاتی کھیتی کھڑی کر لینا ہر ایک کا کام نہین،

۱۹۱۸ء مین معارف مین اس تحریک کو اٹھایا گیا، اور اصلاحات کے سلسلہ مین اوس کو پیش کیا گیا، پھر ۱۹۲۰ء مین یورپ سے واپسی کے بعد چاہا، کہ اوس کو تمام ہندوستان کا مسئلہ بنایا جائے، مگر اُس عہد کے جدید تعلیم یافتہ علمبردارون نے اوس کو کسی طرح چلنے نہ دیا، مگر بہار مین مولانا سجاد صاحب کی قوت نے اوس کو وجود کا قالب بخش دیا،

مولانا سجاد مرحوم کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ علماء سیاسیات مین بھی قوم کی رہبری کا

فرض انجام دین، مسلمانون مین دینی تنظیم قائم ہوجائے جس کے تحت مین ان کے تمام تبلیغی و مذہبی تعلیمی و تمدنی کام انجام پائین، دارالقضا قائم ہو کر مسلمانون کے ہر قسم کے مقدمات و معاملات تصفیہ پائین، مسلمانون کا بیت المال قائم ہو جائے جہان مسلمانون کے صدقات و مبرات و زکوٰۃ کی ساری رقمین اکٹھی ہو کر ضروریات مین خرچ ہون، اور مستحقین مین تقسیم ہون، مولانا نے عمر کے اخیر بیس برس انہی کامون مین صرف کئے، اور حق یہ ہے کہ انھون نے ہر قسم کی مالی بے بضاعتی، مددگارون کی کمی، رفقاء کی نامساعدت اور حالات کی مخالفت کے باوجود جو کچھ کر دکھایا، وہ ان کی حیرت انگیز قوتِ عمل کا ثبوت، اور اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص ہے،

بہار کی تنہا دولت اون کا وجود گو سارے ملک کے لئے پیامِ رحمت تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ صوبہ بہار کی تنہا دولت وہی تھے، اس صوبہ مین جو کچھ تبلیغی، تنظیمی، سیاسی اور مذہبی تحریکات کی چہل پہل تھی، وہ کل انہی کی ذات سے تھی، وہی ایک چراغ تھا، جس سے یہ سارا گھر روشن تھا، وہ وطن کی جان اور بہار کی روح تھے، وہ کیا مرے کہ بہار مرگیا،

مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

علم و فضل فلسفہ تاریخ کے ماہر کہتے ہیں، کہ علم اور عمل کم یکجا ہوتے ہین، لیکن انہی کمیاب مثالون مین مولانا سجاد کی ذات تھی، وہ اپنے وقت کے بڑے مشاق مدرس اور حاضرالعلم عالم تھے، خصوصیت کے ساتھ معقولات اور فقہ پر اون کی نظر بہت وسیع تھی، جزئیات فقہ اور خصوصًا ان کا وہ حصہ جو معاملات سے متعلق ہے، ان کی نظر مین تھا، امارتِ شرعیہ کے تعلق سے اقتصادی و مالی و سیاسی مسائل پر ان کو عبور کامل تھا، زکوٰۃ و خراج و قضا و امامت و ولایت کے مسائل کی پوری تحقیق فرمائی تھی، ہر چند کہ سالہا سال سے درس و تدریس و مطالعہ کا اتفاق نہین ہوا تھا، مگر جب گفتگو کی گئی، ان کا علم تازہ نظر آیا،

فہم ورائے | ان کا علم محض کتابی نہ تھا، بلکہ آفاقی بھی تھا، معاملات کو خوب سمجھتے تھے، ان کو بار بڑے بڑے معاملات اور مقدمات مین ثالث بنتے ہوے دیکھا ہے، اور تعجب ہوا ہے کہ کیونکر فریقین کو اپنے فیصلہ پر راضی کرلیتے تھے، اور اسی لئے لوگ اپنے بڑے بڑے کام بے تکلف ان کے ہاتھ مین دیتے تھے، کیونکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عطیہ فکر رسا اور رائے صائب تھی، مسائل اور حوادث مین ان کی نظر بہت دور دور پہنچ جاتی تھی، وہ ہر گتھی کو نہایت آسانی سے سلجھا دیتے تھے، حریف کی چالوں کی تہ تک پہونچ جاتے تھے، باوجود تواضع اور خاکساری کے اپنی رائے پر پوری قوت کے ساتھ جمتے تھے، اور محض ہٹ اور ضد سے نہیں بلکہ دلائل کی قوت اور مصالح کی طاقت سے وہ دوسرون کو منوانے مین کامیاب ہوجاتے تھے،

اخلاق | وہ بیحد خاکسار اور متواضع تھے، کبھی کوئی اچھا کپڑا انھون نے نہیں پہنا، کبھی کوئی قیمتی چیز ان کے پاس نہیں دیکھی، کھدر کا صافہ، کھدر کا لمبا کرتہ، کھدر کی صدری، پاؤن مین معمولی دیسی جوتے، اور ہاتھ مین ایک لمبا عصا، یہ انکی وضع تھی، مگر اپنی اس سادہ اور معمولی وضع کے ساتھ، بڑے بڑے لیڈرون اور بڑے بڑے مجمعون مین بے تکلف جاتے تھے، اور اپنا لوہا منواتے تھے، جوہر پہچاننے والے بھی تلوار کی کاٹ دیکھتے، غلاف کی خوبصورتی نہین،

ہر شخص کی مصیبت مین ہر وقت کام آتے تھے، اور ہر ایک کی سفارش مین ہر وقت سینہ سپر ہوجاتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جاہ و مرتبہ بھی عنایت فرمایا، انھون نے خود اپنی پارٹی کی وزارت بھی بنائی، اور بادشاہ گر نہیں تو وزیر گر ضرور تھے، کانگریسی حکومت کے زمانہ مین بھی ان کو اچھا اقتدار حاصل رہا، مگر خدا گواہ کہ اس اثر و اقتدار کو اپنی ذات کے لئے کبھی کام مین نہین لائے، جو کچھ کیا وہ مسلمانون کے لئے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، غربت اور عسرت کی زندگی تھی، گھر کے خوشحال نہ تھے، امارات سے معاوضہ بہت قلیل لیتے تھے، سفر معمولی سواریون اور معمولی درجون مین کرتے تھے، اور اسی

حال مین پورب سے پچھم اور پچھم سے پورب اور اتر سے دکھن اور دکھن سے اتر دوڑتے رہتے تھے، ان کا دن کہین گذرتا تھا، اور رات کہین، مسلمانون کی سلامتی اور تنظیم کی ایک دھن تھی، کہ ان کو دن رات چکر مین رکھتی تھی، کہیں قربانی کا جھگڑا ہو، مسلمانون پر مقدمہ ہو، کہیں سیلاب آئے، کہین آگ لگے، کہین ہندو مسلمان کا تنازعہ ہو، وہ ہر جگہ خود پہونچ جاتے تھے، معاملہ کا پتہ لگاتے تھے، مظلومون کی مدد کرتے تھے، ان کے لئے چندہ کرتے تھے، جہان سے ہوسکتا وہ ان کو لا کر دیتے تھے، اور خود خالی ہاتھ رہتے تھے،

بہار مین زلزلہ کے زمانہ مین اونھون نے جس تندہی سے کام کیا اور ایک ایک گاؤن مین جا کر جس طرح بے گھرون اور بے خانمانون کو مدد دی، وہ ان کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے جس کا صلہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے ان کو عنایت فرمایا ہوگا،

لیڈرون اور قومی کارکنون کے پاس عام طور سے ان کے اثر کے ذریعے تین ہین، یا دولت ہے یا حسنِ تقریر ہے یا زورِ قلم ہے، مرحوم ان تینون سے محروم تھے، وہ غریب تھے، اور غریبون ہی مین زندگی بسر کی، زبان مین لکنت تھی، جس سے وہ بولنے پر قادر نہ تھے، اور اسی لئے تقریر بہت کم کرتے تھے، اور ان کے قلم مین وہ زور بھی نہ تھا جو آج کل کی انشا پردازی کا کمال ہے، تاہم ان سب کا بدل ان کے پاس ان کا ایک اخلاص تھا، جو ان کی ہر کمی کو پورا کر دیتا تھا، عجب نہین کہ زبان اور قلم کا عجز ہی تھا جو ان کی قوتِ عمل کی صورت مین ظاہر ہوا،

جمعیۃ العلما کے اجلاس کلکتہ کے خطبہ مین میرے قلم سے ان کی نسبت یہ الفاظ نکلے تھے جو پہلے مدح تھی، اب مرثیہ ہے :-

سنہ ۱۳۴۴ھ کے اجلاس خاص مراد آباد کے موقع پر بھی مجھے یہ عزت عطا ہوئی تھی، مگر مین وقت پر وفدِ جدہ کی شرکت نے انکار پر مجبور کیا، اور مین خوش ہون کہ اس کے

بدولت ایک خاموش ہستی بولی، ایک بے زبان نے زبان کے جوہر دکھائے، اور ایک ہمہ تن سوز و گداز نے کاغذ کے صفحوں پر اپنے دل کے ٹکڑے بکھیرے"۔

یہ بھی مولانا ہی کی قوتِ جاذبہ تھی، جو مختلف الخیال علما، اور مختلف الرائے سیاسی رہنماؤن اور قومی کارکنون کو ایک ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کئے، اور ایک شیرازہ مین باندھے ہوئے تھی،

شاید یہ کم لوگوں کو علم ہو کہ مولانا کی خانگی زندگی غم سے بھری ہوئی تھی، ان کے بڑے بھائی مجذوب تھے، ان کی بیوی معذور و مختل تھیں، ان کا بڑا لڑکا جو پڑھ لکھ کر فاضل اور گھر کا کام سنبھالنے کے قابل ہوا، عین اوسوقت کہ اوس کے نکاح مین چند روز باقی تھے، باپ نے اوسکی دائمی جدائی کا داغ اٹھایا، اور یہ سننے کے قابل ہے کہ وہ لڑکا مرض الموت مین تھا کہ مسلمانون کی ایک ضرورت ایسی سامنے آئی کہ باپ بیمار بیٹے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا، واپس آیا تو جوان بیٹا دم توڑ رہا تھا،

ان کی اپنی زندگی بھی دین و ملت ہی کے نذر ہوئی، ترہت کے دور افتادہ علاقہ مین جہان کے ملیریا کے ڈر سے ادھر کے لوگ اودھر جانا موت کے منہ مین جانا سمجھتے ہین، یہ مردِ خدا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھکر سال مین کئی کئی دفعہ جاتا تھا، اور کئی کئی دن وہان رہتا تھا، آخری سفر بھی وہین ہوا، اور وہین سے ملیریا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا، اور اسی حال مین جان جان آفرین کے سپرد کی،

جانے والے تیری روح کو سلام، جب تو زندہ تھا، تو تیری قوم نے تیری قدر نہ پہچانی، آتو عالم ابد مین ہے، میرے کان غیب سے تیری زبانِ مجاز سے یہ آواز سنتے ہین،

یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ بِمَا غَفَرَ لِیۡ	اے کاش کہ میری قوم جانتی کہ خدا نے
رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ،	مجھے بخشا، اور مجھے ان مین داخل کیا جن پر
(یٰسین)	اوس کا کرم ہوا ہے،

۱

اقبال اور برگسان

از

مولانا عبدالسلام خان صاحب رامپور

(۲)

کائنات بے مقصد نہین | برگسان مدعی ہے کہ کائنات آزاد تخلیقی حرکت اور غیر مختتم تغیر ہے، لہذا اس تخلیقی حرکت کے علاوہ اس کا نہ کوئی مقصد ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی غایت، کائنات کا اگر کوئی مقصد یا غایت مانی جائے، تو کائنات نہ محض حرکت اور تغیر رہے گی، اور نہ آزاد،

اقبال برگسان کے اس دعوی کو تسلیم نہیں کرتے، اقبال کے نزدیک بھی عالم آزاد، مستمر اور تخلیقی حرکت ہے، یہ صحیح ہے کہ کائنات کے متعلق نہ کوئی خاص منصوبہ پہلے سے موجود ہے جس کے مطابق تخلیق جاری ہے، اور نہ علل و اسباب کا کوئی غیر مختتم سلسلہ ہے جس کے ماتحت اشیاء عالم خارجی مین نازل ہو رہی ہین، کائنات بے مقصد اور آزاد تخلیق ہے یعنی کائنات اور اسکی مشمولات کا کوئی طے شدہ اور مقررہ مقصد اس معنی میں نہیں کہ وہ اسکی طرف مقررہ اصول کے مطابق چل رہی ہے، ورنہ پھر آزاد ابتدائی اور ارادی خلق کے کوئی معنی نہونگے،

کائنات اقبال کے نزدیک ان معنی مین با مقصد ہے کہ وہ نقصان سے کمال اور کمال سے اکملیت کی طرف ارتقائی حرکت کر رہی ہے،

فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

زندگی کا شعلہ اُس ذرّے میں جو مستور ہے خودنمائی خود فزائی کے لئے مجبور ہے

فعلیت مطلقہ کا ماضی و حال مستقبل کے خالی امکانات کی جو اس فعلیت میں مضمر ہیں تشکیل کرتا ہے مستقبل کے ان خالی امکانات میں اسکی اندرونی اہمیت کی بنا پر ارتقائی تخلیق جاری ہے یہی وجہ ہے کہ حال اور ماضی سے مستقبل کے امکانات کی فعلی سمت کا اندازہ ہو جاتا ہے، انسانی افعال میں عام مشاہدہ ہے کہ اگر پہلے سے کوئی مقصد اور غایت نہ ہو، تو بھی ہمارے افعال ماضی اور حال کی یادداشتوں اور مستقبل کے تخلیقی امکانات کے مطابق کسی نہ کسی مقصد اور غایت کو متعین کر لیتے ہیں، اور ان افعال کی کوئی نہ کوئی حقیقی سمت مقرر ہو جاتی ہے،

ذات اور زمان ذات کو غور سے دیکھنے اور وجدان کی مدد سے اوسکے باطن پر متوجہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ذات اپنی اندرونی زندگی میں ایک مرکز سے باہر کی طرف ابل رہی ہے، ذات کے مظاہر اور اوس کی خارجی فعلیتیں جو اپنے اپنے اوقات پر عالم محسوسات میں ظاہر ہوتی ہیں ذات کے بطن میں موجود ہیں، اگر صلاحیتیں اور امکانات ذات میں موجود نہ ہوتے، تو ان کے ظہور کے کوئی معنی ہی نہ ہوتے، ذات کا بیرونی عالم میں خروج ان ہی امکانات اور صلاحیتوں کا خارجی مظاہرہ ہے، اشیاء یا افعال کا وضعی اور حسی امتیاز اور انکی کثرت اور انکے نظام ذات کے ظاہری رُخ سے متعلق ہیں ذات کا اندرونی رُخ اُن سے ماورا ہے، وہ تخلیق محض اور تاثیر خالص ہے، واحد اور مستمر ہے، اسی ذات کے ظہور سے افعال خارجیہ پیدا ہوتے ہیں اور انکو لوازم خارجیہ عارض ہو جاتے ہیں، روزمرہ کی کاروباری زندگی کا اسی رُخ سے تعلق ہے بیرونی اشیاء یا افعال اور ان کے نظام تعلقات اور اضافتیں اسی پیمانہ سے اندازہ ہوتی ہیں ذات کے ان دونوں رُخوں کے اعتبار سے زمانہ کے بھی دو رُخ ہیں، باطنی اور ظاہری پہلے کا تعلق ذات کے اندرونی تخلیقی اور اصلی رُخ سے ہے، دوسرے کا بیرونی کاروباری اور غیر اصلی رُخ سے، اقبال پہلے اعتبار کو "استمرار محض" اور دوسرے کو "مکانی زمان" کہتے ہیں،

مکانی زماں | کائنات حوادث اور واقعات کا سلسلہ ہے بعض حوادث گزر چکے بعض گذر رہے ہیں اور بعض کے آیندہ گذرنے کی توقع ہے، ہم کسی ایسی چیز کا نہ تصور کر سکتے ہیں، اور نہ موجود تسلیم کر سکتے ہیں جس کو نہ ماضی سے تعلق ہو، اور نہ حال و استقبال سے،

زمانہ ایک دھارا ہے جس میں اشیاء یا افعال بہتے چلے جا رہے ہیں، کچھ ہم سے آگے گذر چکے، کچھ پیچھے آرہے ہیں، اور کچھ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، اسی اثناء میں بعض تیزی سے گذر جاتے ہیں بعض کچھ دیر تک اور بعض ہمارے بعد تک گذرتے رہتے ہیں، زمانہ کا یہ تیز دھارا اس طرح بہا چلا جا رہا ہے، کہ اس کا بعد نہ قبل ہو سکتا ہے، اور نہ قبل بعد، نہ اسکی ابتدا معلوم ہے اور نہ انتہا، یہ دھارا متحد اور مسلسل ایک مخصوص رفتار سے چلا جا رہا ہے، اس میں جو دو چیزیں یکے بعد دیگرے ہوتی ہیں، انکو متقدم اور موخر اور جو ساتھ ساتھ ہوتی ہیں، ان کو معاصر اور ہم زمان کہا جاتا ہے، زمانہ کا یہی عام تصور ہے، اس تصور کے ماتحت اشیاء کے باہمی تعلقات اور ان کی ایک دوسرے سے اضافتیں مقرر کی جاتی ہیں، اسی سے تعلیل مصاحبت اور اتفاق کا تعین کیا جاتا ہے، عام کاروبار میں اسی زمانہ کا اعتبار ہے،

اقبال کے نزدیک زمانہ کا یہ تصور ذات یا انا کے ظاہری رُخ سے تعلق رکھتا ہے، اس زمانہ کو تاثیر تغیر اور تخلیق سے کوئی واسطہ نہیں، یہ تخلیقی فعلیت کے محرومی پہلو کے لوازم میں سے ہے، فعلیت مطلقہ کے ظہور سے کثیر اور متنوع افعال کا ظہور ہوتا ہے، اشیاء ان کے تعلقات باہمی اور اضافتیں پیدا ہو جاتی ہیں، ان اشیاء اور ان کی اضافتوں اور تعلقات سے مکان کا تصور منتزع ہوتا ہے، یہ سب چیزیں ذات کا محض ظاہری رخ ہیں، اس لئے مکان کی بھی کوئی حقیقی اور ذاتی حیثیت نہیں، جیسا کہ مسلمان متکلمین کا خیال ہے، اقبال کے نزدیک بھی مکان ایک وہمی چیز ہے، اصل ذات بے کثرت اور بے وضع اور بے تعلق ہے، وہ نہ مکان ہے، اور نہ مکانی

مکان ہمارے طرز تفکر کا خاصہ ہے، جس کا ذات کے ظاہری رُخ کی کثرت سے انتزاع ہوتا ہے

مکانی ہو دل، کہ آزادِ مکاں ہوں جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں

وہی اصل مکان و لامکان ہے مکاں کیا ہے اک اندازِ بیاں ہے

حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب ہوئی اپنی مکاں نکلا ہمارے خانۂ دل کے مکینوں میں

ذات کا یہ پہلو اپنے آپ سے باہر ہے، اس لئے اگر اوس کو مجموعی حیثیت میں لیا جائے تو محض متعین اور متعدد حالتون کا تعاقب اور تسلسل ہوگا، ان حالتون کے مکانی تعاقب اور تسلسل نے ان کو ایک دوسری قسم کا تعاقب یا تسلسل عارض ہو جاتا ہے یعنی زمانی تعاقب اور تسلسل بیرونی ذات کا اسی زمانہ سے تعلق ہے یہی وہ زمانہ ہے جس کو طویل اور مختصر کہا جاتا ہے، اس زمانے کا مکان سے انتزاع ہوتا ہے، اس لئے اوس کو مکان سے ممتاز کرنا بہت دشوار ہے، یہ مستقیم خط ہے جو پے بہ پے مکانی نقطوں سے مرکب ہے، اسی مکانی زمانہ میں ہستی ایک مصنوعی ہستی ہے ہماری کاروباری زندگی کا تعلق ذات کے خارجی اور ظاہری رُخ سے ہے جس کو یہ مکان اور زمان عارض ہیں، ذات کا باطنی پہلو خلق اور تاثیر ہے، اور کاروباری شام و سحر سے آزاد ہے

اسیرِ دوش و فردا ہے و لیکن غلامِ گردشِ دوراں نہیں دل

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش ایک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش

ہمیں ذات کے اندرونی اور حقیقی پہلو سے تعلق نہیں رہتا، لہذا ذات کا یہ پہلو اور اس کے ساتھ ساتھ حقیقی زمان بھی ہماری نظرون سے چھپا رہتا ہے جب تک گہری توجہ سے کام لیا جائے، سامنے نہیں آتا،

استمرارِ محض ذات کا داخلی یا باطنی پہلو بسیط فعلیت ہے، جو عالمِ محسوسات میں کھلتا ہے جس کو اقبال خلق سے تعبیر کرتے ہیں، اشیا یا افعال، ان کا تکثر، ان کے نظامِ تعلقات

ن کی اضافتیں اسی اظہار یا خلق پر موقوف ہیں، خود اصل فعلیت اپنی باطنی جانب میں ایک قسم کی وحدت ہے، تدریج و تعاقب سے ماوراء، تدریج اور تعاقب اوس کے خروج اور ظہور کے عوارض ہیں جس طرح مظاہر اور افعال اوس فعلیت یا ذات میں بحیثیت ایک وحدت کے متداخل ہیں اسی طرح اوس کا زمانہ بسیط وحدت کی صورت میں متداخل ہے، اقبال کے لفظوں میں اندرون ذات میں یہ خارجی متعدد اور متعین حالتیں باہم دیگر تحلیل ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کسی جرثومہ میں اس کا پورا عضوی نظام تحلیل ہوتا ہے، اس اندرونی ذات میں حالتیں ہیں، مگر ان میں کمی امتیاز نہیں، بلکہ کیفی امتیاز ہے، اگر یہ حالتیں تعداد یا مقادیر کے اعتبار سے ممتاز ہوں تو ذات میں کثرت اور اشیاء اور افعال کا فعلی وجود ہو جائے گا، اور خلق یا ارتقاء کے کوئی معنی نہ ہونگے ان میں امتیاز اس طرح ہے کہ فعلیت غیر محدود صلاحیتوں کی حامل ہے، ہر صلاحیت ایک مخصوص فعل یا شئے کے لئے خاص ہے، اس ذات کے تغیرات اور حرکتیں نہ منفرداً مرعی ہیں، اور نہ یکے بعد دیگرے مسلسل، ان کے عناصر متداخل ہیں، اس اندرونی ذات کا زمانہ استمرار محض ہے جس پر مکان کا کوئی اثر نہیں اس ذات کا اندرونی زمانہ بسیط صورت میں ہے، لہذا اس کے زمانہ کی تعبیر ایک "اب" سے کیجا سکتی ہے، اس اندرونی "اب" کو ذات کا کاروباری رُخ مکانی عالم میں "اب" کی ایک کثیر اور تدریجی مقدار میں تحلیل کر دیتا ہے، اگر کوئی شخص باہر سے اس آن کو دیکھے تو ہزاروں سال معلوم ہو سکتی ہے، مثلاً سُرخ رنگ کے احساس کی طبیعیاتی وجہ تموجی حرکت کی سُرعت ہے جس کی لرزش چار سو ملین فی ثانیہ ہے، لیکن اگر کوئی بیرونی پہلو سے دو ہزار فی ثانیہ کے حساب سے بھی شمار کرنا چاہے، تو چھ ہزار سال سے زیادہ زمانہ شمار کرنے کو چاہئے، حالانکہ ہر شخص جانتا ہے، کہ سُرخ رنگ لرزش کی اتنی کثیر مقدار پر مشتمل ہونے کے باوجود کتنی تیزی سے محسوس ہو جاتا ہے، حقیقی اور باطنی ذات کا یہ استمرار یا حقیقی زمانہ لمحات کا علحدہ علحدہ اور پے بہ

سلسلہ نہیں، یہ ایک عضوی کل ہے جس میں ماضی پیچھے چھوٹ جانے کے بجائے برابر آگے بڑھتا چلا آتا ہے، مستقبل آگے کو بڑھی ہوئی چیز نہیں بلکہ ایک کھلے ہوئے امکان کی صورت میں موجود ہے، ماضی اور مستقبل دونوں مل کر حال پر اثر انداز ہوتے ہیں"

اس حقیقی زمانہ میں ہونے کے معنی تدریجی زمانہ کی پابندی نہیں، بلکہ اوس کے تدریجی اور متعاقب لمحات کی تخلیق ہے، ذاتی اور اندرونی استمرار خلاق فعلیت ہے، غیر متعاقب اور غیر مسلسل اسی استمرار کا فعلی وجود تدریجی زمانہ اور اشیاء و افعال کی تخلیق ہے،

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ جسے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب ساز ازل کی فغاں جسے دکھاتی ہے ذات زیر و بم کائنات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا ایک زمانہ کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

استمرار کے اس عضوی کل کا اقبال کے نزدیک اسلامی نام تقدیر ہے جبتک اشیاء اور افعال ذات کے بطن میں اپنی ذاتی صلاحیتوں اور ارتقائی امکانات کی صورت میں محفوظ ہوں تقدیر ہے اور جب ظہور ہو تو خلق، خلق ہمیشہ تقدیر کے مطابق ہی ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی شے اپنی ذاتی صلاحیتوں سے آگے نہیں بڑھ سکتی، یہ تقدیر کوئی طے شدہ قیمت نہیں، جس کو کسی نے باہر سے اشیاء پر مسلط کر دیا ہے، بلکہ یہ شے کی ذاتی اہلیت اور اسکی اندرونی رسائی کی آخری حد ہے، ورنہ تخلیقی فعلیت آزاد اور بالکل ابتدائی ہے،

رازہے رازہے تقدیر جہان تگ و تاز جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

ذات اور شعور | اقبال کے نزدیک شعور کا تصور بھی ذات کے تصور پر مبنی ہے، شعور کا تعلق مادی حیات سے ہے، حیات ایک روحانی حقیقت ہے، لہذا شعور بھی مادی ہونے کے بجائے روحانی

حیثیت رکھتا ہے، زندگی کی تکاثفی اور خود مرکزی حالت کو شعور کہتے ہین، شعور ہماری ذات مین ایک ایسی روشنی ہے، یا ایک ایسا روشن نقطہ مہیا کر دیتا ہے، جس سے فعلیت کا آگے کی جانب سیلان اور روانی منور ہو جاتی ہے، کسی خاص فعل کے لئے اوسکی مخصوص جانب زندگی مین مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ ہر طرف سے سمٹ کر اُسی خاص فعل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، زندگی کی اس کیفیت کی وجہ سے، یا دوسرے لفظون مین شعور کی وجہ سے، ماضی کی تمام وہ یادداشتین اور ایتلافات ہماری توجہ سے خارج ہو جاتی ہین، جن کو موجودہ فعل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور تمام متعلقہ یادداشتین اور ایتلافات سامنے آجاتے ہین، شعور موقع اور ضرورت کے اعتبار سے سکڑ اور پھیل سکتا ہے، شعور کا تعلق ذات سے ہے، اس لئے ذات کے کاروباری اور حقیقی رُخون کے اعتبار سے شعور کی بھی دو حیثیتیں ہین، ایک ظاہری اور کاروباری، دوسری باطنی اور حقیقی، پہلی حیثیت کو عقل و فکر اور دوسری کو وجدان کہا جاتا ہے،

وجدان ذات کے باطن اور اوس کی اندرونی حقیقت سے جس شعور کا تعلق ہے، وہ وجدان ہے ریاضیاتی مکان و زمان کی قیود سے اسکی فعلیت آزاد ہے، یہ ایک وحدت ہے، جو ذات کو اسکی کلی حیثیت اور اوس کے تمام امکانات اور صلاحیتون کی مجموعی کیفیت کے اعتبار سے منور کرتا ہے، اور اس طرح بطنِ حقیقت کو اسکی ذاتی حیثیت مین جانتا ہے، اشیاء کی منفرد اور تشخص کمی حیثیتیں بسیط اور کیفی امکانات کے ضمن مین منور ہوتی ہین، اور اس طرح ایک بسیط اور محیط کل علم حاصل ہو جاتا ہے، شعور کی اسی بسیط اور محیط کل حیثیت کا اسلامی نام اقبال کے نزدیک لوحِ محفوظ ہے، اقبال نے وجدان کو کہین علم کے مقابلہ مین عرفان سے کہین نظر کے مقابلہ مین دل سے اور کہین عقل کے مقابلہ مین عشق سے تعبیر کیا ہے،

میری فطرت آئینہ روزگار غزالانِ افکار کا مرغزار

راز ہستی را تو سمجھتی ہے ، اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں مین
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے اور باطن سے آشنا ہوں مین
علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے تو خدا تو خدا نما ہوں مین
تو زمان و مکان سے رشتہ بپا طائر سدرہ آشنا ہوں مین

عقل و فکر: شعور کا بیرونی رُخ جو ذات کے بیرونی اور ظاہری پہلو سے متعلق ہے عقل و فکر ہے ذات کا بیرونی اور ظاہری رُخ افعال کی کثرت ہے جن کا سلسلہ متواتر چلا جارہا ہے ان افعال کی کثرت اور تدریجی تسلسل سے زمانی اور مکانی علائق پیدا ہو جاتے ہین، تفکر کا ذات کے اسی رُخ سے تعلق ہے، اس لئے وہ اشیاء کو نہ کلی اور وجدانی طور پر ادراک کرسکتا ہے، اور نہ غیر محدود طور پر، دوسری اشیاء کے اعتبار سے خود بھی مکانی بن جاتا ہے، یہ ہر چیز کو تدریجی مکان و زمان کے حدود مین ہی سوچتا ہے، کانٹ نے مکان و زمان کو تفکر کے عوارض مین قرار دیا ہے، اقبال بھی مکان و زمان کو تفکر کے عوارض مین سے ہی سمجھتے ہین، لیکن اقبال کے نزدیک تفکر کے ذاتی عوارض نہیں، بلکہ دوسری اشیاء دوسرے لفظوں مین متعلقات تفکر کے اعتبار سے تفکر بھی مکانی و زمانی ہوجاتا ہے، یہ تجربات حیات کی تحلیل و تالیف کرکے ان کو مختلف مدارج مین ترتیب دیتا ہے، اور ان مجموعون اور عناصر پر نتائج کے اعتبار سے غور کرتا ہے، اقبال کے نزدیک تفکر وجدان کی ہی تکمیل ہے، کیونکہ زندگی کی حرکت ایک عضوی کل ہے، اور ہر عضوی کل کی طرح اوس کے درجات کی ایک ارتقائی تالیف کی ضرورت ہے اور تفکر کا بھی یہی کام ہے، تفکر کا اصلاً تعلق منفرد افعال سے ہے، افعال ذات کے ظاہری اور کاروباری رُخ کے نمایندہ ہین، اس لئے اس کا تعلق بھی ذات کے بیرونی رُخ سے ہی ہوسکتا ہے، زندگی کا بطنِ حقیقت اس کی دسترس سے باہر ہے، ہمارے کاروبار کے لئے تفکر لازمی ہے، اور چونکہ

وباری رخ بھی حقیقت کا ہی ایک رُخ ہے، اس لئے تفکر کو بھی ناکارہ نہیں کہا جاسکتا حقیقت کے باطن
دراک وجدان سے اور اس کے ظاہر کا تفکر سے تعلق ہے،

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اسکی تقدیر میں حضور نہیں،

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے — خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے،

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا — چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات — علم مقام صفات عشق تماشائے ذات

مقام فکر ہے پیمایش زمان و مکان — مقام ذکر ہے سُبحان ربی الاعلیٰ

اقبال کے نزدیک خدا کا تصور

اقبال کے نزدیک واقعیت یا حقیقت مطلقہ ایک استمرار ہے، اس استمرار میں شعور، حیات اور مقصد متداخل ہیں، ان تینوں سے ملکر ایک قسم کی عضوی وحدت بنتی ہے، ایک عضوی وحدت کے لئے ذات کا تصور ناگزیر ہے، عضوی کل کے معنی ہی ایک منفرد متشخص اور اجتماعی ثبت کے ہیں، اور یہ خصوصیت کسی ذات میں ہی ہو سکتی ہے، اس عضوی وحدت کو اقبال "انا" سے تعبیر کرتے ہیں، کائنات کا ہر ذرہ ایک مستقل عضویت ہے، اور اسی لئے ایک منفرد "انا" ہے، کائنات کی ہر ذات یا ہر انا ایک ممتاز وحدت ہے لیکن ان میں سے ہر "انا" ممتاز بایں معنی ہے، کہ وہ کائنات کا اپنے علاوہ کوئی دوسرا "انا" نہیں ہے یعنی ہر ایک کا امتیاز دوسرے پر موقوف ہے، اس لئے ان کا امتیاز ان کی ذاتی صفت نہیں، بلکہ اضافی ہے، اس قسم کے انا کو "انا" اضافی کہا جاتا ہے، اگر کوئی وحدت اس قسم کی ہو جو بذاتہ متشخص اور ممتاز ہو یعنی اوس کا امتیاز دوسروں سے غیر ہونے پر موقوف نہ ہو، وہ اس لئے ممتاز ہو کہ وہ خود ہے، یہ امتیاز اس صورت میں ہی ہو سکتا ہے، کہ کسی دوسری شے کا وجود ہی نہ ہو، کیونکہ جب کوئی دوسری شے ہوگی، تو اس انا کے اوس دوسری شے سے ممتاز ہونے کی یہی صورت ہو سکتی ہے، کہ وہ دوسری شے نہیں ہے اس طرح اس کا امتیاز ذاتی نہ رہے گا ایسا

"انا جو بذاتہ ممتاز اور متشخص ہو، اوس کے امتیاز و تعین کے لئے" اپنے غیر نہ ہونے کو کوئی دخل نہ ہو، بلکہ اس کا خود ہونا کافی ہو" انامطلق کہا جاتا ہے، واقعیت چونکہ ایک عضوی وحدت یا فعلیت بسیط ہے، اسکے علاوہ تمام چیزیں مظاہر ہیں، اور افعال ہیں، اُس فعلیتِ بسیطہ کے، لہذا وہ فعلیت بسیطہ" انا مطلق" ہے، بذاتہ ممتاز ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، دوسری اشیا، اوس حیاتِ مطلقہ یا استمرار کے رواں اور دواں لمحات ہیں، جن میں سے ہر ایک دوسرے کی نسبت سے ممتاز ہے، اور اس لئے ہر ایک اضافی انا ہے،

اقبال کے نزدیک یہی" انامطلق" الوہی ذات ہے، اقبال کا یہیں سے وحدۃ الوجود کا تصور شروع ہوجاتا ہے، کائنات میں کسی شے کی ہستی مطلق نہیں، وجود مطلق محض حیاتِ مطلقہ کا یا" اناکامل" کا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز کردار ہے اس فعلیتِ مطلقہ کا، اور تدریجی لمحہ ہر اس استمرار مطلق کا، اوس وحدتِ مطلقہ کی ظہوری کثرت اوس کے جذبہ بیدائی کی معلول ہے

یہ وحدت ہی کثرت میں ہر دم اسیر مگر ہر کہیں بے چگون بے نظیر
راز ہستی راز ہے، جتبک کوئی محرم نہیں کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
حسن کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب وہ جو تھا پردوں میں پنہاں خود نما کیونکر ہوا
جہان از خود بیروں آمدہ کیست جمالش جلوۂ بے پردہ کیست

اس استمرار حقیقی میں پورا زمانہ ازل سے ابد تک بلا تقدم و تاخر بسیط شکل میں موجود ہے

بڑی تیز جولاں بڑی دور رس ازل سے ابد تک رمِ یک نفس

یہ الوہی انا غیر متناہی ہے۔ با یں معنی کہ اس میں تخلیقی امکانات کی کوئی حد نہیں، ان معنی میں منفرد اور متشخص ہے، کہ کسی غیر متناہی خلا میں پھیلا ہوا نہیں ہے۔ ان معنی میں غیر متغیر ہے، کہ اس میں سے نہ کوئی چیز کم ہورہی ہے، اور نہ کوئی چیز زیادہ، وہ اس معنی میں متغیر بھی ہے، کہ اس کے تخلیقی

امکانات مسلسل اور متواتر کھلتے جا رہے ہین، وہ مستمر عمل اور مسلسل فعلیت ہی، باشعور ہے اور با ارادہ،

خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری نہ ہے زمان نہ مکان لا الٰہ الا اللہ

فلسفہ اقبال کے اساسی نقطے — اقبال کا نظام فلسفہ چند تصورات پر مبنی ہے، اسکی بنیاد اس پر ہے کہ کائنات کی اصل ایک تخلیقی اور ارتقائی حرکت ہے مسلسل اور مستمر، اسی ارتقار کی آخری کڑی انسان ہے جس کا ارتقار محدود نہین، یہ حرکت روحانی ہے، موجود حقیقی ایک منفرد شخص باارادہ اور باشعور ذات ہے، اس مین زمانہ مع ماضی، حال و مستقبل بسیط طور پر جذب ہے، اسطرح پوری کائنات اپنی اپنی صلاحیتون اور امکانات کے اعتبار سے اسمین مضمر ہے، کائنات اسی ذات واحدہ کی ظہوری کیفیت ہے، جس کی کیفیت ذات مطلقہ کے افعال کی سی ہے، یہ ذات بالذات ممتاز ہے، اور دوسری چیزون مین غیر کی نسبت سے امتیاز پیدا ہوتا ہے، اسی ذات واحدہ کو "انا مطلق" یا "الوہی ذات" کہا جاتا ہے، کائنات آزاد، بامقصد اور باغایت عمل ہے، شعور کا اندرونی رُخ جو وحدتِ مطلقہ سے متعلق ہے، وجدان ہے، اور بیرونی رُخ جس کا ذات کی ظہوری حالت سے تعلق ہے عقل و فکر ہے، باطن حقیقت کے علم کے لئے وجدان اور اس کے ظاہری اور کاروباری رُخ کے لئے عقل و فکر ضروری ہے، کائنات اپنے اندرون کے اعتبار سے ذاتِ مطلقہ ہے واحد اور بسیط بیرون کے اعتبار سے اعمال اور کثیر تدریجی زمان اور مکان کا تصور ذات کے ظاہری رُخ کی کثرت کا محلل ہے، مادہ اور روح مین کیفی فرق ہی، ذاتِ مطلقہ کے افعال بسیط اعمال ہین، جن کی ترکیب و تالیف سے مادہ اور روح کی خلق ہے،

اقبال اور برگسان کے مشترک خیالات — اقبال اور برگسان دونون کے نظامون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون کے نظریون کی بنا نفسیاتی تجربون پر ہے، نفسیاتی احوال کی تبدیلیون اور مسلسل تغیرات سے دونون نے یہی نتیجہ نکالا ہے، کہ کائنات کا مبدء، ٹھوس اور جامد

شے نہیں اسکی ابتدا محض حرکت ہے، یہ حرکت اقبال اور برگسان دونون کے نزدیک تخلیقی اور ارتقائی ہے، انسان اس ارتقائی حرکت کی آخری ترقی یافتہ صورت ہے، یہ حرکت آزاد ہے یعنی سلسلۂ وجود مین نہ علل واسباب کو دخل ہے، اور نہ ماحول و حالات کو، کائنات اس معنی مین بالکل بے مقصد اور بے غایت ہے، کہ اوس کے لئے پہلے سے کوئی سوچا سمجھا ہوا منصوبہ نہیں ہے، جس کی طرف کائنات چلی جارہی ہے، یہ حرکت دونون کے نزدیک باشعور ہے، یہ تخلیقی حرکت جانتی ہے، کہ اس سے فلان فلان افعال و اعمال سرزد ہو رہے ہین، کائنات کی ہر شے مسلسل فعل ہے، جس مین حیاتیاتی حرکت روان دوان ہے، اس کا حقیقی تسلسل ہمارے تفکر کی ساخت کی خصوصیت کی وجہ سے قطع ہو جاتا ہے، اور چیزین الگ تھلگ معلوم ہوتی ہین، اس تخلیقی حرکت کی نہ کوئی ابتدا ہے، اور نہ کوئی انتہا، یہ تخلیقی حرکت کبھی بیکار نہیں رہتی، کوئی نہ کوئی فعل برابر سرزد ہوتا رہتا ہے، اقبال اور برگسان دونون کے نزدیک عقل و فکر کا تعلق کاروباری زندگی سے ہے، بطن حقیقت اور اندرونِ ذات کے علم کے لئے وجدان ہی مفید ہو سکتا ہے، کیونکہ عقل و فکر کی بناوٹ اس قسم کی ہے، کہ وہ تسلسل اور لامحدودیت کی گرفت نہیں کر سکتی، زمانہ اپنے عام تصور کے اعتبار سے، دونون کے نزدیک ایک غیر حقیقی شے ہے، کیونکہ دونوں زمانہ کو تخلیق اور تاثیر مانتے ہین، اور زمانہ عام تصور کے اعتبار سے تاثیر اور تخلیق سے عاری ہے، زمانہ کا عام تصور محض مکانی جامد نقطون کا مجموعہ ہے جس کا اشیاء کی وضعون سے انتزاع ہوتا ہے، اور اس لئے مکان پر منطبق ہے، اصلی اور حقیقی زمانہ ایک دوسرا ہے، جو استمرار محض ہے، اس سے اشیاء کی صرف معاصرتین یا تقدم اور تاخر معلوم نہین ہوتا، بلکہ یہ ایک تاثیری اور تخلیقی عنصر ہے، جو اشیاء کو پیدا کرتا ہے، اور ان پر اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے، اقبال اور برگسان دونون مدعی ہین، کہ کائنات ساختہ پرداختہ شے نہین ہے، جس کا خلاقی فعلیت سے تعلق ختم ہو گیا ہے، یا ہو جائے گا، بلکہ کائنات ہمیشہ بنتے بگڑتے رہنے کا عمل ہے، اسے

اس کا نہ خلاق فعلیت سے تعلق ختم ہو گیا ہے، اور نہ آیندہ ہو سکتا ہے، اس خلاق فعلیت کو اقبال خدا کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور خدا کے اسلامی تصور کے ماتحت اوس کو مختلف صفات کی ایسے متصف کرتے ہیں، برگسان کا اگرچہ کوئی واضح اور قطعی بیان نہیں لیکن اس کی مشہور کتاب "تخلیق ارتقا" ہیں اور اوس کے "دوڑ لیکچرس" میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے نزدیک یہی فعلیت مطلقہ خدا ہے لیکن اقبال اور برگسان کی خدا کے تصور کے متعلق تشریحیں کچھ مختلف ہیں جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، اقبال اور برگسان دونوں کے نزدیک واقعیت یا نفس الامری حقیقت کا وجود ہے، اور یہ واقعیت اور نفس الامری حقیقت ہمارے علم و فہم کی تابع نہیں، چنانچہ دونوں اس اعتبار سے فلسفۂ واقعیت کے علم بردار ہیں لیکن اس اعتبار سے دونوں کا فلسفہ تصوری ہے کہ دونوں حواس کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوئے علم کی واقعیت کے منکر ہیں، اور محض وجدانی تصورات سے کائنات کی توجیہ کرتے ہیں، دونوں کائنات کی بنیاد ایسے تصورات پر رکھتے ہیں جن کا نہ حواس ظاہرہ سے احساس ہوتا ہے، اور نہ طبعیاتی اور کیمیاوی مشاہدات سے ان کی تائید ہوتی ہے، اور ساتھ ساتھ عقل و فکر اپنے تحلیل و ترکیب کے معمولی طریقوں سے اوس کا اثبات بھی نہیں کر سکتی۔

اقبال کے فلسفیانہ نظام میں یہی وہ اہم نقطے ہیں جن کا ماخذ برگسان کے خیالات کو بنایا جا سکتا ہے، اقبال کے کلام کے یہ نظریے خالص فلسفیانہ حیثیت رکھتے ہیں، ان کے علاوہ اقبال کے نظام کے دوسرے اجزاء بڑی حد تک اسلامی مابعد الطبعیات اور مسلمان متصوفین اور متکلمین کے اثرات ہیں جن میں سے غالباً بعض کو صرف اسلامی الٰہیات کی ضرورت کی وجہ سے اس نظام میں جذب کیا گیا ہے اور بعض کو خواہ مخواہ دوسرے اجزاء کی ضرورت کی وجہ سے لزوماً تسلیم کرنا پڑا ہے،

(باقی)

فارسی پر اردو کا اثر

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار

(۲)

چوتھا دور، دسوین اور گیارہوین صدی ہجری (یعنی سولھوین اور سترہوین صدی عیسوی) اس دور کے شروع ہوتے ہی مذہبی پیشواؤن کے علاوہ دُنیوی حاکمون اور اُن کے وابستگان سے ہمیں زیادہ واسطہ پڑتا ہے یعنی ہمین مغلیہ عہد کی فارسی کا جائزہ لینا ہے، یہ دور ایسا ہی کہ اس مین اردو کا صحیح اور عام رواج پایا جاتا ہے، اور وہ رواج ایسا ہے کہ جس کے سامنے فارسی سکون کا چلن گھٹ گیا، بلکہ بابر کی تزک جو ترکی مین تھی، وہ بھی ہماری اردو کی محتاج ہوئی، اور ہاتھی، پان، پنکھا جامن، کمرک، کیوڑا، کیلا، کروندا، چرونجی، گلہری، مور وغیرہ، الفاظ نے اُسکی زینت بڑھائی، پروفیسر حامد حسن صاحب قادری نے تاریخ داؤدی سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، (عالمگیر، خاص نمبر ۱۹۳۵ء) کہ جب جنگ پانی پت (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء) مین بابر نے سلطان ابراہیم لودی کو شکست دی، تو کسی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھے:۔

نو سے اوپر تھا تیسا۔ پانی پت میں بھارت بیا
اٹھیں رجب کو وارا۔ بابر جیتا، براہیم ہارا[۱]

پھر بابر کا وہ شعر بھی ہے جسمیں ترکی اور اردو الفاظ ہین، اور جس کو سب سے پہلے مولنا عبدالحی صاحب

۱؎ یعنی جمعہ ۸ رجب ۹۳۲ھ مطابق ۲۰ راپریل ۱۵۲۶ء،

نے گل رعنا میں نقل کیا تھا، اسی کے ساتھ ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء میں رومی خان والی گجرات پر طوطے کا "تبزا" بھی یاد آتا ہے، لیکن اکبر سے لیکر شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد تک ہمیں ایسے فارسی نژاد شعراء ملتے ہیں جن کے کلام پر ہماری اردو نے بہت زیادہ اثر کیا، اور ان کی فہرست مین کم از کم حسب ذیل ضرور قابل توجہ ہین :- یعنی عرفی (المتوفی ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء)، ظہوری (المتوفی ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء) محمد قلی سلیم (المتوفی ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء) کلیم (المتوفی ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء) ملا طغرا مشہدی (المتوفی ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء) صائب (المتوفی ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء) ملا سعید اشرف مازندانی (المتوفی ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء کے بعد) سالک یزدی (المتوفی ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء) سنجر کاشی (المتوفی ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء) مسیح کاشی (المتوفی ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۵ء)، میرزا نظام (المتوفی ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء) میرزا محسن تاثیر (المتوفی ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) وحید، خواجہ عصمت بخاری، حکیم ہمام وغیرہ وغیرہ، مغلیہ دور کی شعر نوازی نے جس طرح ایران کے بڑے سے بڑے شاعر کو ہندوستان کا گرویدہ بنا دیا، اور یہاں آنے پر مجبور کر دیا، اسی طرح ان بادشاہون کے مذاق کا لحاظ کرتے ہوئے ان شاعروں کو بھی ہماری زبان کے الفاظ استعمال کرنے پر بالواسطہ مجبور بنا دیا، کیونکہ ان بادشاہون نے جب ہندو رانیون سے شادیان کین، تو یہ ضرور ہے کہ اُن کی زبان بھی پسند کی ہوگی اور جب انھون نے اس زبان کو مُنہ لگایا تو ظاہر ہے کہ ان شاعرون کیلئے بھی وہ ناگزیر تھی، چنانچہ ان کے یہان بے شمار ہندوستانی (اردو) الفاظ پائے جاتے ہین جن کو ہم مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کرتے ہین :-

(۱) عیش و طرب کے لوازم اس عنوان کے متعلق بحث کرتے ہی سب سے پہلے "معشوق" کا ذکر ہونا چاہیے کیونکہ بغیر اُس کے "عیش و طرب" کا لطف ہی نہیں، اردو شاعری مین معشوق کے حُسن کو سُنہرے رنگ سے تشبیہ دیتے ہین، جیسے ولی کا شعر ہے :-

شکل تجھ بُت کی جو مجھ دل مین ہوئی ہے منقش ہے سمندر کی نمط آتش میں تصویر طلا[1]

---

[1] کلیات ولی ص ۳۹،

یا ذوق کا شعر ہے:-

مصحف رخ پہ ترے، رنگ سنہرا تیرا واہ کیا خوب ہے سونا سر قرآن چڑھا

لیکن "رنگ طلائی" فارسی شعرا کے یہاں ہمیشہ "عاشق" کے لئے استعمال ہوتا ہے، ہماری ارد

کا اثر دیکھئے، کہ محسن تاثیر جو بقول آرزو ہندوستان بھی نہیں آئے، معشوق کے رنگ کو یہاں سے

اڑا لے گئے:-

آن رنگ طلائی خط مشکیں خواہد ہر جا کہ گل جعفری است با ریحان است[1]

پھر معشوق کے "سنگار" کے متعلق "سعید اشرف کہتے ہیں:-

آن را کہ ہمین کار بہ سنگار بُوَد با سنگ را فغان چہ توانذ کردن

جب معشوق ہوگا تو اوس کے جال میں کون نہ پھنسے گا:-

گہے مفتون زلفش گہ گرفتار زنخدانش اگر از چاہ بیرون آمدم در جال افتادم[2]

جب معشوق کا ذکر آیا، تو شاعر کے لئے بلبل کی یاد ضروری ہے، چنانچہ ہندوستان میں بلبل

کی قائم مقام "مینا" کو سمجھ کر زور قلم صرف کیا، شاہد گیلانی کہتے ہیں:-

شد در سایۂ زلفت گل شبو گردد بطرے پیش تو مینا سے سخنگو گردد[3]

ملا طغرا مشہدی نے "مینا کی "راگ" کو بھی پسند کیا ہے:-

موسم آن باشد کہ مینا راگ ہندی سرکند شاخ و برگ نغمہ را از آب ترنم ترکند

اور محسن تاثیر بھی کہتے ہیں:-

گمراز شیوہ ہاے راگ و رنگش برقص آرد فلک را سایۂ چنگش

طغرا "گیت" کو نہیں بھولتے:-

---

[1] چراغ ہدایت [2] محسن تاثیر [3] ۳ منتخب النفائس ص ۱۶۱

بُوَدگیت نزد طرب سنج رود　　درین کشور ذوق نام سرود

اسی موسیقی کے ساتھ ستار کے بعض الفاظ "تا نی تنہ" بھی میر ہمام یاد کرتے ہین :-

دانستن معرفت بہ تانی تنہ نیست　　اثبات ظہور ذات را بینہ نیست[۵]

جب ساز اور راگ کا ذکر آیا تو "مندل" بھی ہونا چاہئے، جو بقول صاحب رشیدی ایک قسم کا ہندستانی ڈھول ہے، مُلا طغرا کہتے ہین :-

چو مندل پا نہد در بزم نغمہ　　نیا بد وقت سر موجا ازین ساز

اسی سلسلہ مین ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کا "طنبورہ" موسوم بہ "موتی خان" نہ بھولئے، سنجر کاشی ایک قصیدہ مین کہتے ہین :-

رواست کورنش وتسلیم ازان بہ موتی خان　　کہ شاہ چون تلفانش گرفتہ در دامن

اور خود "طنبورہ" بھی بقول صاحب بہار عجم، "تونبڑہ" کا معرب ہے،

سازون مین "صنج" کو بھی نہ بھولنا چاہئے، جو ص اور ج کی موجودگی کی وجہ سے عربی الاصل نہین ہو سکتا، لیکن بقول آرزو "چنگ" کا معرب معلوم ہوتا ہے، اور معنوی حیثیت سے ضرور ہندوستانی "جھانج" کا معرب ہے، ان ساز باز کے ساتھ "شطرنج" بھی آجاتا ہے، جو اگر فارسی "سترنگ" کا معرب ہو سکتا ہے، تو ہندی "چترانگ" کی بھی شکل ہونے مین شک نہین، کیونکہ ہم دیکھتے ہین، کہ راحت الصدور مین صصہ بن داہر الہندی کو شطرنج کا موجد کہا گیا ہے اور رسالہ عالمگیر خاص نمبر ۱۹۳۵ء مین تاریخ شطرنج ایک مفصل مضمون مولانا ابو یوسف سنی مرحوم کا نکلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ صصہ کے بجاے شاشہ صیصہ زیادہ بہتر تھا)

عیش وطرب کے لوازمات مین شاعرون کے یہان "پینا" اور "کھانا" بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر

---

[۵] چراغ ہدایت،

"گلابی" کی تعریف صائب کے یہاں ہے :-

مے کشان را بادۂ گلرنگ خندان می کند یک گلابی مجلس ما را گلستان می کند

تو اس ہندوستانی شراب کی مذمت بھی انھوں نے کی ہے، جو غالباً گڑ سے بنائی جاتی ہے :-

بادۂ انگور دآبِ خضر از یک چشمہ است مُرد دل در سینہ اش ہر کس شراب گور خورد

اسی طرح "دارو" کے صحیح معنی اگر "باروت" بھی ہیں، مثلاً بندوق کے متعلق وحید کہتے ہیں :-

نماید حکیم مسیحا علاج زدار دے او دشمنان را علاج

تو اسی "دارو" کے معنی "شراب" بھی لئے گئے ہیں جو خالص اردو لفظ ہے، سعید اشرف ایہام کیا کہتے ہیں :-

بستی بود بیکدیگرشس نرم وصاف کہ از میکشی کردہ دارو کشی

اسی شراب کے ساتھ ہندستان کی صراحی "چھاگل" بھی ظہوری لے آتے ہیں :-

ہوشان چنگل بفجر کشند، چاگلِ من نیاید از عارم،

مُلا طُغرا مشہدی اپنے ساقی سے کہتے ہیں :-

بیا ساقی امشب عرق کن بجام کہ از تندیش غم نگیرد مقام

بشرطیکہ باشد عرق از شکر کزو نیست میخوارہ را درد سر

وحید بھی اسی دیہاتی شراب کی یاد کرتے ہیں :-

ریخت زعکس لعلِ تر اشک زچشم ترمرا مست نمود بے خبر این عرق شکر مرا

لیکن صائب کی رائے صائب اس کے متعلق یہ ہے :-

عرق بیا کی گوہر کجا چو بادہ بود حرام زادہ کجا چوں حلال زادہ بود

اس "پینے" کے ساتھ کچھ "کھانا" بھی چاہئے، عالمگیر نے یہاں کی کھچڑی کی تعریف اپنے کلماتِ طیبات

(عارف) ہین کی ہے لیکن ان سے پہلے سالک یزدی بیزار ہو کر کہتے ہین :-

سیر گشتم ز کھری ایام   ہوس خوان سیم وزر کلم،

لیکن "شراب" کے ساتھ "کباب" بھی ہونا چاہئے، چنانچہ محسن تاثیر نے "کباب ہندی" کو نہ چھوڑا:-

ہمیں بہ سیخ جگر زلفش از بلندی شد   دلم ز حسرت خالش کباب ہندی شد

پھر کھانے "پینے" کے بعد پان کے لئے تنبولی کے پاس کلیم کو جانا پڑا، لیکن پچتائے تو کہنے لگے:-

منہ بر دعدۂ تنبولیان دل   کہ جز خون خوردن ازوی نیست حاصل[۵]

لیکن ظہوری تو تعریف کرتے ہین :-

چمن از پان گزیدنت رنگین،   غنچہ چون بشگفد گرفتہ اگال،

پھر اور کہتے ہین :-

شود چہرۂ زر د خورشید آل   دہندش اگر نازنینان اگال

خان آرزو کی آرزو بھی پوری ہوئی ہے :-

پان خوردہ بمن داد اگال آن بت ہندی   این بوسہ بہ پیغام چہ رنگین مزہ دارد

لیکن اگر اگال کپڑون پر پڑ جائے، اور دھوبی کی ضرورت ہو، تو کلیم اس کی صفائی کے متعلق بھی کلام کرتے ہین :-

ز حسن پشستہ، دھوبی چہ گویم   ازان بے پردہ محبوبے چہ گویم[۲]

یہان تک تو عیش و طرب اور کھانے پینے کے لوازمات بتائے گئے، اب معاشرت کے متعلق بھی بعض چیزین سن لیجئے،

(۲) معاشرت کے متعلق لوازمات | رہنے سہنے اور سواری کے لئے انسان بہت سی چیزون کا محتاج ہوتا ہے

---

[۵] شعر العجم جلد ۳ [۲] شعر العجم جلد ۳،

چنانچہ "پلنگ" ایک اوسط درجے کے آدمی کے لئے بڑی ضروری چیز ہے، مُلّا سعید اشرف اسکی یاد اس طرح کرتے ہیں :-

پئے خواب بہارش فرش کردند   پلنگ بید باف از سایۂ بید

پھر اس "پلنگ" کے لئے ملا طغرا مشہدی کو "ساق نُنجہ" کی ضرورت ہوئی :-

شود بہ ہند چو خراطِ چرخ بر سر کار   زچوبِ خشکِ تنم ساق منجہ می خواہد

"پلنگ" کے علاوہ "کھاٹ" بھی کار آمد ہوتی ہے لیکن جب اوس کے بھدے پن کو رندہ کرکے صاف کیا گیا، تو "کٹ" ایک بلند مرتبہ چیز ہو گئی، چنانچہ فرخی اور مسعود سعد سلمان کی طرح مُلّا طغرا مشہدی بھی اُس کا رتبہ اس طرح ظاہر کرتے ہیں :-

بر درِ بارگاہ چرخ کٹ است   شاہ را پالکی بدین صفت است

پالکی کی تعریف کلیم نے بھی کی ہے :-

تا شد ظفر بر آلکی و پالکی سوار   اوگیرو اورسہ ہمہ دریکے ان گرفت

مُلّا طغرا بھی کہتے ہیں :-

چوں کردہ رو بر پالکی گردیدہ خادر پالکی   بنشست تا در پالکی نہ چرخ کہار آمدہ[1]

جب "کہار" کا ذکر آیا تو "غلام بارہ" کی بھی ضرورت بجا ہے، سعید اشرف کہتے ہیں :-

بردہ بر او زخیل غلامان بو وصار   زیں رو غلام بارہ توان گفت خواجہ را

(بقول آرزو، بارہ درہندی حلقہ، مردم است، چراغ ہدایت)

ملازمون کے سلسلے میں عُرفی نے "خواص" لفظ استعمال کیا ہے، جو اس معنی مین یقیناً اردو لفظ ہے، اور جو عرفی کے یہاں "جھگڑا" تھے بعد دوسرا اردو لفظ ملتا ہے، ان کا مصرع ہے :-

---

[1] سخندانِ فارس، دسوان لکچر

ع آبدارت ابر نیسان دخواست آفتاب

ملازمون مین ہاتھی کا "مہابت" بھی شامل ہے، چنانچہ سلیم کے یہان[1] یہ لفظ سلامت ہے:۔

صحبت با خلائق جمع چون گردد بلا باشد مہابت پیش پیلے را کہ با زنجیر می آید

ہاتھی اور مہابت کے سلسلے مین ایک بات یاد آئی، کہ ہمارے یہان جو تیز بارش کو "ہتیہ بارش" کہتے ہین، اوس کا ترجمہ کلیم نے "فیل باران" کیا ہے:۔

شدہ فیل از تیر لرزان چنان کہ از فیل باران برہنہ تنا،

ہاتھی کے ساتھ ایک گھوڑے کی حقیقت بھی سُن لیجیے، خواجہ عصمت بخاری ایک گھوڑے کی ہجو مین اسکی "نکیل" کا ذکر کرتے ہین:۔

از تار عنکبوت ہمی کردمش نکیل کش طاقت گسستن این ریسمان نبود

ان چیزون کے علاوہ معاشرت مین اوڑھنا بچھانا بھی آجاتا ہے، پتہ یہی چلتا ہے کہ "دولائی" اور "رضائی" بھی ہندوستان ہی مین بنائی گئین، تاثیر کہتے ہین:۔ ع

قبا ے خود گل رعنا چرا دولائی کرد؟

یہان دولائی کی بحث اگرلائی گئی ہے، تو ساتھ ہی قبا کا تعلق پنبہ سے سمجھیے، کیونکہ خان آرزو چراغ ہدایت میں یہ وضاحت کرتے ہین، کہ "در ہندوستان قبا جامۂ پنبہ دار را گویند" چنانچہ محسن تاثیر کے یہان بھی یہی معنی نکلتے تھے، اب مُلا طغرا کے یہاں بھی دیکھیے، کہتے ہین:۔

شب ہوا سرد است طغرا چون حباب بے قبا منشین بہ پیراہن مخواب

احمد دین صاحب نے "سرگذشت الفاظ" ص ۱۶۰ مین رضائی کا تعلق محمد رضا سے بتایا ہے، اور میر محمد رائج سیالکوٹی کا یہ شعر پیش کیا ہے:۔

---

[1] بیاض مولانا راشد برہانپوری،

از رضا دادیم دل با سرد مہریہاے یار — در زمستان ہر کسے فکرِ رضائی می کند

لیکن مولانا عبدالحق صاحب (تنقیداتِ عبدالحق مطبوعہ حیدرآباد ص ۱۳) لکھتے ہیں کہ اسکا املا "رزائی" ہونا چاہیے، کیونکہ یہ عموماً رنگے ہوئے کپڑے کی بنائی جاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ خیال بھی صحیح ہو، لیکن بیدل (المتوفی ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱ء) کے یہاں بھی "رضائی" ہے :-

ز تشریف حکمت نہ کردیم عریان — چو بیدل شود پوششِ مارضائی

"دولائی" اور "رضائی" کو "چھاپا" بھی ضروری ہے، تو اگر ہم نے ایران کو طباعت کے لئے "چاپ کردن" مصدر دیا ہے، تو ساتھ ہی امتیاز خان خالص (المتوفی ۱۱۲۲ھ / ۱۷۱۰ء) کو اس "چھاپنے" سے خالص شاعرانہ خیال بھی بخشا ہے :-

اگر ز وصلِ تو نقشم بکام بنشیند — ز بوسہ چھاپہ کنم اطلسِ فرنگ ترا

اسی معاشرت میں روپیے پیسے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، وحید اس کا ذکر کرتے ہیں :-

کلہ بزرا پیسہ دادم کلہ دہ داد پاچہ داد — ہر کہ با کم مایہ سودا می کند پا می خورد

یہی پیسہ ملا طغرا کے سرمایۂ کلام میں بھی ہے :-

بگو کیسۂ غنچہ را پیسہ بست — کہ پولِ سیہ یاب این کیسہ بست

روپیے پیسے کے معاملہ میں "مہاجن" صاحب کب چوک سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ بھی کلیم کے کلام میں موجود ہیں :-

ہمہ سرمایۂ دریا و معدن — فتادہ در دکانِ یک مہاجن

مہاجن کے ساتھ ان کی "ہنڈی" کا تذکرہ بھی آجانا چاہیے، محسن تاثیر کہتے ہیں :-

دو صد نقدِ دل از زلفِ گرہ گیر — ملامت کردہ ہنڈوی بکشمیر

(۳) ہندوستان کے جادو کے متعلق بھی کچھ سن لیجئے | اپنے یہاں مشہور ہے اور چھتیس گڑھ کمشنری (ممالک متوسط) میں اب بھی یہ قصے

سننے میں آتے ہیں، کہ کسی "ڈائن" نے فلان شخص کو دیکھا، اور دیکھتے ہی اس کا کلیجہ اپنے قبضہ میں کر لیا، اور وہ مر گیا، اسی ڈائن کو امتیاز خان خالص کے والد باقر دزیر تورچی نے "جگر خوار" کہا ہے اور مضمون اس طرح باندھا ہے :-

درزخم دلم ریشہ دوانیدہ نگاہش ہندوے جگر خوار بود چشم سیاہش

اسی قبیل سے چنڈال بھی ایک بلا ہے، حکیم قطران کی طرح ملا طغرا مشہدی نے بھی یہ لفظ باندھا ہے

بہ نگہبانی چنڈال کہ دزد چمن است خضر را گم شدہ نعلین و عصا در کشمیر

ان بلاؤں سے بچنے کے لئے سفلی عمل والے بھی اپنے گرد حصار کھینچ کر دور کرتے ہیں سلیم اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں :-

چہ سادگی است کہ خال لب تو آخر کار بگرد خویش چو ہندو خط حصار کشید

مسلمان بھی اسی جادو کے مارنے کے لئے قرآن پاک کی سورہ فلق اور ناس یا کوئی اور آیتیں پڑھتے ہیں، اسی کی طرف مسیح کاشی کا اشارہ ہے :-

جادوے زلف تو با مصحف روی ہم خانہ است این چہ جادو است کہ قرآن نتواند زدنش

(۴) اردو کے محاورات | اب اردو کے کچھ ان محاورات کو بھی سُن لیجئے جو فارسی میں رائج ہو گئے ہیں، مثلاً:-

(۱) اردو کا ایک محاورہ ہے "شرم کے مارے پانی پانی ہو جانا" یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ اس کا ترجمہ "آب شدن" ضرور اردو کا فیض ہے، صائب کہتے ہیں :-

ہلال غبغب جانان لطافتے دارد کہ از اشارہ انگشت آب می گردد

یا محسن تاثیر کا شعر ہے :-

شکر گو برد دل زجہانے بہ حلاوت آب از نشود پیش لبت از سرخامی است

(ب) "آب آوردن" یعنی کسی چیز کو مفت حاصل کرنا بقول صاحب مصطلحات الشعراء یہ محاورہ ہماری

زبان سے فارسی میں لیا گیا ہے مخلص کاشی کا شعر ہے :-

چون درین گجر بڑ آشوب نظر باز کنم — چشم من آب نیاورده بماند چو حباب

(ج) کم از کم ہندوستان مین یہ ضرور ہے کہ جب زنگریزوں کے نیل کے مٹکون مین اُبال آجاتا ہے جسے "مانٹھ بگڑنا" کہتے ہین، تو وہ لوگ کوئی بات بے پر کی اُڑاتے ہین، اور اوس سے یہ فائدہ تصور کرتے ہین، کہ وہ اُبال بیٹھ جاتا ہے، اسی خیال کو مد نظر رکھکر میرزا نظام کہتے ہین،

حرفِ وصل من وا وی گو یند — بہ زبان رفتہ خم نیلِ فلک[۱]

(د) "چشم پریدن" ضرور فارسی میں ہے، جیسے صائب نے لکھا ہے :-

چنیں کہ می پرد از حرص خاکیاں را چشم — عجب اگر پرِ کاہے بکہکشان ماند

لیکن ہمارے یہان آنکھ پھڑکنے ایک اعتقاد ہے، کہ کوئی شخص اگر ہم کو یاد کرتا ہے، تو ہماری آنکھ پھڑکتی ہے، علی قلی خان نے اسی خیال کو باندھا ہے :-

می پرد چشم منم پیکے از ایران می رسد — نامۂ شاید بمن از پیش سلطان می رسد[۲]

(ہ) جک زدن "جھک مارنا" بھی اردو کا محاورہ ہے، میر جلال الدین غالب کا شعر ہے :-

بر گفتۂ واعظ نتوان ترکِ طرب کرد — توبہ کند آن مرد کہ جک زدہ باشد[۳]

(و) مگس پرانیدن "مکھی اُڑانا" یا "مکھی مارنا" اردو کا محاورہ ہے، ظہوری نے باندھا ہے :-

مصریان چون نہ پرانند مگس با دلِ تنگ — زہر نوشانِ تو گر کام بہ شکر نہ دہند

(ز) دست زیر شال بردن - بقول آرزو (چراغ ہدایت) تشخیص و قرار دادن قیمت مطلقاً در ہندوستان این رسم مخصوص دلالان اسپ است، سعید اشرف کا شعر ہے :-

ہیلۂ سودا بود دلالِ او — می برد دستے بزیر شالِ او

---

[۱] (بہار عجم ج ۲ [۲] منتخب النفائس ص ۵۳ [۳] ،، ص ۹۰

۵) متفرقات | اس متفرقات کی فہرست مین ہماری زبان کے چند بکھرے ہوئے الفاظ اور شن لیجئے جن کو فارسی شعرا استعمال کرنے پر مجبور ہوئے، ہندوستان کے مشہور تیوہار دیوالی (دوالی) کے چراغان کی روشنی دیکھئے :-

وحدت گیلانی :-

زلفت ز نقد دلہا انداخت گنج وافروخت　　　از عارضت چراغے چون ہنڈی ڈالی

اور محسن تاثیر بھی کہتے ہین :-

از بادہ چراغ کر درروشن　　　چشم تو در ہندوی دوالی

ایک لفظ جوڑہ مسیح کاشی کے یہان ہے :-

تنہا ز فلک جوڑۂ این کرگس نیست　　　چون خرقۂ سالم فلکِ اطلس نیست

"چوکھنڈی" کی شان سید اشرف اس طرح بتاتے ہین :-

چوکھنڈیِ شکوہش اگر سایہ افگند　　　فیلِ سپہرِ شانہ بدزدد و بزیرِ پا،

"چیرۂ" بقول آرزو ہندوستان کی پگڑی ہے، سلیم کہتے ہین :-

زعکس ماہ و موجِ آب در شبہا بجوش آیم　　　کہ پندارم بتِ من چیرۂ زرتاری بندد

نعمت خان عالی کے یہان کئی لفظ ہین، مثلاً چیلہ :-

مشغول بہ چوبدار و فراش　　　مشغوف بہ بار گیر و چیلہ

ایک لفظ "سگھڑ" بمعنی زیرک بھی اُن کے یہان ہے :-

اے خدا عالی بیچارہ بہند آمدہ است　　　نازنین شوخ، ظریفے، سگھڑے می خواہد

سخندانِ فارس کے دسوین لکچر مین مولانا آزاد نے اس لفظ کو مقام "سکھر" سے منسوب کیا ہے، لیکن فرہنگ آنندراج جلد دوم ص ۴۳۰، اور بہارِ عجم سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ لفظ "سگھڑ" بروزن "ہنر"

بمعنی "زیرک" ہی صحیح ہے)

مگر مچھ سید اشرف کے شعر میں ہے :-

گردن شکستہ کہ بہ نسبت وزیر اوست   از پاے تا بہ سر ہمہ مگرمچھ ہمہ گلو است

تنباکو جو عہد اکبری میں ہندوستان آئی، اسکی تعریف نظری نے خوب کی ہے، (شعر العجم جلد ۳) لیکن اوس کے پینے کے لئے حقہ بھی یہیں بنایا گیا، میر امامی :-

حقہ ریز د عطر از گلہاے زنگار رنگ او   خوشتر است از بوے ریحان دود تنباکو مرا

گل کا ذکر آیا تو ہندوستان کو نہ بھولنا چاہئے، کیونکہ یہیں "گل" کو "گلاب" بھی کہا گیا، اور ملا طغرا بھی ہندوستانی گلاب کی خوشبو کا لطف اٹھانے لگے :-

زخوے آں بتِ چون گل گلاب شد ذات   شقایق از حسد بخت گل کباب شدہ است

ہندی معشوق کی پیشانی کا ٹیکہ بھی ایک "گل" ہی ہے، جو ملا طغرا کو پسند آیا،

گل ٹیکہ بر طاق ابروے او   بود خار رنگین تراز وے او

ظہوری نے "جگت گروئی" کی داد دی ہے، کہتے ہیں :- بار جگت گروئی یعنی استادی عالم بر گردن گرفتن و زحمت تربیت شاگردان کشیدن غرض التفات و مرحمت است ...."

(نثر دوم، صفت نہم)

پھر بعض الفاظ یہیں بیٹھ کر بنائے گئے، مثلاً یہاں کی ایک گھاس کو بقول علامہ سید سلیمان ندوی (نقوش سلیمانی ص ۲۹) "خس" کہہ کر خس خانہ بھی بنایا، چنانچہ فصیحی ہروی کہتے ہیں :-

آسمان ماتم خس خانہ خود گیر کہ سوخت   آتش نالہ ما دشت شکیبائی را

کارِ خیر بھی یہیں انجام پایا، جو بقول صاحب غیاث اللغات، بیٹی کے نکاح کے لئے مستعمل ہے،

ہندوستان مین بعض مقامات کا پانی ایسا ہوتا ہے، کہ اوس کے پینے سے ناروا مرض پیدا ہو جاتا ہے اور ہاتھ پیر کے بعض جوڑون سے تار سے نکلتے ہین، محمد قلی سلیم اسے رشتہ کہتے ہین :-

ہر ریشہ رشتہ ایست کہ از پا برآمدہ است　　آب ہوائے این چمن سازگار نیست

اور اسی رشتہ کے معنی اردو مین "قرابت" ہین سلیم کہتے ہین :-

گرش را سلیم تنگ بگیر　　باخبر باش رشتہ باریک است

زمیندار بھی غالباً یہیں بن بیٹھے محسن تاثیر کہتے ہین :-

درجہان آباد گلزارش ہزارے بلبل است　　از زمینداران ہندوطرۂ او سنبل است

ہندی مین ایک "لفظ جات" بمعنی قوم و نسل ہے، اردو مین ہم نے اُسے "ذات" بنا لیا، اور یہی لفظ فارسی میں بھی آگیا، متقدمین مین سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ ۱۱۶۹ء) کے یہان ہر :-

بحلق و خُلق رشتۂ بد بخور و وزیست ام دُ　　بہ اصل و ذات دون دُرد بہ قول و فعل خور و شر

اگر اس شعر مین "ذات" کے یہ معنی نہ بھی لو جائین، تو کم از کم ملا طغرا کے یہان ضرور یہی معنی نکلتے ہین

گر کشاید از قدح نوشے بطے را دہن　　ذات مرغابی است خواہد صاحب منقار شد

ایک جگہ اور لکھتے ہیں ، :-

شوخ سوسن را بگو دل می رباید قشقۂ ات　　ذات رجپوت است ترسم دست بر جمدھر کند

یہان ذات کے ساتھ "جمدھر" ایک دوسرا لفظ آگیا، یہ بھی ہین کا لفظ ہے، اور خنجر کے معنی مین آتا ہے، جیسا کہ ولی کے یہان بھی ہے :-

صف مژگان خوبان مل کے یکسر　　اٹھے ہین عاشقان پہ کھینچ جمدھر

ہان تو "ذات" کے متعلق بحث تھی جسے ہم ذال سے لکھتے ہین، لیکن چونکہ یہ ہندوستان

ل معارف :- یہ مرض بخارا مین سُنا جاتا ہے، اور اوسکو وہان رشتہ کہتے ہین ۲ کلیات ولی صفحہ ۲۳۵

ہی کی پیداوار ہے، اس لئے محترمی ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی زور دیتے ہیں، کہ اسے "ذال" کے بجائے زے سے لکھنا چاہئے، (ملاحظہ ہو رسالہ "ہندستانی" جنوری ۱۹۳۱ء ص ۱۹)

ان بدعات حسنہ میں ظہوری کی کوششیں بھی فراموش نہ کرنا چاہئے، لفظ "خراط" جو طاسے ہے غالباً ظہوری نے سب سے پہلے دال سے لکھا، اور اب خرادہمارے یہاں دال ہی لکھا جاتا ہے، ظہوری کی بدعت اس طرح ہے :-

فرزدر از استقامتش خرد اد زندہ کردہ است گجروی زنہادش

ایک اور لفظ "مکتب خانہ" ظہوری نے غالباً سب سے پہلے لکھا، اُن کی نثر دوم (صفت نہم) میں ہے "ارباب استعداد را صحبت کتاب خانہ کہ مکان فیض الٰہی است و مکتب خانہ، اوستاد ان معنی اعنیٰ شاگردان اعلیٰ حضرت ظل الٰہی روزی باد......" پروفیسر عبدالغنی صاحب نے اپنی کتاب "ادب دور مغلیہ" کی تیسری جلد ص ۳۵۰ میں اس جگہ "مکتب خانہ" کے بجائے غالباً اصلاح کرکے "کتب خانہ" کر دیا ہے، لیکن چونکہ ص ۳۸۴ پر اونھوں نے اوس کا ترجمہ "اسکول" ہی کیا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ "مکتب خانہ" کے بجائے "کتب خانہ" کاتب کی مہربانی سے ہو، بہرحال اس میں شک نہیں کہ ظہوری نے "مکتب خانہ" ہی لکھا ہے، جیسا کہ اس کے ایک شعر سے بھی ظاہر ہے :-

کنم در عشق مکتب خانہ خود کوہ و ہامون را بیاموزم طریق عاشقی فرہاد و مجنون را

صائب نے بھی لکھا ہے :-

تامبادا آگاہ از ذوق گرفتاری شوند می کنم آزاد طفلان راز مکتب خانہا

اسی لئے جب "مکتب خانہ" صحیح ہے، تو شاید اردو شاعروں کا "مکتبستان" بھی صحیح ہوگا

بہرحال یہاں تک سترہویں صدی عیسوی تک کے ایسے فارسی اشعار اور عبارتیں پیش

ف نثر سوم،

لی گئین جن پر ہماری اردو نے اپنا اثر کیا تھا، لیکن پھر اردو کا یہ اثر اپنی تاثیر اور دلکشی مین اتنا زیادہ
ہ گیا، کہ لوگ فارسی کی شیرینی بھول گئے، اور اٹھارہوین صدی عیسوی (یعنی بارہوین صدی ہجری)
ے شروع ہوتے ہی دلی کی ولایت اور بادشاہت نے فارسی کی بچی کھچی پونجی کو بھی مال غنیمت
سمجھ کر چھین لیا، اسی لئے غالباً انوری نے کہا تھا :-

تا عشق تو در سینہ مکان کرد کراجا؟
کس دید در آفاق بیک شہر دو راجا،

سائنس

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ جو جنوری ۱۹۴۱ء سے ماہانہ نکل رہا ہے

جنوری ۱۹۴۱ء کے چند مضامین

(۱) سائنس کیا ہے (۲) مسئلۂ جبر و قدر سائنس مین (۳) غوطہ خوری،

فروری ۱۹۴۱ء کے چند مضامین

(۱) جنگ مین حیوانات کا حصہ (۲) ہوائی نائٹروجن سے استفادہ (۳) ارتقائے انسان کا راز

چندہ سالانہ پانچ روپیہ سکۂ انگریزی، نمونہ کا پرچہ آٹھ آنے، رسالہ مین اشتہارات بھی شائع ہوتے ہین جن کے نرخ طلب کئے جاسکتے ہین

امید کہ اردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائقین سرپرستی فرمائین گے،

المشتہر معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

نقوش سلیمانی

یہ مولینا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریرون تحریرون اور مقدموں کا مجموعہ ہے جو انھون نے بعض ادبی کتابون پر لکھے، قیمت عہ، حجم ۵۰۰ صفحے **منیجر دار المصنفین**

ا

ابوالبرکات بغدادی اور اسکی کتاب المعتبر

از

سید سلیمان ندوی

(۳)

گذشتہ نمبر میں کہا گیا تھا کہ ابوالبرکات کی زیادہ توجہ بجائے قیاسات اور کلیات کے مشاہدہ پر ہے، اسکی کتاب سے چند مثالین یہان بیان کیجاتی ہین:۔

(۱) چاند مین جو نشانات نظر آتے ہین، اُن کی حقیقت کے بارہ مین لوگ مختلف الرائے ہین، ابوالبرکات کہتا ہے:۔

"چاند کے نشانات مین لوگ مختلف رائے رکھتے ہین، بعض لوگ کہتے ہین، کہ یہ نشان زمین کی شکل کا عکس ہے، لیکن یہ نشان چاند کے اندر نہیں ہے جس طرح کہ آئینہ میں صورت نظر آتی ہے، لیکن صورت اس کے اندر نہین ہوتی، ہے"۔

اس سلسلہ مین ابوالبرکات دوسری رائین نقل کرتا ہے، اور ان کا رد کرتا ہے، پھر کہتا ہے

"متقدمین کی باتون سے کوئی قابلِ توجہ چیز نہین معلوم ہوئی"

اپنی رائے ان الفاظ مین ظاہر کرتا ہے:۔

"اس بارہ مین جو کچھ ہم سمجھ سکے ہین، وہ یہ کہ وہ جزء یا اجزاء جو چاند مین روشن نہین ہین وہ اس کے باقی جوہر کے مخالف ہین"

(مطلب یہ ہوا کہ چاند کے جوہر مختلف ہیں، روشن حصہ ایک جوہر سے تعلق رکھتا ہے اور روشن دوسرے جوہر سے! غیر روشن حصہ میں زمین کا عکس نہیں پڑتا، اور روشن حصہ میں پڑتا ہے، نشان یا داغ کی صورت میں نظر آتا ہے) اس کے بعد ابوالبرکات کہتا ہے:-

"جن لوگوں نے اس قول سے محض ترکیب کے خیال سے احتراز کیا ہے، وہ درست نہیں اسلئے کہ مشاہدہ کی تکذیب نہیں کیجا سکتی"۔

یعنی چاند کو مختلف الاجزاء عناصر سے مرکب ماننے سے عام فلسفی بچنا چاہتے ہیں، جسکی ئی وجہ محض وہم وگمان کے سوا کوئی اور نہیں، کیونکہ مشاہدہ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا،

(۲) اسی طرح ابوالبرکات نے کہکشاں کے بارے میں ان لوگوں کے قول کی تردید کی، جو کہتے ہیں کہ کہکشاں ان نشانات کا نام ہے، جو ہماری اس فضا میں ہوا کے بالائی حصے اور ؤنار سے پیدا ہوتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ جو چیز حقیقت سے قریب معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ کہکشاں ںام کوکبی ہیں، جو چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہماری نگاہوں کے حدود سے آگے ہیں، اور یہ سب کے ب آسمان میں ایسے ہی ہیں، جیسے چاند میں نشانات!

ابوالبرکات نے اپنے اس دعوی کی تائید میں بذریعۂ رصد، مشاہدہ کو پیش کیا ہے،

(۳) دوسرے حصہ کی ساتویں فصل میں کواکب و افلاک کی حرکت کے بارے میں کہتا ہے،

"رصد سے دیکھنے والوں نے ستاروں کی حرکت کو مختلف پایا، اور جب ان لوگوں نے یہ سُنا کہ آسمان میں خرق والتیام (پھٹنا اور جڑنا) ممکن نہیں، تو ستاروں کی حرکت کو فلک کی طرف منسوب کردیا، اور کہنے لگے، کہ افلاک کواکب کے ساتھ متحرک ہیں حالانکہ مشاہدہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ حرکت فلک کی نہیں، بلکہ کواکب کی ہے، فلک کا جوہر اور ہر طرف سے اس کا گھیر ایک جیسا ہے، اسکی گردش سے کوئی ایسی حرکت وضعی

نہیں پیدا ہوتی جس کا فرق ہم محسوس کر سکین "!

اس کے بعد حرکت افلاک کو دوسری دلیل سے بیان کیا ہے، یا اسی کا نتیجہ ہے، کہ ہ
زمانہ کے علماے ہیئت افلاک کا سرے سے انکار کرکے خود ستارون کی ذاتی حرکت کے قا

(۴) گیارھوین فصل مین پہاڑ، دریا، وادی، نہر اور چشمون کے متعلق بحث کی ہے، ان
مباحث مین ابو البرکات نے معیار تحقیق اپنے مشاہدہ اور تجربہ کو رکھا ہے،
اس نے کسی کی مخالفت کی پروا نہ کی، بلکہ حق کہا، اور حق یہ ہے، کہ ان مباحث مِ
اسی کے ساتھ ہے !

پہاڑون کے سلسلہ مین کہتا ہے :-

"زمین جب خشک اور ناقابل تجزیہ ہو جاتی ہے، اور اس کے گرد پانی جمع ہوتا ہے، ہوا پانی کو حرکت دیتی ہے، اس حرکت سے زمین پانی کی گہرائی مین ملتی ہے، اور اس کے اجزار پانی سے ملتے رہتے ہین، اس حرکت و امتزاج میں جو شکل پیدا ہوتی ہے، زمین کا پانی سے قریبی حصہ اسی حالت مین باقی رہ جاتا ہے، پانی کے ساتھ مٹی کے جو اجزار آتے ہین، وہ بھی اس سے ملتے رہتے ہین، اس طرح یہ آہستہ آہستہ بڑھتے جاتے ہین، اور مدت دراز کے بعد وہ پہاڑ بن جاتے ہین، چنانچہ یہ مشاہدہ ہے، کہ بعض لوگون کو جب اپنے مکانات کے لئے پتھر کی ضرورت ہوتی ہے، تو وہ بہتے ہوئے پانی میں کھجور کی گٹھلیون یا اسی قسم کی چیزون کو ڈال دیتے ہین، ان پر اجزار ارضی کی تہیں چڑھتی رہتی ہین، یہان تک کہ یہ بڑا پتھر بن جاتی ہے !

دریا کو خشکی اور خشکی کو دریا کی صورت مین تبدیل ہونے کی کیفیت بیان کرتا ہے، :-

"جب زمین اونچی ہو جاتی ہے، تو پانی قریب کے نشیبی حصہ کی طرف رُخ کرتا ہے، اور

پہاڑ پانی کے کم ہونے سے کھل جاتا ہے، دریا، صحرا، اور وادیون کا پانی زمانہ دراز گذرنے پر آفتاب کی تاثیر اور ہواؤن کے تموج سے خشک ہوتا ہے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہی، اسطرح ایک زمین کھلتی ہے، اور دوسری ڈھک جاتی ہے جیسا کہ تم نجف کی زمین میں آج بھی اس چیز کو دیکھ سکتے ہو، اوس کی اندرونی تہ کو کھودو تو معلوم ہوگا کہ اوس کے بنے ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا، پہاڑون کا یہی حال زمین کے ہر حصہ مین ہے "۔

(۵) آندھیون کی پیدایش اور اُن کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے قدماء کی اس رائے سے اختلاف کرتا ہے کہ آندھی اجزاے ارضیہ اور دخانیہ کے اٹھنے اور نیچے آنے سے پیدا ہوتی ہے، پھر متاخرین کا مسلک واضح کیا، ہو کہ ان کے نزدیک آندھی کا سبب یہ ہے، کہ ہوا کے بعض اجزا گرم اور بعض ٹھنڈے ہو جاتے ہین، گرم اجزاء ہلکے ہوکر اوپر جاتے ہین، اور ٹھنڈے بھاری ہوکر زمین کی طرف جھک پڑتے ہین،

اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہے، کہ مین نے خود ایک بار سخت ہوا کو دیکھا جو ایک خیمہ کے وسط سے اٹھی، اور اسکو ایک قدِ آدم اٹھایا پھر وہ گر گیا،

پھر کہتا ہے، کہ اوس کے سوا مین نے ہواؤں کے اسباب کے سلسلہ میں متقدمین کا کوئی پسندیدہ قول نہیں دیکھا،

(۶) چشمون کی پیدایش کے متعلق کہتا ہے :-

" اکثر اگلے فلسفیون کا خیال ہے کہ پہاڑ مین سے چشمہ بہنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ پہاڑ کے اندر جو ہوا بند ہے، وہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے، اور وہی پانی بن کر بہتی ہے پھر پانی ہوا، اور ہوا ٹھنڈی ہو کر پھر پانی بن جاتی ہے، الغرض فطرت کے ہاتھ سے

یہی عمل برابر ہوتا رہتا ہے، اس نظریہ پر اعتراض یہ ہوتا ہے، کہ برف اور بارش کی کمی سے کنوین او
چشمے خشک کیون ہوجاتے ہیں، نہرون مین پانی کیون کم ہوجاتا ہے، اور جب ان مین زیادتی ہوتی ہے تو
ان چیزون مین بھی زیادتی، اور ان کی کمی سے ان چیزون مین بھی کمی ہوجاتی ہے، اس کے بعد اسی سلسلہ
مین مرج ہمذان مین اپنے ایک مناظرہ کا ذکر کیا ہے، اپنے جوابات تبلائے ہین، اور حق یہ ہو کہ جو کچھ اسنے
کہا وہ صحیح ہے، فلسفہ جدیدہ نے اسکی تصدیق کردی ہے، اس کا نظریہ یہ ہے، کہ بادل کا پانی جو
پہاڑون پر برستا ہے، وہ اندر سے راستہ بنالیتا ہے، یا اونچے پہاڑون پر برف بن کر گرمی سے گھل کر
اپنا راستہ نشیب کی طرف نکالتا ہے،

(۷) وہ دار ستارون کی پیدایش کے متعلق اُس نے بحث کی ہے، اور اپنے مشاہدات وتحقیقات
کو بیان کیا ہے،

کتاب المعتبر کا طبیعی حصہ چند اجزار پر منقسم ہے،

۱- پہلا حصہ ان مطالب مین ہو جن پر ارسطو نے اپنی کتاب "سماع طبیعی" مین بحث کی ہے سماع
طبیعی کو آج کل ما یعم الاجسام کہتے ہین،

۲- دوسرا حصہ ان مطالب پر ہے جن کو ارسطو نے اپنی کتاب "السمار والعالم" مین بیان کیا ہے
یعنی فلکیات اور عنصریات،!

۳- تیسرا حصہ ان مطالب پر ہے جو کتاب "الکون والفساد" مین ہین،

۴- چوتھا حصہ ان مضامین مین ہے، جن کا تعلق ارسطو کی اس کتاب سے ہے جو آثار علویہ ومعادن
کی تحقیق مین ہے،

۵- پانچوان حصہ نبات اور حیوان مین ہے، اس حصہ کو جن اور ارواح پر ختم کیا ہے،

۶- چھٹا حصہ کتاب النفس ہے، اس مین بڑی تفصیل کی ہے، اور بے نظیر مضامین بیان کو ہین

میرا خیال ہے کہ شاید یہ وہی مستقل کتاب ہے، جس کا نام بیہقی نے کتاب النفس و التفسیر بتلایا ہے!
اسی پر اس کی طبیعی کتاب کا خاتمہ ہے،! اور اگر بیہقی کی بتائی ہوئی کتاب کوئی مستقل کتاب ہے، تو
مسئلہ نفس پر ابوالبرکات کی یہ تیسری کتاب ہے!

مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ابوالبرکات اس میں پہلے ارسطو اور پیروانِ ارسطو کے اقوال کو نقل
کرتا ہے، پھر انکی تحقیق و تصحیح اور تردید کرتا ہے!

اس کے بعد کتاب کا چوتھا حصہ ہے، جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے،

کتاب المعتبر کا چوتھا حصہ،

اس کتاب کو اوس نے علم کی تعریف سے شروع کیا ہے، کہتا ہے:۔

علم عالم کی معلوم کی طرف صفتِ اضافی کا نام ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ بعض متاخرین نے اسی انداز سے علم کی جو تعریف کی ہے وہ ابوالبرکات ہی کا فیض ہے،

یہ حصہ دو مقالوں پر منقسم ہے، ان میں علم کے موضوع "مبدء اول" اوس کے صفات، حدوث، قدم،
مبدء اول سے خلق کی ابتدا، و ایجاد، عقول، نفوس کے متعلق بحث کی گئی ہے،!

ان مسائل میں ابوالبرکات نے صحیح مسائل کی حمایت کی ہے،! ہر جماعت کے دلائل بیان کئے
ہیں،! حدوث و قدم کی بحث کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے،! ابوالبرکات ہی نے "تسلسل اشیاء بلا اول"
کے قول کی ابتدا رکھی جس پر علامہ ابن تیمیہ نے اس کو بڑی داد دی ہے، اس کے بعد ابوالبرکات نے فلاسفہ
کے ان اصول کو جن پر ان کے الٰہیات کی بنیاد قائم ہے بڑی خوبی سے رد کیا ہے، کہ جو فاعل ہر حیثیت سے
ایک ہوگا اوس سے ایک ہی فعل صادر ہو سکتا ہے،! قدیم محلِ حوادث نہیں ہو سکتا، صفاتِ الٰہی، ذات
سے الگ نہیں ہیں،! اسی طرح عقولِ عشرہ کی تحدید کو باطل کیا، اور کہا کہ عقول یہی ارواح اور ملائکہ ہیں
جن کی کوئی تحدید نہیں کی جا سکتی،

میرے سامنے کتاب المعتبر کے جو نسخے ہین، ان میں ایک تو وہ عکسی نسخہ ہے جس کو دائرۃ المعارف نے استنبول سے حاصل کیا ہے، یہ نسخہ دو مختلف نسخون سے مکمل کیا گیا ہے، ایک نسخہ بڑے سائز کا ہے جس کے حروف باریک اور مشکل سے پڑھے جاتے ہیں، دوسرا نسخہ چھوٹے سائز، لیکن جلی خط کا ہے، کتاب کا پہلا حصہ جو منطق میں ہے، اور تیسرا حصہ جو الٰہیات مین ہے، یہ دونون حصے دوسرے قلمی نسخہ مین ہین، پہلا نسخہ لالہ لی کے کتب خانہ سے فوٹو سے نقل کیا گیا ہے، اس کا نمبر ۲۵۵۳ ہے، اوس پر سلطان سلیم خان کی مہر ہے، ۴۶۲ صفحات ہین، دوسرا نسخہ جو علم طبعی مین ہے، اسعد آفندی کے کتب خانہ سے منقول ہے، اس کا نمبر ۱۹۳۱ ہے، ڈھائی سو کے قریب صفحات ہین اسکے آخر مین درج ہے

"جس شخص نے یہ کتاب لکھوائی ہے، اس کے لئے اس کی نقل سے جرجانیہ خوارزم خانقاہ حانوتی میں جو کبریتی نام پل پر واقع ہے، بروز دوشنبہ ۱۰ رشوال ۶۲۲ھ کو فراغت ہوئی، اور بلدۂ سرائے جدیدہ میں مجھے اس کے مقابلہ کا موقع ملا، اور اوس سے یک شنبہ ۱۱ رجمادی الاول ۶۲۳ھ کو فراغت ہوئی، اسی دن ہم سرائے جدیدہ سے یک شنبہ کی صبح کو قرم کی طرف اردوی اعظم کے لئے روانہ ہوئے"

جزو اول کے شروع میں آخر صفحہ پر یہ عبارت درج ہے:-

جس نے اس کتاب کو لکھوایا ہے اس کیلئے اوس سے سہ شنبہ کی دوپہر ۸ رذی الحجہ ۶۲۲ھ جرجانیہ خوارزم خانقاہ حانوتی مین جو کبریتی نام پل پر واقع ہے، فراغت ہوئی، اور اس کتاب کی اصل سے مقابلہ کرنے سے دوشنبہ ۹ رذی الحجہ ۶۲۳ھ کو سرائجق مین فراغت ہوئی"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اگلے علماء کو طلب علم کا کتنا شوق تھا، کہ وہ سفر و حضر کسی حالت مین بھی اوس سے غافل نہیں رہتے تھے!

کتاب کا ایک دوسرا قلمی نسخہ بھی ہے جس کو خزانہ آصفیہ نے استنبول سے حاصل کیا ہے

زندیق کی حقیقت

از

مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

پروفیسر براؤن نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ ادبیات ایران" ص ۱۵۹ مین لفظ "زندیق" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"زندیق ایک فارسی اسم صفت ہی، جس کے معنی ہین وہ لوگ جو زند کی پیروی کرتے ہین"۔ مذہب مانی کے ماننے والے بھی زندیق کہلاتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی، کہ وہ دوسرے مذاہب کی کتابون کی تفسیر اپنے ہی خیالات کی روشنی مین کرتے تھے، یہ طریقہ غناسطیون اور پچھلے اسماعیلیوں کی تاویل سے ملتا جلتا تھا، لیکن پروفیسر بیوان (Bevan) کی تعریف بہت قرین قیاس ہے، جیسا کہ فہرست ابن ندیم اور البیرونی سے معلوم ہوتا ہو کہ "سماع" (سننے والا) کا لفظ معمولی درجہ کے مانویون کے لئے استعمال ہوتا تھا کیونکہ ؤ اپنے اوپر غربت، تجرد، نفس کشی ایسے مذہبی فرائض کی پابندی عائد نہین کرتے تھے، اور وہ بزرگ اور درویش جنھون نے اپنے لئے غربت کو دولت پر ترجیح دی ہو، ہوس خواہش نفسانی سے اجتناب اور اس پر سختی سے قائم رہنا، فاقہ کرتے رہنا اور صدخیرات کرنا اپنا شعار بنا لیا ہو "صدیق" کہلاتے تھے، (واحد از جمع صدیقون) یہ ایک عربی لفظ ہے لیکن غالباً اصلی آرٹیک حالت مین "صدیقائے" تھا، جو فارسی مین "زندیک" ہو گیا وکون وکر

بدل دیا، جب یہ فارسی مین سبتھ (Sabbath) شنبذ (Shanbadh)
موجودہ شنبہ ہوگیا، اور سنسکرت مین "سدھانت" سے "سندھند" ہوگیا، اس خیال کے مطابق "زندیک"
عربی مین زندیق ہوگیا، جو عارف مانویون کے آرٹیک نام کی فارسی صورت ہے، یہ پہلے صرف اسی
طبقہ کے لئے مخصوص تھا، لیکن بعد مین عام کافرون کے لئے استعمال ہونے لگا۔ !

براؤن نے اسی آخری رائے کو ترجیح دی ہے، لیکن یہ تحقیق علماے اسلام کی تحقیق کے مقابلہ مین حقیقت سے بہت دور معلوم ہوتی ہے، بے شبہ بیرونی کی آثار الباقیہ اور فہرست ابن ندیم مین مانویون کے ذکر مین "سماع" اور "صدیق" دو جماعتون کے نام آتے ہین، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ زندیق کی اصل "صدیق" ہے، !

آثار الباقیہ ص ۲۰۷ مین ہے،

وشرع نوامیس یفترضها الصدیقون
وھم ابرار المانویۃ وزھادھم
علی انفسھم من ایثار المسکنۃ
وقمع الحرص والشھوۃ ورفض
الدنیا والزھد فیھا ومواصلۃ
الصوم والتصدق بما امکن
وتحریم اقتناء شیٔ الا قوت یوم
واحد ولباس سنۃ وترک
السفاد وادامۃ التطواف فی
الدنیا للدعوۃ والارشاد
ورسوماً اخر یفترضونھا علی السماعین اعنی اتباعھم والمستجیبین لھم من المختلطین بالاسباب الدنیاویۃ

اور کچھ قوانین بنائے جن کو صدیقون
یعنی مانویون کے درویشون نے اپنے اوپر
لازم کرلیا، مثلاً مسکنت کی ترجیح، حرص
اور شہوت کا ترک، دنیا مین زہد، پے
درپے روزے جتنا ممکن ہو صدقہ کرنا،
ایک دن کی غذا سے زائد، اور ایک سال
کے کپڑے سے زائد جمع نہ کرنا، دنیا مین
برابر تبلیغ کے لئے گشت کرنا، کچھ اور قوانین
سماعین کے لئے بنائے، سماعین ان کے
پیرو اور دنیا کے سامان سے مختلط تھے،

اسی طرح ابن ندیم نے الفہرست میں مانویہ کے ذکر میں کئی موقعوں پر "صدیق" کا لفظ اور ایک موقع پر "سماع" کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن کہیں اس کا اشارہ بھی نہیں ہو کہ یہ لفظ فارسی میں جاکر زندیق ہوگیا ہے۔

زندیق کا لفظ بے دین اور لامذہب لوگون کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر اسکی اصل صدیق ہوتی، اور اس سے مراد فرقہ مانویہ کے "صدیقین" ہوتے، تو اوس کا محل استعمال ضرور بہتر ہوتا۔

لفظ "صدیق" کا احترام بیان تک کیا گیا کہ جوہری نے "صدیق" کا وزن تبلاتے ہوئے مثال مین "فسیق" کو پیش کردیا، اس پر صاحب لسان برہم ہوتا ہے، اور کہتا ہے:

لقد اساء التمثیل فی ھذا المکان، (تاج العروس جلد ۹ صفحہ)	اس جگہ بُری مثال دی،

علماے لغت کا فیصلہ ہو کہ "زندیق" عربی لفظ نہیں ہے، بلکہ فارسی اور معرب ہو،

لسان العرب جلد ۱۲ ص ۳ میں ہے،

زندیق، القائل ببقاء الدھر فارسی معرب وھو بالفارسیۃ زند کر، اے یقول بدوام بقاء الدھر	زندیق بقاے دہر کے قائل کو کہتے ہیں، فارسی معرب ہے، فارسی مین اس کی اصل زند کر، یعنی قائل دوام بقاے دہر ہے،

تاج العروس جلد ۶ ص ۳۷۰ مین ہے،

الصواب ان الزندیق نسبۃ الی الزند وھو کتاب مانی المجوسی	درست یہ ہے کہ زندیق کی نسبت مانی مجوسی کی کتاب زند کی طرف ہو،

خوارزمی کی مفاتیح العلوم ص ۳۷ مین ہو:-

الزنادقة، هم المانوية وكان المزدكية يسمون بذلك (مزدك) هو الذي ظهر في ايام قباد وزعم ان الاموال والحرم مشتركة واظهر كتابا سماه زندا وهو كتاب المجوسي الذي جاء به زرداشت الذي يزعمونه انه نبي فنسب اصحاب مزدك الى زند او اعرب الكلمة فقيل زنديق

زنادقہ مانویہ ہین، یہی نام مزدکیون کا تھا، مزدک وہی ہے، جو قباد کے زمانہ مین ظاہر ہوا، اس کا خیال تھا کہ مال اور عورت مشترک ہین، اس نے زند نامی ایک کتاب کو ظاہر کیا، یہ زردشت (جس کو یہ لوگ اپنا پیغمبر مانتے ہین) کی کتاب ہے، اس لئے اصحاب مزدک زند کی طرف منسوب ہوئے عربی میں یہ لفظ زندیق ہوگیا،

غیاث اللغات ص ۲۱۰ میں ہے،

صحیح آنست کہ معرب زندہ است یعنی آنکہ اعتقاد وزند کتاب زرتشت دارد، کہ قائل یزدان و اہرمن بود موافق قاعدۂ تعریب قاف در آخر زیادہ کردہ اند، چون وزن فعلیل بالفتح در کلام عرب ندیدہ لہذا حرف اول را کہ زائے معجمہ است کسرہ دادہ اند، در رسالہ معربات و در خیابان نوشتہ کہ زندیق بالکسر معرب بہ زندیک است و آن مرکب از زند،

صحیح یہ ہے کہ یہ زند کا معرب ہے، یعنی "وہ جو زرتشت کی کتاب زند کا معتقد ہے" زرتشت جو کہ یزدان اور اہرمن کا قائل ہے) قاعدۂ تعریب کے موافق ق کو آخر مین زائد کر دیا فعلیل (بالفتح) کا وزن عرب میں نہ تھا، اس لئے حرف اول ز کو کسرہ دیدیا، معربات و درخیابان مین ہے، کہ زندیق بالکسر زندیک کا معرب ہے، اور یہ زند اور یائے نسبت

بالفتح ژند نام زردتشت است ویاۓ نسبت د ... سے مرکب ہے، کاف تصغیر تحقیر کیلئے ہے
کاف تصغیر یا تحقیر و کسرا اول بجہت تعریب ... پہلے حرف کسرہ بموجب قاعدہ تعریب ہے

ان تصریحات سے یہ چیز تو واضح ہو گئی، کہ زندیق کی اصل فارسی ہے، جو کچھ اختلاف ہے وہ اس مین کہ فارسی مین اسکی اصل کیا ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے، کہ اس کی اصل "زندہ" ہے ان کے نزدیک یہ لوگ دوام بقاۓ دہر کے قائل تھے، اس لئے "زندہ" سے زندیق کہلائے، دوسری جماعت کے نزدیک یہ لوگ "زند" نامی ایک کتاب کے پیرو تھے، اسلئے زندی اور زندیق کہلاۓ، زند زردتشت کی کتاب تھی یا مانی کی یا مزدک کی، یا کسی زبان کا نام ہے؟ ہم اس تفصیل مین نہیں پڑنا چاہتے، اس لئے کہ یہ مسئلہ ہماری موجودہ بحث سے خارج ہے، البتہ "زندیق" کے کل استعمال پرغور کرنیکے بعد ہم اس نتیجہ پر ضرور پہونچتے ہین، کہ اس کی اصل یہی زند (یعنی کتاب) ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ "زندیق" (یعنی عقیدہ بقاۓ دوام دہر) کا استعمال اُن مواقع پر بھی کیا جاۓ، جہان بقاۓ دوام دہر کے عقیدہ کا کوئی سوال نہیں ہے،

مشہور مورخ مسعودی نے اس لفظ پر جو فاضلانہ کلام کیا ہے، اس سے اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے، وہ کہتا ہے :-

"مانی کے زمانہ مین زنادقہ کا نام ظاہر ہوا، اور اسی کی طرف زندقہ منسوب ہوا، اسکی حقیقت یہ ہے، کہ زردتشت جب اہل فارس کے پاس اپنی کتاب بستاہ لایا، جو فارسی کی قدیم زبان مین تھی، اور اسکی ایک تفسیر لکھی اس کا نام زند ہے، پھر تفسیر کی تفسیر لکھی، اس کا نام پازند ہے، زند پہلی نازل شدہ کتاب کی تاویل کی شرح تھی، مانی نے اس شریعت میں ایسی چیزیں ملائین جو اس مین نہ تھین، بلکہ بستاہ کے خلاف تھین، اوس کا رجحان زند کی طرف تھا، اسی وقت سے لوگ کہنے لگے کہ یہ زندی ہے، یہ لقب

اسلئے تھا کہ وہ اصل کتاب کے ظاہری الفاظ سے انحراف کرتے ہوئے اس تاویل کی طرف راغب تھا جو اصل کے خلاف تھی، جب اہل عرب نے اس لفظ کو لیا، تو وہ زندیق کہنے لگے!

(مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۶۷)

مسعودی کے اس بیان سے اصل راز کھلا کہ مانی کا اصل کام تحریف اور غلط تاویل تھا، ا
مین لفظ زندیق فرقہ مانویہ کے ساتھ مخصوص رہا، جو لوگ مانویت قبول کرتے ان کو زندقہ کا اع
ملتا، چنانچہ قریش کے بعض لوگون مین حیرہ والون سے زندقہ آیا[1]، حیرہ والون سے زندقہ حاصل کر
کا صاف مطلب یہ ہے کہ انھون نے مانویت کی دعوت قبول کی، زمانہ اسلام مین امویون کے
حکومت میں اس لفظ کا استعمال کم ہوا، اس لئے کہ ان کے دور مین زیادہ تر علوم دینیہ کا چرچا تھا، ک
وسنت سے شغف تھا، تحریف وتاویل کی گنجایش نہ تھی، البتہ عباسیوں کے عہد میں جب کہ فا
نے زور پکڑا، اس وقت زندقہ بھی عام ہوا، دوسرے مذاہب کے خیالات کو اسلام کی اصطل
اور قرآن وحدیث کے الفاظ مین چھپانے کی کوشش کی جانے لگی، اب "زندیق" کا لفظ فرقہ مانویہ
مخصوص نہیں رہا، بلکہ ہر اس شخص اور جماعت کیلئے استعمال ہوا جن کا کام تحریف اور غلط تاویل تھا، جو
کے الفاظ کی تشریح اپنے عقائد کی روشنی مین کرتے!

اس لفظ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے بعد اب علماے اسلام کے اقوال پر غور کیجئے
وہ اپنی اصطلاح مین زندیق کی جو تعریف کرتے ہین، وہ زندیق کی اس حقیقت سے ک
مناسب ہے!

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۱۲ ص ۲۳۹ مین فرماتے ہین:

"اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا، جو کفر کو چھپائے، اور اسلام کو ظاہر کرے"

---

[1] بلوغ الارب جلد ۲ صفحہ ۲۰۵،

یہاں تک کہ مالکؒ نے کہا کہ زندقہ وہی ہے جس پر منافقین تھے،!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسوی جلد ۲ ص ۱۳۰ میں فرماتے ہیں:

"دین حق کا مخالف اگر ظاہر و باطن دونوں میں مخالف ہے، تو وہ کافر ہے، اگر زبان سے معترف ہے، اور قلب سے منکر ہے، تو وہ منافق ہے، اگر ظاہر میں تو معترف ہے، لیکن دین کی بعض باتوں کی تفسیر صحابہ تابعین اور اجماع امت کے خلاف کرتا ہے تو وہ زندیق ہے، جیسے کہے کہ قرآن حق ہے اور اس میں جنت و دوزخ کا جو ذکر ہے، وہ بھی حق ہے لیکن جنت سے مطلب وہ مسرت ہے، جو خصال حمیدہ سے حاصل ہوتی ہے، اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو صفات مذمومہ کی وجہ سے ہوتی ہے،! اور خارج میں جنت و دوزخ کوئی چیز نہیں ہے، ایسا آدمی زندیق ہے،!

اسی سے ملتی ہوئی تعریف علامہ ابن عابدینؒ نے ردّ المحتار جلد ۳ ص ۵۰۷ میں کی ہے، شرح مقاصد میں بھی یہی کہا گیا ہے،!

غور کیجئے کہ محدثین، متکلمین، اور فقہا "زندیق" کا اطلاق انہی لوگوں پر کرتے ہیں، جو اسلام کی تحریف اور اسکی غلط تاویل کے مجرم ہیں، مانویوں کا بھی اصلی جرم یہی تھا، کہ وہ زرتشتی دین میں غلط تاویلیں کرتے تھے،! درحقیقت علماے اسلام کی یہ تعریف زندیق کے ماخذ سے بہت مناسبت رکھتی ہے، اس کے برخلاف زندیق کی اصل صدیق بتانا ایک بے دلیل بات ہے،!

صدیق کا ماخذ "صدق" ہے، جس کے معنی انتہائی سچ بولنے والے کے ہیں، یہ لفظ اپنے معنی کے اعتبار سے ہمیشہ اچھے موقع پر مستعمل ہوتا ہے، اس کے برعکس زندیق کا استعمال اہل کذب و افترا کے لئے ہے، اسلئے زندیق اور صدیق میں مناسبت کے بجائے تضاد ہے،

۱

تلخیص و تبصرہ

یہودیوں پر عرب مصنفین موسیقی کا احسان

عمانویل بن سلیمان (Immanuef ben Solomon متوفی سنہ ۷۳۱ھ مطابق سنہ ۱۳۳۰ء) نے اپنی کتاب محابرات (Mehabberot) مین لکھا ہے، کہ عیسائیوں نے یہودیوں کے گھر سے علم موسیقی چرایا ہے، لیکن اس دعوی کا کہ یہودیون کے گھر سے فن موسیقی عیسائیون کے یہان کیسے پہنچا کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ صحیح ہے کہ کچھ لوگون نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ عیسائی گرجون کی ابتدائی موسیقی کی اصل یہودی ہے، اور نیوم (Neume.) اصل مین عبرانی لفظ نیماہ (ne-imah) سے نکلا ہے، مگر یہ سب دعوی باطل ہین، یہ یقینی ہے، کہ عیسائی علم موسیقی میں قرون وسطی کے یہودیون کے ممنون احسان نہیں ہین، اگر یہودی قصہ گوؤن کی داستان پر نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا، کہ انھیں اپنے سرپرستون کی خوشنودی منظور تھی، حقیقت اور سچائی کی تلاش نہیں تھی،

یہ واقعہ ہے کہ چار علمی (quadrivium or mathesis) میں جو کچھ سرمایہ موجود ہے، وہ قرون وسطی کے اوائل مین عرب مصنفین اور اوس کے اواخر مین عیسائیون کے خزانون سے حاصل ہوا ہے، اگرچہ اسحاق اسرائیلی (Isaac Israeli متوفی سنہ ۳۲۰ھ مطابق سنہ ۹۳۲ء) کے زمانہ ہی سے موسیقی کے اصول اور فن موسیقی نصاب تعلیم مین باضابطہ داخل ہو چکا تھا،

لیکن اس عہد میں بھی کوئی ایسا مصنف پیدا نہ ہوا جو اس موضوع پر کوئی طبعزاد تصنیف چھوڑ جاتا جب ہم Moritz کی Jüdische Literatur des Mittelalters جیسی بلند پایہ کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میدان میں یہودیوں نے کیا کیا ہے، اور جو کچھ بھی یہودیوں کے نام سے منسوب ہے، وہ کس حد تک بلاواسطہ یا بالواسطہ عربی سے ماخوذ ہے،

پہلا یہودی مصنف جس کو مسلّم الثبوت کہا جا سکتا ہے، وہ سعدیہ گوُن (Sa'adya Gaon متوفی ۳۳۱ھ مطابق ۹۴۲ء) ہے، اس کی کتاب الامانت (Kitab al amanat) کے دسویں باب میں انسانی روح پر موسیقی کے اثرات سے بحث کی گئی ہے، اس سلسلہ میں حواس خمسہ میں سے باصرہ اور سامعہ اور شامہ پر بحث ہے، اور لامسہ اور ذائقہ کو نظر انداز کرکے اوس نے عرب فلسفی یعقوب بن اسحاق کندی (متوفی ۲۵۸ھ مطابق ۸۷۴ء) کی پیروی کی ہے، اور اسی سے اس کے ماخذ کا پتہ چل جاتا ہے،

سعدیہ نے اپنی بحث کا آغاز باصرہ سے کیا ہے، اور اس طرح استدلال کیا ہے، کہ صرف ایک رنگ روح پر کوئی فائدہ بخش اثر نہیں پیدا کرتا، لیکن مختلف رنگوں کا امتزاج نہ صرف آنکھوں کو اچھا معلوم ہوتا ہے، بلکہ روح کو بھی مسرور کر دیتا ہے، اس کے بعد سامعہ کے متعلق بھی اسی قسم کے نتائج پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا خیال ہے کہ ایک ہی سُر ایک ہی زیر و بم میں یا ایک ماترے کی تال کانوں کو گراں گذرتی ہے، برخلاف اس کے مختلف زیر و بم میں مختلف سروں کا میل یا مختلف ماتروں میں مختلف تالیں روح پر ایک کیفیت طاری کر دیتی ہیں، اس کے بعد وہ آٹھ تالوں اور ان کی خصوصیات کو بیان کرتا ہے، (کتاب الامانت صفحہ ۱۳۱) اور یہ سب کے سب کندی کے رسالہ فی اجزا خبریات الموسیقی[۱] میں ملتے ہیں جس کا نسخہ برلن میں موجود ہے،

[۱] معارف غالباً اس سے مراد رسالہ فی الاخبار عن صناعۃ الموسیقی ہے؛ ابن ندیم ص ۳۵۹، مصر،

موسیقی کا دوسرا یہودی مصنف ابراہیم بن حیا (Abraham bar Hiyya،
متوفی ۵۳۲ھ مطابق ۱۱۳۶ء) ہے، اسکی کتاب Yesode ha-Tebuneh
کے متعلق خیال ہے، کہ اس میں علم الحساب، اقلیدس، بصریات، نجوم اور موسیقی پر بحث ہے، اس
کے کچھ متفرق اجزار باقی رہ گئے ہیں، اوس کا ایک حصہ Hilluk ha-meshikah.
اقلیدس سے متعلق ہے، اس کے آخری حصے عربی اقلیدس کے منت کش معلوم ہوتے ہیں، اور غالبًا
موسیقی کا باب بھی ایسا ہی ہوگا، وٹیکن (Vatican) میں ایک مسودہ علم موسیقی پر ہے
اوس کو بھی مصنف مذکور سے منسوب کیا جاتا ہے، لیکن اس کی پوری تحقیق نہیں کی گئی ہے، یہ بھی
عربی سے ترجمہ سمجھا جاتا ہے، وہ اپنی کتاب محبۃ المجلات میں علم موسیقی کے باب میں سعدیہ سے
اقتباس کرتا ہے،

یوسف بن اقنین (Joseph ibn Aknin، متوفی ۶۲۵ھ مطابق ۱۲۲۶ء)
کی تصانیف میں عربی ماخذ نمایاں ہیں، اس کی طب النفوس میں علم حساب، اقلیدس، موسیقی اور سکونیات
سے بحث ہے، اس میں جن عربی کتابوں کے مطالعہ کی سفارش کی گئی ہے، وہ یہ ہیں،

کتاب الارتماطیقی، کتاب فی الاصول، کتاب الاکر، کتاب فی الاشکال الکریہ، کتاب فی الکرا
والاسطوانہ کتاب الخروطات، کتاب فی الاعداد المتحابہ ثابت بن قرہ، اشکال یوسف المؤتمن، تحریر
المناظر ابن ہیثم جس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ Optics of Pseudo Euclid
پر قابل ترجیح ہے، مجسطی بطلیموس اور کتاب الحیل بنی موسیٰ بن شاکر اور علم موسیقی کے لئے وہ ابونصر فارابی
کی کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہے غالبًا اس سے مقصد کتاب الموسیقی الکبیر ہے جو چوتھی صدی ہجری
تک کے علم موسیقی کی سب سے بڑی تصنیف سمجھی جاتی تھی،

موسیقی کے باب میں ابن اقنین نے اپنے موضوع کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اس کا پہلا حصہ

فارابی کی احصاء العلوم سے لفظاً بہ لفظاً نقل کیا گیا ہے، گو مصنف نے متعین طور پر اس کو تسلیم نہیں کیا ہے، دوسرے حصہ مین علم موسیقی پر تبصرہ ہے، جس مین عہد عتیق کی انجیل اور تلمود کے اقتباسات بھی ہین،

ابن قینن نے اپنی کتاب مین وضاحت سے یہ دکھایا ہے، کہ یہودی علوم اصول اور فن موسیقی مین عربی لٹریچر کے اسی طرح خوشہ چین تھے، جیسے دوسرے فنون مین،

مورخ اسٹینشنائیڈر (*Steinschneider*) نے لکھا ہے کہ فن موسیقی اور اس کے اسلوب کی اصل بھی تمام دوسرے علوم کی طرح عربی ہی اسکول ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ یہودیون کو یونانی مصنفین مثلاً ارسطو، ارسطوقینوس، اقلیدس اور نیقوماخس (*Nicomachus*) بطلیموس (*Ptolemy*) اور *Aristides Quintilianus* کی تصانیف سے جو کچھ بھی واقفیت ہوئی، وہ عربی تراجم کے ذریعہ ہوئی کیونکہ عربی زبان ان سب سے تیسری صدی ہجری ہی مین روشناس ہو چکی تھی، عرب علما مثلاً کندی (متوفی ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ء) سرخسی (متوفی ۲۸۶ھ مطابق ۸۹۹ء) ثابت بن قرہ (متوفی ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۱ء) فارابی (متوفی ۳۳۹ھ مطابق ۹۵۰ء) ابوالوفا بوزجانی (متوفی ۳۸۸ھ مطابق ۹۹۸ء) ابوالصلت امیہ (متوفی ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۳۴ء) ابن سینا (متوفی ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۷ء) ابن ہیثم (متوفی ۴۳۰ھ مطابق ۱۰۳۸ء) ابن باجہ (متوفی ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۸ء) ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۸ء) کی تصانیف نے نہ صرف یہودیون بلکہ سارے عیسائی یورپ پر گہرا اثر چھوڑا ہے،

یہ امر قابل غور ہے کہ موسیقی کی یونانی تصانیف عربون کی دست رس سے باہر نہ تھین انھون نے ان کو عربی کا جامہ پہنایا، لیکن عبرانی اور لاطینی زبان مین یہ بالکل معدوم تھین، یہ صحیح ہے، کہ

(Jehudah al-Harizi) نے تقریباً ۶۰۰ھ مطابق ۱۲۰۳ء کے لگ بھگ اپنی کتاب Sefer musre ha-Philosophim لکھی لیکن اس مین فن موسیقی پر کوئی بحث نہین ہے، بلکہ یونانی فلسفیون کی موسیقی پر رائیں ہین، اس کو اوس نے حنین بن اسحاق کی عربی کتاب آداب الفلسفہ سے ترجمہ کیا تھا، جس کا ماخذ یونانی ہے،

یہودی مغربی یورپ میں موسیقی سے ویسی ہی دلچسپی لیتے تھے، جیسے مشرق مین یہودا ابن سموال ابن عباس (ساتوین صدی ہجری) کی کتاب (Yair netib) مین علم حساب، اقلیدس، نجوم، بصریات کے ساتھ علم موسیقی کو بھی جگہ دی گئی ہے،

اگرچہ دوسرے علوم کی نصابی کتابون کے لئے ابن ہیثم، فرغانی (احمد بن کثیر) ابوعبداللہ الخوارزمی، ابراہیم بن حیا (Abraham bar Hiyya) ابراہیم بن عزرا کا نام لیا گیا ہے، لیکن بدقسمتی سے علم موسیقی کے رہنما کا ذکر نہین ہے، اگرچہ ابن قینن کی طب النفوس کا اقتباس دوسری جگہ موجود ہے،

دوسرا ہسپینی یہودی شیم طاب بن یوسف فلقرہ Shem Tob ben Joseph Falaquera (متوفی ۶۸۹ھ مطابق ۱۳۰۰ء) مصنف Iggeretha- اور Reshit-hokmah نے علوم کی ترتیب یون لکھی ہے، علم حساب، اقلیدس، بصریات، موسیقی، نجوم، لیکن اطالوی یہودی کی ترتیب اس طرح ہے، علم حساب، اقلیدس، موسیقی، بصریات اور نجوم، اور یہی صحیح ترتیب معلوم ہوتی ہے، ان تمام امور کے باوجود صرف ایک یہودی مصنف کی مثال ملتی ہے، جس نے فن موسیقی پر کچھ لکھا تھا، لیوی بن گرشن (Levi ben Gerson متوفی ۷۴۵ھ مطابق ۱۳۴۴ء) یہ قرون وسطی کا مشہور شخص تھا، پیرس کے Bibliotheque Nationale مین

ین ایک نسخہ ہے جس مین اس کے قلم کے بھی کچھ نمونے ہین، اس کو اوس نے موسیقی کے عالم فلپ آف
وٹری (Philip of Vitry) کی فرمایش پر لکھا تھا مضمون نگار کی نظر سے وہ نسخہ نہین
گذرا ہے، اوسکو Coussemaker نے اپنی کتاب Scriptores
de musica mediaevi (۶۷-۱۸۶۴ء) میں شامل نہیں کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے
اسکی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی،

اگرچہ یہودیون کا دامن موسیقی کی طبعزاد تصانیف سے خالی ہے لیکن انھون نے عربی سے
بہت ترجمے کئے، اور عیسائیون کو بھی لاطینی کے لئے اسی خزانہ کا پتہ بتایا، اور انھیں ترجمہ مین مدد دی،
۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ء میں ایک اسپینی یہودی سرحیا بن اسحاق (Serahayah ben
Isaac) کی کتاب النفس (De anima of Aristotle) کا ترجمہ عبرانی مین
کیا، اس کتاب کی دلچسپی کا سبب اس کا فلسفہ تھا، نہ کہ ارسطو کا طبعی اصول صوت، اس کا
خلاصہ یہودیون کے یہان عبرانی زبان مین پہلے ہی سے موجود تھا، کیونکہ موسیٰ بن طبن (۶۳۸-۸۲ھ
مطابق ۸۳-۱۲۴۰ء) نے ارسطو کی کتاب " De anima " پر ابن رشد کی مشہور شرح کا
ترجمہ " Sefer ha nefesh " (۶۴۱ھ مطابق ۱۲۴۴ء) اور اوس کے درمیانی
حصہ کی شرح کا Biur Sefer ha-nefesh کے نام سے (۶۶۰ھ
مطابق ۱۲۶۱ء) مین کیا تھا، اگرچہ شیم طاب بن اسحاق نے اس کا آخری حصہ پہلے ہی
یعنی ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۴ء مین شائع کر دیا تھا،

یونانیون کی صرف ایک کتاب " Sectio Canonis of Euclid "
کا یہودیوں کو علم تھا، جو عربی مین پہلے ہی عام ہو چکی تھی، اور اس کی شرحین کندی اور ابن ہیثم وغیرہ
جیسے اہل علم لکھ چکے تھے،

عربی کے کون کون سے علما عبرانی مین روشناس ہوئے، ان کی کوئی شہادت موجود نہین ۷۱۳-۷۱۴ھ مطابق ۱۳۱۴ء مین Kalonymus ben Meir of Inles نے فارابی کی احصار العلوم کا عبرانی مین ترجمہ کیا تھا جس کا نام اس نے "Ma:amar bemisper rha hokmot" رکھا تھا، ابن اقنین نے اپنی کتاب طب النفوس مین موسیقی کا باب اسی سے لیا ہے Todros Todrosi of Arles نے ابن سینا کی کتاب النجاۃ کا کچھ حصہ آٹھوین صدی ہجری کے اوائل مین عبرانی زبان مین منتقل کر لیا تھا، اوس کے طبیعی اور مابعد الطبیعی حصے مترجم کے نام سے ابتک موجود ہین، اور بہت ممکن ہے، کہ برلن مین جو نسخہ موجود ہے، اس مین بھی موسیقی کا باب ابن سینا کی تصانیف کا سرقہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو الصلت امیہ کا رسالہ موسیقی بھی یہودی کے علم مین رہا ہو کیونکہ Profiat Duran نے اپنی کتاب Ma'asehefod مین جو ۸۰۵-۶ھ مطابق ۱۴۰۳ء مین لکھی گئی ہے، اس کے اقتباسات دیئے ہین، اور غالبًا جیسا کہ Steinschneider کہتا ہے کہ اسکی اصل کے متعلق گمان ہے، کہ وہ رومی کلیسا میں ہے،

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء مین پروفیسر ریچرڈ گوتھیل (Richard Gottheil) نے جیوش کوارٹرلی ریویو (Jewish quarterly Review) مین موسیقی کی ایک کتاب کے کچھ اوراق پیش کئے ہین، پروفیسر موصوف کو اعتراف ہے، کہ اگرچہ اس کتاب کا رسم الخط عبرانی ہے لیکن زبان خالص عربی ہے جس مین یہودی اثر نام کو بھی نہین ہے، اس کتاب پر کاتب کا نام سعید بن داؤد الیمنی، اور تاریخ ۱۴۷۲ء یونانی عہد مطابق ۵۵۰ھ درج ہے لیکن مصنف کے نام کا پتہ نہیں ہے، سعید وہی بدنام شخص ہے جس نے غزالی کی مقاصد الفلاسفہ کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے زکوٰۃ النفوس نام رکھکر اپنے نام سے شائع کر

تھا، تمام علوم کا خلاصہ جس کو ابن الاکفانی نے الدر النظیم کے نام سے مرتب کیا تھا، کتاب زیر بحث بھی اسی کی ریزہ چین ہے،

یہ عجیب بات ہے کہ دنیا کے تمام سرقہ نویسون کا راز ان کے زمانہ مین نہین کھلتا، Jehuda-Halevi (متوفی ۵۳۵ھ مطابق ۱۱۴۰ء) نے اپنی کتاب Hazari کی تمہید مین روح کے تمام فلسفیوں کے جو خیالات لکھے ہین، وہ مدتون ایک راز رہا لیکن سات سو برس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ابن سینا کے رسالہ فی النفس کا سرقہ ہین،

"اسلامک کلچر" (ا-ع)

دار المصنفین کی نئی کتاب

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ابن خلدون اور اس کے فلسفۂ اجتماعی پر فرنچ زبان مین ایک مقالہ لکھا تھا، جس کا ترجمہ انہی کے ایما سے محمد عبد اللہ المنان نے عربی مین کیا، اب اس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولینا عبد السلام صاحب ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے، یہ کتاب درحقیقت ہماری زبان مین اجتماعیات پر ایک بہترین اضافہ ہے، اور بالکل پہلی مرتبہ ابن خلدون کے نظریہ اجتماعی اس وسعت کے پاس پیش کیا گیا ہے، ضخم ۲۵۹ صفحے، قیمت عہر،

مینیجر

اخبار علمیہ

تاریخ کا قدیم نسخہ

آسام کے ایک غیر معروف رسالہ "مسنجر آف سلہٹ" نے تاریخ کی ایک گم شدہ کڑی کا پتہ د[یا]
اسکی اطلاع ہو کہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے ۴۵۰ سال کی ایک پرانی فارسی قلمی تار[یخ]
کی نقل شائع کی ہے جس سے سولھوین صدی کے بادشاہ فیروز شاہ کے متعلق بہت سے نئی معلومات ملتے ہی[ں]
اسکی تاریخ آئینہ ہو جاتی ہے، اس کی روشنی مین مورخین کو از سر نو اس بادشاہ کی تاری[خ]
مرتب کرنی پڑیگی "

اس کتاب کا نام تاریخ شاہی ہے، اس مین ۱۴۲ صفحے ہین، بنگال کے والی داؤد شاہ (۱۵۷۲-۱۵۷۶ء) کی سرپرستی مین احمد یگر نے یہ کتاب لکھی تھی، اس کے دو اور نسخے ہندوستان مین مو[جود] ہین، جو تاریخ سلاطین افغانی کے نام سے مشہور ہین، برٹش میوزیم کے پاس اس نسخہ کے صر[ف] سولہ صفحے ہین،

اس کتاب سے افغان خاندان اور تین مغل بادشاہون کے سلسلہ مین فیروز شاہ (۱۵۵۲ء) کی حکومت پر کافی روشنی پڑتی ہے مغل مورخین جن پر موجودہ تاریخ کی بنیاد ہے، فیروز شاہ کی حکومت کی زندگی صرف تین دن بتاتے ہین، لیکن اس نسخہ سے دو مہینے معلوم ہوتی ہے،
ڈاکٹر حسین جھون نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی نسخون کو مرتب کیا ہے، ان کا[م]

کہ اس نسخہ سے افغان بادشاہون کے وہ حالات جواب تک پردۂ خفا مین تھے، آشکارا ہو جائینگے مثلاً اس مین شیر شاہ کی کالنجر پر چڑھائی کی وجہ تفصیل سے بیان کی گئی ہے،

غیر فطری تاریخ

غیر فطری تاریخ کے سلسلہ مین بعض دلچسپ باتین دریافت ہوئی ہین ایک کوئل کی چڑیا لگو کیطرح فلوریڈا (امریکہ) کے کچھوے بھی اپنے انڈے دوسرے جانورون کی بل کے پاس چھوڑ دیتے ہین، زیادہ تر مگرمچھ کی ماند ہین،

(۲) رات کے شاہین اپنے گھونسلے کہین نہیں بناتے، ان کے گھونسلے نہ ویران پہاڑون اور ٹیلوں پر ہوتے ہین، اور نہ آباد شہرون کے مکانون کی چھتون میں، مادہ اپنے انڈے کھلے میدانون میں چھوڑ دیتی ہے اس کے باوجود بچّے نگاہوں سے چھپے رہتے ہین، کہ کسی کو نظر نہیں آتے اور برباد ہونے سے بچ جاتے ہین،

(۳) موسلا دھار بارش کے لئے انگریزی مین "بلّی اور کتے برسنے" کی کہاوت کہی جاتی ہے، یہ تو خیر مبالغہ ہے، لیکن غیر فطری تاریخ کے ماہرون کی تحقیق ہے، کہ زور کی بارش مین کبھی کبھی واقعی مینڈک اور مچھلیان برستی ہین،

(۴) گیاہستانی علاقون سے یہ معلوم ہوا ہے، کہ وہان سمندر (ایک قسم کا کیڑا) بھی برسے ہین،

(۵) جہازرانون کا بیان ہے کہ جب سنگ ماہی کو برچھیون سے مارتے ہین، تو وہ بالکل انسان کے بچوں کی طرح روتی ہے،

(۶) دنیا کا سب سے اونچا درخت ریڈووڈ (Redwood) ہے، اسکی لمبائی چار سو فٹ تک ہوتی ہے، لیکن اس کے پھل سب سے چھوٹے یعنی ۱/۴ یا زیادہ سے زیادہ ایک انچ کے ہوتے ہین،

نئے طرز کا ٹیلی ویژن

عرصہ سے اسکی کوشش ہو رہی تھی، کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ تصویرین اصلی اور فطری رنگوں مین دکھائی دین، اب یہ تجربہ کامیاب ہو گیا ہے،

نیویارک کے ڈاکٹر پٹر سی گولڈ مارک (Dr. Peter C. Goldmark) نے اس خاص مقصد کے لئے ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے، جس کی نمایش کچھ دن ہوئے کولمبیا کی نشر گاہ سے کی گئی، اور چلتی پھرتی ہوئی تصویریں اپنے فطری رنگ مین بڑی کامیابی سے نشر ہوئین، اب دوسرا قدم موجودہ نشر سے اسکی تطبیق ہے،

یہ تصویریں یکے بعد دیگرے سرخ اور سبز پھر نیلے اور سرخ اور پھر سبز اور نیلے رنگ مین نشر ہوتی ہین، گویا دو ملے ہوئے رنگون سے تین تصویرین آتی ہین، ریسیور کے پاس ایک چھلنی سی لگا دی جاتی ہے جس سے تصویر اپنے اصلی رنگ مین معلوم ہوتی ہے، اگر رنگ کی چھلنی استعمال نہ کیجائے تو تصویر یا تو بالکل سفید معلوم ہوگی یا بالکل سیاہ،

گھوڑے کے بالون کی صنعت

گھوڑے کے بالون سے کمر بند اور کوڑے وغیرہ بنانا ہندوستان کی پرانی صنعت تھی، لیکن رفتہ رفتہ اسکی طرف سے اتنی بے توجہی برتی گئی، کہ وہ مردہ ہوگئی، اسی مردہ صنعت کو امریکہ کے ایک شخص بارنٹ نامی نے زندہ کیا ہے، اس نے ابتدا مین اس کو تفریحی مشغلہ کے طور پر شروع کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ اوس نے اوس کو بڑی ترقی دی، اور اب وہ اس کے کمر بند، لگام، ساز اور کوڑے بنا کر اسکی تجارت کرتا ہے جس سے اسکی کافی آمدنی ہوتی ہے، اس مین اس نے مختلف ڈیزائین اور

...ین پیدا کی ہین، اور قدرتی اور مصنوعی رنگ کے بالون کو ملا کر بہت ہی خوبصورت چیزین بنتی ہین، ...ج کل یہ صنعت امریکہ مین بہت ہی مقبول ہو رہی ہے، گو اسکی مصنوعات کی قیمت غیر معمولی طور ...ر زیادہ ہوتی ہے، اسکے باوجود ان کی بڑی مانگ ہے،

پٹرولیم سے ربر

ممالک متحدہ امریکہ مین ایک خاص کیمیائی ترکیب سے پٹرولیم سے ربر بنایا گیا ہے، اس ...بنا پر آیندہ ربر کی خام پیداوار کے لئے امریکہ کسی دوسرے ملک کا محتاج نہ رہے گا، اس خاص ...ربر کا نام بوتل رکھا گیا ہے،

نیو جرسی کی اسٹنڈرڈ وائل کمپنی نے اس ربر سے موٹر کے ٹائر بنائے ہین، اور دوسرے ...صرف بھی لئے ہین، لیکن ابھی اس سے بھی آسان اور سستے طریقون سے ربر بنانے کی ...ترکیبون پر غور کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ ان کوششون سے امریکہ کو اپنا جنگی سامان بنانے مین ...مدد ملے گی،

موٹرون کو بچانے کا طریقہ

ممالک متحدہ امریکہ نے ملکی دفاع کی تجویز کے تحت مین موٹرون کے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے، ...آیندہ موٹر کے چارون طرف آدھ انچ موٹے لوہے کے تپر چڑھا دیے جائین گے، اس سے وہ ...جنگی گاڑیون کے برابر مضبوط ہو جائین گے، اور ان کی شکل بھی ٹینک جیسی ہو جائے گی، اور ان پر ...گولیون کا کوئی اثر نہ ہوگا،

"ا - ع"

بابُ التقریظ والانتقاد

رسالون کے خاص نمبر

مجلہ عثمانیہ مدیر نمبر، مرتبہ جناب ملک عبدالعلی خان صاحب (حصہ اردو) جناب عبید علی خان صاحب (حصہ انگریزی) تقطیع بڑی ضخامت علی الترتیب ۲۰۶ و ۱۰۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، پتہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

مجلۂ عثمانیہ کے لائق مدیرون نے مدیر نمبر کے نام سے یہ نمبر نکالا ہے، اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کل مضامین اس کے مختلف دور کے اڈیٹرون کے قلم کے ہین، اردو انگریزی دونون حصون مین علمی ادبی تاریخی سیاسی اور معاشی وغیرہ مختلف سنجیدہ موضوعون اور مباحث پر مفید مضامین ہین، ان سے جامعہ کے فرزندون کے سنجیدہ علمی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے "عہد سلطان العلوم کے قبل کا آصفی ادب" ڈاکٹر محی الدین زور قادری "پریس اور مملکت" سید شہاب الدین صاحب ایم اے "شرع محمدی در قانونی ضمانت" بی این چوبے "زبان کی تشکیل میں سودا کی کارگذاری" شیخ چاند مرحوم "مسئلہ طلاق" زاہد علی صاحب "ہند و سماج میں عورتون کی حیثیت" سید محمد حسن صاحب خاص طور سے اچھے اور مفید مضامین ہین، افسانون مین "تبدگی" جناب میکش اور منظومات مین "نا وار" عبدالقیوم خان باقی دلچسپ ہین، یہ نمبر ہر اعتبار سے جامعہ عثمانیہ کے فرزندون کے ذوق کا اچھا نمونہ ہے،

ہمایون سالگرہ نمبر، مرتبہ میان بشیر احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۰ ۵ صفحے،

کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ :- نمبر ۲۲ لارنس روڈ لاہور،

حسب معمول آغاز سال مین ہمایون نے اپنا سالگرہ نمبر نکالا تھا، اس مرتبہ غالباً کاغذ کی گرانی کی وجہ سے حجم معمول سے کم ہے، لیکن پورا نمبر حشو وزوائد سے پاک اور وقت کے اہم اور عالمگیر مسائل اور مفید ادب اور لٹریچر پر مشتمل ہے، لائق مدیر کے قلم سے اردو کے ماضی و حال اور مستقبل پر تاریخی، ادبی اور سیاسی حیثیت سے نہایت مفید اور جامع تبصرہ ہے، جس سے اردو زبان کی رفتار اور اس سے متعلق موجودہ مسائل و مباحث پر پوری روشنی پڑتی ہے، جہان نما مین ۱۹۴۰ئہ کے اہم واقعات حوادث اور موجودہ جنگ کے اسباب اور خوفناک نتائج کو دکھایا گیا ہے، اور "نئے عقیدے" کی سرخی کے تحت مین موجودہ دور کے اہم اور عالمگیر اخلاقی تمدنی سیاسی اور معاشی مسائل، انسانی فلاح و سعادت کے مابعد الطبیعی عقائد اور سائنس و فلسفہ کے اکتشافات پر عہد حاضر کے بڑے بڑے فلسفیون کے خیالات واقوال پیش کئے گئے ہین، ان سے ان مسائل کے متعلق انسانی افکار کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت اپنی روحانی اور مادی طمانیت کے لئے کتنی تشنہ ہے، افسانون مین "بالکل فلک پیما" "زندگی اور موت" ظفر واسطی" اور "خدا حافظ" حمید نظامی دلچسپ ہین،

عرفان سالنامہ

مرتبہ جناب عقیل ہمدانی صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت معمولی، قیمت :- ۵ر، پتہ :- ہمدانی منزل محلہ مشائخان اندرکوٹ میرٹھ،

یہ صوفیانہ رسالہ میرٹھ سے نکلتا ہے، ذی الحجہ کا نمبر سالنامہ کے نام سے نکلا ہے "آسایش وگیتی" "مجاہدین اسلام کی غیبی قوتین" "سیف الاسلام" "ایک بھولا ہوا سبق" اور "قربانی" وغیرہ متعدد مختصر عام پسند صوفیانہ اخلاقی اور مذہبی مضامین ہین، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا مضمون "دور جدید کا مسلمان" غالباً منقول ہے، ان خشک مضامین کے ساتھ ادب وافسانے کی تری بھی شامل ہے، "بکرون والی عید"

دلچسپ افسانہ ہے۔" "ان منشور رسالت" کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ ۸ھ میں قریش کی منتقمانہ جد وجہد کا خاتمہ ہوچکا تھا،... غزوات نبوی کے فتحمندانہ اثرات کا پوری طرح غلبہ ہوچکا تھا اور اسلام کی مخالفت جزیرۃ العرب میں ٹھنڈی ہورہی تھی ص ۳۰) اسلام کا غلبہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں ہوا عوام کے لئے عرفان اچھا رسالہ ہے، البتہ لائق مدیر کا یہ خیال کہ اردو صحافت ضروری فلاح وترقی کے باوجود ایسا کوئی کارنامہ نہ پیش کرسکی جسکی علمی حیثیت ہمارے سالنامے کے مقابلہ میں آسکے، اپنے متعلق حسن ظن سے زیادہ نہیں ہے،

سہیل خواجہ عشرت نمبر، مرتبہ جناب عارف سنبھلی تقطیع بڑی ضخامت ۶۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- سہیل شمسی پریس گھسیاری ٹولہ گیا

گیا کے رسالہ سہیل نے خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی مرحوم کی یادگار میں ایک معمولی نمبر کو مرحوم کے نام سے منسوب کردیا ہے، اس میں مرزا فدا علی خنجر لکھنوی کے قلم سے خواجہ صاحب کے سوانح وسیرت اور ادبی خدمات پر ایک مضمون اور ان کی وفات کی چند تاریخیں ہیں، ضرورت تھی کہ اس نمبر میں خواجہ صاحب کے ادبی ولسانی خدمات اور انکی تصانیف پر مفصل تبصرہ کیا جاتا، یہ نمبر تو محض برائے نام ہے، خواجہ صاحب کے خدمات کے سلسلہ میں یہ نیا انکشاف ہوا کہ "یہ انہی کی کوششوں کا انجام تھا کہ حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا" خواجہ صاحب کی دوسری لسانی خدمات کیا کم ہیں کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کا سہرا ان کے سر باندھنے کی ضرورت پیش آئی،

پیام تعلیم سالگرہ نمبر، مرتبہ مولوی حسین حسان صاحب ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸ر پتہ :- جامعہ ملیہ نئی دہلی،

لائق مدیر نے پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کو اس مرتبہ بھی زیادہ سے زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے، اور اس کے مضامین میں بچوں کی تعلیم وتفریح دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھا

گیا ہے، "جانوروں میں تمدن" "قطب شمالی" "پرندوں کا سفر" "ہوائی جہاز کی کہانی"، "ستاروں کی دنیا" مفید بھی ہیں، اور دلچسپ بھی، مضامین کے علاوہ بچوں کی ذہنی تفریح کا بھی کافی سامان ہے، نظموں کا حصہ بھی اچھا ہے، بچے اس نمبر کو بڑے شوق سے پڑھیں گے،

غنچہ، سالنامہ مرتبہ جناب شاغل فخری تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۲ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- منیجر غنچہ بجنور، یوپی،

غنچہ بچوں کا پرانا رسالہ ہے ان کی تفریح اور دلچسپی کے لئے اس نے "کھیل کود نمبر" نکالا ہے، اس میں مختلف قسم کے جسمانی اور دماغی کھیلوں پر دلچسپ مضامین اور بچوں کیلئے مفید معلومات ہیں، متعدد دلچسپ نظمیں بھی ہیں، بعض مضامین کی زبان اتنی ثقیل ہے کہ بچے تو بچے خود زبان کی سادگی بھی اسکی متحمل نہیں ہو سکتی، گو حاشیہ میں اسکی تشریح کر دی گئی ہے لیکن بچوں کے مضامین میں زبان کی سادگی اور آسانی کا لحاظ ضروری ہے "ہمارے نبی کے کھیل" میں ایک مقام یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم قبیلہ بنو اسمٰعیل کیساتھ تیر اندازی کے کھیل میں شریک ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار دوسرے قبائل عرب کی طرح بنی اسمٰعیل کو بھی کوئی قبیلہ سمجھتے ہیں حالانکہ سارے حجاز بنی اسمٰعیل تھے، جن میں خود آنحضرت صلعم بھی داخل ہیں، یہ غلط فہمی ان کو آنحضرت صلعم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ تیر اندازی کیا کرو تمہارے دادا حضرت اسمٰعیلؑ تیر انداز تھے"۔

العلاج خاص نمبر، مرتبہ جناب حکیم محمد عبد اللہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ دفتر العلاج روڑی ضلع حصار،

اس خاص نمبر میں مختلف امراض کے کم و بیش اسی نوے طبیبوں، ڈاکٹروں اور ویدوں کے مجرب نسخوں کو جمع کر دیا گیا ہے، فنی نقطۂ نظر سے ان نسخوں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو اطبا ہی کر سکتے ہیں، بظاہر مجرب نسخوں کا بڑا ضخیم مجموعہ معلوم ہوتا ہے طبیبوں کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

"م"

۱ نثر اردو سرسید کے زیر اثر[1]

اُس پُر آشوب زمانہ میں جب ہندوستان میں سائنس اور مذہب اور مشرق اور مغرب کی کش مکش جاری تھی سرسید احمد خان کی مرکزیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، یہی وہ سرچشمہ تھا جس کے ذریعہ ہندوستان کے سارے سوتوں میں مغربیت پھیلی اور مغرب کے علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت نے مشرق میں جگہ لے لی، سیاسی اور مذہبی حیثیت سے یہ تحریک جیسی بھی رہی ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علم و ادب کو اس سے غیر معمولی فائدہ پہنچا، خصوصاً اردو زبان کیلئے تو سرسید کی ہستی ابرِ رحمت تھی، ڈاکٹر عبد اللہ نے اسی حیثیت سے اس کتاب میں سرسید اور جو لوگ ان سے متاثر ہوئے ان کی نثر پر نظر ڈالی ہے، کتاب انگریزی خواں طبقہ کے لئے لکھی گئی ہے چنانچہ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب WALKERS, LITERATURE OF VICTORIAN ERA کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس میں سیاسی، مذہبی، معاشرتی پس منظر اور ان نظریات کو اہمیت دی ہے جس سے اربابِ نثر اردو متاثر ہوئے، یوں تو اردو نثر پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس خاص پہلو کو شاید ہی کسی نے اتنی اہمیت دی ہو، اور یہی اس کتاب کی خصوصیت ہے،

کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد اقبال اورینٹل کالج لاہور کا مقدمہ ہے، اس کے بعد خود مصنف کے قلم سے دیباچہ ہے،

اصل کتاب چھ ابواب میں منقسم ہے، (۱) سرسید اور ان کا پس منظر (۲) دینیات اور عالمِ دین (۳) سیرت نگاری اور تاریخ (۴) سیرت نگاری اور تاریخ (۵) ادبی تنقید نگاری اور متفرقات نثر

---

[1] نثر اردو سرسید کے زیر اثر (انگریزی) مولفہ ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۶ صفحے، قیمت ہے، پتہ: شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

(۲) افسانہ یا ناول نویسی،

پہلے باب مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ سرسید نے کس ماحول میں آنکھیں کھولیں، اس وقت ہندستان
کی اخلاقی، مذہبی، معاشرتی اور تعلیمی حالت کیا تھی، یہ وہ وقت تھا جب اردو فورٹ ولیم کالج
کی گودون مین پالی جارہی تھی، کہ میکالے نے اس نومولود اور دوسری دیسی زبانون کے ساتھ
سوتیلی مان کا سا سلوک کیا اگرچہ غالب اور دوسرے ریختہ گو شعرا اس کو مقبول بنا چکے تھے لیکن
بسوے اردو ابھی منت پذیر شانہ تھی، اور یہ سرسید کی قسمت مین لکھا تھا کہ اس کی مشاطہ گری
کرکے اُسے سنوارین، پھر کس طرح سرسید انیسویں صدی کے انگلستان سے متاثر ہوئے، جس کا اثر ان
کی زندگی اور ادب مین بھی نمایان ہوا، یہ سرسید ہی کا احسان ہے، کہ انھون نے اردو کو تکلف و تصنع
سے چھڑا کر سادگی کا جامہ پہنایا،

اس کے بعد سرسید کے سوانح حیات مین ان کے خیالات، نظریون اور ان کی علمی زندگی
کے چڑھاؤ ارتقائی مدارج نہایت خوبی کے ساتھ دکھائے ہین، ان کے رسالوں اور کتابون پر مختصر
تبصرہ بھی ہے، گو اپنے ہیرو کے ساتھ مصنف کا انداز بہت ہمدردانہ ہے، لیکن ان کی کمزوریون
پر بھی ان کی نگاہ گئی ہے، پھر سرسید کے طرز تحریر ان کے خیالات اور ان کی موثر شخصیت پر اچھی
بحث ہے، البتہ آخر مین سرسید کی توصیف و تعریف مین مصنف کا قلم جادۂ اعتدال سے بہت
ہٹ گیا ہے،

دوسرا باب دینیات اور عالم دین پر ہے، اس مین بھی سرسید کو مرکزی حیثیت دی ہے
اس باب مین مصنف نے سرسید پر تحقیق اور تبصرہ کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے، اس سلسلہ مین نواب
محسن الملک، ان کے ابتدائی خیالات اور ان کی مختصر سوانحعمری، سرسید سے ان کی ملاقات اور ان کی
تصانیف پر مختصر سی بحث ہے، دوسرے نمبر مین چراغ علی پر روشنی ڈالی گئی ہے، تیسرا اور چوتھا نمبر

نذیر احمد اور شبلی کا ہے، نذیر احمد اور شبلی کو معلوم نہیں کس بنا پر زمرۂ مقلدین میں شامل کیا گیا، جب کہ دونوں کا اختلافِ مسلک بالکل نمایان اور کھلی ہوئی چیز ہے،

تیسرا باب سوانح اور تاریخ کا ہے، سوانح اور تاریخ کو غالباً اس لئے ایک باب مین رکھا گیا ہے کہ شبلی کارلائل کی طرح تاریخ کو بڑے آدمیون کا ایک مسلسل کارنامہ تصور کرتے ہین، اس باب کے شروع مین سوانح نگاری کی مختصر تاریخ ہے، اس سلسلہ مین عربی ادب پر بھی چند الفاظ مین مختصر سا تبصرہ ہے، کہ ابتدا مین اس مین کیا خصوصیات تھیں، پھر رفتہ رفتہ صحت و تحقیق کے اصول فراموش کر دیئے گئے، اور اردو براہ راست فارسی سے متاثر ہوئی،

سیرت نگاری کے بارے مین شبلی اور حالی کے نظریے یہ تھے، کہ تصویر کے دونوں رُخ نمایان کئے جائین، تاکہ پڑھنے والے کے ذہن مین ہیرو کی اصلی تصویر سامنے آجائے، پھر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے، کہ انھون نے اپنی تصانیف مین کہانتک اس معیار کو قائم رکھا، ان کی خدمات اور عظمت کے اعتراف کیساتھ مصنف کو دونون پر اعتراض ہے کہ وہ اپنے مقصد کو نہیں بھولتے اور مسلمانون کے سامنے ایک آئیڈیل پیش کرکے ان کی گری ہوئی حالت کو سنبھالنا ہی ان کی سیرت نگاری کا مقصد اولین تھا، شبلی پر ایک اور اعتراض یہ ہے، کہ ان کے فیصلے ایک جانب دار جج کے فیصلے ہوتے ہین،

پھر حالی کے مختصر سوانح حیات اور ان کی تصانیف پر حشو و زوائد سے پاک اور ہمدردانہ تبصرہ ہے، جو بڑی حد تک مصنفانہ ہے،

چوتھے باب مین سرفہرست شبلی ہین، شبلی پار دو کے مشہور مصنفین پر اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ کوئی نیا اضافہ مشکل ہے تاہم مصنف نے مختلف لوگون کے خیالات کو اختصار اور سلیقہ سے یکجا کر دیا ہے، بقول مہدی مرحوم شبلی ملک میں پہلے شخص ہین جن کو تاریخ و فلسفہ مین ربط باہمی

کا خیال پیدا ہوا، اور وہ ان جواہر عقلی کی تحلیل و ترکیب کیمیائی اس طرح کر سکے کہ اس سے لٹریچر میں ایک خاص امتزاج پیدا ہوگیا، ہ خود مصنف کو بھی اعتراف ہو کہ ان کے اندر مشرق اور مغرب کی تمام خوبیاں اکٹھی ہو گئی تھیں، اور انھوں نے اردو نثر کو ایک ممتاز رنگ بخشا،

انکے تذکرہ مین انکے سوانح، انکی شاعری اور تصانیف کے چھ ارتقائی مدارج دکھائے ہین اسی سلسلہ میں ان پر مغرب ڈاکٹر آرنلڈ، اسلامی ممالک کے سفر، انکے دوستوں اور شاگردون کے اثر پر سیر حاصل بحث ہے، ایک بیاد نویس مورخ کی حیثیت سے ذکاء اللہ پر بھی ایک نگاہ ڈالی ہے،

پانچواں باب، ادبی تنقید نگاری اور متفرقات نثر ہے، اسمین تہذیب الاخلاق اور حالی اور شبلی ہیں جنھون نے تنقید نگاری کو ایک فن کی حیثیت سے اردو ادب مین روشناس کرایا، مصنف نے مقدمہ شعر و شاعری حیات سعدی، یادگار غالب، اور شبلی کی شعر العجم، موازنہ انیس و دبیر کو پیش نظر رکھکر اس دور کی تنقید نگاری پر ایک نگاہ ڈالی ہے لیکن یہ باب تشنہ رہ گیا ہے، پھر اس دور کی اخبار نویسی اور خطوط پر مختصر تبصرہ ہے اس طرح مصنف کی نگاہ سے کوئی گوشہ چھوٹنے نہین پایا ہے،

چھٹا باب کہانی یا افسانہ نویسی پر ہے، اس باب مین نذیر احمد کو نمایاں حیثیت دی ہے جس کے وہ یقیناً مستحق ہین، اردو زبان جب تک زندہ ہے ان کی کہانیاں شوق سے پڑھی جائینگی، اس باب مین پہلے نذیر احمد کی زندگی کے حالات اور کتابون کی فہرست کے بعد ان کی کہانیوں پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے، نذیر احمد کی کہانیون کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، آشنائے فن ہو کر لکھا ہے، اور انصاف کا دامن کہین سے نہیں چھوٹا ہے، لیکن نذیر احمد سے کردار نگاری کی شکایت بیکار ہے،

یہ کتاب انگریزی مین اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے، مصنف نے اپنی زبان کی یہ بہت بڑی خدمت انجام دی ہے،

"ا - ع"

مطبوعات جدیدہ

سیرت شہید کربلا (حصہ دوم) مترجمہ جناب مولوی محمد ایوب صاحب عثمانی، تقطیع بڑی، ضخامت ۳۲۳ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عار، پتہ:- مکتبہ معارف القرآن اورنگ آباد ضلع گیا،

مصر کے ایک ممتاز عالم علی جلال حسینی نے دو جلدون مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی مبسوط سیرت لکھی تھی پہلی جلد مین واقعۂ شہادت سے قبل کے سوانخ اور اخلاق وسیرت کے حالات ہین اور دوسرے حصہ مین واقعۂ شہادت اور اس سے متعلق دوسرے واقعات اور مباحث ومسائل کی تفصیل ہے، لائق مترجم پہلے حصہ کا ترجمہ عرصہ ہوا شائع کر چکے ہین، اب انھون نے دوسرے حصہ کا ترجمہ شائع کیا ہے، اس مین واقعۂ شہادت کے ساتھ قاتلین حسین کے انجام تو ابین کی جماعت کے خروج حضرت امام حسین کے بھائیون بیویون اور اولاد کے حالات، شہدائے کربلا کے مشاہد ومزارات، سر مبارک کے مقام دفن کی روایات، عاشورہ کی حقیقت، اسکی مذہبی حیثیت مختلف اسلامی ملکون اور حکومتون مین اسکی تاریخ اور مراسم وغیرہ کی پوری تفصیل ہے، ان واقعات کے ساتھ واقعۂ شہادت سے پیدا شدہ بدعتون اس سے متعلق موضوع احادیث شیعہ کے عقائد، حضرت امام حسین کے دعوئے خلافت اور آپ کی شہادت کی مذہبی وسیاسی حیثیت کے متعلق غلط روایات، بنی امیہ کی عصبیت اور غزوۂ بدر کی شکست سے واقعۂ شہادت کے تعلق

روایات ومباحث کی تحقیق وتنقید اور غلط واقعات وعقائد کی پوری تردید کرکے اہل سنت کے صحیح
ائد کو پیش کیا گیا ہے، اور کسی بحث میں مصنف کا قلم جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں پایا ہے، ان مباحث
بعد واقعہ شہادت کے نتائج یعنی مدینہ میں یزید کی مخالفت، جنگ حرہ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے
وے خلافت بنی امیہ کے زوال کے اسباب اور بنی عباس کی دعوت کے حالات ہیں، آخر میں اثنا عشری
ی اور اسمٰعیلی ائمہ کے مختصر حالات، اور ان کے متعلق غلط عقائد کی تردید اور حضرت امام حسین علیہ السلام
نسل کے بعض ممتاز بزرگوں کے حالات ہیں، اردو میں اہل سنت کے عقائد کے مطابق حضرت امام
ین علیہ السلام کی سیرت پر اس سے زیادہ مفصل کتاب نہیں لکھی گئی، لائق مترجم نے اس کا ترجمہ
کے اردو زبان میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ کیا، ترجمہ برا نہیں ہے، لیکن لفظی پابندی کی وجہ سے
جمہ میں پوری سلاست اور روانی نہ پیدا ہوسکی، ایک دو مقامون پر خفیف سے مسامحات بھی نظر
تے ہیں، مثلاً ایک جگہ پر مترجم نے "زرہ" کے بجائے "کرتہ" ترجمہ کر دیا ہے (ص ۱۵۵)
واقعہ محمد بن حنفیہ کی قوت کے ثبوت میں نقل کیا گیا ہے، یہ بادی تامل معلوم ہوسکتا تھا، کہ کرتے کا دامن
نون ہاتھوں سے پھاڑ دینا کسی غیر معمولی قوت کا ثبوت نہیں ہے، محمد بن حنفیہ نے جسے پھاڑا تھا وہ زرہ تھی،

آزاد حیدر آباد، مرتبہ جناب مرزا مظفر بیگ صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے،
کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت ۱۲؍ پتہ:- مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن،

ریاست حیدرآباد اپنی تاریخی حیثیت اور قدیم معاہدوں کی رو سے برطانیہ کی برابر کی حلیف
سلطنت ہے لیکن عملاً اسے بہت سے امور میں مساوات اور آزادی حاصل نہیں ہے، لارڈ ریڈنگ
کے زمانہ سے جب سے ریاست کی آئینی حیثیت اور اسکے حقوق کا مسئلہ اٹھا، حیدرآباد کی دستوری اور
ئینی حیثیت پر بہت سے مضامین نکل چکے ہیں، مرزا مظفر بیگ صاحب نے اس سلسلہ کے منتخب مضامین
کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، اس میں تاریخی آئینی قدیم معاہدات، مختلف خود مختار حکومتوں کے

نظائر، انتظامی قابلیت وغیرہ مختلف پہلوؤن سے حیدرآباد کے آئینی درجہ اور اوس کے حقوقِ آزادی ومساوات پر بحث کی گئی ہے، اس مجموعے مین چھوٹے بڑے بیس مضامین ہین، معلومات کے اعتبار سے ان مین "حیدرآباد اور گول میز کانفرنس" محمد حمید اللہ صاحب ایم اے "حیدرآباد کی آئینی حیثیت معاہدات کی روشنی مین" حکیم محمد اسمٰعیل صاحب "اقتدار اعلیٰ کی ماہیت اور اس کا اطلاق" ایک متعلم قانون کے قلم سے" ایک ہندوستانی ریاست کا تیس سالہ نظم ونسق" (؟) "حیدرآباد اور بعض خود مختار ممالک" نواب بہادر یار جنگ زیادہ اہم ہین،

مقالات ہاشمی (حصہ اول) مرتبہ جناب نصیر الدین ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۶۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ تاج کمپنی لمٹیڈ ریلوے روڈ لاہور،

قدیم دکھنی ادبیات لائق مصنف کا پرانا موضوع ہے، اس پر انھون نے بہت سے تاریخی ادبی اور تنقیدی مضامین لکھے، جو معارف اردو، ہندستانی اور جامعہ وغیرہ ملک کے مختلف سنجیدہ رسالون مین شائع اور مقبول ہوئے، اب انھون نے ان کو جمع کرکے کتابی شکل مین شائع کیا ہے، اس حصہ مین چوبیس مضامین ہین، ان مین دکھنی ادبیات کے مختلف پہلوؤن پر بہت مفید معلومات ہین، اردو کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرنے والون کے لئے خاص طور سے ان کا مطالعہ مفید ہے،

دھرتی ماتا، مترجمہ جناب ابو سعید صاحب قریشی بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، **قیمت** مرقوم نہین، پتہ:- ہاشمی بک ڈپو، انار کلی لاہور،

یہ کتاب ایک امریکن خاتون مسز پرل بک کی مشہور کتاب Good Earth کا ترجمہ ہے، مصنفہ کو نوبل پرائز مل چکا ہے، اور انکی اس کتاب کے ترجمے دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانون مین ہوچکے ہین، اس مین چین کے ایک غریب دہقانی کسان اور ایک قومی عیش پرست اور زوال پذیر

نواب کی زندگی سے دکھایا گیا ہے کہ غربت و افلاس زمین کی برکت اور محنت و مشقت سے کس طرح رفتہ رفتہ دولت و ثروت اور تعیش کا قالب اختیار کرتا ہے، اور قدیم عیش پرست امراء اور سرمایہ داروں کی زندگی انھیں کیسے تباہی کی طرف لیجاتی ہے، اس افسانہ میں غریب مزدوروں اور کسانوں کی زندگی غربت و افلاس کے اندوہناک مناظر زمین اور محنت کی برکتیں، دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن کے مظاہر تعیش کی رنگینیاں، دیہاتوں اور متمدن شہروں کی زندگی، غربت و سرمایہ داری کی جنگ وغیرہ، دولت اور غربت کے تمام رخوں کا نہایت دلکش مرقع پیش کیا گیا ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے لطف انشا کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن آخر کے چند ابواب کو ترجمہ سے نکالدیا ہے، مگر اس سے اس کتاب میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، ضرورت تھی کہ دنیا میں کتاب کا مختصر تعارف کرادیا جاتا، اس ترجمہ سے اردو ادب میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوا،

سریلے بول از محمد عظمت اللہ خان مرحوم تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۱ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ:- محمد رشید اللہ خان برکت بنگلہ تگی جیل قدیم حیدرآباد دکن،

اصحاب ذوق عظمت اللہ خاں مرحوم کی جدت طراز شاعری سے ناواقف نہیں، انھوں نے اردو میں ایک نئے طرز شاعری کی بنیاد ڈالی تھی، جو اپنے قالب و روح کے اعتبار سے بھاشا کی شاعری کا مثنی تھی، ان کی بیگم نے "سریلے بول" کے نام سے انکی ان نظموں کا مجموعہ شائع کیا ہے، کتاب کے شروع میں ڈاکٹر محی الدین زور کے قلم سے مرحوم کی شاعری پر تبصرہ اور مولوی محمد ریاض الدین صاحب کے قلم سے ان کے حالات زندگی ہیں، اس طرز کو اردو شاعری میں رائج کرنے کے لئے مرحوم نے رسالہ اردو میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا، اسے مقدمہ کے طور پر مجموعے میں شامل کردیا گیا ہے، یہ مضمون شعری اور ادبی حیثیت سے بجائے خود ایک مستقل اور اہم چیز ہے، اس میں قدیم اردو شاعری کے نقائص اور اسکی عروضی دشواریوں کو دکھایا گیا ہے، اور اس کے مقابلہ میں اس نئے طرز کی عروضی سہولتوں اور اسکی شاعرانہ

خوبیون کو پیش کرکے اسے اردو مین رائج کرنیکی صلاح دیگئی ہے، اس سلسلہ مین بھاشا کے عروض پر کسی قدر تفصیلی اور انگریزی عروض پر اجمالی بحث ہے، بعض اور اصلاحی تجویزین ہین، اس سے انکار نہین کہ اردو شاعری اپنی بہت سی اچھی خصوصیات کے باوجود نقائص سے خالی نہین ہے، لیکن دوسری زبانون کی شاعری کو اس کیلئے معیار قرار دینا صحیح نہین ہے، ہر قوم ہر ملک اور ہر زبان کی خصوصیات، ذوق اور رجحانات جدا جدا ہین، اسلئے ایک زبان کا ادب دوسری زبان کے ادب کے لئے بعینہ معیار نہین بن سکتا، قدیم اردو شاعری مین یقیناً بہت سے نقائص تھے، لیکن نئے رجحانات نے بہت کچھ خود انکی اصلاح کر دی ہے، اور جس حد تک اسکی گنجایش باقی ہے، اس حد تک اس مضمون کی بعض تجویزین قابلِ قبول ہین، اور نہ صرف بھاشا کی شاعری، بلکہ ہر زبان کی شاعری کی اچھی خصوصیات قابلِ تقلید ہین، لیکن اردو شاعری کا رنگ اور ڈھانچہ بدل کر اسے کسی دوسرے دائرہ کا پابند بنا دینا خود اصلاح و ترقی کے منافی ہے، گو اس مضمون کے تمام خیالات قابلِ قبول نہین ہین، تاہم شعر و ادب سے متعلق اسمین بہت سی مفید باتین ہین، نظم کے مجموعے مین ۳۰ نظمین ہین، ان مین بشیر مرحوم کی طبعزاد اور بعض دوسری زبانون کے تراجم ہین، یہ نظمین جدت طرازی، زبان کی سادگی گھلاوٹ، شیرینی اور رسیلے پن کا نمونہ ہین،

یادِ اقبال جناب غلام سرور صاحب فگار، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۰۱ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ؏، غیر مجلد ؏، دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ، لاہور،

سر اقبال مرحوم کی وفات پر ان کی یاد مین ہندوستان کے بہت سے شعرا نے اپنی عقیدت کے نذرانے پیش کئے تھے، اقبال اکیڈمی نے جو مرحوم کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کیلئے قائم ہوئی ہے، ان عقیدت ناموں کو جمع کرکے یادِ اقبال کے نام سے شائع کر دیا ہے، اسمین ۱۸ شعرا کی نظمین ہین، مولینا حسرت موہانی کی ایک نظم جو انھون نے اپنی بیوی کی وفات پر کہی تھی، غلطی سے اس مین شامل ہوگئی ہے، معلوم ہوتا ہے مرتب نے بے پڑھے اسکو شامل کر دیا ہے، اسلئے کہ اس نظم کے بعض اشعار اور جذبات کا تعلق کسی حیثیت سے بھی اقبال مرحوم سے نہیں ہو سکتا، " م "

روستان کی قدیم | ہندوستان کی قدیم تاریخی
لامی درسگاہیں | کتابوں میں مرتب طور
ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اوران
مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا
یں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم
نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی
م اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔
کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین
اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام
شائع کیا ہے، ضخامت ۴۳ صفحے قیمت: ۱۲ر

ضر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں
ائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور
سب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان
مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا
جاتا ہے، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے
اریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض
لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے
اثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان
بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں
بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،
خامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ ر
اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری
رسوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے
س کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں
اری بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب
ں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی
می تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو
امنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے

...لی دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں
کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں
مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں،
قیمت: ۵ر ضخامت ۱۲۸ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ
چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا
گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں
کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت
ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل
کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور
اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ر

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی
تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے
اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر
مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ:
مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۰۶ صفحے، قیمت ۱۲ر

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن
رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے
حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے
اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ
ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۰ قیمت سے

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے
رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج
وزوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے پہلے حصہ میں
عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل
حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے
زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۰۰ قیمت سے

۱ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مبتدی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر، سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان مین کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں چھوٹے بچوں کے دار الاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچہزار کی تعداد میں چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہلِ خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ ۱۲؍ ہے، لیکن ۲۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲؍ فی نسخہ زائد ہوگی،

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ حکومتیں، جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی عدن، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: ۱۲؍

چینی مسلمان، ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان مین لکھے ہین، حجم ۲۴۲ قیمت: ۱۲؍

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

(مطبع معارف مین محمد اویس دارثی نے چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۷

اپریل ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ. قیمت: عہ ، ۴۹۴ صفحے

خلافت اور ہندوستان، آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفائے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ ، ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشاء اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت: للعہ ، ۲۸۷ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سے ، ۳۹۷ صفحے،

تاریخ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ ، ۴۶۵ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل سوانح حیات ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ ، ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۷ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء عدد ۴

مضامین

شذرات

سر شاہ سلیمان!

نئی تعلیم نے جو بہتر سے بہتر نمونے ہماری قوم مین پیش کئے اُن مین سے ایک سر شاہ سلیمان تھے وہ مشرقی تعلیم کے ایک ممتاز خاندان کے فرد فرید تھے، ان کا آبائی وطن ضلع اعظم گڈھ ہی کا ایک ممتاز قصبہ تھا، ملا محمود جون پوری جن کا نام شمسِ بازغہ اور فرائد کے مصنف کی حیثیت سے آفتاب کی طرح درخشان ہے ان کے مورثِ اعلیٰ تھے، سر سلیمان مرحوم نے بھی ابتدائی مشرقی تعلیم حاصل کی تھی، اور عربی تعلیم سے بہرہ ور تھے، ملا محمود نے فلسفہ مین ادب کی، اور ادب مین فلسفہ کی شان پیدا کی تھی، یہی خصوصیت سر سلیمان کی ذات مین تھی، ایک طرف وہ قصائد ذوق اور مثنویاتِ میر کو ترتیب دیتے تھے اور دوسری طرف آئینسٹائن کے نظریہ پر نقد و تبصرہ کرتے تھے۔

سر سلیمان کی فطری ذہانت بے نظیر تھی، ذہانت کی بجلی ان کی رگ رگ مین بھری تھی، وہ نہ صرف ہائیکورٹون کے جج رہے، بلکہ قانون کے نکتہ شناس بھی تھے، ان کی لیاقت و قابلیت کی شرح کیلئے چند سطرین کسی طرح کافی نہین ہوسکتین، اوران سب باتون کے ساتھ وہ مسلمان بھی تھے، ایماناً اور عملاً مسلمان! وہ ان تنگ ظرفون مین نہ تھے جو رومن حروف کے چند الفاظ پڑھ لینے کے بعد اپنے کو علم ومعارف کا سب سے بڑا عارف مان کر دین ومذہب سے بے نیاز ہوجاتے ہین، اور بندگی کی حد سے آگے بڑھ کر خدائی کے عرش کا اپنے کو مستحق سمجھنے لگتے ہین، مرحوم مین ان خوبیون کے ساتھ بہت سی اخلاقی خوبیان

بھی جمع تھین، وہ منکسر، متواضع، حلیم، اور سادہ مزاج تھے، ساتھ ہی اپنی رائے کے مضبوط، اور کام کے دھنی تھے، وہ عالم تھے، مگر عمر بھر طالب العلم بنے رہے،

مرحوم ہندوستان کا وقار، اور مسلمانوں کا فخر تھے، افسوس کہ ۱۳ر مارچ ۱۹۴۱ء کو ہمارے ملک کا یہ دیا، اور ہماری قوم کا یہ فخر جاتا رہا، گلے کی ایک معمولی بیماری نے خناق کی اور خناق نے غالباً دماغ کے پھوڑے کی شکل اختیار کی، ۱۸۸۶ء پیدائش کا سال تھا، پچپن برس کی عمر مین اس دنیا سے فانی کو الوداع کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰ دنیاوی قانون کا جج اب دونوں کے سب سے بڑے قاضی القضاۃ اور احکم الحاکمین کی بارگاہِ عدالت میں ہے، دعا ہے کہ وہ احکم الحاکمین جو ارحم الراحمین بھی ہے اپنی شفقت ورحمت کی کرسی پر اس کو جگہ دیگا، اور اپنی بخشش وبخشایش کی عزت سے سرفراز فرمائیگا،

۲ر مارچ ۱۹۴۱ء کو ریاست رام پور اپنی پرانی علم پروری اور علمی سرپرستی کے ثبوت مین اعلیحضرت نواب صاحب رام پور کے نام نامی سے نسبت دیکر **رضا اکاڈیمی** کے نام سے ایک علمی مجلس کا افتتاح کر رہی تھی، اُسکی صدارت کے لئے مرحوم سر شاہ سلیمان کا انتخاب ہوا تھا، مرحوم نے اپنا خطبۂ صدارت لکھ لیا تھا کہ بیمار پڑے، اور جلسہ کی صدارت نہ کر سکے، مگر ان کا خطبہ مجلس مین آیا اور پڑھا گیا، آج ہم مرحوم کے اس خطبہ کو اُن کی علمی زندگی کی اخیر یادگار کے طور پر شائع کرتے ہین،

رضا ایکاڈیمی رامپور کا افتتاح ۲ر مارچ ۱۹۴۱ء کو ظہر کے بعد ریاست کے ایک خوش قطع میدان مین ہوا جس کے پاس ہی وہ مختصر مگر پاکیزہ سرکاری عمارت تھی جو ایکاڈیمی کو دیگئی ہے، اعلیحضرت سرکار رام پور بنفس نفیس شریک مجلس تھے، اور ریاست کے تمام اعلیٰ عہدہ دار اور ممتاز اہل علم حاضر تھے،

ملک کے بعض مشہور اداروں کے نمایندے بھی خاص طور سے بلائے گئے تھے، چنانچہ انجمن ترقی اردو، جامعہ ملیہ اور دارالمصنفین کے نمایندوں کے علاوہ مسلم یونیورسٹی، دلی یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی کے مشرقی علوم کے بعض اساتذہ بھی تشریف رکھتے تھے،

ایکاڈیمی کا افتتاح کلام پاک کی تلاوت سے ہوا، پہلے اعلیحضرت کی خدمت مین ایکاڈیمی کے صدر جسٹس مولوی معین الدین صاحب انصاری (فرنگی محلی) نے سپاسنامہ پیش کیا، پھر اعلیحضرت نے اپنا جواب ارشاد فرمایا، پھر مختلف قومی علمی اداروں کے نمایندوں اور یونیورسٹیوں کے استادوں نے تبریک و تہنیت اور رامپور کے گذشتہ علمی خدمات اور آیندہ توقعات پر مختصر تقریرین کین، اور آخر مین ایکاڈیمی کے ناظم مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی نے سرشاہ سلیمان کا خطبہ پڑھ کر سنایا، اور اسی پر جلسہ ختم ہوا، یہ اکاڈیمی اعلیحضرت نواب صاحب رامپور کی موروثی علمی قدردانی، اور عالی مرتبت سید بشیر حسین زیدی با لقابہ چیف منسٹر کی علم دوستی کا نتیجہ ہے، خدا کرے کہ یہ نومولود بچہ اپنے سرپرستوں کے زیر سایہ اپنی ترقی کی منزلین طے کرے،

خیال تھا کہ اس نمبر میں مولوی مسعود عالم صاحب ندوی (کٹیلاگر بانکی پور لائبریری) کی نئی تصنیف سیرۃ محمد بن عبدالوہاب کا ایک باب پیش کیا جائے گا، مگر سرشاہ سلیمان مرحوم کے یادگار آخری خطبہ کے بروقت اشاعت کے خیال سے اس کو روک لینا پڑا، مولوی مسعود عالم صاحب بڑی محنت اور تحقیق کاوش اور دیدہ ریزی سے محمد بن عبدالوہاب کی ایک ایسی سوانحعمری مرتب کر رہے ہین جس سے صاحب سوانح کے تمام کارنامے سامنے آجائین اور دوستون اور دشمنون دونون کی غلطیان زائل اور غلط فہمیان دور ہوجائیں، اور مشرق و مغرب میں جو کچھ اس کے متعلق لکھا گیا ہے اس پر محققانہ تبصرہ بھی ہوجائے، اور معلوم ہوجائے کہ اس تحریک کا اصل منشا کیا تھا، اور وہ کہان تک کامیاب ہوئی ۔

مقالات

تدوین حدیث

از

مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

مولانا نے یہ مقالہ نائب امیر جامعہ عثمانیہ کی فرمایش پر بطور توسیعی لکچر کے پڑھا تھا، جو مجموعۂ تحقیقات علمیہ جامعۂ عثمانیہ" میں چھپ چکا ہے،

احادیث نبوی صلعم کی صحت و استناد پر آج کل جو شکوک و شبہات کئے جاتے ہیں، اس کے جواب میں معارف میں کئی مضمون نکل چکے ہیں، مولانا کا یہ مضمون تحقیق و افادہ کے اعتبار سے اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس لئے مولانا کی اجازت سے ناظرین معارف کیلئے جو اس سلسلہ کے اور مضامین پڑھ چکے ہیں اسکو مجموعۂ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ"

علم حدیث پر بحث کرنے کے لئے ہمیں اپنے سامنے ان چند سوالات کو رکھ لینا چاہئے،

(۱) حدیث کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) اس علم کی تدوین کب، کس طریقہ سے کس زمانہ میں شروع ہوئی، اور ان طریقوں کا اس علم کے وثوق و اعتماد پر کیا اثر مترتب ہوا یا ہو سکتا ہے؟

(۳) ابتدا سے اس وقت تک اس فن کی ممتاز خدمتیں جن بزرگون نے انجام دین خود انکی اوران کے کارنامون کی تفصیل،

(۴) اس فن کے متعلق کیا جدید تکمیلی کوششون کی ضرورت باقی ہے،

(۵) حدیث کے بعد فنِ حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی فن اسمآء الرجال اور اصولِ حدیث کی حقیقت ان کی تاریخ، موجودہ حیثیت ان مین آیندہ ترقیون کے امکانات،

حدیث کی حقیقت سب سے پہلے میں پہلے سوال کو لیتا ہون یعنی حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ بات یہ ہو کہ عموماً دنیا میں دو طرح کی قومین پائی جاتی ہین، بعض بلکہ شاید زیادہ تر قومین ایسی ہین جنھون نے اپنے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی کوشش نہین کی، اگرچہ واقعہ تو یہی ہے، کہ کسی قوم کا کوئی حال ماضی سے الگ ہوکر تعمیر پذیر نہیں ہوسکتا، لیکن باوجود اس واقعہ کے جیسے جیسے وہ آیندہ کی طرف بڑھتی رہین، اپنے ماضی کو بھلاتی چلی آئین، ان کے پاس اپنے موجودہ حالات پر غور وفکر کرنے کے لئے گذشتہ حالات وواقعات تجربات ومشاہدات کا کوئی سرمایہ نہین ہے، گویا جس طرح جنگل کی زندگی گذاری جاتی ہے، یہ بھی گذارتے ہین، آخر ریچھوں اور بندرون کو کیا معلوم کہ ان کے جدِ اعلیٰ کون تھے، کن کن جنگلوں اور وادیون پہاڑون سے چھلانگین مارتے ہوئے ان کے آباو اجداد موجودہ مقام تک پہونچے، کن کن حالات سے ان کو دوچار ہونا پڑا،

لیکن ان کے مقابلہ مین انسانون ہی کا ایک طبقہ ان قومون کا بھی ہے جنھون نے حتی الوسع اس کی کوشش کی ہے، کہ جہان تک ممکن ہو حال کی تعمیر مین ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اٹھایا جائے، اوراس کے لئے ان کو ضرورت محسوس ہوئی، کہ گذرے ہوئے واقعات کو کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لیا جائے، انسانیت کے اس گروہ کی اسی کوشش کا نام تاریخ ہے، ابتدا مین تاریخ کی حفاظت وبقا کا شوق قومون مین کم رہا ہے لیکن اب تو یہ ایک ایسی ناگزیر ضرورت بن گئی ہے

کہ اپنی توانائیون کا ایک بڑا حصہ ہر قوم اس پر خرچ کر رہی ہے، جس سے ہم اور آپ سب واقف ہین، جنگل کی زندگی بسر کرنے والے بھی اب اپنے اجداد و اسلاف کے کارنامون کی جستجو گڑی ہوئی ہڈیون، پرانے مقبرون اور مرگھٹون مین کر رہے ہین، کونہ کونہ سے قدیم سکے برآمد کئے جا رہے ہین، کہنہ قبرون کی کتبون کے حروف کے پڑھنے کی کوشش کیجا رہی ہے، پرانے کھنڈرون کی ایک ایک ٹھیکری چنی جا رہی ہے، ان ہی پر واقعی کتنے، یا خیالی بلند و بالا عمارتین تعمیر ہو رہی ہین، گویا اس علم کی ناگزیر ضرورت کو دنیا کی اکثر قومون نے اب تسلیم کر لیا ہے، اور بجز چند ارتیابی الطبع تنکی مزاج خشک دماغ فلسفیون کے عام دنیا کا شدید رجحان بھی ان چیزون کے جاننے کی طرف ہے،

تاریخ اور فنِ حدیث

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان، حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام سچ پوچھئے تو حدیث ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ جن انقلابات و حوادث سے گذر کر نسل انسانی موجودہ حالت تک پہونچی ہے، ان مین ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبۂ حیات ہی مین نہیں، بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی تمام شعبون مین انسانیت کا رخ پلٹ دیا، جس سے زمین کا کوئی خاص حصہ نہیں، بلکہ بلا مبالغہ مشرق و مغرب دونون متاثر ہوئے، ہو رہے ہین، اور ہوتے رہین گے، ماضی کے اسی مدہش حیرت انگیز واقعہ کی تاریخ یا تفصیلی بیان کا نام حدیث ہے، اگرچہ عام طور پر مسلمانون کی ابتدائی تاریخ سے حدیث کا تعلق قرار دیا جاتا ہے، لیکن جہان تک واقعات و حالات کا تعلق ہے، مین "حدیث" کو "انسانیت" کی تاریخ کا ایک حصہ اور ایسا حصہ قرار دیتا ہون، جس کی صرف یہی خصوصیت نہین ہے، کہ ایک بے نظیر عدیم المثال عالمگیر انقلابی عہد سے اس کا تعلق ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو آج جس کسی کے پاس یا جس قوم و امت کے ہاتھ مین ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا بھی جو حصہ ہے، وہ وثوق و اعتماد مین تاریخ کے اس "محفوظ حصہ" یعنی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ مین عرض کر چکا ہون کہ مین اُن آزردہ فطرت شکیون مین نہین ہون، جو تاریخ کو

جھوٹ کا پتلا قرار دیکر ماضی کا انکار کرتے ہین اور جو کچھ محسوس ہوتا ہے یہ نہین محسوس ہو رہا ہے اس سوفسطائی نظریہ پر زور دے کر حال کے وجود کو بھی شک کے دانتون سے چبا کر ختم کرنا چاہتے ہین، بلکہ تاریخ کے مقررہ معیار پر ماضی کے جن واقعات کی اب تصحیح ہو چکی ہے، ان کی قدر کرتا ہون، اور سمجھتا ہون کہ آیندہ کی راہ درست کرنے کیلئے ہمین ہمیشہ ماضی کی روشنی سے نفع اٹھانا چاہئے،

فاقصص القصص لعلھم یتفکرون، لوگون سے پچھلے قصے بیان کرو تاکہ وہ سوچین، (قرآن مجید)

لیکن اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ ایک بڑے مشہور مسلم الثبوت مورخ کا بیان ہے، کسی زمانہ کے حالات...... جب قلمبند کئے جاتے ہین، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ ہر قسم کی بازاری افواہین قلمبند کر لیجاتی ہین جن کے راویون کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہون سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہین، جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہین تھوڑے زمانہ کے بعد (یعنی کتابی شکل اختیار کرنے کے بعد) یہی ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتی ہے، یورپ کی اکثر تصنیفین اسی اصول پر لکھی گئی ہین، اور اس وقت ہمارے پاس ماضی کی تاریخون کا جو ذخیرہ ہے خواہ وہ روم ہو یا یونان، چین ہو یا ایران، ان قدیم اقوام کی تاریخ جن ذرائع سے مرتب ہوئی ہے اگر ان کے اساسی سرچشمون کی جانچ کی جائے گی تو جو کچھ اس فاضل مورخ نے بیان کیا ہے بہت کچھ اس کی توثیق کرنی پڑے گی، مشکل ہی سے انسانون کے پاس اس وقت کوئی ایسی تاریخی یادداشت مل سکتی ہے، جسے واقعہ کے عینی شاہدون نے خود مرتب کیا ہو، یا ان کے براہ راست بیانون کو انھی سے سن کر کتابون مین درج کیا گیا ہو، اتفاقاً اگر کوئی ایسی چیز مل بھی جائے، تو اس کا پتہ چلانا قطعاً دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے، کہ ضبط و اتقان سیرت و کیرکٹر کے لحاظ سے ان کا کیا درجہ تھا، غرض سے معتبر ترین کسی تاریخی ذخیرہ کے وثوق کے متعلق اگر کوئی بات پیش کیجا سکتی ہے، تو یہی ہے کہ

جس زمانہ مین واقعہ گذرا ہے مورخ خود ہی اس زمانہ مین موجود تھا، اتفاق سے کسی واقعہ کے متعلق
اگر ایسی شہادت میسر آجاتی ہے تو تاریخ کا یہ حصہ تدین شاہکارون مین شریک کر دیا جاتا ہے،
لیکن خود اس معاصرت کا یہ حال ہے، کہ قدیم ماضی کے تاریک زمانہ کو تو جانے دیجئے، آج جب کہ
جدید صناعات وایجادات نے زمین کی طنابین کھینچ کر ایک ملک کو دوسرے ملک سے ملا دیا ہے،
تعلیم عام ہو چکی ہے، کم از کم یورپ کے مکتبون اور اسکولون مین روے زمین کے اطلسون کا مطالعہ
ہر ایک کو کرا دیا جاتا ہے، لیکن ایک واقعہ نہیں آئے دن ایسی ایسی جہالتون اور غلط فہمیون کے
شکار غریب جاہل مشرقی ہی نہیں، بلکہ فرزانہ و دانا فرنگ کے ارباب خبر و علم ہوتے رہتے ہین کہ
بعض دفعہ آدمی کو حیرت ہو جاتی ہے، اور تاریخ جھوٹ کا جنگل ہے، دماغ سوچنے لگتا ہے، کہ
کیا اس دعوی مین کچھ واقعہ کا عنصر بھی شریک ہے، ؟ بہت پرانے زمانہ کی بات نہیں ہے کہ ۱۹۰۵ء
مین کانگڑہ (پنجاب) کا مشہور زلزلہ ہندوستان مین آیا تھا، ایک نہین، بلکہ متعدد انگریزی اخبارون
مین اس زلزلہ کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی تھی، کہ "کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے، وہان
ایک سخت زلزلہ آیا" اور بیچارے اخبار والے تو شہر خبرون کی جماعت ہے، عام طور پر گپ نویسی مین
یہ بدنام ہے لیکن مشہور ریفرنس بک ہنزل کی ایڈیل جو مشہور کتاب ہے، اور ہر قسم کے حوالجات
کے لئے ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے، اوس مین اسی زلزلے کے متعلق یہ عبارت اس وقت
تک موجود ہے:-

"ایک سخت زلزلے نے ایک وسیع ضلع مین جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے، عام تباہی
اور سخت نقصان برپا کیا"

نقصان کی تفصیل بتاتے ہوئے صرف اسی مورخ نے نہیں بلکہ دوسرون نے بھی یہ ارقام فرمایا ہے:

اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے

حالانکہ پنجاب گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس زلزلہ مین بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہین ہوئے تھے، معاصر مورخین کی کتابون مین اگر اس قسم کی طرفگیون اور بوالعجبیون کو تلاش کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے، سیاحون کی یادداشتون کو بھی تاریخی وقائع کے ثبوت مین بہت اہمیت دیجاتی ہے، اور اس سے بے پروا ہوکر دیجاتی ہے، کہ خود اس سیاح کا اپنے ذاتی رجحانات سمجھ بوجھ سچائی راستبازی مین کیا حال تھا، لیکن ان سیاحون کی بدولت واقعات کی صورت کبھی کبھی کتنی مسخ ہو جاتی ہے، اس کا ایک سرسری اندازہ ہمارے موجودہ میر شعبۂ دینیات (نواب ناظر یار جنگ جسٹس حیدرآباد ہائی کورٹ) کے ڈرائنگ روم کی ایک تصویر سے ہو سکتا ہے، جو انگلستان کے ایک معتبر اخبار سے الگ کرکے محفوظ کی گئی ہے، یہ ہندوستان کے ایک موقع کی تصویر ہے، اوس کے نیچے جلی خط حروف میں یہ لکھا ہوا ہے، کہ بودھ مذہب کے لوگ اپنی ایک مشہور مذہبی رسم جو اوتیا کے نام سے موسوم ہے، ادا کر رہے ہیں، مین نے اس تصویر کے نیچے جب اس فقرہ کو پڑھا تو بار بار حیرت ہوتی تھی، کہ آخر یہ کیا ہے، تصویر سے صاف معلوم ہو رہا تھا، کہ ہندوستانی مسلمانون کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے، ان کی شکل وصورت، لباس، وضع قطع طریقۂ نشست ہر چیز ہندی مسلمانون کی تھی، لیکن معتبر سیاح نے جس وقت یہ فوٹو لیا تھا، اس کے نیچے اوس نے یہی عبارت درج کی تھی، آخر جب میر شعبہ صاحب باہر تشریف لائے، ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے قصداً اس تصویر کو اسی لئے محفوظ کیا ہے تاکہ یوروپین سیاحون کی تاریخی شہادت کی ایک گواہ مہیا ہو، آپ نے فرمایا کہ یہ دہلی مین نماز عید کے موقع کی تصویر ہے، ایک مغربی سیاح نے اس عید کو اوتیا بنایا، اور اوتیا کو خدا جانے کس طرح اوس نے بودھ مذہب والون کی رسم قرار دیکر اخبار مین اپنے جدید اکتشاف کا اعلان کیا،

ان چند تشکیکی مثالون کو پیش کرنے سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ واقعی مین دنیا کے موجود

تاریخی ذخیرون کو بالکلیہ غیر معتبر اور ناقابلِ لحاظ قرار دینا چاہتا ہون، بلکہ مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان احتمالات و شکوک کی کمزوریون کے باوجود بھی آج جب علمی دنیا مین فنِ تاریخ ہر قسم کے احترام و اعزاز کا مستحق ہے تو حدیث جو صرف مسلمانون ہی کی تاریخ نہین ہے، بلکہ جیسا کہ مین نے عرض کیا تمام دنیا کی انسانیت کے ایک عظیم انقلابی عہد آفرین کا ایک ایسا مکمل تاریخی مرقع ہے جسے ٹھیک حقیقی اور اصلی شکل و صورت بلکہ ہر خط و خال کی حفاظت مین لاکھون ہی نہیں بلکہ کروڑون انسانون کی وہ ساری کوششیں اور تدبیرین صرف ہوئی ہین جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق آدمی کا دماغ سوچ سکتا ہے، بلکہ اس کی حفاظت و صیانت مین بعض ایسے قدرتی عوامل نے بھی کام کیا ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا، جو دنیا کے کسی تاریخی واقعہ کو نہ اس وقت تک میسر آئے، اور نہ آیندہ آسکتے ہین،

لیکن قبل اس کے کہ مین کچھ اور کہون اس پر بھی تنبیہ کر دینا چاہتا ہون کہ حدیث جس کے متعلق نہ جاننے والون کا تو صرف خیال ہے، کہ وہ دینیاتی طرز کی کوئی چیز ہے اور دینیات کے لفظ کے ساتھ ہی ان کا دماغ فوراً دورِ وحشت کے ان قدیم خرافات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جسے بدقسمتی سے اس زمانہ مین مذہب یا مذہب کی ایک قسم خیال کیا جاتا ہے، گویا دینیات کے معنی چند وہمی رسوم و عادات یا چند رٹے ہوئے الفاظ منتر جنتر جادو ٹوٹکے وغیرہ کے ہین جن مین صحرائی باشندے کسی زمانہ مین کیا اب تک مبتلا ہین، مذہب کے متعلق جن کے دماغون مین اس قسم کے خیالات ہین، حدیث جو مسلمانون کے مذہبی علوم کا ایک جزء ہے، اس کے متعلق میرے ان دعوون کو سن کر ممکن ہے کہ حیرت ہو اور ان کی حیرت تو چندان محلِ تعجب نہین اسلئے کہ جہل ان مسکینون کے لئے بڑا عذر ہے،

حدیث کی درسی تعریف

لیکن جاننے والون کو بھی شاید شبہ ہوتا ہوگا، کہ مدرسہ مین جس فن

کی یہ تعریف کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی مسلمانوں کے پیشوا) کے اقوال وافعال اور ایسے واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، جسے اصطلاحاً تقریر کہتے ہیں، غرض پیغمبر کے اقوال وافعال وتقریر کا نام حدیث ہے، بعضوں نے اس کو آگے بڑھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعضوں نے صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال وافعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کر لیا ہے،

کہاں حدیث کی یہ مدرسی اور مذہبی تعبیر، اور کہاں میرا یہ دعویٰ کہ حدیث مسلمانوں ہی کی نہیں، بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے، ان دونوں میں کیا نسبت ہے، شاید یہ خیال کیا جاتا ہو کہ زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر میں نے اپنی تعبیر بدلی ہے لیکن یہ واقعہ نہیں ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر چیز کے سمجھانے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کیجاتی ہے، جسے مخاطب سمجھ سکتے ہوں، مجھے اس سے انکار نہیں ہو کہ میں نے اس فن کی تعریف کرتے ہوئے کچھ الفاظ ضرور بدلے ہیں لیکن الفاظ کے بدلنے سے واقعات نہیں بدلتے، جو نہیں جانتے ہیں انھیں تو آئندہ بتایا جائے گا، لیکن جو جانتے ہیں کہ حدیث کا تعلق جس ذاتِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے کیا وہ اس کا انکار کر سکتے ہیں، کہ جن الفاظ میں اس فن کی میں نے تعبیر پیش کی ہے، کیا یہی اصل واقعہ نہیں ہے، اسلامی تحریک نے اپنے زمانہ آغاز سے اس وقت تک مشرق ومغرب کے باشندوں کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی پہلوؤں کے انقلاب میں جو کام کیا ہے، اور کر رہی ہے، ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد مسلمان ہی نہیں کوئی نامسلمان بھی حدیث کی اس تاریخی تعبیر کا انکار کر سکتا ہے، جسے میں نے پیش کیا ہے، ماسوا اس کے سچ یہ ہے کہ بالکلیہ یہ میری تعبیر ہے بھی نہیں، فن حدیث کے سب سے بڑے امام امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے اگر اسی پر غور کر لیا جائے تو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، کہ میں نے جو کچھ کہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے

بلکہ سمجھنے والون نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آج تو صرف بخاری شریف کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ اس کتاب کا اصلی نام نہیں ہے، بلکہ خود حضرت امام رح نے اپنی کتاب کا نام،

الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ایامہ

رکھا ہے، اس مین "امور" اور "ایام" کے الفاظ قابلِ غور ہین، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو، آگے ایام کے الفاظ نے تو اس کی تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا یعنی وہی بات جو مین نے عرض کی تھی، کہ فنِ حدیث دراصل اس عہد اور ایام کی تاریخ کی تعبیر ہے جس مین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ہمہ گیر، عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی، بہر کیف اگر اصطلاحی جھگڑون سے الگ ہو کر پھل سے درخت کے پہچاننے کے اصول کو مدنظر رکھا جائے، تو حدیث کے موجودہ ذخیرہ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی ایک معمولی آدمی اس کا اندازہ کر سکتا ہے، کہ حدیث کی صحیح حقیقت اور اس کی واقعی تعریف وہی ہو سکتی ہے جس کی طرف حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب کے نام مین اشارہ فرمایا ہے، اور مین نے جس کی تشریح کی ہے،

غالباً حدیث کی حقیقت یا تعریف کے لئے میرا یہ مختصر بیان کافی ہو سکتا ہے، درسی کتابون میں جیسا کہ ہر تعریف کے قیود و شرائط پر بحث کر کے بات کو بتنگڑ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مین ان دور از کار لفظی گورکھ دھندون میں آپ لوگون کو الجھا کر وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا، اسلئے اس بحث کو اسی نقطہ پر ختم کر کے اب مین دوسرے ضروری سوالات کی طرف متوجہ ہوتا ہون ہمارے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ تاریخ کے اس حصہ کی تدوین کس طرح اور کس زمانہ مین،

عمل مین آئی، اسی سوال کے جواب مین آپکے سامنے وہ امتیازات اور خصوصیات بھی آجائین گے جو تاریخ کے اس حصّہ کو دنیا کے دوسرے تاریخی ذخیرون سے ممتاز کرتے ہین،

اس تاریخ کے ابتدائی مورخین و رواۃ کے خصوصیات

اتنا تو کم از کم ہر لکھا پڑھا آدمی جانتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی پاک، یا بالفاظ امام بخاریؒ "امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وایامہ" کے پہلے رواۃ یا ابتدائی مورخین وہی حضرات ہین، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے شرفِ صحبت سے فیضیاب تھے، یعنی صحابۂ کرام، لیکن ان بزرگون نے تاریخ کے اس حصّہ کی روایت کیا انہی اسباب کے تحت کی جن کے زیرِ اثر دنیا کی دوسری تاریخین مدون ہوئی ہین؟

میرا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے عام تاریخی سرمایون کی تدوین مین جس طرح عموماً حال کو ماضی مرہونِ رکھنے کا جذبہ یا پچھلون کی مجلسون کو پہلون کی داستانون سے گرم رکھنے کا ذوق کارفرما رہا ہے، کیا حدیث کی تدوین بھی اسی جذبہ کے تحت ہوئی؟ میرا خیال ہے کہ حدیث کی تدوین کی بحث چھیڑنے سے پہلے سخت ضرورت تھی، کہ پہلے ان اسباب یا جیسا کہ مین نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، کہ ان قدرتی عوامل کو سامنے لانے کی حاجت ہے، جو دنیا کی عام تاریخ سے اس خاص حصّہ یعنی حدیث کو بالکل جدا کر دیتے ہین، ممکن ہے کہ اس بحث مین آپ کا کچھ زیادہ وقت مین لون، لیکن بات چونکہ بالکل نئی ہے، اس لئے اجمال سے کام لینے مین اندیشہ ہے کہ مین جو کچھ کہنا چاہتا ہون، وہ شاید پورے طور سے ذہن نشین نہ ہوسکے، مین ان امتیازی اسباب و عوامل کو الگ کرکے بیان کرتا ہون،

عام تاریخی ذخیروں سے حدیث کے امتیازات

(۱)

عام تاریخون سے تاریخ کے اس حصّہ کو جو پہلا امتیاز حاصل ہے، وہ اس امر کی بساطت ہے

بس سے اس کا تعلق ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت تاریخ کے جو عام ذخیرے ہیں، عموماً ان کا تعلق کسی قوم کی حکومت کسی عظیم الشان جنگ، الغرض اسی قسم کی منتشر اور پراگندہ گوناگون چیزوں سے ہے جن کا احاطہ آسان نہیں ہے، بخلاف اس کے حدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہ راست ایک خاص شخصی وجود یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے، ایک قوم، ایک ملک، ایک حکومت، ایک جنگ کے تمام اطراف و جوانب کو صحیح طور پر سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف ہے، اور دوسری طرف ملک نہیں، ملک کی کوئی خاص قوم نہیں، کسی قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قبیلہ کا کوئی خانوادہ نہیں، بلکہ صرف ایک احد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کا بیان کرنا ہے، خود اندازہ کیجئے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کوئی نسبت ہے، پہلی صورت میں کوتاہیوں، غلط فہمیوں، غلطیوں کے جتنے توی اندیشے ہیں، یقیناً اسی نسبت سے دوسری صورت میں صحت و واقعیت کی اسی قدر عقلاً توقع کیجا سکتی ہے،

(۲)

دوسرا امتیاز جو پہلے امتیاز سے بہت زیادہ اہم ہے، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مورخوں یعنی صحابۂ کرام کا باہمی تعلق ہے، بلاشبہ اس وقت ہمارے سامنے مختلف اقوام و ممالک، سلاطین اور حکومتوں کی تاریخیں ہیں، لیکن جن مورخوں کے ذریعہ سے یہ تاریخیں ہم تک پہونچی ہیں کیا ان میں کسی تاریخ کا اپنے مورخ یا مورخین سے وہ تعلق تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام کے ساتھ تھا، ؟ سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ مشکل ہی سے آج کوئی ایسا تاریخی حصہ ہمارے پاس نکل سکتا ہے، جس کے مورخین خود ان واقعات کے عینی شاہد ہوں، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی میں نے ذکر کیا ہے، کہ عموماً ان تاریخوں کی تدوین یوں ہی ہوئی ہے

کہ ابتدا میں مبہم مجہول الحال افواہون کی صورت مین واقعات اِدھر اُدھر بکھرے رہے پھر ان مین سے جب کسی کو شوق ہوا تو اوس نے ان ہی افواہون کو قلمبند کرنا شروع کیا، پھر خود اس مورخ ہی نے یا اوس کے بعد والون نے قرائن و قیاسات سے جہان تک ممکن ہوا، جس حصہ کو چاہا باقی رکھا، جسے چاہا قلم زد کر دیا، یہ تو شروع مین ہوا، بعد کو جون جون ان قلم بند شدہ واقعات پر زمانہ گذرتا گیا، اوراق مین زیادہ بوسیدگی پیدا ہوئی، کیڑون کی خوراک سے بچکر جو حصہ باقی رہا، پچھلی نسلون کے لئے وہی تاریخی وثیقہ بن گیا، آج اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے، کہ مطبوعہ کتابون سے زیادہ بھروسہ قلمی کتابون پر اور قلمی کتابون مین بھی سب سے زیادہ قیمتی وہ مسودات ہین یا بوسیدہ اور کرم خوردہ ہو چکے ہین، اور سنگی، برنجی یا آہنی تختیون کا کوئی ذخیرہ اگر کسی مورخ کو ملگیا تو وہی چیز جو ہمارے ہی جیسے انسانون نے کسی زمانہ مین لکھکر زمین مین گاڑ دی تھی،......
....بلکہ ہم تو اپنے معاصرین کو ایک حد تک جانتے بھی ہین، لیکن ان کے لکھنے[۱] والون کا تو کچھ پتہ نہین ہوتا، لیکن کیا کیجئے کہ بااین ہمہ وہ معصوم فرشتون کے بیان کی حیثیت اختیار کر لیتے ہین،

---

[۱] بلکہ اگر بعض ثقہ راویون کا یہ بیان صحیح ہے، کہ ہندوستان کی بعض قومون کے علمی مرکزون مین قدیم ہند کے لئے تاریخی مواد فراہم کرنے کی ایک صورت یہ بھی نکالی گئی ہے، کہ آہنی اور برنجی پترون یا تختیون پر پرانی زبانون پرانے حروف مین اپنے مطلب کے موافق عبارتین کندہ کر لیجاتی ہین، اور کسی مشہور آثاری کھنڈر مین انہی کو دفن کر دیا جاتا ہے، پھر کچھ دنون کے بعد انہی کو نکال کر علمی ذخیرہ مین جدید اکتشاف کی حیثیت سے انکا اور ان سے جو نتائج نکلتے ہین، اضافہ کر دیا جاتا ہے، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو علم پر جاہلون کا یہ کتنا ظلم ہے، اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ ہم جن قدیم کتبون پر اندھا دھند ایمان لا رہے ہین ان مین بھی اشتباہ کی کس حد تک گنجایش ہے، بلکہ سکندر کی لابنی مدفونہ زرہون کا افسانہ اگر صحیح ہے تو صرف کتابی ہی نہین، بلکہ کھنڈرون سے جو چیزین نکل رہی ہین، اور ان سے جو نتائج نکالے جا رہے ہین، محلِ غور و فکر بن جاتے ہین ۱۲،

لیکن اسی کے ساتھ مجھے اس کا بھی اعتراف کرنا چاہئے، کہ گذشتہ بالا کلیہ سے تاریخ کے بعض حصے مستثنیٰ بھی ہین، خصوصًا اسلامی دور مین مسلمان بادشاہون کے حکم سے جب تاریخون کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا، اور باضابطہ شاہی وسائل و ذرائع کے ذریعہ سے مورخون کو واقعات کے فراہم کرنے مین امداد دی گئی، یقینًا ان کتابون کی نوعیت قدیم تاریخون سے بالکل جداگانہ ہوگئی، اسی طرح مسلمان مورخون کی بنائی ہوئی راہون پر اس زمانہ مین خصوصًا مغربی قومین نسبتہ زیادہ حزم و احتیاط سے کام لے رہی ہین، لیکن کچھ بھی ہو کسی زمانہ کی تاریخ ہو، ان کے مورخون کو ان واقعات سے یا صاحبِ واقعات سے قطعًا وہ تعلق نہ تھا، اور نہ ہو سکتا ہے، جو صحابۂ کرام کو ذاتِ قدسی صفات سے تھا، یہی نہیں کہ ان بزرگون نے حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان و اسلام کی بیعت کی تھی، آپ کی نبوت پر وہ ایمان لائے تھے، آپؐ سے ان کو وہ تعلق تھا جو ایک امتی کو اپنے پیغمبر سے ہونا چاہئے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مان باپ، بیوی بچون، بلکہ اپنی جانون سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے، وہ سب کچھ حضورؐ پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے، گویا ایک قسم کے عشق و سرمستی کے نشہ مین مخمور تھے، یقینًا یہ ایسا امتیاز ہے جو کسی تاریخی واقعہ کو اپنے مورخین کے ساتھ حاصل نہین، آخر دنیا کی ایسی کونسی تاریخ ہے جس کے بیان کرنے والے مورخین اس تاریخ سے ایسا والہانہ تعلق رکھتے ہون کہ بیان کرتے جاتے ہین، اور روتے جاتے ہین، کانپتے جاتے ہین، عبد اللہ بن مسعودؓ کے متعلق ان کے دیکھنے والون کا بیان ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بہت کم حدیثین بیان کرتے تھے لیکن اگر کبھی زبان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آگیا، راوی کا بیان ہو کہ اس کے بعد ارتعدوارتعدت ثیابہ تنفخ اوداجہ مغرورقتہ عیناہ، (کانپنے لگتے اور ان کے کپڑون مین تھرتھری پیدا ہو جاتی، گردن کی رگین پھول جاتی تھین، آنکھین

آنسوؤن سے بھر جاتین، (مستدرک حاکم) ایک عبد اللہ بن مسعودؓ ہی نہین، بلکہ ان اصحاب کی ایک فہرست تیار ہو سکتی ہے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، حضرت ابوذرؓ کبھی کبھی کوئی حدیث بیان کرنا چاہتے، مگر منہ سے اوصانی حبی ابو القاسم اوصانی خیلی صلی اللہ علیہ وسلم، الفاظ نکلتے اور چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے تھے، اسی قسم کے واقعات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر مین بھی ملتے ہین، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس تاریخ کو اسکے مورخون مین محبوبیت کا یہ مقام عالی حاصل ہو، قدرتی طور پر ان کے دل و دماغ، ان کے حافظے اس سے کس حد تک متاثر ہو سکتے ہین،

(۳)

تیسری خصوصیت اس تاریخ اور اس کے راویون کی یہ ہے، کہ علاوہ مذکورۂ بالا تعلقات کے ان براہ راست مورخون یا چشم دید راویون اور گواہون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بعیت ہی اس بات پر کی تھی، کہ تاریخ کے اس عجیب و غریب واقعہ کے ہر ہر جزء ایک ایک خط و خال کے زندہ نقوش اپنے اندر پیدا کرین گے، انھون نے جس قرآن کو خدا کی سرّ بعت اور قدرت کا قانون یقین کرکے مانا تھا، اس مین بار بار مطالبہ کیا گیا تھا کہ تم مین ہر ایک کی زندگی کا نصب العین صرف یہی ہونا چاہئے کہ جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین، انھین سنو، شکر یاد رکھو اور ان پر ایمان لاؤ یقین کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے ہین انکی ہر ہر ادا پر نگاہ رکھو، ٹھیک من وعن جسطرح انکو جو کچھ کرتے ہوے دیکھتے ہو تم بھی اس کام کو اسی طرح انجام دینے کی کوشش کرو،

(۱) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا	رسول نے جو کچھ تمھیں دیا ہے، اُسے پکڑے رہے ہو اور جس سے انھون نے روکا ہے اس سے رُک جاؤ،

(۲) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ،	ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، لیکن صرف اسی لئے کہ اس کی پیروی اور اطاعت خدا کے حکم سے کیجائے،
(۳) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ،	کہدو اگر تم اللہ کو چاہتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمھیں چاہنے لگیگا،
(۴) لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ،	تمھارے لئے اللہ کے رسول مین اچھا نمونہ ہے،

سمع و طاعت، اطاعت و اتباع کے ان پُرجلال مطالبون سے قرآن گونج رہا تھا اور ان لوگون کے سامنے گونج رہا تھا، جو ہر چیز سے دست بردار ہوکر صرف اسکی آواز مین گم ہونے کا آخری اور قطعی فیصلہ کر چکے تھے،

ان کا یہ فیصلہ غلط تھا یا صحیح مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں لیکن حضرات صحابہ کرام کے اس فیصلہ کا علم مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کو ہے، بتایا جائے کہ دنیا کے کس تاریخی واقعہ سے اسکے مورخین اور راویون کا یہ تعلق ہے، عجیب بات ہے کہ جن بزرگون سے کسی زمانہ مین انسانون کے کسی گروہ کو اگر یہ تعلق پیدا بھی ہوا تھا تو ان کی تاریخ ہی آج ناپید ہے، اور تاریخ کا جو سرمایہ آج ہمارے پاس ہے اس کے مورخون کو ان تعلقات کی ہوا بھی نہ لگی تھی،

کہان پچھلون کی مجلسوں کی گرم بازاری کے لئے مورخین کے بیانات اور کہان ان سوختہ سامانون کی تاریخی شہادتین،

(۴)

اسی کے ساتھ ہمین اس کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و

اعمال کی اطاعت و اتباع ہی ان بزرگون کے لئے ضروری نہ تھی، بلکہ جس قرآن اور جس فرمان نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا تھا، اسی نے ان کو اس کا بھی ذمہ دار بنایا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کہتے ہوئے انھون نے سُنا ہے، اور جو کچھ کرتے ہوئے انھون نے دیکھا ہے، وہ دوسرون تک مسلسل پہونچاتے چلے جائین، ہر حاضر غائب کو، اور ہر پہلا پچھلون کو ان کی طرف بلاتا جائے، قرآنی آیتون

(۱) کُنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر،	تم ایک بہترین امت ہو، انسانون کی (بہی خواہی) کے لئے تم ظاہر کئے گئے ہو تاکہ اچھی باتون کا لوگون کو حکم دو، اور بُری باتون سے ان کو روکو،
(۲) ولتکن منکم اُمۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر،	چاہئے کہ تم مین ایک گروہ ہو، جو نیکی اور بھلائی کی طرف لوگون کو بلائے، اچھی باتون کا حکم دے، اور بُری باتون سے روکے،

ہی کی یہ تفسیر تھی، جو مختلف پیرایون مین صحابۂ کرام کو مخاطب کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے، منیٰ کا میدان ہے، خیف کی مسجد ہے، ایک لاکھ سے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والون کا مجمع ہے، سب کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے،

(۱) نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاھا ثم ادّاھا الی من لم یسمعھا، (صحاح)	تر و تازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری بات سُنی، پھر اُسے یاد رکھا، اور جس نے نہیں سنا ہو اس تک اسکو پہنچایا

منیٰ کا میدان ہی، حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ مین اعلان فرمایا جاتا ہے،

(۲) ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتیٰ یردا علی الحوض،	مین تم مین دو چیزین چھوڑتا ہون جن کے بعد تم پھر گمراہ نہین ہو سکتے، (ایک تو) اللہ کی کتاب (اور دوسری) میری سنت، یہ دونون باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہون گے، جب تک کہ حوض (کوثر) پر پھر میرے سامنے آ جائین،
(صحاح)	

مجمع سے دریافت فرمانے کے بعد کہ کیا مین نے پہونچا دیا، آسمان کی طرف انگلیان اٹھا کر اللّٰھم ھل بلغت اللّٰھم ھل بلغت اللّٰھم ھل بلغت کے ارشاد فرمانے کے بعد آخری رخصت کے اس خطبہ کو اس مشہور متواتر فقرہ پر ختم فرمایا جاتا ہے،

الا فلیبلغ الشاھد الغائب	چاہئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچاتا جائے،
(صحاح)	

جس دردناک اور اثر انگیز ماحول مین اس خاتمہ کا اعلان ہوا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن جذبات و ہیجانات سے مخاطب مجمع بھرا ہوا تھا، اس پر کیا اثر ہوا ہوگا، اسی اثر کا آپ کو یقین تھا کہ صحابہ کی جماعت کو خطاب کرکے بطور پیشین گوئی آپ فرماتے، :-

تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم	تم مجھ سے سن رہے ہو، تم سے بھی سنا جائیگا، اور جن لوگون نے تم سے سنا ہو ان سے بھی لوگ سنین گے
(ابوداؤد ...... (مستدرک)	

ؐ یعنی اے اللہ کیا مین نے پہنچا دیا، کیا مین نے پہونچا دیا، کیا مین نے پہنچا دیا، تین دفعہ ارشاد فرمایا، ۱۲

نہ صرف عام مجامع مین یہ اعلان کیا جاتا تھا بلکہ ملک کے مختلف اطراف سے وقتاً فوقتاً وفود کے جو سلسلے دربار نبوت مین حاضر ہوا کرتے تھے، عموماً ان کو ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا جہان سے "اسوۂ حسنہ" کے معائنہ اور مشاہدہ کا ان کو کافی موقع مل سکتا ہو، جس کے وہ مورخ بنائے جاتے تھے، پھر جو کچھ سنانا اور دکھانا مقصود ہوتا وہ سنایا اور دکھایا جاتا تھا، آخر مین رخصت کرتے ہوئے حکم دیا جاتا جیسا کہ بخاری مین ہے،

احفظوھن واخبروھن من وراءکم،	ان باتون کو یاد رکھو، اور جو لوگ تمھارے پیچھے ہین، انھیں ان سے مطلع کرتے رہنا،

حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح مین لکھتے ہین :۔

یشمل من جاؤا من عندھم وھذا باعتبار المکان ویشمل من یحدث لھم من الاولاد وغیرھم وھذا باعتبار الزمان۔ (فتح الباری)	یہ ان لوگون کو بھی شامل ہے جن کے پاس سے یہ لوگ آئے تھے، اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے، اور ان آیندہ نسلون کو بھی شامل ہے جو بعد کو پیدا ہونے والی ہین، اور یہ بات زمانہ کے حساب سے ہوگی،

اور یہ تو سب ہی جانتے ہین کہ اسلام کے دائرہ مین جو قبائل داخل ہوتے جاتے تھے، دربار رسالت سے ان کی تعلیم و تلقین کے لئے ذمہ دار اصحاب کو بھیجا جاتا تھا حکم دیا جاتا تھا کہ جو کچھ تم نے ہم سے سیکھا ہے وہ ان کو بھی جا کر سکھاؤ، صرف استحبابی احکام ہی نہیں، بلکہ قرآن کی آیت :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ	جو لوگ چھپاتے ہین اس چیز کو جسے ہم نے اُتارا ہے، اور جو کھلی کھلی باتون

مابیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون،

اور سوجھ بوجھ (ہدایت) کی باتون پر مشتمل ہو اور اسکے بعد چھپاتے ہین جب انسانون کیلئے کتاب مین ہم نے اُسے بیان کردیا ہو یہی لوگ ہین جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں،

کی بنیاد پر صحابہ کرام جس تاریخ کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے، اس کا چھپانا گناہ خیال کرتے تھے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کرتے تھے،

من سئل عن علم فکتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من نار، (ابوداؤد و ترمذی)

جو کوئی پوچھا جائے کسی علم کی بات سے اور اُسے وہ چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اُسے پہنائی جائے گی،

اور اسی کا نتیجہ تھا کہ سکرات مین مبتلا ہین، لیکن بعض صحابہ سے یہ مروی ہو کہ اس وقت بھی محض اس خیال سے کہ علم کے چھپانے" کا الزام ان پر نہ رہجائے حدیث بیان کرتے جاتے تھے،

(بخاری و مسلم و عام صحاح)

(۵)

ان تمام امور کے ساتھ اس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جس ذات گرامی کے ہر قول کو وہ خدا کی بات اور خدا کا حکم سمجھتے تھے، اسی نے بار بار بکثرت ان کی فطرت مین مشہور حدیث[1] من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار کے تہدیدی خوف کو اس طرح راسخ کرنے کی کوشش کی تھی، کہ جتنے صحابیون سے یہ حدیث مروی ہے مشکل ہی سے چند حدیثین اس کی ہم پایہ ہو سکتی ہین، اور نیز قرآن کی رو سے یہ اتنی بدیہی بات تھی، کہ جس قسم کے ایمان و یقین کی دولت سے یہ لوگ سرفراز

---

[1] جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا، چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ مین تیار کرلے، ۱۲

تھے، اس فعل کی جرأت کس کو ہو سکتی تھی، جس اعلیٰ کردار کے وہ مالک تھے یوں بھی ان سے غلط بیانی کی توقع کون کر سکتا ہے، ماسوا اس کے جب وہ جانتے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی امر کا انتساب دراصل اس چیز کو خدا کی طرف منسوب کرنا ہے، اور ایک جگہ نہیں بے شمار آیتوں میں قرآن نے مفتری علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنے والے) کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے، کیا قرآن پر تازہ ایمان رکھنے والوں کیلئے اس کے بعد اس کی کوئی گنجایش ہو سکتی تھی، کہ وہ قصداً العیاذ باللہ اپنے محبوب رسول پر جھوٹ باندھیں، ؟ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ تو جس وقت "حدیث" بیان کرنے کے لئے بیٹھتے قبل کچھ بیان کرنے کے من کذب علی متعمداً والی حدیث کو ضرور پڑھ لیتے تھے تاکہ ان میں اپنی نازک تاریخی ذمہ داری کا احساس بیدار اور تازہ ہو جائے، امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں، کہ خصوصیت کیساتھ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دوامی قاعدہ تھا، کہ

یبتدء حدیثہ بان یقول قال	اپنی حدیث جس وقت بیان شروع
رسول اللہ الصادق المصدوق	کرتے تو کہتے :- فرمایا رسول اللہ صادق
ابو القاسم صلی اللہ علیہ و	و مصدوق ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم
سلم من کذب علیّ متعمداً	نے جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا چاہئے
فلیتبوء مقعدہ من النار،	کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے،

(اصابہ جلد ۴)

اس کے بعد جو کچھ بیان کرنا چاہتے تھے، بیان فرماتے،

(باقی)

نظریۂ اضافیت

از

ڈاکٹر سر شاہ سلیمان مرحوم

"ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان مرحوم کا آخری خطبۂ صدارت جو رضا اکیڈمی رامپور کے جلسۂ افتتاح
میں ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو پڑھا گیا"

اعلیٰ حضرت خواتین اور حضرات!

یہ بات میرے لئے باعثِ عزت ہے، کہ رضا سائنس اکادمی کا افتتاح کرنے کے لئے مجھے دعوت دیگئی ہے، اعلیٰحضرت کو علوم کی سرپرستی سے جو شغف ہے، اس کا یہ اکادمی ایک زندہ ثبوت ہے، مجھے یقین ہے کہ اس اکادمی کے کارنامے ریاست رامپور میں سائنس اور علوم وفنون کی ترقی میں ایک نئے دور کا آغاز کریں گے، اور میری یہ دلی تمنا ہے کہ اس اکادمی کے حلقۂ اثر میں جو علما کام کریں، ان کی تحقیقات ایسی بارآور ہو کہ علمی دنیا اس سے ہمیشہ دلچسپی لیتی رہے، اعلیٰ حضرت کو تعلیم سے جو دلچسپی ہے، اس کا اعتراف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اعلیٰ حضرت کو باتفاق رائے پرو چانسلر منتخب کرکے کرلیا ہے، اور مسلمانوں کی اس مادر علمی نے آپ کی خدمتِ عالی میں ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی سند بھی پیش کی ہے، اعلیٰ حضرت کے دور ہمایونی میں ریاست میں ہر طرف علمی ترقی نظر آتی ہے، رامپور کا ہائی اسکول انٹرمیڈیٹ کے درجہ تک پہنچ گیا ہے، مدرسہ عالیہ میں توسیع کردیگئی ہے، اسکے علاوہ کئی ایک مڈل اسکول اور ایک سو سے زائد ورنیکلر مدرسے ہیں، تعلیم نسوان کا بہتر انتظام

ہوگیا ہے، اور ریاست کے مشہور کتب خانہ مین قیمتی مخطوطات کا جونادر ذخیرہ موجود تھا، اس مین اور بھی اضافہ ہوگیا ہے، چنانچہ اس وقت مشرقی علوم و فنون کی قلمی کتابون کے تقریبًا دس ہزار نسخے موجود ہین؛

سائنس اور صنعت مین قریبی تعلق پیدا کرنے کی ملک کو اشد ضرورت ہے، اعلیٰ حضرت کے دورِ مسعود مین متعدد نئے کارخانے قائم ہوگئے ہین، جن مین رضا شکر فیکٹری اور بجلی اور آبپاشی کے محکمے کی توسیع خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، ان کے علاوہ دیاسلائی بنانے، نباتاتی تیل نکالنے اور پھلون کو محفوظ کرنے کے کارخانے قائم ہوگئے ہین، اور پارچہ بافی کا ایک بڑا کارخانہ بھی کھولا گیا ہے، اس لئے سائنس اور صنعت کے قریبی تعلق کو عملی شکل دینے کے لئے ضروری تھا، کہ ایک سائنس اکادمی بھی کھولی جائے،

مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت کی مربیانہ سرپرستی مین ریاست رامپور کی خوشحالی اور معاشی بہبودی مین برابر اضافہ ہوتا رہے گا، اس ریاست کا مرتبہ ملک مین اور زیادہ بلند اور ممتاز ہوجائے گا؛ ملک کے وسائل کی ترقی اس کے فرمان روا کی فیض رسانی کے دائرے کو اور بھی وسیع کردیگی،

نظریون کی حیثیت خیال آرائی سے زیادہ نہین،

سب سے پہلے مین یہ واضح کردینا چاہتا ہون کہ کل نظریے محض خیال آرائی پر مبنی ہوتے ہین، اور سچ پوچھئے تو نظریے کے معنی ہی خیال آرائی کے ہین، مگر شرط یہ ہے کہ یہ خیال آرائی حقائق معلومہ سے مطابقت رکھتی ہو، جب ایسے نئے حقائق دریافت ہوتے ہین جن کی بنا پر پُرانے مسلمہ نظریات قابلِ تسلیم نہین رہتے، تو اہلِ نظر نئے نظریات قائم کرتے ہین، جو زیادہ سہل اور سادہ ہون، اور نئے دریافت کئے ہوئے حقائق سے مطابقت رکھتے ہون،

نوعِ انسانی کی زندگی اس زمانے کے مقابلے مین جب سے کرۂ ارض وجود مین آیا، اس قدر مختصر

کسی شمار میں بھی نہیں آتی، اور خود کرۂ ارض کائنات کے اتھاہ سمندر میں ایک قطرے کے برابر بھی نہیں، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ یہ بے حقیقت انسان کائنات کی حقیقت کے بارے میں خیال آرائی سے کام لینے یا اندھیرے میں ٹٹولنے سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے، اس کی خیال آرائیاں پہلی بار لازمی طور پر غلط اور نامکمل ہوتی ہیں، لیکن جوں جوں اس کا تجربہ اسکی غلطیوں کو ظاہر کرتا جاتا ہے، وہ پرانے تصورات کو ترک کرکے نئے تصورات اختیار کرتا رہتا ہے، یہی عمل جاری رہتا ہے اور اسکو ہمیشہ جاری رہنا چاہئے، اس لئے کہ کائنات کی حقیقت کبھی اس کے قابو میں نہیں آسکتی، یہی حال ان کوششوں کا ہے جو انسان کائنات کی اتھاہ گہرائی کو ناپنے کی کرتا ہے، جب سے گیلی لیو نے پہلی دوربین بنائی تھی، برابر زیادہ سے زیادہ طاقت کی دوربینیں بنتی چلی گئیں، مگر پھر بھی فضائے بسیط کی گہرائی اب تک نہیں ناپی جاسکی، اور نہ کبھی ناپی جاسکتی ہے، آلات کی مدد سے انسان کی نظر روز بروز فضا کی گہرائیوں میں گھستی چلی جاتی ہے، مگر اسکی تہ تک وہ کبھی نہیں پہنچ سکتا، اسلئے کہ یہ اسکی طاقت سے باہر ہے،

باوجود اس حیرت انگیز ترقی کے انسان کا علم ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے، اس طویل زمانے میں جب کہ انسان نے عالم حیوانی میں ترقی کے بہت سے مدارج طے کئے ہیں اس نے بتدریج معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کرلیا ہے، پھر بھی ہماری مثال ان بچوں کی ہے جو علم کے سمندر کے کنارے پر بیٹھے سنگریزے چن رہے ہوں، ہماری انتہائی لاعلمی فوراً ظاہر ہو جاتی ہے جب ہم کائنات کی وسعت کا تصور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر آپ اسے ملحوظ رکھیں کہ آفتاب اسی کھرب سال سے موجود ہے، اس زمین کی عمر جس پر کہ ہم بستے ہیں، دو ارب سال ہے اور زمین پر زندگی کے آثار نمایاں ہوئے تیس کروڑ سال گذر چکے ہیں، مگر اس کے مقابلہ میں انسان کا وجود صرف تین لاکھ سال سے اور ذی عقل انسان کا صرف پندرہ بیس ہزار سال سے ہے تو یہ

حقیقت عیان ہو جاتی ہے، کہ یہ چند ہزار سال کا زمانہ جس مین کہ انسان نے اپنی معلومات فراہم کی ہین، اس طویل زمانہ کا ایک نہایت خفیف سا جزء ہے جو کہ کائنات کے اسرار کو معلوم کرنے کے لئے درکار ہے، ہماری عقل کو عاجزی کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس کائنات کی حدود لا انتہا اور اس کا دائرہ نامحدود ہے،

ہمارے دائرۂ نظر کی تنگی جس طرح ہماری نظر کا دائرہ محدود ہے، اور ہم ایک مخصوص جسامت سے چھوٹی چیزون کا مشاہدہ نہین کر سکتے، اور ایک مخصوص فاصلہ سے آگے اجسام کو نہین دیکھ سکتے، اسی طرح کائنات کے متعلق ہمارا علم بھی ایک تنگ دائرے مین محدود ہے، جس کے آگے یا پیچھے ہمین کوئی خبر نہیں، گذشتہ پچاس برس کی جد و جہد سے علماے سائنس نے ایسے چھوٹے چھوٹے ذرّون کا انکشاف کیا ہے جو زمانہ ماقبل مین انسانی مشاہدہ سے باہر تھے، اب مادّے کو سالمات پر مشتمل سمجھا جاتا ہے، جو جوہر فرد سے مرکب ہین، ہر جوہر فرد کا ایک مرکزہ ہے جس کے اردگرد برق پارے حرکت کرتے رہتے ہین، مرکزہ میں ایک Positron اور ایک Neutron جن کے متعلق ہم کم سے کم اتنا کہہ سکتے ہین، کہ وہ دونون ایک ہی نوعیت کے ہین، ایک برقیہ جس کا قطر سنٹی میٹر کا $\frac{1}{5\times10'\times10'}$ یا پانچ ہزار کروڑوان حصّہ ہو، اور جو اپنے مرکزہ کے چارون طرف سکنڈ میں کروڑوں مرتبہ چکر کاٹتا ہو، اس کے تصوّر کی کوشش کرنا سعیٔ لاحاصل ہے، اور پھر ہم یہ نہین کہہ سکتے، کہ یہ اندرونی عالمون کی آخری حد ہے، ممکن ہے ان عالمون کے اندر ان سے بھی عالم ہون، شاید ان مین سے بعض کا انسان آگے چل کر پتہ چلا لے، پھر بھی بہت سے ایسے ہون گے جو ہمارے دائرۂ ادراک سے باہر رہین گے، اور غالبًا ہم ابد تک ان کی حقیقت کا پتہ نہین چلا سکیں گے،

انسان کی کم مایگی آئیے ذرا تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھین انسان اپنے گرد و پیش کی

ہیں اپنے آپ کو ایک ناچیز سی مخلوق پاتا ہے، یہ زمین جس پر کہ وہ سکونت پذیر ہے، ایک بہت بڑا کرہ ہے جس کا محیط تقریباً ۲۵ ہزار میل ہے، مگر پھر بھی اس آفتاب سے جو ہمیں روشنی دیتا ہے کہیں چھوٹا ہے، آفتاب جسامت کے اعتبار سے زمین سے ۱۳ لاکھ گنا بڑا ہے، مگر ہمارا یہ عظیم الشان آفتاب بھی ایک چھوٹے سے نقطے یا کائنات کے اتھاہ سمندر میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے، تقریباً ۱۰^۶ × ۴۰۰۰ (چار کھرب) ستارے ایسے ہیں، جو بجائے خود آفتاب ہیں، ان میں سے کچھ ہمارے آفتاب سے چھوٹے اور کچھ اس سے کئی گنا بڑے ہیں، ان ہی سے ہمارا کہکشانی نظام بنتا ہے جسکی حد بندی کہکشان کرتی ہے، روشنی کو ۱۸۶۰۰۰ میل فی سکنڈ کی زبردست رفتار سے آفتاب سے چل کر زمین تک پہنچنے میں ۸ منٹ لگتے ہیں، لیکن قریب ترین ستارے بھی اتنے دور ہیں، کہ ان سے روشنی کو زمین تک پہونچنے میں چند منٹ، چند گھنٹے، چند دن، چند ہفتے یا مہینے نہیں بلکہ ۴½ سال اور بعض حالتوں میں تو اس سے بھی زیادہ عرصہ لگتا ہے، یہ تو قریب ترین ستاروں کا ذکر ہے، کہکشان کا قطر اتنا بڑا ہے کہ روشنی کو باوجود اس شدید تیز رفتاری کے اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچنے میں ۲۲۰۰۰۰ سال لگ جاتے ہیں، اور ہمارے اس عظیم الشان کہکشانی نظام کے اس طرف کروڑوں اور کہکشانی نظام ہیں، جو کوہ ولسن کی سو انچ قطر کی دوربین کی مدد سے مشاہدے میں آئے ہیں، ان سحابیوں کا فاصلہ ناقابل تصور ہے، ان میں سے بعض دور دراز سحابیوں سے روشنی کو باوجود اتنا تیز رفتار ہونے کے زمین تک پہونچنے کے لئے چوبیس کروڑ سال چاہئیں امریکہ کے دولتمندوں کی دریادلی سے اب دو سو انچ قطر کی دوربین بنانے کی نوبت آئی ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی دوربین ہوگی، خوش قسمتی سے یہ دوربین بن چکی ہے، لیکن ابھی اس حد تک مکمل نہیں ہوئی، کہ اس سے کام لیا جاسکے، یہ توقع کیجاتی ہے، کہ اس دوربین میں خالی آنکھ سے دس لاکھ گنا زیادہ روشنی داخل ہوگی، اسکی مدد سے ہم زیادہ فاصلے کے کثیر التعداد فلکی نظاموں

کو دیکھ سکین گے، مگر پھر بھی ہمارا علم کائنات یقیناً نامکمل رہے گا، جون جون ہمارا سائنس اور فلکیات کا علم ترقی کرتا جائے گا، جس کی ہین ہر طرح سے توقع ہے، یقیناً ہماری معلومات ایک طرف چھوٹے سے چھوٹے، اور دوسری طرف بڑے سے بڑے عالمون کے متعلق وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے گی مگر باوجود اس قدر ترقی کے ہمارا علم بہرحال نامکمل ہی رہے گا، ہم کائنات کی وسعت کی صرف ایک جھلک ہی دیکھ پائین گے، اور فضاے بسیط کی حقیقی گہرائی کے متعلق جو تصورات اور نظریات بھی قائم کرین گے، ان کی حیثیت خیال آرائی سے زیادہ نہ ہوگی،

عالم ما وراے عالم انسانی تخیل کی رسائی حدِ نظر سے کہین آگے ہے، وہ بے تکلف یہ تصور کرسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ کروڑون کہکشانی نظام خود ایک مافوق کہکشانی نظام کے اجزا ہون جس کا عمل ہمارے کہکشانی نظام سے ملتا جلتا ہو، تخیل اور اونچا اڑکر ایک فوق الفوق کہکشانی نظام فرض کرسکتا ہے جو کروڑون مافوق کہکشانی نظامون پر مشتمل ہو، تخیل جہان تک چاہے بڑھتا چلا جائے لیکن مشاہدہ کائنات کی اس عظیم الشان وسعت کی پیمایش سے قاصر ہے، اور قاصر رہے گا، جو آئن اشٹائن کا سا بے باک تخیل رکھتا ہو وہی یہ کرسکتا ہے، کہ فضاے بسیط کو محدود اور دائرۂ ادراک کے اندر سمجھ لے، اور اس کے نصف قطر کا تخمینہ بھی لگالے، ایڈنگٹن نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھکر یہ معلوم کیا ہے کہ پوری کائنات کے برقیوں کی کل تعداد $10^{79} \times 2.9$ ہے، خوشی کی بات ہے کہ حال مین آئن اشٹائن نے مجبور ہوکر محدود فضا کے فرضیے کو ترک کردیا ہے، انسان کی یہ کوشش کہ وہ کائنات کے عرض و طول کی پیمایش کرے انتہائی گستاخی ہے، اسے یہ اعتراف کرلینا چاہئے، کہ وہ اس وسیع قلمرو کی وسعت اور گہرائی کی پیمایش سے قاصر ہے،

زبردست سمتہ اگر ہم کائنات کی ساخت کے متعلق ہمارے خیالات کی نشو و نما کا مطالعہ کرین تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح یکے بعد دیگرے متعدد نظریئے قائم اور ترک کئے گئے،

سورج اور چاند کا طلوع و غروب، ثوابت اور سیارے ابتدائی زمانہ کے ہئیت دانون کیلئے ایک زبردست معمہ تھے، بابل کے ہئیت دانون نے یہ دریافت کیا تھا کہ سال مین ۳۶۰ دن ہوتے ہین، وہ اسکو بارہ قمری مہینون مین تقسیم کرتے، اور پھر وقتاً فوقتاً ان مین لوند کے مہینون کا اضافہ کرکے اس کو شمسی سال مین تحویل کرلیا کرتے تھے، آسمان کو انھون نے بارہ حصون یا برج مین تقسیم کیا تھا، ہر ایک برج کے لئے ایک نشان مقرر تھا جو کسی خیالی دیوتا یا جانور کو ظاہر کرتا تھا، برج کی مقررہ علامتون کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ اجرام فلکی کے ساتھ مل کر یہ انسانی اعمال پر اثر انداز ہوتے ہین، اس اوہام پرستی سے علم نجوم نے جنم لیا، جو کہ ابتک پوری طرح مٹنے نہین پایا ہے، وہ زمین کو چپٹا تصور کرتے، اور کائنات کو ایک بند گنبد سے تشبیہ دیتے اور سطح زمین کو اس کا فرش سمجھتے تھے، دریاے فرات کے منبع کو مرکز زمین قرار دیکر انھون نے یہ فرض کرلیا تھا، کہ زمین کے چارون طرف پانی اور اس سے آگے سربفلک پہاڑ ہین جن پر گنبد افلاک قائم ہے، ان کا یہ تصور فطری تھا، اس لئے کہ ان کی اپنی سلطنت پہاڑون اور سمندر سے گھری ہوئی تھی، وہ اس تصور کی حقیقت پر کامل یقین رکھتے تھے،

مصریون کا تصور کائنات بھی اہل بابل کے تصور کے مشابہ تھا، ان کا خیال تھا، کہ زمین ایک مستطیل صندوق ہے جس کا طول شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے، اور میدا مجوف شکل کا ہے، جس کے مرکز مین مصر کا ملک واقع ہے، ان کا یہ تصور دریاے نیل کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی نو آبادی سے مطابقت رکھتا تھا، آسمان کو ایک محراب نما چھت سمجھتے تھے، جسے چارون کنارون پر پہاڑون کی چار چوٹیان بطور ستونون کے اٹھائے ہوئے ہین، اور ستارون کو ایک قسم کے چراغ جو رسیون کی ڈور سے لٹک رہے ہین، اس صندوق کے ارد گرد ایک بہتا ہوا دریا تصور کرتے تھے جس مین ایک آتشیں قرص لئے ہوئے ایک کشتی تیرتی پھرتی ہے، یہ ان کا سورج تھا، دریاے نیل

اس فلکی ندی کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی، اہلِ مصر کو کائنات کے اس تخیل کی حقیقت مین ذرہ بھی شبہہ نہ تھا،

اگرچہ قدیم اہلِ ہند نے علم ہیئت کے متعلق بہت سی قابلِ قدر معلومات فراہم کی تھیں لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ زمین ایک مسطح گول قرص ہو جس کو ایک گائے اپنے سینگ پر اٹھائے ہوئے ہو اور جب کبھی گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر منتقل کرتی ہے، تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آتا ہو، یہ عقیدہ اب بھی اس ملک کے بعض دماغون مین جاگزین ہو،

متضاد نظریات | اہلِ یونان کو اس سلسلہ مین اولیت کا شرف حاصل ہے، کہ انھون نے ہیئت کو علمی بنیادون پر قائم کیا، حکیم طالیس (جو اصل مین فنیقی تھا) کا شمار یونان کے حکماے ہفتگانہ مین ہوتا ہے، اس کا زمانہ چھ سو سال قبل مسیح تھا، یہ پہلا شخص ہے جس نے آسمان کا خاکہ کھینچ کر ثوابت ستارون کے مقابلہ مین سورج اور چاند کے محلِ وقوع کو ظاہر کیا، اس طرح وہ اجرامِ فلکی کی حرکات کا زیادہ صحت کے ساتھ پتہ لگانے مین کامیاب ہوا، چھٹی صدی قبل مسیح مین حکیم فیثاغورث سب سے پہلا شخص تھا، جو اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ دور سے آنے والے جہازون کے مستول سب سے پہلے دکھائی دیتے ہین، اس نتیجہ پر پہونچا کہ زمین کی شکل کرہ نما ہے، اسی نے اس مسئلہ کو بھی پیش کیا، کہ آفتاب نظامِ فلکی کا مرکز ہے، فیثاغورث کو نظریۂ مرکزیتِ شمس (Heliocentric Theory) کا بانی سمجھنا چاہئے، تقریباً ۲۵۰ قبل مسیح مین ہیراقلیطا نے فیثاغورث کے خیال سے اختلاف کرتے ہوئے یہ بتایا کہ زمین فضا کے وسط مین اپنے محور پر گردش کرتی ہے اور جب کہ سورج اور بڑے سیارے زمین کے گرد حرکت کرتے ہین، زہرہ اور عطارد سورج کے اردگرد گھومتے ہین، مرکزیتِ ارض کا یہ نظریہ قریب تین سو سال تک مسلمہ رہا، ۳۱۰-۲۳۰ قبل مسیح مین ارسٹارکوس نے جو عہدِ قدیم کا کوپرنیکس کہلاتا ہے، چاند گرہن کی مدد سے

تخمینہ لگا کر سورج اور زمین کے قطر کی باہمی نسبت معلوم کرکے ثابت کیا کہ سورج زمین سے بہت بڑا ہے، اس کا تخمینہ تو غلط تھا، مگر اس کا طریق عمل معقول تھا، اسی نے یہ فرضیہ بھی پیش کیا، کہ زمین کی دو گردشین ہین یعنی یہ کہ اپنے محور پر گھومنے کے علاوہ سورج کے مرکز کے گرد ایک دائرہ نما مسیر پر بھی گردش کرتی ہے، اور چونکہ بعض ثوابت باوجود اس گردش کے آسمان مین اپنی جگہ پر قائم دکھائی دیتے ہین، وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ یہ ثوابت بے انتہا فاصلے پر ہون گے، اسکا یہ تصور تھا کہ پورا نظام شمسی اس بے پایان فضا مین محض ایک نقطہ کی حیثیت رکھتا ہے، ان ستارون کے فاصلے کو زمین کے مسیر سے وہی نسبت ہے جو کسی کرہ کے نصف قطر کو اپنے مرکز سے ہوتی ہے،

لیکن مرکزیت ارض کا نظریہ کہ زمین گردش کا مرکز ہے، بہر حال رائج ہو گیا، اور ہپرکوس (۱۳۰ قبل مسیح) نے سورج چاند اور اجرام فلکی کی ظاہری حرکت کی توجیہ اس مفروضے کی بنیاد پر کی کہ یہ سب ایسے شفاف کرون مین گھومتے ہین جو زمین کے ساتھ ہم مرکز ہون،

بطلیموسی چکر | دوسری صدی عیسوی (۱۲۷-۱۵۱ء) مین مصر مین مشہور ریاضی دان بطلیموس کا ظہور ہوا، چونکہ اجرام فلکی یکسان طور پر گردش نہین کرتے تھے، اس لئے بطلیموسی نظام کو ان کی داخلی حرکت کی تشریح کے لئے متعدد افلاک اور ان کے ساتھ بڑے اور چھوٹے چکرون کا ایک پیچیدہ سلسلہ فرض کرنا پڑا، بطلیموس نے کہا کہ زمین کائنات کے وسط مین اپنی جگہ پر قائم ہے، اور افلاک اس کے گرد ۲۴ گھنٹے مین ایک بار گھومتے ہین، اس کے یہ معنی ہوئے کہ کل افلاک، سورج، چاند، اجرام فلکی اور ان ستارون سمیت جو ان مین جڑے ہوئے ہین، زمین کے اردگرد ۲۴ گھنٹے مین ایک بار گھوم جاتے ہین، آسمان کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ ٹھوس اور گنبد نما شکل کا ہے، اور اپنے زبردست محور پر گھومتا ہے، اور ستارے اسکی سطح مین جڑے ہوئے ہین، اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمام آسمان بلوری کرون سے معمور ہے، اور یہ بلوری کرے اجرام فلکی کو اپنے چھوٹے اور بڑے چکرون مین

گھماتے ہین، اوس کے دلائل حسب ذیل تھے:-

۱۔ جب کوئی شخص ایک جگہ کھڑا ہوکر اُچھلتا ہے، تو اوس کے پاؤن کے نیچے کی زمین آگے نہین نکل جاتی، اور اگر زمین متحرک ہوتی، تو اچھالے ہوئے اجسام پیچھے رہ جاتے، اور جس نقطے انھین اچھالا گیا ہے، اس کے مغرب کی جانب گرتے، اسلئے کہ اس اثنا مین ان کے نیچے کی زمین آگے بڑھ چکی ہوتی،

۲۔ بادل ہمارے سر پر مشرق سے مغرب کو حرکت نہین کرتے، اور اگر زمین گھوم رہی ہوتی تو ان کا طریق عمل ضرور ایسا ہوتا، اسلئے کہ وہ زمین کے ساتھ بندھے ہوئے نہین،

۳۔ خط استوا پر ان چیزون مین جو زمین مین پیوست نہین ہین، شدید حرکت پیدا ہو جاتی اور اڑکر بکھر جاتین، اور زمین پاش پاش ہو جاتی، ظاہر ہے کہ اگر کوئی قوت کشش موجود نہ ہوتی ان کی حالت ان سنگ ریزون کی مانند ہوتی جو کسی متحرک پہیئے پر رکھدئے گئے ہون۔

۴۔ جون جون زمین اپنے مسیر پر حرکت کرتے ہوئے فضا مین طویل فاصلے طے کرتی، تو ستارے آپس مین جگہ بدلتے ہوئے دکھائی دیتے،

ہیپر کوس اور بطلیوس کا پیش کردہ نظام گو تفصیلات مین الجھا ہوا تھا، تاہم وہ سورج اور اجرام فلکی کی ظاہری حرکت کی توجیہ اس مفروضے کی بنا پر کرسکتے تھے، کہ ہر مادی جسم ایک مسیر یا چھوٹے چکرون پر گھومتا ہے، اور خود یہ مسیر زمین کے گرد عظیم الشان مدور مسیر پر گردش کرتا ہے، بطلیوس ان چھوٹے بڑے چکرون کی حالت اور ان کی وسعت مشاہدہ کی مدد سے متعین کرنے مین کامیاب ہوا، اور کچھ جدولین بھی تیار کرلی تھین جن کی مدد سے فلکی اجسام کے آیندہ جائے وقوع اور سورج اور چاند گرہن کے اوقات کے متعلق بھی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی البتہ اس نے اس رفتار کا حساب نہین لگایا جو کہ دور دراز ستارون کو زمین کے ارد گرد چوبیس

ن ایک بار گھومنے کے لئے درکار ہے، اگرچہ یہ نظام ہمین آج کل مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، مگر دنیا کے لمائے ریاضی سائنس اور فلسفہ تقریبًا ۱۴۰۰ سال تک اسکو سب سے زیادہ مکمل اور حقیقت کے مطابق تے رہے، عرب ہیئت دان تو صدیون تک اس پر جمے رہے، اور قرونِ وسطیٰ مین ان کی بدولت نظام تمام یورپ مین رائج ہوگیا، بطلیموس کے نتائج بالکل ناگزیر سمجھے جاتے تھے،

الفرغانی نے نہ صرف بطلیموسی نظام اور اس کے استقبالِ اعتدال کی قیمت کو تسلیم کیا بلکہ یہ خیال قائم کیا کہ یہ نظام ستارون کے علاوہ اجرام فلکی پر بھی حاوی ہے، نوین صدی عیسوی مین ثابت بن قرأ نے حرکات اجرام فلکی کے بطلیموسی نظریہ کو ایک نوین کرے کا اضافہ کرکے بہتر بنانے کی کوشش کی تاکہ اعتدالین کی فرضی غیر استقلالی کیفیت کی توجیہ ہوسکے، آگے چل کر البطانی نے اس نظریہ کی مناسب طور پر تردید کی،

نظریہ کوپرنیکس

نکوس کوپرنیکس (۱۴۷۳-۱۵۴۳) جو پروشیائی پولینڈ مین پیدا ہوا، پہلا شخص تھا جس نے یہ معلوم کیا کہ بطلیموس کے نتائج مین کوئی بنیادی غلطی ہے، اوس نے محسوس کیا کہ ارستارکس کو کے اس خیال کو تسلیم کرنے مین زیادہ سہولت ہے کہ سورج زمین کے گرد نہین گھومتا، بلکہ زمین اور دوسرے اجرام فلکی سورج کے گرد گھومتے ہین، وہ اپنے آپ کو قدما کا خوشہ چین سمجھتا تھا، اوس نے بطلیموس کی دلیلون کا یہ الزامی جواب دیا کہ اگر آسمان متحرک ہوتا تو چونکہ اس کا محیط بہت بڑا ہے، وہ زیادہ تیزی سے گردش کرتا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر جاتا، اگر زمین قائم ہوتی اور آسمان گردش کر رہا ہوتا، تو سطحِ آسمان منتشر ہوجاتی، اور تمام ستارے ادھر اودھر بکھر جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوتا، آگے چل کر اوس نے اجرامِ فلکی کی رجعت قہقری کی توجیہ کی، جو کہ اوس سے پہلے ایک چیستان سمجھی جاتی تھی، اس کے علاوہ اوس نے زمانۂ اعتدالین کی صحت کے اس نظریہ کی بھی توجیہ پیش کی جس کو اوس سے پہلے ہپرکوس ۱۵۰ قبل مسیح مین دریافت کرچکا تھا، مگر کوپرنیکس کا خیال

تھا کہ تمام ستارے اپنی جگہ پر قائم ہیں، اور ان کا فاصلہ سورج سے ہمیشہ یکساں رہتا ہے،

اس زمانہ میں یہ ایک ایسا انقلاب انگیز خیال تھا، کہ اس پر عیسوی کلیسا کا قہر و غضب نازل ہونا لازمی تھا، کلیسا زمین کو جو انسان کا مسکن اور حضرت عیسیٰؑ کا مہبط ہے، کائنات میں سب سے اہم چیز سمجھتا تھا، اور اسکی غیر معمولی اہمیت کو قائم رکھنے کیلئے یہ تصور ضروری تھا، کہ وہ ایک مرکز ہے جس کے گرد آسمان گھومتے ہیں، کوپرنیکس نے اپنے نئے نظریہ کی تائید میں کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، ایک کتاب لکھی لیکن کلیسا کے تشدد کے خوف سے اس کی اشاعت کو روکے رکھا، یہاں تک کہ اسکی موت قریب آپہنچی، اب اوس نے یہ کتاب چھپوائی، لیکن اُسے اپنی تصنیف کا پہلا مطبوعہ نسخہ ٹھیک اوس دن ملا جس دن اوس نے داعی اجل کو لبیک کہا، پہلے پہل تو اسکی کتاب کو نظر انداز کیا گیا لیکن بعد میں کلیسا نے اس کا پڑھنا قطعاً ناجائز قرار دیدیا، یہ مسئلہ جسے کوپرنیکس نے دوبارہ دریافت کیا تھا، علم ہیئت کی تاریخ کا ایک عہد آفرین واقعہ تھا مگر اس کا اعتراف کرنا تو درکنار کلیسا نے اس کتاب کی اشاعت ممنوع قرار دیدی، آخرکار ۱۶۲۲ء میں جب کہ کوپرنیکس کی وفات کو ایک مدت گذر چکی تھی، پاپائے اعظم نے مرکزیت شمس کے نظام کو باضابطہ طور پر تسلیم کیا،

سولہویں صدی کے نصف آخر میں (۱۵۴۶ء-۱۶۰۱ء) ٹائیکو براہی نے کوپرنیکس کی تصنیف کا مطالعہ کیا، لیکن زمین کے سورج کے گرد گھومنے کا وہ قائل نہیں ہوا، اس نے اس بات کو تو تسلیم کیا کہ زمین کے علاوہ باقی تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں لیکن اس بات میں وہ بطلیموس کا ہم خیال تھا، کہ سورج مع تمام سیاروں کے زمین کے گرد گردش کرتا ہے، جو ساکن اور اپنی جگہ پر قائم ہے، بہرحال ٹائیکو براہی نے اپنی تحقیقات سے علم ہیئت میں قابل قدر اضافے کئے اور چاند کی حرکت کے کچھ نئے قانون بھی دریافت کئے،

کیپلر کے قوانین اجرام فلکی پروشیا کا جون کیپلر (۱۵۷۱-۱۶۳۰ء) جو ٹائیکو براہی کا چیلا تھا، اپنے استاد سے بھی بڑا ہیئت دان ثابت ہوا، اس نے کوپرنیکس کے نظریہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے معلوم کیا کہ تمام اجرام فلکی سورج کے گرد بیضوی میسروں پر چکر کاٹتے ہیں، اس کے علاوہ اوس نے حرکتِ اجرام کے تین قانون دریافت کئے، جو اسی کے نام سے موسوم ہیں، ان قوانین کی رو سے یہ بتایا جا سکتا ہے، کہ کس ستیارے کی جگہ اپنے میسر میں اس وقت کہاں ہے، یا فلاں وقت کہاں تھی، کیپلر کے قوانین جدید علم ہیئت کی اساس ہیں، جو بالکل علمی اصولوں پر مبنی ہے،

ارسطو کا تصور متقدمین کے لئے اجرام فلکی کی مسلسل حرکت ایک معمہ بنی رہی، ارسطو کا تصور افلاطون کے برعکس یہ تھا کہ مسلسل حرکت کے لئے ایک مسلسل قوتِ محرکہ کی ضرورت ہے، اس بنا پر اوس نے ایک قائم محرک (Unmoved Mover) فرض کر لیا، ارسطو کے نظریہ کے مطابق تمام اجسام بالجسم بھاری یا ہلکے ہوتے ہیں، اوران کے گرنے یا اچھلنے کی رفتار ان کے بھاری پن یا ہلکے پن کے متناسب ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ ہمیشہ اپنی حقیقی جگہ کے متلاشی رہتے ہیں، ارسطو کا خیال تھا کہ ایک ہی مادہ کے بنے ہوئے دو اجسام کو یکساں بلندی سے ایک ساتھ گرایا جائے تو زیادہ بھاری جسم بمقابلہ ہلکے جسم کے زمین پر پہلے گریگا، اور گرنے کے وقت اور اوس کے وزن میں نسبت معکوس ہوگی، ۱۹۰۰ سال تک نہ تو کسی نے اس پر کوئی اعتراض کیا، اور نہ اوس کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی زحمت گوارا کی،

گیلی لیو کا قانون حرکت ۱۵۹۱ء میں اٹلی کے ایک عالم گیلی لیو (۱۵۶۴-۱۶۴۲) نے ایک دس پونڈ وزنی اور دوسرا ایک پونڈ وزنی گولا لے کر دونوں کو بیک وقت پیسا کے مائل مینار کی چوٹی سے گرایا، اوس نے معلوم کیا کہ یہ دونوں گولے ایک ساتھ زمین پر پہونچتے ہیں، اوس کے بعد اوس نے

یہ دریافت کیا، کہ زمین کی طرف گرتے ہوے اجسام کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور
ارسطو کے اس خیال کی تردید کی کہ طے شدہ فاصلہ وقت کے متناسب ہوتا ہے اور اس
بجائے یہ دریافت کیا کہ طے شدہ فاصلہ وقت کے مربع کے متناسب ہوتا ہے، گیلی لیو
یہ بھی دریافت کیا، ایک جسم ڈھلوان سطح پر لڑھکنے کے بعد اپنے اندر معیارِ حرکت رکھتا
اور کسی دوسری ڈھلوان سطح پر اسی بلندی تک اوپر کو پھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے بشرطیکہ
اس کے راستے مین مزاحمت اتنی خفیف ہو کہ ناقابلِ شمار ہو، پس گیلی لیو کی تحقیقات سے یہ
حتمی طور پر مان لی گئی کہ ارسطو کے خیال کے برعکس حرکت کے بجائے ابطاء یعنی حرکت کے
پڑ جانے کو خارجی قوت کی ضرورت ہوتی ہے، گیلی لیو نے علم ریاضی کی نئی شاخ ارضی حرکیا
کی بنا ڈالی، اور فاصلے اور وقت کے قدیم تصورات کو ریاضیاتی شکل مین مرتب کیا، پیسا
بڑے گرجا گھر میں اوس نے ایک معلق قندیل دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا، کہ خواہ اس کے جھولنے کا فا
بڑا ہو یا چھوٹا اس کی ضربین بالکل باقاعدہ ہوتی ہین، اس مشاہدہ کی بنا پر اوس نے رقاص
کیا، ۱۶۰۹ء مین گیلی لیو کو معلوم ہوا کہ ہالینڈ کے کسی شخص نے نئی قسم کا ایک شیشہ ایجاد کیا۔
جس مین سے دور کی اشیا بڑی دکھائی دیتی ہین، چنانچہ اوس نے بہت جلد ایک دوربین
کر لی، اور اسکی مدد سے اس نے چاند کی سطح کو دیکھا، اور پھر کہکشان کو دیکھکر معلوم کیا، کہ اس مین
ستارے ہین، جو خالی آنکھ سے نہیں نظر آتے، اس نے یہ بھی معلوم کیا، کہ مشتری کے چار توابع
اور یہ سیارہ گویا ایک مختصر سا نظام شمسی ہے، اس نے نہایت کامیابی کے ساتھ ان توابع
گردش کے زمانون کا تخمینہ لگایا، گیلی لیو نے یہ بھی دریافت کیا کہ سورج اپنے محور پر گھومتا ہے،
بطلیموسی نظام کے مقابلہ مین کوپرنیکس کے نظریہ کی تبلیغ شروع کی، لیکن باوجود ان کارہاے نما
کے محکمۂ احتساب نے اسے بلا کر یہ حکم دیا کہ وہ اس نظریہ کے باطل ہونے کا اقرار کرے، اس

کے خوف سے جس کی کہ اس کو دھمکی دی گئی تھی، اوس نے اپنے خیالات کی تبلیغ بند کردی، اس کے کچھ عرصہ بعد جب گیلی لیو نے ایک کتاب شائع کی جس مین زمین کا سورج کے گرد گھومنا ثابت کیا گیا تھا، تو کلیسا نے اوس کو انجیل مقدس کی تعلیمات کے صریحًا خلاف سمجھتے ہوئے اسے الحاد کے الزام مین نظر بند کر دیا،

نیوٹن کا قانون کشش ثقل | اسحاق نیوٹن (۱۶۴۲-۱۷۲۶ء) ۱۶۶۵-۶۶ء کے دوران مین سیارون کے مسائل کی تحقیقات مین منہمک تھا، لیکن اس نے اپنے نتائج کی اشاعت کو ۱۶۸۵ء تک ملتوی رکھا جب کہ اوس نے اپنے قانون معکوس مربع کے ثبوت مین یہ بات دریافت کر لی کہ کشش ثقل کی وجہ سے کھینچنے والے مادہ کا ایک گولا اپنے اردگرد کے اجسام کو اس طرح کھینچتا ہے، گویا اسکی ساری کی ساری کمیت اس کے مرکز پر سمٹ آئی ہے، اب تک وہ اس سے ڈرتا تھا، کہ جو اجسام فاصلے پر واقع ہین، ان کے عمل کشش کی توجیہ کس طرح کریگا، اس اثنا مین کرسچین ہیوگنز نے ایک دائرہ کے گرد گھومنے والے جسم کی اسراع کو ثابت کیا، یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلا آپ ہی آپ چلنے والا گھنٹہ بنایا جو فلکیات کے کامون کے علاوہ طول البلد کا تعین کرنے میں خاص طور پر مفید ہے، ہک اور ہیوگنز دونون نے ثابت کیا کہ اگر سیارون کے سیرون کو دائرہ نما مان لیا جائے، تو لازمی طور پر معکوس مربع کا قانون قوت کار فرما ہوگا، یہ حقیقت ہیوگنز کے قیمت اسراع کے ثبوت اور کیپلر کے دوری اوقات کے مربعوں کے تیسرے قانون سے خود بخود واضح ہو جاتی ہے، سر اسحاق نیوٹن نے درخت سے گرتے ہوئے سیب پر غور کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا، کہ یہ واقعہ قانون کشش ثقل ہی کا نتیجہ ہے، اور یہی قانون پہاڑ پر چڑھنے والے شخص پر بھی عائد ہوتا ہے خواہ وہ کتنی بلندی پر پہونچ جائے، عمل استقرار کی مدد سے اسے یہ عجیب و غریب نکتہ سوجھا، کہ شاید چاند کی حرکت بھی اسی قانون کی تابع ہو، اور سورج کے گرد گھومنے والے تمام سیارون کی حرکت بھی نیوٹن

یہ ثابت کرنے مین کامیاب ہوگیا کہ معکوس مربع کا قانون چاند کی حرکت پر صادق آتا ہے، اس
نے اپنی کتاب Principia جو علم سائنس کی تاریخ مین خاص اہمیت رکھتی ہے
۱۶۸۷ء مین شائع کی، نیوٹن نے گیلی لیو کے قوانینِ حرکت کو ازسرِ نو زیادہ صحیح الفاظ مین منضبط
کیا، یہ قوانین پورے براعظم یورپ مین تو نہین لیکن جزائر برطانیہ مین نیوٹن کے قوانینِ حرکت
کے نام سے موسوم کئے جاتے ہین، اس مین کوئی شبہہ نہیں کہ گیلی لیو، ہیوگنز اور نیوٹن جدید
مکانک کے بانی ہین،

کششِ ثقل کی رفتار | نیوٹن نے کششِ ثقل کا کوئی ثبوت دینے کی کوشش نہیں کی جس کا قانون اُس
نے مرتب کیا تھا، ہیوگنز کا اعتراض اس قانون پر یہ تھا کہ فاصلے پر کشش کا اثر ممکن ہی نہین، اس
اعتراض کو رفع کرنا نیوٹن کے لئے مشکل ہوگیا، نیوٹن کا بنیادی مفروضہ یہ تھا کہ کششِ ثقل کا عمل
فوری ہوتا ہے، اس لئے اس کا اثر ہر فاصلے پر فوراً ظاہر ہوتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی دور دراز کیا
نہ ہو، بلا لحاظ اس کے کہ جسم معمول ساکن ہے یا متحرک، اور اگر متحرک ہے تو رفتار حرکت کیا ہے،
فوری اثر کا ریاضی کی زبان مین یہ مفہوم ہے کہ کششِ ثقل کی رفتار لامحدود ہے، اور ہر متحرک جسم کی نسبت
سے ہمیشہ یکسان رہتی ہے، خواہ وہ کتنی ہی تیز رفتاری سے گھوم رہا ہو،

لاپلاس نے محدود رفتار کے فرضیہ کی تحقیقات شروع تو کی، لیکن سوءِ اتفاق سے
ابتدا ہی سے یہ خیال قائم کرلیا، کہ تمام کائنات ایک قسم کے سیال واسطے سے معمور ہے جو اپنے
سے اپنے اندر ڈوبے ہوئے اجسام پر کششِ ثقل کا اثر پیدا کرتا ہے، اس فرضیے سے لازمی طور
یہ نتیجہ نکلا کہ کششِ ثقل کھینچنے والے جسم سے کھینچے والے جسم کی طرف ہوتی ہے، تب لاپلاس نے
دریافت کیا کہ اگر کششِ ثقل کی رفتار محدود ہوتی، تو ایک سیارے کے میسر مین بہت بڑا
خلل پڑجاتا، البتہ اگر کششِ ثقل کی رفتار روشنی کی رفتار سے کئی کروڑ گنا زیادہ ہو، تو

ت ہے، اب اس کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ کام چلانے کے لئے کشش ثقل
ں رفتار کو لامحدود مانے، اس کے خیال میں اس قسم کے خلل سے ستاروں کی حرکت میں رکاوٹ
ہوتی، اور لاپلاس اس خلل کو اس مفروضہ کی بنا پر دور نہیں کر سکتا تھا، کہ کوئی مزاحمت کرنیوالا
واسطہ موجود ہے، لہذا کشش ثقل کی محدود رفتار کا تصور ترک کرنا پڑا، گذشتہ چند سال تک خود
اضافیت میں بھی کشش ثقل کی محدود رفتار کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، یہ مفروضہ محض ایک مصنوعی چیز
تھی جس کا انحصار محدّدون کے مخصوص انتخاب پر تھا،

میر کی حرکت

نیپچون اور پلوٹو دو نئے سیاروں کے انکشاف سے نیوٹن کے قانون کی حیرت انگیز
طور پر تصدیق ہو گئی، مگر یہ قانون ایک اہم امر میں بالکل ناکامیاب رہا، قرص آفتاب سے عطارد
کا عبور ایک دلکش منظر فطرت ہے، قران کے موقع پر ایک سیاہ دھبے کی شکل میں اس سیارے
کو گذرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے، قرص آفتاب سے اس سیارے کا عبور کچھ وقفوں سے ہوتا
ہے جن کی میعاد تین سے تیرہ سال تک ہے، اس عبور سے اس کی گردش کی مدت معلوم
کیجاتی ہے، اس سلسلہ میں تقریباً تین سو سال سے مشاہدات جمع کئے جا رہے ہیں، ان کی
ایک غیر معمولی بات یہ معلوم ہوئی کہ عطارد کا میر آہستہ آہستہ ۴۳ ثانیے فی صدی کے حساب سے اپنی
جگہ سے ہٹ رہا ہے یعنی میر کا سب سے قریبی نقطہ جو بعد اقرب کہلاتا ہے، اس رفتار سے آگے بڑھتے
ہوئے اس حد سے دور نکلا جا رہا ہے، جہاں تک کہ اسے نیوٹن کے قانون کے مطابق بڑھنا چاہئے اس
انحراف کو سب سے پہلے لیوریر نے ۱۸۴۵ء میں معلوم کیا، مگر اس نے اس واقعہ کی یہ توجیہ کی کہ سورج
اور عطارد کے مابین کچھ چھوٹے سیارے ہیں، جو اس زائد اثر کا سبب ہیں، لیکن گرہنوں کے
موقع پر جو فوٹو کھینچے گئے ہیں، ان سے ان سیاروں کا کوئی پتہ نہیں چلتا، ۱۹۰۱ء کے
سورج گرہن کے موقع پر یہ بات قطعی طور پر تسلیم کر لی گئی تھی، کہ سورج کے نزدیک دکھائی دینے والے

تمام اجسام معلوم کئے جا چکے ہیں، اور ۰۰۰، ۸ اشراق کی روشنی تک کسی سیارے کا وجود نہیں ہو سکتا، اور نہ چھوٹے سیاروں کے کسی جھنڈ کے موجود ہونے کا امکان ہے، اگر ایسا ہوتا، تو آسمان ضرور روشن ہو جاتا، لہذا نیوٹن کا قانون کشش ثقل میسر کے بعد اقرب کی سبقت کو ثابت کرنے میں ناکامیاب رہا،

آئن اسٹائن کے اصول موضوعہ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت عام نے عطارد کے بعد اقرب کی سبقت کی توجیہ پیش کی، آئن اسٹائن نے اپنی مساوات کے حاصل کرنے میں نہایت جرأت اور دلیری سے کام لیا، اور اگر گستاخی نہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اوس نے اسکی بنیاد صریحًا ناقابل قبول مفروضات پر رکھی ہے، اور نہایت ہی دقیق اور پیچیدہ عمل ریاضی یعنی احصاے ٹینسر (Tensor Calculus) سے مدد لی ہے، اس فرضیے سے یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ روشنی کی رفتار محدود ہے، اور ایک متحرک جسم کی نسبت سے خواہ وہ کتنی ہی تیزی سے حرکت کر رہا ہو، اور خواہ روشنی سامنے سے اس کے قریب آرہی ہو یا عقب سے اس کا پیچھا کر رہی ہو، اسکی رفتار وہی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ رہے گی، ایک ذرہ ب جو ریڈیم سے نکلتا ہے ایک لاکھ بیں ہزار میل فی سکنڈ کے حساب سے حرکت کر سکتا ہے، لیکن روشنی کی رفتار اس متحرک برقیہ کی نسبت سے بدستور ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہوگی، خواہ روشنی مخالف سمت سے اس کے قریب آرہی ہو یا اس کا تعاقب کر رہی ہو، مکان و زمان کی مطلقیت کے متعلق نیوٹن کا جو تصور ہے، اس کے مطابق یہ فرضیہ مضحک اور مہمل قرار پاتا ہے، مگر آئن اسٹائن نے جرأت اور دلیری سے کام لیکر اپنے مہتم بالشان نظریہ کی بنیاد اسی عجیب و غریب فرضیہ پر رکھی،

چار امتحان آئن اسٹائن کا نظریہ چار ابعاد رکھنے والے مکان و زمان کے وجود مسلسل کے فرضی تصور پر مبنی ہے، اس کے سمجھانے میں بہت ہی دقیق اور پیچیدہ ریاضیاتی تحلیل سے کام

یا گیا ہے جس کو سمجھنے کا بہت ہی کم لوگون کو موقع مل سکتا ہے، اس نظریہ کی شہرت اس وجہ
بنی ہے، کہ اس کے نتائج کی تصدیق چار ورنہ کم سے کم تین فلکی مظاہر کے مشاہدے سے ہو چکی ہے،
حسب ذیل ہین:۔

۱۔ عطارد کے مسیر کی گردش،

۲۔ سورج کے طیف مین طیفی خطوط کا ہٹنا،

۳۔ دور کے ستارون سے آنے والی روشنی کا سورج کے پاس سے گذرتے وقت انصراف

۴۔ کائنات کا انتشار پذیر ہونا،

چوتھے منظر فطرت یعنی انتشار پذیر کائنات کا جہان تک تعلق ہے، آئن اسٹائن نے نہ صرف یہ فرض کر لیا ہے، کہ روشنی کی رفتار کسی متحرک جسم کی نسبت سے خواہ وہ کتنی ہی تیزی سے کسی سمت مین بھی حرکت کر رہا ہو، ہمیشہ یکسان رہتی ہے، بلکہ کشش ثقل کے علاوہ نظریۂ اضافیت کے مطابق کائناتی قوت دفع (Cosmic Force) کو بھی لازمی طور پہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، اور عجیب و غریب بات یہ کہی ہے، کہ اس کائناتی قوت دفع کی شدت دو اجسام کے درمیانی فاصلہ کی نسبت سے بڑھتی بھی جاتی ہے،

اس نظریہ کا رد — آئن اسٹائن کے انتشار پذیر کائنات کے نظریہ کی تائید امریکہ کے ایک عالم ڈاکٹر ہبل نے کی، مگر بعد مین ڈاکٹر موصوف نے خطبات روڈس میں جو اوس نے آکسفورڈ میں دیئے تھے، اس بات کا اعلان کیا، کہ بعد کے مشاہدات سے انتشار پذیر کائنات کے نظریہ کی قطعی تردید ہوگئی،

عطارد کے مسیر کی گردش کا جہان تک تعلق ہے، مین نے کئی سال سے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے، کہ زمان و مکان اور حرکت کے متعلق نیوٹن کے تصورات بالکل صحیح ہین، اور

اسکی مکانک مین صرف اتنی اصلاح کی گنجایش ہے، کہ کششِ ثقل کی رفتار کو بجائے لامحدود کے محدود مان لیا جائے، جب اتنی سی اصلاح کر لی گئی، تو سیرِ عطارد کی گردش کی رفتار بالکل اتنی ہی نکلی جتنی آئن اسٹائن کے نظریہ کے مطابق حاصل ہوتی ہے، اب رہا سورج کے طیف مین طیفی خطوط کا انحراف تو جہان تک قرصِ شمس سے آنے والی روشنی کا تعلق ہے، میری معلوم کی ہوئی قیمت آئن اسٹائن کی قیمت سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے، اور اسکی تصدیق بھی ہو چکی ہے، روشنی کے طیفی انحراف سے متعلق آئن اسٹائن کی قیمت ہر حالت مین یکسان رہتی ہے، خواہ روشنی قرصِ آفتاب کے مرکز یا کنارے یا کسی دوسرے حصّے سے آ رہی ہو، مگر میرے نظریہ کے مطابق اگر ہم مرکز سے کنارے کی طرف چلین تو اس مین رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جائے گا، یہان تک کہ کنارے پر پہونچ کر وہ آئن اسٹائن کے اعداد سے دگنا یعنی سو فی صدی زیادہ ثابت ہو گا،

ڈاکٹر رائدس نے جن کو حکومتِ ہند نے ۱۹ر جون ۱۹۳۶ء کے سورج گرہن کے موقع پر جاپان کے شہر ہوکیدو روانہ کیا تھا، ٹھیک گرہن کے موقع پر سورج کی روشنی کے فوٹو کھینچے، انھون نے جولائی ۱۹۳۷ء مین اپنے نتائج کا اعلان کیا جن سے یہ پتہ چلا کہ طیفی انحراف کے اعداد جو قرصِ آفتاب کے کنارے کی روشنی مین واقع ہوتا ہے، آئن اسٹائن کے اعداد سے ٹھیک دوچند ہین، اس موقع پر مین یہ بھی بتا دون کہ ڈاکٹر رائدس ہی وہ ہیئت دان ہین جس نے کامل سورج گرہن کے موقع پر روشنی کے طیفی انحراف کا مشاہدہ کیا۔

انصراف کا اختلاف روشنی کا انصراف نیوٹن کی مکانک کے مطابق ۸ء۰ ثانیہ آتا تھا، اور آئن اسٹائن کے نظریہ کی رو سے اسکی زیادہ سے زیادہ قیمت ۷۵ء۱ ثانیے نکلی، یہ نتیجہ تمام ستارون پر حاوی سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ سورج کے نزدیک ہون یا دور، لیکن میرے نظریہ کے مطابق

روشنی کا انحراف اس لحاظ سے کہ کسی ستارے کے مشاہدے کا خط سورج سے قریب ہو یا دور ۲۲ء۲ اور ۲ء۶۱ ثانیے کے درمیان ہونا چاہئے،

پروفیسر مکائیلوف نے ۱۹ جولائی ۱۹۳۶ء کے سورج گرہن کے موقع پر سائبیریا میں سورج کے پیچھے کے ۲۵ ستاروں کے فوٹو کھینچے (اس کے مقابلہ میں جاپانی ہیئت دان نے صرف آٹھ کے فوٹو لئے) اور ۱۹۳۷ء میں مزید مشاہدے ہوئے، آخر کار ۱۹۳۹ء میں انکی تحقیقات کا کام مکمل ہوا، انھوں نے ازراہ عنایت اپنے نتائج میرے پاس بھیجے ہیں جو کہ سائنس کے جرائد میں شائع کئے جا رہے ہیں، ان مشاہدات کے چار اعداد ۲ء۴۴، ۲ء۴۲، ۲ء۸۵، اور ۲ء۰۹۳ ثانیے ہیں جن کا اوسط انحراف ۲ء۷۲ ثانیے نکلتا ہے، پروفیسر مکائیلوف نے غلطی کے احتمال کے لئے ۱۲ء ثانیہ کی گنجایش رکھی ہے، اگر ۱۲ء ثانیے کے احتمالی فرق کو ان کی اوسط قیمت سے منہا کر دیا جائے، تو ۲ء۵ ثانئے کا نتیجہ میرے معلوم کردہ اعداد کی حدود کے اندر اور آئن اسٹائن کی بڑی سے بڑی قیمت سے بھی ۵۰ فی صدی زائد ہوتا ہے،

پس ڈاکٹر ہبل، ڈاکٹر ٹرانڈس اور پروفیسر مکائیلوف کے مشاہدات نے آئن اسٹائن کے نظریہ اضافیت عام کو مسترد کر دیا ہے، یہاں اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، صرف آئن اسٹائن کے ایک قول کا حوالہ دے دینا کافی ہو، اس نے کہا ہے:-

"جو نتائج اس (نظریہ اضافیت) سے اخذ کئے گئے ہیں، ان میں سے اگر ایک بھی غلط ثابت ہو تو پورے نظریہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، اس میں ذرا سی ترمیم بھی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس کی پوری عمارت مسمار نہ کر دی جائے"۔

اقبال اور برگسان

از مولانا عبد السلام خاں صاحب رامپور

(۳)

اقبال کے امتیازی عناصر افعالِ فردہ | متکلمین خصوصًا اشاعرہ ارسطاطالیس کے ہیولیٰ اور صورت کے مقابلہ مین کائنات کی ترکیب اجزاے لایتجزیٰ سے مانتے ہین متکلمین کے نزدیک یہ اجزار جواہر ہین، اقبال نے کائنات توجیہ افعال سے کرنا چاہی ہے، یہ افعال عرض ہین، اس لئے متکلمین کا اجزار لایتجزیٰ کا نظریہ اپنی اصل حیثیت مین اقبال کے نظام مین نہین سما سکتا تھا، اقبال نے ان اجزار کو بجاے جوہر کے عرض قرار اور جن افعال کی ترکیب سے وہ کائنات کی توجیہ کرتے ہین، ان مین متکلمین کے اجزار لایتجزیٰ یا جو فردہ کی تمام صفات مان لین، اشاعرہ کے اجزار لایتجزیٰ کے نظریہ کی حیثیت ایک حد تک مدافعانہ تھی، فلسفہ یونان کے تتبع ارسطو کی تقلید مین بالعموم کائنات کی توجیہ ہیولیٰ اور صورت سے کرتے تھے ہیولیٰ اور صورت کو تسلیم کر لینے سے کائنات کی کم از کم نوعی ازلیت اور ابدیت ماننا پڑتی تھی، اور کا ازلی اور ابدی ہونا اصول اسلام کے مخالف تھا؟ اشاعرہ نے ہیولیٰ اور صورت کے دلائل بہت کڑی نکتہ چینی کی، اور اوس کے جواب مین جواہر فردہ کا تخیل پیش کیا، جو اس قسم کی دشواریوں پاک تھا، اقبال کے سامنے اس نظریہ کو قبول کرنے کے سابق وجوہ نہ تھے، پھر معلوم نہین انھوں نے اس کو کیون اختیار کیا؟ ممکن ہے کہ اسکی وجہ موجودہ طبیعیات کا نظریہ برقیت ہو جس مین کائنات کی آخری توجیہ برقیون سے کیجاتی ہے، علاوہ ازین برگسان نے کائنات کے اہم حصون، روح

مادہ کی تفریق کے لئے حرکت کی دو متخالف سمتین تسلیم کی ہین، ایک مرکز کے خلاف جانب اور دوسری مرکز کی جانب مرکز کی جانب حرکتِ مادہ اور مرکز کے خلاف جانب روح یا حیات، اس توجیہ سے کائنات مین ثنویت یا دوئی پیدا ہوجاتی ہے، اقبال نے افعالِ فردہ کی ترکیب سے کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، اور افعالِ فردہ کی لطافت اور کثافت سے روح اور مادہ مین فرق کیا ہے، اسلئے ان کا نظام اس ثنویت سے پاک ہے، برگسان کے نزدیک وجدان کی حرکت حیات کی جانب ہے، اور فکر کی مادہ کی طرف لہذا اوسکو ماننا پڑا کہ عقل و فکر اصل حیات کے علم کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اصل حیات کے جاننے کے لئے وجدان ہی ناگزیر ہے، اس طرح فکر و وجدان مین بھی کامل تضاد پیدا ہوگیا مگر اقبال کے افعالِ فردہ کے نظریہ مین یہ خامی نہین، برگسان کے نظریہ کا لازمی نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ ہمارے فکری علوم اور حسیاتی مشاہدات اور طبیعاتی تجربے خلافِ واقعہ اور محض دھوکا ٹھہرین لیکن اقبال کے خیال کے مطابق ان کو نفس الامر اور حقیقت کے خلاف نہیں کہا جاسکے گا،

ارادہ | برگسان کے نزدیک کائنات افعال کا تسلسل ہے: اس کا مرکز خود بھی سلسلہ ہے فعلیت کا یعنی یہ منبع یا مرکز اپنی ذاتی حیثیت سے مرکز نہیں، اوس کو مرکز محض اس وجہ سے کہا جاسکتا ہو کہ وہ حرکت کی روانی کی سمت کے خلاف ہے، اور حرکت اسکی سمت سے آگے کو بڑھ رہی ہے، کائنات اور اوس کے مرکز کے اس تصور کے ماتحت کسی ذات کا وجود نہیں ہوسکتا، کیونکہ ذات مین کسی نہ کسی حیثیت سے مرکزیت یا کوئی اجتماعی اعتبار ضروری ہے، خواہ یہ اعتباری اجتماع محض من حیث الکل اور من حیث المجموع ہی کیون نہ ہو، بہرحال ذات کے تصور کے لئے اجتماعیت واقعی خواہ اعتباری ضروری ہے لیکن برگسان کے نزدیک فعلیت مستمرہ یا سلسلہ افعال مین اس قسم کی اجتماعیت ممکن نہیں، برگسان کے نزدیک فعلیتِ مطلقہ مین نہ ظہور و بطون کے اعتبار سے فرق ہے اور نہ قوت و فعل کے اعتبار سے، فعلیتِ مطلقہ کا وجود صرف اپنی فعلی حیثیت مین ہے، اور وہ بھی

اس حد تک جس حد تک اوس کا خروج ہوچکا ہے لیکن یہ خروج کہین ٹھہرتا نہین، بلکہ وہ فعلیت مسلسل آگے بڑھتی جارہی ہے، یا دوسرے لفظون مین افعال کو پیدا کرتی جارہی ہے، ان افعال کا وجود کسی پہلے سے قائم کئے ہوئے یا کسی موجود تصور پر مبنی نہین، یہ خلق بالکل آزاد ہے، اس کے وجود کی علت ضرورتِ آفرینش ہے، اور بس، فعلیتِ مطلقہ میں محض اس بات کا شعور ہے کہ اس سے فعل سرزد ہورہا ہے، کوئی فعل خاص اپنے وجود مین آنے سے پہلے کسی قسم کا ثبوت نہین رکھتا، اس لئے اس کے خلق یا ظہور سے پہلے اوس کے علم کے بھی کوئی معنی نہین، یہ افعال ابتدائی اور بلا کسی پہلے سے قائم کئے ہوئے تصور کی بنا پر ہین، اس لئے اس خلق میں ارادہ کو کوئی دخل نہین ہوسکتا، کیونکہ ارادہ کے لئے کم از کم کسی جانب کے اختیار اور ترجیح کے حق کا شعور ضروری ہے، اور اختیار و ترجیح کے حق کے شعور کے لئے اوس شے یا فعل کا تصور جو سرزد ہورہا ہے، صدور سے پہلے ضروری ہے، بلا اس تصور کے ارادہ کے کوئی معنی نہین،

برگسان کا یہ نظریۂ خلق جس مین خلاقِ فعلیت افعال کے ظہور سے پہلے ان کے علم سے بے بہرہ ہو، اور ان کی آفرینش مین اس خلاقِ فعلیت کے ارادہ اور مشیت کو کوئی دخل نہ ہو، اسلامی الہیات کے خلاف ہے، اسلام مین خلق اور مشیت و ارادہ لازم و ملزوم ہین، اقبال نے اس خلاقِ فعلیت مین شعور کے ساتھ ارادہ اور مشیت کو شامل کردیا ہے، اقبال کے نزدیک یہ فعلیت مطلقہ جس سے افعال کا ظہور ہورہا ہے، باشعور اور با ارادہ ہے، اگر محض سلسلہ افعال کو خلاقِ فعلیت فرض کرلیا جائے، جیسا کہ برگسان کے فلسفہ کا حاصل ہے، تو ارادہ اور مشیت کے کوئی معنی نہ ہونگے ارادہ کے لئے کسی نہ کسی قسم کی مرکزیت کا اعتبار کرنا ضروری ہے، تاکہ افعال اور اوس کے منبع مین غیریت پیدا ہوجائے، اور اوس مرکز کے ارادے کے تحت افعال کا ظہور ہو، علاوہ ازین یہ سلسلہ افعال غیر منقطع ہے، لہذا فعلیتِ مطلقہ کی ذات ہمیشہ ناتمام رہے گی، یہ تصور خلاقِ فعلیت کے

سلامی تصور کے منافی ہے، ان ہی دشواریوں کی وجہ سے اقبال نے خلاقِ فعلیت کو سلسلۂ افعال سے علیحدہ کر دیا ہے، خلاقِ فعلیت مین مرکزیت اور اجتماعیت پیدا ہو گئی، یہ خلاقِ فعلیت با ارادہ اور با شعور ہے جس سے افعال کا صدور ہو رہا ہے،

اقبال اس خلق کو برگساں کی پیروی مین آزاد مانتے ہین، لیکن ارادہ کے ماتحت محض خلق (بشرطیکہ کو مخلوق سے الگ مانا جائے، جو اقبال کے خیال کے خلاف ہے) ہی آزاد ہو سکتی ہے، خود فعل آزاد نہین ہو سکتا، برگساں کے نزدیک خود فعل آزاد ہے، کوئی فعل اس وجہ سے سرزد نہیں ہوتا کہ اس فعل ہی سرزد کرنا تھا، وہ خود بخود ضرورتِ آفرینش کے ماتحت صادر ہوتا ہے، فعل کے ارادی خلق کے معنی یہ ہین کہ اوس کو ترجیح دے دی گئی ہے، اور بصورتِ ترجیح اوس فعل کا ظہور خود بخود نہ ہو گا، بلکہ اس کا اپنی مخصوص حیثیت مین ہونا کسی نہ کسی حد تک جبری ہو گا، فعلیت مطلقہ خواہ اپنے اظہار مین آزاد ہو، مگر افعال آزاد نہ ہونگے، اگرچہ اقبال نے خلاقِ فعلیت کا جو تصور پیش کیا ہے، اسکے مطابق خلاقِ فعلیت کی آزادی بھی مشتبہ ہو جاتی ہے،

مقصدیت | پہلے گذر چکا ہے کہ برگساں کے نزدیک کائنات آزاد سلسلہ افعال ہے، اسلئے بے مقصد اور بے غایت ہے، اقبال نے برگساں کے اس خیال کی تردید کی ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ کائنات کا یہ تصور اسلامی تعلیم کے موافق نہیں، اقبال کائنات کو با مقصد کہتے ہین، کائنات کا مقصد ارتقائی مظاہرۂ حیات ہے، مزید بران افعال کے ظہور سے خود بخود کوئی نہ کوئی مقصد متعین ہو جاتا ہے، مستقبل کے امکانات، ماضی کی یادداشتین اور حالیہ افعال باہم ملکر کوئی سمت خود مقرر کر لیتے ہین، اشیا و افعال کا رخ اس سمت کی طرف خود بخود پھر جاتا ہے،

برگساں افعال کو آزاد مانتا ہے، اسلئے ظاہر ہے کہ خلق کا پہلے سے سوچا ہوا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا، ورنہ افعال کا وجود خواہ مخواہ اسی سمت ہی ہو گا، اور ان کی آزادی اور خود بخود ہونا ختم ہو جائے گا، محض

ارتقائی مظاہرے کا اوس کو بھی انکار نہین کیونکہ تخلیقی ارتقاء کے نظریہ کا وہ بانی ہی ہے، افعال کے آزاد وجوہ کے بعد ان کی کسی سمت کا متعین ہوجانا، اور اس طرح خود بخود کسی خاص نظم کا موزون ہوجانا اوس کے خیالات کی عام رو کے خلاف نہین،

اقبال اور برگسان مین زیادہ سے زیادہ یہ فرق ہوسکتا ہے کہ اقبال خلق کو ارادہ کے ماتحت تسلیم کرتے ہین، اس لئے ارتقائی اظہار حیات بحیثیت مقصد کے فعلیت مطلقہ کا منشا ہے اور برگسان کے نزدیک یہ ارتقائی اظہار خود بخود بلا ارادہ ہے، یعنی عالم مین ارتقائی تخلیق ہے، اور محض اس لئے اقبال کے نزدیک بھی ارتقائی تخلیق ہے، مگر اس لئے کہ یہی فعلیت مطلقہ کا مقصد اور منشا ہے، حقیقت یہ ہو کہ فعلیت مطلقہ مین شعور کے ساتھ ارادہ کو مان لینے سے اقبال اور برگسان کے خیالات مین کافی فرق ہوگیا ہے، یہ فرق ناگزیر بھی ہے، اور بہت سی ایسی دشواریون کا باعث ہے جن سے برگسان کا نظام پاک ہے،

۳

اجمالی استمرار — اقبال زمانہ کے دو مصداق مانتے ہین، ظاہری اور باطنی، اقبال اور برگسان مین حد تک اتفاق ہے، کہ دونون زمانہ کے عام تصور کو غیر حقیقی زمان کہتے ہین، اور اصل زمان کو مکانی زمان سے بالکل علحدہ تسلیم کرتے ہین، یہ اصلی زمانہ تخلیق اور تاثیر ہے، اس مین ماضی زمانہ حال یا استقبال سے علحدہ نہین، بلکہ ماضی زمانہ حال اور استقبال کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، لیکن حقیقی زمانہ کے تصور مین دونون مختلف ہین، برگسان کے نزدیک اصلی زمانہ کا تعلق استمرار اور فعلیت کے تسلسل اور تواتر سے ہے، اور اقبال کے نزدیک اوس کا تعلق ذات کی عضوی کیفیت سے ہے،

اقبال کے نزدیک حقیقی زمانہ جس کو وہ استمرار سے تعبیر کرتے ہین، فعلیت مطلقہ مین شعور کے ساتھ متداخل ہے، یہ استمرار ایک قدیم اصطلاح کے مطابق اجمال ہے جس کی ماضی، حال اور مستقبل اجمالی طور پر اسی استمرار مین موجود ہین، چنانچہ عالم کون و فساد مین بھی استمرار ماضی حال اور

کھتا جاتا ہے۔ اس اندرونی استمرار کی ایک "اب" بیرونی عالم مین "اب" کی کثیر تعداد مین کھتا جاتا
ہے یہ اندرونی "اب" عالم خارجی کے اعتبار سے ہزارون سال ہوسکتا ہے اسمین کوئی تدریج اور تعاقب
ل ہوتا یہ اندرونی استمرار عالم خارجی مین اپنے تمام واقعات کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے، جو اقبال کے نزدیک
ق ہے، اقبال کے نزدیک یہی استمرار تقدیر ہے، جس مین پوری کائنات اپنی ذاتی صلاحیتون اور
ممکنات کے طور پر محفوظ ہے، برگسان کا "استمرار" تخلیق محض ہے، جو آزاد ہے، اوس کے نزدیک امکانات
ر صلاحیتوں کا کوئی اعتبار نہین، وہ استمرار کو بالفعل تخلیقی تواتر مانتا ہے، اقبال کے نزدیک حقیقی
ستمرار جو خلاق اور موثر ہے، ایک بالقوہ تاثیر اور تخلیق ہے، اسلئے اسمین ماضی، حال اور مستقبل باہم تحلیل ہیں
زمانہ اور استمرار کے عام ذہنی تصور مین تسلسل اور تواتر ہے، خواہ وہ مکانی نقطون کے
عتبار سے ہو، خواہ خلق کے اعتبار سے لیکن اقبال کے حقیقی استمرار کے تصور مین تواتر اور تسلسل کی
حقیقت مفقود ہے، اس کا حقیقی استمرار ایک بسیط کلیت ہے، جو اپنی ذات کے اعتبار سے ایک
قسم کی انجمادی حیثیت رکھتا ہے، اوس کا تسلسل اور تواتر اپنے ظہور اور کھلنے کے اعتبار سے ہے،
اقبال کے نزدیک اس استمرار کا "اب" عالم خارجی کے ہزارہا سال کا ہوسکتا ہے، اگرچہ اقبال
نے اپنے اس خیال کی بہت توضیح کی ہے، اور اسکو مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے
پھر بھی یہ نظریہ مزید وضاحت کا محتاج ہے، کیونکہ زمانہ کے عام مفہوم یعنی تواتر اور تسلسل سے
قطع نظر بھی کرلیجائے، اور اس کو بالقوہ کی حیثیت مین تصور کیا جائے، تو وہ محض ایک بسیط ناقابل
تجزی شے رہے گا، اور اسکی یہ بالقوہ حیثیت عالم خارجی کے پورے فعلی رُخ کو یعنی اوسکی لامحدود
ازلیت اور ابدیت کو حاوی ہوجائے گی، اس صورت مین زیادہ سے زیادہ زبان کی دشواریون
کو پیش نظر رکھکر یہی کیا جاسکتا ہے، کہ اوسکی "اب" زادر وہ اپنی بالقوہ حیثیت مین محض ایک "اب"
اتی ہوسکتا ہے) عالم خارجی کی لامحدود ازلیت اور ابدیت دونون کو حاوی ہے اسکی ایک "اب"

کو صرف ہزار ہا سال پر حاوی ماننے کے کوئی معنی نہ ہوں گے، اقبال نے سرخ رنگ سے جس کے احساس کی وجہ تموجات کی غیر معمولی سرعت ہے، یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک شے کے احساس کے لئے قلیل ترین وقت کافی ہوتا ہے، مگر اوسکی تفصیل کے لئے ہزاروں سال درکار ہوتے ہیں اقبال کی یہ مثال قابل غور ہے سرخ رنگ نام ہے ایک مخصوص احساس کا، واقعیتی نقطہ نظر سے یہ احساس واقعی ہے جس کو پیدا کرنے والے انتہائی سریع تموجات ہیں، یہ تموجات خود بھی واقعی ہیں زیادہ سے زیادہ ایک واقعی کثرت نے ایک بسیط احساس پیدا کیا، دوسرے لفظوں میں ایک کثرت نے وحدت پیدا کی، اور یہ وحدت یا یہ بسیط احساس کسی طرح بھی نہ کثرت میں تحلیل کیا جا سکتا ہے اور نہ کثرت میں اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے، یہ احساس جو کثیر افعال کا اثر ہے، خود واحد ہے اور واحد ہی رہے گا، نہ یہ کثیر افعال سے مرکب ہے، اور نہ کثیر افعال میں منقسم،

اقبال اس استمرار کو جو فعلیت مطلقہ کی ذات میں مع ماضی اور مستقبل کے واقعات کے بسیط طور پر محفوظ ہے، تقدیر کہتے ہیں، یہ تقدیر خارج سے مسلط کی ہوئی قسمت نہیں، بلکہ اشیاء کی اندرونی رسائی کی حد ہے، خود افعال اور اشیاء آزاد ہیں،

برگسان افعال کو آزاد اور خود بخود مانتا ہے، اوس کے نزدیک پہلے سے نہ خود ان کی کسی خاص صلاحیت اور امکان کے وجود کی ضرورت ہے، اور نہ کسی دوسرے کے ارادے کی، اقبال فعلیت مطلقہ کی ذات میں ان افعال اور اشیاء کے امکانات محفوظ مانتے ہیں، اور ان کا ظہور ذات مطلقہ کے ارادے کے ماتحت تسلیم کرتے ہیں،

یہ امکانات ان معنی میں امکانات نہیں ہیں، کہ ان کی وجودی اور عدمی دونوں جانبیں بالکل مساوی ہوں، بظاہر اقبال کی مراد امکانات سے خصوصی رجحانات اور استعدادات ہیں، اگر امکانات کے پہلے معنی ہی مراد ہوں، تو فعلیت مطلقہ کا ارادہ کسی خاص جانب کو ترجیح دے دیگا، بہرحال

ان افعال کا صدور مخصوص حیثیت مین اور مخصوص اندرونی صلاحیتون اور میلانون کے ساتھ ہوگا، یہ میلانات اتنے صحیح ہون گے، کہ واقعہ ان کے خلاف نہ ہو سکے گا، مزید بران یہ صلاحیتیں اور رجحانات حقیقۃً نفس ذات مطلقہ کے ذاتی رجحانات اور صلاحیتیں ہونگی، جو اوس کے بالقوہ افعال کی حیثیت مین اوس مین خود بخود موجود ہین، ذات مطلقہ نے ارادے سے اون افعال کو ظاہر کیا ہے، ایسی صورت مین تقدیر کو افعال و اشیاء کی ذات کی خالص اندرونی رسائی ماننا، اور ان کی حقیقی آزادی تسلیم کرنا بہت دشوار ہوگا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ افعال و اشیاء کی آزادی کے معنی فقط اتنے ہین، کہ افعال و اشیاء کو یہ شعور ہو کہ وہ اپنے افعال مین آزاد ہین، اگرچہ ان کا یہ شعور حقیقت مین واقعہ کے خلاف ہی کیون نہ ہو،

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردۂ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اسلام اور اکثر دوسرے مذاہب مین یہ عقیدہ تسلیم کیا گیا ہے، کہ ہر چیز کا تعلق خواہ وہ خیر ہو خواہ شر خدا کی مشیت سے ہے، تقدیر کا یہ نظریہ مسلمان علماء مین ہمیشہ سے محل غور و فکر رہا ہے، یہ عقیدہ در حقیقت ارادی خلق کے لوازم مین سے ہے، ارادی خلق کو تسلیم کر کے اس دشواری سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے، خود اقبال ایک متکلم ہونے کی حیثیت سے ارادی خلق تسلیم کرنے پر مجبور تھے، تقدیر اوس کے ناگزیر لوازم مین سے ہونیکے ساتھ ساتھ اسلام مین منصوص حیثیت رکھتی ہے، برگساں کے استمرار مین اسکی کوئی گنجایش نہ تھی، لہٰذا اقبال کو استمرار مرتبہ ذات مین ایک اجمالی کلیت فرض کرنا پڑا،

اسلامی الٰہیات کا بیان ہے کہ خدا کے دن کی مقدار انسانی اوقات کے پیمانہ کے اعتبار سے ہزار سال ہے، علماء نے اسکی بہت سی توجیہیں اور مختلف معنی بیان کئے ہین، بہر حال اس کا ظاہری مفہوم ہمارے معیار اوقات سے کسی طرح مطابق نہیں ہو سکتا تھا، برگساں نے حقیقی زمانہ یا استمرار کا جو تصور پیش کیا ہے، اس مین بھی اس دشواری کے حل کا کوئی سامان نہیں، اقبال نے غالباً اسی دشواری کو حل کرنے کے لئے یہ تسلیم کیا کہ حقیقی زمانہ یا استمرار اپنی اندرونی ذات کے اعتبار سے اس نوعیت کا ہے

کہ اوس کا ایک "ب" عالم خارجی کے اعتبار سے ہزارون سال ہو سکتا ہے،

علم اجمالی | اقبال اور برگسان دونون عقل و فکر کو کاروباری ملکہ کہتے ہین، یہ ملکہ اشیا اور افعال کو مکانی اور تدریجی حیثیت مین جاننے کی کوشش کرتا ہے، اوس کا متعلق جامد اشیا ہین جن میں سے حقیقی اور حیاتیاتی حرکت خارج ہو جاتی ہے، برگسان اسی ملکہ کے معلومات کو غیر حقیقی اور خلافِ واقعہ جانتا ہے، اقبال کے نزدیک عالم کا کاروباری رُخ بھی حقیقت اور واقعہ ہے اسلئے اس کو خلاف واقعہ نہیں کہا جا سکتا، اگرچہ برگسان کے نزدیک بھی یہ خلافِ واقعہ محض اس اعتبار سے ہے، کہ واقعیت ایک کلیت ہے اور عقل و فکر کا متعلق مستمر کلیت نہین، بلکہ حقیقت کے بعض پہلو ہین، جن کو عقل و فکر نے اپنی ساخت کی خصوصیت کی وجہ سے جامد اور ساکن کر لیا ہے،

اقبال کے نزدیک علم فکری کے معلومات بھی حقیقی ہین، اس لئے ان پر برٹرانڈ رسل کا وہ اعتراض نہیں ہوتا، جو اوس نے برگسان پر کیا ہے، کہ "باوجودیکہ برگسان کے نزدیک فکری علم غیر حقیقی علم اور خالص عملی ملکہ ہے جس کا نشو و نما تنازع للبقا کے اصول پر ہوا ہے، حالانکہ یہ نظریہ خود علم فکری اور اوس کے اصول پر مبنی ہے" علاوہ ازین اپنے نظریون کو ثابت کرنے اور دوسرے نظریون کو باطل کرنے کے لئے اوس نے بھی فکری دلائل سے ہی کام لیا ہے،

اقبال نے فعلیتِ مطلقہ کو اسکی ذاتی حیثیت مین ایک قسم کا اجمال مانا ہے، جس کو وہ "خدا" کہتے ہین، خدا کے اسلامی تصور مین ایسا محیط کل علم شامل ہے جس سے عالم کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی باہر نہیں، اس علم الٰہی مین ماضی، حال اور مستقبل کی کوئی خصوصیت نہیں، برگسان نے فعلیت مطلقہ مین شعور مانا ہے، اس کی شعور سے مراد جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہ ہے، کہ فعلیتِ مطلقہ کو علم ہے، کہ اس سے افعال سرزد ہو رہے ہیں، برگسان کے نزدیک ماضی فعلیت کے تسلسل اور تواتر کے ساتھ ساتھ کھنچتا چلا آتا ہے، لہذا اس کے نزدیک

خود بھی جانب ماضی سے استقبال تک کھنچتا رہے گا، ماضی کا شعور اوس کے خیال کے مطابق ساتھ ساتھ رہتا ہے لیکن ہمارا تفکر جو کاروباری زندگی سے متعلق ہے، ماضی کے ان شعورون کو روک دیتا ہے، اور ان کے تسلسل کو قطع کر دیتا ہے جن کا ہمارے موجودہ کاروباری مقاصد سے علاقہ نہ ہو، بہرحال برگسان کے اصول کے مطابق علم کا تعلق ماضی سے تو ہو سکتا ہے لیکن مستقبل جس طرح غیر موجود ہے اسی طرح غیر معلوم بھی رہے گا،

اقبال نے علم باری کی اس اسلامی خصوصیت کی وجہ سے فعلیت مطلقہ کے مرتبۂ ذات مین ایک بسیط علم کو شامل کیا، یہ بسیط علم مرتبۂ ذات مین ایک اجمال ہے، جو استمرار کی طرح ماضی، حال اور مستقبل کے تمام لامحدود افعال اور اشیاء پر حاوی ہے، لوح محفوظ اسی اجمالی اور محیط کل علم کو تعبیر کیا

ذات باری کائنات یا سلسلۂ افعال کا ظہور برگسان کے نزدیک غیر ذی روح مادہ کی تحلیل اور ترکیب اور اسکے ارتقار کا معلول نہیں، بلکہ ایک مجہول الکنہ، یا حیات فعلیت اسکی علت ہے اگر کائنات اور مخلوق کے علاوہ کسی مکوّن اور خالق کا وجود ضروری ہو، تو برگسان کے نظام مین وہی مجہول الکنہ حیاتیاتی فعلیت ہو سکتی ہے، کیونکہ برگسان کے نظام مین اس کے علاوہ کسی اور شے کا وجود نہین لیکن فعلیت مطلقہ کا یہ برگسانی تصور ان تمام صفات سے عاری ہے، جن کو تمام مذاہب نے بالعموم خدا مین تسلیم کیا ہے، فعلیت مطلقہ کے اس تصور میں نہ ارادہ ہے اور نہ محیط کل علم اسکی مخلوق کا ظہور خود بخود اور بلا مقصد ہے، ہر چیز ضرورت آفرینش کی بنا پر ظاہر ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ اپنا کوئی مقصد نہین رکھتی،

اقبال نے برگسان کی فعلیت مطلقہ کے اس نقص کو پیش نظر رکھتے ہوئے فعلیت مطلقہ کے ان تمام نقصون کی تکمیل کی، جن سے ذات باری کے تصور کو برتر ہونا چاہئے، اور اس مین دو اعتبار فرض کئے، ایک تفصیلی اور دوسرا اجمالی، فعلیت مطلقہ کے اجمالی اعتبار کو ذات باری

اور تفصیلی اعتبار کو کائنات قرار دیا، اقبال کے نظام میں فعلیت مطلقہ کے اجمالی اعتبار میں ارا
محیط کل علم اور اجمالی استمرار سب ملکر ایک عضوی وحدت بناتے ہیں جس کو خدا یا "انا" مطلق
جاسکتا ہے، یہ ذات اون تمام صفات کی حامل ہے جن کو اسلام نے ذات باری میں تسلیم کیا
خلق اور ارادہ سے قادریت مطلقہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، علم میں سمع و بصر وغیرہ صفا
داخل ہیں،

وحدت وجود | برگسان کے نزدیک کائنات مسلسل فعلیت ہے، یہ مسلسل فعلیت اور متواتر حر
مختلف سمتوں میں جاری ہے، ان سمتوں میں سے بعض میں نوعی فرق ہے، جیسا کہ پہلے گذر
کہ حیات اور مادے کی حرکتیں ایک دوسرے کے متعاکس ہیں، بعض اگرچہ نوعی طور پر متخالف
ہیں لیکن ان کی سمتیں پھر بھی منتشر ہیں، یہ متواتر اور مسلسل افعال اس اعتبار سے متحد ہیں، کہ
سب حرکتیں ہیں جن میں ایک ہی مجہول الکنہ حیات جاری ہے، لیکن شخصی طور پر سب علیحدہ علی
ہیں، کائنات کی کثرت اور رنگا رنگی کی وجہ ان حرکات کا یہی اختلاف اور انتشار ہے، کائنا
اگرچہ جنسی طور پر ایک وحدت ہے، لیکن نوعی، صنفی اور شخصی طور پر یہ ایک کثرت ہے، جو ایک
سلسلہ میں بلا انقطاع رواں اور دواں ہے، گویا یہ افعال اوس سلسلۂ فعلیت و حرکت کے نا
انفکاک اجزا ہیں، اور وہ ایک قسم کا عضوی کل، اقبال نے کائنات اور اوس کے خالق کا جو تص
پیش کیا ہے، اس کے اعتبار سے بھی اگرچہ افعال میں کثرت اور اختلاف ہے، لیکن یہ افعا
اوس فعلیت مطلقہ کے اجزا نہیں ہیں، بلکہ یہ فعلیت مطلقہ کی تفصیل ہیں، فعلیت مطلقہ اپنی
اجمالی حیثیت میں خالق اور تفصیلی حیثیت میں کائنات، کائنات اوسی فعلیت مطلقہ کا ظہوری اعت
ہے، اقبال اپنے اس تصور کی بنا پر پرانی اصطلاح کے مطابق شیخ المتصوفین ابن عربی کے نظ
"لا موجود الا ہو" کے حامی ہیں، ان کے نزدیک عالم میں بجز "انا کامل" یا فعلیت مطلقہ کے کسی چیز کا وج

تی نہیں، اون کے نظام مین اس معنی مین "ہمہ اوست" یا "ہو الکل" کے مرادف "وحدۃ الوجود" کی کوئی
یش نہین، کہ کائنات اپنی حقیقی حیثیت مین خدا ہے،

"وحدۃ الوجود" کا مسئلہ قدیم زمانہ سے غور وفکر کا مرکز رہا ہے، خود اسلام مین بھی ابن عربی
دور سے یہ ایک خالص علمی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہے، چنانچہ مسلم علماء اور متصوفین دونون نے
ل اور نقلی ہر نقطۂ نظر سے اس پر موافقانہ اور مخالفانہ غور کیا ہے، جس کا سلسلہ اب تک ختم نہین
ا ہے، لہذا مین اوسکو نظر انداز کرتا ہون،

بال کی الٰہیات پر اجمالی نظر

برگسان کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اقبال کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان دونون کے فلسفیانہ نظام تصوری ہین، ان مین سے موخر الذکر کے نظام
ن متصوفانہ عنصر زیادہ شامل ہے، اقبال کے نظام مین جو انفرادی نقطے ہین، ان مین سے اکثر
افانہ نظام کی عقلی تکمیل کے لئے نہیں ہے، بلکہ ان کو محض مذہبی تصورات کی اساس بنانے
ے لئے زیادہ کیا گیا ہے، اقبال اور برگسان کے بنیادی فرق کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اقبال
ے نظام مین ایک اجمالی اعتبار کی زیادتی ہے، جو برگسان کے یہان نہین، برگسان کے تصور
کائنات سے ایک بسیط تجریدی اعتبار کا انتزاع کر لیا ہے، اور اس مین برگسانی تصور کی اجمالی
حیثیت مین تمام خصوصیتیں اور اون کے علاوہ بعض دوسری خصوصیتیں بھی فرض کر لی گئی ہین، اس
اجمال او تفصیل مین قدیم اصطلاح کے مطابق "ظہور وکمون" کے اعتبار سے فرق ہے،

ہر فلسفہ مین یہ چیز لازمی ہے، کہ اوس کے اصول ہم آہنگ ہون، لیکن اقبال نے اپنے نظام
کو جن اجزا سے مرکب کیا ہے، آپس مین پوری طرح ہم آہنگ نہین معلوم ہوتے، مثلاً ارادی خلق
ے ساتھ کائنات کی آزادی، زمانہ، اور اوس کا تسلسل سے خلو، فعلیت مطلقہ یا "انا کامل" کا غیر محدود
صلاحیتون پر مشتمل ہوتے ہوئے ان کا تدریجی ظہور، اس کے ساتھ ساتھ تقدیر کو افعال کی ذاتی تصور

آزاد اور رسائی کا منتہی تسلیم کرنا ایسی چیزیں ہیں جن میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ہر فلسفہ بلکہ ہماری عقلی موشگافیوں کا ہر نتیجہ وَمَا اُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کی ابدی صداقت کی ایک مزید شہادت فراہم کر دیتا ہے اور بس، کائنات کا معمہ جس طرح ابتداً آفرینش کے وقت لاینحل تھا، اسی طرح آج دورِ عقلیت میں بھی لاینحل ہے، اور غالباً رہے گا،

کتابیات

زیرِ نظر مقالہ میں حسب ذیل کتابیں خصوصیت سے سامنے رہی ہیں، اقبال کے خیالات ان کے اشعار اور "اسلامی تصورات کی تعمیرِ نو پر خطبات" سے ماخوذ ہیں، برگسان کے خیالات کا تقریباً کل حصہ اسکی کتاب "تخلیقِ ارتقار" سے ماخوذ ہے عقل وفکر کی خصوصیات کے متعلق ایک یا دو اقتباس اسکی کتاب "مقدمہ مابعد الطبعیات" سے لئے گئے ہیں، برگسان کے خیالات کی تشریح اور تجزیہ وغیرہ میں فلسفہ جدید کی تاریخوں سے مدد لی گئی ہے، ابن عربی کے نظریۂ "وحدتِ وجود" اور متکلمین کے "زمان ومکان" کا تذکرہ ضمناً آگیا ہے، ان کے لئے قاضی عضدالدین کی المواقف مع شرح میر سید شریف اور ابن عربی کی "فصوص الحکم" مع شرح نابلسی سے استفادہ کیا ہے، کانٹ کا نظریۂ "زمان ومکان" اوس کی "انتقادِ عقل خالص" سے ماخوذ ہے، فشتے کی اپنی تصنیف مجھے نہیں مل سکی، چنانچہ انا کے متعلق اسکندر کی "تاریخ فلسفہ جدید" باب موضوعی تصوریت، بیان "فشتے" کو سامنے رکھنا پڑا، "انتقادی فلسفہ اور علم" ہافڈنگ کی تاریخ فلسفہ جدید" سے ماخوذ ہے، کائنات کی اصل کے متعلق جدید نظریۂ برقیت جمیس جینس کی کتاب "پراسرار کائنات" سے لیا گیا ہے، تصوف کی عام خصوصیت اور برگسان پر انتقاد برٹرانڈرسل کے مقالہ "تصوف اور منطق" سے اقتباس کیا گیا ہے،

1. Creative Evolution pp 1-5, 11, 28-30, 48, 94,

by H. Bergson. 103, 104, 106, 107, 162, 252, 2
287, 314, 356, 358, 359.

2. Six lectures on P.P. 3, 7-9, 13, 15, 17, 18, 9
The Reconstruction 66, 67, 68-79, 87, 90, 93, 9
of Religious Thought 96, 100, 106, 107, 137, 140, 15
in Islam, by Dr. Iqbal 197, 230, 249.

۳۔ مقدمہ مابعد الطبعیات از ہنری برگساں (دار الترجمہ حیدرآباد)

4. Guide to Philosophy P.P. 178, 180. 415. 440.
by C.E.M. Joad. 556.

5 Critique of pure Reason P.P. 67-82.
by Kant. (Macmillan 1933)

۶۔ المواقف از قاضی عضد الدین الایجی مع شرح از میر سید شریف جرجانی مطبوعہ نولکشور،
بحث مکان ص ۰ ۲۷، بحث زمان ص ۲۶۴ و ۲۶۶ ۔

نصوص الحکم از ابن عربی ، مع شرح از عبد الغنی نابلسی مطبوعہ مصر، جلد اول حکمت ادریسیہ
ص ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۷ حکمت اسماعیلیہ ص ۱۹۴ - ۱۹۵،
جلد دوم حکمت یوسفیہ ص ۲۶ - ۲۹،

8. The Mysterious Universe by Sir James
Jeans. P.P. 61-99 (Chapter III,
Matter & Radiation).

9. *Bertrand Russel's Essay on Mysticism & Logic.*

۱۰- تاریخ فلسفہ جدید از ہافڈنگ (دارالترجمہ حیدرآباد) تمہید کتاب چہارم۔

11. *A short History of Philosophy by Alexander P. P. 594-600, 413-423.*

12. *History of Modern Philosophy by A. W. Benn. P. P. 127. 129.*

13. *Story of Philosophy by W. Durant Ph. D. P. P. 490-507.*

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طہ حسین نے ڈاکٹریٹ کے ڈگری کے لئے ابن خلدون اور اسکے فلسفہ اجتماعی پر فرنچ زبان مین ایک مقالہ لکھا تھا، جس کا ترجمہ انہی کے ایما سے محمد عبداللہ عنان نے عربی مین کیا، اب اوس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے، یہ کتاب درحقیقت ہماری زبان مین اجتماعیات پر ایک بہترین اضافہ ہے، اور بالکل پہلی مرتبہ ابن خلدون کے نظریہ اجتماعی کو اس وسعت اور تفصیل کے پیش کیا گیا ہے،

ضخامت:- ۲۴۰ صفحے، قیمت:- عہ

"مینجر"

تلخیص و تبصرہ

مورو قوم مین اسلام کی تاریخ

"مسلم ورلڈ جنوری ۱۹۴۱ء مین مسٹر کلاڈ ڈال ڈکنس (Claudel Dickens) نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون لکھا ہی جس سے مورو قوم مین اسلام کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہی، اسلئے اسکی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے"

جزیرۂ سولو مین یہ افسانہ بہت زمانہ سے مشہور ہے، کہ پہلا انسان جس نے اس سرزمین پر قدم رکھا، وہ جی یون کولیسا اور اسکی بیوی اندراسوگا تھی، (اندرا وشنو کی ایک بیوی کا بھی نام تھا) اور سکندر اعظم نے انھیں یہان بھیجا تھا، معلوم نہین یہ افسانہ کہانتک صحیح ہے،

سکندر اعظم کی فوج نے جب ہائڈیس پس کو پار کرکے بنگال پر چڑھائی کرنے سے انکار کیا تھا، اور اس انکار سے مشرق کے فتوحات کا خواب پورا نہ ہوسکا، تب سکندر نے اندس کو چھوڑ کر خشکی کا راستہ پکڑا تھا، لیکن اوپر کے افسانہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے، کہ کیا سکندر نے سمندر کے راستہ سے مشرق پر پھر حملہ کیا تھا، ؟ یہ معلوم ہے، کہ اوس نے نئی دنیا کے دریافت کرنے کے لئے ایک اسکیم بنائی تھی، جس کے ذریعہ اوس نے اندس کے دہانہ سے بحر فارس تک بحری راستہ نکالا تھا، ممکن ہی اس اسکیم کے ماتحت کوئی بیڑا اوس نے جنوب بھی بھیجا ہو، یا کچھ جہاز راستہ بھٹک کر اس طرف جانکلے ہون، یہ معلوم ہے کہ جب سکندر اعظم نے دنیا کو خیرباد کہا تو وہ ایک بحری مہم کی تیاری مین مصروف تھا، اور اس

ایک ہزار جہازسے زیادہ کا بیڑا تیار کیا تھا، جس کے ذریعہ وہ بحیرۂ عرب کے راستہ سے بابل سے
بحری راستہ کھولنا چاہتا تھا، ممکن ہے یہ اسکیم اور وسیع کردی گئی ہو، لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی
نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ چوتھی صدی عیسوی میں سکندر اعظم کے جہازرانوں نے سوا
آباد کیا، البتہ سولو کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہاں راجہ بے گندا اسیموونگن (زمبوانگا کا مو
ہے) سے آیا تھا، اور وہاں وہ منگکابو سماترا سے گیا تھا، منگکابو ملے قوم کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے،
قوم اس جزیرہ کی فاتح تصور کیجاتی ہے، مقامی مورخین منگکابو شہزادوں کا سلسلہ سکندر اعظم
ملاتے ہیں، ان کا نسب نامہ بہت ہی قدیم ہے، جو عالم کل سلطان محمد جمال الکرام کے حکم سے [29]
مطابق ۱۸۲۳ئ میں مرتب کیا گیا تھا، مورو قوم کے تحریری حالات اتنے قدیم اور نایاب ہیں
اسلام سے قبل اور بعد کے اثرات کا تجزیہ مشکل ہے، لیکن تادسوگس قوم مورو کی زبان میں سولو کا
ہے) میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے، کہ یہاں کے پہلے باشندے سکندر اعظم کے بھیجے ہوئے تھے، اور
قریب ایسی ہی روایت سماترا کے پلمبنگ کے اضلاع میں بھی مشہور ہے۔

ڈاکٹر ان، ام سیلی بی (Dr. N. M. Saleeby) اس افسانہ کو اس واقعہ
منسوب کرتے ہیں، جب چودہویں صدی میں سمال یا بجاؤن جہور سے ہجرت کرکے آتے تھے، لیکن
سمال میں بھی یہی افسانہ مشہور ہے، کیونکہ وہ ملے قوم کی آخری جماعت تھی، جو فلپائن کے اندر
ہوئی، سولو کی اصل تاریخ راجہ بے گندا سے شروع ہوتی ہے، یہ ایک منگکابو شہزادہ تھا
یہی سولو کے حکمران خاندان کا بانی ہوا، گویا قدیم ترین خاندان اسی کا ہے، ملے کے شاہی خاندان
منگکابو ہی سے اپنا سلسلہ ملاتے ہیں،

یہاں اسلام کی ابتدائی تاریخ کے سلسلہ میں دو نام خصوصیت سے لئے جاتے ہیں، ایک تو
راجہ بے گندا اور دوسرا مقدم ہے، یہ ایک مشہور عرب عالم اور قاضی تھے، یہی وہ شخص ہیں جنہوں

کے والی سلطان محمد شاہ کو مشرف بہ اسلام کیا تھا، اور اوس کے بعد انھون نے سولو اور سندانو
طرف رُخ کیا، اور تبلیغ کے سلسلہ مین تمام جزائر شرق الہند کا دورہ کیا، اوران جزیرون مین انہی
تبلیغی کوششون سے اسلام کی روشنی پھیلی، نہ کہ تلوار سے، فلیپائن مین ان کا واقعہ ۱۳۸۰ء کے قریب
ہوا تھا،

اس کے دس سال بعد راجہ بے گندا نے سولو کو فتح کیا، اسکی فتح کے حالات سے یہ
یاں ہوتا ہے، کہ وہ بارود کے استعمال سے واقف تھا، اور اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی
ہے کہ چودہوین صدی میں بارود عربون کے علم مین تھی، اور سماترا سے ان کے مستقل تجارتی
تعلقات تھے، اسلئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کہ انھون نے اس کو وہان بھی رائج کر دیا ہو،
راجہ بے گندا مین سے ایک فاتح کی حیثیت سے یہان آیا تھا، مقدم نے پہلے ہی سے اسلام کیلئے
زمین ہموار کر دی تھی، کہ ایک دوسرا مبلغ ابوبکر یہان پہونچا، اس نسب نامہ سے جس کا ڈاکٹر
سلابی نے حوالہ دیا ہے، یہ پتہ چلتا ہے، کہ ابوبکر برونی (مشرقی بورنیو مین ایک ریاست) کے
راستے پیمبنگ سے ہوتے ہوئے بانسا (سولو کا قدیم دار السلطنت) پہنچا، اور یہان راجہ
بے گندا کے یہان ٹھہر کر سولو مین اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی، وہان اسکی بڑی عزت
وتوقیر ہوئی، یہان تک کہ راجہ بے گندا نے اپنی لڑکی پارامیسولی سے اسکی شادی کر دی، اس طرح
وہ خود سلطان بن گیا، وہان عام طور سے مشہور ہے کہ وہ مکہ سے آیا تھا، اور بعض روایتون سے
معلوم ہوتا ہے، کہ وہ حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے تھے، جو مکہ سے ملکا آئے تھے[۵]
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے زمبوانگا کے جزیرہ بسالین گئے، اور وہان کے باشندون کو مسلمان
کیا، پھر یہان سے سولو بلائے گئے،

---

[۵] اس نام کے امام زین العابدین کے کوئی صاحبزادے نہ تھے اور نہ انکا ملکا جانا تاریخی حیثیت سے صحیح ہے،

ملکا کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر ایک مشہور آدمی تھا، اور مذہب اور شریعت کا بہت بڑا عالم تھا، ملیشیا مین اس کا مشن ابو اسحاق کے مسلک کی تبلیغ تھی، جو ایک کتاب دار المنظوم مین درج ہے، وہ ۱۴۵۰ء مین سولو پہنچا، اور وہان مسجدین بنوائین، اور مذہب و شریعت کا درس دیتا رہا، یہان اسلام کی ایسی بنیاد رکھی، جو آجتک ویسی ہی مستحکم ہے، راجہ بے گندا کے کوئی نرینہ نہ تھی، اس لئے وہی وہان کا حکمران ہوگیا، وہ یہان اپنے نام کے بجائے السلطان الہاشمی کے لقب سے مشہور ہے، سولو کا شاہی خاندان اپنا سلسلۂ نسب راجہ بے گندا کی لڑکی پاسولی اور ابو بکر سے ملاتا ہے، اسلام کا یہ مبلغ ۱۴۸۰ء مین راہی ملک بقا ہوا، جو سلطنت اس نے قائم کی تھی، اسکی قوت لوزن اور جنوبی دریا ئے چین تک محسوس کی جاتی تھی، اور اس کی تجارت چین اور جاپان سے لیکر ملکا، سماترا اور جاوا تک پھیلی ہوئی تھی، آخر مین اسپین اور پرتگال اس تجارت کے حریف بن گئے،

یہ تاریخ کا عجیب واقعہ ہے کہ چند آدمی اسلام کا جھنڈا لیکر آتے ہین، اور سارے جزیرہ پر چھا جاتے ہین، انکی بہادری اور ہمت کے نہ صرف ان کے پرانے دشمن اسپینی بلکہ امریکن بھی قائل ہین، ساری دنیا کے جہازران جو سلیبس، سولو اور جنوبی دریا ئے چین مین داخل ہونا چاہتے، ان سے واقف اور خوفزدہ تھے، یہ اسپینی اور امریکن سپاہیون کی بہادری نہ تھی جس نے سولو منانڈلکے جزائر کی بادشاہت چھین لی، بلکہ موجودہ انجن کے جہاز اور بندوق کی ایجادات تھین جس نے انھیں بے بس کر دیا، اگرچہ اب مورو کی تساہلی ضرب المثل ہوگئی ہے، لیکن اب بھی عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اس کیلئے جان دیدینا انکی خصوصیت ہے،

فلپائن کے مورو کئی حصون مین بٹے ہوئے ہین، ان مین سب سے زیادہ مشہور سولو ہین جس کو مورو کی زبان مین تاؤسوگس کہتے ہین، سولو کا سلطان تنہا مسلمان شاہزادہ

جو امریکہ کے ماتحت ہے، ان کی زبان تاؤسوگس ملایا کی زبان ہے، یہ زبان جنوبی بورنیو مین برنے سے لیکر زمبوانگا کے مشرقی کنارون تک سمجھی جاتی ہے، اس زبان میں اگرچہ چینی اور دوسرے عنصر بھی ہین لیکن سنسکرت اور عربی کے الفاظ ان مین بہت زیادہ ہین، گو مورو قوم کی تہذیب کا سلسلہ ہندو دور سے ملتا ہے، لیکن اب ان پر اسلامی رنگ بہت گہرا ہے، یہ بھی دوسرے جزیرہ کے مورو کی طرح شافعی مسلمان ہین،

سولو کے جزیرہ کے کنارے اور زمبوانگا کے جزیرہ نما سے ملحق تاؤسوگس کے ساتھ ایک قوم ساما ل بھی ہے، یہ ملایون کا آخری قافلہ تھا، جو جوہور سے ہجرت کرکے آیا تھا، ان کی دو شاخین ہین، ایک دلدلون کے پاس مکانون مین سکونت رکھتے ہین، اور دوسرے باجاؤن یا دریائی خانہ بدوش جو کشتیون پر رہتے ہین، یہی لوگ دریاے سولو اور سلیبس کے ملاح تھے، جو تاؤسوگس کے ساتھ چین اور ملکا کے ساحلون پر حملہ مین جہازرانی کی خدمت پر مامور تھے، آج بھی وہ دنیا مین جہازرانی کے سب سے زیادہ شائق ہین، ساما لی تاؤسوگس سمجھتے ہین لیکن آپس مین ایک خاص زبان بولتے ہین،

تیسرا حصہ جنوبی منڈاناؤ کی بلندیون پر لاناؤ جھیل کے چارون طرف مورو کی خلیج سے لیکر دریاے منڈاناؤ تک پھیلا ہوا ہے، یہ لوگ ماراناؤ کہلاتے ہین، اور دوسری زبان بولتے ہین، یہان ملے قوم اور قدیم نسلون کا گہرا امتزاج معلوم ہوتا ہے، مورو کے دوسرے جزیرون کی بہ نسبت یہان سماترا کے فنون اور طرز تعمیر زیادہ نمایان ہین، ان کے لباس، مکانات اور مسجدین منگکابو کی طرح ہین، اسپینی کبھی ان پر فتح حاصل نہ کر سکے، اور امریکن بھی بڑے طویل اور مسلسل محاصرہ کے بعد کامیاب ہوئے، یہ حد سے زیادہ غیور ہین، انھین غیر ملکیون کی موجودگی کے باوجود کوئی پریشانی نہین ہوتی، یہ لوگ ہر سال دوسرے جزیرون کے باشندون کے ساتھ بڑی تعداد مین ایک ساتھ حج کے لئے جاتے ہین،

لاناؤ کے جنوب مین، بوگر نیڈ کی زرخیز وادیون مین مے گنداناؤ مورو رہتے ہین ہین ۱۵۲۳ء مین مشہور اسپینی باربوسہ اور اوس کے بنیتیس ساتھی قتل کئے گئے تھے، مے گنداناؤ مین نے عنصر کم ہے، اور نیچے طبقون مین مقامی رنگ بہت گہرا ہے، ان کی مستقل اپنی زبان ہے، اگرچہ مارناؤ سے کچھ ملتی ہوئی ہے، یے گنداناؤ کے باشندے مسلمانون کے لئے پیتل کے ہتھیار بنایا کرتے تھے، ان کا مرکز کوٹاباٹو تھا، اور یہیں کی لنٹا کا نامی ایک چھوٹی سی پیتل کی توپ بہت مشہور تھی جسے کشتیون پر رکھکر اس کے ذریعہ پرسکون سمندر مین طوفان بپا کر دیتے تھے،

جزیرہ منداناؤ کے اور جنوب مین دواؤ کے قریب سرنگانی خلیج کے پاس ان کی کچھ آبادی ہے جن کو سنگل مورو کہتے ہین، یہ لوگ بوگس مورو کی ایک شاخ ہین، اور سلیبس سے یہان ہجرت کرکے آئے تھے، بوگس مورو کے متعلق خیال ہے، کہ وہ ۱۴۹۵ء مین اسلام قبول کر چکے تھے، یہ فلپائن کے آخری بچے ہوے ملایا تھے جنھون نے اسلام قبول کر لیا، یہ بہت ہی بہادر، دلیر اور خوفناک ہین،

بسائین کے جزیرون مین بھی کچھ مورو رہتے ہین، جو یاکان کہلاتے ہین، ان کا چہرہ مہرہ اور لباس دوسرے مورو سے بہت ممتاز ہے،

انکا آخری حصہ جن کی تعداد بہت کم ہے پلوان کے جزیرون مین رہتا ہے، اور یہ پلوان مورو کہلاتے ہین، اور اپنی خاص زبان بولتے ہین، ان مین آس پاس کے علاقون کے عنصر کی آمیزش کا پتہ چلتا ہے، جزیرون کے تین چوتھائی سے زیادہ مورو تاؤسوگس، سمال، مارناؤ اور مے گنداناؤ کے علاقون مین رہتے ہین، اور باقی حصہ سنگل، یاکان اور پلوان کے علاقون مین آباد ہے، ۱۹۱۸ء کی مردم شماری مین انکی تعداد ۲۴۲۰۳ تھی، اب تو اور بھی زیادہ ہو گئی ہوگی،

اتنی قلیل مدت مین فلپائن مین اسپینیون کی کامیابی قابل غور ہے ایک یہودی مصنف نے

اسکی وجہ یہ بتائی ہو کہ وہان کے باشندے غیر مہذب تھے اور کسی نے اسکا سبب مذہب کو بتایا ہو لیکن یہ دونوں سبب صحیح نہین ہین۔

نہر سویز کی تعمیر اور اہل یورپ کے مشرق مین پہونچنے سے پہلے بحیرۂ ہند مین ایک اقتصادی جنگ ہوتی تھی جسمین عرب ہر جگہ کامیاب ہو چکے تھے، یہ وہ زمانہ تھا، جب پرتگالی راس امید کا چکر کاٹ کر مشرق مین پہنچ چکے تھے، اور عرب اور ایرانی تجار اپنے پیشرو ہندوؤن کے بتائے ہوے راستون سے گرم مسالے کی تجارت پر قابض ہو چکے تھے، اور اس میدان مین انکا کوئی حریف باقی نہ رہا تھا، تجارت کیساتھ ساتھ وہ مذہب کو بھی اپنے سینہ سے لگائے ہوے تھے، اور اسی زمانہ مین اسلام نہایت خاموشی سے مرکزی افریقہ کے اندر گھستا ہوا چلا جا رہا تھا، مسلمان تاجر مبلغ بھی تھے، اور اسطرح تجارت ہی کے وسیلہ سے اسلام ملے پر بھی چھا گیا، جہان تلوار کی مطلق ضرورت نہ ہوئی،

سولہوین صدی کے اوائل مین گرم مسالہ کی تجارت میں مسلمانوں نے بڑی ترقی کی سنگاپور کے شمال ملکا مین انکا مرکز تھا، اور یہ زمانہ ملکا کی تاریخ کا زرین عہد تھا، اسی وقت سے اس سونے کی کان پر پرتگالیوں کی حریصانہ نگاہین پڑنے لگین، چنانچہ ۱۵۰۹ء مین ڈیوگو لوپز ڈی سیقرا (Diogo Lopez de Sequeira) کی فتح کے لئے بھیجا گیا، یہ مہم پہلے کوچین پہنچی اور یہان مشہور پرتگالی الفانسو البوکرک سے کچھ مزید فوجین لیکر جسمین ایک شخص فرڈی نند میگلین بھی تھا، ملکا پہنچی لیکن ناکام رہی، اور سیقرا کو یورپ واپس جانا پڑا، دو سال بعد دوسری مہم ڈیوگو مونڈز ڈی واسکونسلوس (Diogo Mendez Vasconcellos) کی سرکردگی مین گئی، میگلین بھی ساتھ تھا، کوچین سے اسکے ساتھ مشہور تجربہ کار وایسرائے البوکرک افسر کل کی حیثیت سے شامل ہو گیا، ۱۵۱۱ء مین بڑی خونریز لڑائی کے بعد ملکا مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن گیا، اس کارنامہ کے صلہ مین میگلین کو کپتان بنا دیا گیا، مشرق کے اس تجارتی مرکز پر قبضہ کرنے کے بعد پرتگالی فاتح ہو گئے تھے لیکن البوکرک نے گرم مسالہ کیلئے جزائر کی تلاش مین کو ایک جہاز پر مولوکس بھیجا تھا، اور اسی سلسلہ مین مولوکس تک جزفلپائن کے مشرق مین انکا اثر پہنچ گیا،

اخبارِ علمیہ

مصر کی آبادی

مصر کی پہلی مردم شماری ۱۸۸۲ء میں ہوئی تھی، اس وقت کل آبادی ۶،۸۰۴،۰۲۱ تھی، پندرہ برس کے بعد ۱۸۹۷ء میں دوسری مردم شماری کے وقت ۹،۷۱۴،۵۲۵ تعداد ہوگئی، اس کے بعد دس سالہ مردم شماری کے نتائج یہ ہیں:

۱۹۰۷ء = ۱۱،۲۸۷،۳۵۹ ، ۱۹۱۷ء = ۱۲،۷۵۰،۹۱۸ ، ۱۹۳۷ء = ۸۷۳۴۱۹،۱ اور

پندرہ ملین،!

قوم و مذہب کے اعتبار سے آبادی | مسلمان ۷۳،۱۹،۱۰ = قبطی آرتھوڈکس ۳۸،۶۰۱۰ دوسری مسیحی جماعتیں ۹۳،۰۱٪ اسرائیلی ۴،٪

اہلِ حرفہ کی آبادی | (۱) وہ کاشتکار جو خود اپنی زمین کے مالک ہیں، ۵۵۹۵۹،۵۸ (۲) وہ کاشتکار جو زمین کو لگان پر لیتے ہیں، ۱۹۲،۲۶۲ (۳) مزدور پیشہ ۳۲۳،۱۴،۱۱ (۴) چرواہے چڑیوں اور جانوروں کے پالنے والے ۸۰،۴۴۷ (۵) باورچی ۴۷،۲۲۴ (۶) بڑھئی ۵۸،۵۱۵ (۷) کپڑا بننے والے ۵۷،۸۱ (۸) سوت کاتنے والے ۴۹۲،۴۱ (۹) جوتا بنانے والے ۲۶،۵۰۷ (۱۰) حجام ۴۲،۰۶۷ (۱۱) بہشتی ۱۳،۱۸۶ (۱۲) معمار ۲۹،۶۸۱ (۱۳) لوہار ۱۴،۶۸۶ (۱۴) قصاب وغیرہ ۶۹،۱۸ (۱۵) ٹرین، موٹر اور ٹرین چلانے والے ۱۶۳۱۰ (۱۶) گاڑیبان ۵۹،۱۶۴

(۱۷) بحری کام کرنے والے ۱۶۱،۳۴۴ (۱۸) تاجر ۲۶۰،۹۲۸،

(۱) علماے دین ۱۱،۵۱۰،۶ (۲) طبیب ۳۳،۳۷ (۳) انجینیر ۳،۱۱۶ (۴) انسپکٹر مدارس وغیرہ

۲،۸۹۵ (۵) اساتذہ ۲۰،۲۱۶ (۶) طلبہ ۶۱۹،۶۸۶،

آخری مردم شماری مین غیر مصریون کی تعداد حسب ذیل تھی،

(۱) یونانی ۶۹،۹۰۰ (۲) اطالوی ۵۰،۹۵۴ (۳) برطانوی ۳۱،۸۰۷ (۴) فرانسیسی ۱۹،۱۲۰

(۵) ترک ۳،۳۴۸، "ا-ن"

فضائی فوٹوگرافی

فضائی فوٹوگرافی کا فن گذشتہ جنگ مین وجود مین آچکا تھا، اور زمانہ کی روزافزون ترقی کے ساتھ اب یہ فن بہت ترقی کر گیا ہے لیکن جدید توپون کی دور رس ضربنے اس فن کی راہ مین دشواریان بھی پیدا کر دی ہین، چنانچہ بغیر خطرہ کے کم از کم بیس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتے ہوئے ہوائی جہاز سے فوٹو لیا جا سکتا ہے، اس بلندی اور دوری کی وجہ سے بڑے اور متعدد کیمرون کا استعمال ناگزیر ہو گیا ہے، البتہ رات کی تاریکی مین چار ہزار فٹ کی بلندی سے فوٹو لیا جا سکتا ہے، رات مین مخصوص شیشے استعمال کئے جاتے ہین، اس مین دشواری یہ ہے کہ سرچ لائٹ چھٹنے والے گولے اور آتشین گولیون کی بوچھار سے بعض وقت کیمرہ ناکامیاب رہتا ہے، اس کا استعمال ایک مستقل لیکن آسان فن ہے، جو فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے، فضائی فوٹوگرافی کی گولہ باری اور اس کے اثرات و نتائج معلوم کرنا آسان ہو گیا ہے، اس سے دشمن کی نقل و حرکت کی صحیح تصویر لی جا سکتی ہے، گرنے کے بعد پھٹ کر روشن ہونے والے بمون کی روشنی [illegible]

استعمال کیجاتی ہے، اور زیادہ استعمال سے اس مین کوئی خرابی نہین پیدا ہوتی، اس کے پرزے کیل دبانے سے خود بخود کام کرنے لگتے ہین کیمرہ کی مشین کو فضائی سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے گرمی کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے، اسکی مدد سے صحیح بمباری آسان ہوجاتی ہے، فضائی فوٹوگرافی کا فن مخصوص تعلیم کا محتاج ہے، اس فن مین کامیابی کا معیار جلد فوٹو لینا اور اسکو تیار کرنا ہے، فوٹو کی صحت و خوبی پر جنگی معلومات کے حصول کا دارومدار ہوتا ہے، اور اسی پر جنگین بمباری موقوف ہے،

فضائی ریل

شہر گلاسو کے شور و ہنگامہ سے دور پہاڑون کے دامن مین ایک چھوٹے سے قصبہ کے قریب رسل و رسائل کا ایک عجیب و غریب ذریعہ نظر آتا ہے، معمولی ریلوے لائن کے اوپر کافی بلندی پر فولاد کی شہتیرون کا ایک مسلسل ڈھانچہ ہے، فضا مین ایک چھوٹا سا اسٹیشن قائم ہے، اور سگرٹ کی شکل کی ایک حیرت انگیز گاڑی معلق نظر آتی ہے، اس گاڑی کے دونون سرون پر چار چار دستون کے دو پنکھے لگے ہوتے ہین، انہی پنکھون کے زور سے شہتیر سے معلق لیکن بالکل محفوظ اور ایک سو بیس فی گھنٹہ کی رفتار سے یہ گاڑی رواں دواں نظر آتی ہے، یہ گاڑی نہایت تیز رفتار اور ہر قسم کے جھٹکے اور خطرہ سے محفوظ ہے، اس کا اندرونی حصہ گویا ایک نہایت آراستہ اور فضا مین تیرتا اور دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم ہے، اس لائن کی تعمیر مین چالیس سے ساٹھ ہزار پونڈ فی میل صرف آتا ہے،

افریقہ کی شکاری چڑیا

افریقہ مین سکرٹری برڈ نامی ایک عجیب و غریب چڑیا ہے جس کی سب سے مرغوب غذا سانپ ہے

عجب نہیں کہ گرم ممالک کی حکومتیں اس چڑیا کو اپنے ملکون مین لیجا کر اس کی نسل پھیلائین، اور زہریلے سانپون کی تباہ کاریون سے انسان کو نجات دلائین، یہ چڑیا عقاب سے بہت مشابہ ہے، اسکے سر پر ذرا پیچھے پرون کی کلغی ہوتی ہے، اور اس کے پاؤن سیدھے ہوتے ہین، افریقہ مین اس کا پھنسانا یا مارنا قانوناً ممنوع ہے،

کوکابرّا

آسٹریلیا میں کوکابرا نامی ایک مشہور اور محبوب چڑیا ہے، اس کو سٹدرس کلاک بھی کہتے ہین، یہ چڑیا صبح وشام بڑی ترنم اور پرکیف آواز سے کوکتی ہے، صبح کو دن کے خیر مقدم اور شام کو اس کی رخصت کرنے ہین، اس جنس کی تمام چڑیان اس کی ہمنوائی کرتی ہین، آسٹریلیا کے لوگ اس چڑیا کی بڑی حفاظت کرتے ہین، وہ زہریلے سانپون اور چھپکلیوں کا بڑے شوق سے شکار کرتی ہے،

چھینک سے بیماریان

جب ہم چھینکتے ہین تو منہ اور ناک کے انجرات اور ذرات ایک منٹ مین دو میل کی رفتار سے فضا میں منتشر ہوتے ہین، پروفیسر مارشل جینی سن امریکہ نے ان پھیلے ہوئے انجرات کی تصویرین لی ہین، ان مین مختلف قسم کے جراثیم پائے گئے، پروفیسر موصوف کا خیال ہے، کہ تنفس کے امراض کا ایک سبب چھینک کے یہ جراثیم بھی ہوتے ہین،

"ن ص"

ادبیات

شورِ نشور

از

جناب نشور واحدی

رنگ یہان بہت مگر رنگ سی کام بھی نہین
تیری یہ بزم آب و گل دل کا مقام بھی نہین

بس! کہ کہین نہ جاگ اُٹھیں سوئی ہوئی قیامتین
یہ تو خرامِ حشر ہے، حشرِ خرام بھی نہین

ذوقِ گناہ دمبدم شوقِ شباب نو بہ نو
عمر تمام ہو تو ہو لطف تمام بھی نہین

حُسن تمام گفتگو عشق تمام خامشی
رفعِ شکوک بھی نہین قطعِ کلام بھی نہین

جلوۂ حُسن مضطرب، نورِ نگاہ بے قرار
آنکھ کہان ٹھہر سکے، حسن مقام بھی نہین

قربِ جمالِ اولین، شرمِ وصال بے پناہ
ہائے ری منزلِ شباب ہوشِ سلام بھی نہین

جب بھی ہو مجھکو ہوشِ مے، بس ہے وہی مری سحر
رند کی صبح بھی نہین مست کی شام بھی نہین

سجدہ کہان! رکوع کیا! میری نمازِ کیف مین
ساقیِ مست کی قسم ہوشِ امام بھی نہین

مے سے اگر گریز ہے، سجدہ تو خُم کو کیجیے،
بادہ حرام ہو تو ہو سجدہ حرام بھی نہین

میری نصیحتین فضول میری ملامتین عبث
رند ہون پختہ کار ہون میکشِ خام بھی نہین

آپ کی زندگی نشور آپ کی شاعری نشور
حُسن! تمام حُسن! ہے صوت و کلام بھی نہین،

حشرِ جذبات

از

جناب ثاقب کانپوری

اگرچہ جلوہ ترا خوگرِ حجاب نہین، مگر یہ میری نظر ہے جو کامیاب نہین
رہین ضبط و سکون میرا اضطراب نہین کہ تیرا عہدِ تمنا خیال و خواب نہین
تو اپنے عشق میں اتنا تو جذب پیدا کر کہ جلوہ خود ہی پکار ے کوئی حجاب نہین
رہیگی حسرتِ نظارہ عمر بھر تجھ کو تری نظر کو خود اندازۂ حجاب نہین
امید تجھ سے ہو کیا اے فریبِ نمود مری نگاہ ابھی تک تو کامیاب نہین
نہین ہے اب مرا دل شکوہ سنجِ مستوری کہ دیکھتا ہون جہانتک کوئی حجاب نہین
گزر گئی ہین تری بے نیازیاں حد سے کہ میرا گریۂ شب تک بھی مستجاب نہین
فریبِ حُسن ہے یا ہے سکون ہی مجھکو مین کہہ رہا ہون میرے دل کو اضطراب نہین
ادھر بھی کاش ہو تیری نگاہِ لطف نواز کہ میرے شوق کی دنیا مین انقلاب نہین
وہ مراد مین جس نے کہ جان تک دیدی تو اوس کو کس لئے کہتا ہو کامیاب نہین

عجیب عشق کی مجبوریان ہین اے ثاقبؔ
وہ سامنے ہین مگر دیکھنے کی تاب نہین،

غزل

از جناب حسرت ترمذی بی اے ایل ایل بی

جمالِ یار اگر بے نقاب ہو جاتا جہانِ عشق مین اک انقلاب ہو جاتا

وہ بے حجاب جو ہوتا تو فرطِ حیرت سے ہر ایک تارِ نظر اک حجاب ہو جاتا
شعاعِ حسن میں اک کاش یہ کشش ہوتی فنائے بحرِ تجلی حباب ہو جاتا
ترے جمال کا دیدار سخت مشکل تھا نہ یہ کہ تیرا تصور بھی خواب ہو جاتا
ترے کرم کی بھی ہم کو نہ آرزو رہتی ستم ہی کاش ترا کامیاب ہو جاتا
سکونِ قلب کی تم پر حقیقتیں کھلتیں جو میرا نالۂ دل کامیاب ہو جاتا
مزاجِ عشق کی وحشت پسندیوں کی قسم سکونِ دل سببِ اضطراب ہو جاتا
یقینِ مرگ سے کچھ ہمتیں بڑھیں ورنہ ترے فراق میں جینا عذاب ہو جاتا

جفائے حسن کا حسرت اگر حساب نہ تھا
وفائے عشق کا کیوں کر حساب ہو جاتا

غزل

از جناب محمد علی خان صاحب اثر رامپوری

ساقیا دور میں اب لاعوضِ جام کچھ اور کہہ رہی ہے روشِ گردشِ ایام کچھ اور
یاد پھر آئی ہیں آغازِ جنوں کی راتیں اور پیچھے کو پلٹ گردشِ ایام کچھ اور
حُسن کا مرتبہ حیرت نے سمجھنے نہ دیا جتنا دیکھا انھیں بڑھتا گیا ابہام کچھ اور
حُسن پر قیدِ تعین سے اُدھر حرف آیا اور ادھر حدِ نظر نے کیا بدنام کچھ اور
اک سے تکمیلِ نظر ایک سے توہینِ نظر حُسن در پردہ جدا حسن سرِ بام کچھ اور
جو نہ دیکھا نہ سنا تھا وہ سنا اور دیکھا جو نہ ہونا تھا ہوا اے دلِ ناکام کچھ اور

ان کے وعدے ہی بدلتے نہیں دن رات اثر
حالِ عالم یہ ہے، صبح ہے کچھ شام کچھ اور

سرشاہ سلیمان مرحوم کا خط مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

جناب مکرم۔ السلام علیکم۔

مخدوما یار محمود ن

قانون مسعودی کو صحیح طور پر وہ سمجھ سکتا ہے جس نے
ریاضی ہو۔ ایسے لوگ عربی سے ناواقف ہوتے ہیں او
اچھے طور پر نہیں جانتے۔ اردو میں ترجمہ ہو جانے سے آ
اسے واقف ہو جائینگے اور اسکا مفید حصہ مغربی
سامنے پیش کرینگے۔ افسوس ہے کہ محض عربی دان اس
نہیں کرسکتے۔ محض عربی متن کے شائع ہو جانے سے ک
اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہو تو کتاب کارآمد ہوگی۔
اصل عربی و فارسی ٹکسٹ شائع ہو جائے تو بڑا کام ہے
کہ فارسی ٹکسٹ کہاں دستیاب ہو سکتی ہے اور کس کے

والسلام

جوبلی لاج
نینی تال

شاہ محمد

۳۰ جون (سنہ ۱۹۴۰ء)

مطبوعات جدیدہ

افتتاح الاندلس مترجمہ جناب محمد جمیل الرحمن صاحب ایم اے، پروفیسر جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۶۴ صفحے کاغذ سپید، ٹائپ اچھا، **قیمت**:- عہ

پتہ:- کتابستان الہ آباد،

اسلامی اندلس کی تاریخ میں ابوبکر محمد بن عمر المعروف بہ ابن القوطیہ اشبیلی المتو[فی] کا رسالہ "تاریخ افتتاح الاندلس" نہایت قدیم اور مستند ماخذ ہے، اسلامی اندلس کا کوئی [مورخ] اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، یہ رسالہ عرصہ ہوا یورپ میں فرانسیسی اور اسپینی ترجمہ کے ساتھ [شائع] ہوچکا ہے، پروفیسر جمیل الرحمن صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ فاضل [مترجم] کے قلم سے فتح اندلس کی تاریخ پر نہایت مفید مقدمہ اور اصل رسالہ پر بیش قیمت اور بسیط حواشی ہیں، مقدمہ بجائے خود فتح اندلس کی مختصر تاریخ ہے، حواشی میں دوسرے مورخین کے بیانات سے افتتاح الاندلس کے اجمال کی تفصیل اور جزوی اختلافات کی تشریح ہے، اس [سے] اندلس کے مختلف پہلوؤں پر دوسری مورخین کے بیانات بھی سامنے آجاتے ہیں، لائق [مترجم] نے بڑی تلاش اور کاوش سے یہ حواشی لکھے ہیں، اور اکثر موجود ماخذوں سے استفادہ کیا [ہے] اس کتاب کے ترجمہ سے اردو زبان میں اسلامی اندلس کے متعلق ایک مفید کتاب کا اضافہ [ہوا]

فنِ تقریر شائع کردہ ادارۂ ادبیات اردو تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ:- سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن

تقریر و خطابت گو ایک فطری ملکہ ہو تاہم اس مین اکتساب کو بڑا دخل ہے، اور مشق و ممارست
ایک غیر فطری مقرر بھی مقرر بن سکتا ہے، دوسرے فنون کی طرح فنِ تقریر کے بھی کچھ اصول و
قواعد اور لوازم و شرائط ہین، ترقی یافتہ زبانون مین اس فن پر کتابین ہین لیکن اردو مین
اس موضوع پر غالبًا کوئی مستقل کتاب نہین ہے، آج سے پچاس سال پیشتر کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ
کیا گیا تھا جو اب نایاب ہے، اور اسکی زبان بھی بہت پُرانی ہے، ادارۂ ادبیاتِ اردو نے اسکی زبان
کی اصلاح اور بعض ضروری اضافے کرکے اوس کو دوبارہ شائع کیا ہے، کتاب کے دیباچہ مین فنِ
تقریر کی اہمیت اور قدیم ترقی یافتہ قومون اور ملکون، یونان، روما، اسلامی عہد، انگلستان،
فرانس اور ہندوستان مین تقریر کی تاریخ پر مختصر تبصرہ ہے، اصل کتاب مین مقرر کے فطری
و وہبی اوصاف اور اکتسابی کمالات اور تقریر کے جملہ عناصر و اجزا اصول و قواعد اور لوازم
و شرائط کی پوری تفصیل ہے، نو آموز مقررین کے لئے یہ رسالہ مفید ہے،

نئی پود از جناب ازہر قدوائی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت
بہتر قیمت عہ، شرکتِ ادبیہ دہلی،

یہ کتاب مؤلف کے اٹھارہ افسانون کا مجموعہ ہے، اس مین نئی پود کے نقطۂ نظر سے قدیم
مشرقی نظام، پرانی روایات و رسوم اور نئے خیالات و رجحانات کی مصوری کی گئی ہے، اور
ہماری معاشرت کے بعض قابلِ اصلاح پہلوؤن کو دکھایا گیا ہے، "زمینداری" "ابن رئیس" "اگلے وقتون
کے نایہ لوگ" "دادی امان" "موت" اور "نئی پود" مین قدیم تہذیب و معاشرت اور پرانی روایات کی
سچی تصویر ہے، اصلاحی افسانون مین "شادی" اور "بیوہ" "سبق آموز ہین"، "سامراج پور مین خیرات
ڈالس" اور "لیڈر" مین اُمرا و حکام کے حصولِ خیرات کے متمدن طریقے اور معمولی درجہ کے لیڈرون
کے جلسے اور جلوس کا نہایت دلچسپ خاکہ ہے، یہ مجموعہ لطفِ بیان اور جزئیات کی مصوری

کے اعتبار سے بہت کامیاب ہے،

جاہ و جلال مترجمہ جناب صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم، ایم اے، لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ/ پتہ:- غالباً مصنف سے ملے گی،

کیرل چیپک ایک مشہور چیک ڈرامہ نگار ہے، دنیا کی مختلف زبانون مین اس کے ڈرامو کے ترجمے ہو چکے ہین، اردو مین بھی اس سے پہلے بعض ڈرامون کا ترجمہ ہوا، جناب تبسم نے اس کے ا تازہ ترین ڈرامے "پاورا اینڈ گلوری" کا جاہ و جلال کے نام سے ترجمہ کیا ہے، اس مین متمدن د کے غربا کی زبون حالی، حکومتون کے جنونِ جنگ، ان کے اندھے مقلد عوام کی بے بصری، ا امن پسند مصلحین کے مساعی کی بے اثری کو نہایت موثر طریقہ سے دکھایا گیا ہے، یہ ڈراما یورپ کے اکابر ک خودغرضی، جاہ پسندی اور ان کے جنونِ جنگ کا بہت کامیاب مرقع ہے،

صہبائے ہند، از جناب نشور واحدی، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ و کتابت و طباعت، بہتر، قیمت:- مجلد عار، غیر مجلد عہ، پتہ:- منیجر نامی پریس کانپور،

یہ کتاب جناب نشور واحدی کے کلام کا مجموعہ ہے، نوجوان شعرا مین مصنف کا نام او کلام تعارف کا محتاج نہین ہے، وہ فطری اور صاحبِ فکر شاعر ہین، ان کا کلام جدت و قدا کے معتدل امتزاج کا اچھا نمونہ ہے، قدیم محاسنِ شاعری کا دامن بھی ان کے ہاتھون سے چھوٹنے نہین پایا ہے، اور حال و مستقبل کے تقاضون سے بھی وہ غافل نہین ہین، چنانچہ ان کی شا مین تغزل کا زمزمہ بھی ہے، صوفیانہ عرفان و حقائق بھی ہین، ملک و قوم کے لئے پیام زندگی بھ ہے، اور مذہب و ملت کا درس بھی، غرض اس مین تمام نئے اور پرانے ضروری عناصر موجود ہین، غز

خیالات کی رنگینی، جذبات کی سرمستی، اور ندرتِ خیال کا نمونہ ہین، جوش و سرمستی کے اعتبار سے بعض بعض غزلین بادۂ سرجوش کا حکم رکھتی ہین، عارفانہ اور قومی و ملی شاعری کے کم پہلو چھوٹنے پائے ہین، نئے شعرا مین یہ خصوصیت کم کسی دوسرے کے کلام مین ملے گی، غزلون کی زبان نہایت شستہ ہے لیکن نظمون مین چونکہ محدود زبان فکر و پیام کی بلندیون کا ساتھ نہین دے سکتی اسلئے کہین کہین پر زبان کے مقررہ حدود سے آگے بڑھنا پڑا ہے، کتاب کے شروع مین متعدد ارباب قلم کے تبصرے اور دیباچے ہین جن سے جناب نشور کی شاعری کی خصوصیات کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق صہبائے ہند سے لطف اندوز ہون گے،

یادگار نصیر، مرتبہ سید ظہیرالدین صاحب علوی ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، تقطیع اوسط ضخامت ۲۱۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ شروانی بک ڈپو شروانی پریس علی گڈھ،

محمد نصیرالدین صاحب علوی مرحوم مضافت علی گڈھ ہمارے جوار جونپور کے بڑے باذاق، خوش مزاج، یار باش، اور بذلہ سنج لوگون مین تھے، شعر و شاعری کا بڑا ستھرا ذوق رکھتے تھے، خود بھی خوش گو شاعر تھے، لیکن ان کی شاعری خود اپنے ذوق کی تسکین کے لئے تھی، اسلئے شاعر کی حیثیت سے انھون نے کوئی عام شہرت حاصل نہین کی، تاہم ان کی شاعری کے قدردانون کا حلقہ خاصہ وسیع تھا، ان کے بھائی سید ظہیرالدین صاحب علوی نے یادگار نصیر کے نام سے ان کے کلام کا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس کے شروع مین مرحوم کے احباب و مخلصین کے قلم سے ان کے حالات و سوانح ہین، یہ مجموعہ مرحوم کی ذہانت، طباعی، خوش مذاقی اور ذوقِ شعری کا نمونہ ہے، امید ہے کہ مرحوم کے قدردانون کے حلقہ مین اسکو پوری مقبولیت حاصل ہوگی،

اہلِ دل کی دل آویز باتین، مولفہ مولنا ابوالمآثر حبیب الرحمان صاحب اعظمی،

تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۳ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ، محمد ایوب صاحب اعظمی ناظم مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد شاہی مئو ضلع اعظم گڈھ،

اولیاے کرام کے ملفوظات وسوانح مین ان کے بہت سے موثر اور سبق آموز اخلاقی و مذہبی واقعات، عارفانہ حقائق اور حکیمانہ ملفوظات ملتے ہین لیکن عموماً کشف وکرامات کے مقابلہ مین ان پر نظر نہیں جاتی، مولینا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اس رسالہ مین حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظ فوائد الفواد اور اخبار الاخیار شاہ عبدالحق محدث دہلوی ؒ سے بہت سے اکابر صوفیہ علما، اور اہل اللہ کے اس قبیل کے واقعات و ملفوظات کو جمع کر دیا ہے، گو یہ رسالہ بہت مختصر ہے لیکن پڑھنے کے لائق ہے، اگر مولنا نے ذرا اور تفصیل سے کام لیا ہوتا، تو اس کا فائدہ اور زیادہ ہو جاتا۔

ارشادِ رسالت حصہ اول، از جناب ابو الامتیاز محمد رمضان صاحب تبسم قریشی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۵ار، غیر مجلد ۱۱ر، پتہ اسلامی دار الاشاعت محلہ اقبال گنج، گجرات، پنجاب،

مؤلف نے اس رسالہ مین اسلام، ایمان، جہاد، ماں باپ سے حسن سلوک، رشتہ دارون اور یتیمون سے اچھے سلوک، خوش اخلاقی اور امداد باہمی کے متعلق احادیث نبوی کا منظوم ترجمہ کیا ہے، حدیثین سب صحاح کی ہین، منظوم ترجمہ مین الفاظ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ بہت مشکل ہے، اس لئے حدیثون کا صرف مفہوم و منشا لے لیا گیا ہے، لیکن اس سہولت اور آزادی کے باوجود یہ نظمین بہت ناقص ہین، اور ادبی نقطۂ نظر سے مشکل سے ان پر شعر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، زبان نہایت خراب بلکہ غلط ہے شعری لطافت کا تو کہین نام نہین، اس منظوم ترجمے سے صاف وسلیس نثر کا ترجمہ بہتر ہوتا، تاہم اخلاقی سبق کی حیثیت سے بچون کے پڑھانے کیلئے یہ نظمین بری نہین ہین،

"م"

ندوستان کی قدیم | ہندوستان کی قدیم تاریخی
سلامی درسگاہیں | کتابوں میں مرتب طور
ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان
مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا
ہیں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم
نہایت تلاش وتحقیق کے بعد ہندوستان کی
یم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔
ں کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین
اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام
شائع کیا ہے، ضخامت ۲۴۳ صفحے، قیمت: ۱۲ر

تصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں
ھائی جاتی ہیں، ان کا لب ولہجہ دل آزاری اور
صب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان
ختلف قوموں میں تعصب اور بغض وعناد پیدا
جاتا ہے، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے
اریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض
لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے
اثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان
بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں
بلا تفریق مذہب وملت معلوم ہو جائیں،
امت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ ر
اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری
سوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے
اسکے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں
ری بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب
کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی
تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو
نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے
لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں
کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں
مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں،
قیمت: عہ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ
چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا
گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں
کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت
ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل
کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور
اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ر
از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلامی جلد اول، اس میں اسلامی
تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے
اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر
مختلف حیثیتوں سے نقد وتبصرہ ہے، مصنفہ:
مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت ۳ر

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن
رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے
حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے
اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ
ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۲۰۰ قیمت عہ

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے
رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج
وزوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں
عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل
حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے
زیادہ بسیط اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۰۰ قیمت عہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مبتدی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں یتیم بچوں کے دار الاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہلِ خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ ۱۲؍ ہے، لیکن ۲۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد قیمت ۲؍ فی نسخہ زائد ہوگی،

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ حکومتیں، جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابلِ ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن، نجع، زاد، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲؍

چینی مسلمان، ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، حجم ۲۴۲ قیمت: ۱۲؍

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

(مجلس مکاتب و مطبقات و دین دار فی سے چھاپ کر شائع کیا)

جلد [illegible] نمبر [illegible] — مئی ۱۹۳[illegible]ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، محققانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، قیمت: عہ ر و ۱۴۴ صفحے

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ر ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا، اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کیگئی ہے،

قیمت: للعہ ر ۲۸۰ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سعہ ر ۳۰۹ صفحے،

تاریخ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پر تقریبًا تین سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریبًا پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو، انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج اور مسلمانوں کے مصائب، اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ ر ۴۰۰ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانان صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل سوانح حیات ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ ر ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۷ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۱ء عدد ۵

مضامین

شذرات

افسوس کہ ۵، ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ کو ہماری جماعت کے ایک لائق فرد مولنا حاجی معین الدین صاحب ندوی صدر مدرس مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے تقریباً پچاس برس کی عمر میں وفات پائی، انھوں نے اپنی پوری تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی اور ۱۹۱۲ء میں درجۂ تکمیل سے فراغت پائی، ۱۹۱۴ء کے آخر میں دار المصنفین کے قیام پر وہ دار المصنفین کے رفیق منتخب ہوئے اور سلسلۂ سیر الصحابہ کی پہلی اور دوسری جلد خلفائے راشدین اور مہاجرین حصہ اول لکھی، ایک سال کے بعد یہاں سے کتبخانۂ ندوہ کی ترتیب کے لئے لکھنؤ گئے، اور اس کام سے ان کو ایسی دلچسپی ہوئی کہ بوہار امپیریل لائبریری کلکتہ میں ترتیبِ فہرست کے کام پر مقرر ہو گئے اور وہاں سے اورنٹیل لائبریری بانکی پور پٹنہ کی عربی کتابوں کی ترتیبِ فہرست کے کام پر لگائے گئے، اور کئی جلدیں بڑی قابلیت سے انگریزی میں مرتب کیں اور گورنمنٹ کی طرف سے چھپیں، اس جگہ کی تخفیف ہونے پر دائرۃ المعارف حیدرآباد میں قدیم ہندوستانی تاریخی مقامات کا ایک جغرافیہ عربی زبان میں ترتیب دیا جو دائرہ کی طرف سے چھپا ہے، یہاں سے نکل کر وہ چند روز رامپور کی سرکاری لائبریری میں مقرر ہوئے اور آخر صوبہ بہار کی مشہور سرکاری عربی درسگاہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل مقرر ہوئے، اور اسی خدمت پر وفات پائی،

وہ نہایت خاموش طبیعت، ملنسار، متواضع اور نیک دل تھے، وطن صوبہ بہار کے دو مشہور

گاؤں گیلانی اصلاً استھاواں میں تھا، نوجوانی ہی میں جب وہ دارالعلوم میں پڑھتے تھے، حج سے مشرف ہوئے تھے، اسی لئے وہ ہماری جماعت میں حاجی صاحب کے نام سے ایسے مشہور و متعارف تھے کہ یہ ان کے اصلی نام کا جزو بن گیا تھا، انگریزی تعلیم صرف ندوہ میں چند ریڈروں تک پڑھی، مگر کام کرنے پر اپنی ذاتی محنت سے اتنی ترقی کی کہ انگریزی میں فہرست کی دو تین جلدیں ایسی لکھیں کہ اہلِ بصیرت نے بھی ان کی تعریف کی، اخیر زمانہ میں وہ کتبِ حدیث کا درس دیتے تھے، اور یہی ان کا آخری کارنامہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ فضل و کمال و اخلاق کو اپنی عطار و مغفرت سے سرفراز اور اس کی خدمتوں کو قبول فرمائے،

نظامِ اسلامی کی ترتیب کا جو کام شروع ہوا تھا وہ اب تک مختلف مفکرین سے خاکہ بنوانے اور سوالات مرتب کرانے کی منزل تک پہنچا ہے، اس سلسلہ میں جناب مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے اپنے خیالات لکھ کر بھیجے ہیں جن کی روشنی میں آیندہ کام کا نقشہ تیار ہوگا، یہ ایک اہم تعمیری نظام ہوگا جو کسی شخصی خیال کے بجائے ایک پوری مجلسِ مفکرینِ اسلام کی طرف سے پیش ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ،

مدیر نگار (دیا وش بخیر) نے اپنے پچھلے جاہلانہ اجتہادات پر پردہ ڈالنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ غیر معروف لوگوں سے (کہ خود اس میں تو اتنی قابلیت بھی شاید نہیں کہ صحیح و غلط میں تمیز کر سکے) ہماری کتابوں پر اعتراضات لکھوا کر ان کی تشہیر کرتا ہے، اور اس طرح اپنی اس مفروضہ نیکنامی کو جو علمی دنیا میں (؟) اسکو حاصل ہے قائم رکھنے کے لئے آخری جد و جہد میں معروف ہے، ہم کو اپنی غلطیوں کے ماننے میں اگر وہ صحیح ہیں تو کوئی پس و پیش نہیں، بلکہ ہم الٹے اس کے ممنون ہوں گے، لیکن اس حیلہ سے مدیر مذکور کا دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ ہم اسکے ہفوات کا جواب صرف شخصی اختلاف کی بنا پر لکھتے ہیں مضحکہ انگیز

طریق استدلال ہو، کہ بہر حال غلطی غلطی ہے، اور سرقہ سرقہ ہے،

ہم نے اس کے جاہلانہ ہفوات کی تردید میں اہل حق کے جن مضامین کی ترتیب کا خیال ظاہر کیا تھا اس کو بحمد اللہ امرتسر کے رسالہ البیان نے انجام دے دیا، معاصر موصوف نے تمام جوابات کو اپنے ایک خاص نمبر میں جمع کرکے مدیرِ نگار و لعگار کی خدمت مین نذر پیش کیا ہے، اس مجموعہ مین مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان، پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی ایم اے، مولوی محمد اویس نگرامی ندوی رفیق دار المصنفین، پرنسپل ڈاکٹر تاثیر ایم اے، ڈپٹی سید مقبول احمد صاحب بی اے، جناب عرشی صاحب اور جناب محمد اقبال سلمانی صاحب مدیرِ البیان وغیرہ کے مضامین جمع ہین، ناموں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک مشترک مقصد کی حمایت میں تمام مختلف الخیال مسلمان بحمد اللہ متحد ہین، یہان تک کہ وہ بھی جو کبھی نگار کے مضمون نگار تھے، سلمانی صاحب کا اول اور آخر مضمون خود مدیرِ نگار کے پڑھنے کے قابل ہے،

شخص مذکور کا فریبِ علم تو پوری طرح آشکارا ہو چکا، اب اس کی ادبی حیثیت کا فریب بھی عنقریب کھل جائے گا، اس کی سب سے مایۂ ناز ادبی تصنیف شہاب کی سرگذشت ہے، جس کی نسبت بانگ دہل آج یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مشہور انگریز افسانہ نویس آسکر وائلڈ کی کتاب ڈورین گرے کی تصویر زندگی (A PICTURE OF DORIAN GREY) کا سرقہ ہے، بلکہ کہین کہین "نقرئی آواز" وغیرہ اس کا لفظی اور بے معنی ترجمہ ہے!! اس اظہار جرم کے بعد مدیرِ نگار کے نزدیک سب سے بڑے ندوی (مدیر معارف) کی اخلاقی پستی" اب کتنی اور زیادہ پست نظر آنے لگے گی!!

مقالات

تدوینِ حدیث

از

جناب مولنا مناظر احسن گیلانی استاد دینیات جامعہ عثمانیہ

(۲)

۶- اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ صحابہ کو سناتے تھے یا کرکے دکھاتے تھے، اس کے متعلق صرف یہ حکم دے کر کہ تم بھی اس کو یاد رکھنا یا کرنا محض اسی پر کفایت نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس کی باضابطہ نگرانی فرماتے تھے، کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل کیجاتی ہے، مہماتِ شریعت اور اساسی امور کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کا کیا حال تھا، اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک معمولی بات یعنی ایک صحابی کو یہ بتاتے ہوئے کہ جب سونے لگو، تو یہ دعا پڑھکر سویا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانے کے بعد فرمایا کہ اچھا میں نے کیا کہا؟ اسے دہراؤ، صحابی نے آخری فقرہ آمنت[1] بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت میں نبیک کے لفظ کو رسولک کے لفظ سے بدل دیا جو تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں یعنی بجائے نبی کے "رسول" کا لفظ استعمال کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ایمان لایا میں اس کتاب پر جو تونے اتاری اور اس نبی پر جسے تونے بھیجا۔

نے اپنی زبانِ مبارک سے چونکہ نبیک کا لفظ ادا فرمایا تھا، حکم ہوا کہ مین نے یہ نہین کہا، وہی کہو جو مین نے بتایا، ظاہر ہے کہ قانونی طور پر سونے کی دعا کی حیثیت ان شرعی حقائق کی نہیں ہے جنھین فرض و واجب کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن باوجود اس کے ایک ایک لفظ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سخت نگرانی تھی، بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کے متعلق یہ دوامی عادت بیان کیجاتی ہے کہ انّہٗ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثاً[۱]۔ غالباً اس میں بھی زیادہ تر دخل اسی مقصد کو تھا، فعل کے متعلق مشہور حدیث ہے، کہ ایک صاحب حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے، حالانکہ نماز کے تمام ارکان یعنی قیام رکوع وسجود مین کوئی کمی نہین ہوئی تھی، صرف ذرا عجلت اور جلد بازی سے کام لے رہے تھے، نماز سے جب وہ فارغ ہوئے تو وہ یہ سن رہے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صَلِّ فانّک لم تُصلِّ (پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) ارشاد فرما رہے ہین، انھون نے پھر نماز دہرائی، لیکن اب بھی اس میں وہ وقار اور طمانیت نہین پیدا ہوئی تھی، جس سے صَلّوا کما رایتمونی اُصلّی (ٹھیک اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) کے حکم کی تعمیل ہوتی، الغرض تیسرے بار سمجھانے کے بعد انھون نے اپنی نماز جیسی کہ چاہئے ادا کی، نماز مین سکینت و اطمینان کی حیثیت اکثر فقہائے امصار کے نزدیک فرض و واجب کی نہیں ہی، لیکن جن لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی، اس کے ہر پہلو ظاہر و باطن اندر اور باہر کا مورخ بنانا چاہتے تھے، ان پر آپ ان معاملات کے متعلق بھی پوری نگرانی رکھتے تھے، کیا دنیا مین کوئی ایسی تاریخ بھی موجود ہے، جس نے اپنے مورخین کی، اور راویون کے بیان و ادا کی خود نگرانی کی ہو، اور ایسی سخت کڑی نگرانی، !

---

[۱] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے، تو اوس کو تین دفعہ دہراتے، ۱۲

تدوینِ حدیث کے سلسلہ مین جن امور کی تعبیر مین نے غیر معمولی خاص قدرتی عوامل سے کی
ہے، اور عام تاریخی سرمایہ سے تاریخ کے اس حصہ کے متعلق جن بنیادون پر مین امتیاز کا مدعی
ہون، اسکے ٹھوس اور خصوصی اسباب تو یہ تھے،

لیکن خصوصیتون کا یہ قصہ ان ہی پر ختم نہین ہو جاتا، جن بزرگون کے ہاتھون علم کے اس
حیرت انگیز ایوان کی تعمیر ہوئی، ابھی ان کی اور بھی چند باتین قابل لحاظ ہین، میرا مقصد یہ ہے کہ
ان تمام ذمہ داریون کے ساتھ جن کا ذکر آپ سُن چکے، قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیغمبرانہ دعوت جو شاعرانہ زبان مین نہیں، بلکہ فی الحقیقت مولینا حالی مرحوم کی اس بلیغ
تعبیر کی صحیح تصویر تھی،

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی | عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
اک آواز مین سوتی بستی جگادی | نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی

اس نے صحابہ کرام کی ذہنی قوتون اور عملی توانائیون میں نئی زندگی کی روح بھر کر ان مین
ایسی ہل چل پیدا کر دی تھی، کہ بقول گاڈفری ہنگس" عیسائی اس کو یاد رکھین تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیرؤون مین پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیرؤون
مین تلاش کرنا بے سود ہے"

اور مین تو کہتا ہون کہ عیسائی ہی نہین بلکہ دنیا کو چاہئے کہ یہ یاد رکھے کہ اس نشہ کی نظیر
نہ اس کے پہلے دیکھی گئی، اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے، عروہ بن مسعود ثقفی نے جو اس وقت
تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابہ کرام کے اس نشہ کی خبر کتنے
صحیح الفاظ مین دی تھی،

ای قوم واللہ لقد وفدت | لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہون کے دربا

على الملوك ووفدت على قيصر
وكسرى والنجاشي والله ان
رأيت ملكا قط يعظمه اصحابه
ما يعظم اصحاب محمد محمدا
والله ان تنخم نخامة الا وقعت
في كف رجل منهم فدلك
بها وجهه وجلده واذا امرهم
ابتدروا امره واذا
توضأ كادوا يقتتلون
على وضوءه واذا تكلم
خفضوا اصواتهم عنده
وما يحدون اليه النظر
تعظيما له،

(بخاری)

مین بھی باریابی کا موقعہ ملا ہے، قیصر
(روم) کسری (ایران) نجاشی (ابی سینیا)
کے سامنے حاضر ہوا ہون قسم خدا کی مین نے کسی
بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ اتنی
عظمت کرتے ہون جتنی عظمت محمدؐ کے
ساتھی محمدؐ کی کرتے ہین، قسم خدا کی جب
وہ بلغم تھوکتے ہین تو نہیں گرتا ہے
لیکن ان کے ساتھیون مین سے کسی
آدمی کے ہاتھ مین، پھر وہ اپنے چہرہ
اور اپنے بدن پر اسے مل لیتا ہے (محمدؐ)
جب کسی بات کا انھیں حکم دیتے ہین،
اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے
ہین، جب محمدؐ وضو کرتے ہین، تو اس
وقت ان کے وضو کے پانی پر آپس مین
الجھ پڑتے ہین، جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
بات کرتے ہین، تو ان کی آوازین پست
ہو جاتی ہین، محمدؐ کو نگاہ بھر کر ان کی عظمتؐ

عروہ بن مسعود ثقفی

یہ دوست کی نہین، بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس
جماعت کے نشہ کا یہ حال ہو، جو احکام و اوامر تو بڑی چیزین ہین، تھوک اور وضو کے غسالہ

ے کو اپنے اندر پیوست کرتے تھے، اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے مین گویا باہم الجھ پڑتے
ے، ایک ایک موے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ بخاری مین ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی
مین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ
وسلم کا ایک موے مبارک ہاتھ آگیا تھا، فرماتے،

لان تکون عندی شعرۃ منھا	میرے پاس کسی بال کا ہونا، اس
احب الی من الدنیا وما	سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا
فیھا،	مین ہے، وہ سب کچھ میرے یہان ہو۔

جن لوگون کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ اس قسم کا ہو، انھون نے آنحضرت
ٰ اللہ علیہ وسلم کی "زندگی" جس کے خدا کی طرف سے بھی وہ محافظ اور مبلغ قرار دئے گئے
، سوچنا چاہئے، کہ انہی لوگون نے اس "زندگی" کی نگہداشت مین کس اہتمام کس انہماک
توجہ سے کام لیا ہوگا، ایک ایک موے مبارک بھی جن کے نزدیک دنیا وما فیہا سے زیادہ
ب تھا، انہی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی غور کرنا چاہئے کہ
یت تھی، اب ایک طرف حضرات صحابۂ کرام کے ان جذباتی طوفانون کو اپنے سامنے
ئے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجئے، کہ جس عہد میں اس "تاریخ" کی حفاظت و اشاعت
ذمہ داری قدرت کی جانب سے انھین سپرد ہوئی تھی، اس زمانہ مین ان کے پاس کسی قسم کا
ماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا، عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے
نہین جانتا کہ اس حیرت انگیز مدہش اچانک دماغی بیداری کے زمانہ سے پہلے وہ اور
کا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلون سے مفلس تھا جن کا چرچا عموماً حضارت
ان کے ساتھ وابستہ ہے، اگرچہ مین اس کا تو قائل نہین، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے

کہ عرب کے ایام جاہلیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کی حالت ہندوستانی بھیلوں اور گونڈون کی تھی
صرف قریش بلکہ اور بھی دوسرے قبائل کے صحیح حالات سے جو واقف ہین، وہ ایک سکنڈ
یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہین ہو سکتے، بلکہ جیسا کہ عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئے گی
"جاہلیت" کا یہ ترجمہ کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، عربی زبان اور قرآن مجید جس مین یہ لفظ
پہلی دفعہ استعمال ہوا، اس کے عام محاورون کے خلاف ہے، عربون کی جہالت کا جو یہ مطلب
سمجھا ہے، وہ دراصل واقعات سے جاہل ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کے سلسلہ مین عرب
کا بھی اس زمانہ مین تقریبًا وہی حال تھا، جو عمومًا اس زمانہ مین اگر کامل متمدن ممالک نہیں،
نیم متمدن ممالک کا تھا یعنی جس طرح قدیم زمانہ مین تقریبًا ہر ملک اور قوم مین لکھنے پڑھنے
کا ایک خاص پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا، اور عام پبلک کو اس سے چندان تعلق نہین تھا، نہ اس
اتنی اہمیت تھی، کسی ملک مین پادریون، کسی مین موبدون، کسی مین برہمنون، الغرض اسی قسم کے
لوگون کے ساتھ یہ کام مخصوص تھا، اگر بالکلیہ نہین تو قریب قریب عرب کا بھی یہی حال
آئندہ یہ بتایا جائے گا، کہ عرب مین بھی ایک خاصی تعداد خواندون اور نویسندون کی تھی، نہ
مرد، بلکہ ایام جاہلیت مین بھی بعض لکھی پڑھی عورتین پائی جاتی تھین، شرفا ہی نہیں بلکہ غلامون
بھی ایسے افراد موجود تھے، مین اپنے اس دعوی کی تھوڑی بہت تفصیل آگے بھی کرون گا،
باایں ہمہ اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے، کہ معمولی نوشت وخواند جو چند گنے چنے لوگون تک محدود
تھی، اس سے آگے عربون کی ذہنی اور دماغی قوتون کے لئے اس زمانہ مین کوئی خاص ا[illegible]
خوراک موجود نہ تھی، اور تھوڑی بہت اگر کچھ تھی بھی، تو وہ بہت ادنی درجہ کی تھی، ان کا سب
سے بڑا دماغی مشغلہ شعر وشاعری کا تھا، یا باہم ایک دوسرے پر تفاخر کے لئے یا توہین کیلئے
وہ انساب کے علم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، اور بھی ابتدائی نوعیت کی کچھ فنی چیزین معدود

افراد کے پاس تھین، لیکن اسلام نے شریفانہ کردار کا جو معیار مقرر کیا تھا، اس میں گانے بجانے،
رقص و سرود، مے نوشی، مفاخرت یا مشاجرت وغیرہ کی کوئی گنجایش نہین رکھی تھی، ان کی خمری
و فخری فحش و مبالغہ والی شاعری کی بھی اس نے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی، ایک طرف عربون
کی ذہنی اور علمی بھوک کی وہ شدت، اور دوسرے طرف یونہی ان کے ملک کا دماغی مشغلون
سے خالی ہونا، چند بچی کچھی ادنیٰ درجہ کی کچھ غذائین ان کے پاس جو موجود تھین، ان کا بھی ان کے
سامنے سے ہٹ جانا، اور سب کو ہٹا کر اس شدید دماغی تشنگی کے وقت مین ان کے سامنے
صرف قرآن اور مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا علم اور فن کے رنگ مین پیش ہونا اسی
کی کمی بیشی پر سوسائٹی مین افراد کے مدارج کا قدرۃً مقرر ہو جانا، غور کرنے کی بات ہے، کہ
ایسے احوال مین ہر چیز سے ٹوٹ کر بہ تن ان ہی دو چیزون مین اگر وہ ڈوب گئے تھے، تو آپ
ہی اندازہ کیجئے کہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، ایسی حالت مین یقیناً یہی ہو سکتا تھا اور یہی
ہو کر رہا، بلکہ اسی کے ساتھ ہم جب اس واقعہ کو بھی ملا لیتے ہین، کہ فاقہ کش غریب اور مفلس
عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایام جاہلیت مین معاشی حیثیت سے
انتہائی سخت کوشیون کا شکار بنا ہوا تھا، تعیش و رفاہیت کی زندگی کا تو کیا ذکر ہے،
ضروری معاشی رسد کی تکمیل مین بھی ان کو آسمان و زمین کے قلابے ملانے پڑتے تھے، سارے
عرب کے چٹیل ریگستانی اور سنگستانی صحراؤن مین بیچارے صرف اسلئے گھومتے رہتے تھے، تاکہ
دو وقت کی خشک روٹی خواہ کسی شکل مین ہو مل جائے، اور وہ بھی بہ مشکل میسر آتی تھی، لیکن
اسلام نے ایک طرف ان کے باطنی قویٰ اور ذہنی طلب مین یہ طوفان برپا کیا، دوسری طرف
پندرہ بیس سال کی مدت مین جسمانی اور معاشی مطالبون کے لئے رسد کا ایک ایسا بے تھاہ سمندر
ان کے اس غیر آباد قلیل التعداد ملک مین ٹھاٹھیں مارنے لگا، کہ سچ یہ ہے، کہ اسکی نظیر بھی عرب

کے آسمانون نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی، اور نہ آج تک پھر وہ تماشا دیکھنا اسے نصیب ہو
اُن خزائن اور دفائن غنائم اور نفل کے سوا جو قرنہا قرن سے کسریٰ ایران کے خزانے مین جمع
ہورہے تھے، یا وہ دولت جو زمین فرعون (مصر) سے یا ارض شام سے آئی تھی، ستون ذی
ستین یعنی ساٹھ گز لمبا ساٹھ گز چوڑا) والا جواہر نگار بہار نامی ایرانی غالیچہ جس کے تمام نقش و نگار
جن کا تعلق مختلف مناظر اور موسمون سے تھا، انمول جواہرات کے ذریعہ سے کاڑھے گئے
تھے، کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی پتھرون کی وجہ سے بجاے سر پر رکھنے
سونے کی زنجیر سے لٹکا دیا جاتا تھا، اور کج کلاہ ایران اسی مین اپنا سر داخل کر دیتا تھا، کھجور
کے تنہ پر مدینہ مین جو مسجد کھڑی تھی، اس مین یکے بعد دیگرے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا
آرہا تھا، خوراکی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط مین حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو
عاص کو غلہ کے لئے جب لکھا تو انھون نے جواب دیا، کہ اونٹون کی ایسی قطار غلہ سے لاد
پایہ تخت خلافت مین بھیجتا ہون جس کا پہلا اونٹ مدینہ مین ہوگا، اور آخری اونٹ کی دم میرے
مین ہوگی، یہ سب تو وقتی دولت تھی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ
مین حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، ایران، شام، مصر کے لاکھون مربع میل کے جو علاقے فتح
ہوئے، جن مین بجز حجاز کے تقریباً اکثر حصہ صرف ثروت و دولت کا بے پناہ سرچشمہ تھا
مصر سے پہلا خط عمرو بن العاص کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام آیا تھا، کہ ایک ایسی زمین
پر خدا نے قبضہ دلایا ہے، جو اچانک موتی کی طرح سفید اور پھر عنبر کی مانند سیاہ اور اس
کے بعد ہیرے کے مانند سرسبز ہو جاتی ہے، ان سارے علاقون کا ایک بڑا حصہ اصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگیرون پر تقسیم کر دیا گیا تھا، کون اندازہ کرسکتا ہے کہ اموال
غنیمت کے حصون کے ساتھ ساتھ ہر صحابی کے گھر مین سالانہ کتنی دولت ان جاگیرون سے

آتی تھی، تاریخون مین اس کی تفصیل موجود ہے، ذہبی نے لکھا ہے کہ عہدِ فاروقی تک پہونچتے
پہونچتے مدینہ کے بازار کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ عہدِ نبوت مین جس گدہے کی قیمت پندرہ درہم تھی
اب وہ پندرہ سو مین ملتا تھا، بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے غابہ کی زمین جو مدینہ کے پاس ہے، کل ایک لاکھ ستر ہزار درہم مین مول لی تھی، لیکن ان کے
بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے جب فروخت فرمایا تو اسکی قیمت سولہ لاکھ لی
تھی، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی داد و دہش کی وجہ سے مرنے کے وقت ایک پیسہ نہ
چھوڑ سکے، لیکن مکانات اور زمین کی شکل مین جو ان کی جائداد تھی، اسکی قیمت جیسا کہ بخاری مین
ہے، پچاس کرور دو لاکھ لگائی گئی تھی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انتقال کے وقت جو
ترکہ چھوڑا اس کا حساب تو بہت طویل ہے، لیکن فراخی و فراغبالی کا اس سے اندازہ ہو سکتا
ہے، کہ اپنے ثلث مال سے انھون نے وصیت کی تھی، کہ ہر بدری صحابی (جن کی تعداد اس وقت
تقریبًا ایک سو کے قریب رہ گئی تھی) چار چار سو دینار دیے جائین، صحابہ اور صحابہ کی اولاد
جو ہی عرب تھے، جن کے پاس ہزار کے اوپر عدد کے لئے کوئی لفظ ہی نہ تھا، لاکھون اور کرورون
کی تعداد مین ایک ایک وقت مین صرف خیرات کرتی تھی، یا اپنے ملنے جلنے والے احباب و
اعزہ کو دے ڈالتی تھی، عام تاریخی کتابون مین بکثرت ان کی داد و دہش کے واقعات کا ذکر
ہے، بخوفِ طوالت ان کی تفصیل ترک کیجاتی ہے،

بہرحال مجھے حدیث کے ابتدائی رواۃ یا اس تاریخ کے ابتدائی مورخین کی دولت او
[ثرو]تمندی کی تفصیل مقصود نہین ہے، بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ گذشتہ بالا حالات کے ساتھ جب
ان کی معاشی فراغبالی کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے، اور پھر سوچا جائے کہ علم کی پیاس کی جو آگ
اُن کے دل مین لگائی گئی تھی، اس کی تسکین کے لئے ان کے پاس کیسے وسیع مواقع قدرت نے

مہیا کر دیے تھے، ہو سکتا تھا اور تھوڑے دنون بعد ہو بھی گیا، کہ مال و دولت کی اس فراوانی نے انہی صحابیون کی دوسری اور تیسری پشت مین ان امیرانہ مشاغل کو پیدا کر دیا تھا جو اس کے لازمی نتائج ہین، لیکن ہم جن لوگون سے بحث کر رہے ہین، ان مین ایک ایسا روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ کردار کے اس بلند اسلامی معیار کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان مین پیدا کر دیا تھا، اور اسکی شہادت ان کی زندگی سے ملتی ہے، بجائے رنگ رلیون کے ان کے مصارف وہی تھے، جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کیا تھا، ہر ایک نیکی کرنے مین ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا، وہی عبدالرحمن بن عوفؓ جن کا ذکر ابھی گذرا مشہور بات ہے کہ اپنے ذاتی روپیے سے خرید خرید کر انھون نے تقریباً تیس ہزار غلامون کو آزاد کیا تھا، اور ازین قبیل سب ہی کا یہی حال تھا، صرف یہی نہیں بلکہ ان مین اکثر خصوصاً جن کا زیادہ میلان تعلیم قرآن اور تدوین حدیث کی طرف تھا، ان کی تمام جائدادون اور مالی ذرائع کی نگرانی بھی قہرمانون اور قیمون کے سپرد تھی، وہی وصول کرتے تھے، اور وہی اس کا حساب کتاب رکھتے تھے، ان بزرگون کو اپنے کام کے سوا اور کسی بات سے کوئی سروکار نہ تھا، حضرت ابن عباسؓ جو ترجمان القرآن، حبرالامۃ وغیرہ عالمانہ القاب سے ملقب ہین، اور تدوین حدیث مین ان کا بھی بڑا حصہ ہے، ان کے ایک بھائی عبیداللہؓ کی طبیعت کا میلان تو جود و سخا کی طرف تھا، کہا جاتا ہے، کہ معمولی معمولی باتون پر ہزارون روپئے لوگون کو دے دیتے تھے، ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ تم پر میرا حق ہے،

سلہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں روایت درج کی ہے، کہ فارس کے غنائم جنمین الجوہر واللولو والذہب والفضہ کی کثیر مقدار تھی، حضرت عمرؓ کے سامنے جب ان کا ڈھیر لگایا گیا، تو رونے لگے، اور فرمایا کہ جس قوم کو یہ چیزین ملین بالآخر ان مین بغض و عداوت کا پیدا ہونا ضرور ہے، ۱۲

ولے گیا اوس نے کہا کہ تم چاہ زمزم پر پانی پی رہے تھے، چہرہ پر دھوپ پڑ رہی تھی، مین نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا تھا، بولے ہان تیرا احسان یاد ہے تیم (داروغہ) کو آواز دی پوچھا تیری تحویل مین اس وقت کتنی رقم ہے؟ دس ہزار درہم نقرئی اور دوسو طلائی دینار ہین، اوس نے جواب دیا حضرت عبید اللہؓ نے حکم دیا سب اس شخص کو دیدو، اور یہ ان کا عام حال تھا لیکن یہی دولت جسے عبید اللہ اس طریقہ سے خرچ کرتے تھے، ان کے بڑے بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرماتے تھے، بخاری مین ان کے مشہور شاگرد ابوجمرہ سے مروی ہے، کہ صرف اس لئے تاکہ ابن عباسؓ کی آواز دوسرون تک وہ پہونچایا کرین[1]، حضرت نے اپنی آمدنی کا ایک حصہ ابوجمرہ کے لئے مخصوص فرمادیا تھا، اور یہ حال تو اس وقت کا ہے جب مسند درس پر جلوہ فرما ہو چکے تھے لیکن یہی ابن عباسؓ باوجود اس ثروت و دولت کے اپنے طلب حدیث کے دنون کو یاد کرکے فرماتے،

کنت لاٰتی الرجل فی الحدیث	حدیث کے طلب مین مین کسی ایسے آدمی
یبلغنی انہ سمعہ من رسول	کے پاس آتا جن کے متعلق مجھے خبر ملتی کہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجدہ	انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
قائلاً فاتوسّد ردائی علی بابہ	سے کچھ سنا ہے، اور پاتا کہ وہ دوپہر
تسفی الریح التراب علی وجھی	مین آرام کر رہے ہین، تو اپنی چادر کو تکیہ
حتی یخرج فاذا خرج قال یا ابن	بنا کر ان کے دروازے پر پڑ جاتا، ہوائین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	دھول اڑا اڑا کر میرے چہرے پر ڈالتین،

---

[1] بعضون کا خیال یہ بھی ہے، کہ ابوجمرہ چونکہ فارسی جانتے تھے، اس لئے حضرت ابن عباسؓ کی باتون کا ترجمہ عربی نہ جاننے والون کو سنادیا کرتے تھے، ممکن ہے کہ دونون کام کرتے ہون، ۱۲

مالك فاقول بلغنی حدیث عنك	اور مین اسی حال مین پڑا رہتا، تا اینکہ
انك تحدثه عن رسول الله	خود وہ آدمی باہر نکل آتے، باہر نکل کر
صلی الله علیه وسلم فاحببت	(جب مجھے دیکھتے) تو کہتے رسول اللہ
ان اسمعه منك فیقول	صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے آپ
هلا بعثت الی حتی آتیك	کہان تشریف لائے ہین، مین کہتا
فاقول انا احق الیك ،	کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
(دارمی)	سے تم کوئی حدیث روایت کرتے ہو،
	مین نے چاہا کہ اس حدیث کو تم سے
	سنون، جواب مین وہ صاحب کہتے،
	آپ کسی کو بھیج دیے ہوتے، مین خود
	حاضر ہو جاتا، مین کہتا کہ تمھارے پاس
	حاضر ہونے کا مستحق تین ہون،

صحابۂ کرام اور ان کے تلامذہ تابعین تبع تابعین نیز دوسرے ائمہ اور بزرگون نے اس فن کی تدوین مین کیا کیا مشقتین برداشت کی ہین، ان کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے، اس مثال کے پیش کرنے کی غرض اس وقت صرف یہ تھی، کہ دولت وامارت نے ان کو امیرانہ چوچلون میں الجھا نہیں دیا تھا، بلکہ ان مین کتنے ایسے تھے جن کی آمدنی کا اکثر حصہ اسی علم کی خدمت مین صرف ہوتا تھا، مردون ہی مین نہیں، بلکہ عورتون مین بھی اس علمی ولولہ کی یہ کیفیت تھی، کہ معمولی معمولی عورتین محض اس لئے کہ ان کا بچہ فنِ حدیث کا عالم ہو جائے، ہزارہا روپئے خرچ کر ڈالتی تھین، اس موقع پر عہدِ صحابہ کا قصہ یاد آیا کہ فروخ نامی ایک معمولی آدمی تھے آزاد شدہ غلامون کے طبقہ سے ان کا تعلق تھا، غالبًا فوج مین ملازم تھے، لیکن اس وقت مدینہ کی دولت کا

حال تھا کہ ادنی ادنی غلام سپاہی بھی تیس تیس چالیس چالیس ہزار دینار طلائی سکہ پس انداز کر سکتا تھا، تقریباً سیر کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے، کہ اپنا سارا اندوختہ بیوی کو سپرد کر کے کسی نوکری پر طویل مدت کے لئے باہر چلے گئے، پندرہ بیس سال کے بعد واپسی ہوئی، ں وقت جا رہے تھے، ان کی بیوی حاملہ تھیں عقب میں لڑکا پیدا ہوا، نام ربیعہ رکھا گیا، اس لائق خاتون کے علمی ذوق کا حال سنئے کہ انھوں نے شوہر کے سارے اندوختہ کو بچے علیم وتربیت پر ختم کر دیا، اور اس زمانہ کی تعلیم کیا تھی، یہی قرآن وحدیث کی خدمت، فروخ ب گھر واپس آئے، تو لڑکا جوان ہو کر نہ صرف عالم بلکہ مسجد نبوی کے حلقہا ے درس کے ممتاز ترین معلم کی حیثیت حاصل کر چکا تھا، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری جیسے جنھیں بعد کو امت میں امامت کا منصب عطا ہوا، وہ ان کے شاگردوں میں شریک تھے ح باہر سے بھی چار یا پنچ ہزار روپیہ کما کر لائے تھے، دو تین دن کے بعد بیوی سے اپنے تہ پس انداز کا حساب دریافت کیا، بولیں کہ سب کو میں نے گاڑ رکھا ہے، کچھ دم لیلو ہن نکالوں لیکن ذرا کل تم صبح کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے حلقہا ے درس میں گشت تو دوسرے دن انھوں نے یہی کیا، ایک حلقہ میں پہونچے تو خدا کی قدرت نظر آئی کہ ان کے کو چاروں طرف سے شاگردوں کا حلقہ گھیرے ہوئے ہے، خوشی کے مارے پھولے ے گھر پہونچے، اور بیوی سے حال بیان کیا، بیوی نے کہا کہو روپیہ لینا چاہتے ہو یا الم لڑکا، میں نے تمھارے روپیے اسی کی تعلیم پر خرچ کر دیے، فروخ نے اپنی لی تحسین کی،

علم حدیث کی تفصیل وتدوین اشاعت ونشر میں عہد صحابہ اور اس کے بعد لوگوں نے رت انگیز مالی قربانیاں کی ہیں، اس کے لئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے میں

اس وقت صرف دماغوں کو ادھر متوجہ کرنا چاہتا ہوں، کہ منجملہ دیگر اسباب کے عہدِ صحابہ کی معاشی فراغبالی کو بھی دنیا کی تاریخ کے اس عجیب حصہ کی حفاظت مین غیر معمولی دخل ہے اور یہ سچ بھی ہے، کہ جو کام ؎

دو یار زیرک و ز بادۂ کہن دو منے فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

کے ماحول مین انجام پا سکتا ہے "چہ خورد بامداد فرزندم" کے سوال کے ہتھوڑون سے چور لوگون میں بجز خاص استثنائی صورتون کے عموماً ایسے پراگندہ روزون سے پراگندہ دماغی ہی کی توقع کیجا سکتی ہے،؟

خصوصاً جو واقعہ خاص اس علم کے ساتھ پیش آیا ہے، اس کے لئے تو یہ ہونا زیادہ ضروری تھا کہ چند گنے گنائے آدمیون سے اس کا تعلق نہین ہے، اگر ایسا ہوتا تو استثنائی قانون کا ممکن تھا کہ ظہور ہوتا لیکن آپ کو آیندہ معلوم ہو گا، کہ تاریخ کے اس بسیط اور مختصر حصہ کے بیان کرنے والون کی تعداد لاکھون سے متجاوز ہے، میرا مقصد یہ ہے کہ اب تک حدیث کے ابتدائی راویون یعنی صحابۂ کرام کے کیفی حالات و خصوصیات سے مین بحث کر رہا تھا لیکن اس تاریخ کے مورخون کا جو مقداری امتیاز ہے، میرے خیال مین تدوینِ حدیث کے "قدرتی عوامل" مین غور و فکر کیلئے ان کو بھی کچھ کم اہمیت حاصل نہین ہے، بلکہ ایک لحاظ سے تو یہ اس فن کی ایک ایسی امتیازی شان ہے جس کی نظیر فن تاریخ ہی مین نہین دوسرے علوم مین بھی بہ مشکل مل سکتی ہے، ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ مشہور فقرہ کہ "کوئی قوم دنیا مین ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانون کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصون کا حال معلوم ہو سکتا ہو"

اسماء الرجال اور اسکی ضرورت کی تفصیل تو آگے آئے گی، مین اس وقت آپ کی توجہ

اس تاریخ" کے اساسی مورخون کی تعداد اور ان کی مختلف نوعیتون کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہون،

مدیث کے ابتدائی راویونکی تعداد | غور کیجئے! انصاف سے کہنا چاہئے کہ علمی دنیا کے ہاتھ مین
ج تاریخ کا جتنا کچھ بھی سرمایہ ہے، وہی جس کی تعلیم و تعلم پر جامعات اور یونیورسٹیون مین اور
نشر و اشاعت تدوین و ترتیب پر، تصنیف کا ہون اور مطابع و اشاعتی ادارون مین حکومتون
ر عام پبلک کی جانب سے بلا مبالغہ ہر سال کروڑہا کروڑ روپیے صرف ہو رہے ہین، اور ان
ام مصارف کا شمار بہترین علمی خدمتون مین ہے، اور بلا شبہہ یہ بہت بڑی علمی خدمت ہے لیکن
وڑی دیر کے لئے اپنے اس علمی و فنی سرمایہ کا جائزہ لیجئے، قدیم ہو یا جدید تاریخ کے کسی حصہ
اس حیثیت سے نظر ڈالئے، کہ ابتدا مین ان واقعات کے بیان کرنے والون، یا ان کو ریکارڈ
رنے والون کی تعداد کیا تھی، ؟ قطع نظر اس سے جیسا کہ مین نے شروع میں کہا تھا، کہ واقعات
عینی شاہدون کا ان تاریخون مین بجائے خود ایک پیچیدہ ترین سوال ہے، اور بالفرض اگر
ش قسمتی سے تاریخ کا کوئی حصہ ایسا مل بھی جائے، جسے ہم خود چشم دید گواہون کا بیان قرار
ے سکتے ہون، اور اسی کے ساتھ یہ بھی مان لیا جائے کہ ہمین ان کی دماغی اور اخلاقی منزلت
بی کسی نہ کسی ذریعہ سے علم حاصل ہو گیا ہو، اگرچہ جاننے والے جانتے ہین، کہ یہ کوئی آسان مرحلہ
ن ہے، تاہم مان لیجئے کہ اس مین کامیابی ہو بھی جائے، پھر بھی جہان تک میرے معلومات ہین
میرا اندازہ ہے، ان تاریخون کے ابتدائی راویون کی تعداد، بمشکل ایک دو سے آگے متجاوز
لتی ہے، آخر ہماری تاریخون کی آج جو کچھ بھی بنیاد ہے، وہ کوئی پرانے زمانہ کی کسی پرانے
نف کی کوئی یادگار، پرانی قبرون کا کوئی کتبہ، پرانے سکون کے ٹھپے، پرانے کھنڈرون
ی ٹھیکری یا برنجی تختی، یا از این قبیل کوئی اور چیز، یقینی سے یقینی تر چیز، کسی شخص کی ذاتی خود نوشت
خ عمری ہو سکتی ہے، اس احتمال کے سوا کہ اس قسم کی بیوگرافیان کیا موجودہ زمانہ کے

مینو فستی بیانات نہیں ہو سکتیں اور مان لیا جائے کہ ان مین گفتنی کے ساتھ تمام ناگفتنیوں کے اندراج کا بھی التزام کیا گیا ہو، یا یون کہئے کہ صاحب شعر و دیوان ہونے کی حیثیت کے ساتھ محلہ والون[1] کے معلومات بھی اس مین بیان کئے گئے ہون، اور جن کے کردار و سیرت کے متعلق ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہ ہو، ہر قسم کے وسوسے ان کے متعلق پیدا ہو سکتے ہین، لیکن ان سب سے بھی اگر قطع نظر کر لیا جائے تو جب بھی اس یقینی ترین تاریخی سرمایہ و خود نوشت سوانحمری کی حیثیت ایک شخصی بیان ہی کی ہو سکتی ہے، اخلاقی اطمینان کے باوجود ایک شخصی دماغ پر نسیان و ذہول، بھول چوک کی راہین جتنی کھلی ہوئی ہین، ظاہر ہے،

لیکن اب آئیے تاریخ کے اس نادرۂ روزگار حصہ پر نظر ڈالئے جس کا نام "حدیث" ہے جن چشم دید گواہون، اور عینی شاہدون کے بیانات سے یہ "واقعات" حاصل کئے گئے ہین، ان کی تعداد کیا تھی، ابھی سلسلۂ روایت کے بعد کی کڑیون سے بحث نہین، بلکہ آپ کے سامنے اس کا صرف پہلا حلقہ یعنی ان لوگون کا سوال ہے، جو خود اس واقعہ مین شریک تھے، انھون نے اس کو دیکھا، اور اس نظر سے دیکھا جس سے ہر معمولی واقعہ نہین دیکھا جاتا، بلکہ ایک امتی جس نظر سے اپنے پیغمبر کو، یا ایک مرید اپنے پیر کو یا صاف لفظون مین کہئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب صحابیون نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ دیکھنے کے بھی وہ ذمہ دار تھے، اور بیان کرنے کے بھی ذمہ دار تھے، جانتے ہین کہ ان کی تعداد کیا تھی، علی بن ابی زرعہ جو فن رجال کے بڑے مشہور ائمہ مین ہین، ان سے یہی سوال پوچھا گیا، جواب

---

[1] یہ اکبر مرحوم کے مشہور شعر ؎

اکبر کی حقیقت کو تم کچھ پوچھو محلے والون سے
ہان شعر تو اچھا کہتے ہین، دیوان تو انکا دیکھا ہے

کی طرف تلمیح ہے، ۱۲

ہیں انھوں نے فرمایا،

توفی النبی صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
وسلم ومن رأہ وسمع	جس وقت ہوئی، اس وقت ان
منہ زیادۃ علی مائۃ	لوگوں کی تعداد جنھوں نے حضورؐ کو
الف انسان من رجل و	دیکھا، اور آپ سے سنا تھا، ایک لاکھ
امرأۃ کلھم قد روی	سے زیادہ تھی، ان میں مرد بھی تھے
عنہ سماعا ورؤیۃ،	اور عورتیں بھی سب حضورؐ سے سن کر
(اصابہ ص ۳ جلد ۱)	اور دیکھکر روایت کرتے تھے،

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابن ابی زرعہ نے یہ صحابیوں کی تعداد نہیں بتائی ہے، بلکہ ان خاص اصحاب کی تعداد ہے، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور دیکھنے کے بعد آپ کے متعلق کوئی نہ کوئی بات روایت کی ہے، "حدیث" تاریخ کے جس حصہ کی تعبیر ہے، اس کے ابتدائی رواۃ کی یہ تعداد کیا کوئی معمولی بات ہے، ؟ عموماً اس کو سن لیا جاتا ہے، اور لوگ گذر جاتے ہیں، لیکن مقابلہ سے بات سمجھ میں آتی ہے، ایک طرف آپ کے سامنے تاریخ کا وہ ذخیرہ ہے جس کے ابتدائی راویوں کا حال اگر معلوم بھی ہو سکتا ہے، تو ان کی تعداد دو تین سے آگے بمشکل متجاوز ہو سکتی ہے، اور بیچاری ایک تاریخ کیا بڑے بڑے مذہبی مستندات جن کے بھروسہ میں آج کروڑہا کروڑ انسان ایمانی زندگی بسر کر رہے ہیں، زیادہ تر ان کا بھی یہی حال ہے، خیال تو کیجئے کہ کہاں ایک لوقا[1] ایک مرقس یا ایک سنجے گاڑیبان کا بیان، اور کہاں یہ ایک لاکھ

---

[1] مختلف انجیلوں کے مختلف ابتدائی راویوں کے نام ہیں اور سنجے اس گاڑیبان کا نام ہے جو ہندوں کی مشہور کتاب گیتا کا سری کرشن سے تنہا راوی ہے محض اسی کی روایت کی بنیاد پر ہندو گیتا کو گویا ایک قسم کی آسمانی کتاب سمجھتے ہیں،

سے اور چشم دید گواہون کی شہادتین، پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ عام تاریخی واقعات جیسا کہ
کہہ چکا ہون پراگندہ اور منتشر کترتون کا مجموعہ ہین، لیکن ان مین بکھری ہوئی کترتون کے سمیٹ
ایک دو، ادھر ایک شخصی ذات محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ہے، جن کی سچی اور ہو بہو جیسے کہ د
ان کی تصویر اتارنے کے لئے اردگرد لاکھون زندہ آنکھون کے کیمرے قدرت کی جانب
کھڑے کئے گئے ہین،

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

راویون کی تعدادی مقدار کے روایت پر کیا کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہین، ؟
تامل ہم اسے سمجھ سکتے ہین،

کثرت تعداد کا روایتون کی وثاقت پر اثر | سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ ایک یا دو آدمی سے
کہ اتنے واقعات کا احاطہ یقیناً ناممکن ہے، جو مشاہدہ کرنے والون کی کثرت کی صورت
ممکن ہو، پھر اسی کے ساتھ جب اس کو بھی ملا لیتے ہین، کہ ان راویون مین صرف مرد ہی نہین بلکہ
کی ایک بڑی جماعت شریک ہے، تو احاطہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے، اگر آنحضرت صلعم
علیہ وسلم کی زندگی کے مورخین صرف مرد ہوتے، تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم تک حضور صلی ا
علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے محض وہی واقعات پہونچے ہین جن کا تعلق گھر کے باہر کی زندگی
ہے لیکن بجائے جلوت کے خلوت یا گھریلو زندگی کے حالات پر یقیناً پردہ پڑا رہتا، اور
بہت سے مسائل جن کا خصوصی تعلق صرف عورتون سے ہے، ان کے متعلق کوئی واضح ہدا
ہمارے پاس نہ ہوتا لیکن کون نہین جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو جلو
کا ہو یا خلوت کا، کسی کو راز مین نہین رکھا گیا، راویون کی کثرت اور ان کی مختلف نوعیتون کا
کا نتیجہ ہو کہ دوست ہی نہین، آج دشمن بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہین کہ

"یہان پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے
اسورتھ اسمتھ کی شہادت ہے جسکا اظہار اوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (ص۱)
ں کیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اگر ملحوظ رکھا جائے، کہ باہر ہو یا اندر قدرت نے ایسے
باب فراہم کر دیے تھے، کہ صحرائے عرب کے ایک دور افتادہ نخلستانی قصبہ میں تقریباً دنیا
ے بڑے بڑے قابلِ ذکر مذاہب یعنی بت پرستی، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت کے
نے والون کو مسلمان کر کے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارک میں پہنچا
ا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی و تکمیلی زد دین دنیا کے تمام مذاہب پر جو پڑ رہی تھین،
ں کے سمجھنے کے لئے خود ان مذاہب کے جاننے والون کی ضرورت تھی، اور قدرت نے اس
ھی سامان کر دیا تھا، باہر بھی اور اندر بھی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، اور عام
ر لوگ اس سے واقف بھی ہین، عملی طور پر ان عینی شاہدون کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ
ی تھا کہ قطع نظر اس سے کہ ایک واقعہ کے جب بہت سے دیکھنے والے ہوتے ہین، تو ایک
سرے کی تکذیب کے خیال سے عموماً غلط بیانی کرنے مین جھجکتا ہے، اگرچہ صحابہ کرام کے جن خصوصیات
ذکر مین نے اوپر کیا ہے، اور یون بھی ان سے قصداً کسی غلط بیانی کی کون توقع کر سکتا ہے
ن جیسا کہ قرآن نے قانون شہادت کے ذکر کے سلسلہ مین بیان کیا ہے، کہ ایک گواہ کے
ھنے یا یاد رکھنے مین اگر کوئی غلطی ہوئی ہو، تو دوسرا اسکی اصلاح کر سکتا ہے، حدیث کے
ھنے والے جانتے ہیں، کہ ایک موقع پر نہیں بلکہ متعدد مواقع اس قسم کے پیش آئے ہین جہان
اویون کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے غلط فہمیون کی اصلاح ہوئی ہے، میرا مضمون بہت طویل
جائے گا، ورنہ ان کے نظائر جن سے معمولی طلبہ تک واقف ہین، یہان پیش کرتا،

ماسوا اس کے صحابی راویون کی جو تعداد ابن ابی زرعہ کے حوالے سے مین نے اوپر نقل کی ہے

ظاہر ہے کہ صحبت مبارک میں ان سب کا اجتماع ایک وقت میں نہیں ہوا تھا، اور نہ یہ ممکن تھا
ہر لحہ یا ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ سارا مجمع رہتا، اگرچہ حجۃ الوداع کے موقع
پر تقریباً لاکھ سے اوپر صحابیوں کا مجمع جمع ہو گیا تھا، لیکن یہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے ورنہ عموماً مدینہ
منورہ میں جو تعداد صحابہ کی رہتی تھی، یا غزوات و اسفار میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے تھے ان
ظاہر ہے کہ اتنی تعداد کبھی اکٹھی نہیں ہوئی، بیس ہزار، دس ہزار، پانچ ہزار، تین ہزار، چار ہزار، یا اس
سے نیچے کی تعداد فوجی مہموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عموماً رہی ہے، اگرچہ مدینہ منورہ
میں ابتداءً انصار کے ساتھ مہاجرین کا ایک مختصر گروہ آپ کے ساتھ تھا، لیکن جس وقت غزوۂ
تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے، کعب بن مالک جو اس سفر میں رفاقت سے محروم رہے تھے، ان
اس کا ایک دلچسپ واقعہ بخاری میں انہی کی زبانی منقول ہے، اس میں مدینہ کے اصحاب کا ذکر کرتے
ہوئے آپ نے یہ جملہ فرمایا تھا:-

والناس کثیر لا یحصیہ دیوان، — لوگ بکثرت تھے، کسی دفتر میں ان کی تعداد منضبط نہ تھی،

بہرحال مدینہ منورہ میں بالآخر اچھی خاصی جماعت باہر کے مہاجرین کی بھی جمع ہو گئی، لیکن
ظاہر ہے کہ ان سب کو ہر وقت اپنے مختلف مشاغل کی وجہ سے مجلس مبارک میں حاضری
میسر نہیں آتی تھی، کسی وقت کوئی رہتا تھا، کسی وقت کوئی، اب اگر راویوں کی تعداد دو چار
پر ختم ہو جاتی، تو کیا وہ ذخیرہ جمع ہو سکتا تھا، جو آج جمع ہوا ہے، واقعہ یہ ہے کہ گردوپیش میں ان
ہزاروں مردوں اور عورتوں کے رہنے آنے جانے کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ہر ایک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی کے کسی نہ کسی واقعہ یا کسی قول کے محفوظ کرنے کا موقع ملا، اور اپنی مذکورۂ بالا ذمہ داریوں
کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تو یہ عام قاعدہ مقرر کر لیا تھا، کہ اپنی حاضری کے دنوں میں اس عجیب

غزیب شخصی تاریخ کے متعلق جن واقعات کا علم حاصل ہوتا تھا، دوسرے دن اپنے غائب رفیق کو ان
دعن سنا دیا کرتے تھے، بخاری مین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :-

کنتُ انا وجار لی من الانصار	مین اور میرا ایک انصاری پڑوسی،
فی بنی امیۃ بن زید وھیَ	ہم دونون امیہ بن زید والون کی بستی
من عوالی المدینۃ وکنّا	مین رہتے تھے، اور مدینہ کے عوالی کی
نتنا وب النزول علی رسول	کی یہ بھی ایک بستی ہے، اور ہم دونون
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل یومًا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
وانزلُ یومًا فاذا انزلت جئتہ	مین باری باری سے حاضر ہوتے تھے،
بخبر ذلک الیوم منَ الوحی	ایک دن وہ حاضر ہوتے، ایک دن
وغیرہ واذا انزلَ فعل مثل	مین حاضری دیتا، مین جس دن حاضر ہوتا
ذلک،	اس دن کے حالات اور خبرین وحی
	وغیرہ کی ان کو سناتا، اور جب وہ حاضر
	ہوتے تو یہی کرتے،

ابتدائے اسلام مین محدود معاشی ذرائع ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا، مہاجرین بیچارون کو اپنے
پنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے عمومًا بیوپار یا صنعتی کاروبار مین مشغول ہونا پڑتا تھا، جس
ا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا، یہان آپ کی نگرانی مین کپڑے بننے
ل کارگاہین تھین سنح نامی گاؤن مین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارخانہ تھا، انصار عمومًا
پنے باغون اور کھیتون پر کام کرتے تھے، لیکن بااین ہمہ ایک جماعت ان لوگون کی بھی تھی جو
پنے ورگھر سے جدا ہو کر تو مسلمون کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی مین صُفّہ نامی

جو مدرسہ قائم فرمایا تھا، اس میں داخل ہو جاتے تھے، ان کے قیام و طعام کا نظم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مدینہ کے خوش باش لوگ کیا کرتے تھے، اس لئے معاشی افکار سے الگ ہو کر ان کا زیادہ کام یہی تھا، کہ قرآن سیکھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و سنن کو یاد کریں' اسی جماعت کے سرگروہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں لوگوں کو ان کی کثرتِ روایت پر کبھی تعجب ہوتا تو خود ہی فرماتے،

انکم تزعمون ان اباھریرۃ	تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابو ہریرہ رسول اللہ
یکثر الحدیث عن رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حدیثیں بیان
صلی اللہ علیہ وسلم واللہ	کیا کرتا ہے، اور قسم ہے خدا کی کہ میں
الموعد انی کنت امرأً مسکینًا	ایک غریب مسکین آدمی تھا، رسول اللہ
اصحب رسول اللہ صلی اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف پیٹ پر
علیہ وسلم علی ملاء بطنی	پڑا رہتا تھا، اور مہاجرین بازاروں
وکان المھاجرون یشغلھم	کے کاروبار میں مشغول رہتے، اور
الصفق بالاسواق وکانت	انصار اپنے اموال (باغ اور کھیت)
الانصار یشغلھم القیامرم	میں الجھے رہتے،

(صحیح مسلم ج ۲)

ایک دوسرے موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کرتے تھے خود تفصیل فرماتے ہیں،

قدمت علی رسول اللہ	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
صلی اللہ علیہ وسلم	خدمت میں بہ مقام خیبر حاضر ہوا اس
بخیبر وانا یومئذٍ قد زدتُ	وقت میری عمر تیس سال سے اوپر

علی الثلثین فاقمت معہ	ہو چکی تھی، پھر مین نے حضور صلی اللہ
حتی مات وادور معہ	علیہ وسلم کے پاس قیام کر لیا، یہانتک
بیوت نسائہ واخدمہ	کہ آپ کی وفات ہو گئی، مین آنحضرت
واغزومعہ واحج،	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی
(ابن سعد)	عورتون کے گھرون مین گھوما کرتا
	اور آپ کی خدمت کرتا، حضور کے
	ساتھ جہاد کرتا، حج کرتا رہا،

طالب العلمی کے ان دنون مین ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا کیا گذری بعد کو مزے لے لیکر بیان کرتے، کبھی کہتے جیسا کہ امام بخاری راوی ہین،

واللہ الذی لا الہ الا ھو	اسی خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ
ان کنت لاعتمد علی	نہیں ہی کہ بھوک کی وجہ سے مین جگر
الارض بکبدی من الجوع	تھام کر زمین پر ٹیک لگا لیتا، اور اپنے
واشد الحجر علی بطنی،	پیٹ پر پتھر باندھتا،

کبھی فرماتے :-

رائیتنی اصرع بین منبر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ
وسلم وحجرۃ عائشۃ	عنہا کے حجرہ کے درمیان مین چکرا کر گر پڑتا،
فیقال مجنون ومابی جنون ان	خیال کیا جاتا کہ مین پاگل ہون، حالانکہ
ھی الا الجوع (صحاح)	مجھے جنون سے کیا تعلق، وہ تو صرف بھوک

مگر یہ سب کچھ گذر رہا تھا، دوسرے ساتھیون کو یہ بھی دیکھ رہے تھے، کہ کاروبار کرکے آرام اٹھا رہے ہین، لیکن تیس بتیس سال کا یہ دوسی یمنی نوجوان

موج خون سر سے گذر ہی کیون نہ جائے آستانِ یار سے اٹھ جائین کیا،

کہکر بیٹھ گیا تھا، اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ حتی توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس قسم کے یہ ایک آدمی نہین ہین، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جن کا خطاب ہی صحابہ کی جماعت مین صاحب النعلین[1] والسواک والوسادہ تھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہین، کہ ہم جب یمن سے آئے، تو ابن مسعودؓ کے متعلق مدت تک ہم سمجھتے رہے کہ

انہ رجل من اھل بیت رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول امہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (اصابہ)	وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے کوئی آدمی ہین جس کی وجہ ان کی اور ان کی ماں کی آمد و رفت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی رہتی تھی،

ان کو دربار رسالت سے یہ حکم ملا ہوا تھا کہ

"علی ترفع الحجاب وتسمع سوادی" (اصابہ)	تم ابن مسعود! پردہ کو اٹھا کر میرے حجرہ مین آسکتے ہو، اور تنہائی کی گفتگو سن سکتے ہو،

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہین جو ۹ سال تک مسلسل آنحضرت صلی

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیان، مسواک اور گدے کی نگرانی ان ہی کے ذمہ تھی، اس لئے ان کو یہ خطاب دیا گیا تھا۔ ۱۲،

کی خانگی خدمت مین رہے، اور ان کے سوا بھی حضورؐ کے موالی مثلاً رافع، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم
ہیں، جو بہت کم مجلس رسالت کی حاضری سے محروم رہتے تھے، یہ تو مردون مین اور عورتون مین
یہی حال امہات المومنین کا تھا جن مین کوئی نہ کوئی خلوت کی زندگی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ رہتی تھین، ان ہی باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ مین جن لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق جن امور کا علم براہ راست حاصل نہ ہوتا تھا وہ انکو اپنے دوسرے بھائیون اور ساتھیون
کے ذریعہ سے معلوم کرلیا کرتے تھے، اور اس مین بڑے اور چھوٹے کی بحث نہین تھی، خود حضرت
ابوہریرہؓ کا بیان ہو کہ

کانوا یعرفون لزومی فیسالونی عن حدیثہ منھم عمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر،	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگون کو چونکہ معلوم تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین مجھ سے پوچھا کرتے، ان پوچھنے والون مین عمر بھی ہین، اور عثمان بھی، علی بھی طلحہ بھی زبیر بھی،
(ابن سعد)	

حدیث کی کتابون مین اس کا ایک ذخیرہ موجود ہے جس مین خلفاے راشدین، اور دوسرے
جلیل القدر اصحاب نے باہم ایک دوسرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھی ہو مردون
مین اگر پتہ نہین چلتا، تو امہات المومنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا، کہ ان کو اگر کوئی علم ہو تو بیان
کرین، ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا ابھی ذکر گذرا، حالانکہ ۱۰ سال تک صحبت
نبوی مین ان کو ہمہ وقتی رفاقت کا موقع ملا ہے، لیکن ایک حدیث بیان کر رہے تھے، کہ حلقہ
کے لوگون مین سے کسی نے پوچھا،

انت سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، — کیا آپ نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے،

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مین فرمایا،

ماکل ما نحدث کموہ سمعنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ ولکن کان یحدث بعضنا بعضا، (مستدرک حاکم) — ہم تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتین بیان کیا کرتے ہین، سب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہم نے نہین سنا ہے، بلکہ ہم مین بعضون نے بعض سے بھی سُنا ہے، (یعنی ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے سُنا ہے)

اور یہ بھی تھا بہت بڑا عظیم نفع حضرات صحابہ کی کثرتِ تعداد کا ہر ایک اپنی کمی دوسرے کے علم سے پوری کرتا تھا، اپنے علم کی تکمیل کے شوق ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ تابعین یا اصاغر صحابہ ہی کے زمانہ مین نہین، بلکہ خود باہم ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے اپنے علمی نقص کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی لمبے لمبے سفر کئے ہین، اور قرآن نے جس اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع اور پیروی کا ان سے جو مطالبہ کیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا بھی چاہئے تھا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا گھر مدینہ ہی مین تھا، اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ دارون مین ان کا شمار ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا، خود بیان کرتے ہین، کہ

بلغنی حدیث عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فابتعت بعیراً — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون مین سے ایک صاحب کے واسطے سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث

فشددت عليه رحلي
ثم سرت اليه شهراً
حتى قدمت الشام فاذا
عبد الله بن انيس
الانصاري فاتيت منزله
وارسلت اليه ان جابراً
على الباب فرجع الي
الرسول فقال جابر بن
عبد الله فقلت نعم
فخرج الي فاعتنقته و
اعتنقني قال قلت حديث
بلغني عنك انك سمعته
من رسول الله صلى الله
عليه وسلم في المظالم
لم اسمعه انا منه قال
سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول
الحديث،
(جامع بيان العلم ابن عبد البر ۹۳)

پہونچی میں نے اسی وقت ایک اونٹ
خریدا، اور اس پر اپنا کجاوہ کس کر ایک
ماہ تک چلتا رہا، یہاں تک کہ شام
پہنچا، اور عبد اللہ بن انیسؓ انصاری
(جن سے حدیث پہونچی تھی) ان کے گھر پہنچا،
اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا
ہوا ہے، آدمی نے واپس ہو کر پوچھا
کہ کیا جابر بن عبد اللہ ہیں؟ میں نے
کہا ہاں عبد اللہ بن انیس باہر نکل پڑے،
دونوں ایک دوسرے کے گلے سے
لپٹ گئے پھر اس نے پوچھا کہ مجھے آپ
کے ذریعہ سے ایک حدیث پہونچی
ہے، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے "مظالم" کے متعلق آپنے سنی ہے، اور
میں نہیں سن سکا ہوں، عبد اللہ بن
انیس نے جواب میں فرمایا کہ میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا
آپ فرماتے تھے (پھر عبد اللہ نے
پوری حدیث سنائی)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون قسطنطنیہ[1] کا ہے کہ ایک حدیث انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خود سنی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین کچھ شک پیدا ہوا، آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی بھی دربار رسالت میں موجود تھے، لیکن وہ مصر مین قیام پذیر ہوگئے تھے، سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک حدیث مین معمولی شک مٹانے کے لئے حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہین، اور حضرت عقبہ بن عامر کے پاس حاضر ہوکر فرماتے ہین،

حدثنا ما سمعته من رسول	مجھ سے اس حدیث کو بیان کرو، جسے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
فی ستر المسلم لم یبق	مسلمانون کی عیب پوشی کے متعلق
احد سمعه غیری وغیرہ	سُنا ہے، اب اس حدیث کے سننے
	والون مین میرے اور تمھارے سوا

(کنز العمال)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے اس حدیث کو دہراتے ہین، حدیث

---

[1] قسطنطنیہ مین آپکے دفن کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے کہا جاتا ہے کہ مسلمان قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑے تھے جس مین حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، اتفاق سے بیمار ہوئے، اور یقین ہوگیا کہ آخری وقت ہے، وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد جنازہ کو لیکر مسلمان حملہ کرین اور دشمن کی زمین مین جہانتک گھس سکتے ہون گھستے چلے جائین آخری نقطہ جہانتک تمھاری رسائی ہو اسی مین مجھے دفن کر دینا، جنازہ لیکر مسلمانون نے حملہ کیا، اور غنیم کو پسپا کرتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہونچ گئے، وہیں قبر کھود حضرت کو دفن کر دیا گیا، محمد فاتح نے جب صدیون بعد قسطنطنیہ فتح کیا، تو خواب مین آپ نے اپنی قبر کا نشان دیا، اسی پر جامع ابی ایوب تیار ہوئی

من ستر مسلماً علی خزیۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ وہ سنتے ہیں، اس کے
یا ہوتا ہے وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ

فاتی ابو ایوب راحلتہ فرکبھا وانصرف الی المدینۃ وما حل رحلہ (۹۴ ۔ جامع) حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری کے پاس آتے ہیں، اور سوار ہوتے ہیں، مدینہ منورہ روانہ ہو جاتے ہیں، آپنے مصر میں اپنا کجاوہ تک نہیں کھولا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام نامی سے حدیث کا ابتدائی طالب علم
ف ہے، ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ ان ابا سعید رحل فی حرف" یعنی حدیث
حرف کی تصحیح کے لئے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ کوچ کیا، دارمی
اور صحابی کے متعلق ہے،

ان رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحل الی فضالۃ بن عبد اللہ وھو بمصر فقدم علیہ وھو بمد لناقۃ لہ فقال مرحبا قال اما انی لم آتک زائراً ولکن سمعت انا وانت حدیثاً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجوت ان یکون عندک منہ علم، (دارمی) کہ آنحضرت کے صحابیوں میں سے ایک صاحب فضالہ بن عبد اللہ کے پاس مصر روانہ ہوئے، اور وہ اپنی اونٹنی کا چارہ تیار کر رہے تھے، فضالہ نے صحابی کو دیکھکر مرحبا کہا صحابی نے جواب میں فرمایا کہ میں تمھاری ملاقات کو نہیں آیا ہوں لیکن ہم نے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے میں یہ امید لیکر آیا ہوں کہ تم کو اس کا کچھ علم ہوگا،

یہ تو بڑے بڑے صحابیون کا حال تھا، باقی ایسے کمسن اصحاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے تھے، یا ان کے معاصر اور تلامذہ جنھیں تابعین کہتے ہین، اس باب مین تو ان کے کارنامون کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے، مین نے ذکر کیا تھا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما باوجود قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے صحابہ کے دروازون پر تلاش حدیث مین گرد کھاتے پھرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی کثرت تعداد کے اس فائدے کو محسوس کر لیا تھا، کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تاریخ کے تمام خط و خال کی تکمیل مین پوری مدد مل سکتی ہے، اس سلسلہ مین اپنے ایام طلب کے قصے بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ مین نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ

ھلم فلنسأل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانھم الیوم کثیر،	چلو بھائی! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون سے چل کر دریافت کرین، کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے

لیکن ان کے رفیق بخت کے چھوٹے تھے، بولے،

یا ابن عباس اتری الناس یحتاجون الیك وفی الناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (دارمی)	ابن عباس! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ تمھارے بھی محتاج ہون گے، حالانکہ ابھی تو لوگون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی موجود ہین۔

لیکن اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ یون ہی چھوٹے بڑون کے گذرنے کے بعد بڑے بنتے ہین، بعد کو اپنے علمی سلسلہ کی بدولت جب ابن عباس مرجع انام بن گئے، تو وہ بیچارے پچھتاتے تھے، اور کہتے تھے، کان ھذا الفتی اعقل منی (یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانشمند تھا)

ہیں ہیں سعید بن المسیب مسروق وغیرہ جن کے حالات آگے آرہے ہیں، ان کے بیانون
اس قسم کے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں، حضرت سعید بن المسیب سے امام مالک راوی ہیں

انی کنت لاسیر اللیالی و	حدیث کی تلاش میں میں کئی کئی دن
الایام فی طلب الحدیث (جامع)	اور کئی کئی راتین مسلسل چلتا رہا ہوں

حضرت مسروق کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رحل فی حرف (یعنی صرف ایک لفظ
لے کوچ کیا) ان تابعیون کی نزاکت ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ بسا اوقات
احدیث ان کو ایسے آدمی سے پہونچتی جو شرف صحبت سے فیض یاب نہ ہوتے، حالانکہ
حدیث کا علم ان کو حاصل ہوچکا ہوتا لیکن اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جس صحابی سے یہ روایت
کیجاتی ہے، وہ زندہ ہیں، تو خواہ وہ کسی مقام پر ہوتے، ان تک پہونچ کر کوشش
نے کر براہ راست بھی اس روایت کو صحابی سے خود سن لیں، دارمی نے ابوالعالیہ سے
یت درج کی ہے،

کنا نسمع الروایۃ بالبصرۃ	ہم لوگ بصرہ میں ایک روایت آنحضرت
عن اصحاب رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون سے سُنے
صلی اللہ علیہ وسلم فلم	ہوئے سے سُنتے، مگر ہم صرف اسی
نرض حتی رکبنا الی المدینۃ	پر قناعت نہیں کر لیتے تھے، جب
نسمعنا ھا من افواھھم	تک سوار ہوکر مدینہ پہونچ کر خود
	ان صحابیون کی زبانی بھی اس
(دارمی)	روایت کو نہ سُن لیتے،

ص شخص کا حال نہیں ہے، بلکہ عام تابعین کے طرز عمل کا بیان ہے،

طلب حدیث کے لئے رحلت کا ایسا عام مذاق پھیل گیا تھا، کہ بطور امور عامہ کے بعض بعض تابعین کی زبان پر یہ لطیفہ جاری ہوگیا یعنی شاگردون سے حدیث بیان کرتے اور آخر مین انھین مخاطب کرکے بطور رطیبت کے فرماتے،

خذھا بغیر شیئٍ قد کان	بغیر کسی معاوضہ کے (مفت) یہ
الرّجل یرحل فیما دونھا	حدیث لے لو، ورنہ حال یہ تھا، کہ
الی المدینۃ،	اس سے بھی کم چیز کے لئے لوگ
(ابن سعد)	مدینہ تک سفر کرتے تھے،

یہ حضرت شعبی کا قول ہے جو کوفہ مین اپنے طلبہ سے مزاحاً کبھی کبھی کہا کرتے تھے،

مذکورۂ بالا عوامل و موثرات سچ پوچھئے تو بجائے خود ان مین ہر ایک حدیث یعنی تاریخ کے اس عجیب و غریب سرمایہ کی حفاظت کی کافی ضمانت ہے، لیکن جہان یہ سارے اسباب اکھٹے ہوگئے ہون، اور اب اسی کے ساتھ آپ اس عام تاریخی دعوی کو بھی اپنے سامنے رکھ لیجئے، کہ

مذھب العرب انھم کانوا	عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد
مطبوعین علی الحفظ مخصوصین	رکھنے کی گویا ان کی فطری عادت
بذلک،	سی تھی، اس بات مین ان کو خاص
(جامع)	خصوصیت حاصل تھی،

عرب کا بدو کتابون کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا، بدوون کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا، حرف فی تامورک خیر من عشرۃ فی کتبک (دل مین ایک حرف کا محفوظ رہنا کتابون کی دس باتون سے بہتر ہے)

عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے، ؎

لیس بعلم ما حوی القمطر ما العلم الا ما حوی الصدر

علم وہ نہیں ہے جو کتابوں مین درج ہے نہین ہے علم لیکن صرف وہی جو سینہ مین محفوظ ہو

دوسرا کہتا ہے:- ؎

استودع العلم قرطاسا فضیعه وبئس مستودع العلم القراطیس

جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اوس نے اوسکو ضائع کیا علم کے بد ترین مدفن کاغذ ہین

تیسرے کا شعر ہے،

علمی معی حیث ما یممت احمله بطنی وعاءله لا بطن صندوق

علم میرے ساتھ ہے جہان جاتا ہون اسکو اٹھائے ہوئے جاتا ہون میرا اندر اس علم کا برتن ہے نہ شکم صندوق

ان کنت فی البیت کان العلم فیه معی اذا کنت فی السوق کان العلم فی السوق

گھر میں رہتا ہون تو علم میرے ساتھ رہتا ہے جب بازار مین ہوتا ہون تو میرا علم بھی بازار مین ہوتا ہے

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے، لکھنے اور کتابت کے متعلق شاید ہی کسی زبان میں اس قسم کے اشعار مل سکتے ہین، سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ فطرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا، قاعدہ ہے، کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ استعمال کرتا ہے اسی مین جلا پیدا ہو جاتی ہے مختلف اقوام کی مختلف چیزون کے ساتھ خاص مناسبت یہی وجہ ہے، اسی لئے یہ مسلّم ہے کہ ان العرب قد خصت بالحفظ (عرب حافظہ کی قوت میں خصوصیت رکھتے تھے) ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابون مین درج ہین، کتابی لوگون کے لئے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے، حافظ عمر بن عبد البر لکھتے ہین،

کان احدھم یحفظ اشعار ان میں بعض لوگ صرف ایک دفعہ سنکر

بعض فی سمعة واحدة ۔ لوگوں کے اشعار یاد کر لیا کرتے تھے،

ابن عباسؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ستر شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا، شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق کچھ گفتگو چلی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا، جو مخاطب تھا، اس نے پوچھا کہ تم کو ایک دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا، بولے کہو تو پورے ستر شعر سنا دوں۔ اور سنا دیا حدیث کے مشہور امام زہری کا بیان لوگ نقل کرتے ہیں، کہ

انی لامرُّ بالبقیع فاسد	میں "بقیع" کی طرف گذرتا ہوں اور
آذانی مخافة ان یدخل	اپنے کانوں کو بند کر لیتا ہوں اس
فیھا شیئ من الخنا فواللہ	اندیشہ سے کہ اس میں کوئی بری
ما دخل اذنی شیئ قط	خراب بات نہ داخل ہو جائے،
فنسیتہ ۔	کیونکہ قسم خدا کی میرے کان میں
	کوئی بات اب تک ایسی داخل نہیں ہوئی
(ابن عبد البر)	ہے، جسے میں بھول گیا ہوں،

شعبی بھی یہی کہتے تھے ۔۔

ماکتبت سوداء فی بیضاء	میں نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر
وما استعدت حدیثا	کچھ نہیں لکھا، اور نہ کسی شخص کی گفتگو
من النسیان ۔ (ابن سعد)	میں نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی۔

غیروں پر تو حجت نہیں ہو سکتی، لیکن علمائے اسلام کا خیال ہے کہ علاوہ اس کے کہ عرب کا حافظہ کچھ قدرتی طور پر غیر معمولی تھا، یہ بھی سمجھا جاتا ہے، کہ قرآن مجید کے متعلق جس نے

"انا له لحافظون" کا اعلان کیا تھا، اسی قوت نے قرآن کی عملی شکل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت جن کے سپرد کی تھی، ان کے حافظوں کو غیبی تائیدون کے ذریعہ سے بھی کچھ غیر معمولی طور پر قوی ترکر دیا تھا، اور یہ تو بخاری مین ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ رسالت مین نسیان کی جب شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص توجہ اور دعا کے ذریعہ سے ان کے حافظہ کو ایسا بنا دیا تھا، کہ پھر وہ کوئی چیز بھول نہین سکتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت تمام صحاح کی کتابون مین مروی ہے، تقریبًا شہرت کی انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی ہے،

(باقی)

سیرۃ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ

۱۱۱۵ھ – ۱۲۰۶ھ

از

مولانا مسعود عالم ندوی کیٹلاگر اورنٹیل لائبریری، پٹنہ

۳۵ء کے آغاز کا ذکر ہے، کہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مین دو دوستون نے ارادہ کیا، کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور مولینا اسمٰعیل شہید (رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین المجاہدین من عبادہ) کی چلائی ہوئی تحریک تجدید و امامت کی مکمل تاریخ مرتب کیجائے، کافی بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ ایک ساتھی حضرت سید صاحبؒ کی سیرت مرتب کرے، اور دوسرا اپنا سفر واقعہ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) سے شروع کرے، اور جہان تک بن پڑے، نشانِ راہ کا پتہ لگاتا چلا جائے،

دونون نے اپنا اپنا کام شروع کیا، ان مین جو صاحبِ دل اور سراپا اخلاص و جہاد تھا، اوس نے سیرت احمد شہید مرتب کرلی، میرا اشارہ اپنے مخلص دوست مولانا ابو الحسن سید علی حسنی ندوی (استاذ تفسیر و ادب، دار العلوم ندوۃ العلماء) اور ان کی تصنیف سیرۃ سید احمد شہید کی طرف ہے، جو دو سال ہوئے، اہلِ ذوق کے ہاتھون مین پہونچ چکی ہے، اور اب اوس کا دوسرا اڈیشن زیر ترتیب ہے،

دوسرے (یعنی راقم) نے بھی اپنا کام تیزی کے ساتھ شروع کیا، لیکن قدم قدم پر دکاوٹین پیش آئین، نشان راہ دھندلا ہو چکا تھا، جانتے والے اور دیکھنے والے ابدی نیند سو چکے تھے، سننے والے ڈر کے مارے لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے ...... لیکن قلم کا مسافر اپنی منزل مقصود کو نہیں بھولا، تلاش وجستجو کا پہلا نمونہ مرحوم "الضیاء" کے آخری نمبر (شعبان ۱۳۵۴ھ نومبر دسمبر ۱۹۳۵ء) میں شائع ہوا، پھر مزید تلاش اور چھان بین کے بعد "وہابیت ایک دینی وسیاسی تحریک" کے عنوان سے "الہلال" پٹنہ کے نو نمبرون (اپریل ومئی ۱۹۳۶ء) مین شائع ہوا، اور مخصوص حلقوں میں بہت مقبول ہوا[1]

بزرگون کی حوصلہ افزائی اور دوستون کے اصرار سے ہمت بڑھی، اور اللہ کے فضل سے پوری جماعت کی مکمل تاریخ کا مواد فراہم ہو گیا، اور سلسلہ اب تک جاری ہے جو کچھ مواد فراہم ہو چکا ہے، وہ ایک ضخیم اور جامع کتاب کی ترتیب کے لئے کافی ہے،

دوران بحث وتحقیق مین نجد کی وہابی تحریک (جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے) کا ذکر بار بار ملا، اور ایسی غلط بیانیان نظر سے گذرین کہ یارائے ضبط نہ رہا، سب سے بڑی غلط فہمی جس میں دوست اور دشمن دونوں مبتلا ہین، یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک وہابیت یعنی حضرت سید صاحبؒ کی تحریک تجدید وامامت نجد کی وہابی تحریک ہی کی ایک شاخ ہے، اس میں شک نہیں کہ دونون تحریکون کا ماخذ ایک، مقصد ایک اور دونون کے چلانے والے یکسان سرگرم اور مجاہد تھے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر بالکل اٹل ہے، کہ ایک کا دوسرے سے دور کا بھی تعلق نہیں، یعنی ایک نے دوسرے کی تعلیمات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھایا، سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب زمین پیاسی ہوتی ہے، تو باران رحمت

---

[1] ذوق ایسے بھی دیکھے جنھون نے اصل اخبار کی کاپیان نہ ملنے پر پورے مضمون کی نقل کرائی،

کا نزول ہوتا ہے، جب اندھیاری حد سے بڑھ جاتی ہے، توسپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، بارہوین صدی ہجری کے آغاز مین مسلمانون کا تنزل اپنی آخری حد کو پہونچ چکا تھا، اللہ نے اپنے مختلف برگزیدہ بندون کو مختلف علاقون مین تجدید و امامت کے منصب پر مامور کیا، ان غیر معمولی افراد مین جنھین ہم مجدد بھی کہہ سکتے ہین، شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء - ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء) حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء - ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) شیخ محمد بن علی السنوسی (۱۲۰۵ھ - ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء) اور امیر عبد القادر جزائری (۱۲۲۳ھ - ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) خاص درجہ رکھتے ہین،

ہم نے ابھی لکھا کہ نجد کی تحریک دعوت و تجدید کے متعلق ایسی غلط بیانیان نظر سے گذرین، کہ یارائے ضبط نہ رہا، اور اسی بے اختیاری مین عاجز نے زیر ترتیب کتاب کے دو حصے کر دئے، پہلا حصہ نجد اور شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب کی دعوت سے متعلق تکمیل کے قریب ہے، اس کا پہلا باب آج کی صحبت مین نذر ناظرین ہے، کتاب کا اصلی حصہ وہ ہوگا، جہان شیخ الاسلام کی دعوت پر گفتگو ہوگی، اور افترا پردازیون کے مکروہ چہرہ سے پردہ اٹھایا جائے گا، امید کہ یہ جرات معاف کیجائیگی،

تمہید ذرا لمبی ہوگئی، لیکن اس تحریر کے پس منظر کے طور پر یہ سرگذشت بھی قلمبند کرنا ضروری تھی، اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ عمل مین اخلاص دے، اور اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے،

"مسعود عالم"

جزیرۃ العرب مسلمانون کے دور عروج مین

عرب کے ریگستانون نے گو لیل و نہار کے ہزارون تماشے دیکھے ہین مگر شاید اس تماشے سے بڑھکر کوئی تماشا نہ ہوگا کہ تاریک ذرّون نے ایک چمکتے سورج (وجود نبوی) کے پرتو سے روشن ہوکر ساری دنیا

آنکھون کو اپنی چمک دمک سے روشن کر دیا، اور خود ان کے گوشہ گوشہ کو مطلع انوار بنا دیا اور عین اس وقت جب وہ دشت وجبل اور بحر و بر کو منور کر چکے خود ایسے ماند پڑ گئے کہ دنیا کی نگاہون سے اوجھل ہو گئے، یہ کیون؟ اس لئے کہ ان قومون نے جو اس نور سے منور ہوئین یہ سمجھا کہ ان ریگستانی ذرون کی تابانی کے مقابلہ مین ان کی چمک اور تابانی نگاہون کو خیرہ نہ بنا سکین گی، اس لئے ان کا تاریک اور ماند ہی رہنا اچھا ہے۔

(سید سلیمان ندوی: معارف، نومبر ۲۴ء)

یون تو بنو امیہ کے دور حکومت ہی مین حجاز کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی، دمشق کے شاطرون نے حرمین کو پیرزادون کی خانقاہ بنا دی، اور پھر ابو مسلم خراسانی کی تلوار نے تو عربون کی سیاسی قسمت ہی کا فیصلہ کر دیا، (۱۳۲ھ) اور جو عباسی سلطنت اس کے بل بوتے پر قائم ہوئی، رفتہ رفتہ عجمی شہنشاہی بن گئی، معتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ / ۸۳۳ء تا ۸۴۲ء) کے دور مین ترکون نے زور پکڑا، اور پھر تخت و تاج نے ان کے قدم لئے، نزدیک اور دور بیسیون سلطنتین بنین اور بگڑین، پر غریب عرب کا اس ملک و تاز مین کوئی حصہ نہ تھا،

مسلمانون کے عروج کی ان صدیون مین بغداد اور قرطبہ کی علمی درسگاہین قائم ہوئین ازہر (مصر) زیتونہ (تونس) اور قیروین (فاس) کی مسجدون سے علم وعمل کے چشمے جاری ہوئے، ترکون نے قسطنطنیہ فتح کیا، سلیمان اعظم (۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ / ۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) نے وائنا کی دیوار ہلا دی، مغلون نے ہندوستان کو زیر و زبر کیا،...... لیکن عرب کا شتربان اپنے صحرا مین آرام کی نیند سوتا رہا، عثمانی ترکون نے حجاز پر صدیون حکمرانی کی، لاکھون کروڑون کے چڑھاوے دیئے، مصر کے خراج کا بیشتر حصہ حرمین کی خدمت کے لئے وقف رہا، مجاورون اور متولیون کے لئے بیش قرار وظیفے

مقرر کئے ... پر عرب کی وادی غیر ذی زرع" میں کہیں علم کا چشمہ جاری نہ ہوا، دفتروں کی زبان ترکی رہی، اللہ اکبر! خلیفۃ المسلمین کی حکومت اور مہبطِ وحی میں غیر قرآنی زبان کا چلن!

عبرت کا مقام ہے! اس ذلیل دنیا اور بادشاہی نے کیا کیا نہیں کرایا ہے؟ ہاں سرکاری زبان ترکی رہی، افسر ترکی رہے، رہے عرب تو مزاروں کی مجاوری اور گداگری یا پھر ایامِ جاہلیت کے نمونہ پر لوٹ گھسوٹ ان کا کام رہ گیا تھا،

محمد بن عبد الوہاب | بالآخر جب دنیا پھر تاریکی میں مبتلا ہوگئی، مسلمان کتاب و سنت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے، ایک اللہ کی جگہ سیکڑوں معبود بنا لئے گئے، مصر میں بدوی و رفاعی، عراق و ہند میں عبد القادر جیلی، مکہ و طائف میں ابن عباسؓ، یمن میں ابن علوان سے مرادیں مانگی جانے لگیں[1] اور مسلمان ہر شجر و حجر کے آگے جھکنے لگے، جب یہ حالت ہوگئی، تو پھر اسی بے آب و گیاہ سرزمین پر پہلے پہل تذکیر و ہدایت کا آفتاب ضوفگن ہوا، اور خاکِ عرب کے وہ ذرے جو جہل و شرک کی طغیانی کے باعث ماند پڑ گئے تھے، پھر چمک اٹھے، اور نجد کے چمنستان سے جو اپنے عرار و خزامی[2] کی عطر بیزی کے لئے مشہور ہے، توحید و کلمۂ حق کی ایسی خوشبو پھیلی جس نے تمام عالم کو زعفران زار بنا کر چھوڑا، میری مراد شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (رحمہ اللہ و نوّر ضریحہ) کی ذاتِ گرامی سے ہے جنھوں نے اپنی مسلسل اور انتھک کوششوں سے توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، اور جہاں تک اس مردِ مجاہد کی آواز پہونچ سکتی تھی، اس نے حق و صداقت کا پیغام پہنچایا،

---

[1] تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لمحمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ص ۲، [2] نجد کے عرار، خزامی، رند کا ذکر کلامِ عرب میں بکثرت آیا ہے، محمود شکری آلوسی (م ۱۳۴۲ھ) نے اپنی تاریخ نجد (قاہرہ ۱۳۴۳ھ) میں اس سلسلہ کی منظومات کافی نقل کی ہیں، (ص ۱۹)

ابن عبد الوہابؒ کی پیدایش کے وقت دنیاے اسلام کی حالت

یون تو اسلامی دنیا کا فکری زوال آٹھوین صدی ہجری کے اختتام پر اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا، اجتہاد و نظر کے دروازے عرصہ ہوا بند ہو چکے تھے، متاخرین کے متون و حواشی اور منہیات علما کے زیر درس تھیں، عملی حالت اس سے بھی زیادہ گری ہوئی تھی، لیکن بارھوین صدی ہجری کے آغاز مین یہ انحطاط اس حد کو پہونچ چکا تھا، کہ غیر مسلم بھی عہد صحابہ کے حالات سے اس دور کے مسلمانون کا موازنہ کرتے، تو انھیں تعجب و افسوس ہوتا، امریکی اہل قلم استاذ ڈاڈ (جدید دنیاے اسلام[1]: عربی ترجمہ حاضر العالم الاسلامی ص ۲۰ ۔ ۲۵۹، جلد ۱) کے بیان کے مطابق:

"مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی مین تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدین ویران اور سنسان پڑی تھین، عوام جاہل ان سے بھاگتے تھے، اور تعویذ گنڈے اور مالائین پہن کر گندے فقرا اور دیوانے درویشون سے اعتقاد رکھتے، اور بزرگون کے مزارات پر زیارت کو جاتے، جن کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جاہلون کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اسکی طاعت بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن کریم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اسکی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، .... یہان تک کہ مقامات مقدسہ (مکہ و مدینہ) بد اعمالیون کے مرکز بن گئے تھے، اور حج جسکو رسول اللہ نے فرائض مین داخل کیا تھا، بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا، فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی، ...... اگر محمد (ص) پھر دنیا مین آتے، تو وہ اپنے پیرووں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے،

---

[1] The new world of Islam

ایک غیر مسلم مبصر کے اس تیار کردہ خاکہ مین مسلمانون کے جو خط و خال نظر آتے ہین وہ آج بھی بڑی حد تک صحیح ہین یا نہین؟ امیر شکیب کی راے مین بڑے سے بڑا دقیق النظر عالم بھی اٹھارھوین صدی کے مسلمانون کی اس سے زیادہ صحیح اور واضح تصویر نہین کھینچ سکتا تھا[۱]"

طولِ کلام اگر بار نہ ہو، تو اپنی بدنصیبی کی مزید داستان ایک دوسرے مغربی مبصر کی زبانی بھی سُن لیجئے:

اٹھارھوین صدی مین مسلمانون کا جوش ہر جگہ سرد تھا، براے نام خلیفہ کی ساکھ گر چکی تھی، اور مقبوضہ کے جنوب مین اطاعت تسلیم بھی نہیں کی جاتی تھی، مین ایک صدی پہلے یہ جُوا اپنے گردن سے اتار چکا تھا، مکہ کے اشراف عیسائیون کی نسبت اپنے سردار کے مقابلہ مین زیادہ سرگرمی دکھانے کو تیار تھے، یہ کیفیت جو آج دکھائی دیتی ہے، اُس وقت اس کا احساس بہت کم تھا، اور روحانی مرکز مکہ مادی عیش و آرام کا شکار ہو چکا تھا، اور تقوی و زہد کے علاوہ وہاں ہر چیز کے لئے رواداری موجود تھی، حالانکہ ہندوستان مین عیسائیوں کی فتح اور قبضہ نگاہون کے سامنے تھا، اور یورپ مین بھی غیر مسلم طاقتیں ترکون کا پانسہ پلٹ رہی تھیں، لیکن عرب مین ان واقعات کا بہت کم احساس تھا، اور یہ عام غیض و غضب جس کا مظاہرہ آج فرانس، برطانیہ اور روس کے خلاف کیا جارہا ہے، اس وقت بالکل مفقود تھا، جہان غصہ نہین وہان جوش نہین، چہ جائیکہ تبلیغی کوششین ہون، (خلاصہ یہ کہ) اس وقت اسلام کا رُخ تنزل کی طرف تھا، اور یہ تجدد جس کی لہر انیسویں صدی عیسوی مین افریقہ اور چین تک پہونچکر رہی، اس وقت اسکی پیش بینی نہین کیجا سکتی تھی[۲]"

---

[۱] حاضر العالم الاسلامی جلد ۱ ص ۲۷۰ (حاشیہ) سنہ ۱۹۲۴؁ء مین یہ کتاب تالیف ہوئی،

[۲] Hogarth: Penetion of Arabia (ص ۷۳)

نجد ابن عبدالوہاب سے پہلے

بارھوین صدی ہجری کے آغاز مین اسلامی دنیا اور مقامات مقدسہ کا جو حال تھا، اس کا ہلکا سا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہوگا، لیکن جزیرۃ العرب کے قلب (نجد) کی حالت اور بھی خراب تھی، کم سے کم جو کہا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ اہل نجد اخلاقی انحطاط مین حد سے گذر چکے تھے، اور ان کی سوسائٹی مین بھلائی، برائی کا کوئی معیار نہیں قائم رہا تھا، مشرکانہ عقائد صدیون کے تسلسل سے اس طرح دلون مین گھر کر چکے تھے، کہ ایک بڑا طبقہ انہی خرافات کو دین صحیح کا نمونہ جانتا تھا، اور غلط یا صحیح وہ اپنے آباؤ اجداد کی روش سے ہٹنے کے لئے تیار نہین تھے

جبیلہ (وادی حنیفہ) مین زید بن خطاب رضی کی قبر کی پرستش ہوتی تھی، درعیہ مین بھی بعض صحابہ کے نام سے منسوب قبرین اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے مرکز بنے ہوئے تھے، وادی غبیرا مین ضرار بن ازور کا قبہ بدعتون کی نمایش گاہ ہو رہا تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ بلیدۃ الفدا مین ایک پرانے درخت کے ساتھ جوان مرد اور عورتین جو سلوک کرتی تھین، ان کے بیان سے زبان قلم قاصر ہے، خلاصہ یہ کہ مایوس عورتین اولاد کی تمنا مین اس درخت سے ہمکنار ہوتین، نیز درعیہ کے پاس ایک غار تھا، جہان حد درجہ شرمناک برائیان ہوتی تھین،[1]

---

[1] نجد کی بدعات کا ذکر تمام تاریخون مین آتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:-

(الف) روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام و تعداد غزوات ذوی الاسلام تالیف شیخ حسین بن غنام (شاگرد و معاصر شیخ الاسلام م ۱۲۲۵ھ) (ص ۶-۱۶)

(ب) عنوان المجد فی تاریخ نجد ص ۶ تالیف عثمان بن بشر النجدی (م ۱۲۸۸ھ) یہ دو کتابین تاریخ نجد پر امام اور اصل کا حکم رکھتی ہین، تفصیلی گفتگو ماخذ کے باب مین آئے گی،

(ج) الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ، مرتبہ سلیمان بن سحمان (ص ۴۴) نیز تبرئۃ الشیخین الامامین (سلیمان بن سحمان ص ۱۶۳ - ص ۱۶۴)

یہ سب کچھ دین اور مذہب کے نام پر ہوتا تھا، اور جو دو چار فقہ و حدیث سے بہرہ ور تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہمت نہیں پاتے تھے، آخر علماے نجد دنیا کے علما سے الگ تو تھے نہیں!!

سیاسی حالت اور خراب تھی، خانہ جنگی اور بدحالی عام تھی، شمالی نجد (جبل شمر) میں قبیلہ طے اور حسا میں بنو خالد کا زور تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عینیہ کی امارت حسا کے بنو خالد کا اقتدار مانتی تھی، اسکی تفصیل آگے آتی ہے، درعیہ میں قبیلہ عنزہ کے قدم جم رہے تھے، درعیہ سے قریب منفوحہ میں دواس کی الگ امارت قائم ہوگئی تھی نجد کا چھوٹا سا علاقہ[۱] چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، (فلبی ص ۶)

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۷) (۷) ہمزہ / صدحکھک از فلبی (دی ماڈرن ورلڈ سیریز ۱۹۳۰ء ص ۴۰۵) فلبی اور ابن سحمان کا ماخذ بھی ابن غنام ہی کی کتاب ہے،

[۱] عرب کے مختلف حصوں اور خاصکر نجد کا جغرافیہ ذرا مشکل سے سمجھ میں آتا ہے، ہمارے ہاں جیسی صوبہ اور ضلع وار مرتب تقسیم ان کے ہاں نہیں ہے، اور نہ موجودہ دور سے پہلے ملک میں کوئی قابل ذکر سیاسی وحدت تھی، مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ نجد کے تین بڑے بڑے حصے ہیں :-

(۱) شمالی مغربی حصہ جس کا نام شمر ہے، اس کے مشہور شہر حائل اور القصر ہیں،

(۲) شمالی مشرقی حصہ جس کا نام القصیم ہے، اس کے مشہور مقامات عنیزہ اور بریدہ ہیں،

(۳) جنوبی حصہ جو العارض کہلاتا ہے، اس کا مشہور شہر ریاض ہے، جو آج سعودی حکومت کا پایہ تخت ہے، عارض کو جبل یمامہ بھی کہتے ہیں، اصل میں یہ ایک پہاڑی کا نام ہے، اور اس کے گرد و نواح کی زمین وادی حنیفہ اور یمامہ کہلاتی ہے، شیخ الاسلام کی جاے پیدائش عُیَینہ اور دعوت کا مرکز درعیہ دونوں اسی وادی میں واقع ہیں، جو نجد کے قلب کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :-

خاندان | اس پر آشوب دور اور ناموافق ماحول میں محمد بن عبد الوہاب نے آنکھیں کھولیں، عُیینہ[1] کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے[2] (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) ان کے جد امجد سلیمان علی بن مشرف[3] (م ۱۰۷۹ھ) اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور علماے نجد کے مرجع و ماویٰ تھے، مناسک میں ان کی کتاب مشہور ہے، اور السحب الوابلۃ (ص۱۰۳) کے بیان کے مطابق مناسک کے باب میں عام طور پر حنابلہ اسی پر اعتماد کرتے ہیں، (دیکھو: عنوان ص۲۷) انکے چچا ابراہیم بن سلیمان بھی ممتاز عالم تھے، ابراہیم کے بیٹے عبد الرحمٰن (م ۱۲۰۶ھ) بھی فقیہ و ادیب تھے (عنوان ص۹) شیخ کے والد عبد الوہاب

(بقیہ حاشیہ ص۳۶۸) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: لفظ Arabia جلد ۱ ص۳۷۱) اور Britannica (جلد ۳ ص ۶-۸۹۳) تاریخ نجد (اسلم) ص۹-۶، اور "عرب کی موجودہ حکومتیں" (شاہ معین الدین ندوی) ص۸ میں بھی نجد کا مختصر جغرافیہ دیا گیا ہے۔

[1] فلبی کی قابلِ قدر کتاب Arabia میں عام طور پر مقامات کا تلفظ صحیح ہے لیکن عیینہ کو وہ Ayainah لکھتا ہے جو صحیح نہیں بلکہ Uyainah ہونا چاہئے، عام طور پر یورپین مصنف Ayainah یا Aiyainah لکھتے ہیں، (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۴ ص۱۰۸۶: ڈکشنری آف اسلام ص۶۵۹) حالانکہ دونوں غلط ہیں، عُیینہ (بضم عین)، عین (چشمہ) کی تصغیر ہے، پہلے اس مقام پر کوئی چشمہ تھا، اب اسے شیخ الاسلام کی نسبت سے عیینۃ الشیخ بھی کہتے ہیں۔ [2] شیخ کی ولادت ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء میں ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں (ابن غنام: ج ۱ ص ۳۰: عنوان المجد جلد ۱ ص۱۳۸): بعد کے لکھنے والوں میں احمد بن زینی دحلان (الدرر السنیۃ ص۴۲: خلاصۃ الکلام ص۲۲۹) نے ۱۱۱۱ھ اور امیر شکیب (حاضر جلد ۴ ص ۶۱) نے ۱۱۱۶ھ ہجری تاریخ ولادت بتائی ہے، جو غلط ہے، اسی طرح Hughes (ڈکشنری آف اسلام ص۶۵۹)، ونفرڈ بلنٹ (اے پلگریمیج ٹو نجد (ضمیمہ) ص۲۵۱) اور ذویمر Arabia (The Cradle of Islam) ذویمر نے تاریخ ولادت ۱۶۹۱ء لکھی ہے، جو یکسر غلط ہے، ہوگرٹ (ص۱۳) نے بھی سال ولادت غلط (۱۶۹۶ء) دیا ہے، بروکلمن (ذیل: ۲: ۵۳۰) نے جائے ولادت غلط بتائی ہے

ابن سلیمان (م ۱۱۵۳ھ) بھی فقہ مین دخل رکھتے تھے، اور ایک عرصہ تک عُیینہ اور حریملا میں عہدۂ قضا پر مامور رہے، (دیکھو السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ (مخطوط ص ۱۰۲، ۱۴۱) سلیمان بن عبد الوہاب (م ۱۲۰۸ھ) اور ان کے فرزند عبد العزیز (م ۱۲۶۳ھ) بھی ممتاز علمی حیثیت کے مالک تھے، ۱۲۳۶ھ میں مصری یلغار کے وقت وہ حریملا میں موجود تھے، محبوس کئے گئے، اور طرح طرح کی سختیون سے دوچار ہوئے ان کا کتاب خانہ نذر آتش کیا گیا، اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا، (عنوان جلد ا ص ۲۳۶)

نشو ونما | محمد بن عبد الوہاب آغازِ طفولیت ہی سے ذہانت اور قوتِ حافظہ میں ممتاز تھے، دس برس کی عمر سے پہلے قرآن مجید کے حفظ سے فارغ ہوگئے، اپنے والد سے فقہ حنبلی کی کتابین پڑھین، اور بچپن ہی مین حدیث و تفسیر کی کتابین کثرت سے مطالعہ کین، ان کے والد عبد الوہاب ہونہار لڑکے کی ذہانت اور استعداد سے متعجب ہوتے، ان کا بیان ہو کہ محمد کی تدریس کے دوران مین وہ خود بھی اپنے ہونہار بچے کی ذہانت اور وسعتِ معلومات سے مستفید ہوئے، شیخ عبد الوہاب اپنے بیٹے کے علم سے اس قدر متاثر تھے، کہ نوعمری کے باوجود انھین امامت

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۹) ۳ (الف) شیخ کا پورا نسب نامہ یہ ہے:-

محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف الخ

(ب) السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ (مخطوط مشرقی کتبخانہ پٹنہ) مین اس خاندان کے مندرجہ ذیل افراد کے حالات ملتے ہین،

۱- سلیمان بن علی بن مشرف (ص ۱۰۳)

۲- ابراہیم بن سلیمان بن علی (ص ۹)

۳- عبد الوہاب بن سلیمان بن علی، سلیمان بن عبد الوہاب، عبد العزیز بن سلیمان (م ۱۲۶۳ھ) (ص ۱۰۲، ۱۴۱)

۴- عبد الوہاب بن عبد اللہ بن عبد الوہاب بن مشرف (م ۱۱۲۵ھ) ص ۱۲۲

کے لئے آگے بڑھاتے، کم سنی ہی مین شادی ہوئی، اور فریضۂ حج سے مشرف ہوئے، مدینہ منورہ مین دو ماہ قیام کے بعد عُیَینہ واپس ہوئے، اور اپنے والد ماجد سے تحصیل علم مین مصروف ہوگئے، یادداشتین اور علمی کتابین نقل کرتے، اتنی محویت ہوتی کہ ایک ایک نشست مین بیس بیس صفحے لکھ جاتے، (ابن غنام صفحہ ۳۰)

علم کی راہ مین — ابن عبد الوہابؒ قدرت کی طرف سے غیر معمولی حساس دل لیکر آئے تھے، اپنے گرد و نواح نجد کے شہرون اور بستیون کی حالت دیکھ دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتے، عام لوگون کا تو ذکر ہی کیا، خود اہل علم کی حالت ناگفتہ بہ تھی، محمد اپنے والد عبد الوہاب سے جو نجد کے علماء مین ممتاز تھے کچھ حاصل کر سکتے تھے، اس مین کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن ہونے والے مصلح اور مجدد کی پیاس چلو پانی سے کس طرح بجھ سکتی تھی؟ حج سے مشرف ہو چکے تھے، حجاز کی مرکزیت دل مین رکھی تھی، طلب علم کا خیال آتے ہی حجاز کا ارادہ ہوا، پرجوش نوجوان کی عمر کوئی بیس برس ہوگی، کہ لیلاے علم کے شوق میں اس نے دشت نوردی کی ٹھانی، اور حجاز کا رُخ کیا، (۱۱۳۵ھ تقریباً)

دوبارہ حج بیت اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت سے مشرف ہو کر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تحصیل علم مین منہمک ہوگئے، خاص طور پر نجد کے مقام مجمعہ کے ایک مشہور عالم عبد اللہ بن ابراہیم بن سیف (جو جوار رسولؐ مین جا کر بس گئے تھے) کی صحبت سے مستفیض ہوئے، شیخ عبد اللہ بن ابراہیم نجدی (مدنیؒ) کی جلالت قدر اور اخلاص کا اندازہ اس روایت

۱؎ عبد اللہ بن ابراہیم بن سیف اپنے وقت کے مشہور فقیہ تھے، شام جا کر مشہور حنبلی عالم شیخ ابو المواہب (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا، ان کے بیٹے ابراہیم بن عبد اللہ بن ابراہیم (م ۱۱۸۵ھ) بھی مشہور عالم تھے، انکی عذب الفائض فی شرح الفیۃ الفرائض مشہور ہے (السحب الوابلہ ص ۱۱) افسوس کہ شیخ عبد اللہ بن ابراہیم کا سال وفات نہ معلوم ہو سکا،

سے ہوتا ہے، جو خود شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی زبانی منقول ہے، شیخ کہتے ہیں :۔

"میں ایک دن ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ انھوں (عبد اللہ بن ابراہیم) نے فرمایا، تمھیں وہ ہتھیار دکھاؤں، جو میں نے اہل مجمعہ کے لئے تیار کیا ہے"؟ میں نے کہا "ضرور" تو مجھے وہ ایک کمرہ میں لے گئے، جہاں کتابوں کا انبار تھا، اور بولے ہم نے ان لوگوں کیلئے یہی اسلحے فراہم کئے ہیں، (عنوان ص۸)

شیخ عبد اللہ بن ابراہیم (م ؟ سنہ) ہی کے توسط سے شیخ محمد حیاۃ سندھی[۱] سے تعارف حاصل ہوا، جو اس وقت مدینۃ الرسول میں حدیث و سنت کے مسلم استاذ تھے، ابن عبد الوہابؒ ان کے مخصوص شاگردوں کے حلقہ میں داخل ہوگئے، اور عرصہ تک خدمت میں حاضر رہے، اسی سلسلہ میں شام کے نامور عالم شیخ علی داغستانی (م ۱۱۹۹ھ) سے بھی روایت کا ذکر کیا جاتا ہے، جو قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا، [۲] (الزہراء، رجب ۴۵ھ) اسی طرح مدینہ منورہ کے مشہور محدث

۱؎ محمد حیاۃ سندھی (م ۱۱۶۳ھ) سلک الدرر جلد ۴ ص ۳۴ ؛ ۱۱۶۵ھ ؛ عنوان المجد جلد ۱ ص۲۵ بروکلمن (ذیل جلد ۲ ص ۵۲۲) نے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے، صرف "۱۱۵۰ھ کے بعد" پر اکتفا کیا ہے، مولوی اسلم صاحب جیراجپوری (تاریخ نجد ص ۳۱، حاشیہ) نے تاریخ وفات ۱۱۳۵ھ لکھی ہے، جو صحیح نہیں،

۲؎ شیخ علی داغستانی بارھویں صدی میں دمشق کے علماء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے، شیخ محمد حیاۃ سندھی سے روایت حدیث کی اور بیسیوں ان سے مستفید ہوئے ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ تحصیل علم کو آئے، اور ایک مدت وہاں قیام پذیر رہے، ۱۱۵۰ھ میں لوٹ گئے (سلک الدرر ج ۳ ص ۲۱۵) شیخ کے زمانہ قیام مدینہ منورہ میں انکی عمر بہت کم رہی ہوگی، اسلئے ان سے شیخ کا مستفید ہونا قرین قیاس نہیں، صرف محب الدین خطیب نے اسکا ذکر کیا ہے، (الزہراء رجب ۴۵ھ)

محمد بن سلیمان کردی مدنی (م ۱۱۹۴ھ) سے بھی استفادہ کا ذکر بعض تاریخون مین آتا ہے، لیکن مستند اور معاصر تاریخون کی خاموشی کے علاوہ سنین اور واقعات بھی اسکے خلاف شہادت دیتے ہین۔[1]

استاذ محترم مولینا سید سلیمان ندوی مدظلہ (سلاطین نجد کا مذہب: معارف نومبر ۲۴ء) نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور شیخ الاسلام دونون کا منبع فیض ایک (مسجد نبوی) بتایا ہے، اصلی سرچشمہ (کتاب وسنت) کے اتحاد کے ساتھ ساتھ درسگاہ (مسجد نبوی) کے ایک ہونے مین بھی شبہہ نہین، لیکن استاذ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا،

بیب بتنونی (الرحلۃ الحجازیہ ص۳) مکہ مکرمہ مین بھی تحصیل علم کا ذکر کرتا ہے، لیکن کسی مستند روایت سے اسکی تائید نہین ہوتی،

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا، اور وہان شیخ محمد مجموعی سے حدیث ولغت کا درس لیا، اور ان کی خدمت مین برابر حاضر ہوتے رہے، ابن بشر نے اپنے استاذ عثمان بن منصور ناصری سے روایت کی ہے، کہ شیخ محمد مجموعی کی اولاد بھی علم و عمل میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی، (ص۸) شام کا بھی ارادہ رکھتے تھے[2] لیکن زادراہ کی کمی کے باعث کامیاب نہ ہوئے، (ص۷) اور احسا

---

[1] محمد بن سلیمان کردی مدنی (م ۱۱۹۴ھ)، ابن غنام اور ابن بشر نے محمد بن سلیمان کردی کی شاگردی کا ذکر نہین کیا، صرف احمد زینی دحلان (الدرر السنیۃ ص ۴۲، ۳۵) نے شیخ کردی کی شاگردی کا ذکر کیا ہے اور بڑے زور وشور سے، دحلان کی اس کتاب اور خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام مین اس درجہ غلط بیانیان بلکہ افترا پردازیان ہین، کہ اس غیر معتبر روایت پر بھی یقین کرنے کو جی نہین چاہتا، بعد کو اس رائے کی مزید تائید ملی، محمد بن سلیمان کردی ۱۱۹۴ھ میں ۸۰ سال کی عمر پاکر فوت ہوئے: سلک الدرر جلد ۴ ص ۱۱۱ اس لحاظ سے ان کی ولادت ۱۱۲۷ھ کے لگ بھگ ہوئی، اس طرح پر شیخ کے زمانہ تحصیل میں یہ بھی بالکل نوعمر ہونگے، اور ان سے شیخ کا مستفید ہونا بالکل قرین قیاس نہین، [2] امیر شکیب نے دمشق مین تحصیل علم کا ذکر کیا ہے،

ہو کر حریملا (نجد) کو لوٹ آئے جہاں ان کے والد ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء میں عینیہ سے منتقل ہو چکے تھے،

دعوت و تبلیغ ابن عبد الوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے، ابھی عینیہ میں فقہ و حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، کہ بدعات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں، اور جہاں کوئی عمل اصولِ دین کے خلاف پاتے، فوراً نہی عن المنکر کے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے،

مدینہ منورہ میں محمد حیاۃ سندھی اور علی بن ابراہیم بن سیف نجدی سے استفادہ کے بعد حدیث پر نظر ہوئی، اور پھر چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو انھیں دنیا گمراہی کی سیاہ چادر

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۳) حاضر: ۴ صفحہ ۱۶۱) جو صحیح نہیں، مارگولیوتھ (انسائیکلو پیڈیا، جلد ۴ ص ۱۰۸۶-۹۰) نے تو افترا پردازیوں کی انتہا کر دی ہے:: وہ کہتا ہے:

"بغداد میں شادی کی جو دو ہزار دینار چھوڑ کر مری"...... کردستان، ہمدان، قم اصفہان کی زیارت کی اور قیام کیا!!

اس بیچارے کو سب سے مستند تاریخ روضۃ الافکار والافہام کے مصنف کا نام تک نہیں معلوم حالانکہ فلبی کی کتاب Arabia کا ذکر کرتا ہے، اور اس میں ابن غنام کا نام بار بار آیا ہے، پھر بھی روضۃ الافکار اور ابن غنام کی کڑی نہ مل سکی، علم کا یہ حال ہے، لیکن بے سرو پا افسانے ہیں، کہ گھڑے جا رہے ہیں، اس نے لفظ Wahhabiyah کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے، اسی قسم کے مہملات کا مجموعہ ہے کچھ نمونے آگے آئینگے

Hughes (ص ۶۵۹) زویمر Arabia The Cradle of Islam ص ۱۹۲)

ڈبلیو ولسن (Wilson The Expansion of Islam ص ۱۹۱) پالگریو (ص ۳۶۲-۳۶۳) میں سے کسی نے سفر بغداد، کسی نے سفر دمشق اور کسی نے دونوں کا ذکر کیا ہے لیکن واقعہ یہی ہے، کہ شیخ الاسلام کو بصرہ سے آگے جانے کا موقع نہ ملا، بغداد، شام یا مصر کے سفر کا کوئی ثبوت نہیں،

ین پائی ہوئی نظر آتی، جہان تک پتہ چلتا ہے، شیخ نے سب سے پہلے اسی زمانہ مین استغاثہ کے خلاف آواز بلند کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس جاہلون کی حرکتین دیکھ دیکھ کران سے نبھانہ ہوسکا، ایک مرتبہ وہ حجرہ نبوی کے پاس کھڑے تھے، اور سامنے بدعات کا بازار گرم تھا اتنے مین ان کے استاذ محمد حیاۃ سندھی آگئے، شیخ نے پوچھا: ان لوگون کے متعلق آپ کیا کہتے ہین"؟ استاذ نے جواب دیا: (اِنَّ ھٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا ھُمْ فِیْہِ وَبَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ) عنوان ص

بصرہ مین یہ جذبہ اور تیز ہوگیا، نہی عن المنکر بلا خوف کرتے جس کے پاداش مین انھین طرح طرح کی تکلیفین جھیلنا پڑین، اور آخر انھیں بصرہ چھوڑنا پڑا، یہی نہیں، بلکہ ان سے تعلق اور ہمدردی کے جرم مین شیخ محمد مجموعی کو بھی ستایا گیا، بدبختون نے انھیں ٹھیک دوپہر کے وقت نکالا تھا، بیچارے اسی حال مین زبیرؔ کی طرف جارہے تھے، کہ راستہ ہی مین پیاس کے مارے حلق مین کانٹے پڑ گئے، آخر ایک باخدا انسان ابو حمیدان نامی نے (جو کرایہ کے گدہے رکھتا تھا) دست گیری کی اور پیاس بجھائی، نیز اپنے گدہے پر سوار کرکے زبیر پہنچا دیا، (عنوان ص)

یہ سب دعوت کی ابتدائی منزلین تھین، اور تمہیدی کام تھے، حریملا واپسی کے بعد انھون نے بدعات کے استیصال اور توحید و اخلاق کے عام کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا، دعوت کی بنیاد توحید کی پاکیزگی پر رکھی، اور عبادت کسی قسم کی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے پر زور دیا، کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا بول بالا، ان کا شعار تھا، صدیون کے بگڑے ہوے اخلاق کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا کوئی بچون کا کھیل نہین، وہ بدوؤن سے چوری، رہزنی، مکاری، لوٹ مار کی بری عادتین چھڑا کران مین راست بازی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے۔

زبیر: بصرہ سے قریب ایک قصبہ ہے جو حضرت زبیر بن عوامؓ کے نام پر آباد ہے، اس کے باشندے اس وقت بھی اتباع سنت مین ممتاز ہین،

جاہلون کے عقائد کی اصلاح انھین معبودان باطل بقبہ و قبرسے ہٹاکر پھر معبود حقیقی کی درگاہ مین لاکھڑا کرنا ان کا مقصود تھا، پر یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی، اس کے لئے ایمان خالص اور سچی عزیمت کی ضرورت تھی، اس راہ مین شیخ کو جن صبر آزما مصیبتون سے دوچار ہونا پڑا، اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انھون نے مصائب کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے،

توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سرخم کرنے، قبرون، ولیون سے مدد مانگنے، نیکوکار بندون کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی، قبرون کی زیارت مین مسنون طریقہ کے خلاف جو بدعتین رائج ہوگئی تھین، ان کے مٹانے کو عملی قدم اٹھایا، ......بس پھر کیا تھا، مخالفت کا سیلاب امنڈ آیا، اعزہ اقربا درپے آزار ہوگئے، خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی، (عنوان ص‍) شیخ نے باپ کے ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ رکھا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا، وہ پیچھے نہ ہٹا ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی، پر صبر و عزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ٹل سکا، تمام رکاوٹون کے باوجود انھون نے اپنی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، اور عارض کے تمام قصبات حریملا عیینہ، درعیہ، ریاض وغیرہ مین ان کی شہرت پھیل گئی، اور تعلیمات کی اشاعت ہونے لگی،

۱۱۵۳ھ ۱۷۴۰ء تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا لیکن والد ماجد کی مخالفت کے باعث رفتار سست تھی، مین والد کا انتقال ہوا، تو پھر دعوت و تبلیغ مین گرمی پیدا ہوگئی، علی الاعلان اتباع سنت اور ترک بدعات کا وعظ کہنے لگے، جس سے کچھ لوگ متاثر ہوئے، اور تحریک کے پرجوش معاون بن گئے، شیخ کے درس میں حاضر ہونے لگے، اور ان کے مواعظ سے مستفید ہوئے، شیخ کی مشہور تالیف کتاب التوحید اسی دوران مین تالیف ہوئی، (روضۃ الافکار ص‍۳۶)

(باقی)

مولوی محمد اعجاز حسن خان صاحب رئیس مظفرپور

از

مولوی محمد ریاض حسن خانصاحب خیالؔ رئیس مظفرپور

صوبہ بہار کو ہندوستان کے اکثر صوبون مین ایک خاص امتیاز حاصل تھا جس کے کچھ مٹے مٹے سے نشان اب تک موجود ہین، اور وہ یہ کہ یہان علم اور دولت توام رہے ہین یعنی یہان بہت سے ایسے خاندان تھے جن کے افراد مین فضل وکمال اور جاہ ومال کا اجتماع رہا ہے انکی آخری مثالین مولینا شمس الحق صاحب ڈیانوان عظیم آباد پٹنہ، مولوی رفیع صاحب محدث شکرانوان ضلع پٹنہ، مولینا قاری عبداللہ صاحب بازید پور، مولنا عبدالعزیز صاحب رحیم آباد ضلع دربھنگہ وغیرہ ہین انھی مثالون مین سے دیوان مولا بخش رئیس مظفرپور کا خاندان بھی ہے، اس دودمان عالی کی یادگارین ہماری نگاہون کے سامنے ہین، مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب اور مولوی ریاض حسن خانصاحب ان دونون بھائیون کو علم دوستی اور ہم ذوقی کی بنا پر حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ خاص تعلقات تھے، اور یہی تعلقات وراثت کے طور پر ہم کو ملے،

مولوی ریاض حسن خان صاحب کے نام مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین بہت سے خطوط محفوظ ہین جن سے کاتب اور مکتوب الیہ کے روابط و تعلقات کا اندازہ ہوگا،

مولوی اعجاز حسن خان صاحب کے مضامین الندوہ اور ہمارے معارف مین نکلتے رہتے ہین

جن سے ان کی وسعتِ معلومات اور علمی شوق و ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، افسوس ہے کہ مرحوم نے تین سال ہوئے کہ ۱۸ر فروری ۱۹۲۹ء مطابق ۲۰ رذیحجہ ۱۳۵۰ھ کو وفات پائی، مرحوم سے ہم وابستگانِ دامن شبلی کو ایسے تعلقات تھے جن کی حیثیت عزیزداری سے کم نہیں مرحوم معارف کی محفل میں کئی بار شریک ہوئے تھے اور ناظرینِ معارف کے معلومات کے بڑھانے میں حصہ لیتے رہتے تھے، ان کی وفات کے وقت ان کے ماتم میں معارف کا حصہ لینا ضرور تھا، مگر میری خواہش تھی کہ ان کے خاندانی حالات بھی جواب داستان زمانہ بن رہے ہیں، ساتھ ساتھ لکھے جائیں، اور اس کے لئے ان کے برادر اصغر مولوی ریاض حسن خان سے میری درخواست اصرار کے حد تک تھی، مگر وہ خود بیمار تھے، اسلئے وہ میری درخواست پوری نہ کر سکے، اب حیاتِ شبلی کے سلسلہ میں میں نے ان سے پھر اصرار کیا جسکو انھون نے منظور فرمایا، اور علالت وضعف کے باوجود یہ چند صفحے لکھکر بھیجے جو شائع ہوتے ہیں"

سلسلۂ نسب سلسلۂ نسب بواسطہ امام محمد ملقب بہ تاج فقیہ (فاتح منیر) زبیر بن عبد المطلب ہاشم بن عبد مناف تک پہونچتا ہے، امام تاج فقیہ نے بیت المقدس محلہ قدس خلیل اپنی جائے سکونت سے ہندوستان آکر ۵۷۶ھ میں منیر کو فتح کیا، "دین محمد قوی شد" تاریخ فتح ہے، ان کے تین فرزند تھے :۔ شیخ محمد اسرائیل، شیخ محمد اسمٰعیل اور شیخ عبد العزیز، شیخ محمد اسرائیل حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاری بن یحییٰ منیری کے دادا تھے،

شیخ محمد اسمٰعیل کی ساتوین پشت مین حضرت مخدوم محمد بن علاؒ معروف بہ شیخ قاضن شطاری ہوئے

---

۵ ؎ شیخ قاضن شطاری کا پورا نام مع نسب یہ ہے :۔

شیخ محمد فیض اللہ معروف بہ قاضن شطاری بن قاضی علا بن قاضی عالم بن قاضی جمال الدین ابن علی بن سلیمان بن صلاح الدین بن شیخ محمد اسمٰعیل (فرزند ثانی امام محمد تاج فقیہ) شیخ قاضن بہاری وید صناپہار

یہ حضرت عبداللہ شطار کے خلیفہ اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے پیر کے پیران پیر تھے، سنہ ۹۰۰ھ میں وصال ہوا، قرب حق یافت" تاریخ وصال ہے، حضرت کا مزار مظفرپور سے گیارہ کوس پر ویسالی میں (جو بنیا بساڑھ کے نام سے مشہور ہے) اب تک زیارتگاہ خلائق ہے، مزار کو محکمۂ آثار عتیقہ نے اپنا محفوظہ میں داخل کرلیا ہے، ان کے اخلاف میں شیخ محمد عثمان عرف شیخ گدائی نے بنیا بساڑھ سے رسول پور فتح اپنے مملوک موضع میں آکر سکونت اختیار کی، ان کی نسل سے شیخ خدابخش ایک بزرگ ہوئے، بہت کچھ معیشت حاصل کی، اور بڑے فیاض تھے، فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ان کی حیات میں بستی بھر کھانا انکی سرکار سے ملتا تھا، دونوں وقت جب تک اس کی تحقیق نہ ہوجاتی کہ بستی کے سب لوگوں اور ہر وارد وصادر کو کھانا پہنچ گیا، خود نہیں کھاتے، رسول پور فتح کی سجذالاب اور آم کا باغ وغیرہ انکی یادگار ہے،

دیوان مولا بخش مرحوم | شیخ خدابخش کے نامور فرزند دیوان مولوی مولیٰ بخش خان بہادر سی ایس آئی اوائل سلطنت انگلشیہ یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی اور ملکہ معظمہ وکٹوریا کے ابتدائی عہد میں مختلف عہدوں پر فائز رہکر گورنمنٹ بنگال کے میر منشی بھی ہوے، ابتدائے ملازمت میں کچھ دنوں تک سررشتہ دار رہے تھے، ان دنوں سررشتہ دار کو دیوان کہتے تھے، اسی وجہ سے انکے نام کے ساتھ دیوان کا لفظ بانزد ہوگیا، غدر ۱۸۵۷ء میں ڈپٹی کلکٹر تھے، گورنمنٹ اور پبلک کی خدمات شایستہ انجام دیں، بہتیرے بے گناہوں کو بچایا، اعلیٰ حکام میں بڑا رسوخ تھا، اور پبلک میں بہت ممتاز و موقر اور ہر دلعزیز تھے، ۱۸۵۸ء میں خان بہادر کا خطاب اور ۱۸۶۶ء میں سی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) میں تھے، افسوس ہے کہ ان کا ذکر کتب سیر میں نہیں، اور بعض باتیں تصحیح طلب بھی ہیں، مثلاً ایک کتاب میں انکو بنگالی لکھا ہے، حالانکہ یہ بہاری تھے، انکی تصنیف معدن الاسرار کا ایک قلمی نسخہ مولوی بدر حسن خان صاحب کی نظر سے گذرا ہے،

ایس آئی کا خطاب پایا، (اُس زمانہ میں سی ایس آئی کا طبقہ اب سے زیادہ معزز اور مخصوص تھا، یہی خطاب نفٹنٹ گورنرون اور اکثر والیانِ ریاست کو بھی ملتا تھا، نواب یوسف علی خان بہادر فرمانروائے ریاست رامپور بھی سی ایس آئی ہی تھے) دیوان صاحب نیک نفس اولوالعزم اور علم و فضل کے قدردان تھے، قاضی محمد صادق خان اختر[1] نے ان کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں، اور ان کے فرزند کی ولادت کی تہنیت میں ایک مثنوی نہایت خوب لکھی ہے،

بزرگون سے سنا ہے، کہ جس زمانہ میں دیوان صاحب کانپور میں تھے، شیخ ناسخ بھی کچھ دن ان کے مہمان رہے تھے، مولوی غلام امام شہید سے بھی خصوصیت کے مراسم تھے، وہ پٹنہ لال گوپال بھی مین بھی دیوان صاحب کی ملاقات کو آتے، اور اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کے اعقاب کی ملاقات کو آکر چند روز رہا کرتے تھے، دیوان صاحب نے اپنے موروثی املاک مین اور املاک کا اضافہ کیا، اور اپنے حسنِ تدبیر سے جاہ و ثروت مزید حاصل کی، ۱۲۸۰ھ مین سفرِ حج کو گئے، حج کے بعد ۱۲۸۳ھ مین وقتِ واپسی گونا کی چھاونی، علاقہ ریاست گوالیار مین وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے، ختم بالخیر ۱۲۸۳ھ تاریخِ وفات ہے،

---

[1] معارف:- ملک الشعراء قاضی محمد صادق اختر ہوگلی (بنگال) وطن تھا، قیام لکھنؤ مین رہا، اور وہیں کے طبقہ شعراء مین ان کا شمار ہے، مرزا قتیل کے شاگرد تھے، مصحفی انشا اور جرأت کے مشاعروں مین شریک رہے، نواب غازی الدین حیدر والی لکھنؤ نے ملک الشعراء خطاب دیا، آتش و ناسخ و رند و صبا کے زمانہ تک زندہ رہے، غدر کے بعد ۱۸۵۵ء مین انتقال کیا، تذکرہ آفتاب عالمتاب، صبحِ صادق، دیوان فارسی، دیوان ریختہ وغیرہ تصانیف ہین، یہ مشہور قطعہ جس کا ایک شعر یہ ہے:-

اور امتحان مغیر تو یہ آپ کا غلام ۔۔۔ قائل نہیں ہے قید کسی شیخ و شاب کا

انہی کا ہے،

حکیم ہادی حسن خان نایاب | دیوان صاحب کے دو بیٹے تھے، حاجی محمد امیر حسن خان مرحوم اور محمد حسن خان مرحوم، حاجی محمد امیر حسن خان کے دو صاحبزادے ہوئے، مولوی حکیم محمد ہادی حسن خان نایاب تخلص، اور مہدی حسن خان شاداب تخلص،

حکیم محمد ہادی حسن خان کو علوم عربیہ کے علاوہ فن طب مین بھی مہارت کاملہ تھی، حاذق تھے، اور دست شفا رکھتے تھے، نستعلیق و شفیعا کے خوشنویس تھے، شعر و سخن کا مذاق اچھا تھا، ابتدا مین شیخ عبد الواحد سیماب مرحوم (شاگرد میر وزیر علی صبا) کو کلام دکھایا، پھر اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے، اسیر کے انتقال کے بعد منشی امیر احمد مینائی مرحوم سے مشورۂ سخن کرنا چاہا تھا، کہ ۳۶ سال کی عمر مین ۳ رجب کو ۱۳۰۰ھ مین قضا کی، مگر ان کے انتقال کے بعد پہلے مہدی حسن خان شاداب مرحوم نے پھر مولوی محمد اعجاز حسن خان مرحوم نے دیوان نایاب کے اجزا منشی صاحب کی خدمت مین بھیجے، اور انھون نے اصلاح سے مزین فرمایا، دیوان چھپ کر شائع ہو گیا ہے، دیوان کے علاوہ فن طب مین زکام کے متعلق ایک رسالہ موسوم بہ دُرِ نایاب ہے، اور ایک مولود شریف بھی لکھا ہے، کچھ مجربات بھی لکھے تھے جو غیر مکمل رہ گئے،

مہدی حسن خان شاداب | مہدی حسن خان شاداب مرحوم بڑے ذہین وطباع تھے، پہلے تعلی تخلص کرتے تھے، پھر شاداب تخلص اختیار کیا، ابتدا مین اپنے برادر بزرگ یعنی جناب نایاب کو اپنا کلام دکھاتے تھے، اُن کی وفات کے بعد منشی امیر احمد مینائی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا، ۱۳۰۸ھ مین وفات پائی، منشی صاحب نے امیر اللغات کے دیباچہ مین ان کا بھی ذکر کیا ہے،

حکیم محمد ہادی حسن خان کی والدہ حضرت مخدوم سید زکریا ماڑ ندرانی کی اولاد و احفاد مین تھیں،

مولوی اعجاز حسن خان | حکیم محمد ہادی حسن خان نایاب مرحوم نے تین فرزند چھوڑے، مولوی محمد اعجاز حسن خان

محمد ریاض حسن اور ابوالحسن خان مرحوم نیستان، ان فرزندون کے علاوہ ایک دختر جن کے بڑے بیٹے مولوی حکیم سید محی الدین احمد ندوی، اور چھوٹے بیٹے سید شہاب الدین احمد بی ایل ہین، ابوالحسن خان مرحوم کے بیٹے احمد حسن خان ایم اے ہین،

مولوی محمد اعجاز حسن خان مرحوم کا سلسلہ مادری، بوساطت مخدوم احمد چشتی نوابادی، مخدوم شیخ عبدالعزیز (فرزند ثالث امام تاج فقیہ) تک پہنچتا ہے، سلسلۂ مادری مین بھی علما، ومشائخ بکثرت گذرے ہین، والدۂ ماجدہ کی ننھیال سید ہے، وہ حضرت مخدوم سید شاہ یحیٰی علی قدس سرہ کی حقیقی نواسی تھین، حضرت مخدوم سید شاہ یحیٰی علی کا مزار اسٹیشن خسرو پور کے متصل، صفی پور ضلع پٹنہ مین ہے، حضرت کا سلسلۂ ابوالعلائی صوبہ بہار مین بہت پھیلا، حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری اور حضرت سید شاہ جمال علی شیخپوری آپکے خلفا مین مشہور ہین،

مولوی محمد اعجاز حسن خان کی ولادت، ۲ ربیع الآخر کو ۱۲۹۲ھ مین ہوئی، اوائل عمر مین بعد اختتام قرآن مجید و درسیات فارسی، کتب درسیہ عربیہ مولانا الطاف حسین بناری، مولانا حکیم سید فرزند علی دہلوی، مولانا سید سخاوت حسین کاکوی بہاری وغیرہ علیہم الرحمۃ سے اپنے گھر پر پڑھیں، اکتساب حدیث مولانا حفیظ اللہ فتح پوری (اعظم گڈھی)، سے کیا، فن خوشنویسی مین میر سید میر لکھنوی ایک خاندانی خوشنویس کے شاگرد تھے، حافظہ قوی تھا، ہزارون اشعار یاد تھے، کتب بینی کا شوق تھا، ہر فن کی کتاب کو دیکھتے، تاریخ وتصوف کی طرف زیادہ میلان تھا، حضرات صوفیہ سے عقیدت رکھتے تھے، اگرچہ کسی کے مرید نہیں تھے، فیاض وکنبہ پرور تھے، خفیہ طور سے تیمون اور بیواؤن کی ماہانہ امداد کرتے تھے، نومسلمون کی اعانت کا خصوصیت کے ساتھ خیال رہتا تھا، قرب وجوار کے کتنے متعلمون کو ماہانہ وظیفہ دیکر پڑھایا، مردم شناس اور علم دوست تھے، ان کا اخلاق بے ریا تھا، حکیم حبیب الرحمن خان صاحب (ڈھاکہ) کہتے تھے، کہ اگلے رئیسون کے اوصاف اور جامعیت کا نمونہ جسے دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے۔

اکثر مشاہیر عہد سے ملاقات یا خط و کتابت رہتی تھی شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی خدمت میں انکے بھائیوں: محمد ریاض حسن اور ابوالحسن خان مرحوم کو پہلے سے شرف نیاز حاصل تھا، مولانا شبلی جب مظفر پور میں محمد ریاض حسن کی تحریک سے تشریف لائے، تو مولوی اعجاز حسن خان سے پہلے پہل ملاقات ہوئی، اور آخر تک رسم و راہ خصوصیت کے ساتھ قائم رہی، مولانا کے حادثہ زخم بندوق کے موقع پر اعظم گڈھ بھی عیادت کو گئے تھے، جن دنوں غالباً ۱۹۱۰ء میں حضرت مولانا کا قیام لکھنؤ گولا گنج میں تھا، اور اسی محلہ گولا گنج کے ایک مکان میں محمد اعجاز حسن خان بھی قیام پذیر تھے، دو تین ماہ تک روزانہ مولانا سے شرف صحبت حاصل ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا کو اکثر ان سے کہتے ہوئے سنا کہ آپ میں سب خوبیاں ہیں مگر یہ کمی ہو کہ تالیف و تصنیف کی طرف توجہ نہیں کرتے، افسوس ہے کہ آپ کو اپنے معلومات کی قدر نہیں، ان کو لکھ کر ہزاروں کو مستفید کر سکتے ہیں"۔

جناب حضور شاہ امین احمد علیہ الرحمۃ سجادہ نشین[۵] بہار شریف ان کی بڑی قدر کرتے تھے، جب وہ بہار شریف سے پٹنہ تشریف لاتے، روزانہ ان کی قیام گاہ پر آکر سرفراز فرماتے تھے، گھنٹوں صحبت رہتی، تصوف اور شاعری سے جناب حضور کو ذوق خاص تھا، اکثر یہی تذکرے رہتے، جناب حضور اواخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، مخالفین ندوہ نے ارباب ندوہ کی تقریریں اور تحریریں تدلیس و تحریف کے ساتھ غلط سنا کر ان کو ندوہ سے بدظن کر دیا تھا، جب مولوی محمد اعجاز حسن خان سے اس کا ذکر آیا، تو انھوں نے مخالفین کے افترا، کو کھولا، اور جناب حضور کو اجلاس ندوہ کے خطبات صحیح صحیح سنا کر اور مقاصد ندوہ کی اصلی حقیقت بتا کر ان کے شبہات کو دور کیا،

مولوی محمد اعجاز حسن خان کے بعض بعض مضامین الندوہ، علی گڈھ منتھلی، اور معارف اعظم گڈھ

---

[۵] معارف، سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری فارسی کے مشہور شاعر تھے، مولانا شبلی بھی ان کی مدح فرماتے تھے بہاء الدین آملی کی مثنوی نان و حلوا کے جواب میں مثنوی شہد و شیر لکھی،

مین شائع ہوئے ہین، آخر عمر مین صوبہ بہار کے درویشون کے حال مین ایک کتاب لکھنی چاہتے تھے، کچھ نوٹ بھی قلمبند کر لیے تھے، مگر مرتب و مکمل کرنے کا اتفاق نہیں ہوا،

چھیاسٹھ سال کے قریب عمر پائی، اواخر عمر میں اپنے بھائی محمد ریاض حسن کی علالت شدید و مدید کا ان کے قلب پر صدمہ عظیم ہوا غش پر غش آتے تھے، غالباً اسی وجہ سے بعارضۂ قلب ۲۰ ذوالحجہ کو ۱۳۵۷ھ مین بمقام پٹنہ اکزبیشن روڈ وفات پائی، اور اپنے اجداد مادری کے مقبرہ واقع احمد پور نواباد خرد ضلع پٹنہ میں مدفون ہوئے، محمد ریاض حسن نے یہ قطعہ تاریخ کہا،

جان بحق بسپرد اخ قدسی صفات ۔۔۔ باد روشن تربتش ز انوار قدس

گفت ہاتف مصرع سال رحیل ۔۔۔ کرد او رحلت سوئے گلزار قدس

دوسرے قطعہ مین نام کے ساتھ مصرع تاریخ یہ ہے، ؎

آج گلزار جنان مین گئے اعجاز حسن خان

مولوی محمد اعجاز حسن خان نے عمر بھر اپنی شادی نہیں کی، نام نیک اپنی یادگار چھوڑ گئے،

معارف، اسی زمانہ مین ہمارے فاضل دوست مولنا تمنا عمادی نے فقرہ "علامۂ عصر اعجاز حسن خان" سے مرحوم کی تاریخ وفات نکالی تھی اور حسب ذیل قطعہ لکھا تھا،

آہ اعجاز حسن خان چل بسے ۔۔۔ تھے جو یکتا نکتہ سنج علم و فضل

ایک تو رنج انکی فرقت کا ہوا ۔۔۔ دوسرا جو کا ہے رنج علم و فضل

لکھ تمنا مصرع سال وفات ۔۔۔ "لو ہوا مدفون گنج علم و فضل"

۱۳۵۷ھ

مولوی ریاض حسن خان صاحب دوسرے صاحبزادہ مولوی ریاض حسن خان صاحب بحمد اللہ اب تک بخیر و عافیت ہین، علوم عربی کی تحصیل و تکمیل مین اپنے بڑے بھائی مرحوم کے شریک و سہیم تھے،

ـخ جاکر کچھ دنون پرائیوٹ انگریزی پڑھی، فارسی اور اردو شاعری
لص کرتے ہین، استاذ داغ سے شرف تلمذ حاصل ہے، اور انہی
ـتے ہین،

ـی مرحوم کے بے تکلف دوستوں میں ہیں، اور صوبہ بہار کی ہر علمی
ـہیں، ان کی ولادت کی تاریخ سہ شنبہ ۱۲ ار رجب ۱۲۹۴ھ مطابق
ـء، اطال اللہ بقاءہٗ،

دار المصنفین کی نئی کتاب

تاریخ اسلام حصّہ دوم بنی اُمیّہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

ـتاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہین تھی جس مین تیرہ سو سال
ذکر اسلامی حکومتون کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہو، اس لئے
اسلام کا پورا سلسلہ مرتب کرایا ہے، اس کے بعض حصے پہلے شائع ہو چکے
ـموی حکومت کی صد سالہ سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

۳۷۴ صفحے

ـے

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

خواجہ نظام الدین احمد بخشی

ڈاکٹر بنی پرشاد ناظم بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے خواجہ نظام الدین احمد بخشی مؤلف تاریخ طبقاتِ اکبری کے حالات پر ایک مفصل مقالہ مذکورۂ بالا سوسائٹی کے جرنل مین لکھا تھا جو علحدہ رسالہ کی صورت مین چھپ کر شائع ہوا ہے، ذیل مین اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے،

خواجہ نظام الدین احمد مختلف نامون سے مشہور ہے، منتخب التواریخ بدایونی مین اس کا نام کہین مرزا نظام الدین احمد کہین خواجہ نظام الدین احمد اور کہین صرف نظامی مذکور ہے، ابوالفضل میر ابو تراب (مؤلف تاریخ گجرات مرتبہ ڈینی سن راس) اور فرشتہ اس کے نام کے آگے بخشی بھی لکھتے ہین، بلاخ من آئین اکبری کے ترجمہ مین نظام ہراتی لکھتا ہے، خواجہ نظام الدین کے مفصل حالات کہین نہین ملتے، طبقاتِ اکبری، اکبرنامہ، آئینِ اکبری اور اکبرنامہ مین اس کا ذکر جستہ جستہ آتا ہے، مگر کسی مین اسکی پیدایش کا سنہ درج نہین ہے، مسز بیورج نے بابرنامہ مین لکھا ہے، کہ وہ بابر کی موت کے بیس برس کے بعد پیدا ہوا، بابر کا انتقال جمادی الاول ۹۳۷ھ مین ہوا، اس لحاظ سے مرزا نظام الدین احمد ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) مین پیدا ہوا ہوگا، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے، کہ نظام الدین احمد نے ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ مین سینتالیس سال کی عمر مین انتقال کیا، مگر فیضی رقمطراز ہے کہ وہ ۲۲ صفر ۱۰۰۳ھ مین جان بحق ہوا، ملا عبدالقادر بدایونی اور نظام الدین

مین گہرے دوستانہ تعلقات تھے، اور طبقات اکبری کی ترتیب مین دونون ساتھ تھے، اسلئے ان کا بیان زیادہ مستند اور وقیع ہے، چنانچہ انکے بیان کے مطابق نظام الدین کی تاریخ پیدایش ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء قرار دیجا سکتی ہے،

خواجہ نظام الدین کے آبا و اجداد کا حال زیادہ نہین معلوم، صرف اتنا پتہ چل سکا ہے کہ وہ خواجہ مقیم ہروی کا لڑکا تھا، خواجہ مقیم بابر کے آخری زمانہ مین دیوان بیوتات تھا، اور جب ہمایون نے گجرات کو فتح کرکے ۱۵۳۵ء مین مرزا عسکری کو احمد آباد کی صوبیداری عطا کی، تو خواجہ مقیم اس کا وزیر مقرر ہوا، جب ہمایون شیر شاہ سے شکست کھا کر چوسا سے آگرہ کی طرف فرار ہوا، اسوقت خواجہ مقیم اس کے ساتھ تھا، طبقات کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اکبر کے زمانہ مین بھی سرکاری عہدیدار رہا،

نظام الدین کے بچپن اور تعلیم کا حال بھی اس سے زیادہ معلوم نہین ہو سکا کہ وہ ملا علی شیر اور صفی سرہندی کے باپ شیخ مبارک ناگوری کا شاگرد تھا، مگر اس مین شک کی مطلق گنجایش نہین کہ اسکی تعلیم اعلیٰ تھی، اور مطالعہ گہرا تھا، اس نے اپنے باپ کی ہدایت سے تاریخ کو اپنا خاص موضوع بنایا، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے:

> از صغر سن، بموجب اشارۂ پدر گرامی اشتغال بخواندن کتب تواریخ کہ ہوس افزاے ارباب استعداد و عبرت بخش اصحاب بصیرت است مشغولی می نمود، و بمطالعہ احوال مسافران مرحلۂ جُود کہ سیر معنویت، زنگ زداے طبیعت می گشت، (طبقات جلد اول ص ۲)

ان سطور سے یہ بھی ظاہر ہوگا، کہ فن تاریخ کی اہمیت اسکی نظر مین کیا تھی،

نظام الدین کو شاعری سے بھی خاص ذوق تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کے کلام کا مجموعہ ہم کو دستیاب نہین ہو سکا، طبقات مین اوس نے اپنے اشعار جا بجا نقل کئے ہین، اور صرف یہی

اشعار زمانہ کے دست برد سے محفوظ رہ سکے ہین، وہ شعراء کا بہت بڑا سرپرست بھی تھا، بدایونی کا بیان ہے، کہ نظام الدین نے گجرات کے ہفت سالہ قیام مین بہت سے شعرا مثلاً آمانی، بقائی، حیاتی اور صرفی کو اپنے یہان بلایا، اور اپنے جود و سخا سے ان کو برابر فیضیاب کرتا رہا، گجرات کے قیام کے زمانہ مین اوس نے طبقات کی تالیف شروع کی، اور میر معصوم بھکری جیسے جید عالم اور مورخ کو اپنا شریک کار بنایا، خواجہ نظام الدین کی محققانہ استعداد اور علمی صلاحیت کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ وہ تاریخ الفی کی تدوین اور ترتیب مین شریک کیا گیا، سروپ چند مؤلف صحیح الاخبار لکھتا ہے، کہ نظام الدین نے تاریخ ایرچ کے نام سے بھی ایک تاریخ لکھی، مگر اس کتاب کا ذکر کسی اور جگہ نہین ملتا، (الیٹ جلد ہشتم ص ۲۱۴)

نظام الدین کو تصوف اور مذہب سے بھی گہرا شغف تھا، اور اوس نے اپنے عہد کے صوفیائے کرام، علمائے عظام اور مشائخ کبار سے برابر تعلقات قائم رکھے، ملا عبد القادر بدایونی اس کو بڑی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ مذہبی عقائد مین بہت ہی راسخ، پختہ اور سچا تھا، میان کمال الدین حسین شیرازی اس عہد کے ایک مشہور عالم تھے، نظام الدین کے انتقال پر ملا بدایونی کو لکھتے ہین،

"از رحلت نمودن جناب مروت مآب فتوت انتساب کمالات اکتساب مرزا نظام الدین احمد واز مرخو بیہاے آن نادر زمانہ ومحبت واخلاص او بخدام مدتے کلفت عظیم وحزنی تمام روداد، انا للہ وانا الیہ راجعون (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۲۵)

خواجہ نظام الدین کی زندگی کا عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ گو وہ اکبری دربار کے متوسلین مین تھا، اور شاہی عنایات واکرام سے بھی برابر فیضیاب ہوتا رہا، پھر بھی دین الٰہی کے اقتدار اور بدعات سے مطلق متاثر نہ ہوا،

خواجہ نظام الدین علم و ادب کے شیدائی ہونے کے ساتھ ساتھ جانباز سپاہی بھی تھا، اس مین نظم و نسق کے قیام کی بھی پوری صلاحیت تھی، مآثر الامرا کے مؤلف نے تذکرۃ الخوانین کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ وہ اپنی ابتدائی زندگی مین اکبر کا دیوان حضور تھا، مگر اس عہد کا ذکر کسی اور کتاب مین نہین ملتا، طبقات مین بھی خواجہ نظام الدین نے اکبر کی حکومت کے ستائیسوین سال تک کسی سرکاری عہد کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ حکومت کے ستائیسویں سال وہ سندھ ساگر سے اکبر کا پیام لیکر شاہزادہ مراد کے پاس گیا، اور پھر کردہ مسافت ایک دن اور ایک رات مین طے کر کے بادشاہ کی خدمت مین پشاور واپس آیا اس سے قیاس کیا جاتا ہے، کہ وہ کسی ملازمت کے سلسلہ مین اکبری دربار سے وابستہ تھا، اسی کے بعد وہ اکبر کے ساتھ پشاور گیا، مگر اس سلسلہ مین اس کا ذکر اہل سعادت کی جماعت مین ہے، حکومت کے انتیسوین سال جب گجرات کی عنان حکومت شہاب الدین سے لیکر اعتماد خان کو دی گئی، تو خواجہ نظام الدین بخشی مقرر کر کے بھیجا گیا، اعتماد خان کے دورِ حکومت میں گجرات مین بڑا انتشار اور اختلال رہا، مظفر گجراتی نے احمد آباد پر قبضہ کر کے شاہی فوج کو شکست دی، خواجہ نظام الدین نے تمام کوائف شاہی دربار مین لکھ بھیجے، اس کے لکھنے پر بیرم خان کے لڑکے مرزا خان کو گجرات کی سرکشی کو دبانے کے لئے بھیجا گیا، اس سلسلہ مین خواجہ نظام الدین کی شخصیت سپاہی اور سپہ سالار کی حیثیت سے نمایان ہوئی، شاہی کمک آنے سے پہلے خواجہ نظام الدین نے شہاب الدین سے صلح کی گفتگو کی، احمد آباد کی حفاظت اور مدافعت کے انتظامات مکمل کئے، شیر خان کی فوج کو جوتانا مین شکست دی، پھر قطب الدین خان کو بھروچ اور بڑودہ کی سمت مظفر کی فوجون پر حملہ کرنے کی ہدایت دیکر خود بھی عقب سے سرنج کے پاس اس پر حملہ آور ہوا یہی حملہ مظفر کی شکست کا باعث ہوا، ان خدمات کے صلہ مین اسکو شاہی دربار سے خلعت اور انعام ملا، اور تنخواہ مین اضافہ کیا گیا، اس کے بعد اوس نے سورت اور کچھ کی کامیاب مہم کی رہنمائی کی، اس کے بعد جب مرزا خان جو اس اثنا رمین خانخانان کے

خطاب سے سرفراز ہو چکا تھا، شاہی دربار بلالیا گیا، تو نظام الدین احمد کے ہاتھوں قلیج خان اور نورنگ خان کی شرکت میں گجرات کا انتظام چھوڑ دیا گیا، خانخانان کی عدم موجودگی مین نظام الدین نے بڑی سرگرمی اور جوش سے حکومت کو سنبھالا، مظفر کے خلاف طویل اور کامیاب جنگ کرتا رہا، اور احمد نگر کے آس پاس کے علاقون کو تسخیر کیا، فوجون کی نگرانی، انکو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور دشمن پر اچانک حملہ کرنے مین اوس نے غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دیا، جابجا تھانے یعنی فوجی مرکز قائم کئے اور قلعے بنوائے،

۹۹۶ھ مین وہ شاہی دربار بلالیا گیا، اس سفر مین چھ سو کروہ مسافت بارہ دن مین طے کرکے اکبر کی خدمت مین لاہور حاضر ہوا، بدایونی کا بیان ہے کہ اکبر نے خواجہ کا شاندار استقبال کیا، اور اپنی عنایت بے غایت سے سرفراز کیا، اور وہ بہت زیادہ مقرب بارگاہ ہو گیا، اسی زمانہ مین اوس کو اجمیر، گجرات اور مالوہ کی نگرانی تفویض کی گئی، ۹۹۹ھ مین شمس آباد کا پرگنہ بطور جاگیر عطا ہوا، یہان کے انتظامات درست کرنے کے لئے اسکو پانچ مہینے کی چھٹی ملی، ۱۰۰۰ھ مین جب آصف خان بخشی کابل کی مہم پر بھیجا گیا، تو اسکی جگہ نظام الدین بخشی مقرر ہوا، اس کے بعد وہ اکبر کے ساتھ کشمیر بھی گیا، گو طبقات مین اوس نے کشمیر کے مرغزارون کا حال اتنا دلچسپ نہین لکھا ہے، جسقدر اس کے قلم سے توقع تھی۔

اکبر نامہ کے مصنف کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الدین راوی کے علاقہ مین اکبر کے ساتھ شکار مین تھا، کہ لاہور کے قریب شاہم علی میں اس پر تیز بخار کا حملہ ہوا، اور اس کی حالت نازک ہو گئی، اس وقت اس کے لڑکون نے اوس کو لاہور پہنچا دیا، اور ۲۳ر صفر ۱۰۰۳ھ (مطابق ۲۰ر اکتوبر ۱۵۹۴ء) وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا، اکبر کو اسکی موت کا بڑا صدمہ ہوا، اکبر نامہ مین ہے، :-

"شہریار پایہ شناس را نخست دل بگرفت و از الٰہی درگاہ آمرزش خواست آشنا و بیگانہ بافسوس برخاست و راستی بسوگواری نشست، امید کہ خیر سگالی او زاد این ور از سفر گردد

(اکبرنامہ جلد سوم ص۶۵۵ کلکتہ)

ملا عبدالقادر بدایونی نے خواجہ کی قبل از وقت موت کا بڑا موثر ماتم کیا ہے، لکھتے ہیں:

"درین ایام (صفر ۱۰۰۳ھ) میرزا نظام الدین احمد کہ با قلیج خان درافتادہ و ہمیشہ معارضت با وداشتہ و تصرف در مزاج پادشاہی پیدا کردہ وچست و چابک در مہمات درآمدہ بود مورد انواع مراحم پادشاہی و محل اعتماد تمام و در حسن کفایت و تدبیر و اخلاص و دیانت و تردد شد، چنانکہ قلیج خان و دیگر ارباب دخل را کہ جدائی از درگاہ نداشتند باطراف نامزد گردانیدہ این معنی را مقدمۂ ترتیب و منشا، رعایت او تصور نمودہ عنایات گوناگون درباب او در خزینہ خاطر مکنون داشتہ می خواستند کہ جوہر عالی او راکہ قابل نشو و نما بود، در صحرائے ظہور آورند، ناگاہ در عین ترقی و اوج کار و بار برخلاف چشم داشت، آشنا و بیگانہ چشم زخمی عظیم از زمانہ رسید و بہ زحمت تپ محرق در سن چہل و پنج سالگی از عالم بے وفا درگذشت و جز نام نیک با خود نبرد و خیلے از احباب و اصحاب کہ از وحسن اخلاق دیدہ، امیدوار بہا داشتند، خصوصاً این حقیر کہ جہت یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیوی با و داشت، اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبر و شکیبائی کہ شیوۂ اصفیا و شیمۂ اتقیاست چارہ ندیدند و این واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کلی ازان گرفتہ، و گیرہ و ہم صحبت با فراد انسانی نزدم و زاویہ خمول لازم گرفتم،

مجلس وعظ رفتنت ہوس است   مرگ ہمسایہ واعظا تو بس است

و این واقعہ در بست و سوم صفر این سال رو می داد، و نعش او را از اردو بلاہور آوردہ

دسباغ او مدفون ساختند و کم کسے از خاص و عام شہر بود کہ بر جنازہ او نگریست و از مکارم اخلاق او یاد نکرد، و پشت دستِ حسرت بدندان نگزید،

برہیچ آدمی اجل ابقائی کند — سلطانِ قہر ہیچ محابائی کند،
عامست حکم میرِ اجل بر جہانیان — این حکم بر من و تو بتنہائی کند،

و این قطعہ در تاریخ او گفتہ شد،

رفت میرزا نظام الدین احمد، — سوئے عقبیٰ و حیف زین دنیا رفت
جوہر او ز بس کہ عالی بود، — در جوارِ ملک تعالیٰ رفت
قادری یافت سال تاریخش — گوہر بے بہا ز دنیا رفت
۱۰۰۳

(منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۹۵ - ۳۹۷)

خواجہ نظام الدین نے کتاب طبقات اکبرشاہی کی تالیف مین ذیل کی کتابون سے استفادہ کیا ہے، (۱) تاریخ یمینی (۲) تاریخ زین الاخبار (۳) روضۃ الصفار (۴) تاج المآثر (۵) طبقات ناصری (۶) خزائن الفتوح (۷) تغلق نامہ (۸) تاریخ فیروزشاہی از ضیاء الدین برنی (۹) فتوحاتِ فیروزشاہی (۱۰) تاریخ مبارک شاہی (۱۱) فتوح السلاطین (۱۲) تاریخ مبارک شاہی (۱۳) طبقات محمود شاہی گجراتی (۱۴) تاریخ محمود شاہی خرد (۱۵) مآثر محمود شاہی گجراتی (۱۶) تاریخ محمدی (۱۷) تاریخ بہادر شاہی (۱۸) تاریخ بہمنی (۱۹) تاریخ ناصری (۲۰) تاریخ مظفرشاہی (۲۱) تاریخ میرزا حیدر (۲۲) تاریخ کشمیر (۲۳) تاریخ کشمیر (۲۴) تاریخ بابری (۲۵) وقائع بابری (۲۶) تاریخ ابراہیم شاہی (۲۷) وقائع مشتاقی (۲۸) وقائع حضرت جنت آشیانی ہمایون بادشاہ،

مذکورۂ بالا کتابون مین تاریخ محمود شاہی اور تاریخ محمود شاہی خرد کا حوالہ صرف طبقات اور تاریخ فرشتہ مین پایا جاتا ہے، اب یہ دونون کتابین مفقود ہین، طبقات محمود شاہی گجراتی کا

بھی کہین پتہ نہیں چلتا، مآثر محمود شاہی گجراتی بھی نامعلوم ہے، ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست جلد سوم ص ۹۶۷ میں اوس کو ایک نامعلوم مؤلف کی تالیف "تاریخ محمود شاہ" سے مماثلت دی ہے، فہرست مین اوس کے ابواب کی پوری تفصیل بھی دی ہے، تاریخ محمدی کے مصنف کا نام بھی معلوم نہین، ممکن ہے کہ اس کتاب سے مراد محمد بہادر خانی کی تاریخ ہو، جس کا ذکر ریو کی فہرست جلد اول ص ۱۲۶ مین ہے، تاریخ بہادر شاہی کا حوالہ مختلف کتابون مین ملتا ہے لیکن اب تک اس کتاب کا صحیح پتہ معلوم نہ ہو سکا، الیٹ نے اپنی تاریخ جلد ششم مین ایک تاریخ بہادر شاہی کا ذکر کیا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ تاریخ بہادر شاہی کی تالیف ایک ایسے مؤلف نے کی جس نے سلطان فیروز کے بقیہ حالات اور گجرات کے حکمرانون کے کوائف بھی لکھے، تاریخ بہمنی بھی مفقود ہے مختلف تاریخون مین اس کا صرف حوالہ پایا جاتا ہے، تاریخ ناصری سے مراد شاید تاریخ ناصر شاہی ہے جس کے مؤلف کا نام نامعلوم ہے لیکن اس کا ذکر ریو نے اپنی فہرست جلد سوم ص ۹۶۸ پر کیا ہے، تاریخ مظفر شاہی کے مصنف کا نام بھی معلوم نہیں، برٹش میوزیم کی فہرست جلد اول ص ۲۸۷ میں اس کا ذکر ہے، اس مین مظفر شاہ ثانی شاہ گجرات کے مہم مانڈو کے حالات ہین، تاریخ کشمیر کے مصنف کا نام مذکور نہیں، لیکن شاید یہ راج ترنگنی کا فارسی ترجمہ ہو، تاریخ سندھ سے مراد میر معصوم بھکری کی تاریخ معصومی ہے، تاریخ بابری اور واقعات بابری سے شاید تزک بابری مقصود ہو، تاریخ ابراہیم شاہی کے نام کی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی، ابراہیم بن حریر یا جریر نے تاریخ ابراہیمی ضرور لکھی ہے، یہ حضرت آدم سے سکندر ۸۹۵ھ تک کی ایک عمومی تاریخ ہے، (دیکھو انڈیا آفس کٹیلاگ ص ۳۳ نمبر ۱۰۴) واقعات مشتاقی (مؤلفہ مشتاقی المعروف بہ رزق اللہ) مین خاندان لودی، تیموریہ اور سوری کے حکمرانون کے جستہ جستہ حالات اور قصے ہین، الیٹ جلد چہارم مین اس کے اقتباسات ہین،

اس نسخہ کی تفصیلات برٹش میوزیم کی فہرست جلد دوم ص ۲۰۰-۲۰۱ مین ملین گی، واقعات حضرت جنت آشیانی ہمایون بادشاہ سے مراد بظاہر تذکرۃ الواقعات مولفہ جوہر آفتابچی ہو۔

خواجہ نظام الدین کی طبقات کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے، کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ کو (خواجہ نظام الدین کی وفات کی تاریخ تک) طبقات اور تاریخ مبارک شاہی کا صرف خلاصہ بتایا ہے، روضۃ الطاہرین مؤلفہ طاہر محمد کے بہت سے ابواب طبقات سے منقول ہین، فرشتہ نے طبقات کو ایک ناقص تاریخ بتایا ہے لیکن اوس نے اپنی کتاب میں بہت سا مواد اسی تاریخ سے لیا ہے، تاریخ شاہی (یا تاریخ سلاطین آفاغنہ) نے ہمایون کے عہد کے واقعات طبقات سے نقل کئے ہین، مآثر رحیمی کے مصنف ملا عبدالباقی نہاوندی کا اصلی ماخذ طبقات ہی ہے، ہفت اقلیم کے مصنف امین احمد رازی نے تاریخ ہندوستان کے واقعات طبقات ہی سے اخذ کئے ہین، خافی خان کو اپنی منتخب اللباب مین اکبری دربار کے پنج ہزاری اور چہار ہزاری امرار کے حالات کے لئے طبقات ہی کا ممنون ہونا پڑا، شیخ الہ داد فیضی سرہندی کے اکبر نامہ کا ماخذ صرف طبقات اور ابوالفضل کا اکبر نامہ ہے،

(ص-ع)

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہو جس سے اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین،

ضخامت :- ۳۹۰ صفحے، قیمت :- للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

برنارڈ شا اور اسلام

مندرجۂ بالا عنوان سے ایک مسلمان اہل قلم نے سنچور (سلہٹ، آسام) نامی ایک انگریزی
یدہ مین ایک دلچسپ مقالہ لکھا ہے، اس کا بیان ہے کہ برنارڈ شا کی حیثیت وہی ہے جو
ٹھارہوین صدی عیسوی مین مسٹر والٹیر کی تھی، والٹیر نے شروع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
شخصیت کی تعریف و توصیف مین ایک ڈرامہ لکھا، لیکن اہل یورپ نے اپنے تعصب کی وج
ے اس ڈرامہ کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا، اسلئے وہ ناکام اور نامقبول رہا، اس کا ردعمل
وا، کہ والٹیر نے دوبارہ فرانس کے ذوق کو پیش نظر رکھکر آنحضرت صلعم کے خلاف لکھنا شروع
چنانچہ روس کی ملکہ کیتھرائن کو اوس نے جو خطوط لکھے ہین، ان مین آپؐ کی شان مین بہت سے
یبا کلمات استعمال کئے ہین، کارلائل کا بھی یہی وطیرہ رہا، اوس نے آنحضرت صلعم پر جو مقالہ
ہے، وہ بظاہر غیر جانبدارانہ اور غیر متعصبانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن پھر اپنے مضمون دانتے
سلسلہ مین اس نے آپؐ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ بہت ہی نازیبا ہین، برنارڈ شا
کی بھی روش یہ ہے، اوس نے اپنی بعض تحریرون مین اسلام کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے
کو پڑھکر مسلمان خوش ہوتے ہین لیکن اوس نے شروع میں جو کچھ لکھا تھا، وہ مسلمانون
نمایان اور مقبول ہونے کے لئے لکھا تھا، یا کسی بڑے فتنہ کے لئے فضا پیدا کرنا مقصود تھا چنانچہ

اسکے ایک ڈرامہ سنٹ جون ( ) مین اس کا اصلی رنگ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت اسلام کا مداح ہے یا دشمن، اس ڈرامہ مین اوس نے آنحضرت صلعم کی ذات مبارک کو نعوذ باللہ ایک عرب ساربان کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس نے بیت المقدس مین یسوع مسیح کے گرجون کا قلع قمع کرکے ایک وحشی جانور کی طرح مغرب کی طرف غارتگری کے لئے قدم بڑھایا، یہان تک کہ فرانس اسکی زد مین آگیا، جس کی حفاظت کے لئے صرف پائرنیز پہاڑ اور خداوند تعالیٰ کا کرم رہ گیا تھا، یہ کتاب فواد یونیورسٹی کے نصاب مین داخل تھی لیکن ازہر کے طلبہ نے اس کے خلاف احتجاج کیا، اور اس سلسلہ مین ڈاکٹر طہ حسین کو اپنی ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا،

مقالہ نگار مذکور نے آخر مین لکھا ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کے متعلق یورپین اہل قلم کی رائے خواہ کچھ بھی ہو، اس سے متاثر اور خوش ہونے کی کوئی وجہ نہین، اسلام اور بانیٔ اسلامؑ کی خوبیان محض کسی یوروپین اہل قلم کی عقیدتمندانہ رائے سے ظاہر نہین ہوسکتی ہین، بلکہ وہ اظہر من الشمس ہین،

عربی کے اساسی الفاظ کی فہرست

کیمبرج یونیورسٹی پریس سے انجیل کا ایک نیا عربی ترجمہ شائع ہوا ہے جس میں عام فہم الفاظ کی تعداد ڈھ سو پچاس سے زیادہ نہین، عبرانی یونیورسٹی پریس بیت المقدس نے بھی ایسے عربی الفاظ کا انتخاب کیا ہے، جو روزانہ اخبارون مین کثرت سے استعمال کئے جاتے ہین، چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے قاہرہ اور جافہ کے دو اخبارون کا ایک سال تک برابر مطالعہ کرکے ایسے الفاظ اکٹھا کئے، جو مقامی اور بیرونی خبرون اور اخبار کے شذرات اور مقالات مین بار بار

مستعمل ہوئے، ایسے الفاظ کی تعداد دو ہزار نکلی، ان دو ہزار الفاظ سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد عربی اخبار کے مطالعہ مین کوئی دقت باقی نہیں رہتی، اس لئے فلسطین کے ارباب تعلیم کا اب یہ خیال ہے کہ یہ الفاظ فلسطین کے عبرانی کے ثانوی اسکولون مین رائج کئے جائین، ان الفاظ کا ایک لغت مرتب کیا جائیگا جس مین انگریزی اور عبرانی مترادفات بھی شامل ہونگے اسکے بعد یہ کوشش جاری رہیگی کہ ان اساسی الفاظ کی تعداد گھٹ کر انگریزی زبان کی طرح ایک ہزار ہو جائے،

قطب شمالی کا پہلا شہر

سائبیریا سے ملحق الاسکا کا ایک گوشہ مغربی کرۂ ارض مین انسانی آبادی کا پہلا مرکز تھا گذشتہ سال تک یہان کے آثار سے پتہ چلتا تھا کہ اس جگہ اسکیمو کی پرانی آبادی تھی، لیکن حال ہی مین آثار قدیمہ کے ماہرون نے ایک ایسے شہر کا پتہ لگایا ہے، جو وسعت میں غیر معمولی بڑا اور کلچر کے لحاظ سے ابھی تک ایک معما ہے، یہ شہر بیس میل لمبا اور نصف میل چوڑا تھا، اور اس کا رقبہ الاسکا کے کسی موجودہ شہر سے کم نہین، اس مین لمبے لمبے راستے اور سیکڑون مکانات کے نشانات دکھائی دیتے ہین، یہ خطہ روئیدگی سے محروم ہے، اور درخت اور گھاس وغیرہ مطلق نہین اُگتی، ایسے خطہ مین دو ہزار برس پہلے آبادی کا پتہ چلنا بہت ہی تعجب خیز ہے البتہ سکے کھنڈرات میں گھاس اُگی ہوئی ملتی ہے، اس کے اطراف مین آجکل اسکیمو آباد ہین، جن کی معاش کا مدار مچھلیون کے شکار پر ہے، معلوم نہین مذکورۂ بالا قدیم آبادی کی معاش کا ذریعہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ ان کے پاس مچھلیون کے شکار کے وہ آلات موجود نہ تھے، جو آج اسکیمو کے پاس ہین، تاہم ان کے پاس بھی کچھ آلات اور اوزار ضرور رہے ہون گے، کچھ کھوپریان بھی ملی ہین جن کی آنکھون کی پتلیان ہاتھی کے دانت کی ہین، اور ناک پر ہاتھی دانت کا بنا ہوا چڑیا کی چونچ ہے۔

ص ع "

مطبوعات جدید

سلطان محمد قلی قطب شاہ، مؤلفہ ڈاکٹر محی الدین زور قادری تقطیع بڑی ضخامت ۴۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد صہ ربیتہ: سب رس کتاب گھر خیریت آباد، حیدرآباد دکن،

دکن کی تمدنی تعمیر و ترقی مین سلطان محمد قلی قطب شاہ کا بڑا اہم حصہ ہے، اور اس حیثیت سے اوس کا زمانہ قطب شاہی سلاطین کا عہد زرین کہا جا سکتا ہے، اس کے دور کے جستہ جستہ حالات دکن کی تمام تاریخون مین ہین، لیکن اولاً قدیم مورخین کے مذاق اور طرز تحریر کی بنا پر ان کے متفرق بیانون سے محمد قلی قطب شاہ کے کارنامون کا پورا اندازہ نہیں ہوتا، دوسرے اردو زبان مین اس جلیل القدر فرمانروا پر ایک مستقل کتاب کی ضرورت تھی، جس سے اسکی شخصیت کا صحیح اندازہ ہو سکے، اسلئے ڈاکٹر محی الدین صاحب نے بڑی محنت اور تلاش و جستجو سے تمام تاریخی ماخذون کو کھنگال کر اور خود سلطان کے کلام سے اسکے حالات زندگی اور اس کے کارنامون کا یہ جامع اور محققانہ مرقع مرتب کیا ہے، یہ کتاب دس ابواب مین تقسیم ہے، جن مین سلطان کے خاندانی حالات اور پیدائش سے لیکر وفات تک کے تمام واقعات پیدایش، بچپن، تخت نشینی، جوانی کی رنگینیان، مذہبی میلان اور اسکی مخالفت، حیدرآباد کی تعمیر، اسکی عمارتون کی زیبایش و آرایش، بیرونی تعلقات، ہندو اور مسلمانون کے تہوارون مین سلطان کی شرکت، اور ان کی ترویج مین اس کا حصہ، انکے رسوم

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتے، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا، جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۱۴۴ صفحے، قیمت: ۱۲ر

مختصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ ر

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں۔

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی اپنی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے لائق دلچسپ اور سلیس ہے، جو ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر داستان اور تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں [illegible] کے مختلف [illegible] قیمت [illegible] ضخامت ۱۲۰ صفحے

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں؛ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ر

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ: مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت عہ۱۲ر

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۲۸۰ قیمت سے

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۵۰۰ قیمت سے ر

[illegible]

[illegible] کو پڑھنے کے [illegible] ہوں [illegible] کے لئے سیرت نبوی [illegible]

کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی ابھاؤ اور عبارت میں

کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی

سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دارالعلوم [illegible] لکھنؤ میں چھوٹے

بچوں کے دارالاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں [illegible] کہ ہر مسلمان بچہ

کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے ان شاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا،

قیمت فی نسخہ ۸ ہے، لیکن ۵۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی

قیمت ۲ ر فی نسخہ زائد ہوگی،

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ حکومتیں۔ جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے

مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے

اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر، یمن، حضرموت، عمان، عراق، اردن،

بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیے گئے ہیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱ عہ

چینی مسلمان۔ ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی، معاشرتی

سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، حجم ۲۳۲ قیمت ۱ عہ

مسعود علی ندوی مہتمم دارالمصنفین اعظم گڈھ

(مجلہ صحافت ہند واوقات و ارث خدمات ہند کرشائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر [illegible] جون سنہ ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دارالمصنفین اعظم گڑھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، قیمت: عہ/ و جرہ ۴۹۴ صفحے

خلافت اور ہندوستان: آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ر ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشا اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت: للعہ/ ۴۸۲ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سے/ ۴۹۳ صفحے،

تاریخ صقلیہ اوّل، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ/ ۴۴۵ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظامِ حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ متکلمین، ادبا اور شعرا کے مفصل سوانح حیات ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ/ ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۷ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۱ء عدد ۶

مضامین

شذرات

زمانہ کے انقلابات جہان نوجوان مسلمانون کو دنیا کی نئی عالمگیر تحریکات کی طرف کھینچ رہے ہین، وہان ایسے نوجوان طبقے بھی موجود ہین جو خود اسلامی تخیل اور اس کی عالمگیر تحریک کی حقیقت سمجھنے اور زمانۂ حال کی زبان مین اس کی تعبیر اور فہم و تفہیم کے لئے بیتاب ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تاریخ کے پچھلے دورون مین اسلام کے لئے حسب ضرورت علم کلام کے مختلف نقشے بنتے اور بگڑتے رہے، اسی طرح یہ زمانہ بھی اسلام کے ایک نئے علم کلام کا مقتضی ہے، جس کا مقصد اجتماعی سیاسی و اقتصادی تنظیمات مین اسلام کی صحیح رہبری ہو،

مجلس نظام اسلامی جو ہماری کمیٹی کی خواہش کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے کوشش کر رہی ہے وہ اسی اقتضاے حال کی تعمیل ہے، مجلس اسلامیات مسلم یونیورسٹی کی جانب سے اس کے سالانہ جلسون مین جو مضامین علما بیان کیا کرتے ہین وہ زیادہ تر ایسے ہی مباحث پر ہوتے ہین جو زمانہ کی ضرورتون کو سامنے رکھ کر پیش کئے جاتے ہین، مجلس مذکور نے اب یہ طے کیا ہے کہ ان تقریرون مین سے اہم مباحث کو رسالون کی صورت مین شائع کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے اسلامی نظام سلطنت کے ایک پہلو پر اور اب اسلام اور سائنس پر اور آیندہ ایمان باعتبار بنیاد عمل پر ایک رسالہ شائع کیا جارہا ہے،

اسی سلسلہ مین ابھی ایک خط ہم کو مسلم یونیورسٹی کے ایک پرجوش اور صاحب فکر طالب علم خورشید الاسلام صاحب کی طرف سے موصول ہوا ہے جس مین انھون نے اپنی آفتاب مجلس کی طرف سے ایک مجموعہ کی اشاعت کی اطلاع دی ہے، جس مین امام غزالی سے لیکر جمال الدین افغانی اور اقبال تک مفکرین اسلام نے جتنے نظریئے پیش کئے ہین ان کی تشریح ہوگی۔

طالب علم موصوف کے خط کو ہم اس غرض سے یہان نقل کرتے ہین تاکہ ہمارے نوجوانون کے خیالات کی ایک ہلکی سی تصویر اہل فکر کے سامنے آجائے، وہ لکھتے ہین:

"جیسا کہ آپ کو اعلان سے معلوم ہوگا، ہم لوگون کی تجویز ہے کہ ایک ایسی کتاب شائع کی جائے، جو ہمارے سامنے ہمارے بڑے بڑے مفکرین کی زندگی اور خیالات کو اس طرح پیش کرے، کہ مسلمانون اور بالخصوص موجودہ دور کے مذہبی اور سیاسی عقائد پر اس کا عمدہ اثر ہو، مستقبل کی تعمیر مین جہان شخصیتین بظاہر پیش پیش نظر آتی ہین، وہان اصول اور نظریئے تہ مین کام کرتے ہین، نظریون مین جس قدر سچائی، گہرائی اور توانائی ہوگی، تحریکین اسی قدر کامیاب کوششین اسی قدر بارآور اور مستقبل اسی قدر شاندار ہوگا، ابھی تک ہماری تحریکین وقتی جوش کا مظاہرہ رہی ہین اور بس، ہم نے صرف ردّ عمل کیا ہے، ہم تھوڑا سا احساس پیدا کرسکے ہین، لیکن حرکت اور رفتار کے عناصر ہماری قوم سے ابھی تک مفقود ہین، جو نوجوان شکست خوردہ ذہنیت رکھتے ہین، وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہین ہوتے کہ اسلام زندگی کا ایک نظام ہے، وہ بڑا احسان کرتے ہین تو اسلام کو صرف ایک نجی معاملہ مان لیتے ہین، نہ زیادہ نہ کم، بزرگ اپنی جگہ اتنے مطمئن ہین کہ حجرہ کی جالیون سے باہر جھانکنا بھی پسند نہین کرتے، اور وہ جہان جو قوم کے سیاسی مزاج کو سنوار رہے ہین، دورِ حاضر کی کمزوریون، پیچیدہ نظریون اور سیاسی تخیلات سے مطلق بہرہ نہین رکھتے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم ان بزرگون کے نظری (Theoritical.) اور عملی (Practical) فلسفے کو ایک بار گرد و غبار ہٹا کر پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرین۔۔۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فلسفہ پر درسی کتابیں بہت موجود ہیں اور خصوصاً نظری پہلو پر، لیکن یہ بقول ایچ۔ جی ویلز، "روٹی کے بجائے چکی کے ٹکڑے" چبانا ہیں، اس لئے ہم اس کے عملی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں، حضرت رومیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ڈاکٹر اقبالؒ ہماری زندگی کو کن سانچوں میں ڈھالنا چاہتے ہیں، اسے کیا آب ورنگ دینا چاہتے ہیں، ہماری معاشرتی اور سیاسی اصلاح کن بنیادوں پر ہونی چاہئے، آجکل کے مسائل کیا ہیں، وہ زمانۂ ماضی کے مسائل سے کس حد تک اپنی فطرت اور کردار میں مختلف ہیں، آیا یہ بزرگ اسلام کی روشنی میں ان کا کوئی حل پیش کرتے ہیں یا نہیں، موجودہ جمہوریت، آمریت اور بادشاہی کس حد تک اسلام کی زد میں آتی ہیں، آیا اسلامی سوسائٹی کے لئے اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے یا نہیں، اشتراکیت کا جواب ہمارے پاس کیا ہے، اور سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے کیا دنیا، خدا کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے، اور اگر قانون کو خدا کی ذات سے انسانی سماج کی طرف منتقل کر دیا جائے تو انسان آزادی، سربلندی اور خوشی کی زندگی گذار سکتا ہے، یہی سینکڑوں مسائل ہیں، جنھوں نے ہمارے دماغوں کو پراگندہ کر دیا ہے، آجکل سماجی مسائل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس لئے ہمیں اسلام کی زندگی، صحت اور فوقیت تسلیم کرانا ہوگی، ورنہ دنیا ہی گمراہی کی طرف نہیں جائے گی بلکہ جوں جوں یہ مغربی تعلیمات یا روس اور جرمن نشان کے نظریئے پھیلتے جائیں گے، مسلمانوں کو دین اور اس کے بعد قوم پر سے یقین اٹھتا جائے گا، مجھے یقین ہے کہ آپ میری بے تکلفی کو معاف فرمائنگے۔

مقالات

تدوین حدیث

از

جناب مولنا مناظر احسن گیلانی، استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۳)

حدیث کے زندہ نسخے

بہرحال صحابہ کا ذوق اتباع، اتباع میں حتی الوسع ممکنہ حد تک اپنے کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کرنے کی کوشش، اور اسی رنگ مین دوسرون کو رنگنے کا ان مین بے پناہ جذبہ، ان تمام خصوصیات کے ساتھ جن کا مین نے ذکر کیا، اگر اس کے بعد مین یہ دعویٰ کرون کہ جن واقعات وحالات اور جن اقوال وملفوظات کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا، صحابہ کرام اپنے اپنے علم کی حد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ مثنی بنے ہوئے تھے، اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عہد صحابہ مین بجائے ایک نسخہ کے ہزارون نسخون کی صورت مین موجود ہو چکی تھی، تو کیا میرے اس دعوی کو کوئی غلط ثابت کرسکتا ہے پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابہ کرام کی زندگی تھی، اور یہی حفاظت حدیث یا اس تاریخ کے محفوظ کرنے اور ہونے کی پہلی صورت، میرا یہ دعوی نہین ہے کہ ہر صحابی اپنی زندگی مین بالکلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوبہو نقل تھے، اگرچہ خلفاے راشدین ہی نہین بلکہ

درجہ میں ان سے بھی جو فروتر اصحاب ہیں، ہم کتابوں میں یہ الفاظ ان کے متعلق پاتے ہیں، عبد الرحمن بن زید سے ترمذی میں مروی ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا :-

حدثنا باقرب الناس من رسول الله صلی الله علیہ وسلم هدیا و دلا نلقاه فناخذ عنه و نسمع منه،	مجھے بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز وروش چال ڈھال میں جو آدمی سب سے زیادہ قریب ہو وہ کون ہے تاکہ میں ان سے ملوں، اور ان سے علم حاصل کروں اور حدیثیں سنوں،

ایک معاصر[۱] دوسرے معاصر کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے، یعنی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

اقرب الناس هدیا و دلا و سمتا برسول الله صلی الله علیه وسلم ابن مسعود،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز وروش چال ڈھال، وضع و انداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعودؓ ہیں

صرف ان ہی باتوں میں نہیں جن کا تعلق شریعت و قانون سے ہے، بلکہ بعض صحابہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ہوبہو تصویر اتارنے کے لئے یہاں تک کرتے تھے، کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عام طور سے مشہور ہے، :-

کان یتبع آثاره فی کل مسجد	جن جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] فن تنقید رجال میں انسانی فطرت کی اس کمزوری کا خیال کیا گیا ہے، جس کی تعبیر المعاصرة اصل المنافرة "ہم عصری باہمی نفرت کی بنیاد ہے" کے مشہور فقرہ سے کی گئی ہے، اسی لئے معاصر کی معاصر کے متعلق تعریف بہت اہم سمجھی جاتی ہے، ۱۲

صلی فیہ وکان یعترض — نے (استون) میں نمازیں پڑھی تھیں
براحلتہ فی طریق داحیا — ابن عمر ان مقامات کو تلاش کرتے تھے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ — (اور نمازیں پڑھتے تھے) راہ میں جہاں کہیں
وسلم عرض ناقتہ، — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا رخ
(اصابہ) — پھیرا تھا، ابن عمر بھی قصداً اس مقام پر بھی پھیرتے تھے

ب بیان کیا گیا ہے، کہ سفر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر استنجا کے لئے اونٹ سے کہیں بیٹھتے، تو باوجود عدم ضرورت کے استنجا کرنے والوں کی شکل بنا کر ابن عمرؓ اونٹ سے اتر کر وہاں تے، اسی سلسلہ میں ان کی یہ عام عادت بیان کیجاتی ہے:

یسئال من حضر اذا غاب عن — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قول
قولہ وفعلہ، — وفعل سے یہ غائب رہتے، تو جو لوگ
(اصابہ) — اس وقت حاضر ہوتے، ان سے پوچھ لیتے

امام مالک سے ان کے شاگرد یحییٰ نے ایک دن پوچھا کہ

اسمعت المشائخ یقولون من — کیا آپ نے بزرگوں سے یہ سنا ہے، کہ
اخذ بقول ابن عمر لم یدع — ان کا خیال تھا جس نے ابن عمر کے قول
الاستقصاء قال نعم، — کو اختیار کیا، اس نے (آنحضرت صلی اللہ
(اصابہ) — علیہ وسلم کے اتباع کی تکمیل میں) کوئی چیز نہیں چھوڑی، ہاں

بہرحال یہی استقصا یا سیرت طیبہ کی کامل تصویر کشی "یا تو بہو نقل" آثار فی نصب العین تو سب ہی لیکن ہر شخص کے لئے اس کا میسر آنا آسان نہیں ہے، تاہم اسی کے ساتھ جتنے بھی صحابی تھے، ندگی کا بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا،

اور اسی بنیاد پر مین ہر صحابی کو در اصل حدیث کا ایک نسخہ یا موجودہ اصطلاح مین اجازت دیجئے، تو اڈیشن قرار دیتا ہون، یہ اور بات ہے کہ ان مین بعض اڈیشن بہت زیادہ کامل اور جامع تھے اور بعض مین وہ کاملیت نہیں پائی جاتی تھی، اور اگر صحابہ کی جو تعداد اوپر بیان کی گئی ہے، صحیح ہو تو ایمان واسلام اور جوش عمل کی ان مین جو سینہ زوریان تھین، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہ ہوگا، کہ عہدِ نبوت مین ہی ہماری وہ تاریخ جس کا نام حدیث ہے، اس کے کامل وناقص زندہ نسخون اور اڈیشنون کی تعداد لاکھون تک پہونچ چکی تھی، کیا دنیا مین کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کا کوئی حصہ ایسا موجود ہے، جس کے عینی شاہداتنی تعداد مین خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہون، ؟ اور کیا آیندہ ان نسخون کی تعداد مین کوئی کمی ہوئی، ؟ کاملیت کے اعتبار سے جتنی بھی کمی ہوئی ہو، لیکن کمیت اور مقدار کے لحاظ سے ہر شخص جانتا ہے، کہ اس تیرہ ساڑھے تیرہ سو کی صدیون مین ہر سال اسکی تعداد مین اضعافاً مضاعفۃً اضافہ ہی ہوتا رہا، اور ہو رہا ہے، ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ مین آباد ہو، آج اسکی زندگی مین جتنے صحیح مذہبی اور اخلاقی عناصر شریک ہین، کیا یہ اسی تاریخ کے کسی حصہ کا عکس نہیں ہے، ؟ آج بھی جو مسلمان ہندوستان کے کسی کور دہ دیہات مین جو نماز پڑھتا ہے، قسم کھا کر کہہ سکتا ہے، اور یقیناً وہ اپنی اس قسم مین سچا ہے، کہ وہ اسی طرح ہاتھ اوٹھاتا ہے، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے، وہی کہتا ہے جو حضورؐ کہتے تھے، وہی پڑھتا ہے جو حضورؐ پڑھتے تھے، اسی طرح وہ جھکتا ہے، جس طرح حضورؐ جھکتے تھے، اسی طرح زمین پر سر رکھتا ہے جس طرح حضورؐ رکھتے تھے، اسی پر مسلمانون کے دوسرے مذہبی اور دینی اعمال وعقائد کو قیاس کر لیجئے، کچھ نہین تو کم از کم اس تاریخ کی کوئی ایک آدھ ہی بات کلمۂ شہادت ہی سہی، اس تاریخ کا یہ جزء تو ہر ایک مسلمان کے اندر اب تک محفوظ ہے،

حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے

اور اسی بنیاد پر کل کے متعلق تو نہیں، لیکن تاریخ کے اس عظیم الشان ذخیرے کے ایک بڑے حصہ کو میں متواتر خیال کرتا ہوں، یعنی بغیر کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسلٍ لاکھوں لاکھوں کے بعد کروڑ ہا کروڑ انسانوں کے ذریعہ سے مشرق و مغرب میں یہ حصہ منتقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہونچا ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پہونچتا رہے گا، ان کی مقدار کیا ہو گی، ؟ اس کے لئے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے، کہ امتِ اسلامیہ کے تمام فرقے جن مسائل پر متفق ہیں، تقریباً سب کا یہی حال ہے، عقائد و ایمانیات کے سوا طہارت غسل و وضو عبادات نماز روزہ، حج زکوٰۃ معاملات، عقوبات، سیاسیات، مباحات و محظورات وغیرہ وغیرہ مختلف ابواب سے ان اتفاقی مسائل کا اگر انتخاب کیا جائے، جو عہدِ نبوت سے اس وقت تک ہر ملک اور ہر فرقہ کے مسلمانوں میں طبقۃً بعد طبقۃٍ سلفاً عن خلفٍ تواتر کے ساتھ اس حیثیت سے مسلّم ہیں، کہ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور طرزِ عمل تھا تو کون کہہ سکتا ہے، کہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز نہ ہو گی، اور ان کا شمار کرنا زیادہ دشوار بھی نہیں ہے،

گویا قرآن کے بعد ہم جس چیز کو بغیر کسی تذبذب و دغدغہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات کا یہی حصہ ہے، جو ہم تک تعامل و توارث کے ذریعہ سے پہونچا ہے لیکن اس مسئلہ میں صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ان معلومات کے ہر ہر جز کو مسلسل روایت کے ذریعہ سے فن حدیث میں محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یوں باہم ایک کی دوسرے سے توثیق ہوتی ہے، اب روایتوں کے ذریعہ سے یہ چیزیں جس طرح مروی ہیں، ان کو، اور مسلمانوں نے تعامل کے ذریعہ سے ان چیزوں کو جس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا ہے، دونوں کو سامنے رکھئے، ہر ایک کی تصدیق دوسرے سے ہو گی، البتہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ حصہ جس کی منتقلی اس اتفاقی تعامل کے ذریعہ سے عمل مین نہین آئی ہے، ان کے لئے سب سے پہلے تو ہمارے پاس وہی روایت کا ذریعہ ہے، روایت کے اس سلسلہ کی آیندہ کڑیون پر تو آگے بحث آئے گی، عہدِ صحابہ مین جس حزم و احتیاط کے ساتھ ان چیزون کو اپنی اصلی حالت پر محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی داستان آپ سُن چکے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر لفظ اور ہر ہر فعل کی نگرانی صحابۂ کرام کا ایک ایک لفظ کے شک مٹانے کے لئے سینکڑون میل کا سفر طے کرنا اس کا ذکر بھی آپ سُن چکے ہین، لیکن بات اسی پر ختم نہین ہوگئی بلکہ جیسا کہ مین پہلے عرض کرچکا ہون خود صحابہ بھی ایک دوسرے سے اس معاملہ مین پوچھ کچھ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، ہر ایک اپنے علم کو دوسرے کے علم پر پیش کرتا تھا، ان کے اس طرزِ عمل ہی سے روایت کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی،

متابعات اور شواہد اسی کے ساتھ صحابہ سے روایت کرنے والے حتی الوسع اس کی کوشش کرتے تھے، کہ ایک ہی روایت کو جن جن صحابیون سے سننا ممکن ہو، اس مین کمی نہ کیجائے، اصطلاح حدیث مین روایت کے اس طریق عمل کا نام متابعت تھا، اور جو روایتیں اس طریقہ سے حاصل کی جاتی تھین یعنی ایک ہی واقعہ کو تصدیق و توثیق کے لئے شاگرد اپنے استاذ کے رفیقون اور ہم عصرون سے بھی جو روایت کرتا ہے، تو ان کا نام اصطلاحاً متابعت و شواہد ہے، جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا، محدثین مین توابع و شواہد کے جمع کرنے کا شوق زیادہ شدت پذیر ہوتا رہا، آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات سات سَو طریقوں سے مروی ہے، یعنی حدیث ایک ہے لیکن اسکی سندین سات سو ہین، اور یہ عدد بھی ایک خاص نقطۂ نظر سے ہے، ورنہ اس حدیث کے طرق دراصل اس سے بھی زیادہ ہین، روایتون مین قوت پیدا کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا، محدثین نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے، جس کا قصہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ آئے گا، حدیث

مشہور کتاب صحیح مسلم مین امام مسلم کا نقطہ نظر زیادہ تر اسی عمل پر مرکوز رہا ہے، خیر یہ تو بعد کو ہوا لیکن
صحابہ مین بھی جہان تک ممکن ہوا ہے، اس طریقہ کے برتنے کی کوشش کی گئی ہے، اسی کا
ہے، کہ غیر متواتر حدیثون کا بھی جو ذخیرہ آج ہمارے پاس ہے، زیادہ تر اس مین ایک ایک حدیث
راوی آٹھ آٹھ دس دس صحابی ہین، مشہور محدث امام ترمذی نے اپنی کتاب مین جہان اور بہت سی
باتین اضافہ کی ہین، اس کا بھی التزام کیا ہے، کہ ہر حدیث کو بیان کرکے آخر مین بتاتے ہین، کہ
کن صحابیون سے یہ حدیث مروی ہے، اور یہ تو واقعہ کے عینی شاہدون یا معصرون کی تعداد ہے، بعد
ان صحابہ کے شاگردون، اور ان کے شاگردون کی شاگردون کی تعداد مین جو اضافہ ہوتا چلا گیا اُسکا
شمار کرنا مشکل ہے، لیکن ہمارے پاس بحمداللہ ایسی ایک نہین متعدد کتابین موجود ہین جن مین ہر حدیث
تمام اسناد ایک جگہ جمع کردیئے گئے ہین، آج دنیا مین کون ہے جو گذرے ہوئے واقعات
سے کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی وثوق و اعتماد کے ان آہنی ذرائع کو پیش کرسکتا ہے، باسورتھ
حدیث کی اسی تاریخی وثاقت کو دیکھ کر یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے، :-

"کوئی شخص یہان سیرۃ نبوی کے متعلق نہ خود کو دھوکہ دیسکتا ہے، اور نہ دوسرے کو دیسکتا
کہ یہان دن کی پوری روشنی ہے" محمد اینڈ محمڈنزم از باسورتھ اسمتھ ص۱۰، منقول از سیرۃ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم،

لیکن ابھی بات پوری نہین ہوئی، ایک اہم نقطہ بحث کا ابھی باقی ہے، قبل اس کے کہ مین
ادھر توجہ کرون، ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے چلون، عموماً لوگون کا یہ خیال ہے کہ حدیث
ابتدائی نوعیت کسی علم کی نہین تھی، متفرق طور پر متفرق صحابیون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
کیا کچھ کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر یا تو بہ ضرورت انھون نے کبھی اس کا اظہار کردیا، یا بعض تو یہانتک
کہا کرتے ہین، کہ جیسے گھر کے پرانے بڑے بوڑھے اپنی ریٹائرڈ زندگی مین، نوجوانون کے درمیان

بیٹھ کر اپنے عہد نوجوانی کے قصّے دل بہلانے اور گرمی بزم کے لئے بیان کرتے ہین، یونہی اہ
باللہ حدیث کی ابتدا ہوئی، بعد کو پھر بہ تدریج لوگون نے اس کو ایک علم بنالیا، ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور سیرۃ طیبہ کو جو تعلق قرآن اور خود حضو
علیہ وسلم کے اقوال کی بنیاد پر مسلمانون کی اخلاقی و مذہبی زندگی سے تھا، آپ اس کا حال سُ
کیا اس کے بعد کوئی ایک سکنڈ کے لئے بھی سوچ سکتا ہے، کہ خدانخواستہ کسی زمانہ مین بھی
اقوال و اعمال خصوصاً عہد صحابہ مین اتنے غیر اہم ہو سکتے تھے، جیسا کہ اس شیطانی وسو
اقتضا ہے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے اس کے ذمہ دار تھے، کہ قرآ
تعمیلی شکل اور اس کے تشریحی مطالب کو خود اپنی زندگی کے نمونون سے مسلمانون کو بتا
اور مسلمان بھی اس کے ذمہ دار قرار دئیے گئے ہین، کہ ان کو اپنی زندگی کا جز بنائین، اور
کو بھی اسی راہ پر چلانے کی کوشش کرین، ایسی صورت مین دیوانون کے سوا اس قسم کے ا
مین اور کون مبتلا ہو سکتا ہے، ماسوا اس کے خود عہد نبوت مین جیسا کہ چکا ہون کہ قرآن ا
وسیرت کے سیکھنے سکھانے کے لئے ایک باضابطہ تعلیم گاہ صفہ کے نام سے قائم تھی، جس مین
کی تعداد ایک ایک وقت مین اسی اسی تک ہوتی تھی، اس مدرسہ مین تعلیم دینے کا کام ابو
ابن مسعود، زید بن ثابت، اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم عہد صحابہ مین انجام
تھے، مسلمان ہو ہو کر باہر سے لوگ آتے تھے، اور حسب ضرورت اس مدرسہ مین قیام کر
اپنے گھر جاتے تھے، خود قرآن مین اس کا حکم بھی دیا گیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے،

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم	پھر ایسا کیون نہ ہو کہ ہر فرقہ سے ایک
طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و	گروہ روانہ ہوتا کہ دین کی سمجھ حاصل
لینذروا قومھم اذا رجعوا	کرے، اور اپنے لوگون کو ڈرائے جب

الیھم لعلھم یحذرون، انکی طرف واپس ہو، ہوسکتا ہے کہ لوگ
(توبہ) (اسکے بعد) پارسائی اختیار کرین،

اس مدرسہ مین انھین کن کن باتون کی باضابطہ تعلیم دیجاتی تھی، حدیثون مین اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے، فروہ بن مسیک جو یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے، اور بعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے قبائل مراد و زبید و مذحج کے گورنر بنا کر بھیجے گئے، ان کے ذکر مین بیان کیا جاتا ہے کہ

جاء من الیمن وتعلم القرآن و فرائض الاسلام و شرائعہ (ابن سعد) یمن سے آئے اور قرآن اور اسلام کے فرائض و قوانین کی تعلیم حاصل کی،

اور یہ تو ان لوگون کی تعلیم کا طریقہ تھا، جو خود مدینہ چلے آتے تھے، لیکن جو نہین آسکتے تھے ان کے لئے آستانۂ نبوت سے باضابطہ معلمین بھیجے جاتے تھے، اسی سلسلہ مین بیر معونہ اور رجیع کے معلمون کا مشہور واقعہ ہے، جن مین ان بیچارے معلمون کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا تھا، ان کے سوا حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منجملہ اور اغراض کے تعلیمی غرض سے بھی یمن بھیجے گئے تھے، حضرت معاذؓ کو جو حکم دیا گیا تھا اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہین،

بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی قومی ادعوھم الی اللہ تبارک تعالیٰ و اعرض علیھم شرائع الاسلام (مستدرک) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی طرف اس لئے بھیجا، کہ ان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلاؤن اور ان پر اسلامی قوانین پیش کرون،

الغرض قرآن کے ساتھ ساتھ شرائع اسلام یعنی قرآن کے احکام کی تعمیلی شکل جو صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کرکے بتایا کرتے تھے، عہد نبوت ہی مین ان دونون ہی کی حیثیت مستقل علم کی

ہو چکی تھی، حدیث کا وہ ذخیرہ جس مین تعلیم و تعلم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایون مین ابھا
ہے، آج کل کی لیڈرانہ تقریرون مین تو اوس کے تحت داغ اور امیر کی شاعری اور شیکسپیر کا تی دا
کے ڈرامون تک کو داخل کر دیا جاتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ زیادہ تر ان سے مراد انہی چیزون کی تعلیم
تھی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جیسا کہ ہونا چاہئے تھا، نہ صرف مدینہ منورہ بلکہ ان تمام مرکزی
شہرون مین جہان جہان اسلام کی حکومت پہونچ چکی تھی، اور حضرات صحابہ کرام کی مختلف جماعتین وہ
جاکر توطن پذیر ہو گئی تھین، جن مین خود مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن، یمامہ، بحرین، دمشق، کوفہ، بصرہ، مصر
خاص اہمیت حاصل ہے جلیل القدر اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم نے ان شہرون کے جوامع مین ق
کے ساتھ ساتھ روایتِ حدیث کے باضابطہ حلقے قائم کر دیے تھے، مدینہ منورہ مین مردون میں حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور عورتون میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمات
اس سلسلہ مین سب سے زیادہ نمایان تھے، اسی طرح دمشق مین حضرت ابو درداءؓ کوفہ مین عبداللہ بن مسعودؓ
بصرہ مین عمران بن حصین، الغرض قبیل ہر مرکزی شہر مین ان اغراض سے تعلیمی حلقے جاری ہو چکے تھے
حضرت ابوہریرہؓ کا ذوقِ روایت تو اس حد تک پہونچا ہوا تھا، کہ جمعہ کے دن بھی چونکہ مسجد مین عام
مسلمانون کا بڑا مجمع جمع ہو جاتا تھا، اس مجمع کو غنیمت خیال کر کے تقریباً ہر جمعہ مین قبل اس کے کہ امام خطبہ
کے لئے منبر پر آئے، آپ کا یہ عام قاعدہ تھا، جیسا کہ حاکم کی مستدرک مین روایت ہے کہ

كان ابو هريرة يقوم يوم	جمعہ کے دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
الجمعة الى جانب المنبر.....	تعالیٰ عنہ منبر کے ایک کنارے کھڑے
ثم يقبض على رمانة المنبر يقول	ہو جاتے، پھر منبر کا گولا تھام کر فرماتے،
قال ابو القاسم صلى الله عليه	فرمایا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وآله وسلم قال محمد صلى الله	محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسول اللہ

علیہ وآلہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ..... فاذا سمع باب المقصورۃ یخرج الامام جلس،

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جب انھیں محسوس ہوتا کہ "مقصورۃ"[1] کے دروازہ سے امام نکل رہا ہے تو بیٹھ جاتے

ابن سعد کی ایک تابعی سے روایت ہے:-

دخل مسجد حمص فاذا بحلقۃ فیھم رجل جمیل وضاح الثنایا وفی القوم من ھو اسن منہ وھم یقبلون علیہ یستمعون کلامہ فسالتہ من انت فقال انا معاذ بن جبل،

(ابن سعد)

کہ وہ شام کے مشہور شہر حمص میں داخل ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت آدمی جن کے دانت الگ الگ تھے، وہ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں، مجمع میں ایسے آدمی بھی ہیں، جو اس حسین آدمی سے عمر میں بڑے ہیں، اور اس پر جھکے ہوئے اسکی باتیں سن رہے ہیں، میں نے پوچھا تم کون ہو بولے میں معاذ بن جبل ہوں،

بصرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے:-

اتیت البصرۃ فدخلت المسجد فاذا انا بشیخ ابیض الراس واللحیۃ

میں بصرہ پہونچا، اور مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے آدمی جن کے

---

[1] خلفا پر جب اچانک حملے ہونے لگے، تو مسجد میں ایک کمرہ خاص بنا دیا جاتا تھا جس میں خلیفہ سنتیں وغیرہ پڑھتے، اور اس سے باہر ہو کر منبر پر آتے، اسی کو مقصورہ کہتے تھے، ۱۲،

مستند الی اصطوانۃ فی حلقۃ یحدثھم، (ابن سعد)

سر کے بال سپید تھے مسجد کے ستون سے پیٹھ لگا کر ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے حدیثیں بیان کر رہے ہیں،

ہشام بن عروہ کہتے ہیں، کہ

کان لجابر بن عبد اللہ حلقۃ فی المسجد النبوی یوخذ عنہ العلم، (اصابہ جلد ۱ ص۲۱۳)

مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک حلقۂ درس تھا جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے،

اور یہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اکابر اصحاب ہیں ہیں، اس کے بعد پھر کون کہہ سکتا ہے کہ "فن حدیث" کی حیثیت عہد نبوت یا عہد صحابہ میں باضابطہ علم کی نہیں افواہی قصوں کی تھی،

حدیث کی کتابی تدوین بہرحال یہانتک تو "فن حدیث" کے وثوق واعتماد کے صرف دو ذریعوں پر بحث ہوئی یعنی ایک تو تعامل، دوسری روایت، لیکن آخر میں ایک سوال رہ جاتا ہے، اور دنیا اس کاغذی دور میں عموماً گدگدی اسی کی اٹھتی ہے، دل ہی دل میں لوگ سوال کرتے ہیں، کہ یہ سب سہی لیکن کتابی شکل میں آخر تاریخ کا یہ حصہ کب آیا، گویا اسی زمانہ کو تدوین حدیث کا آغاز قرار پاتے ہیں، اگرچہ واقعہ تو یہی ہے، کہ گذشتہ بالا ساز و سامانوں کے ہوتے ہوئے شاید اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ کتابت کے متعلق جو عربی مذاق تھا، اس کو دیکھتے ہوئے تو اس کی اور بھی کوئی گنجائش نہیں رہجاتی، فقہ و حدیث کے مشہور امام اوزاعی تو فرمایا کرتے تھے :-

کان ھذا العلم شیئاً شریفاً اذا کان من افواہ الرجال

حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس وقت تک تھا جب لوگوں کے

یتلاقونہ ویتذاکرونہ فلما	منہ سے حاصل کیا جاتا تھا، لوگ باہم
صار فی الکتب ذھب نورہ	ملتے جلتے رہتے تھے، اور آپس میں اسی
وصار الی غیر اھلہ،	کا مذاکرہ کرتے رہتے تھے لیکن جب
	سے حدیثیں کتابوں میں درج ہوگئیں
(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۹۸)	اوس کا نور اور اوس کی رونق جاتی رہی
	اور ایسے لوگوں میں پہونچ گیا، جو اسکے

اور اسی لئے تاریخ حدیث کے بیان کرنے والوں نے حدیث کی کتابی تدوین کا آغاز کب سے ہوا، اسکی طرف بہت کم توجہ کی لیکن آج اس کا نتیجہ ہے، کہ جو نہیں جانتے ہین ان مسکینون کو تو یہ باور کرایا جاتا ہے، کہ مسلمانون کی اس حدیث کا کیا اعتبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو برس بعد مدوّن ہوئی، اچھے پڑھے لکھے لوگ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بیچارے امام بخاری اور مسلم کے سن وفات کو پیش کر دیتے ہین، گویا ان کے نزدیک سب سے پہلے حدیثون کو جس نے قلمبند کیا، وہ یہی حضرات تھے، اور یہ تو خیر جاہلون کی باتین ہین، لیکن بعض محدثین کے بیانات سے عموماً ارباب واقفیت بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہین، کہ سب سے پہلے جس نے حدیث مدوّن کی، وہ ابن شہاب زہری ہین، جن کا زمانہ پہلی صدی کے اختتام کا ہے، گویا یہ لوگ ایک سو برس پیچھے ہٹ کر کتابت حدیث کی تاریخ کو لیجاتے ہین، اس زمانہ کے مطالبون سے پریشان ہوکر بعض بزرگون نے جب زیادہ کدوکاوش کنج وکاؤ سے کام لیا، تو انھون نے اعلان فرمایا، کہ زیادہ تو نہین لیکن حدیثون کا تھوڑا بہت حصہ عہدِ صحابہ، بلکہ عہدِ نبوت مین بھی قیدِ تحریر مین آگیا تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، اس میں پوری تحقیق سے کام نہین لیا گیا، ان لوگون کو اپنی تائید مین یہ مغالطہ بھی مل جاتا ہی کہ عہدِ نبوت وصحابہ مین تحریری ساز وسامان ہی کہان تھا، تھوڑا بہت جو تھا اسی

حیثیت سے کچھ چیزین قید تحریر مین آگئی ہون گی، کتابت و تحریر کے سامانون کی اس زمانہ کے اندر کیا حالت تھی، یہ ایک مستقل مضمون ہے، شروع مین بھی اس کی طرف مین نے اشارہ کیا اور اس وقت اگر تفصیل سے کام لیتا ہون تو بات بہت طول ہوجائے گی، اس کے لئے مستقل کی ضرورت ہے، لیکن کم ازکم جو قرآن پڑھتا ہے، میری سمجھ مین نہیں آتا ہے، کہ وہ عرب جو کا ماحول ہے، اس کے متعلق تحریری سامانون کے اس افلاس کا کس طرح یقین کرسکتا ہے، جس کتاب کا نام ہی قرآن (پڑھی جانے والی چیز) ہو، فاتحہ کے بعد جس کی پہلی سورۃ کی پہلی آیت دوسرا لفظ کتاب ہو، اور مسلسل کتاب، زبر، اسفار، قراطیس، لوح کا ذکر تقریباً ہر بڑی سورہ مین بار آتا ہو، پہلی آیت جو پیغمبر پر نازل ہوئی، اس مین پڑھنے لکھنے قلم تک کا ذکر موجود ہو، روشنائی دوات، سفرۃ، کاتبین، سجل کا ذکر جس کتاب مین پایا جاتا ہو، کون خیال کرسکتا ہے، کہ یہ کتا لوگون مین اتری، جو نوشت و خواند سے ایسے عاری تھے، جیسے جنگل کے بھیل اور گونڈ ہین، صرف اسی ایک قرآن کے اندرونی اشارہ پر اکتفا کرکے مین اب اپنے دعوی کا اعلان کرنا ہون، کہ علی تواتر اور روایت ان دو ذریعون کے سوا حدیث کی کوئی معمولی مقدار نہیں بلکہ اس ہمارے پاس اس تاریخ کا جو ذخیرہ موجود ہے، اس کا غالب ترین حصہ کم ازکم نمبر اول کی صحیح کی جو تعداد ہے، خود اس کے عینی شاہدون کے زمانہ مین زیادہ تر ان ہی کے ہاتھون سے قید آچکا تھا، اور اس کے بعد اس دعوی پر یہ اور اضافہ کرتا ہون کہ ان واقعات کا ایک بڑا جز طرح تواتر کے ساتھ مسلمانون مین منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اور روایت کے متابعاتی و شواہد

سلہ مین نے اب تک اس موضوع پر کوئی مستقل مقالہ تو نہیں لکھا ہے، لیکن جاہلیت اولیٰ وجاہلیت کے عنوان سے جو میرا مضمون شائع ہوچکا ہے، اس مین پیش نظر مواد کا ایک حصہ آگیا ہے، خدا نے چاہا تو اپنے معلومات کو کسی مستقل کتاب کی شکل مین مرتب کردون گا، ۱۲

ے جس طرح یہ موجودہ شکل مین آیا ہے، ٹھیک اسی طرح اپنے چشم دید گواہون کے زمانہ سے قیدِ تحریر
مین آکر مسلسل اسی طرح کتابی شکل مین باقی رہا اور ابتک باقی ہے، میرا مطلب یہ ہو کہ کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ ممکن ہو کہ ابتدا
مین بعض لوگون نے حدیث کے بعض ذخیرون کو لکھ لیا ہو، لیکن بعد کو وہ کتابی ذخیرے ضائع ہو گئے،
اور درمیان مین پھر زبانی روایت پر اس کا دارومدار رہ گیا ہو، اور آخر مین لوگون نے اسے پھر قلمبند
لیا، ایسا سمجھنا بھی قطعاً واقعات کے خلاف ہے، بلکہ جس طرح گلستان جب سے سعدی نے لکھی، اور
ب تک درمیان مین غائب ہوئے بغیر اسی کتابی شکل مین منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، یعنی اس کتاب
ایسا کوئی زمانہ نہیں گذرا کہ دنیا سے بالکلیہ ناپید ہو گئی ہو، اور پھر لوگون نے اپنے حافظون کے
یعہ سے اسے دوبارہ تحریری شکل عطا کی، جیسا کہ توراۃ وغیرہ کے متعلق ایک دفعہ نہیں بار بار یہ
اتعہ پیش آتا رہا ہے، کہ تین تین سو چار چار سو سال کے لئے اس کا تحریری سرمایہ ناپید ہو گیا، اور پھر
ہنون سے اس کو سفینون مین لانے کی کوشش کی گئی[1]، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ پر بحمد اللہ
یہ حادثہ کبھی نہیں گذرا،

بہرحال یہ تو میرا دعویٰ ہے، اس دعوی کے ثبوت کے جو ذرائع میرے پاس ہین، اب
نہین پیش کرتا ہون، لیکن قبل اس کے کہ اور باتین بیان کیجائین، پہلے یہ سُن لینا چاہئے، کہ اس وقت
ت کے ہاتھ مین حدیثون کا جو معتبر اور قابلِ اعتماد ذخیرہ موجود ہے، اس کی مقدار اور ان حدیثون
کی تعداد کیا ہے، یون تو عام طور سے جہان حدیث کے حفاظ کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ
بتائی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو نامعتبر یا ردشدہ حدیثون کے سوا جو قابلِ
اعتماد حصہ محفوظ تھا، اس کی تعداد سات لاکھ کے اوپر تھی، اسی طرح امام ابوزرعہ جو حفاظ حدیث
مین خاص امتیاز رکھتے ہین، ان کی حدیثون کی تعداد بھی سات لاکھ بتائی جاتی ہے، امام بخاری

---

[1] منجملہ دیگر عام مصادر کے میری کتاب النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم مین توراۃ وانجیل وغیرہ کے متعلق اس
مسئلہ کا فی معلومات ... سکتے ہین،

کے متعلق عام طور سے لکھتے ہیں، کہ انھیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں، امام مسلم سے لوگوں نے ان کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے، کہ اپنی کتاب صحیح کے متعلق خود فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کان سے سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں سے میں نے یہ مجموعہ منتخب کیا ہے، اسی طرح مختلف لوگوں کی طرف بڑے بڑے اعداد منسوب ہیں لیکن ان بیانوں سے عوام جو سمجھتے ہیں، کیا اس کا مقصود بھی وہی ہے، ؟ بات یہ ہے، کہ لوگ محدثین کی ایک اصطلاح سے چونکہ ناواقف ہیں اسلئے انھیں حیرت ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی وسوسہ ہوتا ہے، کہ مثلاً امام بخاری کو اگر اتنی صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں، تو پھر انھوں نے اپنی کتاب میں سب کو کیوں درج نہیں کیا، واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی حفاظت و بیان کا جو روایتی طریقہ ہے، پہلے بھی میں بتا چکا ہوں کہ اس طریقہ کو مستحکم و مضبوط بنانے کے لئے ابتدا سے متابعات و شواہد کی کثرت کا جو طریقہ مروج ہو گیا تھا، یعنی ایک ایک حدیث کو جن جن سندوں اور طریقوں سے روایت کرنا ممکن تھا محدثین ان تمام طرق کو جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور ان کی اصطلاح تھی کہ ایک ہی حدیث کو ان کے مختلف طریقوں کے اعتبار سے بجاے ایک کے طریقوں کے حساب سے شمار کرتے تھے، مثلاً انما الاعمال بالنیات کی حدیث جیسا کہ بیان کر آیا ہوں واقعہ کے لحاظ سے ایک حدیث ہے، لیکن محدثین چونکہ سات سو طریقوں سے اسے روایت کرتے ہیں، اس لئے بجائے ایک کے صرف اسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے، اور یہ کسی ایک حدیث کا نہیں، بلکہ حدیث کے بیشتر حصہ کا یہی حال ہے، حدیثوں کے ان عجیب و غریب اعداد کی بنیاد ایک تو یہ ہے، دوسرے پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ گو ابتدا میں حدیث جس کے لفظی و لغوی معنی بات کے ہیں، اس کا اطلاق محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظاتِ طیبہ پر کیا جاتا تھا، پھر اس میں وسعت پیدا ہوئی، اور آپ کے افعال و تقریرات کو بھی اس کے نیچے درج کیا گیا، اس طرح رفتہ رفتہ اطلاق میں اور کشادگی پیدا ہوئی، اور صحابہ کے اقوال

فتاوی، فیصلون، بلکہ تابعین و تبع تابعین تک کی چیزون کو بعض لوگون نے "حدیث" کے نیچے داخل کردیا، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے قدرۃً حدیثون کی تعداد بڑھ جاتی ہے، لیکن عامی خیال کرتے ہین، کہ یہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثون کی تعداد ہے، صاحب توجیہ النظر لکھتے ہین :-

انّ کثیراً من المتقدمین	متقدمین کی بڑی جماعت عموماً حدیث
کانوا یطلقون اسم الحدیث	کے لفظ کا اطلاق ایسے عام مفہوم پر کرتی
علی ما یشمل آثار الصّحابۃ	تھی جس مین صحابہ تابعین تبع تابعین کے
والتابعین وتابعیھم وفتاویٰھم	آثار و فتاوی سب ہی داخل ہین، نیز
ویعدّون الحدیث المروی	ایک ہی حدیث جو دو سندون سے
باسنادین حدیثین،	مروی ہوتی، اسے دو حدیث قرار
(ص ۹۳)	دیتے تھے،

اور یہی مراد ہے، ابن جوزی کے اس فقرے سے جو حدیثون کے ان اعداد کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہین، کہ انّ المراد بھذا العدد الطرق لا المتون (تلقیح ص۱۸۴) یعنی ان اعداد سے مقصد حدیثون کے متن کی مقدار نہیں ہے، بلکہ ان کے طریقے اور اسناد مراد ہین،

یہ حدیث کے ان بڑے بڑے اعداد کا حال ہے لیکن واقعی وہ حدیثین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی مبارک سے براہ راست تعلق رکھتی ہین، آپ کو سُن کر حیرت ہوگی، کہ کہان لاکھ دو لاکھ چار لاکھ کی باتیں تھیں، اور اب سنئے کہ امام بخاری کی صحیح سند کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہین ان کی تعداد رے دے کے بمشکل دو ہزار چھ سو دو ہے، اور امام مسلم کی حدیثون کی تعداد کل چار ہزار ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین کہ مسلم میں بخاری کے سوا چار ہزار حدیثیں ہین، بلکہ زیادہ تر دونون

کی روایتین مشترک ہین، اور یہ تو ان دو بڑی کتابون کی حدیثوں کا حال ہے، موطا امام مالک جسے بعض لوگ صحیح بخاری پر بھی ترجیح دیتے ہین، اس کی کل حدیثون کی تعداد صرف چھ سو ستانوے ہے، بہرحال شمار کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے، کہ صحیح حسن ضعیف ہر قسم کی تمام حدیثین جو اس وقت صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابون مین موجود ہین، ان کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے، اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے، تمام کتابون سے چھان بین کر ابن جوزی نے نہیں، جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے، بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت مین مشہور ہین، ان کا بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثون کی تعداد دس ہزار تک بھی نہین پہونچ سکتی، اب حاکم کی اس رپورٹ کو اپنے سامنے رکھئے، اور اس کے بعد مین بتانا چاہتا ہون کہ ان خطوط اور معاہدون، امان نامون، جاگیر و قطائع وغیرہ کے فرامین کے سوا جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے، اور جن کی تعداد سینکڑون[۱] سے متجاوز ہے، اور حدیث کی جو تعریف ہے، ان پر وہ بھی صادق آتی ہے، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ کے سوا، عہد نبوت و قرون صحابہ مین حدیث کا کتنا سرمایہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا، دنیا کو یہ سن کر حیرت ہو گی، لیکن کیا کیا جائے واقعہ یہی ہے، کہ دس ہزار ہی نہین بلکہ اس سے بھی کہین زیادہ تعداد مین حدیثین عہد نبوت و عہد صحابہ مین کتابی شکل اختیار کر چکی تھین، آخر آپ خود جوڑ لیجئے، محدثین لکھتے ہین کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیثون اور مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے، اور ایک ذریعہ سے نہین مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ خود اپنی یادداشت کے لئے بھی اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی شکل میں لے آئے تھے، حافظ ابن عبد البر نے جامع مین ان کی اس کتاب کے واقعہ کو اسطرح درج کیا ہے، کہ مشہور صحابی عمرو بن امیہ ضمیری جن کو طلسم ہوش ربا اور داستان امیر حمزہ نے عیار بنا کر

---

[۱] ہمارے فاضل عزیز دوست ڈاکٹر مولنا حمید اللہ صاحب ڈی فل ڈی لٹ پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ان کو

کے نام سے بہت مشہور کر دیا ہے، ان کے صاحبزادے حسن بیان کرتے ہیں،

تحدثت عند ابی هريرة بحديث فانكره فقلت انی قد سمعته منك فقال ان كنت سمعته منی فهو مكتوب عندی فاخذ بيدی الی بيته فارانا كتبا كثيرة من حديث رسول الله صلی الله عليه وسلم فوجد ذلك الحديث فقال قد اخبرتك انی كنت حدثتك به فهو مكتوب عندی،

میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انھوں نے اس کا انکار کیا، میں نے عرض کیا کہ اس حدیث کو میں نے آپ ہی سے سُنا ہے، تو بولے اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سُنی ہے تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا، اور اپنے گھر میں لے گئے، مجھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں، اسی (ذخیرہ) میں وہ حدیث بھی پائی گئی، حضرت ابوہریرہ رضی نے اس کے بعد فرمایا، میں نے تمھیں خبر دی تھی، کہ میں نے جو حدیث تم سے بیان کی تھی، وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے

حافظ ابن حجر نے بھی دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے، اس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ کے پاس صرف چند حدیثیں لکھی تھیں، بلکہ جو کچھ وہ روایت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۲) ایک خاص فاضلانہ ترتیب کے ساتھ جمع بھی کر دیا ہے" اور اب ان کی یہ کتاب مصر میں الوثائق السیاسیہ کے نام سے طبع ہو رہی ہے، اب تک ڈاکٹر صاحب ممدوح کو عہد نبوی کے (۲۰۰) کتابی وثائق مل چکے ہیں،

کرتے تھے، کتابی شکل میں ان کے پاس وہ موجود تھی، جب یہ معلوم ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچہزار سے اوپر ہے، اس کے بعد اگر کہا جائے، کہ پانچہزار سے اوپر حدیثیں اس وقت لکھی ہوئی تھیں تو کیا اس روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، اور صرف ایک نسخہ نہیں، دارمی جو حدیث کی مستند کتاب ہے، اور اس کا درجہ صحاح ستہ کی اکثر کتابوں سے بلند ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ ان کی حدیثوں کا تیار کر کے خود ان کو پڑھکر سنایا تھا، روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عن بشیر بن نھیک قال کنت اکتب ما اسمع من ابی ھریرۃ فلما اردت ان افارقہ اتیتہ بکتابہ فقرأتہ علیہ وقلت لہ ھذا ما سمعت منک قال نعم،	حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے، انھون نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا انھیں لکھ لیا کرتا تھا، جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا، تو ان کی حدیثوں کی جو کتاب تھی، اسے لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر ان حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھ گیا، اور آخر میں کہا کہ یہ وہ حدیثیں ہیں، جو آپ سے میں نے سنی ہیں (دارمی)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ ہیں جو یمن کے امراء میں تھے ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہے، اور ان کی حدیثوں کو جمع کیا جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہے، امام احمد بن حنبل نے اس کتاب کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کر دیا ہے، گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسی زمانہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثوں کے یہ تین نسخے تیار ہو چکے تھے، اور ان کا

تو پتہ چلا ہے، ورنہ ابوہریرہؓ جن کے شاگردون کی تعداد، امام بخاری نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے، کون کہہ سکتا ہے، کہ کتنون نے اس کام کو کیا ہوگا، خود حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے لئے جب نسخہ تیار کیا تھا، تو کیا وجہ ہو سکتی تھی، کہ ان کے شاگرد ایسا نہ کرتے، اور اس سے بھی مین اور آگے بڑھتا ہون، صحیح بخاری مین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بیان درج ہے، کہ وہ فرمایا کرتے تھے،

مَامِنْ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدٌ اکثر حدیثًا عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون مین حضور کی حدیثون کا بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہین ہے، البتہ عبد اللہ ابن عمرو بن العاص اس سے مستثنیٰ ہین، (یعنی ان کی حدیثون کی تعداد مجھ سے

(بخاری ج ۱)

جس کے یہ معنی ہوے کہ عبد اللہ بن عمرو کی مرویات کی تعداد خود حضرت ابوہریرہؓ کے ذاتی اعتراف کی بنیاد پر ان کی حدیثون سے زیادہ تھی، جب ان کی حدیثین پانچ ہزار سے زائد ہین، تو اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے، کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر سے یقیناً زائد ہونی چاہئے، بخاری کے صریح الفاظ کا یہ تقاضا ہے، اب سنئے کہ عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیثون کا کیا حال ہے، بخاری کی اسی حدیث مین ابوہریرہؓ ہی کا یہ بیان درج ہے، کہ وہ لکھا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ کے متعلق تو صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین انھون نے اسے جمع کیا تھا یا وفات کے بعد لیکن عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص جن کی حدیثون کی تعداد حضرت ابوہریرہؓ ہی کے بیان کے مطابق ان کی حدیثون سے زیادہ اور کثیر ہے، ان کے متعلق تو سب کو معلوم ہے کہ خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم سے وہ آپ کی حدیثین لکھا کرتے تھے، ان کا اپنا بیان ہے جس کا حافظ ابن عبدالبر، ابن سعد، ابو داؤد وغیرہ سب نے ذکر کیا ہے، میں حافظ ابن عبدالبر کی روایت درج کرتا ہون، خود حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہین،

قلت یا رسول اللہ اکتب	مین نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ سب
کل ما اسمع منك؟ قال نعم	کچھ جو آپ سے سنتا ہون لکھ لیا کرون
قلت فی الرضاء والغضب؟	حضورؐ نے فرمایا، ہان، مین نے عرض کیا
قال نعم فانی لا اقول فی ذلك	کہ خوشی اور غصہ دونون حالتون کی
کلہ الا حقا۔	باتون کو لکھ سکتا ہون، آپ نے فرمایا
	ہان، کیونکہ ان سب حالات مین مین
	نہیں کہتا، لیکن صرف "حق"

اس روایت مین اکتب کل ما اسمع وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہون لکھ لیا کرون قابلِ غور ہے جس کے یہی معنی ہین، کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات خواہ رضا یا غضب کے حال کی ہو، لکھ لیا کرتے تھے، محدثین مین ان کی یہ کتاب "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے اور اکثر کتابون مین اس کا تذکرہ موجود ہے، وہ خود بھی اپنی اس کتاب کو اسی نام سے یاد کرتے تھے،

ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے لیکن صرف اسی حد تک مین ٹھہر جاؤن تو گذشتہ بالا وثائق کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہون، کہ اول درجہ کی صحیح روایتون کی جو تعداد حاکم نے بیان کی ہے یعنی انھون نے یہ نہین لکھا ہے کہ صحیح حدیثون کی تعداد دس ہزار ہے، بلکہ ان کے الفاظ یہ ہین،

الاحادیث التی فی الدرجة	اعلی درجہ کی حدیثون کی تعداد دس ہزار

الا دلی لا تبلغ عشرۃ الآف درجۃ الفرا[۹۳] تک نہین پہونچ پاتی،

جس کا یہی مطلب ہوا کہ دس ہزار سے کم ہی ہیں، اور معلوم ہو چکا کہ عہد نبوت ہی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو مجموعہ جمع ہوا، اس کی روایتون کو پانچ ہزار تین سو چوہتر سے تو یقیناً زیادہ ہونا چاہئے، اور ایسے موقع پر ہمین اس کا بھی خیال کرنا چاہئے کہ عام محاورون مین "اکثر" کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہو، تو اس سے محض ریاضیاتی زیادتی مراد نہیں ہوتی یعنی صرف دو تین عدد کی زیادتی بھی مقصود نہیں ہو سکتی، بلکہ اکثریت معقول تعداد کی زیادتی کو چاہتی ہے، اگو یا حاکم نے صحیح حدیثون کی جو تعداد بیان کی ہے، قریب قریب یہ باور کرنا چاہئے، کہ عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون کی اتنی مقدار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قلمبند کر چکے تھے، اور ان کے لکھنے پڑھنے کا جو حال تھا، اس کے حساب سے ان کے لئے، یہ کام کچھ دشوار بھی نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جب شام و مصر مین ان کو عیسائیون اور یہودیون وغیرہ کی کتابین ملین تو ان سے منتخب کر کے انھون نے ایک بڑا دفتر تیار کیا تھا، اور اس کا نام انھون نے صحیفہ یرموکیہ رکھا تھا، کسی موقع پر ان کی اس کتاب کا ذکر آئے گا، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ تالیف و تصنیف سے انھیں فطری لگاؤ تھا، بہرحال پھر بھی ابھی تک میرے نتیجہ کی حیثیت فی الجملہ قیاسی نتیجہ کی ہے، لیکن اب آگے سنئے جن صحابیون کا شمار ان لوگون مین ہے جن سے بکثرت حدیثیں مروی ہین، انکی فہرست مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور صحابہ مین معمر ترین بزرگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہین، ان کی حدیثون کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی ہے، دارمی میں ان سے یہ روایت منقول ہے کہ اپنی اولاد جنکی ایک بڑی تعداد تھی، فرمایا کرتے، :-

یا بنی قید وا ھذا العلم، میرے بچو! اس علم (حدیث) کو قلمبند کر لیا کرو۔

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حدیثوں کا مجموعہ یقیناً لکھا جا چکا ہوگا، صرف اسی قدر نہیں دارمی ہی میں منقول ہے کہ

رائیت ابان یکتب عند انس، میں نے آبان کو دیکھا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہیں،

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز روایت مستدرک میں سعید بن ہلال کا بیان ہے :-

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخرج الینا محالاً عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا و عرضتھا علیہ، (مستدرک حاکم)	ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ لگاتے، تو وہ اپنے پاس سے ایک چونگہ نکالتے، اور فرماتے، یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنی ہیں، اور ان کو لکھا، لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کر چکا ہوں،

تھوڑے ردّ و بدل سے یہ الفاظ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہے، اور حضرت انسؓ کے متعلق کتابتِ حدیث کی جن دلچسپیوں کا تذکرہ دارمی سے میں نے پہلے نقل کیا ہے، ان کو دیکھتے ہوئے صحت میں شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو عہد نبوت میں علاوہ صادقہ کے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کے قلم بند ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرکے انھوں نے ان روایتوں کی توثیق بھی کرا لی تھی، کیا اب بھی صحیح حدیثوں کی جو تعداد ہے، عہدِ صحابہ میں بلکہ عہدِ نبوت ہی میں ان کے قلم بند ہو جانے پر کوئی شک کرسکتا ہے؟ مگر یہ داستان اسی پر ختم نہیں

ہو جاتی ہے، حضرت انسؓ ہی کی طرح دوسرے مکثر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی تعداد جیسا کہ ابن جوزی نے تلقیح میں لکھا ہے، ایکہزار پانسو چھ ہے، یہ تو پہلے گذر چکا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد نبوی میں درس کا ایک حلقہ تھا، اب ان کی روایتوں کے بھی قلمبند ہونے کا حال سنئے،

صحیح مسلم میں ان کے متعلق یہ روایت درج ہے کہ حج کے متعلق انھون نے ایک کتاب جمع کی تھی، اور حافظ ابن حجر نے تہذیب مین یہ روایت نقل کی ہے، کہ ان کے شاگرد وہب بن منبہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہمام (جن کے صحیفۂ ہمام کا ذکر گذر چکا) کے بھائی تھے، اپنے استاذ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے وہ براہ راست حدیث روایت کرتے ہین، انھون نے بھی انکی حدیثون کو قلمبند کیا تھا، اسی طرح سلمان بن قیس یشکری نے بھی حضرت جابرؓ کی حدیثون کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، اور بڑے بڑے بزرگون مثلاً شعبیؒ سفیان وغیرہ نے قیس سے اس کو سنا بھی تھا، خود استاذ نے کتاب لکھی تھی، تو شاگرد اوسکی اتباع کیون نہ کرتے،

عورتون مین سب سے بڑی تعداد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثون کی ہے، محدثین نے ان کی حدیثون کی تعداد دو ہزار دس بتائی ہے، خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تو ثابت نہیں، کہ انھون نے اپنی حدیث جمع کی تھی، اگرچہ ان کے علم و فضل کا یہ حال تھا، کہ فرائض جن کے مسائل کا حل بغیر حسابی قاعدون کے ناممکن ہے، آسانی حل فرماتی تھین، بڑے بڑے صحابہ ان سے فرائض کے پیچیدہ مسائل پوچھوا بھیجتے تھے، ایک ایک دفعہ میں کسی شاعر کے قصیدہ کے ساٹھ ساٹھ بلکہ سو سو شعر برجستہ سنا دیتی تھین، حدیث کی اشاعت کا شوق ان کا بے نظیر ہے، مگر خود انکی حدیثون کے جمع کرنے کا حال معلوم نہیں ہوا، لیکن ان کے

براہ راست شاگرد، اور حقیقی بہن کے لڑکے عروہ بن زبیرؓ جن کا شمار ان لوگون مین ہے، جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایتون کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ان کے متعلق عام طور سے مشہور ہے شروع مین انھون نے بھی اپنے علم کو ایک کتاب مین قلمبند کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس مین حضرت کی حدیثون کا ہونا بھی ضرور ہے، کہ سب سے بڑا سرمایہ ان کا یہی تھا، لیکن افسوس ہے کہ واقعہ حرّہ جس مین مدینہ لوٹا اور برباد کیا گیا تھا، غلط فہمی کی وجہ سے انھون نے قصداً اپنی کتاب ضائع کر دی، بعد کو پچھتاتے تھے، اور کہتے تھے ،:-

لوددت انی کنت فدیتھا	میری تمنا ہے کہ اپنے اہل وعیال
باھلی ومالی،	اور اپنے مال کو اس کتاب پر فدا
(تہذیب ۱۸۳ ج ۷)	کر دیتا،

بہرحال اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ ہی مین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مجموعہ بھی جمع ہو گیا تھا، اگرچہ عروہ کی راہ سے یہ مجموعہ ضائع ہو گیا، لیکن حضرت عائشہؓ کی دوسری مشہور خاتون شاگرد جن کا نام عمرہ بنت عبد الرحمٰن ہے، جنھون نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود مین پرورش پائی تھی، اور حدیث عائشہ کے باب مین ان کا شمار عروہ کے برابر برابر ہے انہی عمرہ بنت عبد الرحمٰن کے علم کو ان کی بہن کے لڑکے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے مشہور فرمان کی بنیاد پر جس کا ذکر بخاری وغیرہ مین بھی ہے، جمع کر لیا تھا، حافظ ابن حجر لکھتے ہین کہ ابوبکر کے نام حضرت کا فرمان آیا تھا :-

ان یکتب لہ من العلم من	عمرہ بنت عبد الرحمٰن اور قاسم بن محمد کے
عند عمرۃ بنت عبد الرحمٰن	علم (حدیثون) کو وہ ان کے لئے لکھکر
والقاسم بن محمد،	تیار کریں،

اور قاسم کے پاس بھی وہی حضرت صدیقہؓ ہی کی حدیثون کا زیادہ سرمایہ تھا، کہ آپ کے والد محمد بن ابی بکر ان کے ایام طفلی ہی مین مشہور فتنہ مین شہید ہو چکے تھے، اس لئے یتیم بھتیجے کی پرورش حضرت عائشہؓ ہی نے فرمائی، ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، سب کچھ انہی سے سیکھا تھا، بہرحال حضرت عائشہؓ کی حدیثین انہی دونون کے ذریعہ سے ابوبکر بن محمد نے جمع کین، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے ان کی نقلین تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہرون مین بھیجین، جس کے معنی یہ ہوئے، کہ گو حضرت عروہ کی کتاب جل گئی، لیکن عمرہ بنت عبدالرحمن کی راہ سے حضرت عائشہؓ کا جو علم قلم بند ہوا تھا، وہ باقی رہا،

مکثرین (یعنی جن کی حدیثون کی تعداد ہزار سے اوپر ہے) ان مین اکثرون کے حدیثی سرمایے کے متعلق عہد نبوت وصحابہ ہی مین قلم بند ہونے کا حال معلوم ہو چکا، اب صرف دو تین اور رہ گئے ہین جن مین سب سے زیادہ نمبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتون کا ہے، یعنی دو ہزار چھ سو ساٹھ حدیثین ان کی طرف منسوب ہین، پہلے تو خود ان کے متعلق ابن سعد مین ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع سے یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے لکھا کرتے تھے، ان کے مشہور آزاد کردہ غلام عکرمہ سے امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل مین یہ روایت نقل کی ہے، :-

ان نفراً قدموا علی ابن عباس	حضرت ابن عباسؓ کے پاس طائف
من اھل الطائف بکتب من	کے کچھ لوگ ان کی کتابون کو لے کر
کتبہ فجعل یقرء علیھم	حاضر ہوئے، اور ان کے سامنے ان کی
	کتابین پڑھنے لگے،

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی مین ان کی حدیثون کا مجموعہ قلم بند ہو چکا تھا،

لفظ کتب جو جمع کا صیغہ ہے، قابل غور ہے، ایک کتاب نہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ انھون نے چند کتابین تیار کی تھین، اور ان کے متعلق تو صحیح مسلم تک مین یہ روایت موجود ہے، کہ حضرت علیؓ کے فیصلون اور فتادی کا ایک بڑا حصہ لکھا ہوا ان کے پاس لایا گیا، ابن سعد ہی مین روایت یہ بھی ہے کہ ابن عباسؓ کی وفات کے بعد جو علم انھون نے چھوڑا وہ ایک بار شتر تھا، کوئی وجہ نہین ہوسکتی، کہ اس "بارشتر" کے کتابی مجموعہ مین ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثون کا ذخیرہ نہ تھا، خود ابن عباسؓ کے ممتاز ترین رشید شاگرد سعید بن جبیر سے دارمی، طبقات ابن سعد وغیرہ مین یہ بیان منقول ہے، کہ وہ ان کی حدیثون کو لکھا کرتے تھے، کاغذ ختم ہوجاتا تو جو چیز ملتی حتی کہ ہاتھ تک پر لکھ لیتے، بعد کو گھر جاکر کاغذ پر اتارتے، سعید بن جبیر جو ان کے علم کے سب سے بڑے راوی ہین، جب وہ لکھا کرتے تھے، تو اس کے بھی یہی معنی ہین، کہ ابن عباسؓ کی شاید ہی کوئی حدیث لکھنے سے رہ گئی ہو،

ان کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثون کا نمبر ہے، ان کی حدیثون کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس ہے، اب تک مجھے کوئی تحریری ثبوت اس کا تو نہین ملا، کہ خود ابن عمرؓ نے اپنی حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، لیکن دارمی ہی کی روایت ہے، بلکہ طبقات ابن سعد مین بھی یہ روایت موجود ہی کہ سلمان بن موسیٰ کا یہ بیان ہے، :-

انّہ رای نافعا مولی ابن	کہ ابن عمر کے مولی نافع کو دیکھا کہ
عمر علی علمہ ویکتب بین	لوگ ان کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہے
یدیہ،	تھے،

نافع کے متعلق سب جانتے ہین کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کے چہیتے آزاد کردہ غلام تھے، تیس سال تک ان کی خدمت مین رہے، امام مالک کی انھی روایتوں کو جو نافع ابن عمرؓ کے ذریعہ

سے وہ روایت کرتے ہین، بعض لوگ سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) قرار دیتے ہین، اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ابن عمرؓ کا علم خود ان کے براہ راست شاگردوں کے ذریعہ سے یقیناً قلم بند ہوچکا تھا، اور واقعہ یہ ہے، کہ ابن عباسؓ وابن عمرؓ کے زمانہ تک بنی امیہ کی حکومت قائم ہوچکی تھی، جس مین تصنیف و تالیف بلکہ ترجمہ تک کا چرچا مسلمانون میں عام طور پر ہوچکا تھا، ان بزرگون کی حدیثون کا نہ قلمبند ہونا البتہ محل تعجب ہے، پھر جب دلائل موجود ہین، تو انکار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے،

اور یہ حال تو ان بزرگون کی حدیثون کا ہے، جو مکثرین کے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہین،

ان کے سوا دوسرے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کا شمار اس طبقہ مین نہین ہے، ان مین ایک نہین متعدد صحابیون کے متعلق ثابت ہے کہ صرف ایک دو حدیث نہیں، بلکہ ان کے اچھے خاصے مجموعے لکھے ہوئے موجود تھے، جن مین بعض تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے تھے، مثلاً وائل بن حجرؓ صحابی جو حضرموت کے شاہزادون مین تھے، مدینہ اکر مسلمان ہوئے اور کچھ دن قیام فرما کر جب واپس جانے لگے تو طبرانی صغیر میں مروی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے حوالے کیا، جس میں نماز، روزہ، شراب، سود وغیرہ کے احکام تھے،

دوسری طویل چیز جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی لکھوائی ہوئی ہے، اس کا تو ذکر بخاری تک مین ہے، آپ میں کون نہیں جانتا کہ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا تھا، اس مین ہر فقرہ بجائے خود اسلام کا ایک اصول تھا، اور اچھا خاصہ طویل ہے، ابو شاہ یمنیؓ صحابی کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ ان کو خود لکھوا کر دیا، بخاری کی روایت سے شاید شبہ ہوسکتا ہے، کہ پورے خطبہ کی نقل کا شاید حکم نہیں دیا گیا، امام اوزاعی جو سیر کے امام ہین، ان سے یہ پوچھا گیا کہ کیا پورا خطبہ لکھوایا گیا تھا، بولے ہان!

هذه الخطبة التي سمعها من النبي — یعنی وہی خطبہ جسے انھون نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم، (علمی نمبر ۲۷۵ ج) صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، لکھوا کر دیا گیا)

دارمی ہی کی ایک اور روایت ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن والون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کے احکام ایک رسالہ کی شکل مین لکھوا کر بھیجے تھے، دارمی کے الفاظ یہ ہین :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والون کو
کتب الی الیمن ان لا یمس القرآن	یہ لکھوا کر بھیجا، کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی
الا طاھر ولا طلاق قبل املاک	نہ چھوئے، اور قبل مالک ہونے (یعنی نکاح کے)
ولا عتاق حتی یبتاع،	طلاق نہیں ہی، اور جب تک غلام خریدا
(صفحہ ۲۹۳)	نہ جائے، اوس کے آزاد کرنے کے کوئی م

نہیں ہے

اس کتاب مین جب اتنے تفصیلی مسائل تھے، تو اسلام کے عام فرائض و واجبات کا ہونا تو زیادہ اغلب ہی، اسی طرح کنز العمال مین ایک روایت ہی کہ عمرو بن حزم کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر بھی لکھوا کر ان کے حوالہ فرمائی گئی جس میں فرائض صدقات دیات (یعنی قتل کے خون بہا کا قانون) وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتین تھین، اسی طرح حافظ ابن حجر نے تہذیب مین حضرت سمرہ بن جندب مشہور صحابی کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کے متعلق لکھا ہی کہ

روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ	اپنے والد سے وہ ایک بڑا نسخہ روایت
(تہذیب صفحہ ۱۹۸ جلد ۴)	کیا کرتے تھے،

جس سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت سمرہؓ کی حدیثیں بھی جمع ہو چکی تھین، خصوصاً کبیرۃ کے لفظ سے اس کی زیادہ تائید ہوتی ہے، ورنہ چند حدیثون کے متعلق ظاہر ہے کہ نسخہ کبیرۃ کا اطلاق صحیح نہین ہو سکتا ترمذی نے کتاب الاحکام مین ایک روایت "باب الیمین مع الشاہد" کے سلسلہ مین جو درج کی ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلۂ خزرج کے مشہور سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس کے حوالہ سے ان کے صاحبزادے بعض روایتین بیان کیا کرتے تھے، اور اس مین کوئی تعجب بھی نہین ہے، اس لئے کہ قبل الاسلام کتاب یعنی لکھنے مین جن لوگون کو مہارت حاصل تھی، ان مین ایک حضرت سعد بن عبادہؓ بھی تھے، بخاری کی ایک روایت سے جو کتاب الجہاد باب الصبر علی القتال" مین مروی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی حدیث لکھا کرتے تھے، اسی طرح بخاری، ترمذی اور صحاح کی دوسری کتابون مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک صحیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے، جسے وہ اپنی تلوار کے نیام مین رکھا کرتے تھے، روایتون سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس صحیفہ مین "شریعت" کے بعض اہم مسائل تھے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان فرمائے تھے، تلاش اور تتبع سے اگر اور کام لیا جائے، تو اس قسم کے کتابی ذخیرون مین اور اضافہ ہو سکتا ہے لیکن بالفعل اپنے بیان کی پہلی قسط کو اسی پر ختم کرتا ہون، اور مقالہ کے دوسرے مباحث کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ قسطون مین کیا جائے گا، جس مین سب سے پہلے یہ بیان کیا جائیگا کہ جب حدیث کے کتابی ذخیرہ کا اتنا بڑا سرمایہ عہد نبوت و صحابہ مین جمع ہو چکا تھا، اور حدیث کی عام کتابون مین اس کا ذکر موجود تھا، پھر باوجود اس کے لوگون کو یہ مغالطہ کس بنیاد پر ہوا کہ سب سے پہلے حدیث کی کتابی تدوین ابن شہاب زہری نے پہلی صدی کے اختتام مین عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ کے فرمان سے شروع کی؟ اس مغالطہ کے ازالہ کے بعد جن حقائق کا انکشاف ہوگا، اون کے نتائج پر بحث کرنے کے بعد "تدوین حدیث" کے دوسرے مباحث کا تذکرہ کیا جائے گا،

وَمَا توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب،

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی

۱۱۱۵ھ – ۱۲۰۶ھ

از
مولانا مسعود عالم ندوی کیٹلاگر، اورینٹل لائبریری پٹنہ

(۳)

عُیینہ مین: ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۱ء

دعوت و تبلیغ کی ابتدائی منزلین طے کرنے پر شیخ کو احساس ہوا کہ اس افراتفری مین کہ ہر ناحیہ[۵۱] کا حاکم الگ ہے، کامیابی دشوار ہے، خود حُریملا مین دو خاندان (قبیلہ) سرداری کے لئے دست بگریبان تھے،[۵۲]

ان حالات مین کوئی موثر قدم اٹھانا مشکل تھا، انھون نے پورے نجد کو ایک امیر اور ایک

---

۵۱ عثمانی حکومت کے دور مین انتظامی آسانی کے خیال سے ملک کی تقسیم ان چار حصّون مین کیجاتی تھی، ولایۃ (صوبہ) لواء (کمشنری)، قضاء (ضلع)، ناحیہ (تحصیل یا سب ڈویزن) عارض کا شمار ناحیہ مین تھا، آلوسی نے ناحیۃ العارض ہی لکھا ہے، (صوبہ اور ضلع کی دیسی اصطلاحین ہم نے مقابلہ کے لئے دیدی ہین)

۵۲ عنوان المجد (ص ۹) مین بعض غلامون کی شرارت کا ذکر ہے، جو شیخ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے؛ دوسری کتابون مین جہان کہین بھی اس کا ذکر ہے، غالباً ماخذ یہی ہے،

ے کے نیچے جمع کرنے کا ارادہ کر لیا، وہ سمجھتے تھے، کہ کسی امیر (حاکم صاحب نفوذ و قوت) کی
ردی حاصل کئے بغیر دعوت کو دور و نزدیک جلد از جلد پھیلانا آسان نہیں، ان خیالات کے
نظر انھون نے عثمان بن حمد بن معمر امیر عیینہ سے خط و کتابت کی، (الزہراء، رجب ۴۵ھ)
امیر کو قبول حق پر آمادہ پاکر خود بھی عیینہ منتقل ہوگئے، امیر نے اچھی طرح آؤ بھگت کی، اور
آنکھون پر بٹھایا، جوہرہ بنت عبد اللہ بن معمر سے شیخ کی شادی ہوئی جس سے ظاہری طو
قات زیادہ مستحکم ہوگئے، شیخ کے سامنے ایک متعین مقصد تھا، ذاتی اور خاندانی تعلقات حصول
مد کا ذریعہ ہو سکتے تھے، خود مقصد نہیں تھے، انھون نے امیر عیینہ کے سامنے دعوت پیش کی توحید
ہوم واضح کیا، اور اس جلیل القدر مہم مین امداد و تعاون کی درخواست کی، شیخ کے یہ الفاظ یادگا
بل نقل ہین، (عنوان ص ۹)

انی ارجوان انت قمت بنصر	اگر تم لا الہ الا اللہ کی امداد کو آمادہ ہوجاؤ
لا الٰہ الا اللہ ان یظہرك اللہ	تو مین امید کرتا ہون کہ اللہ تعالی تمھین غالب
تعالی وتملك نجدا واعرابھا	کرے گا، اور نجد و اہل نجد کی باگ تمھارے
	ہاتھون مین ہوگی،

عثمان کو یہ پیشکش صدق دل سے کی گئی تھی، پر افسوس کہ وہ اس پر قائم نہ رہا جس کا خمیازہ اسے
ا پڑا، اور آخر یہ نعمت عیینہ سے درعیہ کو منتقل ہوگئی، بہرحال عثمان بن حمد بن معمر نے امداد کا وعدہ
اور اس کی معاونت کے سہارے شیخ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کھلم کھلا دعوت
شروع کی، اور رفتہ رفتہ اہل عیینہ کے دل قبول حق کی طرف مائل ہونے لگے،
شیخ نے اس اثنا مین بدعات کے بعض اڈون کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، جس مین انھین خاطر خواہ
یابی ہوئی، اس علاقہ مین بعض درختون کی توقیر کی جاتی تھی، انھین بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا

زیدؓ بن خطاب (جو یوم یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے مقام جبیلہ میں ایک قبر تھی، اور اس کی قبہ، اس کا بھی خاتمہ کیا، جو اس وقت کے لحاظ سے کوئی آسان کام نہیں تھا، ابن بشر (ص۱۰ج۱) اس قبہ کے انہدام کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے،

"شیخ نے عثمان سے کہا، آؤ، اب اس قبہ کو منہدم کردیں جس کی بنیاد باطل پر رکھی گئی ہے اور جس کی وجہ سے لوگ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں، عثمان نے کہا: آپ ہی اسے ہدم کردیں" شیخ نے فرمایا کہ ہمیں اہل جبیلہ سے خطرہ ہے، کہیں وہ ہمارے درپے آزار نہ ہو جائیں، آپ کی موجودگی کے بغیر ہم نہیں کرسکتا، اس پر عثمان چھ سو آدمیوں کے ساتھ چلا، قریب پہونچنے پر اہل جبیلہ نے بزور روکنے کا ارادہ کیا، لیکن جب انھوں نے عثمان کی طرف سے بھی پوری تیاری دیکھی تو ہٹ گئے، ابن بشر کا بیان ہے، کہ عثمان نے شیخ سے کہا "کہ ہم قبہ کو چھو نہیں سکتے، اس پر شیخ نے ہتھوڑا (فاس) لیا، اور اپنے ہاتھ سے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کردیا، اور کامیاب واپسی ہوئی، اس رات کو اطراف و نواح کے جاہل بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، کہ دیکھیں اس ناروا اقدام کے بدولت شیخ پر کیا مصیبت آتی ہے، لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، جب صبح ہوئی تو لوگ بہت مایوس ہوئے، اور اہل حق کی ہمت بندھی، نیز کمزوروں کے ایمان میں تازگی آئی"

یہ صرف ایک واقعہ کی تفصیل تھی، وہاں قدم قدم پر یہی رسوائیاں تھیں، جاہلوں سے لیکر علماء اور مشائخ تک سب کے سب بدعات کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے، یہ ابن عبد الوہاب کی آواز اور کوشش تھی، جس نے صدیوں کے بعد پہلی حق کا بول بالا کیا، اور صحیح اسلامی تعلیم سے خلق خدا روشناس ہوئی،

شیخ نے امیر عثمان بن معمر کو نماز باجماعت کے احیاء کی بھی تاکید کی، اور متخلفین کے لئے

سزا مین تجویز ہو ئین حکام طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے، شیخ نے تمام ٹیکس اٹھا دیئے، اور صرف زکوٰۃ کا اجرا کیا، شیخ نے قیام عیینہ کے دوران مین ابن معمر کے ہاتھ سے یہ دو کام اچھے کرائے، لیکن ان کے دشمن اس مین بھی حرف نکالتے تھے، (روضۃ الافکار)

شیخ نے عیینہ ہی مین اپنے تبلیغی رسالون کا سلسلہ شروع کیا، جو مرتے وقت تک جاری رہا، درعیہ مین ان کے ماننے والے کچھ پیدا ہو گئے تھے، انہی کے نام آپنے عُیینہ سے ہدایت نامے جاری کئے تھے، (روضۃ الافکار جلد ا ص۲)

عیینہ سے اخراج | عیینہ مین کامیابی قدم لینے کو تھی، اور اصلاح کی مہم مکمل ہوتی جارہی تھی، کہ قدرت نے ایک شر پیدا کیا، جس مین ہزارون برکتین پنہان تھین،

"ہونے والی بات، ایک عورت شادی شدہ گناہ کی مرتکب ہوئی، اور اوس نے شیخ کے سامنے گناہ کا اعتراف بھی کرلیا، بار بار جرح کرنے پر بھی وہ اپنے اقرار سے نہ پھری مجبوراً شیخ نے سنگساری کا حکم دیا، عثمان بن معمر نے مسلمانون کی ایک جماعت کے ساتھ یہ فرض انجام دیا، سب سے پہلا شخص جس کا ہاتھ پتھر کی طرف بڑھا، وہ عثمان تھا"[۱]

اس غیر متوقع حادثہ نے اطراف وجوانب مین تہلکہ پیدا کر دیا، خصوصیت کیساتھ اُن حلقون مین جو برائیون کے خوگر تھے، اور زیادہ کھلبلی مچی، بات لگانے والے سلیمان بن محمد غریا الحمیدی (حاکم احسا وقطیف) کے دربار مین پہونچے، اور اسے شیخ کی مخالفت پر آمادہ کیا، یہ شخص نہایت رنگیلا اور آزاد مزاج تھا، رجم کے واقعہ سے اس کا برہم ہونا بالکل متوقع تھا، کہنے والون نے اس سے کہا کہ یہ شخص (ابن عبدالوہاب) تمھاری آزادیون کی راہ مین رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے، بات لگتی ہوئی تھی، جسکے

---

[۱] روضۃ الافکار جلد ۲ ص۲ عنوان المجد جلد ا ص۱، فلبی نے بھی ابن غنام کے بیان کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ کیا ہے، (ARABIA ص۱۱)

دل میں جم گئی، اس نے فوراً عثمان بن معمر امیر عُیَینہ کو تہدید آمیز انداز میں لکھا:

"یہ مطوعؒ جو تمہارے ہاں مقیم ہے، اوس نے ایسے ایسے........کام کئے ہیں، اُسے قتل کرو، ورنہ تمہیں ہمارے ہاں سے جو کچھ ملتا ہے، وہ سب روک دیا جائیگا۔"[2]

چونکہ وہ رقم کافی تھی یعنی مال و متاع کے علاوہ بارہ سو[3] دینار سالانہ؛ اس وجہ سے وہ متردد ہوا کہ دنیا کی طمع توحید کی حمایت پر غالب آنے لگی، ابھی اس کا سینہ دعوتِ توحید کا محرم نہیں بنا تھا، نہ اُسے یہ معلوم تھا، کہ حق کا ساتھ دینے والوں پر غیب سے کیا کیا انعامات ہوتے ہیں، ؟ اسی بیچ میں اُس نے شیخ کو سلیمان حاکم احسا، کے پیام کی اطلاع دی، شیخ نے اُسے تسلی دینی چاہی پورے یقین کے ساتھ اُسے سمجھانے کی کوشش کی، ابن بشر (ص۱) کی زبانی شیخ کے یہ الفاظ کے لائق ہیں:

إنّ هذا الذي أنا قمت به و	یہ جو اس چیز کو لیکر کھڑا ہوا ہوں، اور
دعوت إليه كلمة لا إله	اسکی دعوت دی ہے، وہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ

---

[1] اہلِ نجد کی زبان میں مولوی اور فقیہ کو مطوع کہتے ہیں، جمع مطاوعہ استعمال ہوتی ہے، موحدین کی نئی منظم اخوان میں بھی مبلغون کی جماعت مطاوعہ کہلاتی ہے۔

[2] سلیمان الحمیدی نے جن الفاظ میں عثمان کو دھمکی دی ہے (فان لم تفعل قطعنا خراجك الذي عندنا في الاحساء) ان سے صاف پتہ نہیں چلتا کہ یہ افسر کی طرف سے تہدید ہے یا ماتحت کی طرف سے بغاوت کی، فلبی (ص۱) کی رائے میں سلیمان عیینہ کی امارت کا متبوع اور سردار، (Chief or Suzerain) معلوم ہوتا ہے، بعد تفصیل میں بھی بار بار "امرنا سلیمان" آیا ہے، اس سے بھی فلبی کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

[3] اسلم صاحب نے (تاریخ نجد ص۳) بارہ ہزار دینار لکھا ہے، جو غالباً صحیح نہیں، اصل ماخذ عنوان المجد لابن بشر النجدی (ص۱) میں صاف "اثنا عشر مائة احمر" ہے۔

الا اللہ وارکان الاسلام والامر بالمعروف والنھی عن المنکر فان انت تمسکت بہ ونصرتہ فان اللہ سبحانہ یظھرک علی اعدائک فلا یزعجک سلیمان ولا یفزعک ......الخ

ارکان اسلام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت ہے، اگر تم اس کو مضبوط پکڑلو، اور اس کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے دشمنوں پر غالب کرے گا، سلیمان کی وجہ سے تمھیں پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں،

شیخ نے ہر طرح کوشش کی، پر جب زوالِ دنیا کا خوف قلب پر طاری ہو جائے، تو پھر کوئی فہمایش کام نہین کرتی، شیخ کی موثر اور پر امید نصیحت سے پہلی مرتبہ تو وہ رک گیا، لیکن پھر اس سے نہ رہا گیا، اور شیخ کے پاس دوبارہ کہلا بھیجا:

تیلمان نے ہمین آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، اور ہم مین اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہین اور نہ یہ ہماری مروت ہو گی، کہ آپ کو اپنے گھر میں تہ تیغ کرین، اس لئے آپ آزاد ہین، ہمارا علاقہ چھوڑ دین۔" (عنوان ص ۱۱)

یہ پیام دیا، اور اپنے ایک سپاہی فرید الظفیری کی ہمراہی مین عُیَینہ کے حدود سے باہر کر دیا، اس اخراج کی داستان بھی عبرت انگیز اور پر درد ہے "ریگستان عرب کی سخت دھوپ، شیخ آگے آگے پیادہ پا، ہاتھ مین صرف ایک پنکھا، اور پیچھے پیچھے فرید گھوڑے پر سوار" ابن بشر نے تو یہان تک لکھا ہے کہ ابن معمر نے در پردہ شیخ کے قتل کا بھی حکم دیدیا تھا، شیخ آگے آگے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب کا ورد کرتے ہوئے چلے جاتے تھے، سپاہی نے راستہ بن بات نہین کی، جب اوس نے قتل کا ارادہ کیا، تو خود اس کے بیان کے مطابق کسی غیبی طاقت نے اس کا ہاتھ روک لیا، اور اس پر رعب طاری ہو گیا، اور اسی عالم مین وہ الٹے پاؤن عُیَینہ

کی طرف واپس ہو گیا، صداقت کا اس پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سچ مچ اسے اپنی جان خطرہ میں نظر آنے لگی، (عنوان ص۱۱)

درعیہ میں ۱۱۵۸ھ | ابن معمر کے حدود سے نکل کر شیخ نے درعیہ کا رُخ کیا، اور عصر کے وقت وہاں پہونچے، پہلے وہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن سویلم العرینی کے گھر اترے، اور پھر اپنے ایک شاگرد احمد بن سویلم کے ہاں منتقل ہو گئے، خبر پا کر امیر درعیہ محمد بن سعود اپنے بھائیوں مشاری اور ثنیان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، اور سب نے مل کر شیخ کو معاونت و فرمانبرداری کا یقین دلایا،

(روضۃ الافکار جلد ۲ صفحہ)

یہ مختصر روداد ابن غنام سے منقول ہے، فلبی نے بھی اسی پر اکتفا کیا ہے، (ص۱۲) ابن بشر نے اس اہم واقعہ کو جسے شیخ کی تبلیغی زندگی میں خاص اہمیت حاصل ہے، ذرا تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے، محب الدین خطیب نے الزہرا، (رجب ۱۳۴۵ھ) میں اسی پر اعتماد کیا ہے، ابن غنام کے بعد ہم ابن بشر کی روایت بھی ذیل میں درج کرتے ہیں،

"شیخ درعیہ عصر کے وقت پہونچے، جہاں وہ ایک خوش بخت انسان محمد بن سویلم العرینی (الزہرا: عبد اللہ بن عبد الرحمن بن سویلم العرینی) کے گھر اترے، بیچارہ عربی اخلاق سے مجبور ہو کر کچھ نہ بولا، پر امیر کے خوف سے اسکے اوسان خطا ہو رہے تھے، شیخ نے نصیحت کی اور تسکین دی سیجعل اللہ لنا ولک فرجاً ومخرجاً"

امیر محمد بن سعود کی معاونت | ابن سویلم کے گھر ٹھہرے، تو وہ دعوت توحید کا مرکز بن گیا، لوگ چھپ چھپ کر آنے لگے اہل علم خاص طور پر مستفید ہوتے، لیکن یہ صورت قابل اطمینان نہ تھی، شیخ نے امیر سے سلسلہ جنبانی کرنا چاہی اور امیر کے بھائیوں مشاری اور ثنیان سے گفتگو کی، انھوں نے پہلے امیر کی بیوی موضیٰ بنت ابی وحطان سے جو نہایت ذی فہم اور متدین خاتون تھی، شیخ کے

م و فضل کی تعریف کی، اور اسے امیر سے سلسلہ جنبانی پر آمادہ کیا، قدرت کو یونہی کرنا تھا، موضی کے دل پر خود بخود شیخ کے علم و فضل کا سکہ جم گیا، اس نے امیر سے عرض کی:

"اللہ نے یہ نعمت تمھارے ہاں بھیج دی ہے، اٹھو اور اسکی مدد کرو، تمھاری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائے گی"

امیر محمد بن سعود جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسن اخلاق مین مشہور تھا، اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا، اور اس کے دل مین شیخ کی محبت گھر کر گئی، سب کے اصرار سے اوس نے ملنے مین بھی خود پہل کی، اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی، شیخ نے جواب مین اپنی دعوت کے اہم مضمون (کلمہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم امر بالمعروف نہی عن المنکر جہاد) پر مختصر سی تقریر کی، اور اہل نجد کی برائیون سے آگاہ کیا، اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی،

امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا:

"اے شیخ! یہ تو بلا شبہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہے، مین آپ کی امداد و اطاعت اور مخالفین توحید سے جہاد کے لئے تیار ہون لیکن میری دو شرطین ہیں:

۱۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی، اور اللہ نے ہمین فتح دی، تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑین"

۲۔ اہل درعیہ سے فصل کے وقت مین کچھ مقررہ محصول لیتا ہون، آپ مجھے اس سے نہ روکین"

شیخ نے جواب دیا:

پہلی شرط بسر و چشم منظور ہے، ابسط یدک، الدم بالدم والهدم بالهدم (میرا خون تمھارا خون اور میری تباہی تمھاری تباہی)، رہی دوسری شرط، سو انشاء اللہ تمھین فتوحات اور غنیمتون مین اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل مین

نہیں آئے گا،

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد کیا، کتاب سنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی آمادگی ظاہر کی، یہ ۱۱۵۷ھ یا ۱۱۵۸ھ کا ذکر ہے، امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق جوق لوگ استفادہ اور تجدید ایمان و اعمال کے لئے آنے لگے، عُیینہ کے پرانے فیضیافتہ اور ہم نشین جن کے دلوں میں شیخ کی دعوت گھر چکی تھی، درعیہ آگئے، ان آنے والوں میں خود عثمان بن معمر رئیس عُیینہ کے بعض عزیز بھی تھے،

ارادتمندوں کا پہلا گروہ | یوں تو عُیینہ ہی کے دوران قیام میں شیخ کی طرف لوگ کھینچنے لگے تھے لیکن ایک عرصہ تک بدعات اور تاریکی میں گھرے رہنے کے بعد عام طور پر خلقت قبول حق میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی، درعیہ کے قیام اور امیر محمد بن سعود کی نیک نامی نے دعوت کی کامیابی کے لئے اچھی زمین تیار کر دی، جن خوش قسمت لوگوں نے آغاز کار ہی میں جوش و خروش کے ساتھ دعوت پر لبیک کہا، اور اس سلسلہ میں خود بھی ابتلا و محن سے دوچار ہوئے ان میں بعض نام ابن غنام کی عنایت سے ہم تک پہونچ گئے ہیں،

۱؎ ابن غنام ان سب واقعات کا مختصر ذکر کرتا ہے، اور ۱۱۵۷ھ کے حدود میں کانت هذه الامور.... فی حدود سنة سبع وخمسین بعد المائة والالف من الهجرة (جلد ۲ ص۴) اوپر کی تفصیلات ابن بشر کی عنوان المجد سے ماخوذ ہیں (جلد اص ۱۲-۱۱) وہ شیخ کے ترک عیینہ اور اقامت درعیہ کی تاریخ ۱۱۵۸ھ بتاتا ہے (ص۱۵)؛ لیکن الزہرا میں اسی عنوان المجد کے حوالہ (ص۱) سے انتقال درعیہ کی تاریخ ۱۱۵۷ھ بتائی گئی ہے ہمارے پاس عنوان المجد کا نیا مکمل اڈیشن ہے، (مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۴۹ھ) غالباً پہلے ناقص اڈیشن (مطبوعہ بغداد ۱۳۲۸ھ) میں ایسا ہی چھپ گیا ہوگا، ہمارے پاس وہ نسخہ موجود نہیں، اس لئے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

خاندانی اور باوجاہت لوگوں میں محمد بن سعود کے تین بھائیوں مشاری، ثنیان اور فرحان م پہلے آتے ہیں، اہل علم میں احمد بن سویلم اور عیسیٰ بن قاسم زیادہ ممتاز تھے، اور عام رسوخ واثر تبار سے محمد الحزیمی، عبداللہ بن دغیثر، سلیمان الوشیقری، حمد بن حسین اور محمد بن حسین کے نام آج بان زد ہیں فلبی (ص ۱۳-۱۲) کے بیان کے مطابق :

"یہ وہابیت کے پہلے بہادر کارکن تھے، ان کے نام آج تک عزت سے لئے جاتے ہیں اور ان کی اولاد سلطان کے دربار میں اعزاز کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔"

کی ندامت و پشیمانی دعوت کی روز افزوں عمومیت اور مقبولیت کی خبر پاکر ابن معمر سے نہ رہا سے اپنے پہلے طرز عمل پر بڑی پشیمانی ہوئی، اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کی، ساتھ عیینہ واپس چلنے کی درخواست بھی کی، شیخ نے جواب میں صاف کہا :

"اب یہ امیر ابن سعود کے اختیار میں ہے، ان کی اجازت ہو تو میں تیار ہوں، ورنہ انھیں چھوڑ کر اب کسی دوسرے کی رفاقت منظور نہیں۔"

یہ واضح جواب پاکر ابن معمر نے خود میزبان محمد بن سعود سے اجازت طلب کی، لیکن وہ اس

ن تو اس دعوت اور پھر آگے چل کر جہاد و قتال کے سلسلہ میں امیر محمد بن سعود اور ان کے پورے گھرانے نے کام کئے لیکن ہمیں یہاں بحث صرف شیخ کی دعوت سے ہے، اور اس سلسلہ میں ثنیان بن سعود ۱۱۸۹ھ) اور مشاری بن سعود (م ۱۱۸۹ھ) زیادہ ممتاز ہیں، مشاری نے بھائی کی بڑی امداد کی، کے بیٹے حسن بن مشاری نے لڑائیوں میں شمشیر آبدار کے خوب خوب جوہر دکھائے، ثنیان بن زاہد اور عفیف النفس تھے، گو وہ بینائی سے محروم تھے لیکن ان کی بصیرت بڑھی ہوئی تھی، اصل ن سعود انہی کے مشورہ سے شیخ کی امداد پر کمربستہ ہوئے، (روضۃ الافکار جلد ۲ ص ۹۴، ۱۰۵، المحمد جلد ۲ ص ۱۰، ۹)۔

نعمت کو اپنے گھر سے کسی دام پر الگ کرنے کو تیار نہ تھے، (عنوان ص۱۳)

دور عمل | شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، جہان جہالت کی گرم بازاری تھی، شیخ نے سب سے پہلے وعظ و درس کے حلقے قائم کئے، اور خود صبح سے شام تک آنے والون کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے، اور اپنی دعوت، دعوت توحید و اخلاص فی عبادۃ اللہ کی اہم اور ضروری چیزین ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے، شیخ کی جاذب شخصیت اور دعوت کی سچائی نے فوری اثر دکھایا، مجالس وعظ و تذکیر سے یہ فائدہ پہونچا کہ دلون سے ماالفینا علیہ آباءنا کا زنگ دور ہونے لگا، اور رسم و رواج کے خرافات کو وہ صرف قرآن و حدیث کی روشنی مین دیکھنے لگے،

ان مجالس کی کشش دور دور سے تشنگانِ علم کو درعیہ لے آئی، جہان رزق کی تنگی کے باعث یہ علم و عمل کے پیاسے راتون کو کسی حرفت کے ذریعہ قوت لایموت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور دن کا وقت اللہ کی کتاب اور اس کے برگزیدہ پیغمبر (ص) کی بتائی ہوئی باتون کے سننے کے لئے وقف رہتا، شاگردون اور ارادتمندون کی زیادتی اور ان کی میزبانی کے باعث شیخ برابر مقروض رہتے، بہرحال دعوت کی مقبولیت دن پر دن بڑھتی گئی، اور آنے والون کا تانتا بندھا رہتا،

(عنوان: ص ۱۵ و ۱۳)

دعوت کی وسعت | اہل درعیہ تو شیخ کے قدم رکھتے ہی عقیدت مندون مین شامل ہوگئے، لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے، نجد کے مختلف حصّون اور ان کے سردارون کو ترغیب دیتے، اور اپنی دعوت سے آگاہ کرتے، گو مخالفتین بھی ہوئین، اور افترا پردازیون مین بھی کوئی کمی نہین کی گئی، پھر بھی حق کی آواز بلند ہوتی گئی، اور آہستہ آہستہ اس کے ثمرات بھی ظاہر ہونے لگے، قیام درعیہ کے دوسرے ہی سال (۱۱۵۸ھ یا ۱۱۵۹ھ: عنوان ص۱۶) امیر عُیَینہ نے آکر بیعت کی، اور حدود شرعیہ کے نفاذ کا عہد کیا، تھوڑے ہی دنون کے بعد اہل حریملا نے بھی بیعت کی، ادھر امیر محمد بن سعود کی معاونت

کا یہ عالم تھا، کہ خمس اور زکوٰۃ کی تمام رقمین شیخ کے ہاتھ مین دیجاتین، اور وہ انھیں بے دریغ اللہ کی راہ مین خرچ کرتے، امیر ابن سعود اور اُن کے جانشین عبد العزیز بن محمد بن سعود جو ۱۱۷۹ھ؁ ۱۷۶۵ء؁ مین اپنے والد کی وفات کے بعد منصب امارت پر متمکن ہوئے شیخ کی اجازت کے بغیر ادنی تصرف روا نہیں رکھتے، بااین ہمہ شیخ کی للّٰہیت کا یہ حال تھا، کہ وہ اپنے پاس ایک حبہ بھی نہیں رکھتے، آمد جو کچھ آتا، سب اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے،

ابن بشر کا بیان ہے (ص ۱۵) کہ خمس اور زکوٰۃ سے جو کچھ آتا، وہ فوراً تقسیم کر دیتے، انکی اس فراخ دستی کا نتیجہ یہ تھا، کہ وہ برابر مقروض رہتے، صرف فتح ریاض (۱۱۸۷ھ؁[1] ۱۷۷۳ء؁) کے وقت ان پر چالیس ہزار قرض تھا، جو مال غنیمت سے ادا کیا گیا" (عنوان ص ۱۵)

یہ سارا قرض اور یہ تمام دریا دلی تبلیغ کے سلسلہ مین ہوتی تھی، جو فتح ریاض تک برابر جاری رہی، فتح ریاض کے بعد شیخ کو اپنی دعوت کی کامیابی کے متعلق ایک گونہ اطمینان ہو گیا، تو انھون نے امیر عبد العزیز کو سیاہ و سپید کا مالک بنا کر اپنے کو بیت المال کے انتظامات سے بالکل الگ کر لیا، اور اپنی تمام توجہ تعلیم و تدریس پر مرکوز کر دی لیکن عبد العزیز شیخ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے، ہر کام مین ان کی رائے مقدم تھی، (عنوان ص ۱۵)

تبلیغ عام | اب تک شیخ کی دعوت نجد کے اضلاع تک محدود رہی، لیکن یہ دعوت عام تھی اصلاح کی ضرورت صرف نجد مین نہ تھی، تمام اسلامی دنیا انحطاط کے عالم مین تھی، اصلاح کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے، اسلئے قدرتی طور پر عُیینہ، حُریملا، درعیہ اور عارض کے دوسرے قصبے شیخ کی دعوت کے اولین مرکز بنے لیکن جونہی ان علاقون مین زندگی کی علامتین ظاہر ہوئین، شیخ نے اپنی دعوت کا

---

[1] ریاض پر مکمل قبضہ ربیع الثانی ۱۱۸۷ھ؁ کے اواخر مین یا اس کے بعد ہوا، (جولائی ۱۷۷۳ء؁): روضۃ الافکار جلد ۲ ... [illegible]

حلقہ وسیع کیا، اور دور دور کے شہرون کے علما، امرا، اور قضاۃ کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے، اور انھ
اپنی دعوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگے، پر کم تھے وہ جنھون نے شروع شروع دعوت قبول
زیادہ وہ تھے جنھون نے شیخ کی دعوت کا مذاق اڑایا، کسی نے انھین جاہل کہا، کسی نے جادوگر، ا
کسی نے ایسی تہمتیں لگائین جن سے وہ پاک تھے" (عنوان ص۱۴)

دعوت پر لبیک کہنے والون اور اس کی حمایت کرنے والون مین سب سے زیادہ ممتاز صنعا ء
مجتہد النظر عالم امیر محمد بن اسماعیل[۱] (م ۱۱۸۲ھ) تھے جنھون نے شیخ کی دعوت پاکر اپنا مشہور وجدآف
قصیدہ لکھا، جو اہل علم مین بہت مقبول ہوا، اس کا مطلع یہ ہے :-

سلامی علی نجدٍ ومن حل بالنجد   وان کان تسلیمی علی البعد لایجدی

اس قصیدہ مین شیخ کی مدح، بدعات کی برائی، اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی پرزور تردید او
بہت سی مفید باتین ہین،

امیر محمد بن اسماعیل کو شیخ کی دعوت سے زیادہ خوشی اسلئے ہوئی، کہ وہ اس سے پہلے ا
کو اس باب مین منفرد خیال کرتے تھے، جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے :-

لقد سرّنی ماجاءنی من طریقہ   وکنت اری ھذی الطریقۃ لی وحدی

شیخ کو امیر یمنی کے قصیدہ اور تائید سے بڑی تقویت ہوئی، بعض رسالون مین انھون نے

---

[۱] امیر محمد بن اسماعیل یمنی صنعانی اپنے وقت کے امام اور مجتہد مطلق کا رتبہ رکھتے تھے، ولادت شب جمعہ
جمادی الآخرہ ۱۰۹۹ھ کحلان مین ہوئی، وفات کی تاریخ سہ شنبہ ۳ شعبان ۱۱۸۲ھ ہے، ان کے مختصر تو جیہ
رسالہ تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد کا حوالہ آچکا ہے، آگے بھی ذکر آئے گا، تصنیفات کے لئے ملاحظہ ہو
ذیل ج ۲ ص ۵۵۶ : دیگر حالات کے لئے البدر الطالع جلد ۲ ص ۱۳۳۹، عنوان المجد جلد ۱ ص ۵۳۰۶-۱۰۱۲
صاحب نے سنہ وفات ۱۱۸۱ھ (تاریخ نجد ص ۱۴) لکھی ہے جو صحیح نہین،

یمنی کے قصیدہ کی طرف اشارہ کیا ہے، (ابن غنام جلد ۲ ص ۴۲) مکمل قصیدہ کے لئے ملاحظہ ہو: ابن غنام جلد ۱ ص ۴۸-۵۶)

شیخ کے بھائی سلیمان بن عبد الوہاب (م ۱۲۰۸ھ: عنوان ج ۱ ص ۱۰۲) جو اپنے باپ کی جگہ حریملا میں قاضی تھے، اوّل اوّل ان کے مخالف ہوئے، اور ان کی تردید میں رسالے لکھے، جو غلط بیانیوں سے پر تھے، (۱۱۶۷ھ) ابن غنام کی زبان میں انھوں نے "حسداً وغیرةً" مخالفت کی تھی، (جلد ۲ ص ۲) شیخ نے ان کی تردید میں رسالے بھی لکھے، (ابن غنام ج ۲ ص ۲، ۵، ۲۴) لیکن آخر میں انھیں توفیق ہوئی اور اپنے بھائی کے پاس تائب ہو کر آئے، (ابن غنام ج ۲ ص ۱۰۸):

"رجع الی اخیہ بالدرعیۃ تائباً سنۃ ۱۱۹۰ فاحسن الیہ الشیخ واکرم مثواہ"

(۱۱۹۰ھ میں تائب ہو کر اپنے بھائی کے پاس درعیہ آئے، تو شیخ حسنِ سلوک سے پیش آئے، اور انکی آؤ بھگت کی)

سلیمان بن عبد الوہاب کا رسالہ الصواعق الالٰہیۃ فی الرّد علی الوھابیۃ کے نام سے چھپا ہوا ملتا ہے، مخالف اس رسالہ کا ذکر کرتے ہیں، لیکن سلیمان کی توبہ اور "رجوع" کا نام بھی زبان پر نہیں لاتے،

سلیمان بن عبد الوہاب کی مخالفت ۱۱۶۷ھ میں بہت تیز ہو گئی تھی، اسی سال شیخ نے اطراف واکناف سے مسلمانوں کو جمع کیا، اور ان کے سامنے اپنی دعوت پر واضح اور کھلی ہوئی تقریر کی،

(ابن غنام: ۲: ۲۳)

دعوت کی بنیاد اور اس کی موافقت و مخالفت کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا، یہاں صرف دعوت کی عمومیت دکھانا تھی تشنگانِ علم تو درعیہ جوق جوق آتے ہی تھے، شیخ کے تبلیغی رسائے

نیز ملاحظہ ہو، عنوان المجد جلد ۱ ص ۶۵،

مبلغین اور ہدایت نامے بھی اطراف واکناف مین پھیل رہے تھے،

ابن دواس اور دوسرے مخالف درعیہ کی اقامت کے تیسرے ہی سال ۱۱۵۹ھ دہام بن دواس حاکم ریاض کی زیادتیون نے شیخ اور امیر محمد بن سعود کو اپنی طرف متوجہ کیا، ریاض اور منفوحہ کے موحدین کو صرف اتباع شیخ کے جرم مین اوس نے گوناگون زیادتیون کا شکار بنایا، مجبوراً شیخ نے بھی اپنے پیروون کو مقابلہ اور مقاتلہ کا حکم دیا، پھر کیا تھا، امیر محمد بن سعود، ان کے بھائیون اور بیٹون نے معاندین کی خوب خبر لی، اور جنگ وقتال کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا،

صرف دہام بن دواس حاکم ریاض سے کچھپیں تیس سال چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ قائم رہا، ۱۱۵۹ھ سے ۱۱۸۷ھ تک دونون قوتین برسرپیکار رہین، آخر ۱۱۸۷ھ میں عبد العزیز محمد بن سعود کے تازہ حملہ کی خبر پاکر ابن دواس شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، اور قلب نجد (ریاض) پر امیر عبد العزیز کا مکمل قبضہ ہو گیا، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فلبی ص ۲۵-ص ۱۳؛ ابن غنام اور ابن بشر کی ترتیب سنین کے اعتبار سے ہے، اس لئے یکجا واقعات نہین مل سکتے)

اسی دوران مین آس پاس کی دوسری طاقتین بھی حملہ آور ہوئین، عثمان بن معمر، حاکم عیینہ نے باربار دھوکا دیا، اہل نجد اور شیخ کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھکر مخالفون نے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کئے، سلیمان بن محمد بن سحیم نے شیخ پر بہتان باندھے، اور ان کی طرف قسم قسم کی برائیان منسوب کین، خلیج فارس، احسا، اور دوسرے ملکون کو اس نے رسالے لکھ کر بھیجے، (ابن غنام جلد ۱ ص ۸-۲۰۷) شیخ نے ان مین سے ایک رسالہ کا مفصل جواب دیا ہے، (ص ۱۶۷-۱۴۲) افترا پردازیون اور جواب کی نوعیت پر آگے گفتگو ہوگی، ایک طرف یہ نام نہاد علم وعمل کے اجارہ دار تھے، دوسری جانب چھوٹے چھوٹے علاقون کے سردار، اپنی اپنی خود مختاری کے بچاؤ کی خاطر ان افترا پردازون کا ہاتھ بٹانے لگے،

پران تمام رکاوٹوں کے باوجود، دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، اور مطوّع درعیہ سے نکل کر
رکے تمام علاقوں میں پھیل گئے، تاآنکہ کم از کم قلب جزیرہ میں محمد بن عبد اللہ (مفدی بابی وامی
اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہوگئیں،
ت شیخ نے پچاس ساٹھ سال مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد شوال یا ذی قعدہ ۱۲۰۶ھ میں
ت کی، (جون یا جولائی ۱۷۹۲ء[۱])

دنیا و مافیہا سے بے نیاز عجیب ہستی تھی، کم لوگوں کو اپنی زندگی میں ایسی مقبولیت حاصل
ئی ہوگی،

شیخ کے شاگرد ابن غنام نے ایک پُر درد مرثیہ لکھا تھا، جو روضۃ الافکار (ص ۱۷۵) میں
ول ہے، اس کا مطلع یہ ہے :-

الی اللہ فی کشف الشدائد نفزع ولیس الی غیر المھیمن مفزع

ابن غنام (۲: ۱۷۴) کے مطابق شوال ۱۲۰۶ھ (جون ۱۷۹۲ء) کے آخری دوشنبہ کو وفات ہوئی، ابن
(۱: ۹۵) اواخر ذی قعدہ ۱۲۰۶ھ (جولائی ۱۷۹۲ء) کی تصریح کرتا ہے، فلبی (ص ۵۴) نے تاریخ
ت اواسط اپریل ۱۷۹۲ء بتائی ہے، صحیح تاریخ نہ معلوم ہونے کے باعث بروکلمن (ذیل ۲: ۵۳۰
۱۷۹۲ء) سے مطابقت میں چوک ہوگئی ہے، مارگولیوتھ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، وہابیت، ۴:
) نے تاریخ وفات ۱۲۰۱ھ بتائی ہے، جو فاش غلطی ہے، بیب تبنونی (الرحلۃ الحجازیہ ص ۸) نے
تاریخ وفات غلط (۱۲۰۰ھ) لکھی ہے، الرحلۃ الحجازیہ کا ماخذ غالباً زینی دحلان کی کتاب خلاصۃ الکلام
ہے (ملاحظہ ہو: ص ۲۲۹) مزید لطف یہ ہے، کہ دحلان تاریخ ولادت ۱۱۱۱ھ اور تاریخ وفات
۱۲۰۶ھ) دونوں غلط بتاتا ہے، لیکن عمر (۹۲ سال) صحیح لکھتا ہے، (ید ید) الدرّ السنیۃ (ص ۵۳) میں
الن نے تاریخ وفات صحیح لکھی ہے لیکن اوپر دیکھیان بدستور ہیں،

ایک بڑی خصوصیت تاریخ اسلام مین بارہا ایسا ہوا ہے، کہ غیر معمولی شخصیتیں، مہدویت یا مسیحیت کے لباس مین جلوہ گر ہوئی ہین، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ وہ مفید ہونے کے بدلے دین اور اسکی وحدت کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوئی ہین، ہم اِسے شیخ الاسلام کی دعوت کی انتہائی کامیابی خیال کرتے ہین کہ ان کی تعلیمات اور ان کے پیروان اوہام سے بالکل الگ تھلگ اور خطرات سے بال بال بچے رہے ہے، بعض جاہلون[1] نے افترا پردازیان کین، پر ان کے ماننے والے اور جانشین اپنے عقیدون مین اتنے صاف اور واضح تھے، کہ ان کی ایک نہ چلی، اور نجد کے موحد کوششون کے باوجود ان کی تصنیفات اور رسالون سے کوئی ایسا الزام نہ تراشا جا سکا، ان کی کتابین کھُلی ہوئی اور دو دو چار کے انداز مین اپنے لکھنے والے کی جرأت اور صداقت کی شہادت دیتی ہین، پوری کتاب التوحید پڑھ جاؤ، کوئی غموض، تصوف، توہم، دوراز کار باتین، منطقیانہ استدلال، یونانی کج بحثی، ان مین کسی چیز کا ادنی شائبہ بھی نہ ملے گا،

دوسری خصوصیت محمد بن عبدالوہابؒ ایک ٹھیٹھ عالم تھے، پر ان کی نگاہین بڑی دوررس تھین، انھون نے اپنی زندگی مین دعوت کے ثمرات دیکھے، دینی ثمرات بھی اور دُنیوی پھل پھول بھی، ان کی زندگی مین نجد کا پورا علاقہ مفتوح ہوچکا تھا، امیر نجد اور اس کے اہل خاندان قدمون پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے، سارا جاہ وحشم شیخ کی جوتیون کا صدقہ تھا، مجاہد اور عام قوم انھی کو جانتی تھی، اور انھی پر فریفتہ تھی، وہ چاہتے تو سلطنت مین اپنی اولاد کا حصہ رکھتے، خود زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لیتے، لیکن انھون نے اپنے کو ان ذمہ داریون سے یکسر الگ رکھا امیر محمد بن سعود اور ان کے جانشین امیر عبدالعزیز ان کے مشورون کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے، اور نہ کرنا چاہتے، سارا مال غنیمت اُن کے قدمون پر لاکر ڈال دیا جاتا، لیکن اس اللہ کے بندے

---

[1] ملاحظہ ہو، احمد زینی دحلان: الدرر السنیہ ص ۴۶ ۔

بھی شیخ عبد الرحمن بن حسن شیخ الاسلام سے مستفید ہوئے ،

شیخ کے دوسرے بیٹے عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب بھی بڑے عالم تھے، ان کا شمار علمائے مصنفین میں تھا، حسین بن محمد کی وفات کے بعد یہی شیخ الاسلام کے جانشین مانے جاتے تھے، خود حسین بن محمد کی زندگی میں ان کی علمی حیثیت مسلم ہو چکی تھی، ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء میں امیر سعود بن عبد العزیز کے داخلہ مکہ مکرمہ کے وقت یہ ساتھ تھے، اور امیر سعود نے اپنی جماعت کے عقائد سے متعلق جو رسالہ تقسیم کرایا تھا وہ انہی عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کے قلم کا لکھا ہوا تھا، (الدرر السنیۃ ص ۲۴۰) : اس رسالہ اور اس کے ترجموں کا ذکر آگے ماخذ کے ضمن میں آئے گا، ۱۲۳۳ھ میں ابراہیم پاشا کے حملہ درعیہ کے وقت وہ موجود تھے، لیکن مصری فوجوں کی وحشت اور غارت گری تاب سے دیکھی نہ گئی، آپ تلوار لے کر میدان میں کود پڑے :

(فشهر سيفه عبد الله بن الشيخ محمد بن عبد الوهاب وانتدب واجتمعوا

عليه الخ (عنوان جلد ا ص ۲۰۰)

اور خوب دادِ شجاعت دی اور شاید شہید ہوئے[1]، ان کے دو بیٹے سلیمان بن عبد اللہ اور علی بن عبد اللہ بھی

---

[1] ابن بشر شیخ عبد اللہ بن محمد کی بہادری اور قتال کا ذکر کرتا ہے، لیکن شہادت کے بارے میں خاموش ہے، بعد کے صفحات میں مقتولین و شہدا کی فہرست (جلد ا ص ۲۱۰ - ص ۲۰۰) میں ان کا نام نہیں آتا، عبد اللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۴ھ) کے عہد کے بعد کسی سلسلہ میں عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کا ذکر نہیں آتا، ممکن ہے وہ اسی معرکہ میں شہید ہوئے، یا اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح ابراہیم پاشا کے ہاتھ سے ذبح کئے گئے ہوں، ادکلی (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۳۲ء ص ۹۰) کے بیان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، (دحلان ص ۲۲۹) سلیمان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کے قتل کا تذکرہ کرتا ہے، لیکن عبد اللہ کے بارے میں خاموش ہے ،

[illegible]

سقوطِ درعیہ کے وقت قتل کئے گئے، بیتمان ممتاز عالم تھے، اپنے والد کی موجودگی میں درعیہ کے قا
رہے، (عنوان جلد ۱ صفحہ ۲۰۹) نیز امیر سعود کے دور امامت میں کچھ دنوں مکہ مکرمہ میں بھی انھوں نے قضا
فرائض انجام دیئے، (۱: ۱۶۶) امیر سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء - ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) کی مجلس میں صحیح بخاری کا د
ان کے سپرد تھا، (صفحہ ۱۷۰) جو بہت بڑا علمی امتیاز تھا، خود عبداللہ بن شیخ الاسلام امیر سعود کی مجلس م
تفسیر طبری اور ابن کثیر کا درس دیتے تھے، ابن بشر (۱: ۱۶۹) خود ان مجلسوں میں شریک رہا ہے، اس
بیان سے ان علمی مجلسوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، (۱: صفحہ ۱۷۰ صفحہ ۱۶۹) ابن بشر نے ان کے حا
تعلیم و تحدیث کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت ممتاز تھے، اسی
دحلان (خلاصۃ الکلام صفحہ ۲۲۹) نے انھیں ان کے والد سے زیادہ متعصب بتایا ہے، کتاب التوحید کی ا

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۵)

عبداللہ مذکور کے ایک بیٹے عبدالرحمن تھے، جو انہی کے ساتھ کم سنی ہی میں مصر جلا وطن کر دیئے
گئے تھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ازہر کے رواق حنابلہ میں مقیم ہیں، اور ان کے پاس
طلبہ آتے جاتے ہیں، اور ان میں علمی ذوق ہے، (جلد ۱ ص ۹۳)
دحلان صرف عبدالرحمن کی جلا وطنی اور موت کا ذکر کرتا ہے، اسکے بیان کے مطابق عبدالرحمن
سنہ ۱۲۳۳ھ میں گرفتار کرکے مصر بھیج دیئے گئے تھے، ایک مدت تک زندہ رہے، اور وہیں
انتقال ہوا (خلاصہ صفحہ ۲۲۹) سنہ وفات مذکور نہیں۔

ان بیانات سے عبداللہ بن شیخ الاسلام کی وفات یا شہادت کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا، اونکلی نے تما
[illegible] کے بیان پر اعتماد کیا ہے، لیکن خود پالگریو (صفحہ ۳۶۹) اولاً تو ضعیف سند [illegible]
بنیاد پر ذکر کرتا ہے، دوسرے اُسے عبداللہ بن شیخ الاسلام کے بیٹے عبدالرحمن اور عبدالرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام م
امتیاز نہیں، تیسرے وہ یوں بھی ضعیف الروایۃ ہے، (پالگریو کا ذکر ماخذ میں تفصیل سے آئے گا)

نے اپنے کام سے کام رکھا، جب تک ضرورت رہی دخل دیتے رہے، جونہی انھون نے محسوس
کہ اب دعوت کی بنیادین استوار ہوگئی ہین، اپنے کو ملکی انتظامات اور مال غنیمت کے نظم ونسق
سے یکسر الگ کرلیا، شیخ کی اس بےنفسی کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی اولاد بھی دنیاوی جاہ و
حشم سے الگ دین کی خدمت مین مصروف رہی، اور آج تک جبکہ شیخ کی وفات کو ڈیڑھ سو
برس ہوگئے، کبھی اون کی اولاد تخت و تاج کے لئے آل سعود سے دست و گریبان نہین ہوئی،

اولاد و احفاد | شیخ کے شاگردون اور ان کے حلقۂ درس و ارشاد سے مستفید ہونے والون کا شمار
و استقصار تو تقریباً ناممکن ہے، جس درس مین پچاس ساٹھ سال مسلسل خوشہ چینون کا تانتا بندھا
رہا ہو اس کی وسعت و ہمہ گیری کا کیا ٹھکانا؟ اگر شاگردون کا ذکر کیا بھی جائے، تو تذکرے کا
حجم کی کیا ہی الگ دامن پکڑتی ہے، اس لئے ہم شیخ کے شاگردون مین صرف ان کی اولاد
و احفاد کا تذکرہ کرین گے، جو بجا طور پر آل الشیخ کے نام سے پکارے جاتے ہین، اور یہی
ان کا نسب ہے، یہ شیخ کی خوش نصیبی تھی، کہ انھون نے اپنے ایسے جانشین چھوڑے، جو بالکل انھی
کے طریقہ کے مطابق سنت رسول کے تتبع اور تبلیغ و تدریس مین مشغول رہے، اور اس سے
زیادہ مسرت و اعجاب کی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ آج تک منقطع نہین ہوا، اور عبدالعزیز اول
(۱۱۷۹ھ – ۱۲۱۸ھ / ۱۷۶۵ء – ۱۸۰۳ء) کے عہد سے لیکر آج تک ان کی اولاد علم و عمل مین پورے نجد مین ممتاز
ہے، اور لوگ دور و نزدیک سے ان کے پاس کھنچ کھنچ کر استفادہ کے لئے آتے ہین،

شیخ کثیر العیال تھے، بعض لڑکے انکی زندگی ہی مین وفات پاگئے، وفات کے وقت انھون
نے چار بیٹے چھوڑے، حسین، عبداللہ، علی، ابراہیم،

ابن بشر کہتا ہے، کہ "مین نے اپنی آنکھون سے ان کے درس مین طلبہ کا اتنا ہجوم دیکھا
کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید اسے یقین نہ آئے"

ان میں سے ہر ایک کے گھر کے پاس ایک مدرسہ تھا، جس میں پردیسی طالب علم رہا کرتے، اور ان کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے، یہ لوگ شب و روز تحصیل علم میں مصروف رہتے

(عنوان: جلد اص ۹۳)

ان میں حسین[1] بڑے تھے، اور شیخ کے بعد اصلی جانشین وہی سمجھے جاتے تھے، درعیہ کے قضا پر مامور تھے، درعیہ کی جامع مسجد کی امامت بھی ان کے سپرد تھی، سنہ ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی، (عنوان ج اص ۱۴۳) ان کے متعدد بیٹے تھے، اور سب کے سب علم و عمل میں ممتاز،

ابن بشر نے علی، حمد، حسن، عبد الرحمن، عبد الملک کے نام گنائے ہیں، ان میں علی بڑے اور علم میں بھی ممتاز تھے، اسلئے اپنے اعمام کے مقابلہ میں منصب قضا پر مامور ہوئے، سعود بن عبد العزیز (سنہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء - ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) عبد اللہ بن سعود (مصلوب سنہ ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) ترکی بن عبد اللہ (مقتول سنہ ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۴ء) فیصل بن ترکی (م سنہ ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) مختلف امیروں کے عہد میں عہدۂ قضاء پر مامور رہے، سنہ (؟) میں وفات پائی، حمد زمانہ طالب علمی ہی میں وفات پا گئے، حسن ترکی بن عبد اللہ کے زمانہ میں ریاض کے قاضی تھے، فقہ میں اچھی دستگاہ تھی، عمر کم پائی، اور سنہ ۱۲۴۵ھ میں دار آخرت کو چل بسے، عبد الرحمن ترکی، اور فیصل دونوں کے دور حکومت میں منصب قضا پر فائز ہوئے، فقہ، تفسیر اور نحو کے اچھے عالم تھے، (عنوان جلد ا ص ۹۳)

عبد الملک بن حسین بھی فیصل کے عہد میں حوطہ کے قاضی تھے، عبد الرحمن بن حسین، حسن بن حسین، عبد الملک ابن حسین، سب کے سب شیخ عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب سے مستفید ہوئے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، اسی طرح حسین بن شیخ الاسلام کی اولاد میں حسین بن حمد بن حسین بن شیخ الاسلام (قاضی حریق بہ عہد فیصل)، حسین بن علی بن حسین بن شیخ الاسلام (قاضی ریاض بہ عہد فیصل) اور عبد اللہ بن حسن بن حسین بن شیخ الاسلام

---

[1] دحلان (خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹) نے لکھا ہے، کہ عبد اللہ بڑے تھے، لیکن ابن بشر کی روایت و شہادت کے مقابلہ میں اسے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی،

..ا درعیہ سے پہلے اساطین ادبعہ کی دھوم تھی، حالات استوار ہونے کے بعد امیر ترکی بن عبداللہ
..عہد مین صرف عبد الرحمٰن بن حسن بن الشیخ اور علی بن حسین بن الشیخ رہگئے،
..اور فیصل دونون کے ایام حکومت مین، عبدالرحمٰن بن حسن اور علی بن حسین کے ساتھ ساتھ
..الرحمٰن بن حسین بن الشیخ اور عبدالملک بن حسین کے نام بھی بار بار آتے ہین، (عنوان: ۲، ۳،
۸۸) لیکن فیصل بن ترکی کے آخر دور مین (۱۲۵۶ھ کے بعد) صرف عبدالرحمٰن بن حسن بن
..کا نام خاص طور پر آتا ہے، اور پھر فیصل کے بالکل آخری دور مین ان کے صاحبزادے عبداللطیف
عبدالرحمٰن قضا اور تدریس پر فائز نظر آتے ہین، علی بن حسین بن الشیخ نے کافی عمر پائی، اور
..فیصل کے وسط عہد حکومت (تقریباً ۱۲۶۰ھ) مین رحلت کی،[1] بہرحال فیصل بن ترکی کے
..ی زمانہ حکومت مین یہ سب سے زیادہ محترم اور مخدوم تھے، بڑی عمر پائی، ابن بشر (۲، ۱۲۶) نے
..کتاب ۱۲۰۷ھ مین لکھی، اور ۱۲۶۷ھ کے حوادث پر ختم کی ہے، اس وقت یہ زندہ تھے، پالگریو
..اپنی سیاحت کے دوران مین (۱۸۶۲ء / ۱۲۷۹ھ) ریاض مین ان سے اور ان کے صاحبزادے عبداللطیف
..ملاقات کی تھی، (پالگریو کا سفرنامہ: ۱، ۵، ۳۷۰)؛ لیکن اسے غلط فہمی یہ ہوئی کہ وہ انھین عبداللہ
الشیخ کا فرزند سمجھا، اور اسی سلسلہ مین عبداللہ بن الشیخ کے قتل کا واقعہ بھی اوس نے ضعیف
..ایت کی بنا پر بیان کیا ہے،) ۱۲۸۵ھ مین بڑی عمر پاکر وفات پائی،

ابن بشر (۲، ۲۲) نے ان کی متعدد تالیفات اور رسالون کا ذکر کیا ہے، سلیمان بن عبداللہ
الشیخ (مقتول ۱۲۳۳ھ) کی غیر مکمل شرح کتاب التوحید کی تکمیل بھی ان کے قلم سے ہوئی تھی،
..فتح المجید فی شرح کتاب التوحید کے نام سے بار بار چھپ چکی ہے، پہلا اڈیشن مطبع انصاری

---

[1] علی بن حسین عبدالملک بن حسین کے سال وفات کا پتہ اب تک نہین چل سکا، ہمارا قیاس ہے کہ ان
..ن نے ۱۲۶۰ھ اور ۱۲۶۵ھ سے پہلے رحلت کی، ورنہ ابن بشر حسب دستور ان سنین مین ان کا ضرور ذکر کرتا،

دہلی (۱۳۱۱ھ) مین چھپا تھا، دوسرا اڈیشن مطبع سلفیہ مصر مین (۱۳۴۷ھ) عبد الرحمن قصیبی کے خرچ سے چھپا، اور مفت تقسیم ہوا، اب اس کا تازہ اڈیشن نہایت اہتمام وصحت کیساتھ کاغذ پر مصر مین چھپا ہے، ناشر نے مفید حواشی بھی بڑھائے ہین،

فتح المجید کے علاوہ ان کی دوسری کتاب قرۃ عین الموحدین فی تحقیق دعوۃ الانبیاء والمرسلین بھی چھپ گئی ہے، (مطبع المنار، مصر؛ ۱۳۴۶ھ) یہ اصل مین کتاب التوحید ہی کے حواشی ہین، محمد حامد الفقی (جنھون نے فتح المجید کا تازہ اڈیشن شائع کیا ہے) نے فتح المجید کے حواشی مین قرۃ عین الموحدین کے اقتباسات بہ کثرت دیے ہین، ان کا ایک مختصر رسالہ عنوان مین منقول ہے، (۲، ۲۶-۲۳) ابن بشر نے ان کے متعدد خطوط کے اقتباسات بھی دیئے ہین

ان کے صاحبزادون مین محمد بن عبد الرحمن بن حسن سقوط درعیہ کے وقت (۱۲۳۳ھ) اپنے دوسرے اہل خاندان کی طرح قتل کئے گئے، (عنوان ۱، ۲۰۸)

عبد اللطیف بن عبد الرحمن ان کے جانشین ہوئے، یہ صغر سنی ہی مین سقوط درعیہ کے وقت مصر چلے گئے تھے، اپنے والد اور دوسرے اہل علم سے تحصیل کی ۱۲۶۴ھ مین نجد واپس آئے اور اپنے ساتھ کتابون کا بڑا ذخیرہ لائے آتے ہی اپنے والد کے دست راست کا کام دینے لگے، ۱۲۶۲ھ تک فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ) کی مجلسون مین عبد الرحمن بن حسن مدرس اور واعظ کی حیثیت سے نظر آتے ہین، (عنوان: ۲، ۱۱۲) ۱۲۶۵ھ مین عبد اللطیف بن عبد الرحمن قاضی امام، مدرس ہر حیثیت سے آگے آگے دکھائی دیتے ہین، ابن بشر انکے درس تفسیر کا بہت مداح ہے؛ (۲، ۱۲۱) پالگریو نے ۱۸۶۲ع (۱۲۷۹ھ) مین ان سے ملاقات کی تھی، اُس وقت انکی عمر چالیس کے لگ بھگ ہو گی، پایہ تخت ریاض کے قاضی تھے، (پالگریو: ۱، ۹، ۳) انکی کتاب "منہاج التقدیس والتاسیس فی رد علی المبطل داؤد بن سلیمان بن جرجیس کا ذکر آگے آئیگا، انکا ایک مختصر رسالہ مجموعۃ الہدیۃ السنیۃ (ص ۲۰-۴۰) کے ضمن مین طبع ہو چکا ہے، اس مین شیخ الاسلام کی مختصر سیرت بیان

شرح بھی لکھی تھی ، جو ابن بشر کے بیان کے مطابق نامکمل رہی[۱]، اپنے والد شیخ احمد بن ناصر بن معمر (م ۱۲۲۵ھ)
ور شیخ حسین بن غنام (م ۱۲۲۵ھ) سے تحصیل کی تھی ، ۱۲۳۳ھ کے اواخر مین قتل کئے گئے ، ان کے قتل کا
واقعہ بھی عجیب دردناک ہے ، ملاحظہ ہو ، (باب دوم) اس کے علاوہ ان کی ایک دوسری تالیف
کتاب التوضیح عن توحید الخلاق فی جواب اہل العراق (مطبوعہ ۱۳۱۹ھ) ہمارے پیش نظر ہے ،
ان کی وسعت علم کی شاہد ہے ، علی بن عبد اللہ بن الشیخ ۱۲۳۴ھ میں درعیہ کے قریب شہید ہوئے
حدیث و تفسیر مین اچھی دستگاہ تھی ، (عنوان ج ۱ ص ۲۱۵) انھون نے بھی کتاب التوحید کی ایک شرح
لکھی تھی ، (عنوان : ۱ : ۹۳) جو اسلم جیراجپوری کی تاریخ نجد (ص ۴۴) کے بیان[۴] کے مطابق فتح المجید فی شرح
کتاب التوحید کے نام سے چھپ چکی ہے (دہلی ۱۳۱۱ھ) عبد اللہ بن شیخ الاسلام کے تیسرے بیٹے
عبد الرحمن بن عبد اللہ بھی مشہور عالم ہوئے ، حسین بن شیخ الاسلام اور عبد اللہ بن شیخ الاسلام کے
متعدد مختصر رسالے اور فتوے ہمارے ہان (مشرقی کتاب خانہ ، پٹنہ) ایک مجموعہ مین درج ہین
(دستی فہرست نمبر ۲۶۲۵)

علی بن شیخ الاسلام بھی ممتاز عالم اور زہد و ورع مین ضرب المثل تھے ، فقہ و تفسیر مین اچھی
دستگاہ تھی ، قضا کا منصب پیش کیا گیا لیکن انھون نے غایت زہد و ورع کی بنا پر قبول نہ کیا ، ان
کے لڑکے کم سنی ہی مین انتقال کر گئے ، صرف محمد بن علی بن شیخ الاسلام پھلے پھولے اور ممتاز عالم ہوئے
چوتھے بیٹے ابراہیم مشہور صاحب درس ہوئے ، ابن بشر نے ان سے کم سنی مین (۱۲۲۴ھ)
کتاب التوحید پڑھی تھی ، قضا سے الگ رہے ، (عنوان : ۱ : ۹۳)

---

۵ شیخ عبد الرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام نے یہ شرح مکمل کی ، جیسا کہ انھون نے فتح المجید کے دیباچہ (ص ۵ ، جدید
ایڈیشن ۱۳۸۰ھ) میں تصریح کی ہے ۔ ۵۲ غالباً اسلم صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے ، فتح المجید کے نام سے جو شرح
مطبع انصاری دہلی (۱۳۱۱ھ) مین پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی ، وہ شیخ عبد الرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام کی لکھی ہوئی ہے ،

شیخ کے ممتاز شاگردون مین ان کے پوتے عبد الرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام بھی نجد کے چند ممتاز عالمون مین شمار کئے جاتے تھے، ان کے والد شیخ کی زندگی ہی مین انتقال کر چکے تھے، کمسنی مین اپنے دادا سے کسب علم کیا، اور شیخ کے ممتاز شاگردون احمد بن ناصر بن عثمان بن معمر (م ۱۲۲۵ھ) اور عبد العزیز بن عبد اللہ الحصین الناصری (م ۱۲۳۷ھ) کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، شیخ عبد الرحمن بن حسن کی حیثیت اپنے خاندان مین علمی مجدد کی ہے، ان کی علمی منزلت شروع سے مسلّم تھی، امیر سعود بن عبد العزیز (م ۱۲۲۹ھ) اور امیر عبد اللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۴ھ) کے عہد مین درعیہ کے قاضی رہے، شیخ حسین بن شیخ الاسلام کی وفات (۱۲۲۵ھ) کے بعد اس خاندان کے اُن چار[1] افراد مین یہ بھی تھے جن کی علمی حیثیت مسلّم تھی، اور پایہ تخت (درعیہ) کے قضا کا کام جن کے سپرد تھا،

سقوط درعیہ کے وقت (۱۲۳۳ھ) مصر چلے گئے تھے، بلکہ جلا وطن کر دیے گئے تھے، جب حالات استوار ہوئے، تو ۱۲۴۱ھ مین نجد واپس آئے، جہان ان کی ذات سے پھر ایک بار علم کی گرم بازاری ہوئی، اور سینکڑون اشخاص ان کے درس مین شریک ہو کر کامیاب نکلے، خود شیخ الاسلام کے خاندان کے بیسیون افراد ان سے مستفیض ہوئے، (عنوان: ۲، ۲۲-۳۰) ترکی بن عبد اللہ (مقتول ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء) اور فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کے عہد مین قاضی القضاۃ اور خواص و عوام کا مرجع بنے رہے، ترکی بن عبد اللہ بن محمد بن سعود (مقتول ۱۲۴۹ھ) کی خاص مجلسون مین درس کی خدمت انہی کے سپرد تھی، (عنوان: ۲، ۵۶) عام طور پر تفسیر ابن جریر کا درس ہوتا، فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ) کے عہد مین بھی درس و ارشاد کی خدمت انہی کے سپرد تھی،

---

[1] اساطین اربعہ، جن کا ذکر اوپر آیا، اس ترتیب سے عزت و قدر کے مستحق سمجھے جاتے تھے:

عبد اللہ بن الشیخ، علی بن حسین بن الشیخ، عبد الرحمن بن حسن بن الشیخ، سلیمان بن عبد اللہ بن الشیخ

کی گئی ہے، سال وفات ابتک معلوم نہ ہو سکا، پر اتنا یقینی ہے کہ ان کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا، ان کے شاگرد ابھی موجود ہیں، (سلیمان بن سحمان: تنبیہ ذوی الالباب السلیمۃ ص ۵)

شیخ عبد الرحمٰن بن حسن کے ایک دوسرے صاحبزادے اسحٰق بن عبد الرحمٰن بن حسن کا ذکر اب تک کسی تذکرہ میں نہیں ملا، لیکن ہمیں ان سے واقفیت عجیب دلچسپ طریقہ پر ہوئی، ابھی گذشتہ شوال (۱۳۵۹ھ) میں وطن جانا ہوا، (اوگانوان ضلع پٹنہ) اور اپنے خاندانی کتبخانہ کی خستہ حال کتابوں کا جائزہ لینے لگا، توصیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان کا ایک نسخہ ملا، جسکے پہلے ورق پر یہ عبارت خالص عربی خط میں لکھی ملی

"فی ملک الحقیر الفقیر اسحٰق بن عبد الرحمن بن حسن بن محمد النجدی الحنبلی عفی اللہ عنہم"

میری خوشی کا کیا کہنا! الٹنے پلٹنے پر آخر میں اسی خط میں ایک لمبا نوٹ ملا جس سے انکے علم کا بھی پتہ چلتا ہے، درمیان میں بھی ایک مختصر سا نوٹ ہے، شروع میں نام کے نیچے مہر بھی ہے، صرف اسحاق کا لفظ صاف طور پر پڑھا جاتا ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب ہمارے ہاں کس طرح پہونچی، قرین قیاس یہ ہے، کہ عاجز کے نانا مولانا عبد الصمد (م ۱۳۱۵ھ) سے ان کے تعلقات ہوں گے، مولانا عبد الصمد ایک جید اہل حدیث عالم تھے، اور وقت کے مشہور اہل حدیث عالموں سے ان کے تعلقات دوستانہ اور برابری کے تھے،

(ملاحظہ ہو ندیم گیا، ستمبر ۱۹۴۰ء)

اس خاندان کے بعد کے عالموں میں عبد اللہ بن محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن (م ۱۳۴۸ھ فرقۃ الاخوان ص ۲۰) اور محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن کے نام ملتے ہیں، محمد بن عبد اللطیف کا ایک رسالہ (مولفہ ۱۳۳۹ھ) الدرر السنیۃ کے مجموعہ میں شامل ہے، (ص ۹۱ - ۹۹) محمد حامد الفقی نے فتح المجید کے دیباچہ میں اس خاندان کے دو معاصر عالموں عبد اللہ بن حسن آل الشیخ (رئیس قضاۃ مملکۃ سعودیہ) اور محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف کے نام لئے ہیں،

تلخیص وتبصرہ

مولوی ذکاء اللہ مرحوم کی تالیفات

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ مرحوم اردو زبان کے ان محسنون مین ہین جنھون نے مختلف حیثیتون سے اسکو مالا مال کیا، مرحوم اپنی کثرتِ تصانیف کے اعتبار سے اپنے تمام معاصرین مین ممتاز اور نمایان تھے، انھون نے اتنی کتابین لکھین کہ ابھی ان کے انتقال پر تیس ہی برس کی مدت گذری ہے، لیکن ان مین سے بیشتر کتابون کے نام فراموش کر دیے گئے ہین، ہم کو مولوی صاحب مرحوم کے فرزند رشید جناب مولوی شیخ عنایت اللہ بی اے (سابق ناظم دار الترجمہ حیدر آباد) کی وساطت سے مرحوم کی ۱۸۹۶ء کی ایک ایسی تحریر ملی ہے، جس مین انھون نے اپنی ساری تصانیف کے نام لکھکران پر مفید نوٹ دیئے ہین، ذیل مین اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے، تاکہ معارف کے اوراق مین اردو کے اس ممتاز اہلِ قلم کی تصنیفات اور تالیفات کے نام محفوظ ہو جائین،

۱- تاریخ

(۱) مسلمانوں کے عہدِ سلطنت کی تاریخ،

۱- جلد اول: اس مین یہ مضامین ہین، تمہید، مقدمہ مین مسلمانون اور فرنگیون کے فلسفۂ تاریخ پر بحث ہے، اہلِ عرب کے زمانہ جاہلیت کا بیان ایکسو اٹھارہ حکمران اسلامی خانوادون کا ذکر

کی تاریخ عربوں کے حملہ سے خلفاے عباسیہ کے عہد تک، غزنی، غوری اور غلام
بون کی تاریخ،

فاضل مؤلف کے بیان کے مطابق یہ مقدمہ حسب ذیل کتابوں کی مدد سے لکھا گیا، بیہقی کی
سبکتگین، تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی، روضۃ الصفا مولفہ محمد ابن خاوند شاہ
ود، ابن خلدون کے دیباچہ پر نواب محسن الملک کا ریویو، تاریخ ابن خلدون، انگریزی
ن میں حسب ذیل کتابیں سامنے تھیں، سر جان الیٹ کی تاریخ، فلنٹ کی فلاسفی آف
ی رفلسفہ تاریخ، بکل کی ہسٹری آف سوی لینزیشن (تاریخ تمدن) سندھ کی تاریخ کی
میں ذیل کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے، تحفہ نامہ جس کا دوسرا نام تاریخ ہند و سندھ ہے
تاب عربی زبان میں فتح سندھ کے قریبی زمانہ میں تصنیف ہوئی، اس کا ترجمہ فارسی
میں محمد علی بن حمید بن ابوبکر طوالی نے کیا، میر معصوم کی تاریخ سندھ، انکے علاوہ جغرافیہ کی کتابیں بھی
میں ہیں، الیٹ نے سلیمان تاجر، ابو زید، ابن خرداذبہ، مسعودی، اصطخری، ابن حوقل، صور
غ انتخاب بیرونی از رشید الدین، ادریسی اور قزوینی کے جغرافیہ کے جو اقتباسات دیے ہیں
، ترجمے یا مضامین انتخاب کرکے مولف (ذکاء اللہ مرحوم) نے اپنی کتاب میں شامل کئے
ن کے علاوہ مجموعہ تواریخ (؟) فتوح البلدان، تاریخ ظاہری، بیگ لار نامہ، ترکھان نامہ
ن نامہ، تحفۃ الکریم اور الیٹ کے حواشی سے بھی مدد لی،

۲- **جلد دوم:** اس جلد کے تین باب ہیں، پہلے باب میں خلجی سلاطین کا ذکر ہے، دوسرے
، خاندان تغلق کا حال ہے، تیسرے باب میں سیدوں اور لودیوں کا بیان ہے، فاضل مولف
ہیں کہ اس جلد کی ترتیب میں ذیل کی کتابیں پیش نظر تھیں، تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین
ریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف، تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد، تاریخ روضۃ الصفا،

حبیب السیر، سفرنامہ ابن بطوطہ، تاریخ سلاطین افغان مولفہ احمد یادگار، مخزن افغانی، تاریخ خاندان جہان لودھی مصنفہ نعمت اللہ، تاریخ داؤدی مصنفہ عبداللہ، طبقات ناصری اور انگریزی تواریخ ہند،

۳- **جلد سوم** اسکے تین حصے ہین، مولف نے حصہ اول کا نام بابرنامہ، حصہ دوم کا شگرف نامۂ ہمایون، اور حصہ سوم کا نام رزم نامۂ شیر شاہی رکھا ہے، مولف کا بیان ہے کہ حصہ اول زیادہ تر تزک بابری سے (جسکو طبقات بابری بھی کہتے ہین) تالیف کیا گیا ہے، حصہ دوم اکبرنامہ مولفہ ابوالفضل اور تذکرۃ الواقعات جوہر سے (جسکو تاریخ ہمایونی بھی کہتے ہین) لکھا گیا ہے، حصہ سوم تاریخ شیر شاہی مصنفہ عباس خان شروانی سے (جس کو تحفۂ اکبرشاہی بھی کہتے ہین) تالیف ہوا، ہر حصہ کی تالیف مین ذیل کی کتابون سے مدد لی گئی، اکبرنامۂ ابوالفضل، حبیب السیر، روضۃ الصفا، لب التواریخ، خافی خان، تاریخ فرشتہ، تاریخ رشیدی حیدر مرزا، وغلات، منتخب التواریخ بدایونی، طبقات اکبری، تاریخ داؤدی عبداللہ، ہمایون نامہ خوندمیر، ظفرنامہ ملا یزدی، تاریخ سلاطین افغانیہ مصنفہ احمد یادگار، مخزن افغانی، تاریخ خان جہان لودی مصنفہ نعمت اللہ، اور متعدد انگریزی تواریخ ہند،

۴- **جلد چہارم** اس جلد کے دو حصے ہین، حصہ اول مین سندھ، کشمیر، گجرات، مالوہ، خاندیس، بنگال وبہار اور جونپور کے مسلمان سلاطین کی علحدہ علحدہ حکومتون کا حال ہے، دوسرے حصہ مین خاندان بہمنی، خاندان عادل شاہی بیجاپور، خاندان نظام شاہی، احمدنگر، خاندان قطب شاہی گولکنڈہ، خاندان عمادیہ، مملکت برار، اور خاندان برید شاہی، بیدر کے حالات ہین، آخر مین ایک ضمیمہ ہے جس مین پرتگیزون کا ذکر ہے، اس جلد کی تدوین مین مؤلف نے ذیل کی کتابون سے مدد لی ہے، تاریخ سندھ میر معصوم، تاریخ کشمیر راج ترنگنی، تاریخ گجرات راس مالا، تاریخ مرأۃ سکندری دکن، تاریخ قطب شاہیہ مصنفہ شاہ خورشاہ ایرانی، آخرالذکر پانچ کتابون کے انگریزی ترجمے ہو گئے ہین، مؤلف نے انہی ترجمون سے استفادہ کیا ہے،

۵- **جلد پنجم:-** اس میں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی حکومت کے حالات ہیں، اس جلد کا نام اقبال نامۂ اکبری ہے، مؤلف کا بیان ہے کہ اس میں انھوں نے زیادہ تر اکبر نامہ، آئین اکبری، منتخب التواریخ بدایونی سے حالات نقل کئے گئے ہیں، مذہبی تحقیقات میں دبستان المذاہب سے مدد لی گئی ہے، منتخب اللباب خافی خان سے بھی کچھ مضامین نقل ہوئے ہیں، امراء کا حال زیادہ تر مآثر الامراء سے لکھا گیا ہے، بہت کم ایسی فارسی تاریخیں ہونگی، جن کی ورق گردانی نہ کی گئی ہو، انگریزی تاریخوں میں جو کچھ ہے اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے"۔

۶- **جلد ششم:-** اس میں جہانگیر کے حالات ہیں، اسلئے اس کا نام کارنامۂ جہانگیری ہے، یہ جلد تزک جہانگیری کلان، تزک جہانگیری خرد (کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی) اقبالنامۂ جہانگیری مصنفہ معتمد خان، مآثر جہانگیری مصنفہ مرزا کامگار خان مخاطب بہ عزت خان سے مرتب کی گئی ہے، ان کے علاوہ منتخب اللباب خافی خان، انگریزی تواریخ، اور کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل کے مضامین سے بھی مدد لی گئی ہے،

۷- **جلد ہفتم:-** اس جلد کا نام ظفر نامۂ شاہجہان ہے، اسکی ترتیب میں زیادہ مواد بادشاہنامہ عبدالحمید لاہوری، اور عمل صالح مصنفہ محمد صالح سے فراہم کیا گیا ہے، بادشاہ نامہ محمد قزوینی، شاہ جہان نامہ عنایت خان، اور بادشاہ نامہ محمد وارث بھی پیش نظر تھے،

۸- **جلد ہشتم:** یہ جلد بادشاہ نامہ عالمگیری کے نام سے موسوم ہے، یہ کتاب حسب ذیل تاریخوں کی مدد سے لکھی گئی، عالمگیرنامہ محمد کاظم بن محمد امین، مآثر عالمگیری محمد ساقی مستعد خان، فتوحات عالمگیری محمد معصوم جسکو واقعات عالمگیری یا ظفرنامۂ عالمگیری بھی کہتے ہیں، منتخب التواریخ خافی خان، وقائع نعمت خان عالی، جنگ نامہ نعمت خان عالی، آداب عالمگیری، رقعات عالمگیری، سیاحت نامۂ برنیر، مؤلف کا بیان ہے، کہ مرہٹون کی تاریخ کے لئے انھوں نے مرہٹون

کی لکھی ہوئی تاریخین بھی پڑھین، اس کتاب مین اورنگ زیب کے متعلق یوروپین مورخین کی رائے نقل کرکے اس پر بحث کی ہے،

۹- **جلد نہم**:- اس مین آخری مغل بادشاہون کے حالات ہین، اس مین تاریخ مظفری، لب التواریخ، سیرالمتاخرین اور شاہ عالم نامہ سے مدد لی گئی، ان کے علاوہ سکھون، مرہٹون اور انگریزون کی لکھی ہوئی تاریخین بھی زیرِ مطالعہ رہین،

۱۰- **جلد دہم**:- اس مین تین باب ہین، پہلا باب مل کی برٹش انڈیا کی جلد دوم کے پانچوین باب کا ترجمہ ہے، جس مین دکھایا گیا ہے، کہ ہندوستان اور ہندوؤن کو مسلمانون کی سلطنت سے فائدہ پہونچا یا نقصان، دوسرے اور تیسرے باب مین اسلامی عہد کی تعمیرات اور سکّون پر بحث ہے،

مسلمانون کے عہدِ سلطنت کی تاریخ پانچ ہزار ایک سو ایک صفحات پر مشتمل ہے،

۱۱- **تاریخ ہندوستان عہد انگلشیہ**، اس کے چار حصے ہین، پہلے حصہ مین ۱۸۰۵ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفصل حال ہے، دوسرے حصہ مین لارڈ کارنوالس سے سر چارلس مٹکاف کے عہد تک کے کوائف ہین، تیسرے حصہ مین لارڈ آکلینڈ سے لارڈ ڈلہوزی کی حکومت تک کی تاریخ ہے، چوتھا حصہ لارڈ نارتھ بروک کے عہد حکومت پر ختم ہو جاتا ہے، کل حصے ۱۹۵۰ صفحے پر مشتمل ہین،

۱۲- **عہدِ ہنود کی تاریخِ ہندوستان**:- یہ ہندوؤن کے عہد کی ایک مختصر تاریخ ہے، فاضل مؤلف رقمطراز ہین کہ "اگرچہ یہ میرا طفیلی دسترخوان اس قابل نہیں کہ مین اس پر ہندوون کے علوم و فنون، تاریخ و جغرافیہ کی طرح طرح کی نعمتون کو اس طرح چنون کہ پنڈتون کو دعوت کیلئے بلاؤن، وہ تو اسکی طرف دیکھنے کے بھی نہین، مگر اورون کے لئے جو اُن سے کم رتبہ و کم علم ہین یہ ایک

ارمغان ہے"

(ب) ریاضی

۱۳- **رسالہ علم حساب**، یہ برنارڈ اسمتھ کی کتاب کا ترجمہ ہے، مترجم کا بیان ہو کہ اردو زبان مین کسی علم حساب کی کتاب مین اس کے برابر قواعد مع ثبوت اور سوالات نہین، یہ رسالہ مترجم کی زندگی مین تیئیس ۲۳ دفعہ سے زیادہ چھپا،

۱۴- **معاون الحساب**:- اس رسالہ مین مذکورۂ بالا رسالہ کی تمام مشکلات کا حل ہے،

۱۵- **عجائب الحساب**:- مولف کا بیان ہے، کہ اس کتاب مین یہ مضامین ہین، اعداد گنتی اور ان کی ترتیب ونظم، الفاظ واعداد کے تعلقات اعداد کے قدرتی اور عشری نظام، علم حساب کی تاریخ اور اسکی اشاعت فرنگستان مین، یونانیون، عربون، عبرانیون، رومیون، ہندوون اور تمام شایستہ قومون کے علم حساب کے قواعد، افلاطونی، اقلیدسی، فیثاغورثی علم حساب، بہت سے دلچسپ وعجیب اعمالِ حساب، جیسے اتفاقات واحتمالات پانسوں کے پھینکنے اور بہت سے دوسرے دل لگی کے کھیل، تعویذ ونقش بنانے کے قواعد، طلسمات اور جادو کے مربعے، اضعاف بیوت شطرنج کے حساب، بساطِ شطرنج پر گھوڑ دن کی چالین، گنجفے کے کھیل، غرض ہر عمل وقاعدہ وسوال اس مین ایسا ہے، کہ جس مین کوئی نہ کوئی ندرت پائی جاتی ہے:

ریاضی مین مؤلف مذکور کی بقیہ تالیفات حسب ذیل ہین :-

۱۶- تحفۃ الاحباب (۱۷) تعلیم الحساب (۱۸) منتہی الحساب حصہ اول ترجمہ ہانڈ ار تھمیٹک (۱۹) منتہی الحساب حصہ دوم کو لنزو ار تھمیٹک کی شرح کا ترجمہ (۲۰) منتہی الحساب حصہ سوم کولنزو

پروگریسو اکزیمپل کا ترجمہ (۲۱) منتہی الحساب حصہ چہارم (۲۲) عبارتی سوالات کولنزو کا ترجمہ مع حل (۲۳) عبارتی سوالات کولنزو کا ترجمہ بے حل (۲۴) برنارڈ اسمتھ کے سوالات امتحان حساب کا ترجمہ، حصہ اوّل، دوم، سوم، چہارم (۲۵) برنارڈ اسمتھ کے رسالہ اعمال صحاح کا ترجمہ (۲۶) برنارڈ اسمتھ کے رسالہ اعمال مرکب کا ترجمہ (۲۷) برنارڈ اسمتھ کے رسالہ اعمال کسور کا ترجمہ (۲۸) رسالہ کسور وڈ ہ (۲۹) برنارڈ اسمتھ کے اکسرسائز یعنی مشقی سوالات کا ترجمہ مع حل حصہ اول و دوم (۳۰) رسالہ علم حساب مدارس حلقہ بندی، قسمت اوّل میرٹھ (۳۱) زبانی حساب (۳۲) زبانی حساب و مساحت (۳۳) گلبرٹھ ہاٹن کی ارتھمٹک کا ترجمہ (۳۴) معراج الحساب کولنزو ارتھمٹک کا ترجمہ (۳۵) رسالہ کسور عامہ و اعشاریہ وجذر وجذر المکعب (۳۶) بینیٹھ کا غذات سوالات امتحان (۳۷) رسالہ اعمال تناسب وغیرہ (۳۸) شرح سوالات متفرقہ (۳۹) پہاڑ دن اور ہندسہ لکھنے کا تختہ (۴۰) ہمیلن اسمتھ کے ارتھمٹک کا ترجمہ (۴۱) برنارڈ اسمتھ کے کارڈ کا ترجمہ،

(ج) علم ہندسہ

علم ہندسہ پر مؤلف مذکور کی تالیفات حسب ذیل ہیں :۔

(۴۲) تحریر اقلیدس کے بارہ مقالون کا ترجمہ باستثنار ۷، ۸، ۹، ۱۰ مقالے (۴۳) پوٹ اقلیدس کے بارہ مقالون کا ترجمہ مع شرح و دیباچہ (۴۴) ہاٹن گلبرتھ کی اقلیدس کا ترجمہ (۴۵) تالیف ذکائی (۴۶) ٹوڈ ہنٹر اقلیدس کے اول چھ مقالون کا ترجمہ مع شرح و نتائج (۴۷) ہال و سٹیون ومیکی کی اقلیدس کے ترجمے حصہ اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم مع شرح و نتائج (۴۸) ہنٹر اقلیدس (۴۹) ولسن کی اقلیدس کا ترجمہ (۵۰) پروفیسر ہنٹر انس

کی کونگریٹ جیومٹری کا ترجمہ،

(د) علم جبر و مقابلہ

اس فن پر فاضل مؤلف کی کتابین حسب ذیل ہین،

(۵۱) لنڈ زاینری الجبرا کا ترجمہ مع شرح (۵۲) وڈہ الجبرا کا ترجمہ (۵۳) ٹوڈ ہنٹر کا الجبرا مع شرح مبتدیون کے لئے (۵۴) گلبرتھ ہاٹن کے الجبرا کا ترجمہ مع شرح (۵۵) برنارڈ اسمتھ کے الجبرا کا ترجمہ (۵۶) رسالہ معادلات ٹوڈ ہنٹر (۵۷) اہلِ عرب کا جبرؔ مقابلہ (۵۸) ذکاء اللہ کا بیج گنت (۵۹) ہمبن اسمتھ کے الجبرا کا ترجمہ،

(ھ) علم مساحت

علمِ مساحت پر مؤلف مرحوم نے حسب ذیل کتابین لکھین اور ترجمہ کین:

(۶۰) مرأۃ المساحت (۶۱) جان ہنٹر کی مساحت کا ترجمہ (۶۲) چھتر د رپن ہندی ترجمہ جان ہنٹر (۶۴) ٹوڈ ہنٹر کی مساحت وسروئنگ ہندوستان کے واسطے مع شرح (۶۵) مساحت ٹوڈ ہنٹر مع شرح مبتدیون کے لئے (۶۶) سوالات مساحت مع حل (۶۷) رسالہ مساحت درسطحات (۶۸) محیط المساحت کا ایک حصہ،

(و) علم مثلث

علم مثلث پر یہ کتابین ہین:

(۶۹) علم مثلث مستوی گڈون (۷۰) علم مثلث کروی ستوپال (۷۱) شرح سوالات

علم مثلث مستوی سنو یال (۷۲) گلبرتھ ہاتن کا علم مثلث مستوی (۷۳) ولمٹ کا علم مثلث مستوی (۷۴) ٹوڈہنٹر کا علم مثلث مستوی مبتدیون کیلئے (۷۵) رسالہ جدول علم مثلثی (۷۶) ٹوڈہنٹر کا علم مثلث مستوی کالجون کیلئے (۷۷) ٹوڈہنٹر کا علم مثلث کروی،

(ز) علم تراشہائے مخروطی

(۷۸) ہندسہ یا بجر ٹوڈہنٹر،

(ح) ڈفرنشل انگرل یعنی علم الحساب الجزئیات والکلیات

(۷۹) ہال ڈفرنشل کا ترجمہ (۸۰) پروفیسر رامچندر کے ڈفرنشل کا ترجمہ (۸۱) ٹوڈہنٹر ڈفرنشل کا ترجمہ (۸۲) ٹوڈہنٹر انٹگرل کا ترجمہ۔

(ط) علوم طبیعہ وہیئت

(۸۳) علوم طبیعی کی الف بے تے (۸۴) صحیفۂ فطرت کی تمہید (۸۵) صحیفۂ فطرت، (۸۶) رسالۂ علم سکون (۸۷) رسالۂ علم کیمیا (۸۸) جغرافیۂ طبیعی (۸۹) جغرافیۂ ریاضیہ (۹۰) جغرافیہ طبیعی کے سوالات و جوابات،

(ی) علم ادب

(۹۱) تشریح الحروف (۹۲) اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچوین کتاب، یہ سلسلہ ممالک مغربی، برار اور حیدر آباد کے مدارس مین پڑھایا جاتا تھا (۹۳) اردو مڈل کورس (۹۳) اردو تذکرون کا بیان (۹۴) مبادی الانشاء حصہ اول، دوم، سوم، چہارم (۹۵) مجالس مناظرہ

(۹۶) تقویم اللسان (۹۷) رسالہ تعلیم زمانہ حال (۹۸) ضرب الامثال،

(ث) علم اخلاق

(۹۹) تہذیب الاخلاق (۱۰۰) مکارم الاخلاق (۱۰۱) محاسن الاخلاق (۱۰۲) تعلیم الانتظام (۱۰۳) تعلیم الاخلاق (۱۰۴) تعلیم الخصال،

ان مذکورۂ بالا کتابوں کی تالیف و ترجمہ کے ساتھ مولنا ذکاء اللہ مرحوم کا بیان ہے کہ انھوں نے نجم الاخبار آٹھ سال تک نصف کے قریب لکھا، الہ آباد ریویو کے اردو حصے چار پانچ سال تک لکھتے رہے، اکمل الاخبار دہلی مین دو برس کے قریب ہر پرچہ مین ان کا ایک مضمون ہوتا تھا، ان کے علاوہ تہذیب الاخلاق، سائنٹفک گزٹ علی گڈھ، رسالہ حسن دکن، نور الابصار آگرہ ایجوکیشنل گزٹ علی گڑھ مین بھی کبھی کبھی مضامین لکھتے رہتے تھے، سو سے زیادہ کتابون پر ریویو لکھے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرحوم کی تصنیفات اور تحریر دن کا دائرہ کتنا وسیع ہے، "ص ع"

اخبار علمیہ

اسلامی ممالک کی نئی کتابیں

اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ نے افغانستان میں قانون اور پولیٹیکل سائنس کا ایک شعبہ قائم کیا ہے، اسلامک کلچر (حیدر آباد) کے ایک نامہ نگار کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے، کہ اس شعبہ سے حسب ذیل کتابیں تصنیف و تالیف اور مختلف زبانوں سے ترجمہ ہو کر شائع ہوئی ہیں،

شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم
۱	دروس فقہ،	نصر اللہ خان	۰
۲	تاریخ فلسفہ	امیل فاکہ	قدیر خان ترہ کی،
۳	دروس ایتاتستیک	جلال ایاو ثابت	حبیب اللہ خان،
۴	دروس اجتماعیات	ماکس بونا فوس و نجم الدین صادق	احمد علی شاہ خان،
۵	دروس جرمیات	شاکر طورال،	۰
۶	حقوق اساسی بلٹریک	ہان ری وانمول	میر محمد صدیق خان،
۷	دروس معلومات عسکری	باہی حلمی اربوغ	۰
۸	دروس اقتصاد سیاسی	عبد الحئی خان عزیز،	۰
۹	اقتصاد اجتماعی	۰	غلام صفدر خان

شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم
۱۰	نقلیات و تعرفہا،	احسان علی	امام الدین خان
۱۱	حقوق مدافعہ ملی	رفعت تاشتن،	غلام حسن خان
۱۲	ادارہ و الیسا قستیک	گیشار	محمد ناصر خان
۱۳	نمایندگان سیاسی	پل فون تیل	عبدالرحمن خان،
۱۴	کتب سجل نفوس	لوسوار	محمد ناصر خان

اس رسالہ کو دوسرے نامہ نگار کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دمشق کے مطبع ترقی نے کتاب المقنع النقط" مصنفہ الدانی (المتوفی ۴۴۴ھ) شائع ہوئی ہے، اور بیروت سے ایک کتاب شاعرات عرب کے نام سے شائع کی گئی ہے، جس میں ایام جاہلیت اور عہد اسلام کی شاعرات کا تذکرہ ہے، مطبع عیسی بابی قاہرہ سے التصوف عند العرب شائع ہوئی جس کا موضوع نام سے ظاہر ہے،

ہندوستان میں شیشے کی صنعت

ہندوستان میں اس وقت شیشے کے ایک سو ایک کارخانے ہیں، ہندوستان اسٹینڈرڈ کلکتہ ایک مضمون نگار کا بیان ہے کہ ان کارخانوں میں دو ارب روپیوں کی قیمت کا مال ہر سال تیار ہوتا پھر بھی اس سے ملک کی صرف پچاس فی صدی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اس لئے اس صنعت ماہرین اس کو فروغ دینے کے لئے ہر قسم کے تجربات اور تحقیقات کرنے میں مشغول ہیں، سائنٹفک انڈسٹریل ریسرچ بورڈ کی بعض تحقیقات کی بنا پر بہت سے کارخانوں نے ان چینی شیشوں کی شروع کر دی ہے، جن سے چوڑیاں کڑے اور کنگن وغیرہ بنتے ہیں، اس میں ان کو زادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے، کیونکہ اب اس قسم کے شیشوں کی درآمد بہت کم ہوگئی ہے،

معارف ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی القرطبی المعروف بہ ابن الصیرفی

طلائی شیشے کی صنعت بھی ہندوستان مین جاری ہے، صرف ایک فیروز آباد مین اٹھارہ ہزار اونس سونا، اس صنعت کے لئے پگھلایا جاتا ہے، کلکتہ مین روشنی کے شیشون کی تیاری بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے، وہان کے صرف ایک کارخانہ مین ڈیڑھ ہزار بجلی کے قمقمے روزانہ تیار ہوتے ہین، اور دواؤن کے لئے بوتلین اور شیشیان بھی بکثرت بنتی ہین، اور غیر ملکی صنعت کے مقابلہ مین کامیاب ہین،

بعض کارخانون نے جدید تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر نئی قسم کی صنعتیں مثلاً نقلی موتی، شیشے کے مرصع ظروف تسبیح کے دانے، اور مختلف اقسام کے آرایش کے سامان بھی بنانا شروع کر دیئے ہین، عینک کے شیشے بنانے کے بھی تجربے ہو رہے ہین، چنانچہ بعض کارخانون نے اس کے جو نمونے تیار کئے ہین، ان کو اہلِ فن نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا،

گذشتہ جنگ میں حکومت نے ہندوستان کے شیشے کے کارخانون سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا تھا، اور اس جنگ مین بھی حکومت کے لئے ہندوستانی کارخانون مین بڑی تعداد مین شیشون کی مختلف چیزین تیار ہو رہی ہین، اور ہندوستان کے شیشے کی صنعت کے فروغ پر جنگ کا غیر معمولی اثر پڑا ہے، ۳۹ئہ میں ۵، لاکھ روپئے کے شیشے باہر سے ہندوستان مین آئے تھے، لیکن ۴۰ئہ مین صرف ۶۳ لاکھ روپئے کے آئے، اسی طرح ۳۹ئہ میں ہندوستان نے ۹۶ ہزار روپئے کے شیشے باہر بھیجے تھے، اور ۴۰ئہ کے دسمبر تک ۳ لاکھ روپئے کا مال بھیجا جا چکا ہے،

"ص ع"

ابن خلدون

مصری یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ابن خلدون اور اس کے فلسفۂ اجتماعی پر فرنچ زبان مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کا ترجمہ انھی کے ایما سے محمد عبد اللہ المنان نے عربی مین کیا، اب اس عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولٰنا عبد السلام ندوی نے نہایت خوبی سے کیا ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت ۱ؔ

منیجر

ادبیات

کلامِ حسرت

از مولانا حسرت موہانی

دل ہے نازاں کہ تری صورتِ زیبا دیکھی
آنکھ حیراں کہ اک حسن کی دنیا دیکھی

پہلے آنکھیں ہوئیں گرویدہ پھر آنکھوں کی طرح
چاہنے دل بھی لگا آپ کو دیکھا دیکھی

بدگماں مجھ سے بھی کیوں غیر کے مانند ہوئے
مجھ کو دیکھا نہ مرے دل کی تمنا دیکھی

فطرتِ حسن ہے بیباک مگر ہمنے یہاں
تیری شوخی میں بھی اک شانِ محابا دیکھی

زلفِ شبرنگ پہ گلنار لباسی کی بہار
آج حسرت نے رُخِ یار میں کیا کیا دیکھی

ایضاً فارسی

گر حسن دولتے ست بہ گنجینۂ آئینہ
ورناز خاتمے است بہ زیبش نگینہ

شبہا بسے بہ عیش بسر بردی و ہنوز
مخمورِ آں خمار لطیف و شبینہ

حسرت بہ عرضِ حال نکوشد کہ فی المثل
شایانِ سنگ ہرزہ نہ آبگینہ

غزل

از

جناب شفیق صاحب جونپوری

نظر ہے نارسا میری قدم ہے ناتواں میرا
مگر اللہ رے ہر منزل میں شوقِ امتحاں میرا

یہ کہکر چھا گیا ہستی پہ عشقِ ناتواں میرا
کہ حسنِ حکمراں میرا تو پھر سارا جہاں میرا

حقیقت تک نگاہوں کی رسائی ہو تو کیونکر ہو
نظارہ کام کرتا ہے بقیدِ این و آں میرا

نگہ کی ترجمانی رنگِ رُخ کی طرفہ غمازی
خموشی سے بھی ہو جاتا ہے اظہار بیاں میرا

عجب معجز بیاں ہے شام تنہائی کی خاموشی
کہ گویا ذرہ ذرہ ہے شریکِ داستاں میرا

نظر اٹھتی نہیں ان کی قدم بڑھتے نہیں میرے
حیا ان کی نگہباں ہے ادب ہے پاسباں میرا

نہیں معلوم کیوں فرق آگیا بادِ بہاری میں
وہی ہے گلستاں میرا۔ وہی ہے آشیاں میرا

یہ کیسی جامعیت ہے مری روداد ہستی میں
کہ ہر مضمون بن جاتا ہے عنوانِ بیاں میرا

صبا پہچان یہ ہوگی مری مرگِ اسیری کی
کہ گلشن میں یکایک جل اٹھے گا آشیاں میرا

الٰہی ڈوبتا جاتا ہے سورج شام ہوتی ہے
چھپا جاتا ہے نظروں سے غبارِ کارواں میرا

محبت نے کیا ہے کفر در آغوش ایماں کو
کہ منہ کعبہ کی جانب ہے تو دل سوئے بتاں میرا

قفس میں کم سے کم اک گونہ اطمینان حاصل ہے
نہ اب گلچیں مخالف ہے نہ دشمن باغباں میرا

مسافت ختم ہوتی ہی نہیں راہِ محبت کی
شفیق اب سلسلہ ہے کارواں در کارواں میرا

مطبوعات جدیدہ

جمہرۃ البلاغۃ (عربی) از مولانا حمید الدین تقطیع بڑی ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:- دائرۂ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڈھ،

تفسیر کے علاوہ مولانا حمید الدین فراہی مرحوم نے قرآنی مباحث کے متعلق اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں، جن کو دائرۂ حمیدیہ وقتاً فوقتاً شائع کرکے مسلمانوں پر عظیم الشان علمی احسان کر رہا ہے، انہی رسالوں میں زیر ریویو رسالہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے،

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی رسول اللہ صلعم کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اور اسی عقیدے کی بنا پر انھوں نے فصاحت و بلاغت کا ایک مستقل فن ایجاد کیا، اور اس فن میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن اس فن اور ان کتابوں میں انھوں نے جو نکتہ آفرینیاں کیں، ان کو خود قرآن مجید اور اہلِ عرب کے ذوق بلاغت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اہل عجم اور اہلِ یونان کے ذوق کو سامنے رکھا ہے، اور اسی کے مطابق فصاحت و بلاغت کے اصول مقرر کئے ہیں، مثلاً اہلِ عجم کے نزدیک تشبیہ و بدیع دو چیزیں نہایت اہمیت رکھتی تھیں اور اسلام میں علمائے بلاغت نے انہی دو چیزوں کو اہمیت دی، حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک بدیع و تشبیہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے، اسی طرح ارسطو کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا دارومدار نقل و محاکات پر ہے، کیونکہ انسان میں فطرۃً نقل و محاکات کا مادہ موجود ہے، اس لئے اگر اس کے سامنے بُری سے بُری چیز کی تصویر بھی کھینچ دیجائے تو اسکو اس فن میں فطرۃً لطف آتا ہے،

اہلِ یونان مین جو بڑے بڑے شاعر اور خطیب پیدا ہوئے ہین، چونکہ ان کے کلام مین زیادہ تر قصص حکایات پائے جاتے تھے، اور ان کا مقصد عیش وطرب کی مجلسون مین محض لطف و انبساط پیدا کرنا ہوتا تھا اس لئے ان کے کلام کو پیش نظر رکھکر ارسطو نے محاکات کو بلاغت کا اصلی عنصر قرار دیا، جس کا مقصد محض لطف و انبساط حاصل کرنا تھا، اور علماے اسلام نے بھی اسی اصول کی تقلید کی، اور تشبیہ کو بلاغت کا بہت بڑا رکن قرار دیا، کیونکہ تشبیہ مین خاص طور پر محاکات پائی جاتی ہے، لیکن مولینا حمید الدین مرحوم کے نزدیک اس اصول کو قرآن مجید کی بلاغت کا معیار نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ اس اصول کے مطابق قرآن مجید کو رسول اللہ صلعم کا معجزہ قرار دیا جا سکتا، کیونکہ بلاغت کے معنی پہونچنے کے ہوتے ہین، جو چیز الفاظ و عبارت کے ذریعہ سے انسان کے دل و دماغ مین پہونچتی ہے، اور دل کی گہرائیون تک پہونچکر تاثیر پیدا کرتی ہے، وہ معنی ہوتے ہین، اس لئے بلاغت کا مدار حسنِ معنی پر ہے، صرف حسنِ الفاظ پر نہین ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو گالی دے، اور اس مین نہایت عمدہ تشبیہات و استعارات سے کام لے تو کیا وہ شخص اوس کو فصیح و بلیغ سمجھے گا؟ اس بنا پر اہلِ عرب نے حسنِ کلام کو حسنِ معنی کا نتیجہ قرار دیا تھا اور وہ فحش اور جھوٹ اور غیر مہذب معنی کو نہایت ناپسند کرتے تھے، اس اصول کے مطابق بلاغت کا معیار کلام کی صداقت اور اسکے حکیمانہ معانی ہین جو نہایت فصیح الفاظ مین ظاہر کئے گئے ہون،

غرض اس رسالہ مین انھون نے قرآن مجید اور اہلِ عرب کے ذوق کو پیش نظر رکھکر سب سے پہلے فصاحت و بلاغت کے اصول پیش کئے ہین، اور اس سلسلہ مین ارسطو اور دوسرے علماے بلاغت مثلاً امام عبد القاہر جرجانی اور ابن قدامہ کے مقرر کردہ اصول کی تردید کی ہے، پھر بلاغت کے اور دوسرے اجزا بتائے ہین، اور جس طرح انھون نے تفسیر مین نئے نئے مجتہدانہ نکات پیدا کئے ہین اسی طرح اس رسالہ مین بھی نئی نئی باتین پیدا کی ہین، جو لوگ قرآن مجید کے اعجاز اور فصاحت و بلاغت کے اصول سے دلچسپی رکھتے ہین، ان کے لئے یہ رسالہ مفید معلومات کا ذریعہ ہے، اور

ان کو نہایت شوق سے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے،

(ع)

خاکسار تحریک، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸، پتہ:۔ دفتر الفرقان، بریلی،

اسلام کی سیزدہ سالہ تاریخ مین سادہ لوح مسلمانون کو پھنسانے کے لئے دین و مذہب کے نام سے بہت سی گمراہ کن تحریکیں اٹھ چکی ہین، انہی مین علامہ مشرقی کی تحریک خاکسار بھی ہے، جس مین بہت سے سنجیدہ مگر ناواقف مسلمان بھی پھنس گئے، اس کتاب مین فاضل مؤلف نے خود مشرقی صاحب کی تحریرون سے اس تحریک کی اصل و حقیقت واضح کی ہے، اس تحریک کی بنیاد دو چیزون پر ہے، مادی غلبہ و قوت کا حصول اور آمریت مطلقہ، چنانچہ مشرقی صاحب کے نزدیک اسلام و ایمان اور فوز و فلاح نام ہے صرف مادی غلبہ و قوت اور دنیاوی کامیابیون کا اور اسکے مقابلہ مین شرک و کفر اور خسران نا کامی تعبیر ہے ضعف و کمزوری اور دنیاوی نا کامی کی، اور اسلامی نظام کی بنیاد آمریت مطلقہ پر ہے، انہی دونون بنیادون کی روشنی مین مشرقی صاحب نے تمام اسلامی تعلیمات کی تفسیر کی ہے، اور سب سے پہلے انھون نے اوس کو اپنے صحیفہ "تذکرہ" کے ذریعہ سے پیش کیا تھا، لیکن جب مسلمانون نے اس سے بیزاری ظاہر کی، تو انھون نے تحریک خاکسار کو اسکی تبلیغ کا ذریعہ بنایا، فاضل مؤلف نے اس کتاب مین مشرقی صاحب کی تحریرون سے ان گمراہ کن تعلیمات کو دکھا کر تحریک خاکسار کے چہرہ سے پردہ ہٹایا ہے اور اس تحریک کے تنظیمی فریب اور سیاسی مغالطون کا بھی پردہ فاش کر کے غلبہ و قوت، فوز و فلاح اور امارت کے مسائل مین صحیح اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اس کے ساتھ علامہ کے گوناگون کمالات، ان کی بوالعجبیون اور اخلاقی بلندیون کو بھی دکھایا ہے، جس سے اس تحریک کی اصل و حقیقت کیساتھ علامہ کی اصلی تصویر بھی سامنے آجاتی ہے، جو سادہ لوح مسلمان اس تحریک کے ظاہری فریب مین مبتلا ہین انکو ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے،

مسلمان کیا کریں، شائع کردہ اخبار مدینہ، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰۴ صفحے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ :- اخبار مدینہ بجنور یوپی،

ڈیڑھ دو سال ہوئے، مدینہ اخبار نے "مسلمان کیا کریں" کے عنوان سے صاحب فکر مسلمانوں کو مسلمانوں کی موجودہ سیاست اور آیندہ طریق عمل پر اظہار خیال کی دعوت دی تھی، اس دعوت پر بہت سے مسلمانوں نے اپنے خیالات ظاہر کئے، اور مدینہ میں عرصہ تک مضامین کا سلسلہ جاری رہا، ان مضامین کو مدینہ پریس نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، اس میں مسلم لیگی، کانگریسی، جمعیۃ العلمائی، احراری، پاکستانی، آزاد خیال ہر عقیدہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کے مضامین ہیں، اور مختلف نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی سیاست کے ہر پہلو پر پوری بحث ہے، آخر میں مدینہ نے مسلمانوں کی گذشتہ سیاست اور موجودہ صورتِ حال پر تبصرہ کرکے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اس مجموعہ میں صاحب فکر مسلمانوں کے مضامین کی بھی خاصی تعداد ہے، گو عملی حیثیت سے یہ مسئلہ اب بھی لاینحل ہے، لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ مختلف عقیدہ و خیال کے مسلمانوں کے نقطہائے نظر، ان کے خیالات اور مسلمانوں کی سیاست کے تمام پہلو سامنے آگئے جن کی روشنی میں آیندہ کے متعلق غور و فکر کیا جا سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ مسلمان بھی جنھیں ان مسائل میں درک نہیں، مسلمانوں کی سیاست کو سمجھ سکتے ہیں،

خیال آفرین دماغ جناب عرش تیموری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱ر، پتہ حالی پبلشنگ ہاؤس، کتاب گھر، دہلی،

مؤلف نے اس کتاب میں انسانی دماغ کے خیالی تصورات کی تصویر دکھائی ہے کہ اس میں کیسے کیسے مختلف النوع گوناگوں اور منتشر و پراگندہ خیالات پیدا ہوتے ہیں، اگر کتاب کے نام سے موضوع کا اندازہ نہ ہو جائے، تو مضامین کی پراگندگی کی وجہ سے اس کا مقصد و منشا سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے،

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابو الحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۱۴۳ صفحے قیمت: ۱۲؍

مختصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ؍

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں

ہماری بادشاہی: ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں، قیمت: عہ؍ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲؍

از مولوی عبد السلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلامی جلد اول، اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ: مولانا عبد السلام ندوی ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت ۱۲؍

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۰ قیمت ۔؍

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۰۹ قیمت ۔؍

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہندی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں چھوٹے بچوں کے دارالاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچہزار کی تعداد میں چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ عہ ہے، لیکن ۱۰۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲ر فی نسخہ زائد ہوگی،

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ حکومتیں، جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن، نجع، قراجی، مسقط، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت ۱عہ

چینی مسلمان، ایک مسلمان صاحب قوم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے [illegible] سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، حجم ۲۴۲ قیمت ۱عہ

مسعود علی ندوی مینیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

(یکے از [illegible] چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۶ — جولائی ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت ۔ پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اوران کے جوابات، مورخانہ تحقیق وتنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ۔ قیمت: عہ/ ۴۹۴ صفحے

خلافت اورہندوستان، آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸/ ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشا، اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کیگئی ہے،

قیمت: للعہ/ ۴۸۷ صفحے۔

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان سے علم وادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: ے/ ۳۹۶ صفحے۔

تاریخ صقلیہ اوّل، مسلمانوں نے سسلی پر دو ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنادیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش وتحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ/ ۵۴۶ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق وعادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اوران کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم وآداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعروشاعری، علوم عقلیات، ریاضیات وطبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل سوانح حیات، ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ/ ۵۰۰ صفحے،

"جلد ۴۸" ماہ جمادی الآخر ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۱ء "عدد ۱"

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

سالانہ دستور کے مطابق ان دنوں وطن (بہار) میں قیام ہے، شہر بہار اور اس کے اطراف کے دیہاتوں میں مسلمانوں پر ہندؤں کے ظالمانہ حملوں کی اطلاعیں اخباروں کے ذریعہ سے علم ہو چکی ہیں، ان میں ۲۰ مسلمان جن میں بوڑھے، بچے، اور عورتیں بھی داخل ہیں، شہید اور زیادہ سے زیادہ زخمی کئے گئے، سات آٹھ مسجدوں کو نقصان پہنچایا گیا، چند قبریں توڑی گئیں، اور بہت سے مکانوں کو آگ لگائی گئی، اس وقت بہار کی عدالت میں مقدمے پیش ہیں، یورپین اور عیسائی مجسٹریٹ عدالت کی کرسیوں پر ہیں، ملزم حاضر کئے جا رہے ہیں، اور گواہوں سے ان کی شناخت کرائی جا رہی ہے، مگر ایک بلوائے عام کے ملزموں اور مجرموں کی شناخت جس قدر مشکل ہے وہ ظاہر ہے، اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ بھی چھپا نہیں،

اس واقعہ نے متعدد نتیجے نگاہوں کے سامنے کر دیئے ہیں، ایک یہ ہے کہ ان سارے ہنگاموں میں مسلمانوں نے کسی ہندو پر از خود حملہ نہیں کیا، بلکہ ان کی حیثیت ہر جگہ اور ہر حالت میں مدافعانہ رہی، دوسری بات یہ کہ جہاں چند مسلمانوں نے بھی جرأت اور ہمت سے کام لیا اور حملہ آوروں کا شجاعانہ مقابلہ کیا، خدا کی موعودہ نصرت ان کے پاس پہنچی اور دشمنوں کے منہ پھیر دیئے، لیکن جہاں کہیں، انھوں نے بھاگ کر چھپنے کی کوشش کی وہیں مارے گئے اور اپنی سزا کو پہنچے،

اس واقعہ نے ان دیہاتوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہے سراسیمگی پھیلا دی ہے، اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگنے اور ہٹنے کی کوشش میں ہیں، اور مسلمانوں کی بعض انجمنیں بھی چاہتی ہیں کہ ایسے دیہاتوں سے مسلمانوں کو نکال کر محفوظ مقامات میں جہاں مسلمان زیادہ تعداد میں ہیں آباد کر دیں یہ صورت اچھی ہے اور آیندہ کے لئے حفاظت کی تدبیروں میں سے ایک یہ تدبیر بھی ہو، مگر میری نظر ایک اور واقعہ پر ہے، مسلمانوں کا اس ملک میں قیام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد صرف ان کی ذاتی قوت بازو پر موقوف ہے، مسلمانوں کی ہر آبادی اسلام کا ایک مورچہ ہے، کسی مورچہ کو بے لڑے بھڑے دشمن کے حوالہ کر دینا آئینِ جنگ نہیں، جس طرح مسلمانوں نے اس ملک کے ایک ایک چپہ کو اپنے خون سے حاصل کیا ہے، ویسے ہی اس کے ایک ایک چپہ کو اپنے خون سے بچانا ہے دیکھئے کہ انگریزوں کو اپنی سلطنت کے بچاؤ کے لئے کتنی جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنی پڑ رہی ہیں، مگر قدم پیچھے نہیں ہٹاتے، مسلمان بھی کبھی اپنی سلطنت کا یہی حق ادا کرتے تھے لیکن جس دن سے ان پر بزدلی چھائی اور شخصی زندگی کی اہمیت ان کی اجتماعی زندگی کی اہمیت پر غالب آگئی، ہندوستان کے ہر معرکہ میں وہ پیچھے ہٹ گئے، اب پھر ان کو اپنی اجتماعی زندگی کا ثبوت دینا ہے، اور ہر حال میں اسلام کے ہر مورچہ کو بچانا ہے، اور دنیا پر ثابت کرنا ہے کہ ان کو اس ملک میں زندہ رہنے کا حق حاصل ہے،

ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اور سمجھوتے پر میرے قلم نے بارہا مضامین لکھے ہیں، اور اب بھی اس کی ضرورت کا قائل ہوں، مگر گڑگڑا کر دشمنوں سے اپنے زندہ رہنے کی التجا کرنے سے مر جانا اور مرجانا بہتر جانتا ہوں، کیونکہ مردانہ وار مظلومانہ موت بھی زندگی سے کم نہیں،

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے　　　اسلام زندہ ہوتا ہے، ہر کربلا کے بعد

بہرحال ایسے صوبوں میں جہاں مسلمان بڑی اقلیت میں ہیں مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کی تدبیروں سے غفلت برتنا نہیں چاہئے، مگر اس بات کو پوری طرح باور کرنا ہے کہ ان کی زندگی نامردی اور مرعوبیت میں نہیں، بلکہ شجاعانہ مدافعت اور اسلام کی برتر قوت پر یقین میں ہے، کوئی قوم دشمنوں کے مارنے سے نہیں مرتی، بلکہ اپنی اخلاقی اور ایمانی موت سے مرتی ہے، ہم کو اسی کی کوشش کرنا ہے کہ مسلمانوں کو اُن کی اخلاقی اور ایمانی موت سے بچائیں،

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سلطنتِ وقت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، اور اسی ذمہ داری کے زیر سایہ وہ اپنی زندگی کا خواب دیکھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، کوئی سلطنت نہیں بلکہ خود قوم اپنی زندگی کی ذمہ دار ہے، اور قوم کے نوجوانوں پر جو ملت کے سپاہی ہیں، قوم کی حفاظت کا فرض عائد ہوتا ہے، مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری قوت کا سرچشمہ ہماری ایمانی طاقت کا خزانہ ہے، اس خزانہ کی حفاظت آہنی تیغ و خنجر کے بجائے اسلام کی حقانیت کی تلوار اور ایمان باللہ کے خنجر سے ہو سکتی ہے،

مقالات

قرآن کا فلسفۂ مذہب

از

جناب میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

"اس مضمون مین جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، وہ مذہب یا دین کا فلسفہ ہے، جو ہمین قرآن مین تفصیلاً ملتا ہے جسکی مزید تصریح وتفسیر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و عمل سے ہوتی ہی، فلسفہ کے لفظ سے آپ کو یہ گمان نہ ہونا چاہئے، کہ مذہب پر ایک سرد مہر نقاد کی نگاہ سے روشنی ڈالی جارہی ہے، اور تنقید اور عیب بینی اس تحریر کا محرک ہے، ایسا نہین! مذہب کی تعریف کیا ہوسکتی ہے، ؟ اسکی ماہیت کا تعین کس طرح کیا جاسکتا ہے، ؟ مذہب کے اعمال، عبادت واستعانت کس حکمت پر مبنی ہین، ؟ ان کی کیا مصلحتین ہین؟ ان کی نفسیات کو کس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہی، اور ان کو زمانہ جدید کے ذہنون کے کس طرح قابل قبول بنایا جاسکتا ہی، یہ ہین محرکات میرے اس مختصر مقالہ کے،

مجھے امید ہی کہ اس کے سُن لینے اور سمجھ جانے کے بعد آپ مجھ سے اتفاق کرین گے، کہ مذہب کے معروض یعنی حق تعالیٰ سے ہمارا سابقہ محض ہی نہین، بلکہ اس دنیوی زندگی مین ہر لحظہ پڑتا ہی اور ہر دم ہمین اسکی احتیاج ہوتی ہے، ا معیت حق کے احساس کو بیدار کرنا دنیوی

و دینی امور میں اسکی نصرت و ولایت کا یقین پیدا کرنا، اور اس طرح حقیقی معنی میں ہمین مرد مجاہد بنانا، بے خوف و بے جگر مجاہد جسکی امید و بیم کا مرکز صرف اللہ ہی کی ذات ہو جو سارے عالم کا مالک اور حاکم ہے۔..... یہ ہیں غایات میرے اس مقالہ کے، مَا توفیقی اِلّا باللہ

اے درد دلِ من اصلِ تمنا ہمہ تو   وے در سرِ من مایۂ سودا ہمہ تو،
ہر چند بہ روزگار در می نگرم   امروز ہمہ توی و فردا ہمہ تو،

(ابو سعید مہنہ)

ــــــ انسان بلکہ تمام حیوانات کی زندگی کا پہلا قانون، جلبِ منفعت و دفعِ مضرت ہی تحفظِ ذات اور تولیدِ نسل دونون کے لئے ضروری ہے کہ یہ ان چیزون کی طلب کرے جو اسکی زندگی کے حفظ و بقا مین ممد و معاون ہین، اور ان چیزون سے گریز کرے، جو اس کو عدم کی طرف لیجاتی ہین، یا قوتِ حیات کی تحدید کا باعث ہوتی ہین، اشیاء کی ابتدائی تقسیم اسی نقطۂ نظر سے کیجاتی ہے، اشیاء یا تو نافع ہین یا ضار، مفید ہین یا نقصان رسان، اچھی ہیں یا بری، عضویت پر جب ان کے اثرات کا ترتب ہوتا ہے، تو لذت، محبت، فریفتگی یا اطاعت پیدا ہوتی ہے، یا الم، نفرت، خوف اور توحش، ان مین سے ایک بالطبع محبوب ہین، مرغوب ہیں، تو دوسری فطرۃً غیر محبوب و نامرغوب، ایک کے حصول کا وہ کوشان ہوتا ہے، تو دوسرے سے گریزان، کوشان ہو کہ گریزاں انسان کی زندگی کا تار و پود ہی جذبات ہین، ان کا زور مردافگن ہوتا ہے، ان کے شر و شور سے اسکو فرصت ملتی ہے اور نہ نجات، یہانتک کہ زندگی کے مقررہ دن ختم ہوجاتے ہین اور وہ یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے:

من باغِ جہان را قفسے دیدم و بس   مرغش ز ہوا و ہوسے دیدم و بس
از صبحِ وجود تا شبانگاہِ عدم   چون چشم کشودم نفسے دیدم و بس

(سحابی استرآبادی)

ــــــــ ـ ــــــــ

اپنی زندگی کے مختصر قیام میں ہر شخص اشیا کی تغیر و حدوث کا اچھا مشاہدہ کرتا ہے، کائنات میں ایک دائمی تغیر جاری ہے، کوئی شے ساکن نظر نہیں آتی، سکون و ثبات فریب نظر معلوم ہوتے ہیں، ہر ذرۂ کائنات میں ایک تڑپ سی نظر آتی ہے، کاروانِ وجود کو کہیں قیام نہیں، شانِ وجود ہر لحظہ تازہ ہوتی ہے، قہری تجلی ہر شے کو ہر لحظہ فنا کر رہی ہے، اور جمالی تجلی ہر لحظہ وجود بخش رہی ہے،

ہستی کہ عیان نیست دوان در عالمے		در شان دگر جلوہ کند بر آنے

این نکتہ بجو ز کل یوم ھو فی شان		گر بایدت از کلام حق برہانے		(جامی)

اشیاء کے اس تغیر و تبدل، تکون و حدوث، فنا پذیری و زوال کی جہت جب چشم بصیرت رکھنے والے انسان پر نمایاں ہو جاتی ہے تو اپنے اپنے فقر و احتیاج کی وجہ سے ذل و افتقار یا بندگی کی نسبت جو ان سے قائم کر رکھی تھی، وہ یکدم کٹ جاتی ہے، ذواتِ خلق کا فقر اسکی نظروں میں واضح ہو جاتا ہے، اور اسکو اس ذات کی تلاش ہوتی ہے، جو حدوث و تغیر سے منزہ ہے، جو قائم بالذات و مقصود بالذات ہے، جو واجب و قدیم ہے، صفاتِ کمالیہ سے موصوف ہے، فعال ہے، سارے جہان کی مالک و حاکم و مولیٰ و رب ہے،!

اب مذہب یا دین کا ماحصل بھی اتنا ہی ہے، کہ ذل و افتقار کی نسبت (جس کو دین کی زبان میں عبادت و استعانت سے تعبیر کیا جاتا ہے) ذواتِ خلق سے قائم نہ کیجائے، اور احتیاجات اور مرادات میں استعانت ذواتِ خلق سے نہ کی جائے، بلکہ عبادت و استعانت کا مرکز ذات اللہ رہے، یہی مفہوم ہے اس دعوتی کلمہ طیبہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا کہ اللہ کے سوا کوئی ذات قابلِ عبادت و مستحقِ استعانت (الٰہ) نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

لہ معارف یعنی مخلوقات،

کے رسول ہیں، اس پیام کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں،

فقر و احتیاج انسان کی فطرت میں شامل ہے، اسی فقر یا احتیاج کو رفع کرنے کے لئے وہ ہر نفع و ضرر پہنچانے والی چیز کو اپنا "الٰہ" قرار دیتا ہے، خواہ یہ چیز عناصر سے ہو یا جمادات سے، نباتات سے ہو یا حیوانات سے، فوق الفطرت ہو یا فوق البشر ان سے رفع احتیاج کے لئے اعانت طلب کرتا ہے، اور استعانت کے لئے ان سے ذل و افتقار کی نسبت قائم کرتا ہے، اپنے جہل اور نادانی کی وجہ سے ان کو مستقل طور پر نافع اور ضار خیال کرتا ہے، اور یہی خیال اس کو اپنے سے کم تر مخلوق کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کرتا ہے!

حواس کے اس التباس اور عقل کے اس دھوکے کو دور کرنے کے لئے دین حق کا یہ پیام محمد عربی (فدا ابی و امی) نے عالم کو سنایا، کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کر، فطرت کا شہ کار ہو کر اپنے سے ادنیٰ اور کمتر مخلوق کے آگے ذلیل نہیں ہو سکتا، اسکی گردن اگر جھک سکتی ہے، تو اسی ایک ہمہ خبر، ہمہ دان وہمہ بین وہمہ توان ہستی کے آگے جس کے دست قدرت میں ساری کائنات کی باگ ہے، جو جملہ صفات کمالیہ سے متصف ہے، اور تمام عیوب سے منزہ اور مبرا ہے! یہی ہستی ہماری الٰہ ہے، یہی قابل عبادت ہے، یہی مستحق استعانت ہے، یہی ہماری خالق ہے، مالک ہے، ہماری رب ہے، مولیٰ ہے، حاکم ہے، اسی کے ہم مخلوق ہیں، مملوک ہیں، مربوب ہیں، عبد ہیں، محکوم ہیں، اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں، اور اسی سے تمام حاجات و مرادات میں بھیک مانگتے ہیں، یہی ذات غنی ہیں، اور ہم سب اسی کے فقیر ہیں، اس کے فقیر ہو کر ہم سارے عالم سے غنی ہیں!

یہ پیام صدق محض ہے، ہماری عزت نفس کے عین مطابق ہے، حق و خلق کے رابطہ کا سچا اظہار ہے! اس کو مان کر انسان حقیقی معنی میں انسان بنتا ہے، بے خوف، بے جگر مجاہد جس کی امید و بیم کا مرکز وہی ایک اللہ ہوتا ہے، جو سارے عالم کا مالک اور حاکم ہے! اب مجاہد کی زندگی کی ہر جنبش

اسی مالک و حاکم کے حکم کے تحت ہو جاتی ہے، اور اس کے احکام کی تعمیل میں امر کے امتثال میں وہ ایک جان دیتا ہے، تو ہزار جان پاتا ہے، اس کا ضعف قوت سے، اسکی ذلت عزت سے، اس کا فقر غنا سے بدل جاتا ہے، موجوداتِ عالم میں سے وہ کسی سے نہیں ڈرتا، فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ[1] کا حکم اس کو سارے عالم سے بے خوف کر دیتا ہے، نہ وہ کسی سے امید و رجا رکھتا ہے، اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ[2] اس کو ساری کائنات سے غنی کر دیتا ہے، ذواتِ خلق سے امید و بیم کی نسبت کٹتے ہی وہ نفس مطمئنہ حاصل کر لیتا ہے، اور اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ کو راضی رکھ کر غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، اب وہ غنی عن الشئی ہے، کونسی چیز اللہ سے برتر ہو سکتی ہے، جس کے حصول کی وہ خواہش کرے، اب سب کچھ اسے حاصل ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے، لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ[3] علوے تمکین اسی کو حاصل ہے، وہی مخاطب ہے، اس قول کا: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰہُ مَعَکُمْ[4]!

دیکھو "اللہ" کے فہم نے اس کو کیا سے کیا کر دیا، یا تو وہ ایک حقیر اور ذلیل جانور کی طرح ہر ایک سے ڈرتا اور لرزتا تھا، ہر ایک کو نافع اور ضار قرار دیتا تھا، سرِ عبودیت خم کرتا تھا، مدد و اعانت کا خواہاں تھا، ان ہی کی عبادت و عبودیت میں زندگی گزار رہا تھا، مشوش، پریشان، حیران، خود ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ" یا اب علم رسالت کے جاننے اور ماننے کے ساتھ ہی لا کی شمشیر ہاتھ میں لے کر وہ آگے بڑھتا ہے، اور اپنے جاہل ساتھیوں سے قرآن کے الفاظ میں پوچھتا ہے،

---

[1] اگر تم مومن ہو تو اُن سے خوف نہ کرو مجھ سے خوف کرو [2] کیا اللہ بندہ کے لئے کافی نہیں،
[3] تاکہ تم غم نہ کھاؤ، اس پر جو ہاتھ نہ آیا، اور نہ شیخی کرو، اس پر جو تم کو اس نے دیا،
[4] تم ہی بلند ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے،

"افغیر اللہ تامرونی اعبدُ ایّھا الجاھلون؟"[1]

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی بگذر ز خدائے کہ بصد رنگ تراشی

غیراللہ کی عبادت وعبودیت کا جوا وہ گردن سے نکال کر پھینک دیتا ہے، عمر میں پہلی مرتبہ حریت محسوس کرتا ہے، خوف کا بھاری پتھر اس کے سینہ سے اٹھ جاتا ہے، اپنے حقیقی مولی کے آگے جھک جاتا ہے، اور ان کو رحیم پاتا ہے، کَانَ بِالْمُؤمِنِیْنَ رَحِیْمًا کی بشارت اس کو ہر طرح مطمئن کر دیتی ہے، اب اس کو یقین ہو جاتا ہے، کہ حق تعالیٰ اس کے ساتھ ایمان کے بعد شانِ رحمت ہی سے پیش آئیں گے، ان کے علاوہ رحیم ہونے کے حاکم و حکیم ہونا، اس کے دل کو اور قوی کر دیتا ہے، وہ انھیں اپنے ہر امر میں متصرف سمجھتا ہے، اور ان کے ہر فعل کو سراسر حکمت سے مملو دیکھتا ہے، ان ہی کے حکم کے مطابق ان کو اپنے کاموں میں وکیل بناتا ہے فاتخذہ وکیلا ان کا فرمان ہے، کفیٰ باللہ وکیلا کہہ کر وہ آزادی واطمینان کے ساتھ مصروفِ عمل ہو جاتا ہے، اب کہاں یہ اور کہاں وہ جاہل جو غیر اللہ سے ذل وافتقار کی نسبت جوڑ رہا ہے، سچ ہے،

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ، وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ"[2] (الفاطر، ۱۵)

دین کا اجمال، عبادت واستعانت، اس کا ماحصل، تحفظ توحید، اب اس اجمال کی کسی قدر تفصیل ضروری ہے،

عبادت غایتِ تذلل کا نام ہے جس کا اظہار معبود حقیقی کے آگے کیا جاتا ہے، اس کے معروف طریقے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہیں، نماز کے تمام اعمال وارکان پر غور کرو، عبادت یا اظہارِ ذلت

---

[1] اے جاہلو کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا امر کرتے ہو [2] برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا اور نہ سایہ اور نہ لو، اور برابر نہیں جیتے اور نہ مردے،

کا مفہوم بخوبی تمھارے دل نشین ہوگا، عابد نماز کا قصد کر رہا ہے، مصلےٰ کی طرف بڑھ رہا ہے، زبان پر ہے انی ذاھبٌ الیٰ ربی سیھدینؔ[1] دل غیر حق سے پاک ہے، حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بزرگی کا مستحق نہیں سمجھتا، اور اسی فہم کے ساتھ تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتا ہے اور جب حق تعالیٰ کے روبرو ہو کر کہتا ہے انی وجّھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفًا وما انا من المشرکین، دل پوری طرح متوجہ بحق ہے، ورنہ جانتا ہے، کہ جھوٹ کی سزا کیا ہے، یُخٰدِعُوْنَ اللہ وَھُوَ خَادِعُھُمْ[2] اب نیت میں بھی خلوص ہے، حق تعالیٰ ہی کے لئے نماز پڑھ رہا ہے، عاشقانہ ایمان کے پیدا ہونے کے لئے پڑھ رہا ہے، عادت کے تحت نہیں، ان ہی کے حول و قوت سے پڑھ رہا ہے، ثنا میں حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت و جبروت کا اظہار کر رہا ہے، اور توحید کا اقرار لا اللہ غیرک سے ہو رہا ہے، اب حضوری میں دست بستہ نظر نیچی کئے ذلت و مسکنت کی تصویر بنا کھڑا ہے ازبان پر جاری ہے الحمد للہ، اور دل میں سمجھ رہا ہے، کہ عالم میں کوئی ذات مستحق حمد نہیں، سارے محامد و محاسن کی وہی ایک ذات لاشریک لہ سزاوار ہے، جب ربّ العالمین کہتا ہے تو جانتا ہے، کہ لا ربّ سواہ، ربوبیت اسی کو زیبا ہے، عالم تمام اس کا مربوب ہے، الرحمٰن الرحیم کہتے وقت عالم رجا میں داخل ہوتا ہے، رحمت و کرم کی امید دل میں پیدا ہوتی ہے، جانتا ہے کہ رحمانیت کا تعلق تو ساری کائنات سے ہے، رحیمیت خصوصی شئے ہے، اور مومنین سے مختص کان بالمؤمنین رحیمًا، مالک یوم الدین کہتے وقت عالم خوف کا مشاہدہ کرتا ہے، روز قیامت حق ہے، اور یہ وہ دن ہے، کہ اسکی شان میں فرمایا گیا، یوم لا تملک نفس لنفس شیئًا[3]، اس امید و بیم کی حالت میں عرض کرتا ہے کہ ایاک نعبد حق تعالیٰ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، ذل و افتقار

---

[1] میں اپنے رب کی طرف چلا ہوں وہ میری ہدایت کرے گا [2] دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دیگا [3] جس دن نہ کر سکے کوئی نفس کسی نفس کا کچھ،

کا رشتہ آپ ہی سے جوڑتے ہیں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن، آپ ہی سے استعانت کرتے ہیں، جانتے ہیں کہ لَا فَاعِلَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہ، ھُوَ اللّٰہ سے بالکلیہ اعراض کرکے آپ ہی کی طرف بالکلیہ رجوع ہوتے ہیں، ہم آپکے سوا استعانت کی جہت سے غیر کو کیوں پکاریں جب کہ ہمیں یہ سنا دیا گیا ہو اور ہم نے بھی تجربہ سے اسکی توثیق کرلی ہو کہ آپکے سوا کسی میں حول و قوت نہیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ اسلئے وہ نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر، اس مدح و ثنا و اقرار عبودیت کے بعد التماس و دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ حق تعالیٰ راہ مستقیم کی ہدایت فرمائیے نفس و ہویٰ سے چھوٹیں، آپ کا قرب نصیب ہو، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اہل انعام کی راہ پر چلنا نصیب ہو، جو انبیا و اولیاء کی راہ ہو، یہی اہل انعام ہیں، وَالَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ مغضوبین وضالین کی راہ نہیں جنھوں نے غیر اللہ سے عبادت و استعانت کا رشتہ قائم کرکے ہمیشہ کے خسارہ میں اپنے کو مبتلا کرلیا، اُولٰٓئِکَ ھُوَ الْخَاسِرُوْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَھُمْ"!

× اس حمد و ثنا، التماس و دعا کے ساتھ وہ کلام ربانی کی چند اور آیتیں احکام خداوندی کے معلوم کرنے، تکرار سے ان کو اپنے ذہن میں جمانے، ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں کمانے اور حق تعالیٰ سے سرگوشی کرنے کیلئے پڑھتا ہے، اور پھر فوراً پیشی میں جھک جاتا ہے، گویا اپنے رحمان و رحیم آقا کے پیٹ میں مونڈھی دے دیتا ہے، اس طرح اپنی ذلت کا مزید اظہار کرتا ہے، اسی حالت میں اسکی زبان سے اس کے مولیٰ کی تقدیس و تنزیہ و تحمید جاری ہوتی ہے، اپنی بے مائگی فقر و ذلت کا احساس قلب میں واضح طور پر موجود ہوتا ہے، جب سر اٹھاتا ہے، تو حق تعالیٰ اسی کی زبان سے فرماتے ہیں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اس طرح اس کا مرتبہ بلند کرتے ہیں، جو سر معبود حقیقی کے آگے جھکتا ہے، وہ مخلوق کے آگے جھک نہیں سکتا، وہ سب سے بلند ہوتا ہے، ممتاز ہوتا ہے بے نیاز ہوتا ہے وہ ایک لاقیمت جوہر ہوتا ہے

سچ ہے،

مَنْ رکن الی المولیٰ ومَالَ الیہ احرقہ اللّٰہ بنورہ حتی یصیر جوھراً لاقیمۃ لہٗ [۱] (حدیث)

— اس سرافرازی کے شکریہ مین وہ حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے، اور پیرون پر گر جاتا ہو، پیر پکڑ لیتا ہے، اور اس طرح غایتِ تذلل کا اظہار کرتا ہے، زبان پر آقا کی عظمت و رفعت و علو کا اقرار جاری ہوتا ہے، اس اظہارِ تذلل مین وہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک پاتا ہے، وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ [۲] یہ آنکھ کی ٹھنڈک اسکو اپنے محبوب مولیٰ کے مشاہدہ سے ہو رہی ہے، یہی اس کا کمال ہے، یہی اسکی معراج ہے، الصلوٰۃ معراج المؤمن،

۸ معبود کا نہ صرف غیر محض ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا ہمہ توان یا قادرِ مطلق ہونا بھی لازمی ہے، یہ اپنی لامحدود قوت اور لامتناہی طاقت کی وجہ سے ہماری حفاظت کرتا ہے، ہماری حاجتون کو پوری کرتا ہے، مرادون کو بر لاتا ہے، اس کے اعتصام کے بعد ہمین اسکی نصرت و اعانت کا قطعی یقین ہوجاتا ہے، باشر کے مسئلہ کی توجیہ سے عاجز ہو کر نتائجیہ [۳] (Pragmatists) نے خدا کے ہمہ توان ہونے کا انکار کر دیا، لیکن جو خدا قادرِ مطلق نہ ہو، وہ معبودِ حقیقی کب قرار دیا جا سکتا ہے، جو خود شر پر غالب نہ ہو ہماری مدد کیسے کر سکتا ہے، ہمارا مولیٰ اور نصیر کیسے ہو سکتا ہے، شر کی توجیہ کا یہ موقع نہیں لیکن ہم اپنے معبود کو فعالِ مطلق، ہمہ توان مانتے ہین، افعال و آثار کا مرجع اسی کو قرار دیتے ہیں، حول و قوۃ کا اسی کو مبدء سمجھتے ہین، اسی لئے اس سے استعانت چاہتے ہین، اور اس کے "نعم المولیٰ ونعم النصیر"

---

[۱] جو اپنے مولیٰ کی طرف جھکتا ہے، اور اسکی طرف مائل ہوتا ہے، تو وہ اس کو اپنے نور سے جلا دیتا ہو، یہانتک کہ وہ لاقیمت جوہر ہو جاتا ہے [۲] میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز مین رکھی گئی ہے (نسائی باب عشرۃ النساء)

[۳] زمانۂ جدید کے فلسفیون کا ایک گروہ جن مین ولیم جیمس، ایم جی دلس، برنارڈ شا وغیرہ داخل ہین

ہونے کا یقین رکھتے ہیں، اعتصموا باللہ ھو مولٰکم فنعم المولٰی ونعم النصیر[1] جب قوت صرف اسی کو حاصل ہے، لاقوۃ الا باللہ حرکت کا بھی وہی مبدء ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ تو فعل جو حرکت (یعنی حرکت) وقوت ہی کا نتیجہ ہے، صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے اور ذوات خلق سے اسکی بالکلیہ نفی ہوجاتی ہے، اس حقیقت کے سمجھتے ہی اس کی بصر و بصیرت سے غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے، اور وہ لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللہ[2] کے معنی سمجھ جاتا ہے، غیر اللہ سے استعانت کی نسبت کاٹ کر اسیل عبدی واسلم کا مصداق بنجاتا ہے!

اپنے رب سے استعانت کے طریقے کیا ہیں؟ بصیرت محمدیہ نے جن طریقوں کی تعلیم فرمائی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) اپنی حاجتوں اور مرادوں میں حق تعالیٰ سے دعا کرو، دعا کا حکم ہے، اور اجابت کا وعدہ، ادعونی استجب لکم، حق تعالیٰ جو دمحض ہیں، عطا محض ہیں، ان میں بخل کا شائبہ نہیں، مایوسی ومحرومی ان کی درگاہ سے نہیں تشفی کے لئے فرمارہے ہیں، لاتایئسوا من روح اللہ[3] وہ حکیم بھی ہیں، ان کا ہر فعل حکمت رکھتا ہے، وہ ہمارے خیر کو ہم سے بہتر جانتے ہیں، اگر وہ ہماری کسی دعا کو قبول نہیں فرماتے ہیں تو اسی نہ قبول فرمانے ہی میں ہمارا فائدہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے، منعہٗ عطاءٌ مرد کامل اسی میں ہے، کہ ان کی منع کو عطا جانے کسی عاشق نے اسی جذبہ کے تحت کہا ہے،

اگر مراد تو اے دوست نامرادی ماست مراد خویش دگر بار من نخواہم خواست

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے، لاابالی علی ای حال اصبح علی ما اکرہ اوعلی ما احب لانی لاادری الخیر لایہما[4] حق تعالیٰ خود ہمیں تعلیم فرمارہے ہیں، اور ایک نہایت دقیق نکتہ

---

[1] تمہیں اپنے مولیٰ کا اعتصام چاہئے، وہی تمہارا اچھا مولیٰ ہے، اور اچھا مددگار [2] کوئی ذرہ بغیر اللہ کے حکم کے حرکت نہیں کرتا [3] اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو [4] مجھے اس امر کی پروا نہیں کہ میں کس حال میں صبح کرونگا ایسی

کی تعلیم فرما رہے ہین،

عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ع ۱۰)

اسی نکتہ کو سمجھ کر عارف کہنے لگتا ہے،"ہمہ آن باد کہ او خواہد آن مباد کہ ما خواہیم" اور خواجہ شبلی نے عارف کی تعریف ہی اس طرح کر دی کہ "عارف اوست کہ منع نزد او دوست تر از عطا باشد" یہین سے رضا کا مقام شروع ہو جاتا ہے، جو استعانت کا بلند ترین طریقہ ہے،

بہرحال اگر حق سبحانہ تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت سے بندۂ مومن کی دعا قبول نہین فرماتے تو اس کے قلب کی حفاظت فرما دیتے ہین، مطلوب کی جانب سے خیال پلٹ دیتے ہین، حکایت شکایت، جزع فزع کی طرف مائل نہیں کرتے، رضا کے مقام مین پہونچا دیتے ہین، اور وہ "لکل اجل کتاب" کہکر حق تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے، اجابتِ دعا کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مطلوب تو حاصل نہیں ہوتا، لیکن حق تعالیٰ اسکی دعا کو رد نہیں فرماتے، بلکہ اسکی کسی بلا کو دور کر دیتے ہین، گو اس کو بدل کا علم نہیں ہوتا، ایک آخری صورت یہ بھی ہے کہ مدعا اگر وہ دنیا میں نہیں پاتا، تو آخرت کے لئے یہ ذخیرہ کیا جاتا ہے،

اِنَّ الْعَبْدَ يَرٰى فِيْ صَحَائِفِهٖ يَوْمَ	قیامت کے دن بندہ اپنے اعمال نامے پر وہ
الْقِيَامَةِ حَسَنَاتٍ لَا يَعْرِفُهَا فَيُقَالُ	نیکیان دیکھیگا جن کو وہ نہین پہچانے گا اس سے
اِنَّهَا بَدَلُ سُؤَالِكَ فِي الدُّنْيَا لَمْ	کہا جائیگا کہ یہ اس سوال کا بدل ہین جو تو نے دنیا
يُقْضَ لَكَ فِيْهَا " (حدیث)	میں کیا تھا لیکن تیرے مقدر میں دنیا مین ؟

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴) حالتین جسکو مین پسند نہین کرتا یا ایسی حالت میں جس کو مین پسند کرتا ہون کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے بھلائی کس حالت مین ہے [۵] شاید کہ بری لگے تم کو ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمھارے حق مین، اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمھارے حق مین اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے،

بہرصورت اجابتِ دعا کا وعدہ سچا ہے، لیکن یہ وعدہ مطلق ہے، مقید نہین کہ اسی وقت اور اسی صورت مین پورا کر دیا جائے، جس وقت اور جس صورت مین کہ بندے نے دعا مانگی ہے، فافہم اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائین تو پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا، کہ کیون رسول عربیؐ نے اس دعا کی تعلیم فرمائی تھی :-

اَللّٰھُمَّ اکفِنی کلّ ھمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ وَکَیفَ شِئْتَ وَاَنّٰی شِئْتَ وَمِنْ اَیْنَ شِئْتَ

۲- استعانت کا دوسرا طریقہ اپنے کامون مین حق تعالیٰ پر توکل کرنا ہے، اگر ہمین اس بات کا یقین ہو، محض علم نہیں یعنی تحقق ہو محض تعقل نہین، یا جدید نفسیاتی اصطلاح مین یون کہو کہ اگر یہ بات ہمارے تحت الشعوری نفس مین اتر گئی ہو، کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہین، کرنے والے خود بدولت ہین، افعال و آثار کا مرجع خود ہین، حول و قوۃ کا مبدء خود ہین، اور پھر اس کا بھی تیقن ہو کہ ایمان کے بعد وہ رحیم بھی ہین، "کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا" ولی ہین، "وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْن"، تو ہم اپنے تمام امور ان کے تفویض کرنے مین خوشی سے آمادہ ہو جائین گے، اور اس تفویض کے ساتھ ہی فکر سے آزاد ہو جائیں گے، طمانیت و مسرت سے ہمارے قلوب بھر جائین گے، اور کسی مستِ محبت کے الفاظ مین کہہ اٹھین گے،

وکلت الی المحبوب امری کلّہ فان شاء احیانی وان شاء اتلفا[۱]

توکل اپنی حول و قوۃ سے بری ہونا ہے، اعتصام باللہ ہے، ذوالنون رحؒ نے توکل کی تعریف اسی طرح کی ہے، "التوکّل ترک تدبیر النفس والانخلاع من الحول والقوۃ"[۲] اور سری سقطیؒ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے، "التوکل الانخلاع عن الحول والقوۃ" ان تعریفون کا ماخذ حدیث نبوی: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور قول عزوجل لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ توکل قلبی عمل ہے

---

[۱] مین نے اپنا کام اپنے محبوب کے حوالہ کیا، خواہ اب وہ مجھے زندہ رکھے یا مار ڈالے [۲] توکل اپنے نفس کی تدبیر کو چھوڑنا، اور اپنی حول و قوت سے نکل آنا ہے،

نی قلب مین یقین جا گزین ہو، کہ مجھ مین اور کسی شے مین نہ اثر ہے، نہ قوت ہے، نہ حرکت ہے، مجھ مین ور ہر شے مین اثر و قوت و حرکت حق تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہین، وہ جس طرح میرے خالق ہین، میرے فعال کے بھی خالق ہین، خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ میرے اقتضاء فطرت عین کے مطابق افعال کی تخلیق فرما رہے ہین، میرا اقتضاء میرا اختیار ہے، لیکن فعل کی تخلیق حق تعالیٰ کی جانب سے ہو رہی ہے، اسلئے اسباب قطعیہ کے استعمال و اختیار کا مجھے حکم ہے، حکم کے تحت مین ان کو استعمال کر رہا ہون انتا ہون کہ اگر مجھے اولاد کی خواہش ہو، تو جماع کو ترک نہین کر سکتا، بھوک کی تشفی کے لئے نوالہ کا ٹھانا اور اس کا چبانا اور حلق سے نیچے اتارنا قطعی ضروری ہے، توکل یہان ترکِ عمل و تعطل کا نام ہین، علم و حالت کا نام ہے، قلبی کیفیت کا نام ہے، اس یقین کا نام ہے، کہ ہاتھ مین قدرت، رکت، فعل سب حق تعالیٰ ہی کے حکم سے پیدا ہوئے ہین، ان کی مشیت اور ارادے سے پیدا رتے ہین، وہ چاہین تو نوالہ منہ تک نہ پہونچے، ہاتھ شل ہو جائے، کھانا بھی چھن جائے، نظر ان کے فعل پر ہے فضل پر ہے، اپنے زور بازو پر نہین، کسب پر نہیں، دست بکار و دل بیار! توکل ترک سباب نہین، ترکِ رویتِ اسباب ہے،[۱]

مبادیات کو سمجھ جانے کے بعد رزق کے مسئلہ پر ذرا غور کرو، رزق کا ذمہ حق تعالیٰ نے لیا ہے، وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا[۲] صرف ذمہ داری پر اکتفا نہین کیا قسم بھی کھائی ہے، رف قسم پر اکتفا نہین کیا، مثال بھی بیان کی ہے، وفی السماء رزقکم وما توعدون، فورب لسماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون[۳] (پارہ ۲۶، رکوع ۱) حق تعالیٰ ان لوگوں کو بھی رزق یتے ہین، جو غفلت و معصیت مین مبتلا ہین، فسق و فجور مین چور ہین، پھر جو ان کی اطاعت و رعایت

---

[۱] حضرت شاہ میر تبد رح [۲] اور زمین پر کوئی ایسا چوپایہ نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ پر نہین [۳] اور آسمان ن ہر روزی تمھاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا، سو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی کہ یہ بات تحقیقی ہو جیسے کہ تم بولتے ہو

کرتے ہوں، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہیں، ا دیکھو جو درخت بوتا ہے، وہی سینچتا بھی ہے، اخلقہ
مدد دیتا ہے، جو ان کا خالق ہے، مخلوق کے لئے یہ بات کافی ہے، کہ ان کا خالق ان کو کافی ہے
بکافٍ عبدہ کا ایجاد ان سے ہے، دوام امداد بھی ان ہی سے ہے، تخلیق ان سے ہوئی، رزق کا
بھی ان کے ذمہ ہے، ا اسکی مثال انسان اپنے نفس میں پاتا ہے، یہ جب کسی کو گھر پر دعوت
ہے، تو ان کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتا ہے، حق تعالیٰ نے جب ہمیں اپنی مشیت و ارادے
پیدا کیا ہے، تو رزق کی ذمہ داری بھی انہی پر ہے، ا انہی کے خوانِ کرم سے ہمیں برگ و نوا
ہے، حق تعالیٰ ہمارے مولیٰ ہیں، آقا ہیں، ہم ان کے عبد ہیں، غلام ہیں، اب آقا پر غلام کا
ضروری ہے جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اگر ہم ان کے ہو رہیں انکے
کسی کی عبادت کریں، نہ کسی سے حاجت و مراد برآری چاہیں، تو کیا یہ ممکن ہے وہ اپنا حق ادا نہ
اسکی بشارت اس آیۂ کریمہ میں دے رہے ہیں،:

من یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا و	جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے
یرزقہ من حیث لا یحتسب و	راستہ نکالتے ہیں اور ایسی جگہ سے رزق فراہم
مَنْ یتوکل علی اللہ فھو	کرتے ہیں جہاں کسی کا سان گمان بھی نہیں ہوتا،
حسبہ،	جو اللہ پر توکل کرتا ہو اللہ اسکے لئے کافی ہے،

رزق کا وعدہ قطعی صرف ہمیں اپنا حقِ عبادت و عبودیت ادا کرنا ہے، پھر نا ممکن ہے
ہمیں اپنے گھر بلائیں، اور پھر ہمیں اپنے احسانات سے محروم رکھیں، وجود بخشی کریں اور پھر مدد نہ کر
ہست کریں اور اپنے کرم سے محروم رکھیں، اپنا حق (عبادت) ہم سے طلب کریں اور ہمارا
(رزق) ہمیں نہ دیں ۵۲ وہ کریم ہیں ان سے معاملہ کرکے ان کی خدمت ادا کرکے کون خسارہ میں ر

---

۵۱ مثالیں ابو العطا اسکندری ؒ کی ہیں ۵۲ " "

"مَنْ ذالذی سالك فحرمته ام الجا الیك فاهملته او تقرب الیك فابعدته

او هرب الیك فطردته"[1] (از اسبوع حضرت غوث اعظمؒ)

اسی خیال کے تحت کسی عاشق نے کہا ہے، گمان تو انیست کہ از رزق چارہ نیست اما رزق

راز تو چارہ نیست ؂

بد نبال روزی چہ باید دوید،
تو بنشیں کہ روزی خود آید پدید،

ایک دوسرے عاشق نے اسی خیال کو یوں ادا کیا ہے ؛

پس توکل کن ملرزاں پا و دست ۔۔۔ رزقِ تو بر تو ز تو عاشق تراست!

بہرحال اتباعِ نبوت اسی میں ہے کہ رزق کی طلب میں کوشش کریں لیکن "اجملوا فی الطلب"[2] کو

پیش نظر رکھیں اور یاد رکھیں کہ ہماری طلب رزق کے حصول کا مستقل سبب یا قطعی علت نہیں، شاہ

عبدالحق محدث دہلوی رح شارح فتوح الغیب نے مسئلہ کو اجمالاً خوب ادا کیا ہے "بعد از طلب می یابی اما

نہ بطلب می یابی" یہی مفہوم اس شعر میں ادا ہوا ہے :

بجستجوے نیابد کسے مراد دلی ۔۔۔ کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد،

شعر کا مطلب یہ ہے کہ جستجو کو مراد یابی کی مستقل علت قرار نہ دینی چاہئے، کیونکہ معاملہ فضل

پر منحصر ہے، ہاں جستجو ضرور کیجائے، عادت الٰہی یہی ہے، کہ حرکت میں برکت دیتے ہیں،

استعانت کا تیسرا طریقہ مصیبتوں میں صبر کرنا ہے،

---

[1] وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا، اور تو نے اس کو محروم رکھا، یا تجھ سے ملتجی ہوا، اور تو نے اس کو بے کار چھوڑا، یا تجھ سے ملاپ چاہا اور تو نے اس کو دور کر دیا، یا تیری طرف دوڑ کر آیا اور تو نے اس کو دھتکار دیا [2] یعنی دنیا کمانے میں دل توڑ کر کوشش نہ کرو،

دنیا دارالحزن ہے، دارالمحن ہے، سجن (قید خانہ) غم کی وادی ہے، شیطان کی دکان[۱] جس میں سوا شر و فساد کے کچھ نہیں،

اُفٍ للدنیا وایامھا	فانھا للحزن مخلوقۃ[۲]
ھمومھا لا تنقضی ساعۃ	عن ملک فیھا و سوقۃ

درویش ہو کہ شاہ، امیر ہو کہ گدا سب غم و ہم میں مبتلا ہیں، ہدف بلا ہیں، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ[۳] چونکہ حق تعالیٰ ہی ہماری غم سے آزمایش کرتے ہیں، مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، رلاتے اور ہنساتے ہیں وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی مارتے اور جلاتے ہیں، وَاَنَّہٗ ھُوَ اَمَاتَ وَاَحْیٰی، اور غنی کرتے اور فقیر کرتے ہیں وَاَنَّہٗ ھُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی اسلئے حق تعالیٰ ہی ہمیں مصائب سے بچنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، اور وہ طریقہ صبر ہے کیا حکیمانہ ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"

ایمان والو موجودہ مصائب پر صبر کرو، دوسروں کے ساتھ صبر و استقلال سے کام لو (صَابِرُوْا) اور ایسے کاموں میں ثابت قدم رہو جس کا وقت ابھی نہیں آیا (رَابِطُوْا)[۴] اور اللہ سے ڈرو اسی میں تمھاری فلاح و بہبودی ہے، یہی نجاح کا راستہ ہے، صرف صبر اور حق تعالیٰ ہی کے حکم پر وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ اور حق تعالیٰ ہی کے لئے وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہاں صرف صبر کرنے ہی سے مصائب کی برداشت سہل ہو جاتی ہے، غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں، فکر کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اسباب کی راہ سے اگر

---

[۱] قول یحییٰ بن معاذ[۲] دنیا اور ایام دنیا پر افسوس ہے، کہ وہ حزن و غم کے لئے بنائی گئی ہے اسکے غم ایک گھڑی کے لئے ختم نہیں ہوتے، خواہ بادشاہ کے لئے ہوں یا بازاری آدمی کے لئے [۳] ہم نے انسان کو سختی میں پیدا کیا الآیۃ [۴] رباط کے معنی اعداء کے مقابلہ میں گھوڑے باندھنے کے ہیں، یعنی مورچہ بندی اور ظاہر ہے کہ مورچہ بندی حفظ ما تقدم کے لئے ہوتی ہے۔" (مولانا اشرف علی تھانوی)

انسان مصائب کو دور کرنا چاہے، غم سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہے، اور راحت کی امید باندھے، تو سوائے حسرت و یاس کے کچھ نہیں ملتا، مولانائے روم نے اسی چیز کو کس خوبی سے ادا فرمایا ہے

گر گریزی بامید راحتے، ہم ازاں جا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست!

حق تعالیٰ سے اگر محبت ہو، اور مصیبت کو ان ہی کی طرف سے دیکھے، تو مصائب کا آسان ہونا ضروری ہے، اسکی مثال یوں سمجھو کہ تم ایک تاریک کمرے میں ہو، کوئی چیز تمھیں آلگی، اور تم تڑپ اٹھے تمھیں معلوم نہیں کہ مارنے والا کون ہے، جب تم نے چراغ منگوایا اور دیکھا کہ یہ تو تمھارا شیخ ہے، یا باپ ہے، یا کوئی ایسی عزیز، محبوب ہستی ہے، جس سے تم کسی صورت میں آزار کی توقع نہیں کر سکتے تو تمھارا یہ جاننا بیشک تمھاری تسلی اور صبر کا باعث ہوگا، کیونکہ تم اس تکلیف میں بھی دقائق لطف کا معائنہ کروگے،[1] اسی طرح وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ میں حق تعالیٰ اپنے بندۂ خاص سے بطریق منت فرما رہے ہیں، کہ اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی کے لئے اس کے حکم و بلا پر صبر کر، کیونکہ ایمان کی حلاوت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک کہ تیر بلا کا ہدف نہ بنے، ع

من ساختہ جاں را ہدف تیر بلا یست!

اگر تم کو حق تعالیٰ کے بیحد مہربان، رحیم اور ودود ہونے کا یقین ہو جائے، اِنَّ اللهَ بِکُم لَرَؤُفٌ رَّحِیمٌ پر ایمان ہو، کَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِیمًا پر اذعان ہو، اور وَاللهُ ذُو الفَضلِ العَظِیمِ پر ایقان قائم ہو جائے، تو پھر تم اپنے دکھ درد کو پوشیدہ رحمت سمجھو گے! مثالوں سے اس نکتہ کو سمجھو، مشفق باپ اپنے بچے کو پچھنے لگاتا ہے، لیکن دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا، فاسد خون جو اس کے بدن میں زہر ہے، آسان طریقہ سے نکال رہا ہے! ماں اپنے چھوٹے بچے کو غلیظ دیکھنا نہیں چاہتی، صابون اور گرم پانی سے

---

[1] یہ مثال ابو العطا اسکندری نے دی ہے، تعبیر میں بیان استعمال کی گئی،

اسکو نہلاتی، اسکے جسم کو رگڑتی اور مالش کرتی ہے، بچہ چیختا چلاتا ہے، دکھ محسوس کرتا ہے لیکن ماں کا مقصد آزار پہنچانا نہیں ہوتا، تمھارا خیرخواہ طبیب تمھیں ایارج دیتا ہے، اور تم اسے ناپسند کرتے ہو لیکن اگر وہ تمھارے اختیار کا اتباع کرے تو شفا تم سے کوسون بھاگے،! اگر تم کو کوئی ایسی چیز نہ دیجائے جس پر تمھارا دم نکل رہا ہو، اور تمھیں یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے، کہ یہ نہ دینا عین شفقت و مہربانی کے باعث ہے، تو تم کہوگے کہ یہ نہ دینا ہی میرے حق میں دینا ہے،! شیخ ابو الحسن شاذلی نے کیا خوب فرمایا ہے "جان لو کہ اگر حق تعالیٰ تم کو کوئی چیز نہیں عطا فرماتے، تو ان کا یہ نہ دینا بخل کی وجہ سے نہیں، بلکہ عین رحمت ہے، ان کا نہ دینا ہی دینا ہے، لیکن نہ دینے مین دینا وہی سمجھتا ہے، جو صدیق ہے، عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا[1] میں اسی راز کی طرف اشارہ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدائد پر بھی اسی طرح شکر فرماتے، جس طرح کہ نعمتون پر" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا یَسَاءُ وَ یَسُرُّ[2] صرف ایمان کی ضرورت ہے، اور شدتِ حب کی، ہر مصیبت کے وقت حق تعالیٰ کی جو تجلی ہوتی ہے، مومن کو اس تجلی مین ایسی حلاوت نصیب ہوتی ہے کہ وہ سختی غم کو آسانی سے جھیل لیتا ہے، اور اکثر اوقات غلبۂ تجلی سے اسکو دکھ بھی نہیں محسوس ہوتا، یہ بات اگر تمھاری سمجھ میں نہ آرہی ہو تو زلیخا پر طعنہ کرنیوالی حسین بیبیون کے حال پر غور کرو، یوسف کے ہوش ربا جمال سے وارفتہ ہوکر انھون نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، اور خبر بھی نہ ہوئی، کہ وہ کیا چیز ہے، فَلَمَّا رَاَیْنَہٗ اَکْبَرْنَہٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ[3] زبانِ حال سے وہ کہہ رہی تھین، ؎

این است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر است کسے را!

شاید یہی معنی ہین عرفا کے اس قول کے کہ "انس قرب سے ادراکِ الم مفقود ہو جاتا ہے۔"

---

[1] شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ نے اس مین خیر کثیر رکھی ہو [2] شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اس چیز پر جو بری معلوم ہو اور جو خوش نظر آئے [3] پھر جب دیکھا اسکو ششدر رہ گئین، اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ،

ایمان اور محبت میں پختہ ہونیکے بعد تم کو بیماریوں، بلاؤں، فاقوں میں وہ اسرار لطف ورحمت نظر آنے لگیں گے، کہ تم کہہ اٹھو گے کہ رسول اللہ ؐ نے سچ فرمایا، حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات[1] بلاؤں اور مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے، ذلیل وخوار ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، ان سے ربط قائم کرلیتا ہے، اور سبھوں سے ٹوٹ جاتا ہے، خلق سے فانی ہو جاتا ہے، غم سے زیادہ مؤثر سیرت سازی کے لئے کوئی اور شے نہیں، غم ہی کے ذریعہ نفس کی خامیاں دور ہوتی ہیں، قلب کا تزکیہ ہو جاتا ہے، روح کا تجلیہ ہو جاتا ہے، بلا وغم کی وجہ سے اگر تم نے اپنے امراض قلبی کا معالجہ کرلیا، نفس کی تطہیر میں کامیابی حاصل کرلی، ایمان اور عمل صالح سے مزین ہو گئے، ربط حق قائم کرلیا، استقامت پیدا کرلی، تو یاد رکھو کہ غم نے تمہیں "فوز عظیم" کے حاصل کرنے میں مدد دی، اور ایسے غم پر ہزاروں خوشیاں قربان ہیں، وہ خوشیاں جن کی وجہ سے تم شہوتوں میں گرفتار تھے، ہوا وہوس کے شکار تھے، ظلمتوں میں گھرے ہوئے تھے، اور نور سے دور تھے، حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی ربط نہ تھا، شیطان تمہارا قرین تھا، تم پر مسلط تھا، اور اس وعید کے تم مصداق تھے:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ[2]

بلا کے اسی فلسفہ سے واقف ہو کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا، کہ افضل عیش (بہترین زندگی) ہم نے صبر میں پائی حضرت ابوبکر صدیقؓ بیمار ہوئے، لوگوں نے عیادت کی، اور کہا کیا ہم طبیب کو بلائیں، ؟ فرمایا طبیب نے مجھے دیکھ لیا، کہا کہ پھر کیا کہا؟ فرمایا کہ یہ کہا ہو کہ انی فعال لما ارید[3] معروف کرخیؒ فرمایا کرتے تھے: لیس بصادق فی دعواہ من لم یتلذذ بضرب مولاہ جو اپنے مولا کی ضرب سے متلذذ نہیں ہوتا، وہ سچا غلام نہیں اپنے دعوائے عبودیت میں صادق نہیں، بعض عارفین

[1] جنت ناگوار باتوں سے گھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں، اور دوزخ شہوتوں (خواہشوں) سے گھری ہوئی ہے،
[2] اور جو کوئی آنکھ چرائے رحمٰن کی یاد سے، ہم اس پر مقرر کر دیں ایک شیطان، پھر وہی رہے اس کا ساتھی،
[3] میں وہی کرتا ہوں جو میں چاہوں،

کی جیب میں یہ لکھا رہتا تھا، واصبر لحکم ربک فانک باعیننا مصیبت کے وقت اس پر نظر ڈالتے اور محض اس خیال سے کہ حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہیں، دیکھ رہے ہیں، جھومتے رقص کرتے،! رسول اللہؐ نے اس آیت پر وجد فرمایا تھا، اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ آپکے پاؤں پر گر گئی تھیں، اسی لئے سلف کے بعض بزرگ تعزیتِ مصاب یوں کیا کرتے تھے، اصبر لحکم ربک اسکے ساتھ اس قول نبوی صلعم کا سنا دینا بھی مومن کی خاص تسلی کا باعث ہوگا،

اذا احب اللہ عبداً ابتلاہ		جب اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسکو
فان صبر اجتباہ وان رضی	ترمذی	مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اگر وہ صبر کرے
اصطفاہ"		تو اپنا پسندیدہ اور راضی رہے تو برگزیدہ

اب ایک کلی نفسیاتی قانون پر غور کرو، انسان کے لئے مصیبتوں اور آفتوں کا برداشت کرنا اس وقت کسی قدر آسان اور سہل ہوتا ہے، جب اس کو کسی اچھے بدل کی توقع ہوتی ہے، مثلاً اگر میں اپنے وطن سے دور، اہل و عیال سے بچھڑ کر کسی جگہ تمام دن محنت و مشقت میں گزار رہا ہوں تو واقعی میرے لئے یہ ایک مصیبت ہے، لیکن میں اس کو مصیبت نہیں سمجھتا، کیونکہ مہینے کے ختم پر مجھے اس کا معاوضہ معقول تنخواہ کی صورت میں مل جاتا ہے، یہ میرے غموں کو بھلا دیتا ہے، میرے زخموں کے لئے مرہم کا کام دیتا ہے،! اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر ان وعدوں اور بشارتوں پر غور کرو جو قرآن کریم میں اس شخص سے کیجا رہی ہیں، جو مبتلائے مصیبت ہے، اور صبر کر رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں صبر ہی میں رکھی ہیں!

امام احمد رضی اللہ عنہ کی تحقیق ہے، کہ قرآن میں صبر کا ذکر نوے جگہ آیا ہے! ہم یہاں چند ان بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں، جو صابر کے حق میں آئی ہیں، اگر وہ ان کو پیش نظر رکھے، ان پر یقین

لہ اور اپنے رب کے حکم پر صبر کر کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

ازعان کے ساتھ تفکر کرے تو چیخ اٹھے، کہ بلا از دوست عطاست واز عطا نالیدن خطا است!

صبر سے ہم حق تعالیٰ کے محبوب بنتے ہین اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ[۱]، اور جو حق تعالیٰ کا محبوب ہو
س کو کس چیز سے حُزن ہوسکتا ہے، اور کس چیز سے خوف؟ صابر کو حق تعالیٰ سے معیت نصیب ہوتی ہے
نَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ[۲]، اور یہ معیت سو کھی معیت نہین جس کے ساتھ حق تعالیٰ ہون وہ کیسے ذلیل
ہوسکتا ہے، کیسے مقہور ہوسکتا ہے، خلق اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے،؟ لَا طَاقَةَ لِلْمَخْلُوْقِ مَعَ قُدْرَةِ الْخَالِق!
بر ہی سے امامت و پیشوائی نصیب ہوتی ہے، وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
لق کی ہدایت کا منصب سپرد ہوتا ہے، صابر کے لئے اس کا صبر اعدا کے مکر و فریب کے مقابلہ مین ایک
بردست سپر ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا[۴]، بالآخران پر غالب ہونا اس
کے لئے یقینی ہے، فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ[۵]، اس کا اپنے مطلب پر فائز ہونا ضروری ہے، وَتَمَّتْ
لِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا یعنی تیرے پروردگار نے جو وعدہ بنی اسرائیل
کے ساتھ کیا تھا یعنی دشمنون سے نجات اور ملک و حکومت کے عطا کرنے کا وعدہ صبر ہی کی وجہ
سے ایفا ہوا، صابرین کے لئے غیر محدود اجر کا وعدہ ہے، اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَاب، سلیمان بن قاسم نے کہا ہے، کہ ہر عمل کا ثواب معلوم ہے، مگر صبر کا اجر "بغیر حساب" ہونیکی وجہ
سے نامعلوم و ناقابل علم! حق تعالیٰ نے صابرون کے لئے اپنی رحمت، ہدایت اور صلوٰۃ یکجا جمع کر دی
ہین، اور یہ اکٹھے ان کے سوا کسی اور کو نہیں دیئے وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ
قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَ

۱؎ اللہ صبر کرنے والون کو دوست رکھتا ہے ۲؎ اللہ صبر کرنے والون کے ساتھ ہوتا ہے ۳؎ اور کئے
ہم نے ان مین سے پیشوا جو راہ بلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے ۴؎ اگر تم صبر کرو اور اللہ
سے ڈرو تو ان کے مکر سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہونچیگا ۵؎ پس صبر کرو کیونکہ متقین کا انجام نیک ہوتا ہے،

اولٰئک ھم المھتدون[۱]

اگر ورد، گریز پا، سریع الزوال، فانی درد صبر کے ساتھ برداشت کرلیا جائے (اور اسکی برداشت ناممکن بھی نہین کیونکہ ناقابل برداشت تکلیف کسی کو دی بھی نہیں جاتی) تو دیکھو اسکے معاوضہ مین کیا مل رہا ہے، ؟ کن چیزون کا وعدہ ہو رہا ہے، ؟ اور کون وعدہ کر رہا ہے، ؟ کس کی زبانی وعدہ کیا جا رہا ہے، ؟ اگر تمھارے قلب مین ایمان کی شمع روشن[۲] ہے، اگر وہ "غلاف" مین نہین باندھ دیا گیا ہے، اوندھا نہین ہوگیا ہے، اگر وہ ادراک کی قوت رکھتا ہے، اور ان حقائق کا ادراک کر رہا ہے، تو کیا درد اس کے لئے ایک نعمتِ بے بہا نہیں کیا وہ اس سے متلذذ نہیں ہوگا اس کا مشتاق نہ ہوگا، اور فرطِ اشتیاق مین یہ چیخ اسکی زبان سے نہین نکلیگی،

زہر غم دوست جز شکر نیست — این تیر نصیب ہر جگر نیست!
بد کے دہد آن حبیب جانی — شیرین بود انچہ تلخ می دانی!

اب غور کرو اس حدیث کے مفہوم پر:

یتعاھد اللہ عبدہ بالبلاء	حق تعالیٰ اپنے بندے کی بلا کے ذریعہ
کما یتعاھد الوالد الشفیق	خبرگیری کرتے ہین، اسی طرح جس طرح کہ
ولدہٗ "	مہربان باپ اپنے بچہ کی خبرگیری کرتا ہے،

---

[۱] اور بشارت دو صابرین کو جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہین کہ ہم اللہ ہی کے ہین، اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والے ہین، یہ وہ لوگ ہین جن پر ان کے پروردگار کے صلوات ہین، اور رحمت اور یہی ہدایت یافتہ ہیں،

[۲] ابوسعید سے مرفوعًا روایت ہے کہ دل چار طرح کے ہوتے ہین، (۱) اجرد (برہنہ) اس میں چراغ سا جلتا ہے یہ مومن کا دل ہے (۲) اغلف جسکو غلاف مین باندھ دیا گیا ہے یہ کافر کا دل ہے (۳) منکوس (اوندھا) یہ خالص منافق کا دل ہے (۴) مصفح وہ دل جس مین ایمان و نفاق دونون موجود ہین یعنی زبانی ایمان کا دعویٰ اور دل مین اسکا یقین نہین،

صحابۂ کرام کے یہی ادراکات تھے، اور انہی کی قوت سے انھون نے اپنا سارا تن من دھن اسلام کی راہ میں قربان کر دیا تھا، رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ

صبر کا ادب یہ ہو کہ زبان کو شکوہ شکایت سے روکا جائے، سوائے حق تعالیٰ کے اپنی مصیبت کا کسی سے گلہ نہ کیا جائے، انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ!

دردم نہان بہ ز طبیبان مدعی

باشد کہ از خزانہ غیبم دوا کنند

غور تو کرو کہ مخلوق سے شکوہ کرنے کے کیا معنی ہین، یہی نہ کہ ایک رحیم و کریم ذات کا ایک غیر رحیم و غیر کریم ہستی سے شکوہ کیا جا رہا ہے،! ایسا شخص کبھی حق تعالیٰ کی اطاعت کی حلاوت اپنے دل مین نہ پائے گا،! راس صبر یہ ہے کہ مصیبت کو چھپایا جائے، مَنْ کنوز البر کتمان المصائب وما صبر من بث[۱] (حدیث انسؓ مرفوعاً) لیکن مصیبت مین یا درد کی حالت مین زبان سے ہائے وائے نکل جانے تو یہ منافی صبر نہیں، بشرطیکہ ان سے شکوہ شکایت مقصود نہ ہو، اور محض استراحت منظور ہو، کیونکہ کراہنے سے توجہ درد کی جانب سے ہٹ کر اس مین ایک قسم کی کمی محسوس ہوتی ہے، اسی لئے "انین" (نالہ) کی دوسری قسم کے متعلق حکم ہے، کہ "لا یکرہ ولا یقدح فی الصبر" یعنی صبر کے منافی نہیں، اور پہلی قسم کو بروایت امام احمدؒ قادح صبر قرار دیا گیا ہے،

بلا اور مصیبت کے وقت صبر کے معنی یہی ہین، کہ توافق بالقضا کیا جائے، گو فطری طور پر درد و حزن ہو رہا ہو اور ہو گا کیسے نہیں، یہ تو اقتضائے بشریت ہے، انسان کامل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیمؑ کے انتقال پر فرما رہے تھے، انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون (تیرے فراق نے

ؔ مین تو کھوتا ہون اپنا اضطراب و غم اللہ کے سامنے [۱] نیکی کا خزانہ مصائب کے چھپانے مین ہی، جس نے اپنے مصائب کو ظاہر کر دیا، اس نے صبر نہیں کیا،

اسے ابراہیم میں مخزون کر رکھا ہے، لیکن عقلی صدمہ، نہ ہونا چاہئے یعنی اس مصیبت کے واقعہ کو بے محل اور قبل از وقت خیال نہ کیا جائے، اس کے ساتھ توافق کیا جائے، زبان پر ہو، ہرچہ آن خسرو کند شیرین بود، اور دل میں یہ خیال ہو، جہان دار داند جہان داشتن، اب حکم کے تحت اسبابِ قطعیہ کا استعمال جائز ہو بلکہ ضروری ہے، اور انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بغیر چارۂ کار اختیار کرنے کے خاموش نہیں رہتی، لیکن اسباب کے استعمال میں نظر اسباب پر نہ ہو مسبب پر ہو تو اسباب میں اثر پیدا کرتا ہے، علاج کا یہ طریقہ استعمال کیا جائے، اس کے تمام اجزاء کو سمجھ کر ان کی پابندی کیجائے، تو رفتہ رفتہ رضا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، جو راحت کبریٰ ہے، دنیا میں جنت عالیہ ہے!

— استعانت کا چوتھا طریقہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے،

انسان کی زندگی میں غم بھی ہے اور خوشی بھی، رنج بھی ہے اور راحت بھی، ظلمت بھی ہو اور نور بھی، قنوطیہ نے اپنی کوری عقل سے دنیا کے مبدء ہی کو شر قرار دیا، اور بالآخر ہمہ شیطنت (PANDIA BOLISM) کے نظریہ کے حامی بن گئے، ان کے تجربہ میں یہ دنیا بدترین دنیا ثابت ہوئی، سوائے غم و حزن کے کوئی شی انھیں حقیقی نظر نہ آئی، اس کے برخلاف رجائیہ نے اس دنیا کو بہترین دنیا قرار دیا، غم و الم ان کی رائے میں محض منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ہیں، تضاد سے لذت کی کیفیت میں اشتداد پیدا کرتے ہیں، حقیقی نہیں اعتباری ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا میں غم بھی حقیقی ہے، اور خوشی بھی حقیقی، ان میں سے کسی ایک کو التباس قرار دینا خود کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے، حقیقت سے چشم پوشی کرنا ہے، اسکی تصدیق ہر شخص اپنے تجربہ سے ہر روز کرتا ہے، وہ نہ بلا کو قائم پاتا ہے نہ نعمت کو، ہر دو رسے گزر رہا ہے، خوشی کے احساس کا انکار کر سکتا ہے، نہ غم کے ادراک کا، بلا و نعمت کا پایا جانا ان کا محسوس ہوتا ہے اور ہمیں

بار کلےؒ کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے، کہ موجود ہونا دراصل محسوس ہونا ہی ہے، (Esse est percipi or To be is to be perceived) بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء جلالی بھی ہین اور جمالی بھی اور یہ ہر وقت مصروف عمل ہیں، ایک لحظہ کے لئے معطل اور بے کار نہیں، خیر و شر، رنج و راحت، لذت و الم، نعمت و بلا انہی کی تجلیات کا نتیجہ ہین، اور حقیقی ہین،

انسان کی یہ فطرت ہو کہ وہ بلا سے نجات چاہتا ہے، اور نعمت مین اضافہ، بصیرتِ محمدیؐ نے دونون کے لئے قلبی طریقے بتلائے ہین، بلاؤن مین صبر اور نعمتون مین شکر، قلبِ انسانی مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہین، اس کو ایک طرف تو نالہ، فریاد، ماتم، سینہ کوبی، یاس و تنوط سے نجات دیتے ہین، اور دوسری طرف کبر، عجب، فخر، غرور، تبختر سے چھڑاتے ہین، ان سلبی و مضر جذبات سے نجات پا کر وہ قوت ہمت اور عمل کا مخزن بن جاتا ہے، اور اس کیلئے کائنات کی تسخیر آسان ہو جاتی ہے، اسکی توانائیان رائگان نہیں جاتین، صحیح جانب لگ جاتی ہین، اور ایک نقطہ پر مرکوز ہو کر حیرت انگیز نتائج پیدا کرتی ہین، مصیبت میں صرف اتنی احتیاط ضروری ہے، کہ ارادہ بالکل شکستہ نہ ہو جائے، ہمت بالکل ٹوٹ نہ جائے، بلا کا بہادری سے مقابلہ کیا جائے حواس بجا ہون، یہی چیز صبر سے حاصل ہوتی ہے، اور نعمت میں خطرہ اس بات کا لگا رہتا ہے، کہ وہ حق تعالیٰ کو بھول نہ جائے، جو تمام حسنات و محامد کا منبع ہین، اور اس طرح اس منبع سے دور نہ ہو جائے، اور ظلمتون مین گرفتار نہ ہو جائے، شکر سے یہ خطرہ رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نعمت کو حق تعالیٰ کی جانب سے دیکھا جائے، اپنی ذات یا خلق کی طرف اسکی نسبت نہ کیجائے، کیونکہ دراصل حق تعالیٰ ہی "ضار" ہین، اور "نافع"، نفع و ضرر انہی کے دستِ قدرت میں ہین

لہ تصوریت کا بانی اٹھارھوین صدی مسیحی کا ایک نہایت ذہین اور تیز فہم فلسفی (۱۶۸۵ء تا ۱۷۵۳ء) مادہ کے وجود ہی سے انکار کیا، کائنات غیر مادی روحانی شئی ہے اور محض نفوس یا ارواح کی جماعت پر مشتمل ہو؛

گو حواس کی نگاہ کو یہی نظر آتا ہے، کہ نعمت خلق ہی کے ہاتھ سے پہونچ رہی ہے، لیکن چشم بصیرت جانتی ہے، کہ یہ محض بمنزلہ اسباب و آلاتِ نعمت ہیں، قاسم، مجری و فاعل و مسبب حق تعالیٰ ہی ہیں، وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ؛ جب انسان اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اُسکی نعمتوں میں اضافہ کرتے ہیں، یہ اُن کا قطعی وعدہ ہے، کسی استثنار کی گنجایش نہیں، لئن شکرتم لازیدنکم[1] اجابتِ دعا، رزق و غنا، توبہ و مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہے، لیکن شکر کے عوض زیادتی نعمت کا حصول بلا تخلف ہے، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَنْ نَزَلَتْ اِلَیْہِ نِعْمَةٌ فَلْیَشْکُرْھَا "جس کسی پر نعمت کا نزول ہو، اسکو چاہئے، کہ شکر ادا کرے"

سید مرسلان و مرسل راز ۔۔۔ داد فرمان نیشکر نعمت و ناز،

گل نعمت برائے ہر کہ شگفت ۔۔۔ شکر آن روز و شب بباید گفت؛

اسی عظیم الشان صداقت کو جس پر نعمتوں کا بقا منحصر ہے، افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نفسیانی طریقہ سے ادا فرمایا ہے،

النِّعْمَةُ وَحْشِیَّةٌ قَیِّدُوْھَا بِالشُّکْرِ، ۔۔۔ نعمت ایک وحشی جانور ہے، شکر کی زنجیروں سے اسکو باندھ رکھو،

خاتمِ ملکِ وحی و خاتمِ دین ۔۔۔ شکر فرمود بر نحیف و سمین،

باز نعمت چو ہست وحشی را ۔۔۔ صید از قید شکر کن او را،

چون گذاری تو شکر، نستیزد ۔۔۔ ور شوی ناسپاس بگریزد،

نفسیات کا یہ ایک مسلمہ قانون ہے، کہ انسان کو جب نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، لیکن چند روز بعد یہ نعمت اپنی مانوسیت کی وجہ سے اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے، اب اس میں کوئی

---

[1] اگر تم شکر کرو تو یقیناً ہم (نعمتوں میں) اضافہ کرتے ہیں۔

ندرت باقی نہیں رہتی، اس کے وجود سے اس کو کوئی خاص فرحت اپنی زندگی مین محسوس نہین ہوتا، اور باوجود ناز و نعم مین گھرے ہونیکے وہ ضیق محسوس کرتا ہے لیکن اگر یہ مفقود ہو جائے، یا ہاتھ سے چھین لیجائے تو اب اسکو اسکی قدر ہوتی ہے، قدر نعمت بعد زوال اسی صداقت کا اظہار ہے، علاوہ ازین احساس نعمت کا مفقود ہونا گویا نعمت ہی کا مفقود ہونا ہے، اگر نعمت سے مجھے خوشی نہ ہو، کوفت ہو تعب ہو تو یہ میرے لئے نعمت نہین زحمت ہے، ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد تمھین معلوم ہوگا کہ ازدیادِ نعمت مین شکر کا کتنا دخل ہے، نعمت کے شعور سے نعمت کا بقا ہے، شعور کا فقدان نعمت کا فقدان ہے، اسی لئے احساسِ نعمت کو زندہ رکھنا چاہئے، اور یہی چیز شکر سے حاصل ہوتی ہے، حضرت حسن بصری شکر کو "جالب" "حافظ" کہتے تھے، کیونکہ وہ موجودہ نعمتون کی "حافظ" اور مفقود نعمتوں کی "جالب" ہے، شکر سے نعمت سلب و نقصان سے محفوظ ہوجاتی ہے، اور چونکہ شعور مین نعمتون کے ادراک کی قوت پیدا ہوجاتی ہے، وہ ان چھوٹی چھوٹی عنایتون کا بھی مشاہدہ کرنے لگتا ہے، جو اس کے قبل نظر سے پوشیدہ تھین اسلئے ہم کہہ سکتے ہین، کہ شکر سے نعمتون مین قطعی اضافہ ہوتا ہے الشاکرُ یَسْتَحِقُّ المزید (شاکر زیادتی کا مستحق ہے) ایک نفسیاتی صداقت ہے، اسی لئے ہمارے اسوۂ حسنہ کو جب بھی کوئی امر خوشی کا پیش آتا، تو شکر الٰہی کی ادائی کے لئے سجدہ مین گرجاتے

(رواہ احمد)

انسان کی کچھ عجیب فطرت ہے نعمتون کو بہت جلد بھول جاتا ہے، اور مصیبتون کا ہمیشہ شکوہ کرتا رہتا ہے، کسی عرب شاعر نے اس پر خوب تہدید کی ہے،

یا ایھا الظالم فی فعلہٖ والظلم مردود علی من ظلم[۱]

---

[۱] اے اپنے فعل مین ظلم کے روادار رکھنے والے تجھے معلوم ہے کہ ظلم ظالم پر لوٹ کر آتا ہے، کب تک اور کتنا تک تو مصیبتون کا شکوہ کرتا رہے گا، اور نعمتون کو بھلاتا جائے گا؟

الیٰ متیٰ وحتّٰی متی تشکو المصیبات وتنسی النعم

ذرا ہمیں اپنی اُن نعمتون کو دہرانا چاہئے جن کی طرف ہماری نظر نہیں جاتی، پہلے "نعمت نفع" کو لیجئے، پھر "نعمت دفع" کو، دونون بیشمار ہین، "نعمت نفع" میں آدمی اپنے صحیح وسالم قد وقامت پر نظر کرے صحت وعافیت پر غور کرے، ان لذتون کا خیال کرے جو کھانے پینے اور جنسی خواہشون کی تکمیل مین اس کو میسّر ہین، "نعمت دفع" کے سلسلہ مین یہ دیکھے کہ وہ اپا ہج نہیں ہزارون بیماریون سے محفوظ ہے، دشمنون اور مخالفون کے شر سے مامون ہے، صاحبِ ایمان پھر نعمت کو ایک اور نقطۂ نظر سے دیکھ سکتا ہے، اسکو "نعمتِ توفیق" بھی حاصل ہے، اور "نعمتِ عصمت" بھی، نعمتِ توفیق یہ کہ اس کو ایمان توحید، صدق واستقامت حاصل ہے، نعمت عصمت یہ کہ وہ کفر وشرک، نفاق وارتداد، بدعت وفسق وغفلت سے محفوظ رکھا گیا ہے، اگر ان نعمتون کی وہ تفصیلات میں جائے، ان کی جزا پر نظر کرے اپنی صلاحیت واستعداد پر غور کرے، یہ دیکھے کہ اس کو ان نعمتون کا کیا حق ہے، تو بے اختیار بہ چیخ اٹھے،

بے لطفِ تو من قرار نتوانم کرد احسانِ تو شمار نتوانم کرد،
گر برتنِ من زبان شود ہر موئے یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد،

(ابو سعید ؒ)

سچ ہے، اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ کی نعمتون کا شمار کرو تو گن نہ سکوگے) اب ان لاتعداد احسان کا شکر انسان کیسے ادا کر سکتا ہے، اسی لئے کہا گیا ہے، کہ شکر "ادائے شکر سے اپنے عجز کا جان لینا ہے" ادائے شکر کے ساتھ ہی ایک اور شکر لازم آتا ہے، کیونکہ شکر کی توفیق بھی تو حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے، اور یہ توفیق خود ایک بڑی نعمت ہے، جس کا شکر ضروری ہوا، پھر اس شکر کا شکر وہلم جرّا الیٰ نہایۃ اسلئے احسان ومنت باری تعالیٰ کا

شاہد خود شکر ہے، ان کی نعمتوں کا اعتراف خود شکر ہے، ان کے حصول کے بعد مرضیاتِ حق پر قائم رہنے کی دعا خود شکر ہے، ان پر حق تعالیٰ کی ثنا خود شکر ہے!

۷ حق تعالیٰ سے استعانت کے دوسرے طریقے اجمالاً یہ ہیں ہمیں چاہیے کہ گناہوں کے صدور پر توبہ کریں حق تعالیٰ مغفرت سے ہماری استعانت فرماتے ہیں انہ کان للاوابین غفوراً وہ رجوع کرنے والے کو معاف کرتے ہیں، کتنا تسکین بخش اور محبت آمیز پیام ہے، انی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا ثم اهتدیٰ میں معاف کر دیتا ہوں اس کو جس نے توبہ کی، ایمان لایا، نیک عمل کئے اور پھر اس راستہ پر چلا"، توبہ وندامت سے گناہ کی سیاہی قلب سے محو ہو جاتی ہے، گناہوں سے تنفر پیدا ہو جاتا ہے، نیکیوں سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور تائب حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے ان اللہ یحب التوابین،

ہم نے اوپر تفصیل سے دکھایا ہے، کہ قوت واثر اصالۃً صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں لا قوۃ الا باللہ، اسلئے ہماری خوف ورجا کی نسبت صرف حق تعالیٰ ہی سے قائم ہو جاتی ہے اور اس کے قیام کے ساتھ ہی حق تعالیٰ ہمیں مخلوق سے غنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں، اور اس غنا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ہم اس قاتل جذبہ کے چنگل سے آزاد ہو جاتے ہیں جس نے سنگ پرستوں کی زندگی کو سکون وطمانیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہے، یہ خوف کا جذبہ ہے جس نے ان کو سوتے جاگتے ہر وقت پریشان، مضطر اور حواس باختہ کر رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے انھیں ہر کونہ میں ایک دام دکھائی دیتا ہے، اور ہر گوشہ میں ایک درندہ!

اگر ہم اس امر میں حق تعالیٰ سے استعانت چاہیں کہ وہ ہمیں یاد رکھیں، اور ہم سے راضی رہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم حق تعالیٰ کو یاد رکھیں اور ان کے ہر حکم وفعل سے راضی ہو جائیں، فاذکرونی اذکرکم، تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا، اسی لئے حکم فرمایا کہ اذکروا اللہ ذکراً کثیراً، اور ہمارے

راضی ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ وہ ہم سے راضی ہو جاتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضوا عنہ

آنانکہ رضاے حق بجان می جویند در راہ رضاے او بسر می پویند
ہریک ہمہ آن کنند کہ حق فرمایند حق نیز ہمان کند کہ ایشان گویند

اوپر جو کچھ ہم نے کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب یا دین مشتمل ہے دو اجزاپر، عبادت و استعانت پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار سے ہمارے قلوب سے غیر اللہ کی معبودیت و ربوبیت فنا ہو جاتی ہے، اس قلب کی عظمت کا کیا کہنا جس سے غیر اللہ کی معبودیت و ربوبیت فنا ہو کر اللہ کی ربوبیت و معبودیت متمکن ہو گئی ہے، جس کے الٰہ قطعاً اللہ ہیں یعنی جس کے معبود، جس کے مسجود، جس کے مطلوب، جس کے مقصود قطعاً اللہ ہیں جس کے رب، جس کے مستعان قطعاً اللہ ہیں، اس قلب میں توحید کا جلوہ ہے، ایمان کا نور ہے، وہ نورانی قلب ہے، حق تعالیٰ کا محبوب ہے، اور حق تعالیٰ اس کے وکیل ہیں، کفیل ہیں، ولی ہیں مولیٰ ہیں، نصیر ہیں، حفیظ ہیں اور ہادی ہیں،

اس ضمن میں چند تعریفات یاد رکھو؛ جیسا کہ تم نے دیکھا ہے، ذات اللہ ہی کو الٰہ قرار دینا، یعنی معبود و مستعان قرار دینا زبان سے اقرار اور دل سے اسکی تصدیق کرنا، توحید ہے، اس اقرار و تصدیق سے قلب سے شرک کا خروج ہوتا ہے، اور توحید داخل ہو جاتی ہے، جس ذاتِ پاک نے یہ پیام ہم تک پہونچایا، (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسکی رسالت کے اقرار و تصدیق سے دل سے کفر کا خروج ہو جاتا ہے، اور ایمان جلوہ افروز ہو جاتا ہے، ایمان میں دو چیزیں ہیں، اور توحید میں بھی دو چیزیں ہیں، ایمان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی الوہیت کی تصدیق ہے، توحید میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت اور ان کے ماتحت بندہ کی عبادت و استعانت کی تصدیق داخل ہے، اس کا زبان سے اقرار اور دل سے انکار یا شک "نفاق" ہے، اسکی تصدیق

کے بعد انکار "ارتداد" ہے، یہ مثل شرک کے دین و مذہب کی نفی ہے، بغاوت ہے، اور اسلئے ناقابلِ معافی! اور بدعت بھی بُری بلا ہے، یہ دین میں کسی نئی بات کا پیدا کرنا ہے، جو دین کی بات نہیں اسکو دین سمجھنا ہے، غیر شریعت کو شریعت" بتلانا افترا علی اللہ" اور ایک گونہ ادعائے نبوت" ہے، ابدعتی کو توبہ کم نصیب ہوتی ہے، کیونکہ وہ تو اوس کو مستحسن سمجھ رہا ہے، پھر توبہ کیون کریگا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ بدعۃٍ ضلالۃ وکل ضلالۃٍ فی النّار۔

قبل ایمان کفر و شرک سے توبہ لازم ہے، پھر ایمان یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار جس سے غیر اللہ کی معبودیت اور ربوبیت فنا ہوکر اللہ کی معبودیت و ربوبیت متمکن ہو جائے، اب نفاق، ارتداد، بدعت، فسق و فجور سے احترازِ ایمان اور عمل صالح پر استقامت، یہی دین یا بندگی" جس کے متعلق عارف روم نے کیا خوب کہا ہے ؎

گر تو خواہی حری و دل زندگی ۔۔۔ بندگی کن بندگی کن بندگی

زندگی مقصود بہر بندگی است ۔۔۔ زندگی بے بندگی شرمندگی است

جز خضوع و بندگی و اضطرار ۔۔۔ اندرین حضرت ندارد اعتبار

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی ۔۔۔ کفر باشد پیش او جز بندگی

ذوق باید تا دہد طاعات بر

مغز باید تا دہد دانہ شجر

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ،

(یوسف ع ۱۲)

ضمیمہ

مندرجہ ذیل نقشہ سے دین کے سارے اجزا کی تلخیص پیش نظر ہوجاتی ہے،

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ذات خلق ذات اللہ

معبودیت ربوبیت معبودیت ربوبیت

عبادت استعانت عبادت استعانت

نماز روزہ زکوٰۃ حج اتباع اوامر و اجتناب نواہی قربانی نذر و منت وغیرہ توبہ دعا توکل صبر شکر خوف رجا ذکر رضا

ضرورت مترجمین

عربی فارسی انگریزی سے براہ راست شستہ و رفتہ سلیس اردو زبان مین ترجمہ کرنے والون کی ضرورت ہی، جو مناسب اجرت پر علمی، ادبی، تاریخی، نیز متفرق علوم و فنون کی کتابون اور رسائل کے مضامین کا ترجمہ کرسکین، کسی ایک زبان اور اردو کا جاننا کافی ہی، علمی قابلیت نیز تجربہ کے متعلق تفصیل سے جواب آنا ضروری ہے،

نوٹ: ہر قسم کی اردو فارسی، عربی، انگریزی کتابیں، مطبوعات: ہندوستان، ایران، مصر، یورپ، امریکہ وغیرہ ہماری معرفت نسبتہً ارزان قیمتون پر مل سکتی ہین، شائقین اپنے اسمائے گرامی اور مکمل پتون سے مطلع فرمادین تاکہ جدید فہرستین وقتاً فوقتاً ارسال کیجا سکین،

پتہ ذیل پر خط و کتابت کرین،

شباب کمپنی پوسٹ بکس ۱۲۶ بمبئی نمبر ۳

ظہور الاسرار نامی اور مظہر کٹرہ

از

جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور

خواجہ نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی مخزن اسرار شہرۂ آفاق کتابون مین شمار کیجاتی ہے چونکہ اس مین سلوک و معرفت کے رموز و اسرار، الفاظ فارسی کے پردہ مین ظاہر کئے گئے ہین، اور سیدھے سادے لفظ اس بارِ گران کو برداشت کرنے کا یارا نہین رکھتے، اسلئے خواجہ صاحب نے تشبیہ و استعارہ سے جابجا کام لیا ہے،

ہر شخص واقف ہے کہ استعارات و تشبیہات کی خوبی یہ ہے کہ سننے والے کا ذہن اصل مدعا کی طرف کم سے کم وقت مین منتقل ہو جائے، لیکن یہ امر بھی محتاجِ بیان نہین، کہ اکثر شاعر کی طبعی ذکاوت اور فطری نزاکتِ تخیل دو چیزون کے بعید علاقہ کو قریب دکھانے لگتی ہے، اور اس سبب سے وہ بخیال خود سریع الفہم تشبیہ یا استعارہ استعمال کرتا ہے لیکن عام ذہن اُس تک جلد نہین پہونچ سکتے، بنابرین ناگزیر ہو جاتا ہے، کہ شاعر کا مقصد و مدعا سمجھنے کے لئے غور و خوض اور تلاش و جستجو سے کام لین، اکثر ادبی کتابون کی شرحین اسی غور و خوض اور تلاش و جستجو کا نتیجہ ہین،

خواجۂ نظامی کی مذکورہ مثنوی کی اکثر تشبیہین اور استعارے اسی قسم کے ہین، اس پر مستزاد اس کا موضوع ہے، جو نثر مین بھی ادا کیا جائے، تو ہر شخص اوس کی کنہ تک پہنچ جانے کا دعوی نہین کر سکتا، اور چونکہ سرِ دلبران کا اظہار حدیثِ دیگران مین زیادہ بہتر خیال کیا گیا ہے، اسلئے دوسرے

معرفت نگاروں کی طرح خواجہ صاحب کے اشعار میں بھی جا بجا تلمیح اور قصہ طلب اشارات ہیں جن کا علم ہر شخص کو ہونا ضروری نہیں، اس بنا پر متعدد اہل علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں،

ان شروح میں سے ایک کتاب ظہور الاسرار نامی، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں طبع بھی ہو چکی ہے، میرے پیش نظر اس شرح کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، وہ مطبع مذکور میں دوسری بار جولائی ۱۸۸۵ء مطابق رمضان ۱۳۰۲ھ میں چھپا تھا،

اس شرح کے دیباچہ میں مصنف کا نام، ظہور الحسن بٹھوری بن محمد کلیم اللہ بن عظمت اللہ از اولاد سید ابو الحسن عریضی حسنی الحسینی، ظاہر کیا گیا ہے، کتاب کا نام دیباچہ میں مذکور نہیں لیکن ٹائٹل پیج اور خاتمہ میں اسے ظہور الاسرار کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، نیز یہی نام کتاب کے ہر صفحہ کے بالائی گوشہ میں مندرج ہے، اس نام کے پہلے جزو (ظہور) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کہ کتاب ظہور الحسن کی تصنیف ہوگی، لیکن سرورق پر کتاب کے نام کے نیچے حسب ذیل عبارت لکھی گئی ہے :-

"متن متین از کنز اسرار حضرت خواجہ نظامی گنجوی است، و این شرح از استاد قدیم و دیرین"

بعد ازاں مصحح نے خاتمۃ الطبع میں شرح کو ظہور الحسن مذکور کی تالیف قرار دینے کے بعد تحریر کیا ہے :-

"ہر چند نسخۂ منقول عنہ این شرح کہ خیلی کہنہ زمان بود، تاہم بتاجہا مخدوش، لیکن تا امکان بشری بصحت پرداختہ شد، ونیز در دیباچۂ منقول عنہ بجائے نام مصنف دو سطر از آب سیہ گی بخط دیگر بود کہ اصل خط تمام منقول عنہ تفاوتی بین داشت، چونکہ منقول عنہ مرسلہ مولوی محمد نور الحسن صاحب متخلص بذہین رئیس موضع کرن پور، ضلع بجنور، ہمان صورت بود، لہٰذا

بدان حالت گذاشتہ شد کہ حقیقتش مدرک نشد ہ و نسخہ دیگر ہم دستیاب نگر دیدہ کہ بمقابلہ اش تحقیق نام مصنف می شد، و بسبب تبدل خط واحکاک و اثبات عبارت بجائے نام مصنف پردہ از روے راز می کشود، اما این قدر بزبان آوردن غیر مصلحت نبود کہ لاریب شرح منقول عنہ از تصنیفات یکے از قدماے کاملین است و بخیالات عالی بالاترین گر بباعث محکوک بودن مقام نام مصنف احتمالی دارد کہ اظہارش قابل انتباہ و آگہی ناظرین است وبس"

(خاتمۃ الطبع، صفحہ ۲۸۶، نسخہ نمبر ۲۱۹، نظم فارسی)

اس بیان سے واضح ہوتا ہے، کہ کارپردازان مطبع کو شرح مذکور کا جو نسخہ مولوی نور الحسن صاحب سے دستیاب ہوا تھا، اس میں دیباچہ کے اندر مصنف کے نام کی جگہ سابق تحریر کو مٹا کر نئے خط سے پڑ کی گئی تھی، اور اگرچہ طرز عبارت و انداز بیان کے ماسوا روشنائی اور روش کتابت بھی اسی طرف اشارہ کر رہے تھے، کہ شرح مذکور ظہور الحسن کے بجائے کسی پرانے استاذ کی تصنیف ہے، مگر دوسرا نسخہ نہ ملنے کے باعث سے اسکی تصدیق نہ ہو سکی تھی، اسلئے اہل مطبع نے جدید نام باقی رکھتے ہوئے اس شبہہ کا اظہار مناسب خیال کیا،

ظہور الاسرار کے اصل مصنف کا نام

خاتمہ نگار کے اس شبہہ کی صداقت حسن اتفاق سے گذشتہ ہفتہ مجھ پر واضح ہوئی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی تلاش اور تحقیق کے نتائج اہل علم کے روبرو پیش کر دوں، تاکہ نوادر کی ایک عظیم الشان مثال گوشۂ گمنامی میں پڑی رہنے سے بچ سکے، اور ارباب ذوق ظہور الحسن مذکور کے حق میں جو کبھی کے مرحوم ہو چکے ہیں، دعاے مغفرت فرمائیں،

کتاب خانہ ریاست رامپور میں مخزن اسرار نظامی کی شرح کے ۳ قلمی نسخے محفوظ ہیں،

ان مین سے ایک نسخہ کسی نامعلوم مصنف کی تالیف ہے، بقیہ دو نسخے ایک ہی شرح کے ہین لیکن دیباچہ مین مصنف کا نام دونون مین مختلف ہے، مین نے یہ طے کرنے کے سلسلہ مین کہ ان دونون مین سے کس نسخہ کا نام درست ہے، یہ خیال کیا کہ مطبوعہ شرح کو دیکھون تاکہ اس شارح نے اپنے اس پیشرو شارح کی عبارت کا کوئی ٹکڑا اس کا نام لیکر نقل کیا ہو، تو کسی ایک کتاب کے بیان کی تائید ہوسکے، جب مین نے مطبوعہ نسخہ کی عبارت کو پڑھنا شروع کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ مین ابھی قلمی نسخہ مین بعینہٖ یہی عبارت پڑھ رہا تھا، اس خیال کے پیدا ہوتے ہی مین نے قلمی نسخہ سے اوس کا مقابلہ کیا، تو ظاہر ہوگیا، کہ حسب ذیل اختلاف سے قطع نظر کرلیجائے تو مطبوعہ اور قلمی شرح دونون ایک ہی کتاب کے دو نسخے ہین،

مذکورہ اختلاف حسب ذیل ہے :-

(۱) مطبوعہ نسخہ میں حمد و نعت کے بعد تحریر ہے :

"اما بعد چنین گوید ریزہ چین خانہ علماے دہر جرعہ نوش ساغر فضلاے عصر احقر زمن ظہور الحسن شہوری بن محمد کلیم اللہ بن عظمت اللہ زاد لا وسید ابو الحسن عرف حسنی الحسینی غفر اللہ لہما والیہ (کذا) چون دیدم کہ رغبت بیشتری فضلاے عصر و ابناے دہر الخ" (ص ۲)

یہی عبارت قلمی نسخہ مین اس طرح ہے :-

"اما بعد چنین گوید ریزہ چین خوان علماء دہر و جرعہ نوش ساغر فضلاء عصر اضعف عباد اللہ القوی، محمد بن قوام الدین بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانہ البلخی المعروف بکری غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ، کہ چون دیدم رغبت بیشتری از فضلاء دہر الخ" (ورق ۱ الف)

مصنف کے نام کے اختلاف کے علاوہ کتاب میں جابجا بہت معمولی لفظی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً مطبوعہ نسخہ میں مندرج ہے:

چنانکہ غواص لآلی نظم ونثر افضل العصر مولانا معین الدین ہانسوی کہ درین علم وفضل بے نظیر ودر معانی بیان بے بدیل بودہ، در بدائع الحکایات گفتہ"۔ (ص ۲)

قلمی میں یہ عبارت اس طرح ہے:

"چنانکہ غواص لآلی نظم ونثر، افضل العصر، مولنا مغیث الدین ہانسہ کہ در عصر بعلم وفضل بے نظیر ودر معانی وبیان بے بدیل بود، در بدائع الحکایات گفتہ"۔ (ورق اب)

لیکن ہر صاحب عقل جانتا ہے، کہ اختلاف لفظی کا منشار کاتبوں کی بے توجہی یا سہو ونسیان ہوتا ہے، اور شاید ہی کسی کتاب کا کوئی قلمی نسخہ ایسا دستیاب ہو سکے جو اسی کتاب کے دوسرے قلمی نسخہ سے لفظ بہ لفظ مطابق ہو، اسلئے یہ قابل لحاظ قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ پہلا اختلاف اہم ہے، لیکن اسکی حقیقت صرف اس امر کے بیان کر دینے سے ظاہر ہو جاتی ہے، کہ ہمارا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۲۰ فن پند ونصائح فارسی) ۱۰۵۵ھ کا نسخہ ہے، اور اس میں مصنف کا نام محمد بن قوام الدین البلخی تحریر ہے، دوسرا نسخہ (نمبر ۵۹ فن مذکور) بلا تاریخ ہے لیکن کاغذ روشنائی اور خط کے انداز سے پتہ چلتا ہے، کہ نمبر ۲۰ سے پرانا ہے، اس میں بھی کم از کم ظہور الحسن نام نہیں ملتا، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے، کہ کسی ظہور الحسن نے اصل مصنف کا نام حک کر کے اسکی جگہ اپنا نام لکھکر کتاب کو اپنانے کی ناکام کوشش کی ہے، ورنہ فی الحقیقت یہ شرح بلخی کی تصنیف ہے، اور اسی کے نام سے اس کا حوالہ مخزن اسرار کی دوسری نامعلوم المصنف کی شرح میں دیا گیا ہے، مثلاً مولانا نظامی نعت مہتر عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد فرماتے ہیں:

تختۂ اوّل کہ الف نقش بست   بر در محجوبۂ احمد نشست،

محمد بلخی جس کی شرح ظہور الاسرار کے نام سے طبع ہوئی ہے، اور اس وقت زیر بحث ہے، "تختۂ اول" کی شرح کرتا ہے:

"تختۂ لوح محفوظ را گویند "اول کہ الف نقش بست" یعنی اول چیزے کہ قلم بر لوح محفوظ نبشت الف بود، (نسخۂ قلمی نمبری ۶۰ ورق ۲۲، الف)

ظہور الاسرار میں بھی بعینہٖ یہی عبارت درج ہے، صرف اس قدر فرق ہے، کہ اس میں "اول کہ الف نقش بست" کی جگہ "اول نقش بست" ہے، (نسخۂ مطبوعہ صہ ۳۵)

نامعلوم المصنف کی شرح مخزن اسرار (نسخۂ قلمی نمبر ۱/۶، فن پند و نصائح فارسی) میں یہ تشریح محمد بلخی کی طرف منسوب ہے، اس شرح کے الفاظ یہ ہیں:

"و آنچہ در شرح محمد بلخی آوردہ کہ تختۂ اول لوحِ محفوظ را گویند یعنی اول قلم کہ بر لوح محفوظ نوشت الف بود" (شرح مذکور ورق ۹ ب)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عبارت شرح محمد بلخی کی ہے، علاوہ ازیں مناجات دوم کے اس شعر کی شرح میں کہ

ہم تو پذیری کہ ز باغِ تو ایم، قمریِ طوقِ سگِ داغِ تو ایم

شرح نامعلوم المصنف میں مندرج ہے،

"در شرح محمد بلخی درین مقام آوردہ کہ خواجہ احمد معشوق سالہا در ریاضت مشغول بود، از ہاتف آوازی شنید کہ تو سگِ درگاہ مائی، مسرور شد، بر مادر رفت و گفت، مبارکباد کہ درچندین سال مرا سگِ درگاہ خطاب شد، گفت: الحمد للہ، اما مشغولی زیادہ کن کہ مرتبہ ازان عالی تر شود، ہمچنان کرد تا آوازے شنید کہ معشوقِ درگاہ مائی، بعد ازانکہ از خلوت بیرون آمد، اورا احمد معشوق میخوانند" (شرح مذکور ورق ۱۰ الف)

یہی عبارت باختلاف یسیر ہمارے نسخہ شرح بلخی مین (ورق ۲۱، الف) موجود ہے، اور
...ینہ ظہورالاسرار (ص ۳۴) مین پائی جاتی ہے، یہ اس بات کی دوسری روشن دلیل ہے، کہ اصل
...ن شرح محمد بلخی کی تصنیف ہے،

شرح نامعلوم المصنف مین اور مقامات پر بھی بلخی کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن طوالت کے
...ر سے مین نقل نہیں کرنا چاہتا، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شرح ظہورالاسرار کے نام سے شائع
...ئی ہے، اسکی عبارتین دوسرے مصنف کی شرح مین شرح محمد بلخی کے نام سے نقل کی گئی
...ن جو ہمارے نسخہ نمبری ۶۰ کے دیباچہ کی رو سے بھی محمد بلخی ہی کی طرف منسوب ہے،

...رح بلخی کا سال تالیف اب یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے، کہ شرح محمد بلخی کس سنہ مین لکھی گئی
...پسپرنگر نے کتاب خانہا ے شاہِ اودھ کی فہرست (ج اص ۵۲۱ و ۵۲۲) مین لکھا ہے، کہ زیر نظر
...سخہ کے آخر مین حسب ذیل بیت تاریخی درج ہے، جس سے ۱۰۹۱ھ نکلتا ہے،

بفکر اندر شدم از بہر تاریخ دلم گفتا، زہے شرح گلستان

ڈاکٹر ریو نے (فہرست کتب فارسی محفوظہ در برٹش میوزیم، ج ۲ ص ۶۰۳ ب) بلخی کی شرح
...ے ایک نسخہ کی کیفیت لکھتے ہوئے اسپرنگر کے مذکورۂ بالا بیان کا حوالہ دیا ہے، مگر اس کے ساتھ
...ہی یہ بھی لکھا ہے، کہ ہمارے نسخہ کے سرورق پر ایک نوٹ ہے جس مین کسی نے کتاب کی خرید کی تاریخ
...ثبت کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کتاب ۱۰۸۹ھ مین خرید ہوئی تھی، اس لئے میرا خیال
...یہ ہے، کہ ہمارا نسخہ بلخی کی شرح کا پہلا نسخہ (Rieu ......) ہے، ریو کا مقصد یہ ہے کہ اسپرنگر
...کے نسخہ کی تاریخ ہے، تو صحیح، لیکن وہ اس شرح کی پہلی ترتیب کی تاریخ ظاہر نہیں کرتی، بلکہ
...معلوم یہ ہوتا ہے، کہ بلخی نے اسے ۱۰۹۱ھ سے قبل تالیف کیا تھا، بعدازان اس پر نظر ثانی ۱۰۹۱ھ
...مین کی، اسی لئے برٹش میوزیم کے نسخہ کو ابتدائی نسخہ قرار دینا چاہئے،

ڈاکٹر اینٹے (فہرست کتب فارسی، انڈیا آفس نمبر ۹۹) نے بھی اسپرنگر اور ریو کے نسخون کے متعلق یہی طے کیا ہے کہ اول الذکر کا مخطوطہ نسخہ ثانی کی تاریخ تالیف ظاہر کرتا ہے، اور ثانی الذکر کی تاریخ خرید سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے، کہ شرح مذکور کی پہلی ترتیب ۱۰۰۹ھ سے قبل عمل مین آئی تھی؛

مسٹر آئی وناف نے فہرست کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ل۔ ۴۶۹، مطبوعہ ۱۹۲۴ء ۱۰۹۱ھ تاریخ تالیف تسلیم کرکے، دوسری فہرستون کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے،

مجھے حیرت ہے کہ ڈاکٹر اسپرنگر جیسے خوردہ بین نقاد نے مذکورۂ بالا الفاظ تاریخ، زہے شرح گلستان کو شرح مخزن اسرار کی تاریخ تالیف کیون قرار دیا، اور اس سے زیادہ تعجب ہے ریو اور اینٹے کی اس خوش اعتقادی پر کہ ان دونون نے اسپرنگر کے بیان کو کس طرح مان لیا، ان مین سے کسی کی سمجھ مین یہ نہ آیا، کہ یہ تو کسی شرح گلستان سعدی کی تالیف کی تاریخ ہے، کسی شاعر نے صحیح کہا ہے:

خشت اول چون نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج،

اگر اسپرنگر کے متبعین اوس کے قول کو نہ مانتے، تو انھین برٹش میوزیم کے نسخہ کی تاریخ خرید کی موجودگی مین کسی تاویل کی ضرورت نہ پڑتی، کاش یہ محققین یورپ جن کا قلم اسلامیات کی تنقید مین شمشیر بران کا کام کرتا ہے، شرح کے اوراق مین تاریخ تلاش کرتے، اور دیکھتے، کہ خود شارح نے بھی اپنے زمانہ کی طرف اشارہ کیا ہے یا نہین،؟ اگر وہ ایسا کرتے تو یہیم غلطی مین مبتلا نہ رہتے،

شرح بلخی کے مطالعہ کرنے سے اسکی تالیف کا زمانہ ہی نہین، بلکہ سال بھی معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ دوران شرح مین بلخی نے جابجا اپنے معاصرین کا تذکرہ ایسے لفظون مین کیا ہے، جن سے اون کی معاصرت ظاہر ہوتی ہے، نیز ایک جگہ سلیمانی سنہ مین اور دوسری جگہ ہجری سنہ کے ذریعہ سال تصنیف

بھی ظاہر کیا ہے، سب سے پہلے ہم یہ چاہتے ہین، کہ اوس کے عصر سے متعلق بیانات کا جائزہ لین،

(۱) شرح کے دیباچہ مین بلخی نے خواجہ نظامی کے کلام کے اشکال اور حسن قبول پر مولانا مغیث الدین ہانسوی کی کتاب، بدائع الحکایات کے مندرجۂ ذیل اشعار سے استدلال کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

"چنانچہ غواص لآلی نظم و نثر، افضل العصر مولانا مغیث الدین[۱] ہانسوی (رہانسہ) کہ درین عصر بعلم و فضل بے نظیر و در معانی و بیان بے بدل بود، در بدائع الحکایات گفتہ؛

بنزد شناسندۂ مثنوی ۔۔۔ ازانہاست این نکتۂ معنوی
کہ کس گام در رتبۂ سیر او ۔۔۔ نزد، نی نظامی و نی غیر او
نظامی کہ استاد این شیوہ بود ۔۔۔ دلش طوبی فضل را میوہ بود
بہ بسیار گفتن مگر جہد داشت ۔۔۔ کہ آمیزش موم با شہد داشت
سخن را تصفح بغایت نکرد ۔۔۔ بسنجیدہ گفتن کفایت نہ کرد
ولی چون بمنطق قبولیش بود ۔۔۔ ہمہ خارہایش رطب می نمود
خدا کردہ بودش قبولی عطا ۔۔۔ کہ از زیر آن بر نیاید خطا
خدا پردہ پوش است در ہر دلی ۔۔۔ نمود آنچہ بودش خطا مشکلی،
ولی بعض ابیات یا نیمہ ۔۔۔ کہ عقل است دروی سراسیمۂ
ازان ہاست، حقا کہ آب حیات ۔۔۔ شود تر ندہ زو گریزید ز ممات
اگر جمع دفتر نبودی مراد ۔۔۔ سخن را ہمہ دادہ بودہ است داد"

(ص ۲) شرح مطبوعہ[۱]

---

[۱] اس عبارت کی تصحیح مین مطبوعہ اور قلمی نسخے دونون سے کام لیا ہے، یہان اس امر کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہی کہ مطبوعہ مین شاعر کا نام مولٰنا معین الدین ہانسوی اور کتاب کا نام بدیع الحکایات درج ہے، اور پانچوین شعر مین بجائے "تصفح" کے "تفحص" لکھا گیا ہو،

مولانا مغیث ہانسوی یا مغیث الدین ہانسہ، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (متوفی ۷۵۷ھ) کے معاصر ہیں، یہ بہت تیز طبع شاعر تھے، ایک روز شیخ نصیر الدین چراغ دہلی پر قوال سے یہ شعر سن کر وجد طاری ہو گیا :

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی قلم بر بیدلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث نے یہ قصہ سن کر ایک رسالہ لکھا جس میں اس شعر کے مطلب سے بحث تھی، اور شیخ پر اعتراض کیا تھا، کہ انھوں نے کیوں اس لغو شعر پر سر دھنا،

اخبار الاخیار (ص ۹۳ مطبع احمدی دہلی ۱۲۷۰ھ) میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے، اور خزینۃ الاصفیاء (۳۴۳) میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اس واقعہ کو تفصیل لکھا ہے،

تذکرۂ مصنفین دہلی (ص ۱۰) میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے بالفاظ ذیل مغیث کا ذکر کیا ہے :

"در ہمان جز و زمان (عہد فیروز شاہ تغلق مراد ہے) مغیث ہانسوی نیز شخصے بود کہ بعالم فضیلت نسبتی داشت، در بیان صنائع و بدائع رسالہ دارد، اما مشہور نیست، و ذکر ازین مرد نیز در ذکر شیخ نصیر الدین محمود رفتہ است"

مولانا حکیم عبد الحئی صاحب مرحوم نے نزہتہ الخواطر (ص ۱۶۹) میں مغیث کو فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۵ھ) کا معاصر قرار دیا ہے، یہ سہو ہے، اسلئے کہ انھوں نے اپنے بیان کی سند میں محدث دہلوی کے مذکورۂ بالا رسالہ کا حوالہ دیا ہے، اور اس میں مغیث کا تذکرہ مطہر کڑہ کے بعد آیا ہے، جو بالاتفاق فیروز شاہ تغلق کے دربار کا شاعر ہے،

بہر حال ملجی اس کو افضل العصر کا خطاب دیتا ہے، "اور درین عصر بے نظیر بتاتا ہے" جس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ ملجی کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے،

(۲) مخزن اسرار کے شعر:

مرکب این بادیہ دین است وبس چارۂ این کار ہمین است وبس

کی شرح مین بلخی لکھتا ہے،:

"وعزیزی از خدمت شیخ الاسلام رکن الحق والدین ابوالفتح قدس اللہ سرہ العزیز بسماع وارد کہ الخ" (ص ۳۳۳ نسخہ نمبر ۴۰ و ۳۰۴ نسخہ نمبر ۵۹ و ص ۲۱ نسخہ مطبوعہ)

میری راے مین یہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی نہین ہین جنھون نے ۳۵ھ مین انتقال فرمایا ہے، بلکہ خواجہ نظام الدین اولیا کے مرید شیخ رکن الدین جعفر ہین، تذکرون مین انکی کنیت مذکور نہین، اسلئے بعض بزرگون کو رکن الدین ملتانی کنی بابی الفتح کا گمان ہوگا،

بہرحال شارح ان کا قول اپنے کسی دوست یا عزیز کی زبانی روایت کرتا ہے جس سے یہ خیال کرنا بیجا نہیں کہ خود شارح ابوالفتح کے عہد سے قریب ہے، اور عادۃً ایسا کم دیکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی صدی کی ابتدا مین فوت ہو چکا ہو، اس کے شاگرد دوسری آنے والی صدی مین ہون اسلئے یہ نتیجہ بعید از قیاس نہیں کہ شارح آٹھوین صدی مین موجود تھا،

ان کے ماسوا شرح مین ضیاء الدین نخشبی (متوفی ۵۱ھ) مولنا حمید الدین قلندر (متوفی ۶۹ھ) ملک احمد بن امیر خسرو اور مولانا خواجگی (متوفی ۹ھ) کا بھی ذکر ہے، اور چونکہ کتاب مین کسی ایسے شخص کا حوالہ نہیں ہے، جو آٹھوین صدی مین موجود نہ ہو، اس لئے ہمارے اس خیال کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے، کہ بلخی آٹھوین صدی کا عالم ہے،

تذکرۂ معاصرین کے بعد ایسے بیانات کا جائزہ لینا چاہئے، جن مین سنین کا ذکر آیا ہے،

مخزن کے شعر:

ملک سلیمان مطلب، کان کجاست ملک ہمان است سلیمان کجاست

کی شرح مین لکھا ہے :

"از گاہ حضرت سلیمان علیہ السلام تا این وقت دو ہزار و دویست و ہفتاد و یک سال گزشتہ

است" ورق ۱۲۳ ب۔ "نسخہ قلمی نمبری ۶۰ و ۱۲۲ الف نسخہ نمبری ۵۹)

شعر مندرجہ ذیل کی شرح میں سنہ ہجری لکھا ہے :

درکفِ این ملک یساری نبود ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دررہِ این خاک غباری نبود

" بدانکہ درین وقت کہ از ہجرتِ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہفصد و نود و پنج سال است الخ"

(نمبر ۵۹ ورق ۴۴ اب و ۶۰ ص ۷۵ اب و ۸۵ الف نسخہ معلوم)

اس سنہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوجاتا ہے، کہ شرح مخزنِ اسرار نجمی ۷۹۵ھ یا اسکے کچھ بعد اتمام کو پہنچی ہے،

اب آپ ایک ستم ظریفی ظہور الحسن صاحب کی ملاحظہ فرمائیے، سابق اقتباس مین نجمی نے سلیمان علیہ السلام سے متعلق جو مدت ظاہر کی تھی، اس مین آپنے تغیر فرمایا ہے، اور لکھتے ہین :-

" ازان گاہ سلیمان علیہ السلام تا این وقت یکہزار و دویست و ہفتاد و پنج سال

گذشتہ است" (ص ۱۴۹)

ان کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اگر سلیمانی سنہ کو وہ جون کا تون چھوڑ دیں گے، تب بھی اتنا حسابی ہر جگہ کہان ہے، کہ اسکی غلطی کو پکڑے، انھین تو دوسری عبارت کا ۷۹۵ھ بدلنا تھا، مگر سوے قسمت سے یہ بن نہ پڑا، چنانچہ مطبوعہ نسخہ مین یہ مقام ان کی غمازی کے لئے علی حالہ باقی ہے، جس سے ایک طرف تو محققینِ یورپ کے بیانات کی غلطی ظاہر ہوتی ہے، اور دوسری طرف یہ ثابت ہو جاتا ہے، کہ کتاب ۱۲۷۵ھ مین نہیں، بلکہ اس سے صدیون پہلے ۷۹۵ھ مین تالیف ہوئی تھی،

(باقی)

علیت اور انسانی آزادی

الف۔ ۱۹ ویں صدی کا ڈراؤنا خواب

از پروفیسر معتقد ولی الرحمٰن صاحب مرحوم

مرحوم معارف کے پرانے مضمون نگار تھے، اپنی وفات سے چند دن پیشتر انھوں نے یہ مضمون اشاعت کے لئے بھیجا تھا، لیکن ابھی اس کی نوبت نہ آئی تھی، کہ گذشتہ مارچ میں خود مرحوم کی کتاب زندگی کا ورق آخر ہو گیا، اس لئے حسرت و افسوس کے ساتھ معارف کے صفحات میں آج مرحوم کی یہ آخری قلمی یادگار پیش کی جاتی ہے۔ "م"

ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ آج کل کے ماہرین طبیعیات "جبر و اختیار و قدر" کی پرانی بحث پر نئے سرے سے غور کر رہے ہیں۔ اس بحث میں، بہ قول ایڈنگٹن "اب تک تو معلوم ہوتا تھا کہ طبیعیات بہت شد و مد کے ساتھ تقدیر کی طرف دار ہے" لیکن اب، خود اسی کی رائے میں طبیعیات "شد و مد کے ساتھ" نہیں تو کم از کم فیصلہ کن طور پر اختیار (ارادے کی آزادی) کی حامی ہے۔ وہ کہتا ہے: سائنس کے نقطۂ نظر سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ نظریۂ قدر[1] کی وجہ سے طبیعیات اب کسی جبری قانون کے نظام کی پابند نہیں رہی" عوام پر اس قسم کے بیانات کے دور رس اثرات کی دل چسپ مثال اس ریویو میں ملتی ہے جو مسز ڈگس ڈیل[2] کی کتاب "سوانح اے۔ جے۔ بالفور" ہر ٹائمس لٹریری سپلیمنٹ، بابت ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ سیاسی میدان میں بالفور کی تلون مزاجی پر بحث کرتے ہوئے ریویو کرنیوالا سوال کرتا ہے:

[1] Quantum Theory [2] Mrs. Dugsdale

کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا آدمی جس کی زندگی اس طرح مسلسل نہ ہو، ایک ہی وقت میں جمہور کا مبغوض بھی ہو، اور محترم بھی؟" اسکے خیال میں اس کی توجیہ اس افتراض سے کی جا سکتی ہے کہ "جمہور نے اپنے آپ کو بالفور کے مطابق بنا لیا، اور یہ کہ زمانہ آخر کار اس ترقی کرنے والے ذہن کے ساتھ ہو گیا، جو اتنا عرصہ اس کے آگے رہا" جمہور کی نگاہوں میں بالفور کی وقعت کی اس تبدیلی کی جو توجیہ ان جملوں میں کی گئی ہے، اس کی صحت یا غلطی سے ہمیں سروکار نہیں، ہماری موجودہ بحث کے لئے اس میں دل چسپ بات یہ ہے کہ ریویو کرنے والے نے اپنے نظریہ کی تائید میں سائنس کی موجودہ ترقی کو پیش کیا ہے۔ اس نے نہایت متانت سے دعوی کیا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ جدید زمانہ کی طبیعیات سے اس کی کچھ تائید ہوتی ہے۔ اب اس کے سامنے فطرت میں احتمال کی شہادت ہے۔ اور ایسی دنیا ہے جس میں علت و معلول کے تشفی بخش قوانین جاری نہیں رہے، لہذا اب اس کے نزدیک اشیا پر جو غور و فکر ہم کرتے ہیں، اس سے یہ اشیا متاثر ہوتی ہیں، ہمارا فکر جس قدر معین ہوتا جاتا ہے اسی قدر یقینی یہ اشیا ہوتی جاتی ہیں۔ اگر یہ خیال صحیح ہے، تو معاصر عقلی دنیا پر ایسے ذہن کے اثرات کی کیا حدود مقرر کی جا سکتی ہیں، جو آرتھر بالفور کے ذہن کی طرح، زوردار ہے، جامع الکل ہے، ہفتش ہے اور متشکک ہے۔"؟ اس میں شبہ نہیں کہ یہ قدری طبیعیات پر مبنی سائنٹفک فکر کا حیرت انگیز استعمال ہے۔ بعد کے اوراق میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ انسانی افراد کے ایک دوسرے پر عمل کے نظریہ کی یہ تائید نامناسب بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔

اس میں کلام نہیں کہ قانون علت و معلول[لے] (یہ انیسویں صدی کا بہت دل پسند جملہ ہے) کا یہ پہلو سائنس کے فلسفی مزاج ماہرین کی بحثوں میں بہت نمایاں ہے۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں سائنس کے ماہرین ہم سے کہا کرتے تھے کہ "آزاد ارادہ (اختیار) ایک دھوکا ہے۔ ہم جو کچھ بھی کرتے

لے LAW OF CAUSATION

ہیں، مجوزا کرتے ہیں۔ اگر ہم برے ہیں تو بہ مجبوری برے ہیں، اور اگر ہم نیک ہیں تو یہ کوئی فخر کی بات نہیں، اب آج کل بالعموم فرض کیا جاتا ہے کہ یہ تمام نتیجے قبل از وقت تھے، اور یہ کہ اگر حیاتیات کے ماہرین ہم کو آزادی اور اختیار سے محروم ماننے پر مجبور تھے، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ مادے کی ساخت سے پوری طرح واقف نہ تھے، اب ہمارے زمانہ میں طبیعیات کے ماہرین ہماری مدد پر کمربستہ ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی برقیہ[۵] آزادی کے ساتھ نقل وحرکت کر سکتا ہے، تو ایک انسان بھی اپنی نقل وحرکت اور اپنے ارادے میں یقیناً آزاد ہے۔ آزاد ارادے کے وجدان کے حقوق کا یہ اعلان کسی نہ کسی طرح اس بات پر مبنی ہے کہ یہ وجدان سے مختلف ایک چیز ہے۔ یہ دراصل طبیعیات کے ماہر کے دقیق ترین علم کے مطابق شعور کی نجات ہے۔ بہرحال اس اعلان کے ساتھ ساتھ اب یہ بھی ہوا ہے کہ عام پڑھا لکھا شخص طبیعیات کے ماہر کو اس قابل بھی سمجھتا ہے کہ وہ اسے بتائے کہ اگر کوئی شخص ۱۱ راگست سنہ ۱۹۹۹ء کو ایک خاص مقام سے سورج کو دیکھ رہا ہو، تو اس کا تجربہ کیا ہوگا، اور یہ کہ اگلی عالمی جنگ میں غیر مصافی شخص کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

یہ صورتِ حال بہت عجیب وغریب ہے۔ ایک طرف تو سائنس، حیاتی کیمیا[۶]، فعلیات اور طبیعیات کے ماہرین پر ہمارا اعتماد برابر بڑھ رہا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ یہ ہمیں بتائیں کہ ایک نئی بہتر دنیا کے لئے کیسے مردوں اور کیسی عورتوں کو پیدا کرنا چاہئے، اور یہ کہ اگر ہم ان کے مشوروں پر عمل نہ کریں گے تو ہمارے اخلاق کا کیا حشر ہوگا۔ دوسری طرف یہ معلوم کرکے ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے کہ طبیعیات کا ماہر گزشتہ چند برسوں کی بہ نسبت اب آج کل کم یقین کے ساتھ جانتا ہے، یا جان سکتا ہے، کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے۔ سائنس بالعموم، اور مخصوص سائنسوں کے بالخصوص ماہروں کو جو رتبہ آجکل دیا جا رہا ہے، وہ بہت حیرت انگیز ہے۔ عام پڑھے لکھے شخص ان کو علم کا مخزن اور کائنات کے روحانی

BIO. CHEMISTRY ۶ ELECTRON ۵

عنصر کا محافظ، خیال کرتے ہیں۔ یہ سب، یا ان میں سے بعض، عرصہ سے علماے پیغمبری کے متمنی ہیں
اب آج کل تو ہم نے ان کو پیغمبر بنا ہی دیا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں دینیات کے عالموں کا دعوی تھا کہ
بالا کی چیزوں کے متعلق وہی لوگ زیادہ ادعا کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں، لیکن اب آج کل یہی علما، سائنس
کے ان ماہرین کے غاشیہ بردار ہیں، جو سائنس کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ صورت
حال طرب انگیزی سے خالی نہیں۔

دیکارت، کیپلر، گلیلیو اور نیوٹن کی تحقیقات نے جبری قانون کے نظام کی بنیاد رکھی، اور اس
نظام کو قریب تین صدیوں تک طبیعیات کے ماہرین بلاچون وچرا تسلیم کرتے رہے، طبیعیات کی تما
ترقی اس افتراض کے مطابق۔ یا اس پر موقوف تھی کہ مادے کی حرکتیں بعض قابلِ تحقیق قوانین کے مطا
ہوتی ہیں۔ لہذا اگر ایک محدود وقت (یہ کتنا ہی قلیل ہو) کے متعلق ہم کو کافی معلومات حاصل ہیں، ا
تمام گذشتہ اور آیندہ صورتوں کو دریافت کر لینا نظراً ممکن ہے۔

عوام الناس کے عقیدوں پر اس عظیم الشان نظریہ کا اثر بہت کم ہوا۔ خیال یہ تھا کہ اس جبر
نظام کا اطلاق صرف مادے پر ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت میں بھی اس کا اطلاق بے جان مادے پر ہی کیا
انسانی افراد کو اس سے بالاتر مانا گیا اگرچہ غالباً کسی کو بھی صاف علم نہ تھا کہ اس برتری کا سرچشمہ یا اس کی وسعت کیا
ارتقاء کے حیاتیاتی نظریہ کی آمد سے ایک بڑا تغیر یہ پیدا ہوا کہ انسان کی برتری کا خاتمہ ہو گیا، یا
یا کم از کم گرجاؤں اور عبادت گاہوں کے اجتماعوں کو معلوم ہونے لگا کہ بعض سائنٹفک نظریے ا
پیدا ہو رہے ہیں، جو ان کے مذہبی اور اخلاقی عقیدوں کے منافات ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم نہایت ا
کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ عام لکھے پڑھے شخص کو جو دلچسپی نظریۂ قدر کے ساتھ ہے وہ اس یقین کا نتیجہ ہے کہ
اختیار کی پرانی بحث پر اس سے نئی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے نزدیک اصول عدم تعین[1] اس نظریہ کو مختصراً

---

[1] PRINCIPLE OF INDETERMINACY

کرتا ہے۔ اس بحث کی طرف عام لوگوں کی توجہ گزشتہ صدی کے دوسرے نصف میں ارتقائی حیاتیات کے عروج کی وجہ سے منعطف ہوئی۔ اصل انواع کے متعلق ڈارون کے نظریہ کو طبعی انتخاب کا نام دیا گیا، اس نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ارتقائی حیاتیات اس عقیدہ کے تسلیم کرلئے جانے پر مبنی ہے کہ انواعِ حیوانات جن میں انسان بھی شامل ہے، طبعی قوانین کے مطابق پیدا ہوتی اور رہتی ہیں۔ ڈارون کے عقیدوں کو ہکسلے نے بہت رواج دیا۔ اس کا ایمان تھا کہ "قانون کی حکومت کو میکانکی اور کیمیائی مظاہر سے حیاتیاتی ترقی کے مظاہر تک پھیلایا جا سکتا ہے، اور اس طرح انسانی افراد کی ذہنی زندگی بھی اس کے دائرہ میں لائی جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کے مشہور ترین لکچروں میں سے ایک لکچر سے کچھ جملے نقل کرنے مناسب ہوں گے۔ یہ لکچر اس نے ۸ نومبر ۱۸۶۸ء کو ایڈنبرا میں "زندگی کی طبعی بنیاد" کے عنوان سے دیا۔ وہ اپنے سننے والوں کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ جو نخزمایہ[1] "بعض نباتات کے سادہ حیاتی افعال کی بنا ہے، وہ بعینہ وہی ہے، جو کسی حیوان کا ہے، بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ یہ نخزمایہ کسی اور حیوان کے نخزمایہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے"۔ اس طرح یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ "ہر حیاتی فعل ..... اس نخزمایہ کی سالماتی[2] قوتوں کا نتیجہ ہے، جو اس فعل کو ظاہر کرتا ہے"۔ اس نے دعویٰ کیا: "جن خیالات کا اس وقت میں اظہار کر رہا ہوں اور انکے متعلق جو خیالات آپکے ذہن میں آرہے ہیں، وہ سب زندگی کے اس مادہ میں سالماتی تغیرات کا نتیجہ ہیں، جو ہمارے دیگر حیاتی مظاہر کا سرچشمہ ہے"۔ اس نے فخریہ کہا کہ وہ مادی اصطلاحات استعمال کر رہا ہے تاہم فخر اس کو اس بات پر تھا کہ وہ "اس مادی فلسفہ کا ابطال کر رہا ہے، جس میں بہت سی سنگین غلطیاں ہیں"۔ اس کا اصرار تھا کہ صحیح منطق مادی اصطلاحات اور مادی فلسفہ کے ابطال کے اس اتحاد کی متقاضی ہے"۔ اس اصرار میں ایک نکتہ تھا۔ اس نے بیان کیا کہ "میرا ارادہ یہ تھا کہ میں آپ حضرات کو حیاتی مظاہر کے میدان سے گزار کر اُس مادی دلدل کی طرف لے جاؤں،

---

[1] Protoplasm [2] Molecular

جس میں آپ حضرات اس وقت اپنے آپ کو پھنسا ہوا پاتے ہیں۔ اس کے بعد میرا منشا تھا کہ میں آپ کو وہ راستہ دکھاؤں جس سے آپ میری رائے میں اس دلدل سے نجات پا سکتے ہیں"۔ یہ راستہ اس طرح ملتا ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ ہم "علت و معلول کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتے کہ یہ واقعات کے تعاقب و تسلسل کی ایک خاص ترتیب کا دوسرا نام ہے"۔

ہکسلے کا نقطۂ نظر اس قدر عجیب و غریب، اس قدر نیا، اور اس کے ہم عصر ماہرین سائنس کے ہاں اس قدر مقبول ہے کہ یہاں اس خطبہ کا اہم حصہ نقل کردینا مناسب ہوگا،

زندگی کے متعلق ایک خیال تو یہ ہے کہ یہ مادی سالمات کی ایک خاص ترتیب کا دوسرا نام ہے۔ اسی کے متعلق پرانا عقیدہ یہ ہے کہ ایک ہستی، بہ نام آر کے اوش[۱]، ہر جاندار جسم کے اندر مادے کی حاکم و رہنما ہے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ ان دونوں عقیدوں میں سوائے اس کے اور کیا فرق ہے کہ اور جگہوں کی طرح یہاں بھی مادے اور قانون نے روح اور خود روئی[۲] کو نگل لیا ہے۔ جس طرح یہ امر یقینی ہے کہ ہر مستقبل ماضی و حال سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی یقینی ہے کہ آئندہ زمانہ کے فعلیات مادے اور قانون کے حدود کو اتنا وسیع کر دینگے کہ یہ پورے علم، حسیت اور فعل کے مساوی ہوجائیں گے۔

میرا خیال ہے کہ اس بڑی سچائی کا شعور آج کل کے بہترین دماغوں کے لئے ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ یہ لوگ اس چیز کی ترقی سے جس کو وہ مادیت سمجھتے ہیں، ویسے ہی ڈرے ہوئے ہیں، اور اس پر ان کو ویسا ہی بے بس غصہ آتا ہے، جیسے کہ اس وحشی کو اسوقت آتا ہے، جب وہ سورج گہن کے وقت سورج کی سطح پر چاند کا سایہ پھیلتا ہوا دیکھتا ہے،

۱۔ Archaeus. ۲۔ Spontaneity.

معلوم ہوتا ہے کہ مادے کی بڑھتی ہوئی موج ان کی روحوں کو ڈبو دیگی۔ اور قانون کی سخت گرفت ان کی آزادی کو جکڑ دے گی۔ ان کو اندیشہ ہے کہ کہیں انسان کی اخلاقی فطرت عقل کی اس ترقی کی وجہ سے کم قیمت نہ ہو جائے۔"

اس پر زور تقریر کے بعد ہکسلے خیال ظاہر کرتا ہے کہ ان ہی خوف زدہ لوگوں کو ہیوم نے یہ کہکر چڑھایا ہے کہ یہ "ان بتوں کے سامنے دہشت زدہ ہو کر گر رہے ہیں جنکو خود ان کے ہاتھوں نے بنایا ہے۔" ان بتوں کے نام "مادہ" اور "روح" ہیں ہکسلے سوال کرتا ہے: "اس دہشت ناک چیز یعنی "مادے" کے متعلق ہم سوائے اس کے اور کیا جانتے ہیں کہ یہ ایک نامعلوم چیز کا نام ہے، جو خود ہمارے شعور کی حالتوں کی علت ہے؟" پھر "اس روح کے متعلق جس کی مفروضہ تباہی پر یہ تمام ماتم ہو رہا ہے ہمیں سوائے اس کے اور کیا علم ہے کہ..... یہ بھی ایک نامعلوم فرضی علت یا حالت یا احوال شعور کا نام ہے۔" اس لئے وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ "مادہ اور روح طبعی مظاہر کے مجموعات کے خیالی طبقات کے نام ہیں۔"

لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ چند ہی صفحے قبل ہکسلے نے نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "جو شخص سائنس کی تاریخ سے واقف ہے، وہ تسلیم کریگا کہ گزشتہ زمانہ میں گزشتہ زمانے سے زیادہ اب ہمارے زمانہ میں، اس کی ترقی اس چیز کی حدود کی توسیع کے ہم معنی رہی ہے جس کو ہم مادہ اور تعلیل[1] کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فکر انسانی کے ہر شعبے میں سے وہ چیز برابر خارج ہوتی چلی جارہی ہے جس کو روح اور خود روئی کہا جاتا ہے۔" لہذا ہکسلے کی رائے میں سائنس کی ترقی "طبعی مظاہر کے مجموعات کے خیالی طبقات" کی حدود کی توسیع کے ہم معنی تھی، ہے، اور برابر رہے گی۔ اسی کو ہکسلے "مادے

---

[1] Causation.

کی حدود کی توسیع" کہتا ہے، اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ بیان ایک حد تک نامناسب ہے۔ ہکسلے کے تخیل کی اس پرواز کی وجہ سے اس کے دلائل کے بڑے بڑے نکتے دریافت کرنے دشوار ہو جاتے ہیں۔ ہم صاف طور پر نہیں بتا سکتے کہ وہ کس بات کی حمایت کر رہا ہے، اور کس بات کا مخالف ہے، اور اس کی رائے میں دوسروں نے کس بات کی حمایت کی ہے، اور کس کی مخالفت۔

تاہم بعض باتیں صاف دکھائی دے جاتی ہیں جن پر بحث مناسب ہوگی۔ وہ اس عقیدے کا مخالف ہے کہ کوئی "آہنی قانون" ہے جس سے انسانی افعال لازماً پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اب آجکل انسانی افعال کو کلیتہً فعلیاتی اصطلاحات میں بیان کیا جا سکتا ہے، یا کم از کم یہ کہ علم کی ترقی کے بعد ان کا یہ بیان آگے چلکر ممکن ہو جائے گا۔ اس طرح ان کو طبعی قوانین کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جس عقیدے کو اس نے رد کیا ہے۔ اس کے بجائے اس نے یہ عقیدہ پیش کیا ہے کہ طبعی قوانین صرف وہ باتیں بیان کرتے ہیں، جو واقع ہونگی نہ وہ جو لازماً واقع ہونی چاہئیں۔ اس کے نزدیک یہ کہنا صحیح ہے کہ "ایک بے سہارا پتھر نیچے گرے گا"، اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ "بے سہارے پتھر کو لازماً نیچے گرنا چاہئے"۔ سب کے آخر میں اس نے احتجاج کیا ہے، "لیکن جب جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، ہم "ہوگا" کو "لازماً ہونا چاہئے" سے بدلتے ہیں، تو ہم لزوم و وجوب کا خیال داخل کرتے ہیں، جو مشاہدے میں آنے والے واقعات میں یقیناً نہیں ہوتا، اور نہ ہمارے پاس کوئی سند ہے کہ ہم اسے کہیں اور پالیں گے۔ میں بذاتِ خود اس بن بلائے مہمان کو رد کرتا ہوں، اور اس پر لعنت بھیجتا ہوں، واقعے سے میں واقف ہوں، قانون کو میں جانتا ہوں، لیکن یہ لزوم و وجوب خود میرے ذہن کے خالی خولی سایہ کے علاوہ اور کیا چیز ہے؟

یہ مختصراً وہ طریقہ ہے، جس سے ہکسلے نے اس ڈراؤنے خواب سے نجات پائی ہے جس کو اس نے اتارا ہے، وہ یہ مادی عقیدہ ہے کہ دنیا میں مادے، قوت اور وجوب و لزوم کے سوا اور کچھ

ہیں۔" لیکن اس جن کو اتارنے کے دوران میں وہ دعویٰ کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ انسانی افعال کو کلیتہً
بیانی قوانین کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے جس "وجوب و لزوم" کو اس نے رد کیا ہے، اور
ن پر اس نے لعنت بھیجی ہے، وہ طبیعی وجوب و لزوم ہے۔ یہ بتانا غیر معمولی طور پر مشکل ہے کہ اس
دید سے ہکسلے کا منشا کیا ہے۔ چند صفحے قبل ہی اس نے اعلان کیا ہے کہ "میرے نزدیک یہ بات صحیح
جا سکتی ہے کہ ہر چیز کو مادی اور لازمی علت کا معلول ثابت کرنا بالکل ممکن ہے: اور یہ کہ انسانی
طق یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ انسان کا کوئی فعل حقیقتہً خود رو ہے۔" اس فقرے میں لفظ "لازمی" کے
معنی لئے جانے چاہئیں؟ جب ہمیں یاد آتا ہے کہ ہکسلے کے ہاں طبیعی وجوب و لزوم کا خیال بے معنی
ہے تو "مادی اور لازمی علت" میں "مادی" کے ساتھ "لازمی" کو ملانا نا قابل توجیہ رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ
قانون کے بالکل جائز تخیل میں لزوم کا خیال بالکل ناجائز طور پر ٹھونسا گیا ہے۔" کسی اور جگہ اس نے
بیان کیا ہے کہ اس کی "بنیاد منطقی ہے نہ کہ طبیعی"۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولہ بالا بیان میں
سلسلے "مادی اور لازمی علت" سہواً لکھ گیا ہے۔ بہر حال لزوم کی طبیعی بنیاد سے انکار کر کے ہکسلے نے اس ڈراؤنے
خواب سے خلاصی پانے کی کوشش کی ہے، جو مادے کی بڑھتی ہوئی موج کی "بڑی سچائی" سے پیدا ہوا تھا اور جس
کی وجہ سے خطرہ تھا کہ کہیں ہماری روحیں اس سیلاب میں بہ نہ جائیں۔

پھر جب ہم کو خیال آتا ہے کہ ہکسلے انسان کو ذی شعور شین سمجھتا ہے، تو مادیت سے اس کی خلاصی
اور بڑا معمہ بن جاتی ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ اس کا شمار مادیت کے حامیوں میں نہ ہونا چاہئے کیونکہ خود
اس کے قول کے مطابق "اگر کوئی ذہن ایسا موجود نہیں، جو مادے کے وجود کو متصور کر سکتا ہو، تو مادے
کا یہ وجود میری سمجھ میں نہیں آتا" یہ بیان اس عقیدے کو ثابت کرنے کے فوراً ہی بعد پایا جاتا ہے کہ انسانی
افراد اور دیگر حیوانات کے تمام احوال و شعور، دماغی مادے کے سالماتی تغیرات سے براہ راست پیدا
ہوتے ہیں۔" یہ دعوی موجودہ بحث کے لئے اس قدر اہم ہے کہ اس کو مکمل طور پر نقل کرنا

مناسب ہوگا۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیوانوں کی طرح انسانوں میں بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی حالتِ شعور عضویہ کے مادے کی حرکات کے تغیر پیدا کر سکتی ہے۔ اگر یہ تمام دعویٰ بے بنیاد نہیں، تو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہماری ذہنی حالتیں عضویئے کے از خود پیدا ہونے والے تغیرات کی محض شعوری علامات ہیں۔ مثلاً جس احساس کو ہم ارادہ کہتے ہیں، وہ ارادی فعل کی علت نہیں، بلکہ دماغ کی اس حالت کی علامت ہے، جو اس فعل کی قریب ترین علت ہے، ہم ایسی ذی شعور مشین ہیں جو "اختیار" کی بہت زیادہ غلط طور پر استعمال ہونے والی اصطلاح کے واحد معنوں میں با اختیار بھی ہیں، کیونکہ بہت سی حیثیتوں سے ہم اپنی مرضی کے مطابق کام کر سکتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ہم علت و معلول کے اس بڑے سلسلے کے حصے بھی ہیں، جو غیر منقطع تسلسل کے ساتھ اس چیز کو مرکب کرتا ہے۔ جو وجود کا مجموعہ اب ہے، پہلے تھا، اور آئندہ رہے گا۔"

اس بیان کے مطابق انسانی افراد "علت و معلول کے بڑے سلسلے کے حصے" ہیں جن سے وجود کا مجموعہ مرکب ہوتا ہے۔ یعنی کہ انسانی افراد فطرت سے تعلق رکھتے ہیں، اور فطرت مادی علتوں کا غیر منقطع تسلسل ہے، ہماری ذہنی حالتیں ان تغیرات کی شعوری علامتیں ہیں، جو جاندار عضویئے، یعنی علت و معلول کے بڑے سلسلے کے ایک حصے میں از خود پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے ارادے من جملہ ان علتوں کے نہیں۔ ارادہ دماغی حالت کی ایک علامت ہے۔ ان تمام دعووں کو نہایت یقین کے ساتھ، اس "ڈراؤنے خواب" کی مناسب بنیاد سمجھا جا سکتا ہے جو بہ قول ہکسلے، ۱۹ ویں صدی کے بہترین ذہنوں کو ستا رہا تھا۔ لیکن سوال ہو سکتا ہے کہ شعور کیا ہے؟ ہکسلے جواب دے گا کہ شعور مادی عضویہ کا مابعدی مظہر[5] یا حاصل[2] ہے۔ لیکن اس کے تا

PRODUCT [2] EPI PHENOMENON [5]

ی اس کا عقیدہ تھا کہ "اگر کوئی ایسا ذہن موجود نہیں، جو مادے کے وجود کو متصور کرسکے" تو یہ وجود ناقابل تصور ہے۔ اب اگر "ذہنی حالتیں عضویہ کے تغیرات کی شعوری علامات ہیں، اور اگر عضویہ مادی ہونے کی وجہ سے، سوائے ذہن کے اور کوئی وجود نہیں رکھ سکتا، تو یہ معلوم کرنا دشوار ہوجاتا ہے کہ "ذہنی حالتوں سے ہماری کیا مراد ہوسکتی ہے، اور یہ تصور کرنا ناممکن ہوجاتا ہے کہ ذہنی حالتوں کو اس شعور سے کیا تعلق ہے جس میں وہ جسمانی تغیرات کی علامات ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ہکسلے نے یہ دریافت کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہ کی کہ علامت کسے کہتے ہیں، اور نہ اس نے اس پر غور کیا کہ "اظہار" سے کیا مراد ہے۔ اگر وہ ایسا کرلیتا، تو وہ بہت سے اُن نمایاں تضادات سے بچ جاتا جن میں وہ "ڈراؤنے خواب" سے بچنے، ذی شعور مشین کے اپنے عقیدے کے نتیجوں کو واضح کرنے، اور اس سبق کو بروئے عمل لانے کی کوشش میں گرفتار ہوا جس کو پڑھانے سے کبھی وہ نہ تھکا، یعنی یہ کہ "ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ دنیا کے جس چھوٹے سے کونے پر وہ اثر ڈال سکتا ہے، اس کو پہلے کی بنسبت کم مصیبت زدہ اور کم جاہل بنانے کی کوشش کرے"۔ اس فرض کو پورا کرنے کے لئے اس کے نزدیک، یہ عقیدہ ضروری ہے کہ اول، ہم فطرت کے نظام کو متعین کرسکتے ہیں، اور دوم یہ کہ "واقعات و حادثات کی تعیین کے لئے ہمارا ارادہ بہت اہمیت رکھتا ہے"۔ بیس برس سے زائد گزرنے کے بعد ۱۸۹۲ء میں جب اس نے اس تقریر کو دوبارہ شائع کیا ہے، تو اس نے یہ حیرت انگیز حاشیہ اضافہ کیا" یا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ جسمانی حالت، ارادہ جس کا اظہار ہے"۔ یہ حاشیہ اس وجہ سے حیرت انگیز ہے کہ یہ متن کے منافی ہے، حالانکہ اس کو بہ طور صحیح تر کے پیش کیا گیا ہے۔ اگر واقعات وحادثات کی تعیین کے لئے ہمارا ارادہ اہمیت رکھتا ہے، تو فرض کیا جاسکتا ہے کہ جسمانی حالت ارادہ کا اظہار ہے، بہ شرطیکہ لفظ "ارادہ" کا استعمال ہمارے لئے ناگزیر ہو، لیکن حاشیہ کی رو سے ارادہ جسمانی حالت کا اظہار ہے۔ اکثر اوقات ہکسلے کی زبان استعدر پیچیدہ ہوتی ہے کہ اس کے اصلی مافی الضمیر کو معلوم کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔ لیکن یہاں احتمال

اس بات کا ہے کہ وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ انسانی جسموں کی طبیعی حالتیں فطری مظاہر کے علّی اجزا ہیں۔ یہ تاویل ہکسلے کے اس عقیدے کے بالکل مطابق ہے کہ ارادہ ارادی فعل کی علت نہیں، بلکہ ایک احساس ہے، جو دیگر ذہنی حالتوں کی طرح جسم میں از خود پیدا ہونے والے تغیرات کی محض شعوری علامت ہے۔
لیکن اس تاویل اور دوسری شرط میں مطابقت پیدا نہیں کی جا سکتی، یعنی یہ کہ ہمارا ارادہ واقعات و حادثات کے راستے کی تعیین کے لئے اہم ہے۔ یہ یقیناً بدیہی ہے، اس لئے کہ چونکہ ارادہ ایک جسمانی حالت کا محض اظہار ہے، لہذا یہ جسمانی حالت کسی اور جسمانی حالت کا نتیجہ ہونی چاہیئے۔ اور اس سے اور جسمانی حالتیں پیدا ہونی چاہئیں۔ یہ "علت و معلول کے بڑے سلسلے" کا حصہ بن جائیں گی، اور اس طرح یہ وہ ہو جائیں گی، جو "یقیناً زمانہ آیندہ میں بننے والی ہیں"۔ اس لحاظ سے یہ بیان بے معنی ہو جاتا ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کر کے اپنے چھوٹے سے کونے پر اثر کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہکسلے نے طبعی قانون کی کلیت پر تو زور دیا ہے، لیکن خود اس قانون کی ماہیت کو اس نے ہاتھ نہیں لگایا۔ انسانی افعال بالکل انہی معنوں میں آزاد ہیں جن میں کہ بے سہارا پتھر نیچے کی طرف گرنے کے لئے آزاد ہے۔
اب اگر مذہبی پیشوا روحانی آزادی کی حمایت میں ہکسلے کو اپنا حلیف نہیں سمجھتے تو تعجب نہ ہونا چاہیے، ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارے ارادے کے اہم بننے کیلئے کس چیز کی ضرورت ہے؟ اگر "مادہ" اور "روح" دونوں "فطری مظاہر کے خیالی طبقات" کے نام ہی ہیں، تو ان میں تمیز کرنے سے کیا حاصل ہے؟ تماشا یہ ہے کہ خود ہکسلے تسلیم کرتا تھا کہ یہ سب محض اصطلاحات کے کھیل ہیں۔ وہ کہتا ہے: "مادی مظاہر کو روحانی اصطلاحات یا روحانی مظاہر کو مادی اصطلاحات میں بیان کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مادے کو فکر کی ایک شکل اور فکر کو مادے کی ایک خاصیت سمجھا جا سکتا ہے۔ ان دونوں بیانات میں اضافی صداقت ہے"۔ یہاں ہکسلے کے بیان کے ابہام کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ اس کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اگر ڈراؤنے خواب کی کوئی علت ہے، تو اس نے اس علت کو رفع نہیں کیا۔ "علت و معلول کا بڑا سلسلہ" وجود کے مجموعے کو

مرکب کرتا ہے، اس سلسلہ کو "اندھادھند" "مادہ" یا "روح" کہنے سے ان سوالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی جو ہکسلے کے ہم عصر لوگوں کے لئے اتنے دلچسپ تھے۔ خود ہکسلے کے لئے صرف یہ اعتقاد کافی تھا کہ "ہم اپنا فرض ادا کرسکتے ہیں"۔ یہ اعتقاد وہ یقیناً رکھتا تھا، اس کو یہ سوال کرنے کا کبھی خیال نہ آیا کہ اپنا فرض ادا کرنے کے تصور میں اور کیا چیز شامل ہے۔ اس نے صرف یہ فرض کر لینا کافی سمجھا کہ وہ ان معنوں میں "آزاد ارادے" کا مالک ہے کہ "ہم جو کچھ چاہیں کرسکتے ہیں"۔ مختصر یہ کہ ہکسلے نے اس مسئلہ کے اصلی نکتہ کو نہ پہچانا۔ اس نے اس ڈراؤنے خواب سے ان معنوں میں خلاصی پائی کہ اس نے یہ خواب دیکھا ہی نہیں۔

ڈارون کے نظریہ طبعی انتخاب کے حامیوں میں شریک ہونے سے کچھ برس پہلے جے، ایس مل نے سوال اٹھایا تھا کہ "کیا انسانی کردار کو کسی سائنس کا موضوع" بنانا ممکن ہے؟ اس کا خیال تھا کہ اگر اس کا جواب اثبات میں دیا جاتا ہے تو گویا ہم فرض کر لیتے ہیں کہ انسانی افعال بھی دیگر فطری واقعات کی طرح "ناقابلِ تبدل قوانین کے تابع ہیں"۔ اس بیان میں خود اس نتیجہ کو فرض کر لینے کا میلان پایا جاتا ہے، جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اگر انسانی افعال "دیگر فطری واقعات" میں شمار کئے جاتے ہیں، اور تمام فطری واقعات کو ناقابلِ تبدل قوانین کے تابع سمجھ لیا جاتا ہے، تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم کو معلوم ہے کہ مل نے فطری واقعات کو ان قوانین کے تابع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نے پہلے تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسانی افعال "ناقابلِ تبدل قوانین کے تابع" ہیں، پھر اس سے نتیجہ نکالا کہ یہ افعال فطری کے سلسلہ میں شامل ہیں[1]۔

جہاں تک مجھے علم ہے مل نے کہیں بھی صراحۃً یہ بیان نہیں کیا کہ پیشینگوئی سائنس کی غایت ہے۔ لیکن اس کا اصرار تھا کہ پیشینگوئی کی قابلیت قانونِ قدرت کی علامت ہے، وہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ قابلِ انکشاف قوانینِ قدرت موجود ہیں، اور یہ کہ ان قوانین کو یقیناً صحیح طور پر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ قوانین

---

[1] ہمارا ارادہ بالکل ان ہی معنوں میں ہمارے جسمانی افعال کی علت ہے جن میں سردی برف کی، یا چنگاری بارود کے بھڑک اٹھنے کی "۔ دیکھو منطق، کتاب سوم، باب پنجم، بند دوم۔

اس کے نزدیک قوانین علیہ ہیں۔ مل کی رائے میں علّی تعلق ایسا تعلق ہے، جو ہمیشہ باقی رہے گا، نہ کہ جو گزشتہ زمانہ میں باقی رہا ہے۔ لہذا یہ تعلق غیر مشروط ہونا چاہئے، یعنی اسکو تمام قابل تخیل حالات میں پایا جانا چاہئے۔ علّی قانون ان معنوں میں لزوم کے خیال کو شامل ہوتا ہے کہ اس میں ایک غیر مشروط اور ناقابل تبدل تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سوال کہ انسانی افعال لازم و واجب ہوتے ہیں۔ اس سوال کے برابر ہے کہ کیا کسی انسانی فعل اور اس واقعہ میں جس سے کہ یہ فعل پیدا ہوتا ہے، کوئی غیر مشروط تعلق پایا جاتا ہے؟ مل لکھتا ہے، "جب ہم کہتے ہیں کہ تمام انسانی افعال لازماً پیدا ہوتے ہیں، تو ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو، تو یہ یقیناً پیدا ہوں گے"۔ مل فرض کرتا ہے کہ یہ پیشینگوئی نظری طور پر ممکن ہے کہ "کیا یقیناً پیدا ہوگا" اور یہ کہ جس بات کی پیشینگوئی ہوئی ہے، وہ یقیناً پیدا ہوگی، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانی افعال کی پیشینگوئی ہوسکتی ہے، اور بعض کی نہیں، لیکن مل استدلال کرتا ہے، "جو شخص ہمارے محرکات اور ان سے ہماری عادی اثر پذیری سے واقف ہے، وہ پیشینگوئی کرسکتا ہے کہ ہم کیا کرنے کا ارادہ کریں گے"! یہ دعویٰ مل کے نزدیک ان واقعات کی محض تاویل، یا ان کی شبیہ ہے جو ہر شخص کے معائنہ میں آتے ہیں بہ شرطیکہ وہ ان کا معاینہ کرنا چاہے۔ اس کے متعلق تمام شبہات واقعات کی پیچیدگی کا نتیجہ ہوں گے، یا پھر اس بات کا کہ انسانی افعال کے مقدمات، یعنی فاعل کی سیرت اور اس کے محرکات کو معلوم کرنا بہت دشوار ہے، لیکن یہ دشواری عمل کی ہے، نہ کہ اصول کی۔

لہذا مل کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی افعال لازمی ہوتے ہیں، بہ شرطیکہ ہم "لازمی" کے صحیح معنی لیں ہم کو اس افتراض سے بہ احتیاط بچنا چاہئے کہ "مقدم اور تالی" میں کوئی ربط ہے، یا کہ مقدم تالی پر کوئی پراسرار جبر استعمال کرتا ہے"۔ مل کے نزدیک یہ غلط عقیدہ کہ "علتیں اپنے معلولات کو کسی پراسرار رابطہ سے کھینچتی ہیں" اس خیال پر اعتراض کی بنیاد ہے کہ انسانی افعال لازمی ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں "الف" "ب" کی علت ہے"

ی غلط تحلیل انسانی افعال کے متعلق صحیح عقیدے کی تردید کا باعث ہوئی ہے۔ غلط عقیدہ یہ ہے کہ ہم اپنی سیرت کو
ینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ "صحیح خیال یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم اپنی سیرت کو بدل سکتے ہیں۔ یہ خواہش اس فعل کا
قدمہ ہے جس سے کہ فعل بطور معلول پیدا ہوتا ہے،" انسانی افعال کی تعلیل کے متعلق مل نے تین عقیدے بیان
کئے ہیں: پہلا: عقیدۂ لزوم ہے، جو صحیح معنوں میں سمجھا جائے یہ خود اس کا عقیدہ ہے، اسکو اس نے "فلسفیانہ لزوم کا
عقیدہ" کہا ہے۔ دوسرا: عقیدۂ لزوم ہے جسکے غلط معنی لئے جاتے ہیں، اس میں اور تقدیر کے عقیدے میں تمیز مشکل ہے،
اس عقیدے کا یہ دعوی غلط ہے، کہ کوئی اور قوت نہ کہ ہم خود اپنی سیرت کو بناتے ہیں، لہذا اگر ہم اسکو بدلنا چاہیں تو بھی
نہیں بدل سکتے ہم تقدیر و قسمت کے خلاف خواہ مخواہ لڑتے ہیں، مل کا اصرار ہے کہ اسکا عقیدہ انسانوں کو کسی اور کا
غلام نہیں بناتا، تیسرا: عقیدۂ آزاد ارادہ (اختیار) کا ہے اس عقیدے کے مطابق انسانی افعال آزاد ہو سکتے ہیں، اور جب
یہ آزاد ہوتے ہیں تو یہ بلا علت ہوتے ہیں، اس لحاظ سے ایک آزاد فعل ہکسلے کے معنوں میں خود رو ہوتا ہے، مل اس
عقیدہ سے متفق نہیں لیکن اس کا خیال ہے کہ اس میں صداقت کا وہ حصہ شامل ہے، جو لفظ لزوم کی نگاہوں سے اوجھل
رہتا ہے، یعنی خود اپنی سیرت کی تشکیل میں ذہن کی طاقت تعاون"۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسانی فعل کے متعلق مل کا عقیدہ بالکل صاف ہے، تاہم اس نے ہکسلے کی بہ نسبت زیادہ
صفائی سے یہ دیکھ لیا تھا کہ قانون حکومت کی توسیع، کم از کم بظاہر ان حالات کے متعلق عوام کے خیال کے منافی ہے جنہیں
اخلاقی فعل ممکن بناتا ہے، جس طریقہ سے اس نے منافات کو رفع کرنے کی کوشش کی وہ موجودہ بحث کیلئے بہت سبق
آموز ہے، مل کو یہ دکھا دینا کافی معلوم ہوا کہ مقدم اور تالی، محرک اور فعل کے درمیان کوئی پوشیدہ رابطہ، یا کوئی مخصوص
تعلق نہیں۔ ایک اہم جملہ میں مل نے بیان کیا تھا: "اگر لزوم میں اس قسم کا رابطہ فرض کیا جاتا ہے، تو یہ عقیدہ صرف انسانی
فعل پر بلکہ بیجان اشیاء پر بھی قابل اطلاق نہیں، یہ کہنے کی بہ نسبت کہ ذہن پر لزوم مسلط ہے، یہ کہنا صحیح تر ہوگا کہ مادہ
پر لزوم مسلط ہے"۔ اس طرح مل نے اس نتیجے پر پہنچا کہ ذہنی واقعات اور طبیعی واقعات دونوں میں ایک ہی طرح
کا تعلق پایا جاتا ہے، اور دونوں صورتوں میں مساوی صحت کے ساتھ اس تعلق کی پیشنگوئی کی جا سکتی ہے۔

تلخیص و تبصرہ

ترجمہ سے متعلق شیخ عنایت اللہ صاحب دہلوی کے خیالات

ذیل کی سطرون مین اردو زبان کے مایۂ ناز مترجم اور ممتاز ادیب محترمی جناب شیخ عنایت اللہ صاحب بی اے، دہلوی (سابق ناظم دار الترجمہ حیدرآباد دکن) کے ارشاداتِ گرامی درج کئے جاتے ہین جو انھون نے راقم حروف کو فنِ ترجمہ کے متعلق بطور پند و نصیحت عطا کئے ہین، موصوف کے اس قسم کے خیالات آج سے گیارہ برس پہلے حیدرآباد دکن کے کسی رسالہ مین شائع ہوئے تھے، مگر ان کا بیان ہے کہ وہ نہ چھپنے کے برابر تھے، اسلئے ازراہِ لطف و کرم انھون نے راقم سطور کے استفادہ کی غرض سے ان خیالات پر پھر نظر ثانی کی ہے، ہم موصوف کے بے حد شکر گذار ہو کر ذیل مین ان خیالات کو معارف کے ناظرین کے لئے بھی درج کرتے ہین،

ترجمہ کا آئیڈیل کیا ہونا چاہئے؟

آئیڈیل درحقیقت کسی چیز مین کمال کے ایک ذہنی تصور یا نمونے کا نام ہے، ذہن مختلف ہین اسلئے کمال کے نمونے بھی ان مین مختلف ہین، ترجمے کے آئیڈیل کی دو صورتین میرے ذہن مین ہین،

(۱) بعض لوگ بالخصوص یورپ کی درسگاہون کے تعلیم یافتہ اصحاب ترجمہ کا کمال اس مین سمجھتے ہین کہ لفظ کی جگہ لفظ ہو بلکہ ایک ہی لفظ کی جگہ ایک ہی لفظ ہو، فقرون کی نحوی ترکیب بھی جہان تک ممکن ہو، انگریزی کے مطابق ہو، اس مین اردو کے قواعد صرف و نحو سے بھی کہین کہین قدم ڈگ جائے تو مضائقہ نہین

یزی دانی ایسی اردو کے سمجھنے کے لئے کافی ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہو اور
وہ طریقہ ہے جو کمزور اردو زبان کو توانا و طاقتور بنا سکتا ہے، بغیر اس کے اردو ایک علمی زبان نہیں بن سکتی،
ف اردو کو اپنی طرف سے اصلاح کا مستحق سمجھکر مغربی علوم کی قربان گاہ پر اسے ذبح کرنا کار ثواب
نتے ہیں، مگر بہر کیف ان کا یہ آئیڈیل ایسا ہے کہ ظاہر ہے وہ کیسا ہی تکلیف دہ ہو، مگر کہیں نہ کہیں اسے
ناضرور پڑتا ہی،

(۲) دوسرا آئیڈیل ترجمہ کا یہ ہے کہ اپنی عبارت میں کسی حال میں بھی ادب کا دامن ہاتھ سے
چھوٹے، یہ آئیڈیل پہلے آئیڈیل کو اپنی زبان کی تخریب وتحقیر کا موجب قرار دیتا ہی، پاؤں پھیلانے
ن چادر کو اتنا نہیں تاننا چاہیے کہ چادر پھٹ جائے، اس دوسرے آئیڈیل کے ماننے والوں کے نزدیک
بی کتابوں کے ترجموں کا جو مطلقاً اصطلاحی علوم کی نہیں ہیں، بہترین طریقہ یہ ہے کہ انگریزی فقرے
مفہوم بالکل صحیح طور پر سمجھا جائے، اور پھر اس مفہوم کو اپنی زبان میں اس طرح ادا کیا جائے کہ عبارت
شروع ہی سے اپنی زبان کی لکھی ہوئی معلوم ہو، اور جو ادبی محاسن اصل میں موجود ہیں، وہی حتی الامکان
دو ترجمے میں بھی ہوں، یہ کام اکثر موقعوں پر نہایت دشوار ہوتا ہے، غیر زبان کے بعض مفہوم ایسے
ہوتے ہیں کہ ہزار کوشش کیجئے، مگر جس صورت میں وہ سمجھ میں آئے ہیں، بعینہٖ اسی صورت میں اپنی
زبان میں یا تو ادا نہیں ہوتے، اور اگر ادا ہو بھی جائیں، تو ان کی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا،
بہرکیف دشواریاں سخت ہیں، اور ان کی وجہ ظاہر ہے، انگریزی زبان میں جو صدہا برس کی منجھی
ہوئی زبان ہے، الفاظ کی کثرت اور ہر چیز کو منطقی اسلوب پر بے کم وکاست آسانی سے بیان
کرنے کی ایسی ترکیبیں موجود ہیں، جو ہماری زبان میں نسبتہً کم ہیں، اس آئیڈیل کے ماننے والے
اردو کو کچے شیشے کا ایک ظرف سمجھتے ہیں، جو زیادہ گرم یا سرد پانی بھرنے سے ٹوٹ جانے کا اندیشہ
رکھتا ہے، یہ لوگ اپنی زبان کی پاسداری میں مفہوم میں خفیف کمی بیشی پیدا ہو جانے کو بھی بڑا گناہ نہیں سمجھتے،

اگر اس سے اردو عبارت کی شان مین کوئی فرق نہ آتا ہو،

میرے خیال مین پہلے آئیڈیل مین بعض امور کی پابندی سے بالخصوص اصطلاحی علوم مین مثلاً ریاضی سائنس، قانون وغیرہ مین گریز کرنا عبث ہے، دوسرا آئیڈیل ایسی کتابوں کے ترجموں مین پیش نظر رکھنا ضروری ہی جن کا ادب سے زیادہ تعلق ہو، مثلاً تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ کی بعض شاخین اور سیرت وغیرہ،

ترجمہ کے اچھے بُرے ہونے کا اندازہ دو طریقوں سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ صرف ترجمہ پڑھتے چلے جائیے، اگر مطلب صاف سمجھ مین آرہا ہے، بیان کی خوبی اور قوت دونون چیزین عبارت مین موجود ہین، اور اس کا علم بھی ہے، کہ ترجمہ پڑھ رہے ہین، تو ایسے ترجمہ کی تعریف بے اختیار زبان سے نکلیگی اور وہ اچھا ترجمہ کہلائے گا، اور اگر بیان مین کوئی خوبی نہین ہو اور عبارت مین بے ربط فقرے، غیر مانوس الفاظ، کریہ الصوت جملے، حل طلب ترکیبین ہون، تو ترجمہ خواہ اصل مفہوم سے کتنا ہی قریب ہو، خراب ترجمہ سمجھا جائے گا،

دوسرا طریقہ اندازہ کرنے کا (اور خدا اس سے پناہ مین رکھے) یہ ہو کہ ترجمہ کا اصل سے مقابلہ کرتے ہوئے چلئے، اس طریقہ مین دو زبانون کے فرق کی وجہ سے مشکل سے کوئی ترجمہ ایسا نظر آئے گا جس مین اعتراض کی گنجایش نہ نکلتی ہو، اس صورت مین ایک مدرسہ کا لڑکا بھی ایک عالم کے ترجمہ پر حرف گیری کرسکیگا، اور یہ حرف گیری ایسی ہوگی جس کا جواب دینا مشکل ہوجائیگا، ایسے ترجمہ کی خوبی اور خرابی کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ماہرین فن کا قول قول فیصل سمجھا جاسکتا ہی، وہی اس بات کو دیکھ سکتے ہین، کہ اچھے ترجمہ مین نہ تو زبان محاورے سے گری ہی، اور نہ مصنف کا کوئی خیال چھوٹا ہے، عام ناظرین کو جب ترجمہ کے سمجھنے مین ذرا بھی مشکل پیدا ہوگی، تو وہ فوراً ترجمہ اور مترجم دونون پر لعنت بھیجیں گے، بڑا کمال ترجمے کا یہی ہے، کہ وہ اپنے مفہوم کا واضح اور صحیح نقش پیدا کرے، اور یہ نقش حتی الامکان اصل زبان کے نقش کے مطابق ہو،

مترجم کا فرض ہے کہ وہ اصل کا صحیح مطلب سمجھکر اسکو اپنی زبان مین صفائی اور سلاست سے بیان کرے، اور جہان تک ممکن ہو مطلب سے نہ ہٹے، اور اپنی زبان کی خوبیون سے بے پروا ہو، اس طرز پر ترجمہ کرنے مین بڑی مشکلات ہین، انگریزی سے اردو کے ترجمہ مین مترجم کو جو چیز سب سے زیادہ پریشان کرتی ہے، وہ انگریزی زبان کے ([illegible]) اور [illegible] اور ایک ہی فقرہ مین جملہ کے ساتھ جملہ جوڑ کر بہت دور جاکر خبر نکالنے کی شکل صورتین ہین، اردو نوعمر اور کم مایہ زبان ہے، اس مین اسم و فعل جسقدر قریب ہوگا، اسی قدر زبان فصیح ہوگی، جس قدر ضمیرین کم آئین گی، اسی قدر مطلب جلد سمجھ مین آئے گا، بار بار پیچھے مڑکر دیکھنا نہ پڑے گا، جدید طرز کی انگریزی مین بھی لمبے فقرون سے پرہیز ہونے لگا ہے لیکن پرانے انشا پردازون کے ہان فقرون کا طول قیامت خیز ہوتا ہے، اور اب بھی اگر ضرورت ہو تو اس سے پرہیز نہین،

ایسی صورتون مین مترجم کا یہ کام ہے کہ وہ فقرون کو اس کے اجزا مین تحلیل کرے، پھر اپنے قواعد کے مطابق ان مین سے چند کو جوڑ کر جہان جڑ سکیں، اور چند کو جو نہ جڑ سکین انھیں مستقل فقرے بناکر ترجمہ کرے، درخت بھی ہے، اور درخت کی بہت سی شاخین بھی ہین، پورا درخت مع شاخون کے اپنی زبان مین نہیں اترتا، اسلئے بعض شاخون کے علحدہ پودے لگانے پڑتے ہین، مترجم کی خوبی اس مین ہے کہ یہ پودے درخت ہی کے سایہ مین اس طرح رہین، کہ اسکی شاخین معلوم ہونے لگین، اس طرح آپ مطلب صاف کردین گے، ورنہ مصنف کو آپ سے شکایت ہوگی، اور نہ ترجمہ پڑھنے والے کو، مگر اس طرز کیلئے ضروری ہے کہ اپنی زبان پر پوری قدرت ہو، ورنہ بیجا کمی بیشی اور غلط فہمی ارتکاب ممکن ہے،

اس کے علاوہ مترجم کے لئے ایک بات اور نہایت ضروری ہے، اکثر دیکھنے مین آیا ہے،

کہ دو فقروں کا جو یکے بعد دیگرے آئے ہیں، صحیح ترجمہ ہو گیا ہے، لیکن جو ربط دونوں فقروں میں انگریزی میں ہے، وہ ترجمہ میں پیدا نہیں ہوا، یہ ترجمہ کا سخت عیب اور مترجم کی نالائقی سمجھی جاتی ہے، تھوڑی سی توجہ سے دوسرے فقرے میں لفظوں کے الٹ پھیر سے یہ عیب رفع ہو سکتا ہے، اسی طرح ایک پیراگراف کو دوسرے پیراگراف سے جہاں تعلق ہو اپنی زبان میں بھی ان کے متعلق کرنے میں غفلت نہ کیجائے، اور اس خیال کی طرف جس کے سلسلہ میں دوسرا پیراگراف آیا ہے، کچھ اشارہ کرکے ترجمہ شروع کیا جائے، یہ زیادتی نہ ہوگی، بلکہ ضرورت ہوگی، ضمیروں پر بھروسہ نہ کیا جائے اردو زبان اسکی بہت کم متحمل ہے، انگریزی مصنف اپنی زبان پر قادر ہے، مترجم کو بھی وہی قدرت پیدا کرنی ہے، اس سے غفلت نہ کرنی چاہئے، مطلب اس کا ہے، زبان اپنی ہے، اس لئے جب تک پورے طور پر مصنف کے ہم خیال نہ بن جائے گا، اس کے مفہوم کو بیان کرنے سے قاصر رہے گا، ترجمہ میں محنت سے جی چرانا اور بے پروائی کرنا گناہ ہے،

بہت سی ایسی خامیاں ہیں، جن کی وجہ سے ترجموں کو پڑھکر سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، گو ترجمہ اپنی ہی زبان میں ہوتا ہے، مگر جب تک زیادہ غور نہ کیجئے، مصنف کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، اور کوشش و تضیع اوقات کے بعد جب سمجھ میں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں تو کچھ بھی نہ تھا، یہ بات تو اس طرح بھی آسانی سے کہی جا سکتی تھی، مگر ہمیشہ یہ کہکر بھی آپ اپنا اطمینان نہیں کر سکتے، اگر مترجم نے بات آسان کرکے کہدی ہے، تو مصنف کا کچھ مطلب ضرور چھوڑ دیا ہے، درخت کی بعض شاخوں کی تصویر بنانی رہ گئی، بہر کیف اگر ترجمہ پڑھنے والے کو مطلب کے سمجھنے میں زیادہ محنت کرنی پڑی، تو وہ اُسے ناواجب زحمت سمجھکر مترجم کو الزام دیگا، چھوٹی باتوں کو بڑا سمجھکر ترجمہ میں زیادہ کوشش کرنا اور بڑے مطلبوں کو ادا کرنے میں صرف انگریزی الفاظ کی پابندی سے عبارت کو چیستان بنا کر اپنا پیچھا چھڑانا درست نہیں ہے، اگر مترجم خود مطلب

نہیں سمجھا ہے، تو پھر ترجمہ کرنا سراسر بے ایمانی ہے، اگر سمجھ مین آگیا ہے، تو اسکو صحیح صحیح بے تکلف اداکرنا لازمی ہے، اگر مترجم کو اپنی زبان پر قدرت ہی، اور وہ ایک بات کو کئی طرح بیان کرنے پر قادر ہو تو یہ کام آسان ہی، ورنہ اسکے برابر کوئی مشکل اور عبث چیز نہین، جہان مطلب سمجھ مین آجائے، وہان مصنف کے زور بیان سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، ترجمہ مین مترجم زبان کے فرق سے قطع نظر کرکے مصنف کا درجہ رکھتا ہے، جو چیز مین سمجھ گیا، وہ چیز میری ہوگئی، پھر انگریزی عبارت کے خوف سے اپنی زبان بگاڑنے کی ضرورت نہین،

تھوڑی سی ذہانت اور جرأت سے ترجمہ کے بہت سے عیب رفع ہو سکتے ہین، یہ جرأت مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہ آپ کیسے ہی ماہر فن ہون مگر کسی خاص کتاب کا ترجمہ شروع کرنے سے پہلے اسکے مضمون سے ضرور طبیعت کو آشنا کر لیجئے، اس مضمون پر اور کتابین کبھی مشکل اور کبھی آسان مل جائنگی، ضرورت اسکی ہوگی کہ بہت سا وقت ان کے مطالعہ میں صرف کیجئے، جب مضمون سے آپ مانوس ہوجائین گے، اور اس پر قدرت ہوجائیگی، تو پھر ترجمہ کے وقت مصنف کے منہ سے بات نکلتے ہی آپ سمجھ جائین گے، کہ آگے کیا کہنا چاہتا ہے، اس وقت آپ کو ترجمہ کرنا آسان ہوجائے گا، اور جو کچھ لکھئے گا، اس مین صحت، روانی اور بے تکلفی پیدا ہوجائیگی، کسی کتاب کا ترجمہ تاوقتیکہ اس موضوع پر اور دوسری کتابین پڑھکر تھوڑی بہت قدرت حاصل نہ کرلین، ہرگز شروع نہ کیجئے، مطالعہ اور مطالعہ بھی زیادہ، اچھا ترجمہ کرنے کے لئے ضروری شرط ہے،

تاریخ کے ترجمہ کا مجھے کسی قدر تجربہ ہے، اسکی نسبت یہ عرض ہے، کہ جس ملک کی تاریخ کا ترجمہ کیجئے، جب تک اس کا جغرافیہ اور جغرافی نقشہ سامنے نہ رکھ لیجئے، ترجمہ شروع نہ کیجئے، مین کبھی کسی تاریخ کا ترجمہ اپنے اطمینان کے قابل نہیں کرسکا، جب تک کہ شہرون، قلعون، پہاڑون اور دریاؤن کے موقعے نقشے مین نہ دیکھ لے، آپ کی اس زحمت سے آپ کے ترجمے پڑھنے والے کو

براہ راست کوئی نفع نہیں پہنچا، لیکن ترجمہ میں آپ کو مدد مل گئی، اور وہ اس طرح کہ طبیعت بند نہ رہی، جہالت کا بادل پھٹ گیا، واقعات اس طرح قلم سے نکلنے لگے جیسے چشم دید ہوں، اب یہ نہ رہا کہ مصنف گھوڑے پر سوار ہے، راستہ جانتا ہے، اور مترجم پیدل راہ سے ناواقف ہے، اب مضمون ہمرکابی کا ہو گیا، مگر یہاں یہ خوف ہے، کہ آپ مصنف سے آگے نہ نکل جائیں، اور اپنی معلومات کے زور پر مصنف سے بھی زیادہ نہ لکھ جائیں، ایسا ہوگا، لیکن جب دوبارہ فقرے پر غور کیجئے گا، تو مصنف ہی کے الفاظ مضمون کو صحیح بیان کر دینے کے لئے ترجمہ میں کافی ہو جائیں گے، اسی طرح ان تلمیحات کو جو انگریزی عبارتوں میں علم کی کثرت کی وجہ سے زیادہ آتی ہیں، ترجمہ کرنے سے پہلے کتابوں میں تلاش کر کے اچھی طرح سمجھکر ذہن میں رکھئے، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ترجمہ کے وقت خود بخود آپ انھیں اس طرح بیان کر جائیں گے، کہ پڑھنے والے کو مطلب سمجھنے میں وقت نہ ہوگی، محض ایک مختصر سا نوٹ حاشیہ پر یا متن میں یا عبارت ہی کے سلسلہ میں ایک آدھ فقرہ خطوط ہلالی میں کل مضمون کو روشن کر دے گا،

ڈکشنری دیکھنے کو کبھی دل نہ چرائیے، یہ بہت بڑی خطا ہے، ڈکشنری وہیں بکار آمد نہیں ہوتی، جہاں لفظ کے معنی نہ معلوم ہوں، بلکہ اچھے لفظ کی تلاش میں بار بار نا امید ہونے کے بعد بھی اسے دیکھنا پڑتا ہے، انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے میں ذیل کی کتابوں کو دیکھنا لازمی ہے،

۱۔ ڈکشنری، انگریزی سے انگریزی میں، تاکہ انگریزی لفظ کے تمام معنوں پر عبور ہو جائے، (۲) ڈکشنری انگریزی سے اردو میں، تاکہ اردو لفظ معلوم ہو، (۳) انگریزی سے فارسی اور عربی کے لغت تاکہ اردو ڈکشنری میں جو فارسی یا عربی لفظ آئے ہیں، اور کام کے نہیں معلوم ہوتے، ان کے فارسی یا عربی مترادف الفاظ دیکھے جائیں، ممکن ہو کہ کوئی لفظ ڈھنگ کا مل جائے، فارسی اور عربی لغات سے اس بارے میں اچھی مدد مل جاتی ہے، (۴) تلمیحات کی ڈکشنریاں، قصص اصنام جو لغت

کی صورت مین لکھے گئے ہین، بیوگرافیکل ڈکشنریان، تاکہ تاریخی لوگون اور مشاہیر کے حالات معلوم ہوسکین، (۵) انسائیکلوپیڈیا، جس سے نمبر ۴ کے بہت سے عقدے حل ہوتے ہین، مگر سب نہیں، (۶) اٹلس نئے اور پُرانے مشہور شہرون کے خاکے اگر کسی پرانے شہر کا ذکر آیا ہے (۷) مشہور تعمیرون کا اگر ذکر آیا ہو تو ان کی تصویرین جہان کہین ملین ضرور دیکھئے، انگریزی مصنف تاریخون مین بہت کچھ نقشون اور تصویرون کی مدد سے عبارتین اس طرح لکھ جاتے ہین، کہ اصل صورت سامنے آجاتی ہے، پھر جس قدر محنت مصنف نے کی ہے، مترجم کو چاہئے کہ اتنی ہی زحمت خود بھی گوارا کرے،

جس مضمون کی کتاب ترجمہ کرنی ہے، اس مضمون سے متعلق دوسری کتابون سے کما حقہ، واقفیت پیدا کرنے میں کاہلی، فقرے کا صحیح مفہوم سمجھنے، لفظ کے صحیح معنی معلوم کرنے یا مناسب لفظ کی تلاش مین سستی مترجم کو نالائق ثابت کر دیگی، اور اگر مطلب سمجھنے مین غلطی کی ہو تو پھر مرتے دم تک اسکی بدنامی سے چھٹکارا نہیں، اگر ہزار فقرے صحیح ترجمہ کئے ہین، اور ایک فقرے کا مطلب غلط سمجھ لیا تو یہ ایک غلطی ہزار صحتون پر بھاری ہوگی، اور بے درد معترض مترجم کی لیاقت کا اندازہ ہمیشہ اسی غلطی سے کریگا، ایسی غلطیوں سے مترجم کو ڈرنا اور بچنا چاہئے، ایک منٹ کی غفلت سے مہینون کی محنت غارت ہوجائیگی، گراچھے سے اچھے مترجمون سے بھی یہ ہوجاتا ہے، غیر معاف کر دیتے ہین، مگر اپنا دل معاف نہین کرتا،

ترجمہ مین جلدی نہ کیجئے، مگر پیٹ ایسی بُری بلا ہے، کہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے، جو لوگ ترجمہ کے پیدائشی مریض ہین، وہ ایک ایک فقرے کے سوچنے میں کئی کئی دن صرف کر دیتے ہین، ترجمہ کے فقرون کو بار بار کاٹ کر فقرے کی بہتر شکل پیدا کر دیتے ہین، اور پھر بھی اطمینان نہین ہوتا، اور کام تو مشق سے آجاتے ہین، مگر ترجمہ مین مشق کے بعد بھی ہنوز روز اول کا مضمون رہتا ہے، بعض ذہین مترجم جن کی قوت گرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، ترجمہ صاف لکھتے چلے جاتے ہین، فقرہ دیر مین لکھتے ہون

مگر کاٹنے کی ضرورت نہین ہوتی، یہ مستثنیٰ صورتین ہین، لیکن میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ جب تک ایک بار ترجمہ کرکے پھر اس ترجمہ کو از سر نو عبارت کے بنا اور فقرون کی روانی کا پورا لحاظ کرکے خود صاف نہ کرے ترجمہ درست اور اچھا نہین ہوتا، جلدی مین اکثر یہ خرابی پیدا ہوتی ہے، کہ انگریزی کے فقرے اکثر بڑے ہوتے ہین پہلی مشکل تو یہ ہوتی ہے کہ انھیں کہان سے شروع کرے، پھر ایک ہی فقرے مین ذیلی فقرے اتنے ہوتے ہین کہ اگر ذرا بھی عجلت کی تو بے ربطی کے علاوہ کوئی نہ کوئی بات چھوٹ بھی جائے گی، اور گو مترجم اپنا فقرہ درست کرنے کے بعد مطمئن ہوگیا ہو لیکن ترجمہ ناقص رہتا ہے، اور مقابلہ کرنے والے کو اپنا غصہ اتارنے کے لئے اچھا موقع ملتا ہے،

ترجمہ کرنے کے بعد اس کو پڑھئے، جن کو زیادہ اصلاح منظور ہوتی ہے، وہ اکثر کمرہ بند کرکے زور زور سے پڑھتے ہین، پڑھنے مین جہان زبان اٹکتی ہے، سمجھ لیتے ہین، کہ خامی ہے، اس پھانس کو نکالنے کی کوشش کرتے ہین، میرے ایک معزز استاد نے ایک مرتبہ نصیحت کی تھی، کہ فقرے کی آواز درست کرلوگے، تو مطلب بھی درست ہو جائے گا، یہ نصیحت زیادہ تر بکار آمد اس وقت ہوتی ہے جب اپنی زبان ہی مین خود اپنی طرف سے انسان کوئی بات کہتا ہے، ترجمہ کے ساتھ یہ اصول ہمیشہ درست نہین، لیکن جہان تک ترجمہ کی زبان کا تعلق ہے، اس نصیحت کا ضرور خیال رکھنا چاہئے،

ترجمہ کو بالعموم آسان کام سمجھا جاتا ہے، جو لوگ اردو کی مشکلون سے واقف نہین ہین، وہ مترجم کی عزت نقل نویس سے زیادہ کرنے کو ایک ناواجب سی بات سمجھتے ہین، مگر ترجمہ آسان کام نہین ہے، بالخصوص انگریزی سے اردو مین ترجمہ کرنا اور ایسا ترجمہ کرنا کہ وہ ایک مستقل تصنیف معلوم ہو نہایت دشوار ہے، انگریزی اور اردو زبانون مین کچھ ایسا اختلاف ہے، کہ اسے بیان کرتے بن نہین پڑتا، شاید انگریزی اور یورپ کی اور زبانون مین اتنا فرق نہ ہو، اور وہان ترجمہ کرنا آسان کام ہو، مگر یہ بھی درست نہین معلوم ہوتا، کیونکہ انگلستان کے ایک بڑے عالم کا قول ہے کہ اپنا ہی خیال اپنی

زبان مین صحیح طور پر خوبی سے بیان کرنا مشکل ہے، چہ جائیکہ غیر کا خیال غیر زبان مین کیا ہوا اپنی زبان مین ادا کرنا" اس عالم کو اگر اردو اور انگریزی کا فرق معلوم ہوتا، تو شاید وہ اپنے اس قول مین اور بھی زیادہ قوت پیدا کرتا، ترجمہ کی نسبت یہ بھی کسی کا قول ہے اور بہت صحیح ہے، کہ ترجمہ ایسی محنت ہے، جو کسی کے شکریہ کی مستحق نہین، مگر یہ مقولہ مترجم کی ہمدردی میں کہا گیا ہے، مگر اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ شکریہ کا مستحق دراصل مصنف ہے، مترجم کا کام صرف اس کو دوسری زبان مین منتقل کرنے کا ہے، اور یہ کوئی بڑا کام نہین، مگر میرا خیال یہ ہے کہ جہان ایک قوی زبان سے کمزور زبان مین خیالات منتقل کرنے کی خدمت کسی کے سپرد ہوتی ہے، تو یہ خدمت تصنیف سے بھی اکثر مقامات پر چہار چند دشوار ہو جاتی ہے، مترجم کو مصنف سے بھی زیادہ وقت اور دماغ صرف کرنا پڑتا ہے، اور مترجم کی خدمت ایک علمی خدمت ہو جاتی ہے نقل نویسی نہیں رہتی، مترجم کو کم وبیش وہی مدارج طے کرنے پڑتے ہین، جو مصنف نے اپنی تصنیف کو پیدا کرنے میں کئے ہین، بشرطیکہ وہ اپنے ترجمے کو اپنی زبان میں وہی عزت بخشنی چاہے، جو انگریزی زبان مین انگریزی کتاب کی ہے، میرا خیال ہے، کہ جو لوگ ترجمہ کو آسان سمجھتے ہین، اون کو یا تو ترجمہ کا تجربہ نہیں، یا علم کی قدر نہین، مترجم شکریہ کا مستحق نہ ہو، لیکن اگر دنیا مین مترجم نہ ہوتا، تو روے زمین پر علم کی جھیلین اور دریا تو بہتیرے ہوتے، مگر ان کو ملا کر علم کا بحر ناپیدا کنار بنانے والا کوئی نہ ہوتا، "ص ع"

نفسیات ترغیب

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کے لئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اس کو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اسکے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب میں انہی اصول کی تشریح ہے، تجارت اشتہارات اور تقریر و وعظ میں ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے،

ضخامت ۲۱۱ صفحے، قیمت ۱۲/۔ "مینیجر"

اخبارِ علمیہ

ہندوستان کی گرمی مین ٹھنڈک

السٹریٹیڈ ویکلی کے ایک مقالہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان مین گرمی سے بچنے کے لئے پہاڑون پر آبادی انیسوین صدی کے آغاز سے شروع ہوئی، کونور اور اوٹا کمنڈ سب سے پہلے آباد ہوے، ۱۸۳۰ء مین ولیم بینٹک نے پٹیالہ کے مہاراجہ سے پہاڑ کا وہ علاقہ خریدا جہان آجکل شملہ آباد ہے، اس کے آباد ہوتے ہی انگریزون نے یہان بنگلے بنانے شروع کئے، لیکن جب تک ریل سے آمد ورفت کی سہولتیں پیدا نہیں ہوئی تھین، پہاڑ گرمی کے موسم مین صحیح طور پر تفریح گاہ نہین بن سکے تھے، اسلئے جو انگریز پہاڑ پر نہیں پہونچ سکتے تھے، وہ بڑے بڑے پنکھون کے نیچے ہی اپنے کو گرمی سے محفوظ پاتے تھے، ان کے بنگلے کا فرش گوبر سے لپا ہوتا تھا، تاکہ گرمی اس میں جذب ہوتی رہے، اور ان کے مکان کی کھڑکیون مین سیپ لگی ہوتی تھی، جس سے کمرے لو سے محفوظ رہتے تھے، ۱۸۷۸ء تک برف کا کوئی کارخانہ ہندوستان مین قائم نہیں ہوا تھا، اور ہندوستان مین انگریز امریکہ سے برف منگایا کرتے تھے، امریکن ایجنٹ اکتوبر اور نومبر مین برف کے لئے آڈر لیکر نیویارک اور بوسٹن کی کمپنیون کو بھیج دیتے تھے، جہان سے یہ کمپنیان برف سے لدے ہوے جہازات ہندوستان ایسے وقت روانہ کرتین، کہ وہ یہان اپریل اور مئی مین پہنچ جایا کرتے تھے اور بندرگاہون سے خاص قسم کی ریل گاڑیون مین برف مختلف مقامات کو بھیجی جاتی

تھی، تین سو روپیے مین ایک ٹن برف ملتی تھی، سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۱۸۴۰ء کے درمیان کلکتہ اور بمبئی مین برف کے کارخانے قائم ہوئے اسوقت سے برف ہندوستان مین عام ہوگئی،

تیموریون کے عہد مین پہاڑ توآباد نہین ہوئے، لیکن گرمی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کی تدبیرین کی گئین، انھون نے دریاؤن اور جھیلون کے کنارے محلات بنائے، جن مین نہرون کے ذریعہ مختلف حصون مین پانی پہونچایا کرتے تھے، محل کے اردگرد کشادہ اور گھنے باغ ہوتے تھے جہان فوارے بکثرت بنائے جاتے تھے، باغ کی سرسبزی اور شادابی اور فوارون کی پھوہارون سے گرمی کی شدت بڑی حد تک کم ہو جاتی تھی، محل کے اندر باؤلیان بھی ہوتی تھین، اور کمرہ کے نیچے بغل مین جابجا حمام ہوتے تھے، اور کھلی ہوئی چھتون کے فرش سنگ مرمر کے بنائے جاتے تھے، تاکہ وہ شام کے وقت جلد ٹھنڈے ہو جائین، کھڑکیون مین منقش جالیان بنی ہوتی تھین، جن سے آفتاب کی شعاعون کی تمازت کم ہوتی رہتی تھی، ان تمام تدابیر کے باوجود گرمی کی زیادتی ہوتی، تو شاہی خاندان کشمیر منتقل ہو جاتا، کشمیر تو اکبر کے عہد ہی مین فتح ہو گیا تھا، لیکن نورجہان کے ہاتھون سے جنت ارضی بن گیا، نورجہان نے اس دور و دراز سفر کو خوشگوار بنانے کی غرض سے جابجا کاروان سرائین بنوائین اور ان مین خوشنما باغات لگائے، چنانچہ ولکش، حسن ابدال، پنجور، ویری ناگ کے پر فضا باغ اور سرائین اب بھی اسکی یاد تازہ کرتی ہین،

بابر اور ہمایون پانی شورہ سے ٹھنڈا کیا کرتے تھے، جہانگیر اولے استعمال کیا کرتا تھا، لیکن شاہجہان کے عہد سے ہمالیہ کے پہاڑون سے آگرہ اور دہلی مین برف برابر پہنچا کرتی تھی، ہمالیہ کے علاقہ کے باجگذار حکمران خراج مین برف ہی ادا کرتے تھے، اور وہ "برفی راجہ" کہلاتے تھے، یہ برف کشتیون پر راوی ہو کر لاہور اور جمنا ہو کر دہلی پہونچتی تھی، منوچی کا بیان ہے کہ سرمور کے راجہ نے اورنگزیب کے عہد مین دہلی کے تمام باشندون کے لئے برف مہیا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا بشرطیکہ اس سے

خراج لینا بند کر دیا جائے، مگر اورنگزیب نے اس کو قبول نہیں کیا،

ریڈیو کی ابتدا

آج سے چھیالیس سال پہلے مارکونی نے جب ریڈیو ایجاد کیا، تو اسکی آواز شروع مین صرف سو گز تک پھیل سکی، لیکن ایک سال کے اندر ہی آواز کو ڈیڑھ میل تک پہونچانے مین کامیابی ہوگئی، پھر تھوڑے ہی عرصہ میں مارکونی نے دریاے برسٹل اور سومرسٹ کے درمیان دس میل تک آواز پہنچا دی، اور اسی زمانہ مین پہلی دفعہ برطانیہ کے بحری حکام نے لاسلکی کو استعمال میں لانے کی کوشش کی، ۱۸۹۸ء مین ٹرینٹی مین لاسلکی لگایا گیا، اور دارالعوام کے ارکین کے سامنے اسکی آواز کا مظاہرہ کیا گیا، جزیرۂ وائٹ سے ملکہ وکٹوریہ نے اسکاٹلینڈ اپنے ولی عہد کے پاس کچھ پیغامات بھیجے اور وہان کے پیغامات سنے، اسی سال لاسلکی کے ذریعہ سے خبرین بھی مشتہر کی گئین،

تیمور کا مقبرہ

ریوٹر کی ایک خبر ہے، کہ روسی ماہرینِ آثار قدیمہ نے تیمور کے مقبرہ کو کھول دیا ہے، تیمور کی قبر سمرقند کی ایک مسجد مین ہے، جس کا برج نیلے رنگ کی کاشیکاری کا ہے، اور اپنی صنعت کے لحاظ سے دنیا مین مکمل ترین نمونہ سمجھا جاتا ہے، قبر کا تعویذ ایک بہت بڑے سالم سنگ یشب کا ہے، اتنے بڑے سالم سنگ یشب کی مثال کہین اور نہین ہے، ماہرینِ آثار قدیمہ نے اس پتھر کو ہٹا دیا ہے، اس کے نیچے ان کو ہلکے سفید رنگ کا ایک تابوت ملا ہے، جس میں انکا بیان ہے کہ تیمور کے پوتے الغ بیگ کی لاش ہے[1]، یہ لاش ریشمی کپڑون میں لپٹی ہوئی ہے، اور اچھی حالت مین ہے، مگر لاش کا سر جسم سے علحدہ ہے، اسلئے ان ماہرینِ آثار قدیمہ کی رائے ہے کہ اس سے یہ خیال کہ الغ بیگ اپنے بیٹے کے ہاتھون قتل ہوا صحیح ثابت ہوتا ہے،

"ص ع"

[1] معارف:- یہ بیان صحیح نہین، کیونکہ تیمور کے مقبرہ مین ایک بزرگ میر سید جو تیمور کے دوست تھے دفن ہین،

مطبوعات جدیدہ

واقعات اظفری مترجمہ جناب عبد الستار صاحب منشی فاضل تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۲ صفحے، کاغذ سپید دبیز ٹائپ بہتر قیمت مرقوم نہیں، غالباً مدراس یونیورسٹی سے ملے گی،

یہ کتاب ۴ صہ ہوا ریویو کے لئے آئی تھی، لیکن ہم کو اب اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ ایک تیموری شاہزادہ مرزا علی بخت بہادر میر محمد ظہیر الدین المتخلص بہ اظفری گورگانی کی تصنیف ہے، شاہزادہ مذکور اورنگ زیب کی پوتی نواب عفت آرا بیگم کے نواسے اور شاہ عالم ثانی کے ہم جد اوران کے زمانہ مین تھے، علمی فضیلت کے اعتبار سے تیموری خاندان کے ممتاز ترین افراد مین تھے، اردو اور فارسی کے علاوہ عربی اور ترکی مین بھی مہارت رکھتے تھے، انگریزی بھی جانتے تھے، اردو فارسی اور ترکی تین زبانون مین صاحب دیوان تھے، ان کے علاوہ اس زمانہ کے تمام مروجہ علوم مین دستگاہ حاصل تھی، متعدد کتابون کے مصنف بھی تھے، تیموری خاندان کے دور زوال کی رسم کے مطابق تاج و تخت کے دعوی کے خطرہ سے شاہ عالم ثانی کے زمانہ مین نظر بند تھے، قلعہ کی چار دیواری مین ان کی نشو و نما ہوئی، غلام قادر روہیلہ کے ہنگامہ میں انھون نے بڑی جانفروشی دکھائی، اسکے صلہ مین شاہ عالم نے بہت کچھ وعدے کئے، رہائی کی امید دلائی، لیکن کسی کا ایفا نہین کیا، رہائی سے مایوسی کے بعد مرزا علی بخت ہندوستان کے راجاؤن اور امراء سے خفیہ خط و کتابت کر کے ۱۲۰۳ھ مین قید سے نکل بھاگے، اور جے پور، جودھپور، اودے پور، رامپور اور بریلی ہوتے ہوئے لکھنو پہونچے، ان سب مقامون کے راجاؤن اور نوابون نے شاہزادہ کے شایان شان خدمت و مدارات کی، جے پور

کے راجہ پرتاب سنگھ نے تخت شاہی بنواکر پیش کرکے شاہ عالم کے مقابلہ مین کھڑا کرنے کی کوشش کی، مگر مرزا علی بخت آمادہ نہ ہوئے، اس سفر کے دوران مین ہندوستان کے متعدد امراء نے اپنے یہان آنے کی درخواست کی، لیکن شاہزادہ نے لکھنو کو پسند کیا، یہ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا، انھون نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا، اور شاہزادۂ موصوف اپنے اہل وعیال کو دلی سے بلاکر لکھنو مین مقیم ہوگئے، سات سال تک یہان قیام رہا، نواب آصف الدولہ اور سلطنت کے دوسرے ارکان وعمائد نے خدمت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا، لیکن مرزا علی بخت کو نواب آصفجاہ والئ حیدرآباد اور امیر الہند والاجاہ اول والئ مدراس سے بڑی امیدین تھین، اس لئے ۱۲۱۱ھ مین وہ دکن روانہ ہوگئے، اور مرہٹون کی بدامنی کی وجہ سے بہار، بنگال، اور اڑیسہ کے راستہ سے مدراس پہونچے، والاجاہ نے شایان شان پذیرائی اور خدمت کی، اور مرزا علی بخت نے اپنے اہل وعیال کو لکھنو سے بلاکر یہیں مقیم ہوگئے، اور یہیں ۱۲۳۴ھ میں انتقال کیا "واقعات اظفری" اسی سفر و سیاحت کی روداد ہے، اس میں قلعہ معلی کی قید سے نکلنے کے وقت سے مدراس کے قیام تک سفر و حضر مین جو جو واقعات پیش آئے، اور ہندوستان کے ہندو اور مسلمان امراء اور رؤسا نے جس جس طرح کی مدارات و خدمت کی، ان سب کی پوری تفصیل ہے، اس طرح یہ کتاب اس عہد کے بعض حالات کی تاریخ بھی ہے، اور سفرنامہ بھی، اظفری کی سوانح حیات بھی ہے، اور ہندوستان کے امراء اور رؤسا کا تذکرہ بھی، اور اس عہد کی تہذیب کا مرقع بھی، یوں تو پوری کتاب نہایت دلچسپ اور مفید معلومات سے پر ہے، خاص طور سے وہ عرضداشتیں بہت اہم ہین، جو سفر کے دوران مین مختلف امراء اور رؤسا کی جانب سے اظہار عقیدت کے لئے شاہزادہ کی خدمت میں موصول ہوئین، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس زمانہ مین بھی جب کہ تیموری خاندان کا جاہ و جلال ختم ہوچکا تھا، ہندوستان کے امراء مین اسکے شاہزادون کا کیا مرتبہ تھا، اور وہ کس [illegible]

ن سے پیش آتے تھے، اصل کتاب فارسی زبان میں ہے، اس کے قلمی نسخے کمیاب ہیں، لائق مترجم نے
ر اس یونیورسٹی کے نسخہ سے اس کا ترجمہ کیا ہے، اور مولوی محوی صاحب صدیقی نے اسکی اصلاح
میم کی ہے، اور کتاب پر مفید مقدمہ اور حواشی لکھے ہیں، ترجمہ صاف اور سلیس اور کتاب دلچسپ اور معلومات
دونوں حیثیتوں سے پڑھنے کے لائق ہے،

فلسفۂ رہبانیت مؤلفہ جناب مرزا عزیز فیضانی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۴ صفحے
کاغذ سپید، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ :- مرزا محبوب عالم، شبلی روڈ
اسلامیہ پارک، لاہور،

ترکِ دنیا کے متعلق غلط اور غیر اسلامی تصور نے تصوف اور طریقت کے نام سے دینی عقائد و اعمال اور اسلامی زندگی میں جو بدعتیں پیدا کر دی ہیں، اور مذہب و اخلاق اور اسلامی زندگی پر اسکے جو بُرے اثرات مترتب ہوئے ہیں، اس کتاب میں حدیث وسنت کی روشنی میں اسکی پوری تردید کی گئی ہے، کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع ہے اور رہبانیت یا غیر اسلامی تصوف کے مفاسد کا کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، چنانچہ رہبانیت کی حقیقت، اسکی تاریخ اور اس سے دینی عقائد و اعمال، اجتماعی زندگی، دنیاوی کاروبار، انسانی آداب و اخلاق اور تہذیب و معاشرت میں پیدا شدہ تمام دینی اور دنیوی مفاسد کی جزوی تفصیلات پر بحث کرکے ان کی پوری تردید کی گئی ہے، اور ترکِ دنیا اور اس سے تعلق کے بارہ میں صحیح اور معتدل اسلامی تعلیم کو پیش کیا گیا ہے، قدیم صوفیائے کرام اور ائمۂ اسلام ابن تیمیہ ابن قیم، حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے اکابر اور مصلحین کی تصانیف میں اس موضوع پر مفصل مباحث ہیں، لائق مؤلف نے حسب ضرورت اس میں اور اضافہ کرکے یہ مفید کتاب لکھی ہے، لیکن مباحث میں جا بجا غیر ضروری تطویل ہے، اور کہیں کہیں آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی میں کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں، کتاب اپنے مباحث کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہے،

مبادی سیاسیات، مؤلفہ جناب ہارون خان صاحب شروانی صدر شعبہ تاریخ و سیاسیات جامعہ عثمانیہ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، مجلد، پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

مبادیات سیاسیات مؤلف کی مشہور کتاب ہے، اس کا پہلا اڈیشن ۱۹۳۰ء میں چھپا تھا، ادھر چند برسون مین سیاست کی دنیا بہت کچھ بدل گئی تھی، اس لئے ۱۹۳۹ء مین لائق مؤلف نے اس مین ضروری حذف و اضافے کرکے اس کو دوبارہ مرتب کیا، اس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مملکت کی تاریخ اس کے متعلق سیاسی نظریے اور فلسفیانہ مباحث ہین، دوسرے حصہ مین مملکت کے نظام اسکے اجزا، اسکی بین الاقوامی ہیئت کی تفصیل، اور مملکتون کے نظام سے اسکی توضیح و تشریح ہے، اس سلسلہ مین ہندوستان کے وفاق پر بھی تبصرہ ہے، آخر مین ریاست حیدرآباد کے جدید دستور کا خلاصہ ہے، اس موضوع پر دوسری زبانون کی تصانیف کے مقابلہ میں تو اس کتاب کی حیثیت ضرور مبادی ہی کی ہے، لیکن اردو مین اسے نصابی کہ سکتے ہین، لائق مؤلف نے اس میں اختصار و جامعیت کے ساتھ سیاسیات کے جملہ مسائل و مباحث کو قلمبند کر دیا ہے، اس کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے، کہ اس مین جابجا اسلامی اصول سیاسیات پر بھی بحث کی گئی ہے، جس سے عموماً اس قسم کی کتابین خالی ہوتی ہین، مؤلف کا یہ اسوۂ حسنہ ان تمام فنون پر لکھنے والون کے لئے جن کے آثار اسلامی شریعت یا اسلامی تاریخ مین موجود ہین، لائق تقلید ہے، اس کتاب کو بھی لکھے ہوئے دو سال ہو گئے، اور اس مدت مین دنیائے سیاست کا نقشہ ہی بدل گیا ہے، تاہم بہت سے بنیادی مسائل ہر زمانہ کے لئے یکسان ہین، اس لئے اس کتاب کا افادہ اپنی جگہ پر قائم ہے،

"م"

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں | ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں مرتب ہوکر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیمگاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا. جس کو اہلِ نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۱۴۴ صفحے قیمت ۱۲/

مختصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہوجاتا ہے، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرزِ بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں کو بلا تفریقِ مذہب و ملت معلوم ہوجائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت : عہ/

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کرسکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہوگی، ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں، قیمت: عہ/ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲/

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآنِ پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ: مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت ۱۲/عہ

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغازِ اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہورِ اسلام سے لیکر خلافتِ راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۰ قیمت سے

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصے میں عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۰۴ قیمت سے

رجسٹرڈ نمبر اے ۴۸۱ اگست سنہ ۱۹۴۱ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مُرتّبہ

سیّد سُلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنّفین اعظم گڑھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، قیمت: عہ؍ ۲۸۴ صفحے

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفائے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸؍ ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشا اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت: للعہ؍ ۴۸۶ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سے؍ ۳۰۹ صفحے،

تاریخ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ؍ ۴۸۵ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل سوانح حیات، ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ؍ ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۸ ماہ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۴۱ء عدد ۲

مَضَامِین

شذرات

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ فرنگی محل کے ممتاز عالم مولنا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی نے ۶ - جولائی ۱۹۴۱ء کو دفعتہً وفات پائی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم ابھی ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - جون کو ہمارے ساتھ بھوپال میں عربی مدارس کی اصلاح کے کام میں شریک تھے، وہیں دردِ شکم میں مبتلا ہوئے جس کے باعث وہ کئی دن تک وہاں علیل رہے، سوءِ ہضم تسلسل بول اور ضعفِ قلب کے عوارض ان کو پہلے سے لاحق تھے، بھوپال میں مرض کی تخفیف کے بعد وہ لکھنؤ روانہ ہوئے اور میں بھی ان ہی کی وجہ سے ان ہی کے ساتھ لکھنؤ تک آیا، لکھنؤ اسٹیشن پر پہنچ کر مرحوم نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی زحمتوں اور خدمتوں کا شکریہ اس لئے نہیں ادا کروں گا کہ میں آپ کو اپنے سے علٰحدہ نہیں سمجھتا، یہ کہہ سُنکر سلام کے بعد ہم دونوں الگ ہوگئے، یہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ سلامِ رخصت آخری سلام ہے،

مرحوم فرنگی محل کے خانوادہ میں تنہا جامعِ علوم وفنون ہستی باقی رہ گئے تھے، معقولات اور منقولات پر ان کو یکساں دسترس حاصل تھی، مسائل پر وہ مبصرانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اردو میں تاریخ، حدیث ورجال پر کئی رسالے لکھے تھے، مدرسۂ نظامیہ کے صدر مدرس اور اچھے مدرس تھے، سیاسیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، خلافت اور مسلم لیگ کے کاموں میں حصہ لیتے رہتے تھے، کل ۵۴ برس کی عمر پائی، اللہ تعالٰی مرحوم کو اپنی عنایتوں سے سرفراز فرمائے۔

خدا خدا کرکے حیات شبلی کی تالیف نونسو صفحوں میں جاکر تمام ہوئی، یہ نہ صرف مولنا شبلی کی زندگی کی شخصی تاریخ ہو، بلکہ اُن کے زمانہ کے چالیس سال کی قومی زندگی کی تاریخ ہے، کتاب مطبع کے سپرد کردی گئی ہے، اور اس وقت تک اس کے ڈیڑھ سو صفحوں کی کتابت ہوچکی ہے، کاغذ کی گرانی سے ڈر لگتا ہے کہ اس ضخامت کی کتاب جلد نہ چھپ سکے،

مقالات شبلی کی آخری قسط خطبات شبلی کے نام سے چھپ کر پوری ہوگئی، اس حصہ میں مولنا کی وہ تقریریں ہیں جو انھوں نے علی گڈھ ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوہ کے جلسوں اور عام مجمعوں میں کیں، افسوس ہے کہ ان کی یہ تقریریں بہت کم محفوظ رہیں، تاہم جو کچھ مل سکیں وہ ان اوراق میں جمع کردی گئیں،

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کے علمی کارناموں کا ذکر بار بار آیا ہے، دائرہ نے اس سال بہت سی نادر کتابیں شائع کی ہیں، جن میں سے رسائل ابن ہیثم اور رسائل طوسی علم مناظر اور ریاضیات میں کتاب المعتبر ابوالبرکات بغدادی فلسفہ میں، میزان الحکمۃ خازنی طبیعیات میں تاریخ منتظم ابن جوزی تاریخ میں؛ الکفایہ فی علم الروایہ حاکم اصول حدیث میں بہت اہم کتابیں ہیں، اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم کتاب کی چھپائی شروع ہوگئی ہے، یعنی امام بخاری کی تاریخ کبیر جو علم رجال کی مستند اور اولین کتاب ہے، دائرہ کو ان کتابوں کی اشاعت پر مبارکباد دی جاسکتی ہو،

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن نے اردو کی ایک عظیم الشان خدمت اپنے ذمہ

لی ہے، یعنی ایک اردو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و اشاعت، حیدرآباد میں جدید و قدیم علوم و فنون کے اساتذہ اور ماہرین کی بہت بڑی جماعت موجود ہے، جن کی موجودگی میں اس کام کے انجام کی پوری توقع کی جاسکتی ہے، ادارۂ مذکور نے علوم و فنون کی تقسیم اور ان کے ذمہ دار اڈیٹروں کے نام کا انتخاب کرلیا ہے، اور حیدرآباد کے باہر علماء اور اہل علم سے حصول امداد کی کوشش میں بھی وہ کر رہا ہے، ضرورت ہے کہ اردو کے ہمدرد اور بہی خواہ اس کام میں اس کی ہمت بڑھائیں، ادارۂ مذکور سے رفعت منزل حیدرآباد دکن کے پتہ سے خط و کتابت کی جاسکتی ہے۔

پشاور میں عربی کا ایک مدرسہ رفیع الاسلام ہے، مدرسۂ مذکور کی ملکیت میں ایک نادر کتابخانہ ہے جس میں ۲ ہزار کتابیں ہیں جنمیں بہت سی قلمی کتابیں بھی ہیں، پشاور کے قیام میں اس کتاب خانہ کا ذکر میں نے سنا، لیکن دیکھنے کی نوبت نہیں آئی، معارف کے مئی نمبر ۳۹ء میں تاریخ محمود شاہی کا ذکر ہے، جس کا نسخہ نہیں ملتا، مدرسۂ مذکور کے مہتمم صاحب مولوی فضل صمدانی صاحب نے مجھے مطلع کیا ہے کہ اس کتاب کا نسخہ ان کے کتابخانہ میں موجود ہے، اسی طرح جولائی اور اگست کے پرچہ میں مطہر کڑہ کی جس شرح ظہور الاسرار کا ذکر ہے اس کا نسخہ بھی اس میں موجود ہے، کتاب کا نام فخر الاسرار اور مصنف کا نام مطہر بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود البلخی المعروف بکرئی ہے۔

مقالات

ظہور الاسرار نامی اور مطہر کڑہ

از

جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور

(۲)

بلخی کے نام کی تحقیق — شرح کے عام نسخون مین مصنف کا نام محمد بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی المعروف بکرکی ملتا ہے،

صاحب کشف الظنون (ج ۵ ص ۶۶۴ طبع یورپ) نے صرف "بدر البلخی" لکھا ہے، اسپرنگر نے مذکورہ بالا مکمل نام درج کیا ہے، مگر ایک تو "بدر خزانہ" کو نہ سمجھکر اس کے محاذ مین علامت استفہام بڑھائی ہے، اور دوسرے ازراہ سہو المعروف بکرئی کو غلط سمجھے ہین، اور اس لئے شارح کا عرف بکرئی بتاتے ہین، حالانکہ ایک ادنی عربی طالب علم بھی یہ جانتا ہے، کہ حرف الباء پریپوزیشن کا کام کر رہا ہے، جزو کلمہ نہین اصل مین اس کا عرف کرئی لکھنا چاہئے تھا،

ڈاکٹر ریو کے نسخہ مین "بدر حرانہ" تھا، اس کو انھون نے بریکٹ مین صحیح کر دیا ہے، علاوہ ازین شارح کا عرف ان کے خیال مین کرخی ہے، جو اغلبًا ان کی قرات کی غلطی ہے، اگرچہ امکان یہ بھی ہے کہ خود کاتب نے لکھا ہو،

ڈاکٹر اینٹے کے نسخہ مین "المعروف بکرئی" مندرج ہے، اسلئے ان کو بھی وہی دھوکا ہوا، جو سپرنگر نے کھایا تھا، کہ شارح کا عرف بکرئی ہے، لیکن یہ اپنے پیشرو ڈاکٹر ریو کا بھی احترام علی ملحوظ رکھنا چاہتے ہین، اسلئے اپنے اور اسپرنگر کے نسخہ پر بھروسہ نہین کرتے، اور یہ بھی آگے چل کر لکھدیتے ہین، کہ یا جیسا کہ ریو کے نسخہ مین ہو، اس کا عرف کرخی تھا،

روسی مستشرق ڈاکٹر آئیوناف نے اسپرنگر اور اینٹے کا ساتھ دیکر اس کو بکرئی لکھا ہو،

فہرست کتاب خانہ آصفیہ، حیدرآباد (ج ۳ ص ۴۲۸) مین بھی مصنف کو معروف بہ کرخی تسلیم کیا گیا ہے،

کتاب خانہ ریاست رامپور کے نسخون مین سے جو نسخہ ۱۰۵۵ھ کا نوشتہ ہے، اس مین مصنف کا نام اس طرح لکھا گیا ہو:۔

"محمد بن قوام الدین بن رستم بن احمد بن محمود بدرخزانۃ البلخی المعروف بکری الخ" (ورق ۱۔الف)

نسخہ نمبری ۹۵ مین یہ نام قدرے اختلاف کے ساتھ اس طرح ملتا ہے،:

"مطہر بن قوام بن رستم (بن) احمد بن محمود البلخی المعروف بکری" (ورق ۲۔الف)

عرف کی حقیقت میری ناقص رائے یہ ہے کہ شرح مخزن اسرار کے مصنف کا عرف کرّی یا کرّئی ہے، نہ بکرئی اور نہ کرخی، اور یہ کرّہ کی طرف نسبت ہو، جہان تک تاریخی ثبوت کا تعلق ہو اس سے آئندہ بحث ہو گی، یہان صرف لسانی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے، کہ کیا بکرّئی درست ہو یا کرّئی ہمارے دونون نسخون مین اس لفظ کی کتابت ہے بکرّی اسلئے یہ بھکر کی طرف نسبت ہو سکتی ہو، اگر کاف کو مشدد پڑھا جائے، اور ہائے مخلوط کو بلجۂ عربی ساقط کر دیا جائے لیکن دوسرے تمام نسخون مین بکرّئی تحریر ہے، اسلئے یہ قیاس نادرست قرار پائے گا، مزید بران تا کے اصلی ہونے کی صورت مین لازم ہو گا، کہ ایک بائے جارہ اور ہو، اور وہ کسی نسخہ مین بھی نہین، لہذا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

لفظ مذکور یائے نسبت اور ایسے اسم سے مرکب ہوا ہے، جس میں کؔ، ازضرور ہیں،

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے، میری دانست میں یہ کڑہ کی طرف منسوب ہے، جو عام طور پر پرانی تاریخون میں کڑہ مانکپور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ الہ آباد کے قریب واقع ہی، اور مغلوں کے عہد تک مشہور شہرون مین گنا جاتا تھا،

قاعدہ یہ ہے کہ ایسے اسمار کیساتھ ی نسبت لگانے کی صورت میں جو ۃ پر ختم ہوتے ہین، ۃ کو ساقط کرکے اوس کے بجائے وؔ لکھا جاتا ہے، مثلاً امروہہ کی نسبت امروہوی، ساماؔنہ کی سامانوی، تنؔہ کی تتوی بعض اوقات ۃ حذف کر دی جاتی ہے، مثلاً مکہ کی نسبت مکؔی، مدینہ کی مدنی، بنگالہ کی بنگالی، سکندرہ کی سکندری، لیکن پرانی کتابون مین یہ بھی دیکھا گیا ہے، کہ آخر کی ۃ کو ۃ سے بدل دیتے ہین، جیسے گنگوہ سے گنگوئی، بدایونی (ج ۲ ص ۵۰) کے یہان نظرؔ آتا ہے، اور حکیم احمد تتوی کو طبقات اکبری (قلمی ص ۲۵۳) مین تتیؔ لکھا ہے،

مذکورۂ بالا قاعدہ کے ماتحت لفظ کڑہ کی صحیح نسبت کڑوی ہونا چاہئے، چنانچہ حکیم عبد الحی صاحب مرحوم نے نزہۃ الخواطر کے صفحات ۱۵، ۴۳، ۱۷۱، اور ۴۷۱ پر کڑہ کے رہنے والے علما کو الکروی ہی لکھا ہے،

لیکن پرانی تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ کڑہ کے رہنے والے عالم اپنی نسبت الکروی کے بجائے الکرئی لکھا کرتے تھے، سردست اس بیان کی شہادت مین کتبخانہ ریاست رامپور کے دو قلمی نسخون کو پیش کیا جا سکتا ہے،

۱) کتاب ثمرۃ الفوائد فارسی (فن حدیث نمبر ۲۶) ہے، حمد و نعت کے بعد مصنف لکھتا ہی:

"اما بعدی گوید خاکپا، درویشان احمد محی الدین ابن سید محمد غوث المدعو بسید جیو قدس اللہ سرہٗ العزیز الحسینی جداً الکرئی مسکناً"

لہ غالباً جداً کو کاتب نے مجداً لکھا ہے،

(۲) وسیلۃ الطالبین الی محبۃ رب العالمین فارسی (اورادِ نمبر ۱۴) ہے، اس کا مصنف دیباچہ مین تحریر کرتا ہے:

"وبعد می گوید متکلم فقیر خاک پائے صغیر و کبیر کمال عز کرئی"

مصنف کا پورا نام مخدوم کمال الدین عرف شیخ کالو ہے، دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شیخ حسام الدین مانکپوری، خلیفہ قطب العالم نور الدین احمد بن عمر بن اسعد لاہوری کا مرید ہے، اسلئے یہ یقیناً کڑہ مانکپور کا باشندہ تھا، جس کو اس نے الکرئی سے ظاہر کیا ہے،

بنا برین اسپرنگر، ایتے، اور آؤ ناف کے نسخون مین المعروف بکرئی اسی کڑہ مانکپور کی طرف نسبت قرار پائے گی، اور چونکہ یہ قدیم رواج کے مطابق ہے، اسلئے اس کو غلط بھی نہین کہا جاسکے گا، اب الکرئی رہ جاتا ہے، جیسا کہ ہمارے کتاب خانہ کے دونون نسخون مین ہے میری دانست مین کاتب اصل کی غلطی سے الکرئی کی جگہ الکری ثبت ہوگیا ہے، اور یا کتاب کے کسی نسخہ مین خود مصنف نے کئی سکندری وغیرہ کے ماتحت الکری بحذف ۂ آخر لکھا ہے،

بہرحال یہ یقین ہے کہ شرح مخزن اسرار کا مصنف کرئی یعنی کڑہ مانک پور کا باشندہ ہے، مگر اس کے خاندان کا اصل وطن بلخ تھا، اسی لئے وہ اپنے آپ کو "البلخی" بھی لکھتا ہے،

لقب کی حقیقت | بدر الخزانہ کے بارے میں میری رائے یہ ہے، کہ یہ شارح کا لقب ہے جو اصل میں بدر الدین تھا، موجودہ نسخون کے منقول عنہ مین "الدین" کو خطی مشابہت کے باعث الخزانہ یا الخرانہ پڑھا گیا ہوگا، اس کے بعد سے یہی لفظ مروج ہوگیا،

صاحب کشف الظنون نے صرف بدر البلخی لکھا ہے، جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے، کہ بدر مصنف کا لقب ہے، اور چونکہ عربی مصنفین عام طور پر لقب سے "الدین" کو حذف کرکے اس کا پہلا جزو ذکر کر دیتے ہین، اس لئے ہم یہ مان لینے مین، ذرا بھی تامل نہین کرتے کہ

صاحب کشف کا مقصد "بدرالدین البلخی" ہے،

اصل نام کی تحقیق | اب ہمین نسخہ کتاب خانہ رام پور، نمبری ۵۹ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے، اس مین تمام دوسرے نسخون کے خلاف مصنف کا نام مطہر بن قوام درج ہے، اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے تمام نسخون سے یہ کہکر قطع نظر کرلین، کہ یہ سب ایک اصل سے منقول ہونے کے سبب سے ایک نسخہ کے برابر ہین، اور اسلئے نسخہ نمبری ۵۹ کے مقابلہ مین ان کے بیان کو ترجیح نہین دیجا سکتی، تو پھر ہم یہ جستجو کرنے پر مجبور ہون گے، کہ یہ مطہر کرئی کون شخص ہے،

تذکرہ کی کتابون مین ایک صاحبِ علم و فضل شاعر مطہر کڑہ کا ذکر نظر آتا ہے، اورنٹیل کالج میگزین، ماہ مئی ۱۹۳۵ء میں پروفیسر محمد وحید مرزا صاحب نے اس کے دیوان کے ایک نسخہ کے سلسلے میں، جو حکیم آشفتہ صاحب لکھنوی کی ملک ہے، ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا، اس مقالہ کے ساتھ فاضل محترم مولانا محمد شفیع صاحب پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے تمام اُن کتابون کے اقتباسات شامل کر دیے ہین، جن مین مطہر کڑہ کا تذکرہ ہے، اور منتخب ملا صوفی ماژندرانی سے اس کے قصائد و غزلیات کے اشعار بطور ضمیمہ نقل فرمائے ہین،

جولائی ۱۹۳۵ء کے رسالہ معارف، اعظم گڈھ مین مخدومی نواب صدریار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی نے ایک مضمون تحریر کیا ہے، جس میں مطہر کے قصائد کے ایک جدید نسخہ کی اطلاع دیتے ہوئے اس کے حالاتِ زندگی پر اس کے کلام کی روشنی میں نظر ڈالی ہے، مذکورۂ بالا مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ

> مطہر کڑہ، مانکپور کا باشندہ تھا، جو الہ آباد کے قریب اس عہد مین صوبہ کا صدر مقام تھا، باپ کا نام معلوم نہین لیکن وہ بھی شاعر اور شاہ وقت کے دربار سے منسلک تھا، مطہر نے مختلف علوم و فنون کی باضابطہ تعلیم حاصل کی تھی، اور شعر گوئی کیساتھ ساتھ علوم کا درس بھی دیتا تھا،

یہ فیروز شاہ تغلق اور اس کے عہد کے امرا کی سرکاروں کا مداح تھا، چنانچہ عین الملک کی طرف سے اسکو صلہ میں جاگیر بھی عطا ہوئی تھی،

کہا جاتا ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے شرف ارادت حاصل تھا، اس لئے انکی وفات پر ایک مرثیہ بھی لکھا ہے، جو دیوان میں موجود ہے، لیکن شجرۂ منظومہ میں نظام الدین اولیاء کے بعد رکن حقیقت نام ملتا ہے، جو کسی رکن الدین کی طرف اشارہ ہے، اس کا دیوان عرصہ تک غیر مرتب پڑا رہا، مولانا محمد صوفی مازندرانی نے گجرات میں اس غیر مرتب دیوان کا ایک نسخہ پایا، اور اوس کو مرتب کر کے شائع کیا، اس نسبت سے اس کو بعض تذکرہ نویسون نے گجراتی لکھدیا ہے،

سنہ وفات کا پتہ نہیں چلتا، لیکن اسکے ایک قصیدہ میں ۷۹۲ھ کا ذکر آگیا ہے نیز دوسرے قصیدہ سے جو محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کی مدح میں ہے، یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ ۷۹۲ھ تک جو شاہ مذکور کی تخت نشینی کا سال ہے بقید حیات تھا،

اسکی تصنیفات میں دیوان کے علاوہ ایک رسالہ نصیب اخوان ہے، جو ۷۹۲ھ میں نصاب الصبیان فراہی کے جواب میں لکھا گیا تھا،

اس کے کلام میں جن شعرا کا تذکرہ ملتا ہے، وہ سعدی، جمال الدین، نزاری، کمال اصفہانی، بدیع الہمدانی، رضی نیشاپوری، معزی، عنصری، فردوسی، انوری، خاقانی، فرید، عسجدی، عمعق، سنائی، ہمام، ظہیر وغیرہ ہیں" (انتہی ملخصاً)

مطہر کڑہ کے مذکورۂ بالا خلاصہ حالات کو سامنے رکھکر جب شرح میں مندرج سوانحی اشارات کو دیکھا جائے، تو دونوں ایک شخصیت پر منطبق ہو جاتے ہیں،

(۱) اولاً یہ کہ مطہر کڑہ شاعر، اور مطہر المعروف بکری کا زمانہ ایک ہے، صرف یہ فرق ہے کہ

قصائد سے معلوم ہوتا ہے، کہ مطہر شاعر ۷۵۹ھ تک بقید حیات تھا، جو محمد شاہ کی تخت نشینی کا سال ہے اور شرح سے پتہ چلتا ہے، کہ مطہر کڑی ۷۹۵ھ تک زندہ تھا، جو شرح کا سنہ تالیف ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص ۷۵۹ھ میں زندہ ہو، وہ چھ سال بعد تک زندہ رہکر ۷۹۵ھ کو پاسکتا ہے،

(۲) دوئم یہ کہ قصائد مین مطہر شاعر نے جن شعراء کا ذکر کیا ہے، مطہر کڑی نے شرح مین اون مین سے متعدد شعراء کے اشعار کو سند مین پیش کیا ہے، مثلاً فردوسی، انوری، خاقانی، ظہیر، سعدی، سنائی، جلال الدین رومی، مولانا جمال الدین، فرق یہ ہے کہ قصائد مین امیر خسرو اور حسن سنجری، وغیرہ کا ذکر نہین، برخلاف اس کے شرح مین ان دونون بزرگون کا بارہا حوالہ ملتا ہے، شارح خسرو کو امیر خسرو ترک اللہ کہتا ہے، ایک مقام پر ملک احمد پسر امیر خسرو ترک اللہ کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے، جو حسب ذیل ہے، (صفحہ ۸۴ مطبوعہ وصفحہ ۱۲۰ نسخہ قلمی نمبر ۶۰)

از تیغ آبدار بدہ آب در دغا　　　از ہیبت تو خشک شود خصم را دہان

ان کے ماسوا ضیاء نخشبی، (۷۵۱ھ) مغیث ہانسوی حمید قلندر (۷۶۸ھ) اور مولانا خواجگی (۷۹۱ھ) کا تذکرہ بھی قصائد مین نہیں ہے، مگر استشہاد کے ذیل مین ملتا ہے،

لیکن یہ فرق بھی چندان قابل لحاظ نہین، کیونکہ فخر کے موقع پر جن شعراء کا تذکرہ نہین کیا جاسکتا، استشہاد کے وقت وہ ذکر مین آسکتے ہین، بنا برین ممکن ہو کہ مطہر نے ایک جگہ اہم مرتبہ والے شعراء کو پیش کیا ہو، اور اسی نے شرح مین اپنے مطلب کے ثبوت مین اپنے پیشرو اور معاصرین مین سے نسبتہً کم رتبہ والون سے مدد لی ہو،

(۳) سیوم یہ کہ مطہر کڑئی نے ایک مقام پر دماغ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے،:-

"واین را در نصاب العقلا شرح گفتہ ایم درین محل بتمامی نتوان گفت۔"

(شرح مخزن، نسخہ مطبوعہ صفحہ ۵۲)

اسی قسم کی ایک کتاب نصیب اخوان جو فراہی کی نصاب الصبیان کا جواب ہے، مطہر کڑہ کی تصنیف خیال کی گئی ہے، ممکن ہو کہ یہ دونون نام ایک ہی کتاب کے متن اور شرح کے ہون؛ لیکن یہ تو اغلب ہے کہ یہ ایک ہی موضوع کی دو کتابیں ہون،

اور چونکہ مطہر کڑہ کی نصیب اخوان ۷۷۱ھ کی تصنیف ہی، اور مطہر کری نے شرح مین نصاب العقلار کا تذکرہ ۷۹۵ھ میں کیا ہو، اس لئے دونون کے ایک شخص کی تصنیف ہونے پر کوئی تاریخی اعتراض وارد نہیں ہوتا،

(۴) چہارم یہ کہ مطہر کڑہ نے اپنے ایک قصیدہ مین نظام الدین اولیاء کے بعد کسی رکن حقیقت کا ذکر کیا ہے، مطہر کری نے اپنی شرح میں شیخ رکن الدین ابو الفتح کا ذکر کیا ہے، میری نزدیک یہ رکن حقیقت اور رکن الدین ابو الفتح مولانا رکن الدین جعفر ہین، جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، مرأۃ الاسرار[۱] مین لکھا ہے، کہ صاحب ذوق وشوق اور مبتلاے سماع تھے، خوشنویس بھی تھے اسلئے اکثر سلطان المشائخ کے لئے کتابین نقل کیا کرتے تھے،

(۵) پنجم یہ کہ مطہر کڑہ شاعر بھی تھا اور صاحب علم وفضل بھی، مطہر کڑی مین بھی یہ دونون صفتین موجود ہین، اس کے صاحب علم ہونے کا ثبوت یہ ہو کہ وہ شرح میں مصابیح، صحاح جوہری، تفسیر زاہدی، تفسیر لباب، تفسیر عمدہ، شرح تلخیص المفتاح، کتاب طبائع الحیوان، تاج الاسامی، دستور الافاضل، جوامع الحکایات عوفی، جامع الصنائع، تہذیب المصادر، فتح الباری شرح الجامع الصحیح للبخاری، امالی قالی، اور تفسیر کشاف وغیرہ عربی و فارسی کتابون کے حوالے اور اقتباسات پیش کرتا ہے، اور شاعری کی دلیل یہ ہے کہ کتاب کے دیباچہ میں حسب ذیل حمدیہ اشعار بدون انتساب مذکور ہین،

---

[۱] مراۃ الاسرار قلمی، ورق ،، ۲، تصنیف شیخ عبدالرحمٰن چشتی، جو ۱۰۶۵ھ مین تمام ہوئی،

نحمد اللہ تعالیٰ حمد اً لہ علی ما کسانا رداء النعم
وشکر اللہ تعالیٰ شکراً لہ علی ما ھدیٰ انا بشکر النعم

معرفت آموز شناسندگان معصیت آمرز ہراسندگان،
عقدہ کشاے دل ہر غم کشی شاد کن سینۂ ہر ناخوشی،

ان کے بعد نعت مین بھی کچھ شعر بدون انتساب درج کئے ہین جو تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کس شاعر کے ہین، خود شارح ہی کے خیال کئے جاسکین گے،

ان اشعار کے ماسوا کتاب میں ایک شعر مطہر کے نام کے تحت بھی مذکور ہے، خواجہ نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر:

گنبد پوینده که پاینده نیست جز بخلاف تو گراینده نیست

کے سلسلہ مین لکھا ہے، کہ ملک الکلام خاقانی بھی اس مضمون کو اس طرح ادا فرماتے ہین:-

آرزوے کہ از جہان خواہیم بدہد زانکہ مست بے خراست
لیکن آن دادہ را بہشیاری واستاند کہ نیک بدگہراست

اس کے بعد لکھا ہے کہ افضل العصر مولانا مطہر فرماید، بیت،

در سخاوت بکود کاں ماند بدہد زود، زود بستاند

(نسخۂ رامپور نمبر ۵۹)

ہمارے دوسرے نسخہ، نمبری ۰۰ (ص ۲۴۹) مین مطہر کو منظر لکھا ہے، مگر اس کے ساتھ لفظ "فرماید" کی جگہ "گوید" ہے، نسخہ مطبوعہ مین (۱۵۰) "افضل العصر مولنا ظہیر گوید" مندرج ہے، میری راے مین لفظ مطہر ہے، اور اصل نسخہ مین عبارت ہوگی "بندۂ احقر مطہر گوید" کسی ناقل کتاب نے ازراہ تعظیم اسکو بدل کر "افضل العصر مولانا فرماید" کر دیا، اور کسی نے "افضل العصر مولنا گوید" رکھا، جو اصحاب عربی زبان سے

واقف ہین، انھون نے اس قسم کا تغیر عربی کتابون کے دیباچون مین بارہا دیکھا ہوگا، کہ مصنف نے جہان اپنے لئے انکسار کے الفاظ لکھے تھے، وہان شاگردون نے کتاب نقل کرتے وقت تعظیمی لفظ درج کئے ہین،

اگر یہ قیاس صحیح ہو، تو پھر مطہر کری شارح کتاب کے مطہر کڑہ، شاعر ہونے مین کوئی شبہ باقی نہین رہتا، لیکن یہان یہ امر واضح کر دینا مناسب ہوگا، کہ مین نے نسخۂ مطبوعہ کے ظہیر کے پیش نظر سرسری طور پر دیوان ظہیر فاریابی کو دیکھا تھا، اور اس مین یہ شعر نہیں پایا، اگر کسی وسیع النظر بزرگ کو دیوان ظہیر کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہ شعر ملجائے تو پھر میرا قیاس اس شعر پر مبنی نہ ہوگا، بلکہ اس سے پہلے جو وجوہ مین لکھ چکا ہون، ان پر میری رائے کی بنیاد قائم رہے گی،

نتیجہ بحث | نتیجہ بحث یہ ہے کہ ظہورالاسرار نامی ظہورالحسن بجنوری کی تصنیف نہین ہے، بلکہ یہ بدرالدین مطہر بن قوام بن رستم بن محمود البلخی الکرئی نے ۷۹۵ھ مین تالیف کی تھی، مختلف وجوہ کی بنا پر میرا قیاس یہ ہو کہ یہ مطہر کرئی وہی شخص ہے، جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ مین بنام مطہر کڑہ شعر گوئی کے وصف سے موصوف تھا، اور جس کا دیوان قصائد حال ہی مین دو جگہ دستیاب ہوا ہے، یہ اصلاً بلخ کا ہے لیکن اس کا باپ کڑہ مانکپور مین آباد ہو گیا تھا، اسلئے یہ اپنے آپ کو "البلخی الکرئی" لکھتا ہے، اس نے حسب ذیل کتابین یادگار چھوڑی تھیں،

(۱) دیوان اشعار (۲) شرح سکندر نامۂ بری و بحری (۳) شرح مخزن اسرار (۴) نصیب اخوان (۵) نصاب لتعلار،

ان میں سے نمبر ۱ و ۳ و ۴، اب بھی دستیاب ہوتی ہین، بقیہ کا پتہ نہین،

شرح مخزن کے بعض فوائد | قیاس در قیاس کی الجھنون مین پڑنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شرح کے بعض دلچسپ اور مفید بیانون کو ذیل مین درج کیا جائے، مولٰنا نظامی کے شعر،

شیشۂ گل آب شکر می فشاند،   شمع بدستار چہ زر می فشاند،

کے تحت مین شارح لکھتا ہے، کہ "می ہر چند تلخ است باعتبار تلذذ شیرین بود، ونیز در ہند، می از شکر و گل می سازند وآن را عرق گل گویند، چنانکہ مولانا جمال الدین استباجی (؟) گوید":

بنوشم از کفِ خوبانِ دہلی،   شرابی آنچنان کز گل چکد خوی

(ص ۳، نسخہ نمبر ۵۹)

(۲) زلیخا کے سلسلہ مین لکھا ہے، کہ "در مصر بادشاہ را عزیز گویند، چنانکہ در روم قیصر، و در چین خاقان و فغفور، و در شیراز اتابک، و در عراق کسریٰ، و در عرب ملک و سلطان، و در ہند سلطان خوانند" (ص ۱۴۸، نسخہ مذکور)

(۳) ایک مقام پر لفظ "منشور" کی تشریح میں لکھا ہے، "و منشور در اصطلاح و عرف، و وجہ سادات و مثال و فرمان پادشاہ و خلیفہ را ہم گویند، و این جا فرمان مراد است"، "و منشور نویس" و بیر را گویند کہ مثال پادشاہ و خلیفہ را نویسد"۔ (ایضاً ص ۱۶۰)

اس بیان سے اُن لوگون کی تائید ہوتی ہے، جو لفظ مثل (بمعنی فائل) کو حرف ثا کے ساتھ لکھتے ہین کیونکہ اگرچہ مثل صحیح لفظ نہین، لیکن بہر نوع ہے تو اسی لفظ کا مخفف جو ث کے ساتھ لکھا جاتا ہے، پس کوئی وجہ نہین کہ اسکو مسل (سین کیساتھ) لکھکر اصل سے دور کیا جائے،

(۴) سمن سپید کو لکھا ہے کہ "در ہند سمن سپید را جنبہ (چنبہ) گویند" (ص ۱۶۲ نسخہ مذکور) اور عود کے متعلق لکھا ہے کہ "از عود ش عود قماری مراد است کہ آنرا ہندوی تیلیہ گویند، در غایت بوئے خوش و سیاہ می باشد" (ایضاً ص ۱۹۶) شقاقل کے بارے مین لکھا ہے کہ "شقاقل بیخ گزر دشتی است کہ بہ ہندوی سیالی و دہالی گویند" (ایضاً ص ۲۰۲)

ان اقتباسون سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شارح ہندوستان کا رہنے والا تھا، ورنہ فارسی الفاظ کیلئے

ٹھیٹ ہندی مترادف الفاظ نہ وہ تلاش کرتا، اور نہ اوسے سہولت کے ساتھ یہ الفاظ ملتے،

(۵) شارح نے شیخ سعدی شیرازی کا حوالہ بارہا دیا ہے، ان مقامات مین سے صرف ایک جگہ تو مصلح الدین سعدی لکھا ہی، باقی تمام مقامات پر مشرف الدین سعدیؒ تحریر کیا ہے، اس سے مین یہ خیال کرتا ہون کہ آٹھوین صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر شیخ کا لقب مشرف الدین زبان زد تھا، اور اسی لئے مجھے شبہہ ہے، کہ جہان کتاب میں مصلح الدین ملتا ہے، وہ خود شارح ہی کا لکھا ہوا ہے کاتب کی تحریر نہین ہی،

(۶) امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بہت سے اشعار جا بجا ملتے ہین، ان کے نام کے ساتھ تقریباً ہر جگہ "ترک اللہ" لقب ضرور لکھا گیا ہے، یہ لقب حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ترکی النسل مرید کو عطا فرمایا تھا، چنانچہ ایک قصیدہ میں خود خسرو نے اس کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہین،:-

بو زبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت   دست ترک اللہ بگیر وہم باللہ اش سپار

معلوم ہوتا ہے کہ آٹھوین صدی میں یہ لقب ان کے نام کا جزو لاینفک بن گیا تھا، اور ایسا کبھی نہین ہوتا تھا کہ امیر خسرو کا نام بلا ترک اللہ کے لیا جائے،

اس ضمن مین یہ تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا کہ شارح نے ایک مقام پر امیر خسرو مرحوم کی مثنوی "دولرانی خضر خان" کے اشعار نقل کئے ہین، مگر اس کتاب کو "عشق نامہ خضر خان" کے نام سے یاد کیا ہے۔

(۷) شارح نے ایک مقام پر سنہ ہجریہ کے ساتھ چند اور سنین بھی ذکر کئے ہین جن کا تذکرہ یہان مناسب ہوگا، وہ لکھتا ہے،:

بدانکہ درین وقت کہ از ہجرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہفصد نود و پنج سال است، از خلقت آدم، صلوٰۃ اللہ علیہ تا امروز شش ہزار ہفصد و نود و پنج سال گذشتہ است، اما از خلقت جہان تا وقت طوفان بر قوم نوح علیہ السلام ایک کہ ہشتاد ہزار سال گذشتہ بود و این تاریخ

علائی و ناصری و غوری است و از طوفان نوح پیغامبر علیہ السلام تا این وقت چہار ہزار و چہار صد و نود و شش سال شدہ" (نسخہ نمبر ۹۵ صفحہ ۲۸)

اس عبارت میں تاریخ علائی و ناصری و غوری قابل غور ہے،

(۸) ایک مقام پر شارح نے لفظ خرگاہ کے متعلق بڑا دلچسپ تاریخی نکتہ لکھا ہے، کہتا ہے،

"و خرگاہ را سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نور اللہ مرقدہٗ خرمگاہ نام کردہ بسبب کراہیت لفظ خر از ان روز باز در دیار دہلی خرمگاہ میگویند" (ایضاً صفحہ ۳۱ و صفحہ ۹ و صفحہ ۲۵۳)

مین نے عہد محمد تغلق کی تاریخون پر سرسری نظر ڈالی، مگر یہ واقعہ نہیں ملا، اگر حقیقۃً تاریخون مین اسکا ذکر نہیں آیا ہے، تو محمد تغلق کی خوش ذوقی کی ایک اہم شہادت دستیاب ہوتی ہے، اور اگر مذکور ہے، گو میری نظر نہین پڑی، تو یہ تاریخ کے بیان کی مزید شہادت قرار پاتی ہے، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَآخِراً

ضرورت مترجمین

عربی فارسی و انگریزی سے براہ راست شستہ و رفتہ سلیس اردو زبان میں ترجمہ کرنے والون کی ضرورت ہے، جو مناسب اجرت پر علمی، ادبی، تاریخی، نیز متفرق علوم و فنون کی کتابون اور رسائل کے مضامین کا ترجمہ کرسکیں، کسی ایک زبان اور اردو کا جاننا کافی ہے، علمی قابلیت نیز تجربہ کے متعلق تفصیل سے جواب آنا ضروری ہے،

نوٹ:- ہر قسم کی اردو، فارسی، عربی، انگریزی کتابین مطبوعات ہندوستان، ایران، مصر یورپ امریکہ وغیرہ ہماری معرفت نسبتہً ارزان قیمتون پر مل سکتی ہین، شائقین اپنے اسمائے گرامی اور مکمل پتون سے مطلع فرما دین، تاکہ جدید فہرستین وقتاً فوقتاً ارسال کیجا سکین،

پتہ ذیل پر خط و کتابت کرین

شباب کمپنی پوسٹ بکس ۱۲۶۳ بمبئی نمبر ۳

قصص الحق

از

پروفیسر سید نواب علی صاحب سابق وزیر تعلیم ریاست جوناگڈھ

"ہمارے محترم سید نواب علی صاحب سابق وزیر تعلیم جوناگڈھ نے ملازمت سے سبکدوشی کے بعد لکھنے پڑھنے میں بھی قریب قریب خاموشی کی زندگی اختیار کر لی تھی لیکن پھر حالات نے انھیں اس خاموشی کے توڑنے پر مجبور کیا، چنانچہ آج کل وہ قصص قرآنی کے حکم و مصالح اور دوسرے صحیفون کے قصص کے مقابلہ میں اسکی خصوصیات پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں، جس کا ایک ٹکڑا انھون نے معارف میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے، جو ناظرین کے لئے پیش کیا جاتا ہے"

انسان نے جب سے اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھا ہے، قدرت کے مناظر و مظاہر خصوصًا اجرام سماوی نے اسے اپنی طرف ایسا متوجہ کر لیا، کہ اس عالم حیرت میں اس نے گوناگون واقعات و حوادث اور فصلون کے انقلابات کو جو اس کے لئے ایک معما بنے ہوئے تھے، خوف و رجا کی رنگین عینک سے دیکھکر عالم خیال مین اپنے لئے ایک نئی دنیا آباد کر کے داستان سرائی شروع کی، اس نئی دنیا کی مخلوق اگرچہ اسی کی طرح چلتی پھرتی، کھاتی پیتی اور لڑتی جھگڑتی تھی، لیکن اس کے واہمہ نے ان کی صورتین عجیب الخلقت اور قوتین مافوق العادۃ تصور کین، پھر گیتون اور نظمون کے ذریعہ سے دیوتا اور دیویان، جن اور پری، دیو اور بھوت وغیرہ کا حلقہ وام خیال بن کر مذہبی حیثیت سے تسلیم ہونے لگا، مثلاً اگر ہمالیہ کی برفستانی چوٹیون پر اندر کا اکھاڑا قائم ہے، تو یونان کے المپس پہا

پر زئیس کا پرستان ہے، اگر وادی نیل مین اُسائرس اور آئی سس کے آسمانی دربار مین نیک اور بد روحون کا جمگھٹا ہے، تو بابل اور نینوا کے دیوتاؤن مردوخ اور اشور کے طلسمی قلعہ مین عجائبات کا عالم نظر آتا ہے، غرضکہ قدیم انسان کی داستان سرائی کا یہ پہلا دور تھا، جو اسکی دماغی نشو ونما کی عہد طفولیت کا خواب اور افسانہ ہے،

دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب مشاہیر قوم کے کارنامے ایسے مبالغہ آمیز اور مافوق العادۃ پیرایہ مین بیان کئے گئے کہ ان بزرگون کو جوش غلو مین دیوتاؤن سے ملا دیا یا خود دیوتاؤن کو ان میں حلول کیا ہوا تصور کیا، اسطرح توہم پرستی کے ساتھ اسلاف پرستی بھی جس مین باکمال شعرا کی سحر کاریون نے چار چاند لگا دیئے، بقبول خاص وعام ہو گئی، ہومر کی ایلیڈ، ویاس کی مہابھارت، والمیکی کی راماین، عجم کے شاہنامے جو رزم وبزم کے مشہور شاہکار ہین، اصل مین ایک ہی قوت متخیلہ کے متلاطم سمندر کی اٹھتی ہوئی موجین ہین، اور جذبات انسانی کی سچی تصویرین، ان مین کہین بلند افکار روشن خیالی اور اخلاق فاضلہ کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے ہین، اور کہین مزخرفات کے کنکر پتھر، اور لغویات کے کانٹے بچھے ہوئے ہین، مثلاً مہابھارت مین سری کرشن ارجن کو میدان جنگ مین فلسفۂ عمل اور وحدت وجود کی الہامی تعلیم جو گیتا کے نام سے مشہور ہے، ایسی دقیقہ سنجی سے دیتے ہین، کہ افلاطون کی اشراقیت اسکے سامنے بازیچۂ اطفال معلوم ہوتی ہے، لیکن پھر اسی مہابھارت مین دیوتاؤن کے شرمناک افسانے جن کا اثر اخلاق پر نہایت بُرا پڑتا ہے مذکور ہین، اسی طرح ایلیڈ مین یونانیون کے حب وطن عزم بالجزم اور دلیری اور جانبازی کی داستانین انسانی جذبات عالیہ کی دلکش تصویر کھینچ دیتی ہین، لیکن پھر اسی کتاب مین یونانیون کی معبود اعظم زیس کی بیٹی ہلن کی عصمت فروشی اور جنگ عظیم کا باعث قرار پانا نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا کرتی ہین، خصوصاً جب مشرقیت اور مغربیت کا یہ فرق بھی پیش نظر

ہوتا ہے کہ مادرِ ہند کی مجسمۂ وفا و محبت سیتا باوجودیکہ اسکی عصمت راون کے محل مین محفوظ رہتی ہے، جب لنکا کے فتح کے بعد اس کو طعنہ دیا جاتا ہے، تو وہ غیرت مند آگ مین کود کر اپنی عصمت کی شہادت دیتی ہے لیکن فتنۂ روزگار یونان کی ہلن اپنے عاشق کے ساتھ مفرور ہو کر عیش و عشرت مین مشغول ہوتی ہے، پھر جب ٹرائے فتح ہو جاتا ہے، اور اوس کا عاشق مجروح ہو جاتا ہے، تو وہ اپنے وطن مین پھر اپنے شوہر کے ساتھ واپس آکر اسی طرح رہنے سہنے لگتی ہے، اسی طرح ٹرائے فتح کرکے جب شاہ یونان اگامنن دس برس کے بعد وطن واپس آتا ہے، تو اسکی ملکہ کلائتم نسٹرا جس نے ان ایام مین شوہر کے ایک عزیز سے آشنائی کر لی تھی، بادشاہ کو غسل خانے مین پھندا ڈالکر جکڑ لیتی ہے، پھر پشت سے اس کا آشنا تبر سے فاتح ٹرائے کا سر اڑا دیتا ہے، برعکس اس کے بھارت مین پری جمال شکنتلا کا شوہر، راجہ دشینت اور ماہرو دمینتی کا شوہر راجہ نل دونون ان کو چھوڑ کر ذلیل و خوار رکھتے ہین، لیکن وہ محبت اور وفا کی پتلیان طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرکے انھی شوہرون کے نام پر عصمت کے ساتھ جیتی ہین، اور آخر مین پھر اپنے شوہرون سے ملکر مسرت و نیکنامی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہین، سچ کہا گیا ہے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، اور یہ دونون کبھی نہ ملین گے، بیشک بحرِ ہند بحرِ روم سے الگ ہے، یہان تو آبدار موتی بھی نکلتے ہین، مگر وہان خونخوار دریائی جانور،!

بہین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

داستان سرائی کا تیسرا دور جانورون کی زبان سے امثال و حکایات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ہند قدیم مین یہ طرز اختیار کی گیا، پنچتنترا اور ہتوپدیش اس صنف کے مشہور مجموعے ہین، اور اگرچہ ان کی غایت اخلاقی تعلیم تھی، لیکن چونکہ عقیدۂ تناسخ کی بنا پر ہر چرند پرند شجر حجر کیڑے مکوڑے وغیرہ ہر شے مین عمل پیرا یقین کیا جاتا ہے، اسلئے یہ کہانیان اور کہاوتین خاص و عام سب مین مقبول ہوگئین

یونان کا ایک چوتھی صدی قبل مسیح میں حکیم فیثا غورث کا معصر تھا، اُنسے مستفید ہوا، اور اپنی شہرۂ آفاق کہانیاں لکھیں، پنچتنتر کا ایک جزو نوشیروان عادل کے حکم سے پہلوی زبان مین ترجمہ ہوا، پھر جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں عربی میں ترجمہ کیا گیا اور بعد کو یہی کلیلہ و دمنہ فارسی اور یورپ کی مختلف زبانون مین ترجمہ ہوا،

دنیاے قدیم کے آریہ نسلوں مین جب داستان سرائی کا یہ رنگ تھا، تو سامی نسل کی ایک چھوٹی سی منتخب روزگار قوم بنی اسرائیل نے ایک ایسا طرز اختیار کیا جس کی نوعیت جداگانہ ہے، اس قوم کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو توحید کی تعلیم دی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ جب تعدد الٰہ کا عقیدہ باطل قرار پایا، تو دیوتاؤن اور دیویوں کے قصے کہانیاں لغویات میں داخل ہوگئیں، اب اس قوم کے واقعات و حوادث کی داستانین مورخانہ حیثیت سے بیان ہونے لگین، اگرچہ ان پر خرقِ عادات کا رنگ چڑھا ہوتا تھا، یہ رنگ اصنام پرستوں کے میل جول اور بیت المقدس کی تباہی اور یہود کی خانہ ویرانی کی باعث اصلی صحیفون کے ضائع ہوجانے سے ایسا گہرا ہوگیا، کہ اصلیت پر پردہ پڑگیا، اب مروجہ توراۃ و اناجیل کی یہ حالت ہے کہ وہ ایک ایسی ہزار دانہ والی تسبیحین ہین جن مین سچے اور جھوٹے موتی ایک ساتھ پروے ہوئے ہین مثلاً توریت کتاب الملوک اوّل باب ۸ میں حضرت سلیمانؑ بیت المقدس کو تعمیر کرکے خداوند یہووا کی تقدیس وتہلیل کرکے توحید و تقویٰ کی تعلیم مؤثر پیرایہ میں دیتے ہین، لیکن پھر اسی کتاب کے باب ۱۱ مین آپ کی طرف کفر و بت پرستی منسوب ہے، اسی طرح حضرت داؤدؑ کی خداپرستی اور بزرگی کی شہادت اس کتاب کے باب ۱ مین خود خدا دیتا ہے، اور آپ کے نغمات زبور سے مناجات اور خشیتِ الٰہی کی موثر تصویر کھینچ جاتی ہے، لیکن پھر کتاب دوم صموئیل باب ۱۱ مین، ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی سے آپ کا ناجائز تعلق اور شوہر کو قتل کراکر عورت سے عقد

کر لینے کی لغو داستان بت پرستون کے دیوتاؤن کے حرکات کی طرح مذکور ہے، خیر توریت مین عصمت انبیا، تو خاک مین ملتی ہی ہے لیکن مسئلۂ توحید اصنام پرستون کے اوہام اور قصّے کہانیون مین غائب نہین ہونے پاتا، لیکن انجیل مین یہ حالت بھی نہیں رہتی، حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ اور ثالث ثلثہ کہا جاتا ہے، جیسے قدیم مصریون مین اسارس اسکی بیوی آئی سس اور اس کا بیٹا ہورس مانے جاتے تھے، یا جیسے قدیم یونانیون مین دیوتاؤن کی تثلیث کا عقیدہ تھا، واقعی انسانی تخیل بھی عجیب چیز ہے،

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود گاہ الجھ کے رہگئی میرے توہمات مین

آخر وہ وقت آیا جب ایک پاک نظر جس کی صفت مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغیٰ تھی دلِ وجود کو چیر کر حقیقت کا آئینہ دار بن گیا اور قدرت کے مناظر و مظاہر اور اقوامِ عالم کے حوادث و واقعات جو توہمات اور خرقِ عادت مین الجھے ہوئے تھے، ایک ہی قادر مطلق اور موثر حقیقی کے قانون کی پابندی مین منظم ہو کر اہلِ نظر کے لئے عبرت و بصیرت ہوگئے، اس اجمال کی تفصیل آیندہ اوراق مین بیان ہوگی، یہان پہلے وہ چند خصوصیتیں ذہن نشین کر لینا چاہئے، جو قصص قرآنی کا خاصہ ہین،

قصص قرآنی کی خصوصیات سہ گانہ:-

اوّل حسن انتخاب | داستان سرائی انسان کا فطری شوق ہے، اور ہر زمانہ مین ہر قوم نے اپنے مبلغِ علم کے مطابق اس کا اظہار کیا ہے، متقدمین کے یہان اگر قصص، حکایات اور امثال کی کثرت تھی، تو متاخرین کے یہان ناول، ڈرامہ، افسانہ اور چھوٹی چھوٹی نفسیاتی کہانیون کے انبار ہین، قرآن مجید کی تعلیم مین چونکہ فطرتِ انسانی کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے قصص بھی مذکور ہین لیکن وہی قصص جو امم سابقہ کے عروج و زوال اور ان کے افعال کے نتائج سے متعلق ہین، اس طور سے بیان کئے گئے ہین جن سے تذکر اور عبرت حاصل ہو، نہ محض داستان سرائی کی لذت، ساتھ ہی وہ تمام

قصّے کہانیان اور شاعرانہ خیال بندیان جو عالمِ خلق و امر کے متعلق دنیا کی دیو مالاؤن اور قدما کی مذہبی کتابون مین مذکور ہین، نظرانداز کرکے ان کے بجاے حقیقتِ حال کو آشکارا کرنے کے لئے نظام و ترتیبِ عالم، قواے فطرت اور قوانینِ قدرت کی طرف انسانی ذہن کو منتقل کرکے موثر پیرایہ مین علوم و معارف کے اکتساب و انکشاف کا شوق دلایا گیا ہے، اس قسم کی آیات قرآن مجید مین ۵۰، سے زائد ہین، مثلاً

وَمِنْ آيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ	اور اسکی نشانیون سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے،
ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ، وَ	پھر اب تم انسان ہو، زمین مین پھیلے پڑے،
مِنْ آيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ	اور اسکی نشانیون سے ہے یہ کہ بنا دے تمھارے
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا	واسطے تمھاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً	ان کے پاس اور رکھا تمھارے بیچ مین پیار
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ	اور مہربانی، البتہ اس مین بہت پتے کی
وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ	باتین ہین، ان کے لئے جو دھیان کرتے
الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ	ہین، اور اسکی نشانیون سے ہے آسمان
وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	اور زمین کا بنانا، اور طرح طرح کی بولیان
لِّلْعٰلِمِيْنَ، وَمِنْ آيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ	تمھاری، اور رنگ، اس مین بہت نشانیان
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ	ہین سمجھنے والون کو، اور اسکی نشانیون سے
فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ	ہے تمھارا سونا رات مین اور دن مین، اور
يَّسْمَعُوْنَ، وَمِنْ آيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ	تلاش کرنا اسکے فضل سے، اس مین بہت
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ	پتے ہین، ان کو جو سنتے ہین، اور اس کی

مَآءً فَيُحۡيِ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا
اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ
وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ
بِاَمۡرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمۡ دَعۡوَةً مِّنَ
الۡاَرۡضِ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ وَلَهٗ مَنۡ
فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ كُلٌّ لَّهٗ
قٰنِتُوۡنَ، وَهُوَ الَّذِىۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ
ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ
وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى فِى السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ،
(سورہ الروم ع ۳)

نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی
ڈر اور امید کے لئے اور اتارتا ہے آسمان
سے پانی، پھر زندہ کرتا ہے اوس سے
زمین کو مرگئے پیچھے، اس میں بہت پتے ہیں
ان کے لئے جو سوچتے ہیں، اور اسکی نشانیوں
سے ہے یہ کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اسکے
حکم سے، پھر جب پکاریگا تم کو ایک بار
زمین میں سے، اسی وقت تم نکل پڑوگے
اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین
میں سب اسکے حکم کے تابع ہیں، اور وہی
ہے جو پہلی بار بناتا ہے، پھر اسکو دہرائیگا،
اور وہ آسان ہے اس پر، اور اسکی شان
سب سے اوپر ہے، آسمان اور زمین میں، اور

(القرآن مترجمہ ڈپٹی نذیر احمد)

دوم خوبی تصرف

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کی جلد دوم طبع جدید میں بائبل پر جو فاضلانہ اور مبسوط مضمون تحریر کیا گیا ہے اسکے ایک مقام میں لکھا ہے،

"عرصۂ دراز تک کتب مقدسہ کا مطالعہ جرح و تعدیل کے مستند اصول سے محروم رہا، یہود محض اس عبرانی نسخہ کی پیروی کرتے تھے جس کی نسبت یہ مشہور تھا، کہ غالباً دوسری عیسوی میں جمع کیا گیا، اور بعد ازاں احتیاط سے محفوظ رکھا گیا، لیکن اس نسخے میں چند تحریفیں تو ایسی ہیں، جو صاف نظر آتی ہیں، اور غالباً ایک کافی تعداد تک ایسی تحریفیں اور

بھی موجود ہین جن کی شاید اب یا کبھی پورے طور سے قلعی نہ کھل سکے "

قرآن مجید نے اس حقیقت کو ساڑھے تیرہ سو برس سے زائد عرصہ گذرا آشکارا کر دیا تھا، حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیون کا فحش قصہ، حضرت ہارونؑ کا گوسالہ بنانا، حضرت داؤدؑ اور قصہ اوریاؑ حضرت سلیمانؑ اور بت پرستی غرضکہ اس قسم کی داستانین آج تک مروجہ عہد عتیق مین منقول ہین لیکن قرآن اُن کو محرف اور لغو قرار دیکر تصرف صحیح کے ساتھ ان خاصان خدا کے سچے قصے سناتا ہے، پھر ایک نفسیاتی پہلو بھی ملحوظ رہتا ہے، وہ یہ کہ قصص مین دلکشی زیادہ تر حسن و عشق کی داستانون سے پیدا ہوتی ہے لیکن ان قدیم داستانون کے پھول ناپاک بیانات کے کانٹون سے الجھے ہوتے ہین، خصوصًا جب کہ شعرا نے خواہ وہ دیاس ہون یا ہومر طبع آزمائی کی ہو، قرآن مجید مین اوّل تو اس قسم کے قصص مذکور نہین، اور جہان ذکر ہے، مثلاً سورۂ یوسف، وہان اس کا پورا لحاظ ہے کہ بلیغ انداز سے کانٹون کو اٹھا کر پھول چن لئے جائین، توریت کے قصہ یوسف اور قرآن کے سورۂ یوسف کا مقابلہ کرو، توریت سفر تکوین کے آخری چودہ ابواب، ۳۷ سے ۵۰ تک مین حضرت یوسفؑ کا ذکر ہے، ان مین ایک پورا باب ۳۸ آپکے بھائی یہودا اور اسکی بہو کی حرامکاری کی شرمناک داستان سے سیاہ کیا گیا ہے، قرآن مجید مین حضرت یوسفؑ کے حالات پوری سورت مین مذکور ہین لیکن توریت کے اس شرمناک باب کے واقعات کا مطلق ذکر نہیں، عزیز مصر کی بیوی کی ہوائے نفسانی کا جہان ذکر ہے وہ چند لفظون مین بیان ہو کر یون ارشاد ہوتا ہے،

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ	البتہ عورت نے فکر کی اسکی، اور وہ عورت کی فکر
اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ	کرتا، اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے اپنے رب کی قدرت یونہی
عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ	ہوا ہوتا کہ ہم اس سے برائی اور بیحیائی کو ہٹائین
عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ، (یوسف ۳)	البتہ وہ ہمارے برگزیدہ بندون مین ہے،

یہ ہے کلام مجید کی مابہ الامتیاز شان،

ان ھٰذا القراٰن یقص علیٰ بنی	یہ قرآن سناتا ہو بنی اسرائیل کو بہت چیزین،
اسرائیل اکثرالذی ھم فیہ	جس مین وہ جھگڑ رہے ہین، اور بیشک وہ
یختلفون وانہ لھدی و	ہدایت اور رحمت ہے ایمان والون
رحمۃ للمؤمنین، (نمل - ۶)	کے واسطے،

سوم لطف تکرار | قرآن مجید مین ایک ہی قصہ بار بار متعدد سورتون مین کہین بطور اجمال اور کہین تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ مقصود اصلی قصہ خوانی نہیں ہے، بلکہ سامع کے ذہن کو مطیعون پر لطف و انعام خداوندی اور ظالمون پر قہر و عذاب الٰہی کی طرف منتقل کرکے ایک قلبی کیفیت پیدا کرنا ہے، پھر جس جس سورت میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، نئے نئے اسلوب سے قادر الکلامی کے ساتھ مقصود اصلی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، جس سے سامع کو لذت تازہ حاصل ہوتی ہے، اس مطلب کی توضیح کے لئے لسان الغیب کے اس شعر پر غور کرو۔ ؎

یک قصہ بیش نیست غم عشق وایں عجب کز ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

ایک اور بھی وجہ ہے وہ یہ کہ ایک ہی قصہ کو بار بار نئے نئے اسلوب سے بیان کرتے وقت اصلیت سے اس طرح پردہ اٹھا دیا جاتا ہے کہ داستان سرائی کی لذت کے ساتھ واقعہ کی تصویر بھی سامنے آجائے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور قصۂ نار، بنی اسرائیل اور مصر سے اخراج وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اس کتاب مین ہم آیندہ بیان کرین گے، یہان یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ قرآن پاک نے جس طور سے امم سابقہ کے قصص کو حسن انتخاب، خوبی تصرف، اور لطف تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کو دوسری صدی ہجری میں کلبی، سدی، مقاتل، ابن سلیمان وغیرہم نے نظر انداز

کرکے تفسیرون میں اسرائیلیات اور لغو احادیث داخل کردین اور قصص قرآنی کے چشمۂ صفا کو ایسا گندلا کر دیا، کہ بعد کو اگرچہ محققین علماے کرام کے مساعی جمیلہ نے ان کو لغو اور باطل ٹھہرایا، لیکن شوقِ داستان سرائی اور اعجوبہ پرستی کی جو بلا عام طور سے پھیل گئی تھی، اس کا اثر زائل نہ ہوا، شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر مین لکھتے ہین، کہ ایک عارف کا قول ہے کہ جب سے علم تجوید کا رواج ہوا، قرآن کا خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھا جانا رہا، اور جب سے مفسّرین نے دوراز کار روایات بیان کین، علم تفسیر نادر کالعدم ہوگیا،

شاہداتِ خفیہ | درختون سے پھلون کا گرنا سب ہی دیکھتے ہین لیکن یہ نیوٹن کا دماغ تھا، کہ اس نے ایک مرتبہ باغ میں ایک سیب کو گرتے دیکھکر کشش کا قانون دریافت کر لیا، بوڑھون کا لاٹھی ٹیکے ہوئے بازارون میں چلنا، اور مُردون کی لاشون کا لیجانا سب ہی دیکھتے ہین لیکن بُدھ گوتم کے دیدۂ عبرت بین تھے، جن سے وہ ان دردناک نظارون سے ایسا متاثر ہوا، کہ ترکِ علائق کرکے ریاضاتِ شاقہ کے بعد نروان کی فلسفیانہ راہِ نجات کی تعلیم دی،

نظارۂ اجرام سماوی | تارون کا نکلنا اور غائب ہو جانا، چاند کا چمکنا اور پھر چھپ جانا، آفتاب کا طلوع ہونا اور پھر غروب ہو جانا سب ہی دیکھتے ہین، لیکن یہ بت تراشِ آذر کے نورِ نظر ابراہیم کی نگاہ دوربین تھی، جس نے اجرام سماوی کی بدلتی ہوئی حالتون سے ایک لازوال اور قائم رہنے والے "معشوق" کی جھلک آسمان کے "پردۂ زنگاری" سے دیکھکر لا احب الآفلین کا نعرہ لگایا، اور توحید کی شمع اس طرح سے روشن کی کہ اس کی لو سے ستارون کی طرح بے شمار شمعین روشن ہوگئین، اور قیامت تک روشن رہین گی، ملکوت السمٰوٰت کا یہ مشاہدہ سورہ انعام مین یون مذکور ہے،

فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا	پھر جب اندھیرا کر لیا، اس پر رات نے،

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ .... (انعام - ۹)

دیکھا اوس نے ایک ستارا، بولا یہ ہے رب میرا، پھر جب وہ غائب ہوگیا، تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانے والون کو،

اگرچہ مروجہ عہد عتیق کے سفر تکوین میں یہ مشاہدہ مذکور نہین ہے، لیکن یونانی ترجمہ نسخہ سبعینہ کی کتاب جوبلی میں بجنسہٖ موجود ہے، کیا عجیب بات ہے کہ مظاہرہ اجرام سماوی کا معنی خیز واقعہ مروجہ تورات سے خارج ہے لیکن "قربانی سوختنی" جس کا یہود مین حضرت ابراہیمؑ کے سیکڑون برس بعد رواج ہوا ہے اس کا قصہ یون درج ہے :

قصۂ طیور | "ابراہیمؑ نے خداوند سے کہا کیونکر جانون کہ مین اس ملک کا وارث ہونگا، جواب ملا تین برس کی ایک بچھیا اور تین برس کی بکری اور تین برس کا مینڈھا، اور ایک قمری اور ایک کبوتر کا بچہ میرے واسطے لا اور اس نے اس کے واسطے یہ سب لیا، اور ان کو بیچ سے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک ٹکڑا اسکے دوسرے ٹکڑے کے مقابل رکھا، مگر پرندون کے ٹکڑے نہ کئے، تب شکاری پرندے ان لاشون پر اترے پر ابرام انھین ہانکا کیا،......... اور ایسا ہوا کہ جب سورج ڈوبا اور اندھیرا ہوگیا، تو ایک تنور جس سے دھوان اٹھتا تھا، اور ایک جلتی مشعل ان ٹکڑون کے بیچ مین سے گذر گئی، اسی دن خداوند نے ابرام سے عہد کرکے کہا کہ مین تیری اولاد کو یہ ملک دونگا، (سفر تکوین باب ۱۵)

اب دیکھو قرآن مجید کس طرح اصلیت سے پردہ اٹھاتا ہے، مگر پہلے اس تمہید کو سمجھ لو!

حضرت ابراہیمؑ دو ہزار سال قبل مسیح اپنے وطن اور کلدانان سے راہ خدا مین ہجرت کرکے ملک شام مین مقیم ہوتے ہین، اور مصر بھی تشریف لیجاتے ہین، جیسا کہ سفر تکوین مین مذکور ہے، اس

زمانہ کے مصریون مین حیات بعد الموت کا عقیدہ عجیب طور سے پھیلا تھا، وہ اپنے مردون کی لاشوں کو عجیب و غریب طریقہ سے جس کی تشریح درج ذیل ہے، اس طرح محفوظ کرتے تھے، کہ آجتک اہرام مصر کے گورستانون سے بجنسہٖ یہ لاشین جن کو ممی کہتے ہین ہزارون سال کے بعد نکلتی ہین،

ممی بنانے کا طریقہ | آلات وادویہ کے ذریعہ سے مشاق مصری مردے کے دماغ کو پہلے ناک کے راستہ سے خارج کردیتے تھے، پھر پتھر کے ایک چھرے سے جسم کو ایک جانب شگاف دیکر، دل، جگر، پھیپڑا اور آنتین نکال لیتے تھے، اور خوب صاف کرکے شراب مین بھگو کر خوشبو سے معطر کرتے تھے، پھر گوشت کو ادویہ کے ذریعہ سے تحلیل کردیتے تھے، اور جسم کو خشک کرکے خوشبودار ادویہ بھر کر سی دیتے تھے، پھر ستر دن تک ایک خاص قسم کی دوا مین چھپا دیتے تھے، جس کے بعد غسل دیکر دھجیون سے جن کو ایک قسم کی گوند مین تر کرلیتے تھے، جسم کو اچھی طرح سے لپیٹ دیتے تھے پھر اسے تابوت مین رکھکر بند کردیتے تھے، اور اس پر دیوتاؤن کی شکلیں بناتے تھے، اور دعائیں لکھدیتے تھے، اور ڈھکنے پر مردہ کا چہرہ نقش کردیتے تھے، دل، جگر، پھیپڑا اور آنتین جنکو پہلے ہی نکال لیا تھا، ان کو الگ الگ چار گھڑون میں رکھتے تھے، گھڑے پر ایک ایک موکل پرند کا نقش ہوتا تھا، ایک کا سر بشکل انسان، دوسرے کا بشکل سگ، تیسرے کا بشکل شغال، اور چوتھے کا بشکل باز یہ چارون موکل جن کو خا کہتے تھے، گھڑے لئے ہوئے ایک صندوق کے اندر قبر میں رکھدئے جاتے تھے، قدیم مصریون کا عقیدہ تھا، کہ اس طور سے اگر جسم محفوظ کردیا جائے تو روح جس کو وہ "با" کہتے تھے، (سفید اُلّو کی شکل کی چڑیا) چین سے رہتی تھی، اور پھر جسم میں حلول کرتی تھی، اور اسارِس دیوتا کی بہشت میں مزے سے رہتے تھی، یہ دیوتا روحون کا بادشاہ ہے، (جیسے ہنود مین یم راج) اس کے ایک دشمن نے اسکے چودہ ٹکڑے کرڈالے تھے، مگر اسکی دیوی آئسس نے سب سے پہلے لاش کو مذکورہ بالا طریقہ سے محفوظ کرلیا تب وہ اپنے بیٹے ہورس کی مدد سے زندہ ہوکر

آسمان پر چلا گیا، اور اب مردون کی روحین اس کے حضور مین پیش ہوتی ہین، اور اپنے محفوظ جسمون سے تعلق رکھتی ہین،

مذکورۂ بالا تمہید، خاص کر چار موکل پرند کو پیش نظر رکھکر اب سنو کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس طرح اپنے وطن مین نظارۂ اجرام سماوی سے اپنی ستارہ پرست قوم کو توحید کی تلقین کی تھی، مصریون کی ان عجیب وغریب ممی اوران کے متعلق عقائد سے متاثر ہو کر خداوند سے یون دعا فرمائی،:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ	اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار
تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ	میری دکھلا دے مجھکو کہ کیونکر زندہ کریگا تو مردے،
بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ	فرمایا کہ تو نے یقین نہین کیا، کہا کیون نہین،
اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ	لیکن اس واسطے چاہتا ہون کہ تسکین
ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ	ہو جائے میرے دل کو،[1] .. .. ..
جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ	.. ..
سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ	.. ..
حَكِيْمٌ.	.. ..

(سورہ البقرہ ۳۵) .. ..

حکم ہوتا ہے چار چڑیان لو اوران کو اپنے سے مانوس کر لو (یعنی ہلالو) پھر پہاڑ پر الگ الگ ان کو چھوڑ آؤ پھران کو بلاؤ دیکھو وہ تم سے ہلی ہوئی چڑیان مختلف مقامات کوہ سے اڑتی ہوئی جلدی سے تمھارے پاس پہنچ جائین گی، اس مثال سے حضرت ابراہیمؑ کے قلب سلیم کو اطمینان ہوجاتا ہے اور وہ یقین کر لیتے ہین، کہ روحون کی چڑیان بھی اسی طرح اپنے مالک سے جوان کو حقیقی طور پر دانہ پانی

[1] معارف: سید صاحب نے ان آیات کا ترجمہ خود نہین کیا تھا اور آگے چل کر اسکے مختلف فیہ معنی کی تعیین فرمائی ہے اسلئے ترجمہ چھوڑدیا گیا،

دیتا ہے، پلی ہوتی ہین، اور خواہ وہ جسم خاکی میں ہون، یا عالم بالا میں وہ انھین جب بلائے شوق کے پرون سے اُڑتی ہوئی اس کے پاس چلی آتی ہین، واقعی ایسے پاکیزہ قلوب جو قیل و قال اور توہمات سے محفوظ ہوتے ہین، ان کی طمانیت خاطر کے لئے ایک ادنیٰ سا اشارہ کافی ہوتا ہے لیکن روایات یہود کا بُرا ہو، جن کی بناء پر ہماری تفاسیر مین بالعموم قصہ طیور ممی کی شون سے بھی زیادہ عجیب نظر آتا ہے، حضرت ابراہیمؑ چار چڑیان لیکران کو ذبح کرتے ہین، پھر سب کو ایک میں ملا کران کے ٹکڑے پہاڑ پر الگ الگ رکھ آتے ہین، اب ان کو پکارتے ہین، ہر ٹکڑا ہر جزو اڑتا ہوا نظر آتا ہے اور اٹ پوٹ کر پھر چارون چڑیان زندہ ہو جاتی ہین، اور حضرت ابراہیمؑ کو مردون کے جی اٹھنے کا یقین آجاتا ہے، ! سبحان اللہ یہ وہی سفر تکوین کی قربانی سوختنی کے قصہ سے ملتی جلتی داستان ہے، مگر اس پر غور نہین کیا گیا، کہ توریت مین حضرت ابراہیمؑ نے چوپایوں کو ٹکڑے کیا تھا، چڑیون کو ٹکڑے نہیں کیا تھا، اصل یہ ہے کہ آیت قرآنی فصرھُنَّ الیک کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے قطعھن یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا منقول ہین لیکن عبیدہ سے اجمعھن یعنی جمع کرنے کے مروی ہین، اسلئے اکثر مفسرین نے اسرائیلیات کی دھن مین ٹکڑے والا قصہ درج کر دیا، اور وہی مقبول عام ہوگیا، ورنہ محققین نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے ترجمۂ فارسی مین "بہم آرمہ را" لکھا ہے، امام رازی اپنی تفسیر مین ابو مسلم اصفہانی کا قول یون نقل کرتے ہین، وَالمرادبصرھن الیک الامالة والتمرین علی الاجابة یعنی اپنی طرف جھکانا اوران کو جواب دینے کا خوگر بنانا، اسی لئے شاہ عبد القادر صاحب دہلوی نے اپنے اردو ترجمہ مین چڑیون کو ہلانا لکھا ہے، اور یہی درست ہے،

کیا عجیب بات ہے، کہ مولوی نذیر احمد مرحوم جا عجوبہ پرستی کی ہنسی اُڑاتے تھے، خود ہی اعجوبہ پرست بن گئے، اور اپنے ترجمۂ قرآن مین بوٹی بوٹی کر ڈال لکھ دیا،

مجمع النفائس

از

جناب اقبال انصاری ایم اے ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی،

یہ تذکرہ خان آرزو کی تصنیف ہے جس مین فارسی شعراء کا حال اور کثیر تعداد میں انکے اشعار درج ہین، یہ کتاب دو جلدون مین بقید حروف تہجی مرتب کی گئی ہے، اور اپنی خصوصیات کے باعث آپ اپنی نظیر ہے، اسپرنگر کے خیال کے مطابق کتاب کو تذکرۃ الشعرا نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس کو سفینہ کہنا زیادہ موزون ہوگا، غالباً اس کا یہ سبب ہے کہ مصنف نے انتخاب کلام کے مقابلہ مین تحقیق حالات مین کمی کی ہے، اور اکثر شعرا کے کلام کا انتخاب زیادہ ہے لیکن ان کی زندگی کے حالات کو نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً میر ابوالمعالی، ابوالهادی، ابراہیم آذر، ملا بیاضی، نہی سمرقندی اور قاسمی اردستانی وغیرہ کے کلام کا نمونہ تو پیش کیا گیا ہے لیکن ان مین سے ہر ایک کے متعلق محض اتنا لکھنے پر اکتفا کی گئی ہے "احوالش ہیچ معلوم نیست"۔

خان آرزو دیباچہ میں بیان کرتے ہین کہ ابتدا مین ان کا ارادہ تھا کہ اشعار کا انتخاب بیاض سفینہ کی صورت مین کر دیا جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ اگر ان شعرا کا کچھ حال بھی لکھدیا جائے تو کتاب زیادہ مکمل ہو جائیگی، اس لئے انھون نے کتاب کو تذکرہ کی صورت میں مرتب کیا، چنانچہ لکھتے ہین:

"اما بعد می گوید فقیر با بیز بانی خود گرم گفتگو سراج الدین علی آرزو کہ سابق مدتے برین دواوین وتذکرہا وسفائن وغیرہ وبر کتب بزرگان مطالعہ می نمود، ہر چہ خوش آمد۔ از صفحۂ خاطر

می زدود، روزے درپیش آشناے شرح این حال بزبان گذشت کہ خواندہ وتخواند از نسیان ما برابر گشت، اتفاقاً آن عزیز بعد دو سہ روز سفینہ ضخیمے پیش فقیر آوردہ تکلیف کرد کہ حالا ہرچہ از اشعار اساتذہ انتخاب شود، برین ثبت باید فرمود، ہرچند حرف مذکور خالی الذہن گفتہ بود لیکن پاس گفتار خود ضرور شد و شروع انتخاب نمودہ در سفینۂ مذکور...... قلمی گردید، و درین ہین بخاطر رسید کہ پارہ از حالات آن عزیزان ہم اگر مرقوم شود دور نباشد وچون غرض اصلی نوشتن اشعار و لپسند خود است، نہ نوشتن حالات معنی لہذا در تحقیق آن چندان نکوشیدہ، و در تلاش آن چندان ندویدہ......... درین صورت اگر تفاوتے یا غلطے بنظر خوانندگان در آید، عزیزان منصف خردہ بر من نگیرند و بر پوچ نوشتہ مرا ببذیرند"۔

کتاب کے خاتمہ مین بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کی اصلی غرض سفینہ ہے نہ کہ تذکرہ

"چون مسودہ این تذکرہ سفینہ است و غرض اصلی نوشتن اشعار پسندیدہ خود اینہا را قلمی نمود"۔

اس کتاب کی تدوین مین مؤلف کو بہت محنت کرنی پڑی، چنانچہ متوسطین و متاخرین کے تقریباً سو دیوانون کو جن مین پانسو سے لیکر چالیس ہزار اشعار تک تھے، پڑھ کر اس کتاب کو مرتب کیا،

"یک صد دیوان متوسطین و متاخرین کہ بعضے از آنہا کم از چہل ہزار و برخے بیش از پانصد نبود انتخاب رسید"۔

آگے لکھتے ہین کہ شعراء کے ترجمہ لکھنے مین انھون نے تقی اوحدی نصرآبادی، کلمات الشعراء اور تحفۂ سامی پر اکتفا کی، اور باوجود کثرت مشاغل اور بغیر کسی معاون کے محض ایک شخص یعنی شیخ مبارک محی الدین سے اس کام کی تکمیل مین مدد لی،

یہ تذکرہ ۱۱۶۴ھ میں مکمل ہوا، مصنف کے ایک شاگرد بیدار نے قطعۂ تاریخ کہا، ے

این تذکرۂ سخنوران گیہان بے مثل چون نوشت سراج الدین خان
بیدار بار زد جبین کرد رقم گلزار خیال اہل معنی جہان

مکمل تذکرہ جو دو جلدوں میں ہے، ۳۵۰۰ اشعار کے حالات و انتخاب کلام پر مشتمل ہے پہلی جلد میں ۳۰۰۰ شعرا کا ذکر ہے، جو ابایزید بسطامی سے شروع ہوتا ہے، اور میر محمد ماہ صداقت پر ختم ہوتا ہے،

دوسری جلد جس کو اس کا تکملہ کہنا چاہئے ۵۰۰ شعرا پر مشتمل ہے، یہ ملا صبائی سے شروع ہوتی اور محمد اشرف یکتا پر ختم ہوتی ہے، کتاب کے آخر میں ایک خاتمہ ہے جس میں ان شعرا کے کلام کا انتخاب دیدیا ہے، جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے، اکثر اُن شعرا کا بھی انتخاب ہے جن کے متعلق مصنف کو کوئی معلومات بہم نہ پہونچ سکیں، چنانچہ لکھتے ہیں،

"(خاتمہ) در بیان اشعارے کہ نام بعضے از شعراے آن معلوم نیست و پارۂ کہ معلوم است از احوال آن اطلاع نیست و برخے از ان عالم است کہ نام و احوال شاعر سابق ذکر شدہ و بسبب مناسبت ابیات دیگر بار بسیار خوش آمدن بقلم دادہ ..... اگر شعر با نام شاعر مکرر واقع شدہ باشد معاف باید فرمود"

تذکرہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے قبل اس بات کو واضح کر دینا ضروری ہے، کہ مجھے مجمع النفائس کا نسخہ پہلے بانکی پور میں ملا تھا، اور اسی کو مطالعہ کرکے میں نے مواد جمع کیا اور مضمون لکھا لیکن بعد میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں دوسرا نسخہ ملا ایک پنجاب لائبریری میں بھی موجود ہے، ڈاکٹر اسپرنگر نے جو تذکرہ دیکھا تھا، اس میں شعرا کی تعداد ۱۴۱۹ تھی، اور اسی کو سر اُوسلے نے بھی لکھا ہے، لیکن مجھے کتاب میں ۳۵۰۰ اشعرا ملے، یعنی اسپرنگر اور اُوسلے کی بیان کردہ تعداد سے بقدر ۳۱۶ زیادہ

مجمع النفائس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دورِ آخر کا نہایت مستند اور ضخیم تذکرہ ہے اس میں بادشاہوں، شاعروں، علما و مشائخ سب کا ذکر ہے، کہنے کو تو یہ تذکرہ ہے لیکن درحقیقت اس سے اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی بہت کچھ ادبی اور تاریخی حیثیت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے خان آرزو اورنگزیب کے واقعات اور اس کے سیاسی نقطۂ نظر کو جس وضاحت و صفائی سے بیان کرتا ہے وہ دوسرے سے ناممکن ہے، کیونکہ وہ بادشاہ کے ساتھ خود دکن گیا تھا، عالمگیر اور بہادر شاہ کے بیٹوں کی خانہ جنگی، فرخ سیر کی تخت نشینی اور قتل کی تفصیلات جس وثوق سے لکھ سکتا ہے، دوسرا نہ لکھ سکے گا، اس لئے کہ فرخ سیر کے زمانہ میں وہ گوالیار کی وقائع نویسی کی خدمت پر مامور تھا، پھر محمد شاہ کے زمانہ میں ایرانی و تورانی نزاع ملک کی روز افزوں پریشانی، بیرونی حملے اور طوائف الملوکی کے حالات کو جس یقین کے ساتھ وہ لکھے گا، اور کسی سے ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ محمد شاہ کے عہد میں ملک الشعراء تھا، اس تذکرہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ زوالِ مغلیہ کے وقت فارسی زبان پر بھی بہت کچھ انحطاط طاری ہو چکا تھا تاہم ہندوستانی ادبا اسے سنبھالے ہوئے تھے، اور شاعروں اور ادبی صحبتوں کے ذریعہ اسے مضبوط بنانے میں مشغول تھے، ہندو مسلمان آپس میں میل جول سے زندگی بسر کرتے تھے، اور ہندو ادبی صحبتوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے، عام شرفا کے لئے تواضع و خودداری واجبات میں سے تھی، وہ سپہ گری کو اپنا شیوہ سمجھتے تھے، اس اٹھارہویں صدی جیسے پریشانی کے زمانہ میں بھی ادبیات میں کوئی کمی نہیں ہوئی، البتہ نوعیت ضرور بدل گئی، اور اسے بھی زمانہ اور مربیوں کے فرق کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اس میں شک نہیں کہ اس صدی میں کوئی ابوالفضل، فیضی اور ٹوڈرمل نہیں پیدا ہوا، لیکن خانِ آرزو، غلام علی آزاد، اور آنند رام مخلص جیسے باکمال پیدا ہوئے جن کی نظیر کم تر مل سکے گی۔

اس تمہید کے بعد تذکرہ کے بعض اہم پہلوؤں پر تبصرہ کیا جاتا ہے،

(۱) صاحب تذکرہ کے معاصرین

اس لفظ کو اگر ذرا وسعت دیجائے تو میرزا محمد افضل سرخوش، بیدل اور میر عبد الجلیل بلگرامی بھی خان آرزو کے ہمعصرون مین آجاتے ہین، حالانکہ ان حضرات کا بڑھاپا تھا، اور خان آرزو کی جوانی، چنانچہ وہ ان لوگون کا نام نہایت ادب و احترام سے لیتا ہے، ان سے اپنی ملاقات اور اپنے استفادہ کے حالات بیان کرتا ہے، سرخوش کے ضمن مین ہے کہ ایک مرتبہ خان آرزو اُن سے ملنے گیا، اس وقت سرخوش کی بصارت زائل ہو چکی تھی، اسلئے انھون نے اپنی بیاض اپنے بیٹے فضل اللہ کو شعر سنانے کیلئے دی، اس پر خان آرزو نے یہ پر لطف بات کہی، کہ بیٹے کو جو نور چشم کہتے ہین، اسکے یہی معنی ہین، سرخوش نے بھی خان آرزو سے شعر سنانے کی فرمایش کی، انھون نے پاس ادب سے عذر کیا، لیکن اصرار کرنے پر ایک غزل سنائی، جس کا ایک شعر یہ ہے،

نخلم چو گرد باد ز خاک آب میخورد   افتادگیست مایۂ نشو و نمائے من

سرخوش اُسے سُنکر بہت محظوظ ہوئے،

خان آرزو میر عبد الجلیل بلگرامی اور بیدل سے استفادہ کرتا تھا، اور بیدل کے تصرفات کا قدر دان تھا، اس کے اصل معاصرین، والہ آزاد، خوشگو، میر محمد افضل ثابت، سعد اللہ گلشن، علی قلی خان ندیم، قزلباش خان امید، میر شمس الدین فقیر، اور شیخ علی حزین وغیرہ ہین، ان سب کا نام وہ عزت و احترام سے لیتا ہے، ان سے خلوص و عقیدت کا اظہار کرتا ہے، اور ان مین جو اوصاف مابہ الامتیاز ہین، انھیں واضح کرتا ہے، چنانچہ ثابت کو "سید عالی نسب و فاضل عالی حسب" کے القاب سے یاد کرتا ہے، اور لکھتا ہے، کہ اُن میں اور خان آرزو میں اگرچہ کبھی کبھی نزاع ہو جایا کرتی تھی، لیکن سچ یہ ہے کہ ان کی مثال اب ناممکن ہے، اُن کے فضل و کمال کا اس طرح اظہار کرتا ہے، کہ "میر ثابت کسب فضائل نمودہ، علم شاعری در دار الخلافہ شاہجہان آباد دہلی افراختہ، اگرچہ غزل گفتہ امّا آنچہ گفتہ نہایت متانت دارد"

میر غلام علی آزاد کے متعلق لکھا ہو کہ وہ خان آرزو سے اخلاص غائبانہ رکھتے ہین، آگے چل کر ان کی شاعری کے متعلق لکھتا ہو "مشق سخنش رسیدہ تلاشہاے بالادست دارد"۔

خان آرزو کا یہ کمال انصاف ہے، کہ وہ کسی کے متعلق ضرورت سے زیادہ نہیں لکھتا، بڑے سے بڑے مضمون کو چند سطرون مین نہایت سادہ عبارت میں ادا کر دیتا ہے، اپنے ایک شاگرد خوشگو کے متعلق لکھتا ہے، کہ "شعر را بسیار خوب می گوید، و بعض نازکی مضمون بدست او افتادہ"۔

حاکم لاہوری کے متعلق جو ملا آفرین لاہوری کو شاگرد تھے اور خان آرزو سے بہت اعتقاد رکھتے تھے، لکھا ہو کہ

"خیلے مشقش رسیدہ، و تلاش معنی تازہ دارد، چند سال پیش ازین دیوان خود را کہ قریب چہار ہزار بیت باشد بنظر فقیر در آورد، بسیار مربوط و مضبوط گفتہ در عالم اخلاص و پاس آشنائی وحسن اخلاق و تمامی وفاق یکۂ روزگار است، چند مرتبہ وارد شاہجہان آباد گشتہ، این مرتبہ کہ بسبب ظلم صوبہ دار پنجاب وضبط جاگیرہاے مردم درین جا رسیدہ نیز ملاقات با حقیر می نماید، عاشق سخنست، خدایش سلامت دارد"۔

علی حزین حد سے زیادہ خود پسند اور نازک مزاج تھے، ان کے متعلق یہ راے ہے :-

"کاسہ لیسان ہند اعتقادے بیش از بیش در خدمت این عزیز دارند و او خود ہم مثل کلیم و سلیم وغیرہا را مطلق وجود نمی گذارد"۔

خان آرزو خود نہایت منکسر مزاج اور سنجیدہ تھا، چنانچہ تذکرہ مین اپنے لئے فقیر، ہیچمدان، احقر اور عاجز کے علاوہ اور کوئی لفظ استعمال نہیں کرتا، آفرین لاہوری کے ذکر مین ہے کہ وہ خان آرزو سے انتہائی ربط و اخلاص رکھتے تھے، اور اس کو امام سخنوران کہا کرتے تھے، گو واقعہ کے اعتبار سے یہ سچ ہے لیکن خان آرزو خود اپنے متعلق لکھتا ہے، کہ "بپایۂ مقتداے ائمۂ این فن نرسیدہ ام"

قزلباش خان امید بھی خان آرزو کے معصر ہیں، اور نہایت منصف اور تعصب سے بری ہین،

جس زمانہ مین خان آرزو نے حزین کے اشعار پر اعتراضات کئے، اور تنبیہ الغافلین لکھی، لوگون نے امید سے کہا، کہ خان نے شیخ پر اعتراضات کئے ہین، امید نے کہا کہ شیخ مسلم الثبوت زباندان ہین لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ خان آرزو کے اعتراضات بھی بہت کچھ وزن رکھتے ہین، والہ داغستانی نے اپنے تذکرہ ریاض الشعراء مین تنبیہ الغافلین کا معتدبہ حصہ نقل کیا ہے، اور تقریباً ۰ ۶ شعرون پر اعتراضات کو صحیح قرار دیا ہے، خان آرزو نے اپنے ہمعصرون مین شاہ گلشن، محمد مقیم آزاد، نوازش خان طالع، آفرین لاہوری، زاہد علی خان سخا اور والہ داغستانی وغیرہ معاصرین کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ معاصرین مین خان آرزو صدر کی حیثیت رکھتے تھے، اور سب انکی عزت واحترام کرتے، اور ان کی زباندانی کے قائل تھے، خوشگو بھی خان آرزو کے دوران قیام اکبرآباد کی نسبت لکھتا ہے کہ

"شاہ گلشن، مرزا حاتم، نعمت اللہ کامل، محمد مقیم اور ناصر علی کے صاحبزادہ علی عظیم سے صحبت رہا کرتی تھی، اور خان آرزو لطف اٹھایا کرتے تھے،

(سفینۂ خوشگو قلمی بانکی پور لائبریری)

اساتذہ کے کلام پر اصلاحین مجمع النفائس کی قیمت عام تذکرون سے اس حیثیت سے بہت زیادہ ہے، کہ اس مین معاصرین اور غیر معاصرین کے کلام پر خان آرزو نے اصلاحین بھی دی ہین اور بعض جگہ اعتراضات بھی کئے ہین، گو عنوان اعتراض عاجزانہ ہے، چند اصلاحین ملاحظہ ہون

ثابت ؎

تکیہ بر سرو زدی مست چو رفتی در باغ قامتت کرد دو بالا مئے رعنائی را

خان آرزو کے خیال مین پہلا مصرع اگر یون ہوتا تو بہتر تھا، ع

تکیہ بر سرو زدی مست چو رفتی در باغ

ؔ معارف ۱۱، ۱۹۰۱ء، مصرع ۲۰۱ تذکرہ مؤلفہ پنہو ہے،

ـ دوسری جگہ ثابت کے اس شعر پر ؎

با ما اے بیوفا نسازی / با ما چہ کہ با خدا نسازی

ملاح دی ہے، ع با ما بت بیوفا نسازی،

مختلف اصلاحیں :-

سرخوش :

صاحب جوہر رفیق صاحب جوہر شود / استخوانِ ماہی آخر دستۂ خنجر شود

خانِ آرزو، "این مصرع بگمان فقیر آرزو بہتر است" ع

عاقبت دندانِ ماہی دستۂ خنجر شود

میر محمد علی رائج ؎

مگو زبے سر و پایان سرشتہ اند مرا / کتاب مازم و ناخوان نوشتہ اند مرا

خانِ آرزو :- "فقیر آرزو مصرع اول را چنین بہتر می داند" ع

مگو کہ بے سر و بے پا سرشتہ اند مرا

قاسم بیگ :-

چو بجشن گہ درآئی ہمہ ہیچو طفل مکتب / فگنند نامہ ہا را زکف از پئے تماشا

خانِ آرزو کے خیال مین "بجشن گہ درآئی" کے بجاے "چو بجشن اندر آئی" زیادہ مناسب ہے،

ریاضی سمرقندی :-

پُر از کفر است عالم زان دو چشم و زلف و خال و خط / بدین بخت بپنداری بناے نامسلمانی

خانِ آرزو کہتے ہین، کہ جس طرح چشم "دوتا" ہوتی ہے، اسی طرح زلف بھی "دوتا" ہوتی ہے، ایسی

ت مین اگر بجاے زلف قد ہوتا تو بہتر تھا،

محمد اسحاق شوکت :-

گرفتارِ محبت بلبلِ ما را توان گفتن کہ از خاکسترش صیاد رنگ خانہ می بازد

خانِ آرزو: "فقیر آرزو گوید بجاے بلبل، قمری مناسب است"

شفیعاے اثر ؎

چراغے از پئے حاجت ز لالہ روشن کن بہ بوستان کہ قدمگاہِ سبز پوشان است

خانِ آرزو کے خیال مین بجائے لالہ کے جام زیادہ مناسب ہے، ع

چراغے از پئے حاجت ز جام روشن کن

راقم کی نظر سے بھی ایک جگہ لالہ کے بجائے جام ہی گذرا ہے جس سے شعر مین ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی ہے، جو لالہ مین نہین ہے،

قاآنی کہتا ہی، ؎

درین بہار ہر کسے ہواے راغ دارد بیا د باغ طلعتے خیالِ باغ دارد

بہ تیرہ شب ز جامِ مے بکف چراغ دارد ہمین دلِ منست و بس کہ درد و داغ دارد

جگر چو لالہ نیمہ ز خون ز عشق گلعذار ہا

ناقدانہ اعتراضات | اب خانِ آرزو کے چند ناقدانہ اعتراضات کو ملاحظہ فرمائیے، جو انھون نے ایرانی اور غیر ایرانی شعراء پر کئے ہین، ان سے خانِ آرزو کے مبلغِ علم کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ خود مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے تنقیدی حیثیت سے بھی ان کا تذکرہ ایک خاص خصوصیت اور امتیاز رکھتا ہے، کہ وہ تذکرہ کے ساتھ نقادی کی کتاب بھی ہے، ورنہ کلمات الشعراء، تحفۂ سامی، تذکرۂ طاہر، تذکرۂ خوشگو، خزانۂ عامرہ، سرو آزاد، ید بیضا، ریاض الشعراء وغیرہ تنقیدی پہلو سے بالکل خالی ہین، پھر تنقید مین عدل کا دامن مؤلف کے ہاتھ سے

نہین چھوڑا ہے، وہ کلام کی خوبی کا اعتراف کرتے ہین، اور اسکے نقائص پر تنقید کرتے ہین، خواہ کسی کا کلام ہو، اسی کے ساتھ ان نامعقول اعتراضون کا جو اساتذۂ ایران پر کئے گئے ہین رد بھی کرتے ہین جو ایک نقاد کا فرض ہے، ان سب کی مثالین ملاحظہ ہون،

حاجی جعفر خان تبریزی، ؎

وقتِ رفتن شررے گر بجہد از نعلش آن شرر در گرہ رجعت بود ش داغ کفل

اعتراض آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ مضمون این قطعہ ماخوذ است از قطعہ ملا عرفی کہ این بیت از آنست :-

قطرہا کش دم رفتن چکد از پیشانی شبنم آساش نشیند گرہ رجعت بکفل،

"و این قسم از حد نوعے از سرقہ است"

ذوقی اردستانی :

از بخت بدم امید نومید شود گر بنشانم درختِ گل بید شود

بر کلبۂ تار من نیفتد پر تو، گر جرم فلک تمام خورشید شود

اعتراض آرزو :-

" فقیر آرزو گوید کہ در بیت اول این رباعی مقابلہ گل با بید مناسب نیست، چہ مقابلہ بید درخت ثمردار باید"

عماد الدین فقیہ کرمانی ؎

دل عکس رخ خوب تو در آب چو دید فریاد بر آورد کہ ماہے ماہے

اعتراض آرزو :- خان آرزو کہتے ہین کہ اس کا لطف مبتذل ہے، امیر خسرو نے خوب کہا ہے ؎

ماہ من گر بتماشا لب بحر آئی ماہیان شور بر آرند کہ ماہے ماہے

کمال خجندی ؎

چون بنظارہ آمدم روز شکار دلبران دام دلِ سبکتگین زلف ایاز یافتم

اعتراض آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ لفظ سبکتگین اینجا بیجا واقع شدہ"،

حقیقت بھی یہ ہے کہ ایاز کا تعلق محمود سے ہے نہ کہ سبکتگین سے اور اگر سبکتگین سے قارئین کی نظر محمود کی طرف مبذول کرانی ہے، تو یہ بات بہت دور از کار ہوگی،

میرزا گرامی ؎

خواجہ بے فرزند اگر باشد غلامش وارث است ہرچہ دادہ حق تعالیٰ از برائے بندہ است

اعتراض آرزو ؎

"کلیۂ مصرع اول مورد نظر است چہ غلام وارث نیست معہذا سوائے فرزند وارثان بسیار اند، و نیز معنی آن نزدیک بمضمون رباعی استادیست کہ در منقبت گفتہ" ؎

بے فرزندے کہ خانہ زادے دارد شک نیست کہ باشدش بجائے فرزند

مخلصائے کاشی ؎

نگاہ گاہ گا ہے میکنی ہردم بسوی من ندانم از سر لطف است یا از کج ادائیہا

اعتراض آرزو :-

"لفظ گاہ گا ہے" و "ہردم" باہم چندان مناسبت نہ دارد"،

پھر مخلص کاشی ہی کے دوسرے شعر پر یون اعتراض کرتے ہین ؎

گوشہ ابروے تیغ قہر شگافت بیک اشارہ کند جسم راجدا ز ہیولیٰ

اعتراض آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ جسم را مقابلہ یا ہیولیٰ نیست، مقابل آن صورت است و صورت چندین نوع است صورت جسمی و صورت شخصی و صورت نوعی پس بہتر چنین است ع

بیک اشارہ نماید جدا صور ز ہیولیٰ

بعض مقامات پر اعتراض کا پہلو طنزیہ ہے، جو متانت و سنجیدگی، اور مزاج کا مرکب ہے، یہ طریقہ خانِ آرزو کے یہاں بہت شاذ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر طنز کے اعتراض کی اصلی کیفیت کا اندازہ نہ ہوسکتا، دو مثالیں ملاحظہ ہون،

(۱) حیدر کلوخ ؎

بجاں وارند مارا از ملامت ہر طرف خلقے ❊ چہ خوش بودے کہ ناشناختو کس را وکس مارا

اس شعر مین "ناشناختے" بالکل غلط ہی، خانِ آرزو کو اسی پر اعتراض ہی کہ

ناشناختے عبارت تازہ است، چون عزیزان او را مسلم داشتہ اند، شاید روزمرہ باشد"

(۲) تازگی پر بھی اعتراض ہے، تازگی ایک ایرانی شاعر ہے، جس نے عہد کیا تھا، کہ نظم کی تمام کتابون کا جواب لکھے، چنانچہ فردوسی کے شاہنامہ کا جواب جو اس نے تیس برس مین کہا تھا، تازگی نے ایک ماہ مین کہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے یہان بکثرت نقائص موجود ہین، "در شعر او ردیف و قافیہ و معنی غلط بسیار است"۔

اس کے بعد تازگی کے شاہنامہ سے چند شعر نقل کئے ہین جس سے خانِ آرزو کے قول کی تصدیق ہوتی ہے، تازگی ؎

گرفتند تیر و کمان مرد مان ❊ فتادند در یکدگر چون دوان

ہمہ پُر دلان لرزہ زن ہچو بید ❊ کہ ناگہ یکے ببر پُر دل رسید

ابر میمنہ تاخت مانند فیل ❊ بدستش یکے تیر مانند سیل

کلاہ وزرہ بر تنش چون سبد سرش ہمچو سیبے درون سبد

چو انیان کے سرکش نامدار درونش پر از تیر چون تیر مار

نہادہ بفرقش چو دم ربا ہ ابر فرق او یک کیانی کلاہ

ان تمام اشعار مین قافیہ ور دیف کی غلطیان موجود ہین، پھر آگے لکھتا ہے، :-

"فقیر گوید ہرگاہ احوال زباندان چنین باشد وائے بحال شعرائے ملک دیگر کہ بفارسی سخن رانند

درین صورت اگر ہزار غلط از ہندی واقع شود برابر یک غلط اہل زبان نبود، درین وقت مثل

این اشعار تازگی راجہ جگل کشور وکیل ناظم بنگالہ میگوید دور پر گوئی وخوش گوئی داد سخنوری دا

وی دہد ورسم زندگی را تازہ کردہ ومیکند،....."

ان تمام اعتراضات کے باوجود جہان وہ کسی کی جانب سے کوئی نامعقول اعتراض دیکھتے ہین

اس کا پورا رد کرتے ہین، مثلاً شاہ رضوان محمد حسین کے دیوان سے لوگون نے یہ شعر نکالا:

مگر ساقی کمر در خدمت میخانہ می بندد کہ چون نرگس بہر انگشت خود پیمانہ می بندد

اور اسی مضمون کا شعر حاجی محمد جان قدسی کا پیش کیا،

یک جام خمارم نبرد کاش چو نرگس بودے بہر انگشت مرا ساغر دیگر

ظاہر ہے کہ ان دونون شعرون مین سرقہ ہے، خان آرزو کہتے ہین، کہ یہ محض اتفاق ہے

سید حسین خالص کا بھی اسی مضمون کا شعر موجود ہے، ؎

بہر انگشتم چو نرگس کاسۂ دریوزہ است کم بحرص من گدائے ہست در میخانہ ہا

اور لطف یہ ہے کہ محمد اسحاق شوکت نے بھی اسی مضمون کو باندھا ہے، ع

کہ چون نرگس بہر انگشت خود پیمانۂ دارم

اکثر مضمون مین توارد ہوجاتا ہے، چنانچہ آذری و بلالی دونون کے یہان ایک ہی مصرع ہے،

ع بگذار کہ در روے تو بینیم خدا را

اور اسی طرح آصف خان جعفر اور ملا نوعی دونون کے یہان ایک ہی مصرعہ ہے، ع

کہ یکتائی نہ زیبد جز خدا را

ان باتون سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو شخص قادر الکلام ہے، وہ کبھی سرقہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ خان آرزو خود بھی کہتا ہے:

"کسیکہ خود قادر بر اختراع معنی و سخن تواند بود، چرا بستن معنی دیگر کہ کم از مینۃ خوردن نیست داغ بدنامی بر روے اعتبار خود خواہد نہاد"

بعض دوسری خصوصیات | خان آرزو نے اس تذکرہ مین ان تمام چیزون کو جمع کر دیا ہے، جن سے فطرت انسان کو لگاؤ ہے، چنانچہ اس مین بکثرت نقلین، حکایات اور لطائف ہین، اور اس کا التزام رکھا ہے، کہ کسی شاعر کے متعلق جو مشہور لطیفے اور حکایتین ہین، ان کو ضرور بیان کیا ہے، اس سے اس تذکرہ مین ناول کا لطف پیدا ہو گیا ہے، اور اس کے پڑھنے میں طبیعت نہیں گھبراتی، بلکہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے، یہ خصوصیت کسی اور تذکرہ مین نہین، چند مثالین ملاحظہ ہون،

(۱) نعمت خان عالی کے متعلق لکھتا ہے، کہ وہ نہایت ظریف و شوخ تھا، ہجو گوئی مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا لیکن اس کے باعث کبھی سخت خفت بھی اٹھاتا تھا، چنانچہ ایک صحبت مین ایک ظریف نے کہا کہ آپ تو واجب التعظیم ہین، عالی نے پوچھا کیون؟ ظریف نے جواب دیا، اسوجہ سے کہ آپ حاجی ہین، عالی نے کہا مین نے کبھی بھی حج نہین کیا، حاجی کیسے ہو گیا، ظریف نے کہا تو آپ ہاجی (ہاے ہوز سے) ہونگے (یعنی ہجو گو) عالی یہ سنکر بہت خفیف ہوا۔

(۳) چندر بھان برہمن نے شاہجہان کے سامنے یہ شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان نے اسے سزا دینی چاہی، افضل خان نے کہا کہ حضور شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر اسی کے لئے کہا گیا ہے،

خر عیسیٰ اگر بمکہ برند   زان بیاید ہنوز خر باشد

(۳) ملا ناظری نابینا ہوگئے تھے، ایک دفعہ شیدا سے ملاقات کرنے گئے، اور یہ شعر جو اپنی بیوی کے متعلق کہا تھا، پڑھا،

خواہ با ناظری و خواہ بہ بیگانہ نشین   من ہمین شرم ترا بر تو نگہبان کردم

شیدا نے یہ شعر سنکر کہا، "اندھے کی جورو کا خدا حافظ"۔

(۴) شیدا نے شراب کی تعریف مین یہ شعر کہا تھا، ؎

چیست دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے   حسن را پروردگار و عشق را پیغمبرے

عاقل خان رازی نے اس کے جواب اور شراب کی مذمت میں چند شعر کہے،

چیست دانی بادہ ...... یا ورے   جہل را پروردگار و فسق را پیغمبرے

حسن را عصمت گداز و عشق را شہوت طراز   در طریقت رہزنے و در طبیعت رہبرے

نفس را چون جان مساعد روح را چون نفس ضد   نزد کافر مومنے و نزد مومن کافرے

آتش حرص و ہوس از شعلۂ او قطرہ زن   ہست در صورت چو آبے و بمعنی آذرے

(۵) ایک مجلس میں کچھ فضلا جمع تھے، شعر و شاعری کا تذکرہ چھڑا، اور صائب و کلیم کا موازنہ ہوا کہ ان مین کون بہتر ہے، جلسہ مین علی حزین بھی موجود تھے، انھون نے کلیم کو صائب پر ترجیح دی، بات کسی طرح طے نہ ہوتی تھی، آخر مین دیوان حافظ سے فال نکالی گئی، یہ مصرع نکلا : ع

کہ شعر ترا انگیزد خاطر کہ حزین باشد

جو علی حزین کے خلاف تھا، اسے دیکھکر لوگ بہت محظوظ ہوئے، خان آرزو کو معلوم ہوا تو انھون

نے کہا کہ "سبحان اللہ این از نوادر اتفاقات است، بلکہ از جناب لسان الغیب قدس سرہ احقاق است"

(۷) مئی کلال کے ذکر میں ایک لطیفہ ہے، کلال ہندی میں شراب فروش کو کہتے ہیں، اکبر کے زمانہ سے دستور تھا کہ طبقہ، کلال میں سے بھی ایک شخص کسی ایک شاہی دروازے کا دربان ہوا کرتا تھا، ایک کلال دربان نے اپنا تخلص مئی رکھا، ایک دفعہ نورجہان نے جہانگیر سے ذکر کیا کہ فلان کلال شعر خوب کہتا ہے، اور مئی تخلص کرتا ہے، بادشاہ نے کہا سبحان اللہ شعر گوئی ایسی آسان ہوگئی کہ ذلیل طبقون میں بھی اس کا شوق پیدا ہوگیا، ملکہ نے کلال کو بلواکر شعر سنوائے، مئی نے بے تامل یہ شعر پڑھا، ؎

مئی بگریہ سرے دارد اے نصیحت گر کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

بادشاہ ہنسے اور کہا ما نگفتہ بودیم کہ این را بشاعری چہ نسبت است، درین جاہم ہمان شیوہ دو باش را کہ پیشہ اوست مراعات کردہ ایک مرتبہ پھر بادشاہ نے اوس سے شعر سنے اس نے یہ شعر پڑھا،

من می روم و برق زبان شعلہ آہم اے ہم نفسان دور شوید از سر راہم

بادشاہ نے مسکرا کر کہا دیکھو پھر اپنی فطرت پر آگیا، بھئی چنڈول کو شاعری سے کیا نسبت؟

(۸) لامعی کے رنگ میں خان آرزو نے ایک رباعی کہی جس میں انھون نے چار پھول، چار پیغمبرون کے نام، چار اعضاے بدن اور چار عناصر کو نظم کیا ہے،

گلنار دو آتش چو عذار ابراہیم در خاک چمن لالہ بود دست کلیم
افسردہ قدم چو خضر سبزہ لب آب نسرین چو دہان عیسیٰ از فیض نسیم

(۹) حکیم کاظم نے بذم کی تعریف میں یہ شعر کہے تھے، ؎

فشردند پا از دو سر مرد وار چو نقشے کہ در سنگ گیرد قرار
بہر کس رسید ند ارا سیف وار یکے راد و تا بلکہ کردند چار،

ؔ معارف: کلالون کی متعلق دربانی اور چاؤشی کی خدمت ہوتی تھی، جو آگے آگے دورباش کی صدا لگاتے چلتے تھے،

خان آرزو نے ازراہ شوخی اپنے احول معشوق کی تعریف میں چند شعر کہے، اور کاتم کے اشعار سے تضمین کی،

بوصف بت احول خویشتن اگر گوش داری بگویم سخن،

چو نازش پئے قتل عالم ودید نگاہش زبے تیغ برکف رسید

بہر جا کہ شمشیر او کار کرد یکے را دو کرد و دو را چار کرد

ان لطیفون اور نقلون نے کتاب کو دلچسپ تو بنا ہی دیا ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خان آرزو میں کافی شوخی وظرافت تھی، اس خصوصیت میں بھی مجمع النفائس دوسرے تذکرون سے ممتاز ہے عموماً تذکرون میں شعراء کے خشک حالات ہوتے ہین، ان مین شوخی وظرافت کی چاشنی نہین ملتی، خان آرزو کے بعد ان کے شاگرد میر تقی میر کے یہان یہ رنگ موجود ہے،

(۵) مجمع النفائس کی ایک خوبی یہ بھی ہے، کہ اس میں علماء و مشائخ، بادشاہون اور امیرون کا بھی ذکر ہے، اور ان کا کلام بھی ملتا ہے، خان آرزو علماء و مشائخ کا نام نہایت عزت و احترام سے لیتا ہے، اپنے ذکر مین جس عقیدت و اخلاص کے ساتھ شیخ محمد غوث گوالیاری، اور حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کا نام لیا ہے وہ اسکے پاس ادب کا نمونہ ہے، خواجہ محمد ناصر عندلیب، خواجہ معین الدین چشتی اور جامی اور عطار وغیرہ تمام بزرگان دین اور صوفیاے کرام کے نام مین بھی احترام ملحوظ ہے، اساتذہ کا نام بھی تعظیم و تکریم سے لیتا ہے، مثلاً اوستاد ابوالقاسم منصور فردوسی استاد سراج الدین قمری، استاد لامعی ملقب بہ بحرالمعالی، استاد ملک قمی، استاد محمد قلی سلیم اور نظامی گنجوی کے نام اس طرح لکھتا ہے،

ملک الکلام درار ی سخن رانظام نظامی گنجوی وہو ابو محمد نظام الدین احمد ابو یوسف بن موید المطرزی"

(۴) ایرانی و ہندوستانی امیرون و بادشاہون کے سیاسی حالات ہمین تاریخ مین ملجاتے ہین لیکن ان کی ادبی دلچسپیون کا حال بہت کم ان سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً بیرم خان کو ہم ایک مدبر کی حیثیت سے جانتے ہین لیکن وہ ادیب و شاعر بھی تھا، یہ نہین معلوم، خانِ آرزو نے اس کے شعر دیئے ہین، اور شاعری پر تنقید و تبصرہ بھی کیا ہے، لکھتا ہے :-

"خیلے صاحب جوہر مردے بود، خصوصًا در سپاہگری و نقش پردازی نکتہ دانی او از قصیدہ کہ در منقبت گفتہ و مطلعش اینست ظاہر است، ع

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او   اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

اسی طرح خان اعظم مرزا کوکہ شہنشاہ اکبر سلطان ابراہیم مرزا جاہی تخلص، بایسنغر، ظہیر الدین بابر بادشاہ، شاہ طہماسپ صفوی، کامران مرزا اور ہمایوں بادشاہ کا ذکر اپنے تذکرہ مین کیا ہے اور ہر ایک کا کلام دیا ہے، اور اس پر رائے ظاہر کی ہے، سام مرزا بن شاہ اسمٰعیل صفوی کے متعلق لکھتا ہے، کہ وہ نہایت جوہر شناس اور فضل و دانش میں ممتاز تھا، تعصب و تہتک سے جو صفویہ کا شعار تھا بری تھا، پھر آگے چل کر لکھتا ہے -

"فقیر آرزو گوید کہ ہیچ شاہزادہ ازین خانوادہ بدین حیثیت و جامعیت برنخاستہ، در شعر و انشا بدرجہ عالی رسیدہ، در فضل و دانش و مرتبہ و قدر شناسی مثل اُوے شاید دیگر بہم نرسیدہ باشد۔ ازین سلسلہ چہ سخن از ہمہ سلاسل سلاطین است، چہ اکثر بادشاہان این سلسلہ متعصب ترد متہتک تر از سنیان بلخ بودند، چنانچہ بر متتبع تواریخ ظاہر است و این معنی از جناب سام مرزا خیلے غریب است زیرا کہ جوانی و سلطنت و فضل و کمال آدمی را سیہ مست غفلت میگرداند"

اس کے بعد سامی کے منتخب اشعار دیئے ہین جنمین سے بعض نقل کئے جاتے ہین، یہ اشعار خود بڑی حد تک خانِ آرزو کے تبصرہ کی تصدیق کرین گے،

آزردہ شد از چشم من امشب کف پایت — دردا کہ کف پاے ترا چشم رسیدہ است
اے واے بر آن عاشق محروم کہ ہرگز — نے با تو سخن گفتہ و نے از تو شنیدہ است

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم — شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

سامی نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی، کہ اسکی لوح مزار پر یہ عبارت کندہ کی جائے،
اِنَّ اللّٰہَ یَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعًا، اور قبر کے دونون جانب اسکی یہ دو رباعیان لکھی جائین،

سامی زغم زمانہ بے غم می باش — با محنت و درد عشق ہمدم می باش
چون موجب شادی حقیقت مرگ است — گر مرگ رسد تو شاد و خرم می باش

سامی علم مراد افراشتہ گیر — چرخ فلکت بفرق بر داشتہ گیر
کوتاہ سخن تمام روے زمین — آوردہ بدست و باز بگذاشتہ گیر (باقی)

تلخیص و تبصرہ

عربی زبان کے جدید رجحانات

اسلامک کلچر بابت جولائی ۱۹۴۱ء (حیدرآباد دکن) میں عربی زبان کے جدید رجحانات پر ایک پر از معلومات مقالہ شائع ہوا ہے، ذیل میں معارف کے ناظرین کے لئے اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے :

مصر میں عربی زبان کے جدید رجحانات کا آغاز ۱۷۹۸ء کے فرانسیسی حملہ کے بعد سے ہوا، اس حملہ نے مشرق و مغرب کو آپس میں ملنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع دیا، جس سے یورپ کی طرح مصر میں بھی تعلیم کی اشاعت ہونے لگی، اور محمد علی کبیر نے یورپین طرز کے بہت سے اسکول جاری کئے، رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھنے لگی، چنانچہ ۱۹۰۶ء میں گاؤں کے مدارس کے علاوہ پانچ سو سے زیادہ اسکول ہو گئے، جن میں ۹۲ ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے، ان میں بیس ہزار لڑکیاں تھیں، پھر سعد زاغلول پاشا کی وزارت تعلیم کے دور میں تعلیم کی اشاعت میں اور زیادہ ترقی ہوئی،

شام کے علاوہ اور دوسرے اسلامی ممالک میں تعلیم کی اشاعت دیر سے شروع ہوئی، سب سے پہلے محمد علی کے لڑکے ابراہیم نے شام میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے، البتہ بطرس بستانی کا مدرسہ (۱۸۰۹ء یا ۱۸۸۳ء) سے قائم تھا، ۱۸۶۰ء میں امریکہ اور فرانس کے عیسائی مبلغوں کے تینتیس اسکول تھے، جن میں تقریباً ایک ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے، ۱۸۶۶ء میں ان

مبلغون نے بیروت مین ایک کالج قائم کیا،

ان تعلیمی ادارون میں جب نصاب کے لئے عربی زبان کی کتابون کی ضرورت محسوس ہوئی تو بیروت مین ایلی اسمتھ اور اسکے شرکاء کار نے اس کام کے لئے دو عالمون ناصیف یازجی اور بطرس بستانی کی خدمات حاصل کین، مصر مین نصاب کی کتابین لکھنے اور غیر زبانون سے ترجمے کرنے کی خدمت طهطاوی عبداللہ پاشا فکری اور علی مبارک پاشا کے ذمہ کی گئی، پھر جب قسطنطنیہ میں ۱۸۱۶ء اور قاہرہ مین ۱۸۲۲ء مین عربی کے مطبعے قائم ہوئے تو نہ صرف تعلیم اور ترجمے کی اشاعت مین سہولتین پیدا ہوگئین، بلکہ علوم و فنون کی اعلیٰ کتابون اور غیر زبانون کے ترجمے بھی تیزی سے طبع ہونے لگے جس سے تعلیم کی اشاعت مین بڑی مدد ملی، ان کتابون کی اشاعت سے عام تعلیمی بیداری اور علوم و فنون سے دلچسپی کا اظہار ہوتا تھا،

صحافت کے وسیلہ سے اس بیداری مین اور بھی ترقی ہوئی، تعلیم کی اشاعت اور ترقی کے ساتھ، صحافت نگاری بھی پھیلی، محمد علی پاشا نے پہلی دفعہ الوقائع المصریہ جاری کرکے صحافت نگاری کا پرچم لہرایا، پھر خدیو اسماعیل (۱۸۶۳ء-۱۸۲۲ء) کے عہد مین روزانہ اخبارات و رسائل کی مانگ بہت بڑھ گئی، اس عہد کے ممتاز اشخاص نے مثلاً باقلی پاشا، ابراہیم الدسوقی بشارہ تقلا اور بعد مین شیخ علی یوسف سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ نے عربی زبان کی صحافت نگاری مین بڑی دلچسپی لی، مصر کے سیاسی اور معاشرتی انقلابات بھی اس فن کی ترقی میں معاون ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں ۱۹۱۴ء مین اخبارات کی اشاعت چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ تھی، اور اب بڑھکر چالیس پچاس ہزار تک پہنچ گئی ہے؟ ان کی کثرت اشاعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر ہفتہ پچاس ہزار سے زیادہ اخبارات اور رسائل مصر سے باہر روانہ کئے جاتے ہین، شام نے بھی صحافت نگاری کو فروغ دیا، مگر یہان کے زیادہ تر فضلاء، دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہین

لئے عربی زبان کا علمی مرکز مصر ہی رہا،

صحافت نگاری کی مقبولیت اور ترقی سے مصر کے عام لوگ یورپ کی تہذیب او تمدن سے
شناس ہوئے، اور وہان یورپین سائنس، فلسفہ، آرٹ اور لٹریچر کی بھی اشاعت ہوئی پھر
ن کے اثر سے وہان کے باشندون کے معاشرتی اور سیاسی خیالات مین انقلاب ہوا، اور مصری
رانون نے یورپ کی مختلف یونیورسٹیون مین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد عربی کلچر کو از سر نو
غ دینے کے لئے سائنس، قانون اور ادب کی کتابون کو اپنی زبان مین منتقل کرنا شروع
، اور ضرورتِ زمانہ کے مطابق انھون نے ترجمون کی زبان نہایت سادہ، سلیس اور صاف
، اسکے لئے انھون نے صرف و نحو کے قواعد کا لحاظ رکھنا غیر ضروری سمجھا، اس اصلاح
، پہلے کی تحریرین مرصع ہوا کرتی تھین، مگر نوجوان انشا پردازون نے اس قسم کے اسٹائل سے پرہیز
ا شروع کیا، کیونکہ ترجمہ مین مسجع اور مقفی عبارتین کام نہیں دے سکتی تھین، چنانچہ انھون نے
ح الزمان ہمدانی خوارزمی اور بعض اوقات ابن خلدون کے طرزِ انشاء کا تتبع کیا، اس کے علاوہ
م بول چال مین جس میں صرف و نحو کی زیادہ پابندی نہ تھی، ترکی کے الفاظ استعمال کرنے لگے،
پرانے قواعد سے نوجوان انشا پردازون کی یہ آزادی جامعہ ازہر کے شیوخ اور ان کے
مدین کو پسند نہ آئی، اور انھون نے ان جدید رجحانات کی مخالفت شروع کی، اور اس مخالفت
ا عربی کے پرانے لٹریچر کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی، اور قدیم اکابر علماء کی غیر مطبوعہ
بون کو چھاپ چھاپ کر عربی زبان بولنے والے عوام تک پہونچایا، اور ان کو عربی زبان
، قدیم اصول و قواعد کو قائم رکھنے کی ترغیب دی، لیکن ان کی تمام کوششون کے باوجود پیرانے
لی اور مسجع طرز مین تبدیلی پیدا ہو کر رہی، چنانچہ نئے ممتاز اخبارات و رسائل مثلاً العروۃ الوثقی
۱۸۸۴ء) المقتطف (۱۸۷۶ء) الہلال اور المنار (۱۸۹۱ء) اور شیخ محمد عبدہ کی تصانیف مین

نثر کی یہ تبدیلی نمایاں نظر آتی ہے، ان اخبارات و رسائل کے مقالہ نگار نحو اور ادب کے پرانے ضوابط کے پابند ضرور رہے، لیکن اپنے کو پرانے طرز انشار سے بڑی حد تک آزاد کر لیا،

ادب وانشار کے اس انقلاب مین ان ذہنی تحریکون کو بڑا دخل ہے، جن کو سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ نے شروع کیا تھا، شیخ محمد عبدہٗ نے مصریون کو پرانی روایات کی زنجیرون سے آزاد کرنے کی کوشش کی، اور اسلام کی ثقافت کے تحفظ کے ساتھ موجودہ تمدن کی ترقیون سے بھی استفادہ کی تعلیم دی، ان کی تحریک سے ایسا ماحول پیدا ہو گیا، کہ عربی لٹریچر اور اسلامی علوم و فنون کی تجدید اسلام کی شاندار ماضی کے ساتھ ہو سکتی ہے، اس ماحول نے تحریر اور انشار کیلئے بھی ایک نئی راہ پیدا کر دی،

شیخ محمد عبدہٗ کے مقلدین کی بڑی تعداد ہے، جن مین قابل قدر علما اور فضلا بھی ہین، ان مقلدون کی باضابطہ تنظیم ہے جس کا آرگن الجریدہ نامی ایک اخبار تھا، یہ اخبار ۱۹۰۷ء مین احمد لطفی کی ادارت مین جاری ہوا، اسکی تحریر مین عربی ادب وانشار کا ایک خاص طرز نمایان تھا، شیخ محمد عبدہٗ کے مقلدون نے قدیم اور جدید رجحانات کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کی، وہ اپنی قوم کو تعلیم، حریت اور آزادی کا سبق دیکر اسکو بلند کرنا چاہتے تھے، اس مقصد کے حصول کے لئے اسلامی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے مغربی تمدن کے تمام اصولوں کو اپنی سیاست اور معاشرت بلکہ لٹریچر تک میں رائج کرنا چاہتے تھے، لیکن امتداد زمانہ سے ان مقلدون میں سیاسی اختلاف پیدا ہو گیا، اور الجریدہ کو بند کر دینا پڑا، مگر اس جریدہ نے ملک کے ذہنی نشو و نما مین جو تبدیلی پیدا کر دی تھی، اس مین برابر ترقی ہوتی رہی،

۱۹۰۸ء میں مصر مین ایک نئی یونیورسٹی قائم ہوئی جس سے جدید خیالات کی تشریح میں بڑی مدد ملی، اور علمی تجدید کو بڑا فروغ ہوا، ۱۹۲۲ء مین علمی تجدید کے حامیون نے اپنی

تحریک کو پرزور بنانے کے لئے ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی ادارت میں ایک اخبار السیاستہ جاری کیا، السیاستہ کے اہل قلم اور مقالہ نگاروں نے عربی زبان کی تاریخ اور تنقیدی ادب پر زیادہ زور دیا، ان کے مضامین اور تصانیف میں پہلی دفعہ عرب قومیت کے بجائے مصری قومیت کی اسپرٹ نظر آئی،

اس نئے گروہ میں بھی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ مغرب کے وسیع علمی اور سائنٹفک ذرائع سے اسلامی ثقافت کی روح اور اسکی خصوصیات کو نقصان پہنچائے بغیر مشرقی لٹریچر میں ہر طرح کا استفادہ کیا جا سکتا ہو، اس خیال کے حامی ڈاکٹر منصور فہمی، پروفیسر احمد امین، مصطفےٰ عبد الرزاق اور ابراہیم عبد القادر وغیرہ ہیں، دوسری جماعت کے گویا رہنما ڈاکٹر طٰہ حسین ہیں، وہ عربی زبان کا مطالعہ مغرب کی علمی تنقید کے سائنٹفک اصول اور قوانین کے مطابق کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنی تنقید میں قدما کی رائے سے اسی حد تک متاثر ہونا پسند کرتے ہیں، جس حد تک وہ موجودہ سائنٹفک اصول کے مطابق ہو، ان کے خیال میں اہل عرب کے علمی مشاغل کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا ضروری نہیں ہے، جس نقطۂ نظر سے اسکو قدمائی دیکھا ہو، اس خیال کے تحت جب زمانۂ جاہلیت کی شاعری پر انکی کتاب الادب الجاہلی شائع ہوئی، تو اس کی سخت مخالفت ہوئی، کیونکہ اس کتاب میں انھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے قصوں کو جو اسلام سے پہلے مشہور تھے، ناقابل قبول قرار دیا تھا، مصری حکومت نے عوام کی شدید مخالفت کو دیکھ کر اس کتاب کو ضبط کر لیا، لیکن ڈاکٹر طٰہ حسین نے اس مخالفت کے باوجود قدما، کے طرز تنقید کے خلاف ہر قسم کی کوشش جاری رکھیں، ان کا خیال ہو کہ عربی لٹریچر کی ترقی کے لئے ضروری ہو کہ دینی علوم سے اس کا لگاؤ باقی نہ رہے کیونکہ کسی لٹریچر کا فروغ اسی وقت ہو سکتا ہو، جب وہ تعصب سے آزاد ہو، خواہ یہ تعصب مذہبی ہو یا سیاسی، لٹریچر کی تاریخ کا مطالعہ آزاد اور ناقدانہ ہونا چاہئے، جس طرح ماہرین نباتات اور حیاتیات اپنے علوم کی

تحقیقات میں کسی خوف اور رعایت کو دخل نہیں دیتے ہیں، عربی زبان کے ادب عالی کے متعلق ان کے خیالات السیاسۃ میں حدیث الاربعاد کے عنوان سے شائع ہوئے، اس میں انھوں نے اپنے خاص نقطۂ نظر سے اموی اور عباسی عہد کے طرز زندگی اور شاعری پر تنقید کی ہے، اور اس زمانہ کے ممتاز شعراء مثلاً ابونواس، بشار بن برد، مطیع بن ایاس، مروان ابن ابی حفصہ کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، اور قدیم اور جدید خیالات کے انشا پردازوں کے متنازعہ فیہ امور پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے،

مصر میں ۱۸۸۲ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان غیر معمولی سیاسی اور معاشرتی انقلابات ہوئے ان انقلابات میں عربی لٹریچر یورپین اثر سے بہت زیادہ متاثر ہوا، عربی زبان میں جدید عشاعری کا آغاز ہوا جس میں زیادہ تر فرانسیسی اثرات غالب تھے، عثمان جلال نے فرانسیسی شعراء کے گیتوں کو عربی شعر کا جامہ پہنانا شروع کیا، جس میں صرف و نحو کی پابندی نہیں تھی، یہ اشعار تھیٹروں، فلمی کمپنیوں اور نشرگاہوں میں مقبول ضرور ہوئے، لیکن ابھی ان میں زیادہ ترقی نہیں ہوئی، اور انکی علمی اہمیت بھی تسلیم نہیں کیجاتی ہے،

شاعری میں عموماً بحریں اور عروضی قواعد تو وہی پرانے ہیں لیکن بعض جدت پسند شعرا نے جدتیں کی ہیں، مثلاً شوقی کا یہ شعر،

مال واحتجب   وادّعی الغضب

فاعلن فعل   فاعلن فعل

ابراہیم ناجی نے عاصفۃ روح میں ایک نئی بحر استعمال کی ہے،

اینَ شطّ الرّجا   یاعبابَ الھموم

فاعلاتن فعل   فاعلاتن فعل

گو یہ بحرین قدیم بحروں کی محض ترمیم ہین، پھر بھی عربی زبان کے لئے نئی ہین بعض شعراء مثلاً البارودی (محمود پاشا) (۱۸۳۹ء ۔ ۱۹۰۴ء) اور حافظ نے بھی نئے اسٹائل اور طرز مین عہد عباسیہ کے شعراء ہی کی تقلید کی لیکن اپنے عہد کے جدید رجحانات سے بھی متأثر ہوئے، مثلاً بارودی کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہین،

یا روضۃ اللیل لا مستک بائقۃ ولا عدتک سماء ذات اغداق

اصبو الیہا علی بعد و یعجبنی انی اعیش لھا فی ثوب املاق

وکیف انسی دیارا قد ترکت بھا اھلا کراما لھم ودی واشفاقی

حُبّ الوطنی کا یہ رنگ حافظ کی نظمون اور مرثیون مین اور بھی تیز ہو جاتا ہے، حافظ نے نہ صرف حب الوطنی کا ترانہ گایا، بلکہ اپنی نظمون مین غربا کی دردناک حالت کی تصویر کھینچی، اور ان سے ہمدردی کا اظہار کیا، جس سے وہ شاعر عوام ہوگیا، حافظ اور شوقی کی نظمون مین زیادہ تر مصری قومی اسپرٹ کا ترانہ تھا، انھون نے عربون کے ذہن مین اسلامی اور مصری دونون تمدنون کے شاندار ماضی کی یاد تازہ کی، شوقی نے اپنے اشعار مین نئے مضامین اور نئے طرز بھی رائج کئے، اور نہ صرف قدیم قصیدہ کے طرز کو چھوڑ دیا، بلکہ عام بول چال کے الفاظ مصر کی قدیم تاریخ کے غیر مانوس اسماء بھی بالکل نئے الفاظ مثلاً سیارہ، مطارہ، ریل گاڑی کے لئے رائج دفاد توت عنخ آمون کے لئے جبار القرون اور برطانوی شیر کیلئے اللیث استعمال کئے ہین عربی ادب مین رزمیہ شاعری اور ڈرامہ بھی شوقی کی کوششون سے شروع ہوا،

لیکن اس تجدد کے باوجود حافظ اور شوقی کو یورپین طرز کے جدید شاعر نہین کہا جا سکتا ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کا خیال ہے کہ شوقی کی شاعری مین اسلامی اور مغربی فلسفہ کا ایک عمدہ قسم کا امتزاج ہے لیکن ڈاکٹر طہٰ حسین کو اس رائے سے اتفاق نہین، انکی راے مین شوقی کی شاعری

کسی خاص تخیل یا شاعرانہ نظریہ کی حامل نہیں، یہ بھی ان کا خیال ہے کہ عربی زبان کی جدید شاعری مین نہ تو قدیم شاعری کا اعلیٰ معیا ابھی قائم ہے، اور نہ وہ بالکل جدید ہے، کیونکہ جدید شعرا اپنے عہد کی زندگی کی صحیح ترجمانی نہین کرتے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان مین صلاحیت اور ذہنی نشو و نما کا فقدان ہے،

شوقی اور حافظ کی شاعری اصلی معنون مین جدید نہ ہو، لیکن انھون نے اپنی سیاسی اور اخلاقی نظمون کے ذریعہ سے ملک مین قومی سرگرمی اور جوش خوب پھیلایا، اور اپنی قوم کے جذبات کی پوری ترجمانی کی، مغرب کے شعرا کی طرح انھون نے نہ دنیا کے سامنے کوئی نیا پیام پیش کیا، اور نہ عربون ہی کو کوئی پیام دیا، وہ قوم کو متاثر نہیں کر سکے، بلکہ خود اس سے متاثر ہو کر ان کے جذبات کے ماتحت رہے، البتہ عربی شاعری کی آیندہ ترقی کے لئے فضا تیار کر دی، ان کی کوششین اس لئے بھی بارآور کہی جاسکتی ہین، کہ ان کے اثر سے موجودہ شعرا مین فطری اور حکایتی شاعری کا رجحان بڑھتا جاتا ہے اور بعض نظمین خاص مقصد سے لکھی جاتی ہین جن مین تخیل کا تسلسل اور مدعا کی یکانگت باقی رہتی ہے،

غرض عربی شاعری کی تجدید کی کوششیں جاری ہین، اسکے لئے مجلسین بھی قائم ہو گئی ہین، ۱۹۳۶ء میں اسکندریہ میں "شاعری کا جدید اسکول" کے عنوان سے بہت سے لکچر دیئے گئے ہین جس میں ممتاز فضلا اور شعرا نے شرکت کی، ان تمام مقررون نے قدیم عروض اور بحرون کے قیود سے آزادی حاصل کرکے غیر مقفیٰ شاعری کی ترغیب دی، اور رزمیہ شاعری اور ڈرامہ پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت بتائی، عربی شاعری کے ان مجددون کی کوششیں کس حد تک کامیاب ہون گی، یہ ابھی نہین بتایا جاسکتا، لیکن اس کے جدید رجحانات یہ ہین، کہ اس کی اصلی خصوصیات کے قیام کے ساتھ آیندہ جدید یورپین طرز زیادہ سے زیادہ رائج ہو جائے، (باقی)

(ص۔ع)

اخبار علمیہ

اردو انسائیکلوپیڈیا

ادارۂ ادبیات اردو جس کو ملک کے ذی علم حضرات کی قلمی اعانت اور ذی مرتبہ امرار کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے کم وبیش دس سال سے زبان و ملک کی مسلسل خدمت کر رہا ہے اسکا کام مختلف علوم و فنون کے بارہ شعبون مین پھیلا ہوا ہے جس کے زیر نگرانی اب تک بہتر (۷۲) سے زیادہ کتابین شائع ہو کر مقبول ہوئین،

بہت غور اور متعدد صاحبانِ علم وفضل سے تبادلۂ خیال کے بعد اس نے گذشتہ سال اردو انسائیکلوپیڈیا شائع کرنے کا تصفیہ کیا، چونکہ اسکی ترتیب و تالیف کے لئے متعدد علوم و فنون کے ماہرین کے اشتراکِ عمل کی ضرورت تھی، اس لئے سب سے پہلے اُس نے ہندوستان کے متعدد ماہرینِ علوم و فنون کو قلمی اعانت پر آمادہ کیا،

انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تالیف مین اس کا خاص طور پر خیال رکھا جا رہا ہے، کہ مختلف علوم و فنون کے الفاظ ماہرین ہی سے لکھوائے جائین، اس سلسلہ مین ساری انسائیکلوپیڈیا کو مختلف علوم و فنون کے متعدد شعبون مین تقسیم کر دیا گیا ہے، اور ہر شعبہ کی نگرانی ایک ماہر کے تفویض کر دی گئی ہے، جو معاونین کی مدد اور مجلس انتظامی کی عام نگرانی مین شعبے کے جملہ الفاظ پر نوٹ مرتب کر رہا ہے،

فی الوقت حسب ذیل ماہرین اور علما اپنی نگرانی میں مضامین متعلقہ کا کام شروع کر چکے ہیں،

معاشیات ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی ایم اے آکسن بار ایٹ لا صدر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ

تاریخ پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی ایم اے آکسن بار ایٹ لا صدر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ،

تہذیب و ثقافت ڈاکٹر ایشور ناتھ صاحب ٹوپا ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر انڈین کلچر جامعہ عثمانیہ

ریاضی ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی۔

سائنس ڈاکٹر قاضی معین الدین ایم ایس سی پی ایچ ڈی پروفیسر نظام کالج و ڈاکٹر رام لال ایم ایس سی پی ایچ ڈی،

السنۂ قدیم و جدید ڈاکٹر محمد راحت اللہ خان صاحب ایم اے ڈی فل مہتمم کتب خانہ آصفیہ

فلسفہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی،

تعلیمات و تدریسات مولوی سجاد مرزا صاحب ایم اے پرنسپل ٹریننگ کالج،

طب ڈاکٹر منور علی صاحب اف ار سی اس و ڈاکٹر قاسم حسین صاحب صدیقی ایم آر سی ایس ایل آر سی پی لندن کارونر بلدہ،

نسائیات مس حبیبی نندی بی اے آنرز آکسن،

کھیل اس ام ہادی بی اے کیمبرج،

اردو زبان و ادب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ایم اے پی ایچ ڈی و پروفیسر عبد القادر سروری ایم اے ایل ایل بی،

ہندی ادب اور ویدا پنڈت ونشی دھر ودیا النکار،

کنڑی و مرہٹی وغیرہ رگھوناتھ راؤ بھساری ایم اے و ڈی کے بھیم سین راؤ ایم اے،

انڈکس کی ترتیب اور مقالے لکھوائے جانیکا انتظام تیزی کے ساتھ جاری ہے، ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر علما، وفضلا ہندوستان کے گوشے گوشے سے دوسرے علوم وفنون کے ضمن مین قلمی اعانت فرما رہے ہین، ان میں سے چند کے نام یہ ہین،

ڈاکٹر محمد باقر ایم اے پی ایچ ڈی لاہور، پروفیسر مسعود حسن رضوی ایم اے لکھنو یونیورسٹی، شاہ بخاری پطرس ایم اے دہلی، ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی پونا، پروفیسر رودرالہ آباد وغیرہ -

ترتیب وتالیف کی نوعیت اور معیار کا صحیح اندازہ پیش کرنے کے لئے زیر اشاعت انسائیکلوپیڈیا کے چند اوراق بطور نمونہ الگ شائع کرکے ہفتہ عشرہ مین صاحبان ذوق ونظر کی خدمت مین برائے ریویو بھیجے جائین گے،

اردو انسائیکلوپیڈیا جیسی علوم وفنون کی ضخیم کتاب کی ترتیب وتدوین کے لئے ابھی بہین سیون ماہرین کی قلمی اعانت درکار ہے، اس لئے ہم بیحد ممنون ہون گے، اگر وہ علما وفضلا جن کا اب تک ہمین تعاون حاصل نہیں ہے اور جو ازراہ علم دوستی ہمارا ہاتھ بٹانا چاہتے ہین، ہمین مطلع فرمائین کہ انکو کن خاص علوم وفنون سے دلچسپی ہے، تاکہ ہم ان کی قابلیتون سے استفادہ کرسکین،

قانون مسعودی

محکمۂ آثار قدیمہ ہند (دہلی) نے بیرونی کی مشہور کتاب قانون مسعودی کو شائع کیا ہے، اس کی تصحیح وترتیب ایک ترکی مستشرق ذکی ولیدی طغان نے کی ہے، اسکی ترتیب کے لئے انھون نے البیرونی کی تصانیف کی تلاش اور جستجو مین یورپ اور ایشیا کے مختلف حصون کی سیاحت کی، اور کئی سال کی محنت کے بعد قانون مسعودی کو اڈٹ کیا، ان کو یورپ مین اس کتاب کا کوئی ناشر نہ ملا تو ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر جنرل کی طرف رجوع کیا، انھون نے کتاب کی اہمیت کا لحاظ کرکے منظو

کر لیا، اور محکمۂ آثار قدیمہ نے اس کو گذشتہ جولائی مین دہلی سے شائع کر دیا ہے لیکن اس مین قانون مسعودی کے صرف دو ہی حصے ہین جن کا تعلق ہندوستان سے ہے، حالانکہ البیرونی نے اس کتاب مین ایشیار کے مختلف خطون کے پر از معلومات جغرافیائی حالات لکھے ہین، یہ حالات اس نے ذاتی مشاہدات اور تجربات کے بعد قلمبند کئے ہین، البیرونی مختلف زبانون کا جید عالم تھا، اس لئے جن جن ملکون مین رہ گیا، وہان کی زبان، سائنس، لٹریچر، فلسفہ، مذہب، اور عادات و رسوم کی مفصل کیفیت بھی لکھی ہے،

قانون مسعودی کا وہ حصہ جو ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ نے شائع کیا ہے، چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب مین کرۂ ارض کی عمومی تفصیلات، اور مختلف ملکون کی جغرافیائی تقسیم ہے، اس تقسیم مین ایک نقشہ کے ذریعہ انکے طول البلد اور عرض البلد کی تشریح کی گئی ہے، دوسرا باب دنیا کی ابتدا، قدیم انسانی آبادی، اور برفانی نظریہ پر ہے، کہا جاتا ہے، کہ برفانی نظریہ سب سے پہلے البیرونی نے ہی قائم کیا تھا، یہ نظریہ اوس نے چین کے پہاڑون کے مشاہدات پر قائم کیا تھا،

تیسرے باب مین معدنیات یعنی سونا چاندی تانبے، اور لوہے وغیرہ اور ان کی کانون کے حالات ہین، چوتھے باب مین جڑی بوٹیون، پودون پھل، مختلف ادویات، اور چھالون کی تفصیلات ہین، اس باب مین بری اور بحری جانورون کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہین، "ص ع"

لغات جدیدہ

عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات اور بول چال مین ہزارون نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہین جن کے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب مین اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے قیمت:- عہ

"منیجر"

ادبیات

حشرِ جذبات

از

جناب ثاقب کانپوری

آ دل پُر غم کی روداد سنانی ہے
تارے بھی فلک پر ہیں اور شب بھی سہانی ہے

آشفتہ خیالی ہے، آشفتہ بیانی ہے
کیونکر ہو کشش اس مین یہ میری کہانی ہے

آزاد ہون جلوے بھی آزاد ہین جب نظرین
اظہار تجلی مین کیون قید مکانی ہے

وہ دیکھین تو شاید ہو احساس وفا پیدا
تصویر، محبت مین ایک ایسی بنانی ہے

کیون ٹال دیا اسکو جب غم تھا فنا قسمت
یعنی کہ محبت مین جب موت ہی آنی ہے

اب دیکھئے ہوتی ہے تکمیل جنون کب تک
ابتک تو محبت مین اشکون کی روانی ہے

کیون رکھتے ہو محفل مین تم دلکو عزیز اپنے
جب دہر مین ہر شے کی بنیاد ہی فانی ہے

یا باعثِ رونق تھے ہم بزمِ تمنا میں
یا ہم ہین زمانے مین اور اشک فشانی ہے

اللہ ری مجبوری یہ کیسے کہون ان سے
قصہ جو وہ سنتے ہین میری ہی کہانی ہے

کیا ذکر کرون تم سے اس اشک کی قسمت کا
قیمت مین جو موتی تھا الفت مین جو پانی ہے

باقی نہ رہا ثاقب جو لطف کہ حاصل تھا
اظہارِ محبت سے اب دل پہ گرانی ہے

غزل

از

جناب شاہد صدیقی اکبرآبادی

اے عشقِ بے نیاز، یہ کیا انقلاب ہے
غم کامیاب ہے نہ خوشی کامیاب ہے

مستی میں، ہر فریبِ خرد، بے نقاب ہے
اس وقت، جو گناہ بھی کیجے ثواب ہے

وہ دور ہیں نگاہِ طلب کامیاب ہے
بڑھ جائے اپنی حد سے تو جلوہ حجاب ہے

فکرِ مآلِ عشق نہ کی ہم نے عشق میں
معلوم تھا کہ خواب ہی تعبیرِ خواب ہے

لطفِ نظر بہ قیدِ نظر چاہتا ہوں میں
میرا سوالِ دید خود اپنا جواب ہے

مجبور ہوں کہ طاقتِ شکرِ ستم نہیں
مسرور ہوں کہ تیرا ستم کامیاب ہے

رسوائیاں ہیں عشق کی معراجِ زندگی
یہ تم نے کیا کہا کہ "زمانہ خراب ہے"

غم پر اثر نہیں ہے کسی انقلاب کا
اور غم بجائے خود اثرِ انقلاب ہے!

حاصل ہے لطفِ دید مگر یہ خبر نہیں
تو بے حجاب ہے کہ نظر بے حجاب ہے!

شاہد بغیر وجہ نہیں نظمِ کائنات
اس بزمِ ناز میں کوئی دل باریاب ہے

جامِ صہبائی

از جناب اختر صہبائی

صہبائے خُمِ الست مل جائے مجھے!
آگاہی رازِ ہست مل جائے مجھے!

باطل مرے پاؤں میں نگوں ہو جائے!
ایسا دلِ حق پرست مل جائے مجھے!

باب التقریظ والانتقاد

رسالون کے سالنامے اور خاص نمبر

الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تقطیع بڑی ضخامت ۴۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ :- دفتر الفرقان بریلی،

رسالہ الفرقان بریلی اس سے پہلے ہندوستان کے مجددین ومصلحین مین حضرت مجدد الف ثانی، مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسمعیل شہید رحمہم اللہ کے حالات مین خاص نمبر نکال چکا ہے، اب اس نے اس سلسلہ کے مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تذکرہ کی سعادت حاصل کی ہے، تجدیدی وسعت وجامعیت کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ صاحب کا مقام بہت بلند ہے، اورنگ زیب کے بعد ہندوستان کے مسلمانون پر نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی، اخلاقی، تعلیمی، علمی اور اقتصادی ہر حیثیت سے زوال طاری ہوگیا تھا، مرکزی حکومت کمزور پڑ چکی تھی، ملک مین طوائف الملوکی بپا تھی، ارکان سلطنت میں غیر اسلامی طاقتون کا غلبہ تھا، علمار فکر و نظر سے محروم اور عوام جہل و خرافات مین مبتلا تھے، ہر طبقہ اور ہر شعبہ سے اسلامی روح فنا ہورہی تھی، اس نازک دور مین شاہ ولی اللہ کا ظہور ہوا، انکی نظران تمام زوال پذیر گوشون پر تھی، چنانچہ انھون نے دین وملت، عقائد وخیالات، علم وفن، شریعت وطریقت، سیاست واقتصادیات ہر شعبہ مین تجدید واصلاح اور مسلمانون کے مردہ قالب مین روح پھونکنے کی کوشش کی، الفرقان نے ان کارنامون پر

ہندوستان کے ممتاز اصحابِ علم کے قلم سے مقالات اور معلومات کا یہ ضخیم مجموعہ فراہم کیا ہے، مولانا مسعود عالم ندوی کا مضمون "امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت اور اس کا تدریجی ارتقا" بڑی تلاش و محنت سے لکھا گیا ہے، اور شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کے پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے منصبِ تجدید کی حقیقت واضح کر کے اس میں شاہ صاحب کا مقام دکھایا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی کا مبسوط مضمون شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں پر جامع تبصرہ ہے، مولانا عبید اللہ سندھی نے حکمتِ ولی اللہی کا اجمالی تعارف کرایا ہے، گو اس مضمون کے تمام استنباطات سے ہم کو اتفاق نہیں ہے لیکن مضمون بہت عالمانہ ہے، اور شاہ صاحب کے فلسفہ اور ان کی کتابوں پر عمیق غور و فکر کا نتیجہ ہے، مولانا سید سلیمان ندوی کا مضمون "ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کا سبب شاہ صاحب کی نظر میں" گو مختصر ہے لیکن اس سے شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، ان مضامین کے علاوہ مولنا سعید احمد اڈیٹر برہان، مولنا ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء، مولنا محمد اویس نگرامی رفیق دار المصنفین، مولانا ابو النظر امروہوی، مولانا محمد یوسف استاذ جامعہ ڈابھیل، مولنا خیر محمد صاحب صدر مدرس خیر المدارس جالندھر، مولنا منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان کے قلم سے شاہ صاحب کی مختلف حیثیتوں پر فاضلانہ اور پر از معلومات مضامین ہیں، شاہ صاحب کے متعلق متعدد اچھی نظمیں بھی ہیں، تبرکاً انکی تحریر کا عکس بھی شامل کر دیا گیا ہے، معلومات کے اعتبار سے یہ نمبر شاہ صاحب کے حالات میں مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اور اربابِ علم کے مطالعہ کے لائق ہے۔

البیان براہین وحی نمبر، مرتبہ جناب مولوی محمد حسین صاحب عرشی تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۲ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ دفتر امتِ مسلمہ امرتسر،

بغیر کسی تاویل کے کلامِ پاک کے وحی الٰہی ہونے کا عقیدہ اسلام کا ایسا بنیادی مسئلہ اور مسلمانوں کا ایسا متفقہ عقیدہ ہے، جس سے کسی اسلامی فرقہ کو اختلاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سے مدیر نگار

کے انکار پر بلا اختلاف ہندوستان کے تمام اسلامی فرقون حنفی، وہابی، اہل قرآن، اہلِ حدیث، حتی کہ نئے تعلیم یافتہ آزاد خیال مسلمانون تک نے مدیر مذکور کو ملامت کی، اور اس کے خرافات کے جواب مین مضامین لکھے، رسالہ البیان امرتسر نے ان تمام مضامین کو براہین وحی کے نام سے ایک خاص نمبر مین جمع کر دیا ہے، مضمون نگارون کے نامون پر نظر ڈالنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے، کہ اسلام کے بنیادی مسائل پر الحمدللہ آج بھی تمام اسلامی فرقے اور جماعتین متفق ہین، چنانچہ اس نمبر مین مولنا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان، مولانا سعید احمد اکبرآبادی اڈیٹر برہان، مولینا ادریس نگرامی، مولوی عرشی امرتسری، ڈاکٹر تاثیر ایم اے پی اچ ڈی، سید مقبول احمد ڈپٹی کلکٹر، جناب اقبال سلمانی صاحب جیسے مختلف الخیال اصحاب ایک جماعت مین نظر آتے ہین، یہ مجموعہ نہ صرف خرافات نگار کے جواب کی حیثیت سے بلکہ کلام اللہ اور وحی کے متعلق علمی حیثیت سے بھی مطالعہ کے لائق ہے،

عالمگیر تاریخ نمبر اور سالنامہ } مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب تقطیع بڑی ضخامت علی الترتیب ۱۹۲، اور ۲۳۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت

تاریخ نمبر ۱۲، سالنامہ ۱۰، پتہ بازار سید مٹھا لاہور،

رسالہ عالمگیر نے اس سال دو خاص نمبر نکالے ہین "ایک تاریخ نمبر، دوسرا سالنامہ" تاریخ نمبر کے بیشتر مضامین تاریخی یا تاریخی رنگ کے ہین، تاریخی مقالات مین "زیب النساء بیگم" پروفیسر سالک ایم اے، "عہدِ شاہجہانی کا نامور مؤرخ" جناب عبداللہ قریشی، "سلطان شہید حیدر علی صاحب بی اے" مفید اور پر از معلومات ہین، مولانا ظفر علی خان کے "تاریخی جواہر ریزے" بھی دلچسپ ہین، تاریخی رنگ کے متعدد ستھرے افسانے اور ڈرامے بھی ہین، تاریخی اور ادبی دونون حیثیتون سے یہ نمبر اچھا ہے،

سالنامہ بھی معمول کے مطابق مختلف رنگ اور مذاق کے مضامین کا مجموعہ ہے، یہ نمبر بھی سنجیدہ علمی اور تاریخی مضامین سے خالی نہین لیکن تاریخ نمبر کے مقابلہ میں یہ مضمون معمولی ہین، تاہم ان مین "حقائق و معارف" مولانا ظفر علی خان، "مالیاتِ عامہ اور اسلام" عبدالرحیم شبلی "مرزا سبزواری" مولوی محوی صدیقی معلومات کے اعتبار سے غنیمت ہین، ادب اور افسانون کا حصہ البتہ اچھا ہے، "پنیر کے سوراخ" فضل حق صاحب قرشی" ڈاکٹر" جناب سالک لکھنوی "حسن سوگوار" جناب ظفر واسطی "جھلکے" آسی رام نگری اچھے افسانے ہین،

نیرنگ خیال اردو مجلس دلی نمبر مرتبہ جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر، پتہ:- نیرنگ خیال فیلمنگ روڈ لاہور،

دلی کے خوش مذاق ادیب خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی نے اردو زبان کی خدمت کیلئے ایک مجلس قائم کی ہے، اسکے ہفتہ وار جلسون مین مجلس کے ارکان مختلف موضوعون پر مقالات اور نظمین پڑھتے ہین، نیرنگ خیال نے اردو مجلس دلی کے نام سے ان کو ایک خاص نمبر مین جمع کر دیا ہے، اس مین زیادہ تر افسانے اور ڈرامے ہین، لیکن ستھرے اور مفید آغا عینی رشادی کا خواب" اشرف صبوحی صاحب اور "حقیقی دوست"، جناب ماہر دہلوی، موثر اور سبق آموز اور "چار درویش" احترام اللہ صاحب، اور "پھدکتی مینا" دلچسپ ہین، علمی مضامین مین حامد علی صاحب کا مضمون "آثار صنادید عجم" مفید ہے نظمون کا حصہ بھی اچھا ہے، اس نمبر کے تقریباً تمام مضمون نگار دہلی کے ہین اسلئے ادبی حیثیت سے سب مضامین بلندپایہ ہین،

سالنامہ ساقی مرتبہ جناب شاہد احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ ر، پتہ:- دفتر ساقی دہلی،

یہ نمبر افسانون کی کثرت، تنوع اور ضخامت کے اعتبار سے پوری کتاب ہے، افسانے بیشتر اچھے افسانہ نگارون کے قلم کے ہین، اوران مین اختلاف ذوق کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس کا بڑا حصہ دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے، ایسے افسانون سے اردو مین افسانہ نگاری کا معیار قائم ہے، ہم نے قریب قریب کل افسانے پڑھے، اعظم کریوی، صادق الخیری، حجاب امتیاز علی، ممتاز مفتی، بلونت سنگھ، عظیم بیگ چغتائی، محمد نصیر الدین، شفیق الرحمن اور اشرف صبوحی کے افسانے زیادہ پسند آئے،

ادب لطیف افسانہ نمبر — مرتبہ چودھری برکت علی و چودھری نذیر احمد صاحبان، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۵۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ:-

مکتبہ اردو، لاہور،

یہ نمبر بھی افسانون کے تنوع اور دلچسپی کے اعتبار سے کامیاب ہے، گو اس کے افسانون کی تعداد ساقی سے کم ہے، لیکن کیفیت مین اسکے برابر ہے، مختلف مذاق کے بیس بائیس افسانے ہین، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، بلال احمد، اپیندر ناتھ اشک، اختر انصاری، اور شفیق الرحمان کے افسانے خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہین،

ہمدرد صحت قدرتی علاج نمبر — مرتبہ جناب حکیم حافظ محمد سعید خان دہلوی، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۲ر، پتہ:-

ہمدرد دواخانہ، لال کنوان، دہلی،

ہمدرد صحت ہر سال کسی اہم طبی موضوع پر خاص نمبر نکالتا ہے، اس مرتبہ اوس نے قدرتی علاج کے مختلف طریقون پر یہ نمبر نکالا ہے، تہذیب و تمدن اور فن طب کی روز افزون ترقی نے فطری علاج کو ذہنون سے بالکل فراموش کر دیا ہے، اور اب طبی علاج ناگزیر سا ہو گیا ہے حالانکہ اصل طریقہ علاج یہی ہے، خصوصاً صحت کے بقا و تحفظ کا مدار تو اب بھی بڑی حد تک فطری قوانین

کی پابندی پر ہے، اس نمبر میں پانی، غذا، آرام و سکون، ورزش جسمانی، مالش، صفائی، شعاع آفتاب، مختلف رنگوں، روزہ اور موسیقی وغیرہ فطری اصولوں اور طریقوں کے ذریعہ بقائے صحت اور امراض کے علاج پر مفید مضامین ہیں، موضوع سے متعلق چند افسانے بھی ہیں، یہ نمبر اطبا اور عوام دونوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

عصمت سالگرہ نمبر، مرتبہ رازق الخیری صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱-۸ ر پتہ:- عصمت بک ڈپو دہلی،

عورتوں میں تحریر و انشار کا مذاق پیدا کرنے میں رسالہ عصمت کو بڑا دخل ہے، اس کے ذریعہ بہت سی خواتین ادبی دنیا میں روشناس ہوئیں یہ رسالہ شروع سے اب تک ایک معتدل روش پر قائم ہے، عورتوں کے ذوق کے مضامین اور ان کے لئے مفید اور کارآمد معلومات پیش کرتا ہے، یہ نمبر بھی مضامین و معلومات کے تنوع کے اعتبار سے عورتوں کے مطالعہ کے لائق ہے، ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب کے قلم سے مختلف قوموں اور ملکوں میں طلاق کے رواج اور قانون اور اسلامی قانون طلاق سے متعلق پر مفید اور پراز معلومات مضمون ہے، البتہ تین طلاق کے مفہوم کی یہ نئی تشریح انکی طبعزاد ہے،

"م"

نئے رسالے

جہان آزاد (فارسی) مرتبہ جناب ع جاں تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ سپید اور ٹائپ روشن قیمت سالانہ ۲ ر فی پرچہ ۴ ر غیر ممالک سے صرف بقدر محصول زیادہ پتہ:- جائگاہ ادارہ دہلی،

ایک زمانہ میں کلکتہ کے مشہور فارسی اخبار حبل المتین نے بڑی شہرت حاصل کی تھی، اس کے بعد پھر ہندوستان سے کوئی قابلِ ذکر فارسی اخبار و رسالہ نہیں نکلا، اب دہلی کے ایک متوطن ایرانی آقائے

ع جاری نے ہندوستان اور اس کے جوار کے فارسی بولنے والے ملکون اور قومون کے درمیان رابطہ اور اتحاد پیدا کرنے اور ایک کو دوسرے کے حالات سے باخبر رکھنے کے لئے جہان آزاد جاری کیا ہے، ہم نے اس کے دو نمبر دیکھے، اس مین موجودہ جنگ کے حالات، اسلامی دنیا کی پوزیشن، متحارب قوتون سے ان کے تعلقات، اور ان پر اس جنگ کے اثرات خصوصاً برطانیہ سے تعلقات پر زیادہ مضامین نظر آئے بعض علمی وادبی مضمون بھی ہین لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے، یہ رسالہ اس حیثیت سے ضرور مفید ہے، کہ اس کے ذریعہ ہندوستان مین فارسی زبان کی کچھ نہ کچھ خدمت ہو جائیگی، اور ہندوستان کے مسلمانون اور فارسی بولنے والے اسلامی ملکون کے درمیان ایک ادبی رابطہ پیدا ہو جائیگا،

ذکری مرتبہ مولانا عبداللہ مصری تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ سے ششماہی ۱۲؍ پتہ:۔ آستانہ عالیہ دائرہ شاہ حجت اللہ بہادر گنج الہ آباد،

الہ آباد کے دو دائرے مدتون علم وفضل اور ارشاد وطریقت کا مرکز رہ چکے ہین، دائرۂ شاہ حجت اللہ مین اسکی آخری یادگار مولانا شاہ محمد حسین مرحوم کی ذات تھی، ان کے بعد ان کے خلف الصدق مولانا شاہ محمد ولایت حسین مرحوم نے بڑی حد تک اس منصب کو سنبھالے رکھا لیکن اب وہ بھی اس دنیا سے اٹھ چکے، اور دائرۂ شاہ حجت اللہ مین سناٹا تھا، خوشی کا مقام ہے، کہ مولانا مرحوم کے فرزند رشید مولانا محمد فاروقی فاضل مصر نے اپنی خاندانی روایات کو قائم رکھنے کے لئے رسالۂ ذکری جاری کیا ہے، اس کا مقصد فلسفہ تصوف کی تشریح واشاعت اور اس کے ذریعہ موجودہ دور کے الحاد ودہریت کا انسداد اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے حقائق کی ترجمانی ہے، ہم نے اس رسالہ کے کئی نمبر دیکھے، اس کے مضامین بڑی حد تک مقصد سو قریب ہین، کتاب اللہ وسنت رسول کی ترجمانی بھی ہے، صوفیانہ حقائق ومعارف کی تشریح بھی اور متفرق مفید مذہبی مضامین

بھی دیندار مسلمانوں کے مذہبی معلومات اور ان کی تشفی کے لئے یہ مضامین کافی ہین لیکن دہریت کے تدارک کیلئے فلسفہ تصوف کے بجائے اسلامی تعلیمات کی حکیمانہ تشریح، اس کی روشنی مین جدید مسائل کا حل اور اسلام کی روشن تاریخ کو پیش کرنے کی ضرورت ہے، الحاد تصوف کے خلاف نہین، بلکہ مذہب کے خلاف ہے، تصوف کا درجہ تو مذہب کے بعد آتا ہے، پھر تصوف مین بھی فنی اور نظری تصوف اور "احسان" کے فرق کو جس کا تعلق روح عمل سے ہے، پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، مجموعی حیثیت سے موجودہ صورت مین بھی یہ رسالہ فائدہ سے خالی نہین ہے، مولانا محمد میان کے قلم سے طریقت وشریعت اور اسرار قرآنی کے مضامین اچھے ہین نغمہ قدوسی خاص ارباب ذوق و وجد کے مذاق کی چیز ہے،

ہندوستانی ادب مرتبہ جناب غلام محمد خان صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۳ر پتہ منیجر ہندوستانی ادب چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے نوجوانون مین اپنی زبان کی سنجیدہ خدمت کا جو جذبہ ہے، ہندوستانی ادب اس کا ایک نمونہ ہے، اس کا مقصد "مشترکہ زبان کی خدمت" ہے جس کی شہادت اس کے مضامین سے ملتی ہے، وہ ادبی حیثیت سے حیدرآباد کے اچھے رسالون مین شمار ہونے کے لائق ہے، مضامین مین معلومات افادہ و دلچسپی ہر پہلو کا لحاظ ہے، مستقل مضامین کے علاوہ "سائنس" "معلومات" اور "دلچسپیان" کی سرخی کے تحت مین مختلف قسم کے مفید معلومات ہوتے ہین، ہندوستانی زبان پر عبدالقادر صاحب سروری کا مضمون اچھا ہے "سلطنت بہمنی کا اخلاقی سرمایہ" عبدالمجید صاحب صدیقی "تحریک نوعمران"، ڈاکٹر عبدالحمید صاحب "فارسی زبان کا اثر دکن مین"، ڈاکٹر کلیم اللہ حسینی "انصاف کی ضرورت اور اسکی تنقیدی قوت" محمد غوث صاحب ایم اے مفید مضامین ہین، ادب اور افسانے کا حصہ بھی خاصہ ہے، بعض مضامین

کی زبان البتہ کھٹکی، مثلاً "اجرا" کے بجاے "اجرائی" "ہنگی" کی جگہ "ہنگائی" ایک فقرہ ہے "زبان کے مشکل سے آسان کی طرف رفتاری کا ناقابلِ تردید رجحان" یہ فقرہ یون زیادہ صاف اور سلیس طریقہ سے ادا ہو سکتا ہے "مشکل زبان سے آسان زبان کی جانب شدید رجحان" "رفتاری" کا لفظ غلط بھی ہے، اور بے کار بھی، ان خفیف مسامحات سے اس رسالہ کی خوبی پر اثر نہین پڑتا،

ادیب مرتبہ سید محمد ارتضیٰ صاحب واحدی و فصیح الدین احمد صاحب ایم اے،

تقطیع تقریباً خیاری، ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ سعہ فی پرچہ ۱ ر، پتہ:- چاندنی محل، دہلی،

دلی کے پرانے اڈیٹر واحدی صاحب نے یہ رسالہ نکالا ہے، جو ظاہری اور معنوی دونون حیثیتون سے ان کے اسکول کے پرانے رسالون سے بالکل مختلف ہے، ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہو اور ادبی حیثیت بھی بلند ہے، مضامین زیادہ تر ادبی ہوتے ہین، لیکن ستھرے اور مفید، ایک آدھ علمی اور سنجیدہ مضمون بھی نظر آجاتا ہے، پنڈت دتاتریہ کیفی کا مضمون "ہمارے رسالے" اور "مرکزیت و صوبیت" بھی خواہان اردو اور نومشق اڈیٹرون کے غور و تامل کے لائق ہے، خواجہ محمد شفیع دہلوی کے قلم سے کلام درد کی شرح کا سلسلہ مفید ہے، "دوسو برس پہلے کی دلی کے اہلِ کمال" خواجہ حسن نظامی دلچسپ ہے، "ہماری زندگی مین شاعری کی اہمیت" اور "ان زمان مین تیرا مہمان" اس لحاظ سے خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہین، کہ اوّل الذکر مضمون مسٹر ایچ جی ایو نیر ڈپٹی کمشنر دلی کا ہے، اور دوسرا شاہزادہ احمد علی خان افغانی کا، دونون نے اردو مین لکھا ہے، مسٹر ایونیر کی اردو نہ صرف صاف اور سلیس بلکہ ادیبانہ ہو، اور احمد خان کے مضمون مین اہلِ زبان کی زبان کا لطف ہو، ہر نمبر مین مختلف ادبی مضمون اور دلچسپ افسانے اور ڈرامے ہین، ادبی لحاظ سے ادیب بڑی حد تک اسم بامسمی ہو،

ندائے حرم مرتبہ جناب مولوی ضیاء الدین احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے،

کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ سے رفی پرچہ ۴ر پتہ :- ندائے حرم ترولباغ نئی دہلی،

ہندوستان کے علما کا مشہور مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) ارض حرم مین سترسال سے دینی علوم کی خدمت انجام دیرہا ہے، ندائے حرم اس کا ہندوستانی ترجمان ہو، وہ مدرسہ کی تبلیغ کی خدمت کیساتھ مفید علمی، مذہبی اور تاریخی مضامین بھی پیش کرتا ہے "عہد نبوی مین پانچوان کالم" "چودہوین صدی مین خط کوفی" اور "اسلام کا نظام دعوت واصلاح" اچھے مضامین ہین، بصائر وحکم کے تحت مین اڈیٹر کے قلم سے مفید نوٹ ہوتے ہین، اس رسالہ کی خریداری ہم خرما وہم ثواب ہے،

نوید مشرق مرتبہ سوہن لال صاحب ساحر وجناب در ذکو دری، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت سالانہ ص رفی پرچہ ۲ر پتہ :- نوید مشرق پرمجیت گنج کپورتھلہ،

یہ رسالہ حال ہی مین کپورتھلہ سے نکلا ہے' اس کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے، کہ ایک خوش مذاق ہندو ادیب نے اردو زبان کی خدمت کے لئے نکالا ہے، ادبی حیثیت سے آجکل کے عام رسالون سے بُرا نہیں ہے، مختلف ذوق کے مفید مضامین ہوتے ہین، شاہجہان "سہیل سلاسی" سوہن لال صاحب اور شاہزادہ محمد اکبر "کوثر" چاندپوری اچھے مضمون ہین، افسانون کا حصہ بھی غنیمت ہو، امید ہے کہ اس کے ذریعہ کپورتھلہ کے اصحاب ذوق مین اردو کا مذاق پیدا ہوگا،

ہمالہ مرتبہ جناب سید حسین صاحب جامی وعبدالعلیم صاحب آسی تقطیع بڑی، ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ ۲-۲ر دفتر ہمالہ لہریاسرائے دربھنگہ،

دربھنگہ (صوبہ بہار) مین اردو کے اخبارات ورسالون کا چرچا کم ہے لیکن اب اس کا مذاق پیدا ہو چلا ہے، ہمالہ اسی کا نتیجہ ہے، ادبی لحاظ سے ابھی اس کا معیار عام رسالون سے

کسی قدر کم ہے، مضامین میں زیادہ تر افسانے ہیں کہیں کہیں زبان کی غلطیاں بھی نظر آئیں "ہندوستانی زبان کا رسم الخط" نسبتہً اچھا مضمون ہے، البتہ نظموں کا حصہ بہتر ہے، گو ابھی یہ رسالہ ابتدائی منزل میں ہے لیکن دربھنگہ کی ادبی فضا کو دیکھتے ہوئے غنیمت ہے، امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہ معمولی خامیاں دور ہو جائیں گی، اور اس کے ذریعہ دربھنگہ کے نوجوانوں میں اردو ادب کا مذاق پیدا ہوگا،

تعلیم و تربیت ، مرتبہ جناب ڈاکٹر عبد الوحید صاحب پی، ایچ ڈی،

تقطیع بڑی ضخامت ۳۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ عار فی پرچہ ۳ر پتہ:- فیروز سنسز ۱۹ اسرکلر روڈ لاہور،

چھوٹے بچوں کا یہ رسالہ حال ہی میں نکلا ہے، جدید اصول کے مطابق مضامین میں بچوں کی علمی و عملی تعلیم، اخلاقی تربیت، عام مفید معلومات اور ذوق و تفریح ہر پہلو کا لحاظ ہے، اور بچوں کی تعلیم و تفریح دونوں اعتبار سے ان کیلئے مفید اور دلچسپ ہے، "م"

تابعین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابۂ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے، اسلئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصری، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح، انکے علمی، مذہبی، اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے،

مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت للعہ

منیجر

مطبوعات جدیدہ

پاکستان اور ہندوستان مرتبہ جناب سید عبد القدوس صاحب ہاشمی ندوی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۳۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عام، پتہ:-

دارالاشاعت سیاسیہ شاہراہ عثمانی حیدرآباد دکن،

پاکستان کی تجویز کی موافقت اور مخالفت مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، یہ کتاب اسکی تائید وحمایت مین ہے، اس میں اس خیال کے مسلمانون کے نقطۂ نظر سے پاکستان کی تجویز کے مذہبی و سیاسی اسباب و دلائل، اس کے تاریخی اور جغرافی شواہد، اس کے موید مسلمانون، ہندوؤن اور انگریزون کے بیانات اسکے مختلف نقشے اور تجویزین، اعتراضات اور مشکلات کا جواب، ہر پہلو کے متعلق معلومات اور دلائل جمع کر دیئے گئے ہین، جو لوگ پاکستان کی تجویز کو سمجھنا چاہتے ہین، ان کے لئے اس مین کافی مواد ہے، ضمناً مسلمانون کے مذہب، کلچر اور قومیت وغیرہ کے مباحث بھی آگئے ہین، گو یہ تجویز مسلمانون کی متفقہ آواز نہین ہے، اور بہت سے ارباب فکر مسلمان اس کو نہ صرف ناممکن العمل بلکہ مسلمانون کی شاندار روایات، انکی خود اعتمادی، اور اسلام کی فاتحانہ اسپرٹ کے خلاف سمجھتے ہین، لیکن اب یہ مسئلہ اس حد تک پہنچ چکا ہے، کہ اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کے حل کے بغیر ہندوستان کی سیاسی گتھی نہین سلجھ سکتی، اس لئے موافقین اور مخالفین دونون کے لئے لائق غور ہے، درحقیقت یہ مسئلہ تنگ دل اور تنگ نظر ہندوؤن کا پیدا کردہ ہے انہی نے اسکو بڑھنے اور پھیلنے کا موقع دیا، اب بھی وہ مسلمانون کا اعتماد حاصل کر کے اسے ختم کر سکتے ہین

پاکستان کا تخیل خواہ کیسا ہی ہو، لیکن موجودہ فضا مین نہ صرف ہندوستان بلکہ اس کے ہر شہر اور ہر گاؤن مین ایک ایک پاکستان بنتا جاتا ہے، جس کا تدارک صرف ہندوؤن کے ہاتھ مین ہے،

محاسن سجاد، مرتبہ مولنا مسعود عالم صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت :- ۸ر علاوہ محصول ڈاک، پتہ :- الہلال بک ایجنسی بانکی پور پٹنہ،

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم نائب امیر شریعت بہار کی ذات تعارف سے مستغنی ہے، ان کی شخصیت علم و فضل، زہد و ورع، فہم و تدبیر، معاملہ فہمی دوراندیشی، اخلاص و للہیت، قوت عمل و دینی حمیت، قومی درد، ایثار و قربانی کے لحاظ سے طبقہ علماء مین ممتاز تھی، اور ان کی ایمانی فراست کا سکہ نہ صرف علماء بلکہ موجودہ زمانہ کے سیاسین تک پر بیٹھا ہوا تھا، ان کی زندگی کا بڑا حصہ دین و ملت کی بے لوث خدمت مین گذرا، ان کی ذات ملک و ملت کے خدمتگذارون کے لئے نمونہ تھی، مولانا مسعود عالم ندوی نے ان کی یادگار مین ان کے احباب اور جاننے والون کے قلم سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر مضامین لکھا کر محاسن سجاد کے نام سے انھین شائع کیا ہے، اس مین ان کی سیرت، ذاتی حالات، علمی و تعلیمی زندگی، مذہبی و سیاسی خدمات پر تیرہ مضمون ہین جن سے مرحوم کی مجاہدانہ زندگی اور ان کے کارنامون کا ہر رُخ سامنے آجاتا ہے، اس مرقع مین جناب راغب احسن صاحب کا مضمون کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اس کا نہ ہونا بہتر تھا، مرحوم کا یہ تذکرہ دین و ملت کے خدمت گذارون کے لئے سبق کی حیثیت رکھتا ہے،

مقدمہ تاریخ دکن مؤلفہ جناب عبدالمجید صاحب صدیقی استاد تاریخ، جامعہ عثمانیہ ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ مرتبہ سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدرآباد دکن،

اس مقدمہ مین دکن کے ان تمام فرمانروا خانوادون کی تاریخ کا اجمالی نقشہ ہے، جنھون نے تاریخ کے معلوم زمانہ سے لیکر اس وقت تک سرزمین دکن پر حکومت کی، مقدمہ کے شروع مین دکن کی تاریخ پر مختصر تبصرہ ہے، اس کے بعد مختلف دورون کے خانوادون کا حال ہے پہلے حصہ مین ان ہندو خانوادوں کا ذکر ہے، جنھون نے قدیم زمانہ سے لیکر مسلمانوں کے پہلے تک حکومت کی، دوسرے حصہ مین درمیانی دور کے مسلمان اور ہندو خانوادون کا حال ہے، تیسرے حصہ مین خاندان پیشوا خاندان آصفیہ اور میسور کے حالات ہین، چوتھے حصہ مین ارکاٹ اور کرنول وغیرہ کی نوابیون کا تذکرہ ہے، ہر خاندان کے شروع مین اسکی مختصر تاریخ، اور اس کے فرمانرواؤں کا پورا شجرہ ہے، جہانتک ہوسکا ہے، ان کے سنین بھی دیدے گئے ہین، یہ مقدمہ درحقیقت اس مفصل تاریخ کا خاکہ ہے جس کی تالیف مولف کے پیش نظر ہے، موجودہ صورت مین بھی یہ مقدمہ دکن کی تاریخ کے مطالعہ مین رہنمائی کا کام دیسکتا ہے،

بیان غالب مرتبہ جناب آغا محمد باقر صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۸؎ غیر مجلد ۶؎ پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

کلام غالب کی گوناگون خصوصیات کیساتھ اسکی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی متعدد شرحین لکھی جاچکی ہین، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، جناب مرتب نے اس کتاب مین اختصار کے ساتھ ان تمام شرحوں کو جمع کر دیا ہے، خود مولف کے الفاظ مین اس کتاب کا مقصد اور اسکی خصوصیت یہ ہے: اس کتاب کی تالیف سے میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دیوان غالب کی شرح پڑھنے والون کو اگر بالتفصیل نہین تو مجملاً اس قدر ضرور معلوم ہو جائے کہ مختلف شارحین نے غالب کے ہر شعر کو کس نقطۂ نظر سے دیکھا ہے اور اس کے مفہوم مین کیا کیا موشگافیان

کی ہیں، چنانچہ جن اشعار پر شارحین نے اختلاف کیا ہے، مین نے کوشش کی ہے کہ مختصراً ان کے نقطۂ نظر کو پیش کر دیا جائے، تاکہ پڑھنے والا آسانی سے سمجھ جائے، کہ اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے، طوالت کے خوف سے مین نے اختصار کو مدنظر رکھا ہے، لیکن پھر بھی یہ خیال سامنے رہا ہے، کہ کوئی ضروری بات نظر انداز نہ ہونے پائے" اس بیان سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے اس میں خود کوئی اضافہ نہین کیا ہی تاہم اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے بعد غالب کی اور تمام شرحون کی احتیاج باقی نہین رہتی، اور نفس شرح کی حد تک اس مین وہ تمام ضروری باتین موجود ہین، جن کیلئے مختلف شرحون کی ورق گردانی پڑتی ہی،

کمپنی کی حکومت، مؤلفہ جناب باری تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۰۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عار پتہ:- مکتبہ اردو، لاہور

اس کتاب کا پہلا اڈیشن آج سے کئی سال پہلے شائع ہوا تھا، معارف مین اس پر ریو بھی ہوچکا ہے، اب نظرثانی اور مفید اضافون کے بعد دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس مین ایسٹ انڈیا کمپنی کے وحشیانہ دور حکومت کی پوری تاریخ ہی، کہ اس نے کن کن پر فریب اور ظالمانہ طریقون سے ہندوستان پر قبضہ کرکے اس کی صنعت وحرفت اور تجارت کو برباد کیا اور اسکی دولت و ثروت چھین کر اسے مفلس ومحتاج بنایا، یہ کتاب درحقیقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی وحشت وبربریت اور اس کے ہاتھون ہندوستان کی تباہی کی تاریخ ہے، انگریزی مین اس دور کی بہت سی تاریخین ہین، ان مین باسو کی تاریخ "ہندوستان مین نصرانی اقتدار کا عروج" بہت مستند اور مشہور ہے، یہ کتاب زیادہ تر اسی سے ماخوذ ہے، گو انگریزی کتابون کے مقابلہ مین یہ کتاب بہت مختصر ہے، لیکن اردو مین اتنے معلومات بھی نہین ملین گے، اس اعتبار سے یہ کتاب بہت غنیمت ہی، اور ہمارے نوجوانون کے پڑھنے کے لائق ہے،

سوگوارِ شباب از جناب مجنون گورکھپوری تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۳ صفحے کاغذ کتابت
وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد ۱۲ مجلد عہ پتہ ایوانِ اشاعت گورکھپور،

جناب مجنون گورکھپوری کا یہ افسانہ رسالہ ایوان مین مسلسل نکل چکا ہے، اب انھون نے اُسے کتابی شکل دیدی ہے، مصنف ٹامس ہارڈی سے بہت متاثر ہین، اسلئے اسکی رومانیت اور قنوطیت ان کے افسانون کی خصوصیت بن گئی ہے، یہ افسانہ بھی ہارڈی کے ایک ناول (Two on A Tower) کے مطالعہ کے اثر کا نتیجہ اور رومانیت اور قنوطیت کے لطیف امتزاج کا دلکش المیہ نمونہ ہے، اس مین مصنف کی فسانہ نگاری کی تمام خصوصیات نمایان ہین، افسانہ کا پلاٹ بھی بہتر ہے، اور مصنف کے قلم کی رنگ آمیزی نے اس کو اور زیادہ دلکش اور مؤثر بنا دیا ہے، حسن کی رعنائیون عشق کی شورش و پاکیزگی فطری جذبات کے مد و جزر، نسوانی کردار کی بلندی، اس کے ایثار و قربانی، حرمان و نامرادی واردات محبت کی تمام وجدانی کیفیتون کو نہایت مؤثر پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے، مصنف نے مشتاق اور سائرہ دونون کی سیرتون مین توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن مشتاق کے مقابلہ مین سائرہ کا اخلاقی پایہ علانیہ بلند نظر آتا ہے، یہ افسانہ پلاٹ کی خوبی اور ادبی حیثیت دونون لحاظ سے پڑھنے کے لائق ہے،

آسان اردو، شائع کردہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۰ صفحے
کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸، پتہ انجمن ترقی اردو جوبلی ہل بنجارا روڈ حیدرآباد دکن،

بالغون کی تعلیم کے سلسلہ مین جو کتابین لکھی گئی ہین ان مین عمومًا بچون کے ذوق کے قصے اور کہانیان ہین، جن سے تعلیمی مقصد تو حاصل ہوجاتا ہے، لیکن معلومات مین کوئی اضافہ نہیں ہوتا، اس پہلو کو پیش نظر رکھکر یہ رسالہ لکھا گیا ہے، چنانچہ اس مین مختلف زمانون کے آٹھ بڑے اور تاریخی اشخاص کے حالات، چند اصلاحی افسانے اور دورِ جدید کی بعض اہم ایجادات کا مختصر حال، اور آخر مین چند مفید نظمین ہین، زبان سادہ اور آسان ہے، بچون اور بالغون دونون کے لئے یہ رسالہ مفید ہے، "م"

...وستان کی قدیم | ہندوستان کی قدیم تاریخی
...امی درسگاہیں | کتابوں میں مرتب طور
...ندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان
...مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا
...ں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابو الحسنات مرحوم
...نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی
... اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔
...کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دار المصنفین
...ی مقالہ کو کتابی صورت میں بہایت اہتمام
...شائع کیا ہے، ضخامت ۴۰۴ صفحے قیمت: ۱۲ر

...ر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں
...ئی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور
...ب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان
...لف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا
...تا ہے، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے
...یخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض
...ی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے
...ر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان
...بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں
... تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،
...ست ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ ر

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری
...ون میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے
...کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں
...ی بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب
...وئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی
...تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو
...نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے
لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں
کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں
مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں،
قیمت: عہ ر ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ
چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا
گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں
کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت
ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل
کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور
اب کیا ہیں؟ ضخامت ۶۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

از مولوی عبد السلام قدوائی ندوی،
تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی
تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے
اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر
مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ:
مولنا عبد السلام ندوی، ضخامت ۶۰۲ صفحے، قیمت ۱۲ر

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن
رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے
حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے
اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ
ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۳۰۰، قیمت سے ر

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے
رفیق دار المصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج
و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے پہلے حصہ میں
عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل
حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے
زیادہ مبسوط و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۹۰ قیمت سے ر

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible]وں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں چھوٹے بچوں کے دارالاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ ۲ رہے، لیکن ۴۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲ ر فی نسخہ زائد ہوگی،

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ حکومتیں، جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر، یمن، لحج، نواحی قصبہ، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں ضخامت ۰۰ صفحے، قیمت ۱ عہ

چینی مسلمان، ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، حجم ۲۴۲ قیمت : عہ

مسعود علی ندوی مینجر دارالمصنفین اعظم گڑھ

([illegible] دارالمصنفین نے چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۸۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتّبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ۔ قیمت: ۸ر و ۳۴۴ صفحے

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ر ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہی، جس سے اسلامی فنِ انشا اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہی،

قیمت: للعہ ر ۴۸۶ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقایق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سے ر ۲۳۹ صفحے،

تاریخ صقلیہ اوّل، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اُردو، انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہی، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ ر ۴۸۵ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہی جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہی، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ الکلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعرار کے مفصل سوانح حیات، ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ ۵۰۰ صفحے،

جلد "۴۸" ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء "عدد ۳"

مضامین

شذرات

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں ایک "ہسٹاریکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کی بنیاد ڈالی گئی ہے، جس کا مقصد اسلامی تاریخ پر مستند اور محققانہ کتابوں کی اشاعت ہے، اس سلسلہ میں ہندوستان میں عہد اسلامی میں طریقِ عدالت کی تاریخ پر ایک انگریزی کتاب شائع ہوئی ہے، اس کتاب پر جو ریویو نکلے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مباحث خاص اہمیت رکھتے ہیں،

یہ سُنکر بھی خوشی ہوئی کہ اس انسٹی ٹیوٹ کی مالی امداد کے لئے نواب صدریار جنگ بہادر نے پچاس روپیے ماہوار منظور کئے ہیں، اور نواب مزمل اللہ خاں مرحوم کی ریاست کی طرف سے یکمشت چھ ہزار کی رقم عنایت ہوئی، ان کے علاوہ جناب محمد بشیر احمد صاحب آئی سی ایس نے دو سو پینتیس روپیے پیش کئے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان اوسوں پیاس نہیں بجھ سکتی، ضرورت ہے کہ کم از کم پچاس ہزار کا سرمایہ اس کے لئے الگ کیا جائے، اور اس روپیے کو صرف نام پر نہیں بلکہ کام پر خرچ کیا جائے، اس مجلس کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ بھی طے کیا ہے کہ جن مصنفوں کی کتابیں اس سلسلہ میں اشاعت کے لئے منظور کی جائینگی انکو انکی تصنیف کا معاوضہ بھی دیا جائیگا

ہماری رائے میں ابھی کمیٹی کو اس عالی ہمتی کی ضرورت نہ تھی، اگر شروع میں طمع کے بجائے اخلاص کارفرما ہو تو بہتر ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس مجلس کے کام کو "پیشہ" کے طور پر نہیں

بلکہ کاروباری طور پر چلایا جائے جس سے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو جائے۔

رحمتِ عالمؐ کی فروخت کے سرمایہ میں بحمد اللہ کہ اس وقت تک تین ہزار چھ سو روپئے دفتر میں جمع ہو گئے ہیں، کچھ سو مختلف شہروں میں ایجنٹوں کے پاس باقی ہوں گے، جس کے یہ معنی ہیں کہ اس مد میں چار ہزار کے قریب ہو جائیں گے، ابھی ۸۰۰ کے قریب جلدیں اور باقی ہیں، اگر احباب توجہ کریں تو چند ہی روز میں اس کے دوسرے اڈیشن کی ضرورت ہو جائیگی۔

سب کو معلوم ہے کہ یہ پوری رقم مصارفِ طبع کی منہائی کے بعد جو کم و بیش ایک ہزار ہے، دارالعلوم ندوہ کے چھوٹے بچوں کے دارالاقامہ کی تعمیر میں صرف ہو گی۔ اس عمارت کا مختصر سا نقشہ بن گیا ہے، جس میں ۱۳×۲۱ کے پانچ کمرے رکھے گئے ہیں، جن کا کم از کم تخمینہ سات ہزار روپیہ ہوتا ہے، یعنی ہماری مد میں ابھی تین ہزار کی کمی ہے، کام تو بہرحال شروع ہو جائیگا جس خدا نے یہاں تک سامان کیا ہے وہ باقی کا بھی سامان کر دے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

رحمتِ عالمؐ کے ہندی ترجمہ کی جو تجویز تھی خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی عمل میں آ رہی ہے، ہندی ترجمہ کا کام پورا ہو گیا اور وہ اس وقت جسٹس مولوی معین الدین صاحب انصاری (رامپور) کے پاس ہے، موصوف اس پر ہندی میں مقدمہ لکھنا چاہتے ہیں، وہاں سے آ جائے تو وہ پریس میں بھیج دیا جائے، جن احباب نے اس کے چندہ میں حصہ لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا ضرورت ہے کہ وہ اب ایفا بھی فرمائیں۔

امسال دسمبر میں حیدرآباد میں ملک کی بڑی بڑی علمی و تعلیمی مجلسوں کے جلسے ہیں، آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، انڈین ہسٹاریکل کانگریس، اور شاید علی گڈھ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے لئے اجلاس وہاں ہوں گے، امید ہے کہ ملک کے اہلِ علم اور اصحابِ کمال دور دور سے آکر اس میں شرکت کریں گے،

پنجاب کے بعض مسلمان اہلِ علم و اہلِ قلم اصحاب نے آل انڈیا مسلم ہسٹری کانگریس کی بنیاد ڈالی ہے، جس کا اجلاس آیندہ نومبر میں لاہور میں ہو رہا ہے، بہت سے اکابر کے نام اسکی دلچسپی اور ترتیب میں شامل ہیں، جن میں بعض ہمارے احباب بھی ہیں، جن کے اخلاص اور عمل سے بہت کچھ امیدیں ہیں؛

ادارۂ معارفِ اسلامیہ لاہور کا پچھلا اجلاس دہلی میں ہوا تھا جس کی روداد یا چھپ گئی ہے یا چھپ رہی ہے، اور اس کے آیندہ اجلاس کی تجویز دار المصنفین اور طلباے قدیم ندوۃ العلماء کی دعوت پر لکھنؤ میں ہوئی تھی، لیکن جنگ کے ناگزیر اسباب کی بنا پر اب تک یہ اجلاس منعقد نہ ہو سکا، خیال ہے کہ جنگ کے خاتمہ کے انتظار میں اس جلسہ کو ملتوی نہ کیا جائے، اور ۱۹۴۲ء کے آغاز میں اپریل تک اس کے انعقاد کی کوشش کی جائے، امید ہے کہ دار المصنفین اور ندوۃ العلماء کے علاوہ مسلم یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی سے بھی اس میں امداد حاصل کی جائے، مصارف کا تخمینہ ہزار بارہ سو ہے،

مقالات

اسلام

دونون جہان کی بادشاہی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا مین دین اور دنیا دونون کی برکتین لیکر آئے، آپ نے صرف آسمانی بادشاہی کی خوشخبری نہین سنائی، بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دنیا مین خدا کی بندگی بے خوف خطر کیجا سکے، اور خدا کی بادشاہی دنیا مین قائم ہو،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا	خدا نے اون سے جو ایمان لائے اور اچھے
الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي	عمل کئے، یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین مین
الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ	حاکم بنائے گا جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا جو
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي	ان سے پہلے تھے، اور ان کے لئے ان کے
ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ	اس دین کو جس کو اوس نے ان کے واسطے
خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ	پسند کیا ہے جما دیگا اور ان کو ان کی اس
بِيْ شَيْـًٔا	بے امنی کے بدلہ امن دیگا، میری بندگی
(نور - ۷)	کرین گے، میرا کسی کو ساجھی نہ بنائین گے،

اور اس کے لئے خدا کے نافرمانون سے لڑائی لڑی جائے، تاکہ سارا حکم ا

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ — اور ان سے لڑتے رہو، یہان تک کہ

الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (انفال-۵) — نہ رہے، اور سب حکم اللہ کا ہو جائے

قرآن نے خدا کے بعض نیک بندون کی دعا یہ بتائی ہے،

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي — اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا م

الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ — بھلائی دے، اور آخرت مین بھلائی

النَّارِ (بقرہ-۲۵) — اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا،

آخرت کی بھلائی تو معلوم ہے، لیکن دنیا کی بھلائی ہمارے مفسرون نے یہ بتائی ہے

تندرستی، روزی، مال و دولت فتح و نصرت اولاد صالح، مگر یہ بھی خدا کے اطلاق

دنیا کی بھلائی دنیا کی ہر وہ بھلائی ہے، جو خدا کی شریعت مین جائز ہے، ایک اور جگہ

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا — اور جنھون نے نیک کام کئے ان کے لئے

حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ — دنیا میں بھلائی ہے، اور آخرت کا گھ

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ، (نحل-۴) — سب سے اچھا ہے، اور پرہیزگارو ا کا گھر کیسا اچھا ہے،

مقصود یہ ہے کہ نکوکارون کے لئے دنیا کی بھلائی اور عزت بھی ہے، اور آخرت

لیکن آخرت کی بھلائی دنیا کی بھلائی سے زیادہ بہتر اور زیادہ خوب ہے،

جن لوگون نے خدا کی راہ مین اپنی جانون کی بازی لگائی ہے، ان کو بشارت ہے

فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ — تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور

ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ — آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا

الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران - ۱۵) اور اللہ نیکی والون کو چاہتا ہے،

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری وعزت، مال و دولت اور حکومت و سلطنت ہے،

جنھون نے خدا کی راہ مین اپنا گھر بار چھوڑا، اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، خدا نے

ان کو دونون جہان کی نعمتین بخشین،

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ	اور جنھون نے گھر چھوڑا اللہ کے لئے ستائے
بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا	جانے کے بعد ہم ان کو دنیا مین اچھا ٹھکانا
حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ،	دین گے، اور بیشک آخرت کی مزدوری
(نحل - ۶)	سب سے بڑی ہے،

دنیا کا اچھا ٹھکانا، دنیا کی ہر جائز نعمت اور سطوت و حکومت ہے،

ان سب آیتون مین یہ بات خیال کے قابل ہے، کہ ایمان اور نیکی والون کو گو دنیا اور آخرت دونون کی بھلائی کی امید دلائی گئی ہے، مگر ہر جگہ یہ بتا دیا گیا ہے کہ دنیا کی ہر بھلائی سے آخرت کی بھلائی اونچی، اچھی اور پائدار ہے، اسی لئے دنیا کی بھلائی ہماری زندگی کا اولین مقصد نہین بلکہ ثانوی مقصد ہو، یعنی آخرت کے کامون کے صدقہ مین ہو، ورنہ اگر دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا، تو دنیا تو مل جائے گی مگر آخرت ہاتھ نہ آئیگی،

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	جو کوئی دنیا وی زندگی اور اوس کی آرایش
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ	چاہے تو ہم ان کے عمل ان کو اسی دنیا مین
فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ، اُولٰٓئِكَ	بھر دیتے ہین، اور کمی نہین کیجاتی، یہ وہ
الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ	ہین جن کے لئے آخرت مین دوزخ کے
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا	سوا کچھ نہین، اور وہان جو کیا تھا مٹ گیا

يَعْمَلُونَ، (هود-۲)

اوران کی کمائی اکارت ہوئی،

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ج وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ٥ (شوری ۳)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہو، تو ہم اسکی کھیتی بڑھاتے ہین، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہو تو ہم دنیا مین سے اوس کو کچھ دیتے ہین، اور آخرت مین اس کا کچھ حصہ نہین،

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ج يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ط وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ٥

(بنی اسرائیل-۲)

جو کوئی چاہتا ہو دنیا ے عاجل کو تو ہم جلد دیدیتے ہین جس کو جو چاہتے ہین، پھر ہم نے اوس کے لئے دوزخ کو بنایا ہے، وہ اس مین داخل ہوگا برا ہو کر ڈھکیلا جاکر، اور جو کوئی آخرت چاہے، اور اس کی پوری کوشش کی، اور وہ ایمان والا ہو تو وہی ہین جن کی کوششون کی قدر کیجائیگی،

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نساء-۱۹)

تو جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے، تو (اسکو معلوم ہو کہ اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے،

پھر وہ کتنا احمق ہے، جو صرف دنیا کے ثواب کا طالب ہے، حالانکہ خدا کے پاس تو دونون جہان کے خزانے ہین،

غرض یہ ہے کہ جو تنہا دنیا کا طالب ہے وہ آخرت سے محروم ہے، لیکن جو آخرت کا طلبگار ہے اسکے لئے دونون گھرون کے دروازے کھلے ہین،

اس دنیا مین اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت اور سلطنت اور دنیا کی سیاست داری ہی، یہان تک کہ کتاب اور نبوت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہی،

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا	(نساء - ۸)	تو ہم نے ابراہیم والون کو کتاب اور حکمت دی، اور بڑی سلطنت بخشی،

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو کہتے ہین،

يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا، (مائدہ - ۴)	اے میرے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم مین نبی بنائے، اور تم کو بادشاہ بنایا،

یہ نعمت کسی کے دینے لینے سے نہین ملتی اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے،

اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ، (آل عمران ۳)	اے اللہ! اے سلطنت کے مالک تو جسے چاہے، سلطنت بخشے، اور جس سے چاہے چھین لے،

وہ دینا کس کو اور چھیننا کس سے ہے، اس کے متعلق اوس نے اپنا قاعدہ کلیہ بتا دیا ہی،

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (انبیاء - ۷)	بیشک زمین کے مالک میرے صالح بندے ہوتے ہین، اس اعلان مین خدا کے فرمانبردار بندون کے لئے پیام ہے،

مسلمانون کو جب اس نعمت ملنے کی بشارت ملی تھی، توساتھ ہی یہ بتا دیا گیا کہ یہ نعمت ان کے کن کامون کا معاوضہ ہی، فرمایا،

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ اِنَّ	اور البتہ خدا اسکی مدد کریگا، جو اسکی مدد کرتا ہے،
اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ	بیشک اللہ زبردست قوت والا ہے، وہ کہ ہم
فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ	اگر ان کو زمین مین جادین تو وہ نماز کھڑی
اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا	کرین، زکوٰۃ دین، اچھے کامون کو کہین
عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	اور بُرے کامون سے روکیں اور ہر کام
(حج - ۶)	کا انجام خدا کے اختیار مین ہے،

اور ظاہر ہے کہ جو اچھے کامون کو کہے گا، اور بُرے کامون سے روکے گا، وہ پہلے خود اچھا ہو گا، اور بُرے کامون سے باز رہتا ہوگا، خدا کی مدد کرنیکے معنی یہ ہین کہ خدا کے دین حق کی مدد کیجائے جو لوگ حق کی مدد کے لئے اٹھتے ہین، خدا ان کی مدد فرماتا ہے، ان آیتون سے یہ اشارہ بھی نکلا، کہ مسلمانون کے ہاتھون مین خدا کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہیئے، چنانچہ اسلام مین سارے حدود اور تعزیرات اسی منشاء کے مطابق ہین، زنا کی حدین فرمایا،

وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ	اور تم کو ان دونون (زانیون) پر اللہ کی حد
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	جاری کرنے مین کوئی ترس نہ آوے اگر تم اللہ
الْاٰخِرِ، (نور - ۱)	اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہو،

سود کے اسلامی قانون کو جو نہ مانے، اس کو اللہ اور رسول سے لڑائی کیلئے تیار رہنا چاہیئے،

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	تو اے سود کھانے والو، اللہ اور اسکے
(بقرہ - ۳۸)	رسول سے لڑنے کے لئے خبردار ہو جاؤ

اسی لئے نجران کے عیسائیون سے آپ نے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا، اسکی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر وہ سودی لین دین کرین گے تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا، (ابوداؤد باب اخذ الجزیہ)

حافظ جلال الدّین سیوطی

از

مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

ذیل کے صفحات مین مسلمانون کے جلیل القدر عالم اور کثیر التصانیف مصنف حافظ جلال الدین
ں کے حالات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ہم کو اس کا اعتراف ہے کہ حسب خواہش
سیوطی کا مرقع ہم ناظرین کے سامنے نہ رکھ سکے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگلے سوانح نگارون
ن کے حالات مین بہت اختصار سے کام لیا ہے! بہرحال پیش نظر کتابون مین جو کچھ مل سکا ہے
ن کے بعد حاضر خدمت ہے، حافظ سیوطی کی تصنیفات پر تنقید و تبصرہ سے قصداً احتراز کیا
ہے، کہ اس مختصر مضمون مین اسکی گنجایش نہین ہے،

معاصرین کے اختلاف کے ضمن مین حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی کی شکر رنجی کا جو ذکر آگیا ہے
لسلہ مین یہ امر ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ معاصرت کا ابتلاء عجب ابتلا ہے، کم تر
ہین، جو اس سے محفوظ رہے، اس لئے ان مین سے ایک نے دوسرے کے متعلق جو الفاظ
ل کئے ہین، گو ان مین سے ہر شخص نے اپنے نقطۂ خیال سے صحیح ہی کہا ہو، لیکن ہمارا ان سے
ہونا ضروری نہین ہے!

ب | عبد الرحمٰن نام، لقب جلال الدین اور ابن الکتب ہے، ابن الکتب کے لقب کی
ہے کہ ان کے والد نے بیوی سے کسی کتاب کے لانے کو کہا، بیوی کتاب لینے کے لئے گئین،

وہین درد زہ شروع ہوا، اور ولادت ہو گئی، باپ نے اسی مناسبت سے "ابن الکتب" کا لقب عنایت کیا، کنیت ابو الفضل ہے، یہ کنیت ان کے استاذ اور شیخ قاضی القضاۃ عز الدین الکنانی کی رکھی ہوئی ہے، شذرات الذہب مین ہی کہ انھون نے حافظ سیوطی سے پوچھا کہ تمھاری کنیت کیا ہے، انھون نے کہا کچھ نہیں فرمایا، "ابو الفضل"۔

پورا نسب نامہ یہ ہے :-

عبد الرحمن بن الکمال ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر عثمان بن ناظر الدین محمد بن سیف الدین خضر بن نجم الدین ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن الشیخ ہمام الدین الہما الخضیری الاسیوطی،

علامہ سخاوی نے الضوء اللامع مین اور شوکانی نے البدر الطالع مین الطولونی کی نسبت کا اضافہ کیا ہے، علامہ سخاوی نے حافظ سیوطی کے والد کے تذکرہ مین ان کے اجداد مین ایک شخص سابق کے ساتھ "الفارسی" کی قید بھی لگائی ہے،

اصل یہ ہے کہ سیوطی نسلاً عجمی ہین، جیسا کہ انھون نے خود حسن المحاضرہ میں لکھا ہے، نیز سخاوی نے سابق الدین کو فارسی بتا کر اسی طرف اشارہ کیا ہے، زاہد کوثری نے سیوطی کے ذیل طبقات الحفاظ ذہبی پر ان کا جو ترجمہ لکھا ہے اس مین ان کے باپ کو عجمی بتلایا ہے، اور انکی والدہ حسب تصریح علامہ سخاوی وصاحب النور السافر ترکی کنیز تھین،

انساب سمعانی مین ہے، کہ "طولونی" کی نسبت احمد بن طولون کی طرف کی جاتی ہے، طولون ایک ترکی غلام تھا، جو مامون کے ساتھ بغداد آیا، ۲۲۰ھ مین اسکے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام احمد رکھا گیا، یہ بیس سال کی عمر مین امیر بائکباک کی فوج میں داخل ہوا، امیر نے احمد بن طولون کی لیاقت دیکھ کر ۲۵۴ھ مین اپنی طرف سے اس کو فوج کا امیر بنا کر مصر بھیجا، دسکتا

کہ سیوطی کی والدہ کا تعلق اسی خاندان سے ہے اور ان کے طولونی کہلانے کی یہی وجہ ہو،

یہین سے سیوطی کے خضیری ہونے کا بھی کچھ نشان ملتا ہے، سیوطی نے حسن المحاظرہ میں کہا ہے کہ مجھے اس نسبت کی اصل وجہ نہیں معلوم ہے، ہان یہ ضرور علم ہے کہ خضیریہ بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے، ممکن ہو کہ اسی محلہ کی طرف نسبت ہو،

یاقوت معجم البلدان مین کہتا ہے کہ خضیریہ بغداد کا ایک محلہ ہے، جو خضیر مولی صاحب الموصل کی جانب منسوب ہے!

قیاس کہتا ہو کہ طولونی خاندان جو بغداد سے مصر آیا، اس کا کچھ تعلق اس محلہ سے تھا، اور اسی تعلق سے سیوطی کا خاندان خُضیری کہلایا،

اُسیُوطا اُسیوطا مصر کا ایک زرخیز شہر تھا، جو نیل کے مغربی جانب واقع تھا، یاقوت معجم البلدان مین اپنے زمانہ کے متعلق لکھتا ہے، کہ یہان شکر کا کاروبار بہت زیادہ ہے، اور ساری دنیا مین افیون یہین سے جاتی ہے،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مصنف کہتا ہے کہ سیوطی کا خاندان جو پہلے بغداد مین تھا، آخری نوشت سے سیوطا مین آکر بس گیا، (جلد ۴ ص۵۷۳)

علامہ سمعانی انساب مین لکھتے ہین، کہ بعض لوگ اسیوط کے شروع سے الف گرا دیتے ہین،

پیدایش حافظ سیوطی یکم رجب ۸۴۹ھ مطابق ۳ راکتوبر ۱۴۴۵ء بروز یک شنبہ بعد مغرب قاہرہ مین پیدا ہوئے،

والد مورث اعلیٰ ہمام الدین مشائخ وقت مین سے تھے، نیز دوسرے ارکان خاندان بھی ہمیشہ صاحب مرتبہ رہے، البتہ علم و دین کی خدمت زیادہ تر ان کے والد کمال الدین ابوبکر ہی

کے حصہ مین آئی، یہ تقریباً ۸۰۰ھ کے بعد سیوط مین پیدا ہوئے، اور قاہرہ آنے سے پہلے وہان کے قاضی رہے، جب قاہرہ آئے تو علامہ قایاتی سے فقہ اصول کلام، نحو، معانی اور منطق کی تحصیل کی، ۸۲۹ھ مین اُن سے تدریس کی اجازت حاصل کی، حافظ ابن حجر عسقلانی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، مختلف کتابین تصنیف کین، جامع شیخونی مین فقہ کے استاذ اور جامع طولونی مین خطیب تھے، علامہ شرف الدین المناوی کو جب قلعہ مین کسی خاص مسئلہ پر خطبہ کی ضرورت پیش آتی، تو خطبہ انھی سے لکھواتے تھے، خلیفہ مستکفی باللہ ثانی ان کا بہت احترام کرتا تھا، ان کے پاس برابر اسکی آمد و رفت رہتی، ملک ظاہر حقمق نے مستکفی باللہ کے ذریعہ ان کے پاس دیار مصر کے مفتی ہونے کا پیغام بھیجا، لیکن انھون نے قبول نہ کیا،

حافظ سیوطی کے والد مستکفی باللہ کے امام بھی تھے، اسی لئے سیوطی کی پرورش مستکفی باللہ ہی کے گھر میں ہوئی، جیسا کہ خود سیوطی نے تاریخ الخلفاء مین لکھا ہے،

بچپن مین اکابر کی زیارت ان کو بچپن مین ایک بزرگ شیخ محمد مجذوب کے پاس جو جوار مشہد نفیسی کے قریب رہتے تھے، لیجایا گیا، انھون نے ان کیلئے برکت کی دعا کی،

تین سال کی عمر میں ایک بار اپنے والد کے ساتھ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی مجلس میں بھی حاضر ہوئے، حیرت ہے کہ سیوطی نے طبقات الحفاظ ذہبی کے ذیل مین اپنے متعلق لکھا ہے کہ

مجھکو حافظ ابن حجر سے اجازت عامہ حاصل ہے، حالانکہ انکی وفات (۸۵۲ھ) کے وقت سیوطی کی عمر تین یا ساڑھے تین سال کی تھی،

والد کا انتقال سیوطی کی عمر ابھی پانچ سال سات ماہ کی تھی، اور سورۂ تحریم تک قرآن پڑھا تھا، کہ شب دوشنبہ ۵ صفر ۸۵۵ھ کو ان کے والد کا انتقال ہوگیا،

والد نے نوعمر لڑکے کے لئے مخلصین کی ایک جماعت کو وصی بنایا تھا، ان میں سے شیخ کمال الدین ابن ہمام اور شیخ شہاب الدین بن طباخ کے نام کتابوں میں مذکور ہیں لیکن آخر الذکر کے حالات نہیں ملتے،

ابن ہمام | علامہ ابن ہمام کے متعلق معلوم ہے کہ ان کا شمار اکابر فقہائے حنفیہ میں ہے ۷۹۰ھ میں پیدا ہو سراج الدین قاری ہدایہ، قاضی محب الدین بن الشحنہ وغیرہم سے تحصیل علوم کی، تصوف کا بھی خاص ذوق تھا، ان کے حلقۂ درس سے اکثر اکابر پیدا ہوئے، مثلاً ابن امیر حاج حلبی محمد بن محمد بن الشحنہ سیف الدین بن عمر بن قطلوبغا، تصانیف میں فتح القدیر شرح ہدایہ اور تحریر الاصول اہل علم میں مشہور ہیں،

تعلیم وتربیت | حافظ سیوطی نے اسی جلیل القدر شخصیت کے سایۂ عاطفت میں تعلیم شروع کی انھوں نے سیوطی کو شیخونیہ میں داخل کر دیا، شہاب الدین بن طباخ کی توجہ سے امیر برسبائے چرکسی کی امداد بھی حاصل رہی، آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کر لیا، اس کے بعد عمدۃ الاحکام منہاج الفقہ، الفیہ ابن مالک یاد کیا،

مصر کے علمائے وقت میں سے تقریباً ہر بڑی شخصیت سے ان کو استفادہ کا موقع ملا، حسن المحاضرہ میں اپنے مشائخ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو بتلاتے ہیں،

ہم ذیل میں اُن بعض اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق یہ معلوم ہو سکا ہے، کہ سیوطی نے ان سے کیا پڑھا تھا؟

علامہ بلقینی | قاضی القضاۃ علم الدین صالح بن شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی کی ۷۹۱ھ میں پیدائش اور چہار شنبہ ۵ رجب ۸۶۸ھ کو وفات ہوئی، حافظ عراقی اور دوسرے اکابر سے تلمذ تھا، اپنے زمانہ میں مذہب شافعی کے زبردست حامیوں میں سے تھے، علامہ سیوطی نے فقہ انہی سے پڑھی اور ان کی زندگی تک ساتھ رہے، بلقینی کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے سے پڑھنا شروع کیا، اور

حسب ذیل کتابین ان سے پڑھین،

(۱) تدریب شروع سے وکالہ تک (۲) حاوی صغیر شروع سے عدد تک (۳) منہاج شروع سے زکوٰۃ تک (۴) تکملہ شرح منہاج کا ایک حصہ اور احیاء الموات سے وصایا تک!

انھون نے ۸۷۶ھ مین سیوطی کو درس و افتاء کی اجازت دی،

علامہ شرف الدین مناوی | سیوطی علامہ مناوی کی خدمت مین بھی حاضر ہوئے، یہ ۷۹۸ھ مین پیدا ہوئے، شیخ ولی الدین عراقی سے استفادہ کیا، دیار مصریہ کے قاضی رہے، شب دوشنبہ ۱۲ر جمادی الآخر ۸۷۱ھ کو انتقال ہوا، علامہ سیوطی نے ان سے منہاج شرح بہجہ اور تفسیر بیضاوی کے بعض حصے پڑھے،

علامہ تقی الدین شمنی حنفی | علامہ شمنی کے پاس چار سال رہے، اور حدیث انھی سے پڑھی، ان کی وفات تک ساتھ ہی رہے، حسن المحاضرہ مین ان کا ذکر عجب والہانہ انداز سے کرتے ہین، علامہ شمنی رمضان ۸۰۱ھ مین بمقام اسکندریہ پیدا ہوئے، مشائخ وقت سے تعلیم حاصل کی، قضاء حنفیہ کی درخواست کی گئی، مگر قبول نہ کیا، ذالحجہ ۸۷۲ھ مین انتقال ہوا،

علامہ محی الدین کافیجی | سیوطی کے چار سال علامہ کافیجی کی خدمت مین گذرے، یہ معقولات مین اپنے وقت کے "استاذ العالم" تھے، ۸۸۰ھ سے پیشتر کی پیدائش ہے، ۸۷۹ھ مین انتقال ہوا، سیوطی نے ان سے اصول تفسیر اور معانی وغیرہ پڑھا، انھون نے شاگرد کو تحریری اجازت بھی دی،

شیخ سیف الدین حنفی | یہ اپنے زمانہ کے عالم اور بہت ہی متقی بزرگ تھے، ان کے استاذ علامہ ابن ہمام کہا کرتے تھے، کہ یہ دیار مصر کے محقق ہین، ۸۰۰ھ مین پیدائش اور ۸۸۱ھ مین انتقال ہوا، سیوطی ان کے یہان کشاف توضیح تلخیص المفتاح اور عضد کے چند سبقون مین شریک ہوئے، سیوطی

کہتے ہین، کہ ایک شخص کے سوا جس سے مین نے منہاج کے چند صفحے پڑھے تھے، میرے شیوخ مین سب آخر مین انہی کا انتقال ہوا،

شیخ شہاب الدین الشارمساحی | یہ فرائض مین اپنے وقت کے امام تھے، ابن ملقن سے اجازت پائی تھی، ۸۶۵ھ مین انتقال ہوا، سیوطی نے ان کی آخری عمر میں ان سے فرائض پڑھا،

محمد بن ابراہیم الشروانی الرومی | یہ قاہرہ کے طبیب تھے، سیوطی نے ان سے طب مین ابن جماعہ کی دو کتابین پڑھی تھیں،

ام ہانی | علامہ سیوطی کے مشائخ مین جہان ان نامور علماء کا ذکر آتا ہے، وہان اس عالمہ وفاضلہ کا نام بھی موجود ہے، سیوطی بغیۃ الوعاۃ ص ۱۹۱ مین ان کے متعلق لکھتے ہین، کہ یہ میری شیخ ہین،

اساتذہ کا تعلق | حافظ سیوطی کے اساتذہ کو اپنے لائق شاگرد سے خاص تعلق تھا، وہ ان کی قدر کرتے اور ان کی راے پر اعتماد کرتے تھے حسن المحاضرہ مین اپنے استاذ علامہ شمنی کا ایک واقعہ نقل کرتے ہین، کہ شمنی نے شفاء کے حاشیہ مین واقعہ اسراء مین ابوالحمراء کی حدیث درج کی، اور اسکو ابن ماجہ کی تخریج بتایا، مین نے بار بار ابن ماجہ دیکھی، مگر یہ حدیث نہ ملی، ابن قانع کی معجم الصحابہ مین تلاش کیا، اس مین یہ حدیث موجود تھی، شیخ سے عرض کیا، انھون نے محض میری سماعت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نسخہ سے ابن ماجہ کاٹ کر ابن قانع لکھدیا،

علامہ شمنی نے بار بار زبان وقلم سے سیوطی کے علم وفضل کا اعتراف کیا، ان کی تصنیف شرح الفیہ اور جمع الجوامع پر تقریظ لکھی، علامہ بلقینی نے بھی ان کی شرح استعاذہ و بسملہ پر تقریظ لکھی،

شاگرد کو بھی اپنے اساتذہ کا بڑا لحاظ رہتا تھا، علامہ شرف الدین مناوی کی مجلس مین

سیوطی ملا علی سے آگے بیٹھتے تھے، مناوی کو اس سے تکلیف ہوئی، اور یون نصیحت کی، کہ ہم لوگ چھوٹے تھے، تو ہمیشہ حلقہ کے پیچھے بیٹھتے تھے، سیوطی نے پھر کبھی ایسی غلطی نہ کی،

اسی تعلق کی بنا پر علامہ سیوطی نے اپنے اساتذہ مین سے علامہ مناوی، علامہ شمنی، علامہ سیف الدین حنفی کے انتقال پر بڑے دردناک مرثیے لکھے،

حافظ سیوطی مصر کے باہر | علامہ سیوطی کے ذوقِ علم نے ان کو دوسرے ممالک کے دیکھنے کا بھی موقع بہم پہنچایا اور انھون نے شام، حجاز، تکرور اور ہندوستان کے سفر کئے !

سفر حجاز | حجاز کا سفر ۸۶۹ھ (۱۴۶۳ء) مین بحری راستہ سے ہوا، ایامِ حج مین آبِ زمزم اس نیت سے پیا کہ فقہ مین علامہ بلقینی کا مرتبہ اور حدیث مین حافظ ابن حجر کا پایہ نصیب ہو، حجاز کے سفر مین بھی علامہ سیوطی استفادہ سے غافل نہ رہے، اور عبد القادر مالکی، نجم بن فہد سے کسب فیض کیا،

مکہ کے زمانۂ قیام مین ایک افسوسناک واقعہ پیش آگیا وہ یہ کہ ابن ظہیرہ برہان الدین جو مکہ کے قاضی تھے، سیوطی کے والد کے شاگرد تھے، مکہ اور قاہرہ مین ان سے فقہ، اصول، معانی اور بیان پڑھا تھا، اس وقت مکہ مین خدا نے ان کو ہر طرح سے سرفراز کیا تھا، ان کے جاہ و جلال اور دولت و حشمت کی وجہ سے لوگ عموماً ان کی مصاحبت مین لگے رہتے، سیوطی کا بیان ہے کہ ابن ظہیرہ کی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے لوگ ان کی چاپلوسی کرتے ہین، مین بھی وہی رنگ اختیار کرون، حالانکہ میری نگاہ مین ابن ظہیرہ میرے والد کے وہی شاگرد تھے، جو اپنے کندھے پر مجھکو بٹھائے ہوئے پھرا کرتے تھے، سیوطی کہتے ہین، کہ میرے اور ان کے درمیان یہ چشمک جاری رہی، یہانتک کہ ابن ظہیرہ کے یہان ختم بخاری کی محفل ہوئی، جس مین میرا جانا ہوا،

مجھے دیکھ کر[1] ابن ظہیرہ نے تواضع اور خاکساری کے متعلق تقریر شروع کردی، میں سمجھ گیا کہ یہ مجھ پر تعریض ہے، میں نے حدیث میں چند سوالات ان کے سامنے پیش کئے، جس کا وہ کوئی جواب نہ دیسکے، انجام کار ان کو مجھ سے استفادہ کا اقرار کرنا پڑا، لیکن درمیانی لوگوں نے اختلافات کو بڑھا دیا، یہان تک کہ سیوطی مکہ سے رخصت ہوے، اور ابن ظہیرہ سے ملاقات تک نہین ہوئی، اس کے بعد ابن ظہیرہ قاہرہ آئے، بعض امرار نے چاہا، کہ دونون حضرات کے درمیان صفائی کرا دین، مگر سیوطی تیار نہ ہوئے، چند سال کے بعد شیخ عبد القادر بن شعبان الفرضی جو سیوطی کے والد کے یہان ابن ظہیرہ کے ہم درس تھے، انھون نے ابن ظہیرہ کو خط لکھا کہ وہ جا کر سیوطی سے ملاقات کرین، اور چند کتابین لے آئین، چنانچہ ابن ظہیرہ سیوطی کے پاس آئے، دونون کو دل ایک دوسرے سے صاف ہوئے، اور ابن ظہیرہ نے سیوطی کی ذیل کی تصانیف حاصل کین،

اتقان، الاشباہ والنظائر، تکملہ تفسیر محلی، شرح الفیۂ الحدیث، شرح الفیہ ابن مالک، درمنشور جزاول،

ہندوستان کا سفر ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اکابر علماے اسلام نے اپنے بابرکت قدمون سے اسکو سرفراز کیا ہی، لوگون کو سُن کر حیرت ہوگی، کہ ہمارے مشہور معقولی مفسر اور متکلم اسلام امام رازی بھی ہندوستان آئے[1] تھے،

بہرحال منجملہ ان اکابر کے علامہ جلال الدین سیوطی کی ذات بھی ہے، علامہ نے خود حسن المحاضرہ مین اپنی ہندوستان کی آمد کا ذکر کیا ہے، لیکن باوجود تلاش و تفحص کے یہ نہ معلوم ہوسکا، کہ یہ آمد کب اور ملک کے کس حصہ مین ہوئی تھی؟

یہ بات ضرور معلوم ہے کہ علامہ سیوطی کے زمانہ مین خلافت مصر کو مالوہ کی خلجی سلطنت سے

---

[1] تفسیر کبیر سورہ ہود رکوع ۵،

زیادہ تعلق تھا، چنانچہ سنہ۸۸۰ھ مستنجد باللہ عباسی نے مصر سے شرف الملک حاجب کے ساتھ سلطان کے لئے شاہانہ خلعت بھیجی، سلطان نے مع اہل دربار کے اس کا استقبال کیا، خلعت پہنا اور منبرون پر سلطان کے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام بھی پڑھا گیا،

اس تعلق کی بنا پر خیال ہوتا ہے، کہ شاید حافظ سیوطی کی آمد مالوہ کی طرف ہوئی، لیکن یہ محض قیاس ہے،

درس و تدریس اور عہدۂ قضاء

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مصنف کہتا ہے کہ سفر حجاز سے واپس ہوکر حافظ سیوطی قاہرہ میں مشیر قانونی ہوگئے، لیکن اس عہدہ کے ذکر سے عربی مآخذ خاموش ہین،

سنہ۸۶۲ھ (۱۴۵۷ء) سے درس و تدریس اور املا کا کام شروع کیا، اور اسی سال علامہ بلقینی کی کوشش سے جامع شیخونی مین اپنے والد کی جگہ پر کام شروع کیا، اس کے بعد اپنے وصی شہاب الدین ابن طباخ کی کوشش سے جامع ابن طولون مین کچھ دنون املاء کرایا، تربتہ برقوق نائب شام مین اپنے ہم وطن ابوالطیب السیوطی کی سفارش سے مشیخۃ التصوف کے عہدے پر فائز رہے، شیخونیہ میں بھی مشیخۃ الحدیث کا مرتبہ ملا، سنہ۸۹۱ھ (۱۴۸۶ء) میں بیبرسیہ مین جلال بکری کے بعد ایک ممتاز جگہ پر مقرر ہوئے، لیکن ایک جماعت سے وہان اختلاف ہوگیا جس کی وجہ مورخین حافظ سیوطی کی خشک مزاجی تبلاتے ہین، یہان بہت ہی ناگوار شکلین پیش آئین، انجام کار ۲ا رجب سنہ۹۰۶ھ (فروری سنہ۱۵۰۱ء) کو سلطان ملک عادل طومانبائے اوّل نے مدرسہ سے ان کو علحدہ کردیا، سنہ۹۰۹ھ مین دوبارہ یہ جگہ انکی خدمت مین پیش کی گئی، لیکن انھون نے قبول نہ کیا

حافظ سیوطی نے درس میں طریق املار کو زندہ کرنا چاہا، مگر لوگون کی بے توجہی دیکھکر خود باز رہے، !

۹۰۲ھ ۱۴۹۶ء مین خلیفہ متوکل نے ایک عظیم الشان عہدہ پیش کیا، یعنی ان کو تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا، سب کا عزل و نصب ان کے اختیار مین تھا، غالباً بیبرسیہ کی ملازمت کے زمانہ ہی مین یہ عہدہ ملا تھا،

افتار حافظ سیوطی نے ۸۷۱ھ سے افتار کا کام شروع کیا، باوجود اپنے دعویٰ اجتہاد کے فتویٰ مذہب شافعی پر دیتے تھے، کہتے تھے، کہ سائل مذہب سے دریافت کرتا ہے نہ کہ میرے اجتہاد سے،

نواب صدیق حسن خان مرحوم طبقات کاشعری سے سیوطی کا قول نقل کرتے ہین، کہ جب مین سوال کا جواب دیتا ہون، تو میرے سامنے بارگاہ خداوندی مین حاضری کا منظر ہوتا ہے،

اس سے مطلب افتار مین احتیاط ہی، حافظ سیوطی کے فتاویٰ الحاوی للفتاویٰ کے نام سے دو جلدون مین چھپ گئے ہین،

تصنیف و تالیف علامہ سیوطی کی سوانح کا یہ باب درحقیقت ایک طویل الذیل باب ہے، اس لئے کہ یہی ان کی زندگی کا اصل کارنامہ ہے، اگر کثرت تصانیف کے لحاظ سے مصنفین کی فہرست بنائی جائے، تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سیوطی کو اس فہرست کے اوّلین نامون مین جگہ دینا ہوگی،

۸۶۶ھ سے ان کی تصنیفی زندگی شروع ہوتی ہے اور پہلی تصنیف استعاذہ اور بسملہ کی شرح ہے ہی، یہ بات واضح رہے کہ سیوطی کا زمانہ ایجاد و ابداع کا زمانہ نہین، بلکہ جمع، شرح اور تفسیر کا زمانہ ہے اور سیوطی نے اس سلسلہ مین بہترین نمونہ پیش کیا ہی،

حافظ سیوطی کے شاگرد داؤدی کا بیان ہے کہ سیوطی ایک ایک دن مین تین تین کراسے

لکھتے تھے، اور اس کے ساتھ حدیث کا املار کرتے، اور فتاوی بھی لکھتے،

سیوطی نے حسن المحاضرہ مین اپنی تالیفات کو گنایا ہے، اس وقت تک کی مولفات کی تعداد تین سو ہے، اِن کے شاگرد داؤدی نے اِن کی مصنفات کا استقصار کیا، تو وہ پانچسو سے زائد نکلین، دوسرے شاگرد ابن ایاس نے تاریخ مصر ۳-۶۳ میں کہا کہ ان کی مصنفات ۶ ہین، جرمن عالم (ڈبلیو اہلوارٹ) نے ان کی کتابون کی فہرست تیار کی جس میں اس کو ۵۶۱ کتابین معلوم ہوسکین،

حسن المحاضرہ کے بعد حافظ سیوطی نے پھر اپنی مصنفات کی فہرست خود مرتب کی، اس مین ۵۳۵ کتابین مع اسماء کتب و تفصیلِ فن درج ہین، ہم صرف فن وار کتابون کی تعداد درج کرتے ہین،

۱-	فنِ تفسیر و متعلقاتِ قرآن،	۷۳	۶-	لغت، نحو، صرف،	۶۳
۲-	حدیث اور اس کے متعلقات،	۲۰۴	۷-	معانی، بیان، بدیع،	۷
۳-	اصولِ حدیث،	۲۴	۸-	ادب، نوادر، انشار، شعر،	۶۸
۴-	فقہ،	۷۳	۹-	تاریخ،	۳۰
۵-	اصولِ فقہ، اصول الدین، تصوف،	۱۹	۱۰-	مختلف علوم،	۱۰

ان مصنفات مین ضخیم تصانیف کے ساتھ مختصر ترین رسالے بھی شامل ہین،

تصنیفی زندگی مین الزام

علامہ سیوطی پر ان کی تصنیفی زندگی مین الزامات بھی لگائے گئے، چنانچہ علامہ سخاوی کا سب سے بڑا الزام یہ ہے، کہ وہ دوسرون کی کتابون کو اپنا لیتے ہین، اسی سلسلہ مین وہ بیان کرتے ہین، کہ

(۱) سیوطی نے خود میری کتابون کو جب میرے پاس ان کی آمد و رفت تھی اپنا لیا، مثلاً

الخصائل الموجبۃ للظلال، الاسماء النبویۃ الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم موت الانبیاء ان کے سوا اور دوسری کتابیں،

(۲) میرے استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصانیف کو اپنانے کی کوشش کی، مثلاً لباب النقول فی اسباب النزول، عین الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ النکت البدیعات علی الموضوعات المدرج الی المدرج، وغیرہا،

سخاوی کہتے ہیں کہ یہ سب میرے شیخ کی کتابیں ہیں، کاش سیوطی اسکو مسخ نہ کرتے، اور اصلی حالت پر باقی رہنے دیتے، تو زیادہ نافع ہوتیں،

(۳) محمودیہ (شارع قصبہ رضوان مصر) کی قدیم کتابوں کو جن سے معاصرین بالکل ناواقف تھے لیکر اس میں کچھ تبدیل و تغیر کے بعد اپنے نام سے شائع کیا،

علامہ شوکانی نے البدر الطالع میں اس قسم کے تمام الزامات کی تردید کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکے کہ دوسرے کی کتابوں سے مضامین کا لینا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، یہ مصنفین کا دستور چلا آیا ہے،

خصائص کبریٰ کا سرقہ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ اور قابلِ تذکرہ بات یہ ہے کہ خود سیوطی کی تصانیف کے ساتھ بھی لوگوں نے یہی معاملہ کیا، کہ ان کی پوری تصنیف کو اپنی طرف منسوب کرلیا، یا ان کی کتابوں کے مضامین اپنی تصانیف میں درج کرلئے، اور حوالہ نہیں دیا،

معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ (جلد اص ۱۰۷۹) کا جامع یوسف الیاس سرکیس کہتا ہے کہ سیوطی کی خصائص کبریٰ ان کے کسی معاصر نے پالیا، اور اپنی طرف منسوب کرلیا اس پر سیوطی نے ایک مقالہ الفارق بین المصنف والسارق لکھا، کشف الظنون جلد ۲ ص ۵۶۵ میں ہے، کہ

۵؎ اس مدرسہ اور کتب خانہ کی تفصیل ملاحظہ ہو خطط مقریزی جلد ۴ ص ۲۶۲،

سیوطی کو علامہ قسطلانی سے شکایت تھی، کہ انھون نے المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ مین ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا لیکن کہین ان کا حوالہ نہیں دیا، سیوطی نے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی خدمت مین یہ واقعہ عرض کیا اور کہا کہ قسطلانی کو لازم تھا، کہ وہ میرا حوالہ دیتے! بعد کو قسطلانی نے سیوطی کے پاس آکر معذرت کی،

تصنیفات کا معیار بہرحال علامہ سیوطی کی تصانیف کو خاص حسن قبول حاصل ہوا، اور خود ان کی زندگی مین ہر چہار طرف ان کا شہرہ ہوگیا، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر ثابت ہے، کہ تصنیفی سلسلہ مین سیوطی کا جو کچھ کارنامہ ہے وہ جمع و نقل ہے، صحیح و سقیم کی تفریق کا پورا لحاظ ان کی مصنفات مین نہیں ہے، یہی وجہ ہے، کہ اکثر فرق ضالہ خصوصاً روافض کو انہی کی کتابون سے حوالہ کا موقع ملتا ہے، اور محققین اسی لئے جب تک ان کی تحریر کی تائید مین دوسرا معتبر قول نہ ہو، اسکو قبول نہین کرتے ہین،

شعر و شاعری تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور افتاء کے ساتھ ساتھ حافظ سیوطی کو شعر و شاعری سے بھی خاص دلچسپی تھی، اس فن مین شہاب منصوری سے تلمذ تھا، علامہ سیوطی نے نظم العقیان (ص ۷۰، تا ۹۰) مین ان کا کلام نقل کیا ہے، اور شرح شواہد مغنی اللبیب مین ان کے حالات ذکر کئے ہین،

سیوطی کی شاعری زیادہ تر علمی فوائد اور دینی نصیحتون پر مشتمل ہوتی تھی، وہ مذہباً شافعی اور عقیدۃً حنبلی تھے، اپنے عقائد کو اشعار مین اس طرح بیان کرتے ہین،

فوض احادیث الصفا	ت ولا تشبہ و تعطل
ان رمت الا الخوض فی	تحقیق معضلہ فاوّل
ان المفوض سالم	مما تکلفہ المؤول

ایک شخص کو نصیحت کرتے ہیں،

ایّھا السائل قومًا ما لھم فی الخیر مذھب

اترك الناس جمیعًا والی ربك فارغب

مباحث علمیہ پر نظمیں بھی لکھی ہیں، مثلاً تحفۃ المھتدین باسماء المجتھدین، یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اپنے اساتذہ کے مرثیے کہے، تاریخ الخلفاء کے آخر میں اپنا ایک قصیدہ درج کیا ہے جس میں خلفاء کے نام اور وفیات درج ہیں، ان کا کلام ان کی تصانیف میں منتشر طور پر درج ہے، غالبًا ابھی ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا،

(باقی)

ضرورتِ مترجمین

عربی و فارسی و انگریزی سے براہ راست شستہ و رفتہ سلیس اردو زبان میں ترجمہ کرنیوالوں کی ضرورت ہے، جو مناسب اجرت پر علمی، ادبی، تاریخی، نیز متفرق علوم و فنون کی کتابوں اور رسائل کے مضامین کا ترجمہ کر سکیں، کسی ایک زبان اور اردو کا جاننا کافی ہے، علمی قابلیت نیز تجربہ کے متعلق تفصیل سے جواب آنا ضروری ہے،

نوٹ:- ہر قسم کی اردو فارسی، عربی انگریزی کتابیں، مطبوعات، ہندوستان، ایران، مصر، یورپ، امریکہ وغیرہ ہماری معرفت نسبتہً ارزاں قیمتوں پر مل سکتی ہیں، شائقین اپنے اسماء گرامی اور مکمل پتوں سے مطلع فرماویں، تاکہ جدید فہرستیں وقتاً فوقتاً ارسال کیجا سکیں،

پتہ ذیل پر خط و کتابت کریں

شباب کمپنی پوسٹ بکس ۱۳۲۶ بمبئی نمبر ۳

محسن کاکوروی اور انکی خصوصیات

از

جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈہ

قدیم اردو شعر و شاعری پر حالی سے لیکر اب تک اس قدر خامہ فرسائی ہو چکی ہے، کہ اعتراضات کی طویل فہرست مین کسی اضافہ کی گنجائش معلوم نہین ہوتی، یہ اعتراضات صرف شاعری پر صادق نہین آتے، شاعری کے علاوہ ادب کی اور اصناف اور ادب کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبون پر نظر ڈالین، تو پچھلے آٹھ سو سال کی ہندوستان کی تاریخ مین بعض عیوب ان سب میں مشترک نظر آئین گے، ان کو اگر ہم کسی ایک لفظ سے ادا کرنا چاہین، تو وہ "تقلید" ہے، ہمارا ادب اور ادب کے علاوہ دیگر فنون لطیفہ "تقلیدی" ہین، اور تقلیدی ہونے ہی کی وجہ سے ان سے معرکے صادر نہین ہو سکے،

بے معرکہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومین
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

ایک مغربی مفکر نے فنون لطیفہ کے ارتقاء کے سلسلہ مین لکھا ہے کہ فنون کی زندگی مین بالعموم دو منزلین پیش آتی ہین، ایک حیات و حرکت عمل کی، دوسری جمود و تعطل و سکون کی، پہلی منزل کی پیداوار تخلیقی (Creative) اور دوسری کی تقلیدی (IMITATIVE OR TRADITIONAL) ہوتی ہے،

جب کوئی قوم بساط عالم پر اپنے مہرے جماتی ہے، تو سب سے پہلے تنازع للبقا سے سابقہ پڑتا ہے، جد و جہد عزم و استقلال عمل و کردار کی ضرورت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے قوم مین تمام قوتین اپنی

معراج پر ہوتی ہیں، اس وقت ایک خاص قوت سرگرم عمل ہوتی ہے، جسے (Creative - Faculty) یعنی صلاحیت تخلیق کہہ سکتے ہیں، اس صلاحیت کی پیداوار تخلیق ہوتی ہے، اس میں زندگی کی وہ نمود ہوتی ہے، جو خود قوم میں موجود ہوتی ہے، جس کی یہ ترجمانی کرتے ہیں، قوموں کے کمالات کی طرح ان کے آرٹ اور فن میں بھی معجزہ ہوتا ہے،

لیکن جس طرح قوم کی اور صلاحیتیں تکمیل کی ایک خاص منزل پر پہنچکر رک جاتی ہیں، اور پھر زوال کا دور شروع ہوتا ہے، اُسی طرح (Creative Faculty) یعنی قوت تخلیق بھی مردہ ہوجاتی ہے، اور جیسے جیسے عمل و عزم و استقلال کی جگہ تن آسانی اور تساہل لے لیتے ہیں، اسکے ساتھ ہی ساتھ قوت تخلیق کی جگہ صلاحیت تقلید (Imitative Faculty) ترقی کرتی رہتی ہی، آرٹسٹ اب آرٹ کی تخلیق سے قاصر ہوتا ہے، اس وقت پوری قوم آباء و اجداد کے فراہم کئے ہوئے سرمایہ پر گذر بسر کرتی ہے، چنانچہ آرٹسٹ بھی اپنے پیشروؤں کے کمالات کو بیچ کر کھاتا رہتا ہے، اور انھی کی تقلید کو کمال فن اور معراج تکمیل سمجھتا ہے، جس قدر تقلید یا نقل مکمل اور مطابق اصل ہی اسی قدر آرٹ مکمل سمجھا جاتا ہے، یہ عالم آرٹ کے سکرات کا عالم ہوتا ہے، اگر ایسے موقع پر قوم کی ناؤ کو کھینے والا میسر نہ ہو، تو قوم کی کشتی زوال کے گرداب میں ہی غرق ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر آرٹ کو تباہی سے بچانے والا تخلیقی آرٹ کا علمبردار پیدا نہ ہو، تو آرٹ فنا ہوجاتا ہے،

اس مغربی مصنف نے تخلیقی اور تقلیدی آرٹ کی بحث یورپ کے فنون کے سلسلہ میں کی ہے لیکن یہ بیان ہماری شاعری کے عین مطابق ہے، ہندی مسلمانوں کی شاعری کا سرچشمہ عرب ہے، عربی شاعری کی بنیادیں جذبات پر قائم ہیں، اور حقیقت کی ترجمانی اس کا مقصد ہے، عرب شعراء نے اپنے معرکۃ الآراء قصیدوں میں انہی لوگوں کی تعریف کی ہے، جو تعریف کے مستحق ہیں، بہادروں کی تعریف کی گئی ہے، کہ میدان جنگ میں اپنی واقعی تعریف سنکر ان کے حوصلے بڑھیں، اور وہ قوم

کی خاطر فتح حاصل کرین، امیرون اور سردارون کی تعریف کی گئی ہے، کہ ان کے قابل تقلید نمونے دوسرون کے لئے شمع ہدایت کا کام دین، شاعرون کی تعریف کی گئی ہو کہ وہ تخلیقی آرٹ کے قابل تقلید نمونون کے موجد قوم یا قبیلہ کی عزت اور فطرت کے ترجمان تھے، ان قصیدون مین رزم اور بزم کے وہ مناظر ہین، کہ ہر جگہ زندگی کی لہرین کروٹ بدلتی نظر آتی ہین، یہ تخلیقی آرٹ کے نمونے ہین،

غزل کی طرف نظر ڈالئے تو صرف ان شاعرون کو غزل گو پائین گے، جو واقعی عشق و عاشقی کی وادی مین نام پا چکے تھے، ان کی شاعری خود ان کے جذبات کا آئینہ ہے، اس مین رسم و تقلید نہین، عرب مین شعر و ادب کے سرچشمے کے یہ سوتے پاک و صاف تھے، لیکن ایران پہنچکر ان کی نوعیت بدل گئی،

ایران کی فتح کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ عربون نے اگرچہ سیاسی اعتبار سے ایران کو فتح کر لیا، لیکن ذہنی اعتبار سے ایران نے ہی مسلمانون پر فتح پائی، ان کے فلسفہ جد و جہد کی جگہ نفی خودی اور بے عملی کی تلقین کیجانے لگی، اور جب قوم کی زندگی پر سکون کا افسون طاری ہوا تو شعر و ادب کی نزع کا وقت بھی قریب آگیا، اور بہت جلد تخلیقی آرٹ کی جگہ صرف تقلیدی آرٹ رہ گیا، یہ کیا تھا، ؟ رسمی شاعری جو باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو ورثہ مین ملتی رہی' بندھے ٹکے جذبات، اور ان کے ادا کے مخصوص انداز اور اسالیب بیش پا افتادہ مضامین، پرانی تشبیہات اور پامال استعارات کے الٹ پھیر کا نام شاعری رہ گیا،

اردو نے اسی رسمی فارسی شاعری کی گود مین آنکھ کھولی، ابتدائی دور مین ہندوستان کے فارسی گو شعراء جو خود رسمی فارسی شاعری کے علمبردار تھے، محض تفنن طبع کے لئے "بزبان ریختہ گاہے گاہے فکر می نمودند"، ظاہر ہے کہ ان شعراء سے اردو مین بھی وہی مضامین ادا ہوتے ہونگے جو فارسی شاعری میں عام تھے، دوسرے دور مین دکھنی ادب کو فروغ ہوا، اور کہین کہین

فارسی شاعری کی ابتدا، کے ساتھ ہندی شاعری کے اثرات بھی مل گئے لیکن شاعری کے عام مذاق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اس کا ایک عام اثر یہی ہے کہ ابتدائی دکھنی ادب میں مثنویوں کی تعداد بہت ہے، اور سوا ے چند مثنویوں کے باقی تمام قصے فارسی کی مشہور مثنویوں کے تراجم یا ان کا خلاصہ ہیں، تشبیہات اور استعارات میں بھی دکن والوں نے کہیں کہیں ملکی شاعری سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن دکنی ادب کا کوئی شاہکار جو تخلیقی آرٹ کا نمونہ کہا جاسکے، اب تک ہماری نظر سے نہیں گذرا،

تیسرے دور میں شمالی ہند میں دلی کی بزم شاعری گرم ہے، لیکن یہاں کے شعرا بھی فارسی کی تقلید بیجا میں گرفتار ہیں، اور حالی نے اپنے مرثیہ مقدمہ شعر و شاعری میں انہی کا ماتم کیا ہے، چوتھے دور میں لکھنؤ کے شاعر اپنی محفل جماتے ہیں، اور ایک اعتبار سے یہ دلی والوں سے بہتر ہیں، ان میں تھوڑا بہت تخلیقی جذبہ کارفرما ہے، کیونکہ سلطنت اودھ کی ابتدا ہے، اور علوم قدیمہ کے احیاء کے ساتھ ساتھ شاعری کو بھی دوسرا رنگ دینا مقصود ہے، لیکن اودھ کے ماحول اور معاشرت نے ان شاعروں کو نقصان پہنچایا، اور یہ راہ بھٹک کر ریختی، ہرزہ گوئی، اور ضلع جگت کی گلیوں میں جانکلے، لیکن ان میں سے بعض نے واقعی تخلیقی آرٹ کے نمونے پیش کئے، جو نادر اور عدیم المثال ہیں، ایسے جوہر انیس اور محسن کے کلام میں بالعموم پائے جاتے ہیں،

محسن کاکوروی کا کلام دبستان لکھنؤ کی پیداوار ہونے کے باوجود لکھنؤ کے عام رنگ سے جدا ہے، ان کا موضوع نعت ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں ہے، موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی و بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے، نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے، دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کیلئے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے، شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے، اور نقاد جہاں کا تہاں رہجاتا ہے، لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے، اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے، ہر پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے

کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں، اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہئیے، کہ وہ عافیت اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گذر جائے، ان امور کو مدّ نظر رکھکر جب ہم محسن کا مطالعہ کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے، کہ نعت کی وسیع فضا مین انھون نے خوب خوب پرواز کی ہے، اور بڑے مشکل مقامات بھی انھون نے انتہائی خوبی و خوبصورتی کے ساتھ طے کئے ہین، مضمون مین موضوع کے اعتبار سے جدت، اسلامی تصوّف اور ہندی روحانیت کا امتزاج، حدیث اور عقائد کی صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذاق شاعرانہ کے ساتھ نکتہ آفرینی خلوص و محبت کے اظہار مین تہذیب و متانت کا پاس ان کے کلام کی عام خوبیان ہین، اس پر پورا کلام ہموار اور شگفتہ، مضمون بلند، زبان تسنیم و کوثر کی دھلی ہوئی، بندش چست، مثنویون مین قصیدون کی سی شان و شوکت، تشبیب و گریز کے کمالات ایسی خصوصیات ہین، جو شاید ہی معاصرانہ شاعری مین مل سکین، ان سب کے علاوہ ایک امتیاز جو تنہا محسن کو شاعرون کی صفِ اوّل مین بٹھا سکتا ہے، ان کی تشبیہات کا ہے، ان کے کلام کا مجموعہ مختصر ہے لیکن اس مین انھون نے تشبیہ و استعارہ کی وہ داد دی ہے، جو توصیف و تعریف سے مستغنی ہے،

محسن کی نعت مین تخلیقی شان پائی جاتی ہے، یہ اسلئے کہ نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اور شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا اور جن لوگون نے عقیدت کی بنا پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انھون نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا، شعرار کے اردو و فارسی کے جتنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور تاریخین راقم السطور کی نظر سے گذرین، ان مین ایسے شعرار کا حال دستیاب نہیں ہوا، جن کا مسلکِ شعری نعت گوئی رہا ہو، اسی ایک بات کو ملحوظ رکھین تو بھی محسن کا درجہ اس سے کہین بلند ہو جاتا ہے، جو اب تک انھیں دیا جاتا رہا ہے،

محسن سے پہلے عربی اور فارسی شاعری کے سرمایہ مین نعت گوئی مفقود نہیں ہے، البتہ مقدار
خوبی کے اعتبار سے اُسے ادب مین کوئی ممتاز درجہ حاصل نہین ہے، غزل گویون نے بالعموم اپنے دواوین
در کلیات کی ابتدا حمد سے کی ہے، اور حمد کے بعد عموماً نعت اور اکثر اوقات منقبت کو جگہ دی ہے،
یکن یہ چیز کلیۃً رسمی تھی، چنانچہ ہندوستان کے ہندو شعرا، جو فارسی اور اردو مین طبع آزمائی کیا کرتے
تھے، ان کے کلام میں بھی حمد و نعت اور منقبت کے نمونے موجود ہین،

نعت گو شعرا کی دوسری قسم ان لوگون کی ہے، جو شاعر نہیں تھے، اور نہ کبھی شاعرانہ کمال
کے مدعی ہوئے، ایسے شعرا بالعموم مسلمان تھے، جن کو رسول کریم ؐ کے ساتھ والہانہ الفت تھی، فارسی
وار سے قطع نظر اردو مین ایسے لوگون کی کافی تعداد موجود ہے، شہیدی اور اکبر کا نعتیہ کلام عام طور
میلاد کی مجلسون مین پڑھا جاتا ہے، اور لکھنے والون کے جذبات موقع کی مناسبت سے تھوڑی
دیر کے لئے سامعین کے قلوب میں اتر جاتے ہین، ان کے علاوہ اسی قبیل کے بعض اور نعت گو شاعر
ہوئے ہین جن کی طرف عام طور پر توجہ نہین کی گئی ہے، خود راقم الحروف کے وطن مین دلدار علی صاحب
مذاق ایک صوفی بزرگ گزرے ہین، آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے، اور ہر سال مجلس
عرس کا انعقاد ہوتا ہے، آپ کا مکمل دیوان موجود ہے، عوام آپ کو مذاق میان کہتے ہین، اور
آپ کا نعتیہ کلام بڑے ذوق وشوق سے سنتے اور سُناتے ہین، دلورام کوثری کا نعتیہ کلام بھی مشہور ہے،
ایک اور بزرگ کے کلام کا قدیم مطبوعہ نسخہ راقم السطور کو دستیاب ہوا ہے، ان کا نام مولوی
محمد حسین اور تخلص فقیر تھا، ان کے کلام کا مجموعہ "تحفۂ فقیر" کے نام سے باہتمام منشی شادی لال مطبع زیب
کشی مین چھپا تھا، سنہ طباعت وسنہ تصنیف ۱۸۸۵ء ہے، یہ مختصر مجموعہ جو ۴۴ صفحات
پر پھیلا ہوا ہے، غزلون، مسدس اور تضمینون پر مشتمل ہے، اسی زمانہ مین ایک اور گمنام شاعر گزرے
ہین، جن کا مجموعۂ کلام "نعت رضوان" کے نام سے، راقم السطور نے اپنے اوائل عمر مین دیکھا تھا،

ان کا نام حکیم سید فضل حق اور تخلص فضل تھا، یہ شنکر لال ساقی کے شاگرد اور قصبہ انبیٹھ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، یہ مجموعہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور ۱۲۹۵ھ ہجری کے قریب زمانہ کی تصنیف ہے،

محسن سے پہلے نعت گوئی کو مستقل فن یا مسلک کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے اختیار نہین کیا، اور نہ نعت گو شعراء کی طرف کسی نے توجہ کی، محسن نے جب ہوش سنبھالا اور شاعری شروع کی، تو ادب کا تقلیدی دور تھا، یہ ان کا کمال کہئے کہ وہ ان دشواریون سے گذر کر نعت گوئی کی معراج کمال پر پہونچے،

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شعر و شاعری مین محسن لکھنؤ کے دبستانِ ادب سے تعلق رکھتے ہین، لکھنوی شعراء نے بعض اصنافِ سخن مین ایسی ترقی کی کہ اسے بھی تخلیقی کا رنگ دیدیا، انیس سے پہلے مرثیہ گوئی کی وہ شہرت اور عظمت نہین تھی، جو انیس و دبیر کے کارنامون کی بدولت حاصل ہوئی، بلاشبہ ان دونون کی شاعری مین بعض نوادر ملتے ہین، اور یہ صحیح ہے کہ انیس و دبیر سے پہلے کسی مرثیہ گو شاعر کو یہ پایہ نصیب نہین ہوا تھا، لیکن مرثیہ گوئی بحیثیت فن عرصہ سے رائج تھی، یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ ان لوگون سے پہلے مرثیہ کا مقصد محض رونا یا رلانا تھا، سودا نے اس کی تردید کی ہے، اور بحیثیت فن اسے بہت مشکل بتایا ہے، سودا سے بہت پہلے دکن مین بھی اس کا رواج تھا، میر انیس کا کمالِ مرثیہ نگاری مسلم، لیکن اس فن مین خود ان کے والد میر خلیق بہت اونچے پایہ پر ہین، بلکہ بعض اہلِ نظر تو یہان تک کہتے ہین کہ بعض مرثیون مین یہ دھوکا ہوتا ہے، کہ کس کا کہا ہوا ہے،

مرثیہ گوئی کی نئی ترقی دراصل ایران مین ہی شروع ہو گئی تھی، شاہانِ صفویہ مین شاہ طہماسپ کو ائمہ اور اہلِ بیت کرام سے بڑی الفت تھی، اور اسی کے اشارہ پر درباری شعرا نے سلاطین کی مدح و ثنا کو چھوڑ کر اہلِ بیت کرام کی تعریف اور مصائبِ کربلا کے بیان کو

اپنا فن قرار دیا، اس سلسلہ مین سب سے زیادہ شہرت محتشم کاشی کو حاصل ہوئی جس کا ہفت بند اپنی خوبیون مین بے نظیر ہے، محتشم کی پیروی اور تقلید دوسرے شعراء نے کی اور مرثیہ کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوگئی، اور مرثیہ کے بہت سے اصناف پیدا ہوگئے،

ہندوستان مین مرثیہ گوئی اردو کے ابتدائی دور مین ہی شروع ہوگئی، چنانچہ دکن مین بیجاپور اور گولکنڈہ کے شیعہ سلاطین کی بدولت دکن کے شعراء نے مرثیہ گوئی پر خاص توجہ کی، دکنی شعراء کے مراثی عام طور پر دستیاب نہیں ہوتے، لیکن ان مراثی کی جو بیاضین یورپ کے کتب خانون مین محفوظ ہین، انکے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہو کہ اس صنف کو دکن مین بڑا رواج ہوا، دکھنی مخطوطات کے مؤلف کا بھی یہی خیال ہے، کہ جس طرح دکن کے شعراء نے کم از کم ایک دو مثنویاں ضرور تصنیف یا ترجمہ کی ہین، اسی طرح کبھی نہ کبھی مرثیہ بھی ضرور کہا ہے[۱] اور یہ شاید اس وجہ سے کہ ان کے مربی اور محسن سلاطین اثنا عشری تھے، ظاہر ہے، اس دور مین مرثیہ کا بڑا سرمایہ بہم پہونچا ہوگا، لیکن دست برد زمانہ سے نہ بچ سکا،

اس کے بعد شمالی ہند کے شعراء مین سودا سے پہلے کم از کم میان مسکین اور سکندر مشہور مرثیہ گو گذرے ہین، سودا نے اپنے "شہر آشوب" مین میان مسکین کے کمال کی طرف اشارہ کیا ہے،

اقسام طرح ہو تو کہین مرثیہ ایسا،
پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہاں ہے،

سودا نے خود فن مرثیہ گوئی کی ترقی مین پہلا قدم اٹھایا، اور مرثیہ کو مسدس کے طرز مین لکھکر وسعت پیدا کی، میر تقی میر نے بھی مرثیہ مین طبع آزمائی کی، میر ضاحک اور میر حسن کے مراثی

---

[۱] یورپ مین دکھنی مخطوطات نصیر الدین ہاشمی،

عام طور پر دستیاب نہین ہوتے لیکن انیس کا یہ مصرعہ

پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین،

صاف بول رہا ہے کہ میرحسن صاحبِ مثنوی نے بھی ضرور مرثیہ کہا ہوگا،

ایک اہم نکتہ اس موقع پر قابلِ غور ہے، مرثیہ کے متعلق ستودا نے صاف لکھا ہے کہ اس کا مقصد محض گریہ وبکا نہین، بلکہ یہ ایک مشکل فن ہے" پس لازم ہے کہ مرثیہ درنظرِ رکھکر مرثیہ کہوے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے" اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا، کہ انیس سے پہلے مرثیہ گوئی بحیثیت فن مروج تھی، انیس سے پہلے بھی خلیق، ضمیر، دلگیر اور دبیر نے اس فن کو اپنی اصلاح واضافہ سے ترقی بخشی، انیس نے اپنی خداداد صلاحیتون کو برسرکار لاکر اسے معراج پر پہنچادیا، لیکن اس فن مین انھین تخلیقی فن کار کا درجہ دینا بہت مشکل ہے، البتہ یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ مرثیہ تخلیقی فن کے نمونے کی حیثیت سے لکھنوی دبستانِ ادب مین موجود نہین، اور اسی لئے محسن کا نعتیہ کلام بے نظیر ہے،

لکھنوی شاعری کے فریم مین محسن کی تصویر

لکھنؤ کے دبستانِ ادب کے ساتھ بعض خصوصی امتیازات وابستہ ہین، ان مین سب سے اہم شاعری مین خارجی پہلو کا بیان ہے، متقدمین شعرائے دکن اور دتی کے ہان شعر کی بنیاد بالعموم جذبات پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار مین روحانیت کے جذبات بھی موجود ہین، اسی نے میر اور درد کے کلام کو غیر فانی بنادیا ہے، شام وسحر کی لاکھون کروٹین بدلین اور بدلتی رہین گی، لیکن انسان کے جذبات عشق ومحبت، سوز اور درد کسک اور تڑپ نہ کبھی بدلے ہین، اور نہ بدل سکتے ہین، ظاہر ہے کہ ایسے اشعار جن مین یہ مضامین نظم ہون گے ہمیشہ زندہ رہین گے، لیکن شاعری کو جذبات سے علٰحدہ کرکے الفاظ کا کھلونا بنالیا جائے، جس سے شاعر دل بہلائین، اور صنعت گری کے نمونے پیش کرین، تو ایسی شاعری کو ثبات نہین، شاعر

جذبات کے اظہار مین صنعت گری کو دخل دینے پر مجبور ضرور ہے، لیکن نری صنعت گری کو شاعری قرار دینا روا نہین، اور نہ اس نوع کی شاعری کو ہمیشگی نصیب ہو سکتی ہے، لکھنو کی قدیم شاعری بالعموم صنعت گری کے سہارے قائم رہی، اور یہی سبب ہے کہ وہان کے شعراء کی دماغی کاوشون کو لوگ اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے دبستانِ لکھنؤ کے پیرو اس کا دیکھا جانا پسند کرتے ہین،

برخلاف اس کے محسن کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادون پر استوار ہے، خلوص اور محبت شیفتگی اور عقیدت جو محسن کی زندگی کے عناصر تھے، انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس مین معنوی دلکشی پائی جاتی ہے، اس اعتبار سے لکھنوی شعراء مین محسن اپنی آپ مثال ہین،

لکھنویت کا دوسرا اہم عنصر نسائیت ہے، جو لکھنوی معاشرت کے ہر پہلو سے جھلکتا ہے، بیشتر فرمانروایانِ اودھ کو مہ جبینون سے بڑا لگاؤ تھا، پھر امراء اور دیگر آسودہ حال طبقون پر اس کا جو اثر ہوا ہوگا، ظاہر ہے، یہ اثر رفتہ رفتہ اتنا بڑھا کہ زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہو گیا، مردون نے عورتون کی بولی مین ان کے جذبات ادا کئے جس مین انھون نے اپنے دور کی عکاسی کی، اس کی بدولت بعض ایسی مستقل اصنافِ سخن پیدا ہوئین، جو شاعری کے روشن چہرہ پر کسی طرح زیب نہین دیتین، اس قسم کی باتین نعت مین دخل نہین پا سکتی تھین، لیکن تعجب یہ ہے کہ خود نعت کس طرح یہان کی شعر و شاعری مین دخل پا سکی، وہ بھی ایسی نعت اور ایسا نعت گو جو ہر اعتبار سے ممتاز و منفرد ہے،

لکھنویت کا تیسرا اہم عنصر ابتذال ہے، جو مذکور الصدر دونون عناصر سے ترکیب پا کر ظہور مین آیا، یہ پہلو بعض اوقات اس درجہ نمایان ہو گیا ہے کہ اسے بالعموم لکھنویت کا مترادف سمجھا

جاتا ہے، یہ خامیاں بعض لکھنوی شعراء کے ہاں کم اور بعض کے ہاں نسبۃً زیادہ ہیں، لیکن ایسی مثال شاذ ہی ملے گی، جو اس سے محفوظ ہو، اور یہ چیز مضمون اور بیان دونوں میں موجود ہے، محسن کا موضوع خاص نعت تھا، جس کے مقدس و مہتم بالشان ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا، زبان ہمیشہ موضوع کی مناسبت سے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ محسن کی زبان بھی دلکش اور پاکیزہ ہے،

لکھنویت کا ایک اور اہم عنصر صنعت گری ہے، جس کے شوق میں لکھنو والوں نے رعایت لفظی اور ضلع جگت میں کمال پیدا کیا، لکھنو کے بعض اچھے اچھے شاعروں کو اسی شوق نے بدنام کر دیا، امانت جن کی قادر الکلامی میں کوئی شبہ نہیں، اور آتش جن کے کمالات مسلّم ہیں، اسی بھنور میں پھنس گئے، بعض نے اس میں اعتدال کو ملحوظ رکھکر تلخی پیدا نہ ہونے دی، اگرچہ ان کے ہاں بھی آورد نے کلام کو پھیکا اور بے مزہ کر دیا ہے، لیکن ایسے لوگ نسبۃً قابلِ معافی ہیں، انیسؔ کم اور دبیرؔ زیادہ اس قسم میں شامل ہیں، ان کے ہاں صنائع و بدائع کلام کی خوبی کو دو بالا کرنے کیلئے اکثر موجود ہیں لیکن نہ ایسے کہ اکتا دینے والے ہوں،

محسن کا کلام بھی بلاشبہہ شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے، تشبیہات، استعارات، کنایے مضمون اور معنی آفرینی سب صنعت گری میں داخل ہیں، اور اس اعتبار سے انھیں آورد اور تصنع سمجھنا چاہئے، لیکن یہ محسن کا کمالِ شاعرانہ ہے، کہ ان کی آورد بھی کلام میں زور لاکر آمد کا لطف پیدا کر دیتی ہے، تشبیہات، استعارات، اور کنایے آسانی سے فہم کے قابو میں آجاتے ہیں مضمون آفرینی میں تخیل پرواز کرکے آسمانوں میں غائب نہیں ہو جاتا، صنعت گری کی نمایش اور بھرمار کا شوق پڑھنے والے کے لئے وبالِ جان نہیں بن جاتے، اور مضمون سے علٰحدہ ہو کر محض صنعت برائے صنعت کا عیب بھی نہیں ملتا، یہ چیز بھی محسن کو ان کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے،

بااین ہمہ لکھنو نے اصلاحِ زبان کی جو کوشش کی ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا ناانصافی

ئی، زبان کا تعلق انسانوں سے ہے، اور انسان کی زندگی کی طرح زبان بھی ارتقا پذیر ہے، آج
دوسے قدیم کو جس کا نام دکنی ہے، صحت کیساتھ پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہے، ولی نے اسی دکنی
اردوسے معلی شاہجہان آباد کے موافق اور مطابق کر کے اس کی اصلاح کی، میر و سودا نے اسی
ت کر کے وہ زبان تیار کی جو لکھنؤ مین شعر وادب کی محفل کے قیام تک ٹکسالی اور مستند
ی جاتی رہی، تاہم اس مین بعض الفاظ اور محاورے ثقیل تھے،

لکھنؤ والون نے جو بالطبع نفاست پسند تھے، زبان کو لطیف اور لچکدار بنا دیا، اس سلسلہ
ناسخ نے سب سے زیادہ زبان کی خدمت کی جس کا اثر دہلی والون پر بھی ہوا، اور متقدمین کی
جو باتین لکھنؤ والون نے ترک کی تھین، اساتذۂ دہلی نے بھی عموماً ترک کر دین،

یہی وجہ ہے کہ لکھنوی شاعری ظاہری حسن وزیور کے اعتبار سے عام طور پر متقدمین کی
عری سے بہتر ہے، زبان کی صفائی بندش کی چستی، محاورہ اور طرز ادا کا زور، لکھنؤ کے شعرا
ہان عام طور پر موجود ہے، محسن بھی اس مین برابر کے شریک ہین،

اب تک ان امتیازات سے بحث تھی، جن مین لکھنؤ کے بیشتر اساتذہ شریک ہین، لیکن
اکہ مذکور ہوا محسن کی انفرادی شان اور ان کا اپنا خاص رنگ بھی ہر جگہ نمایان ہے، ان مین
سے اہم خلوص و محبت ہے، نعت گوئی ایک طرح کی قصیدہ گوئی ہے، قصیدہ کے باکمالون نے
صنف مین خوب خوب دادِ کمال دی ہے، تخیل کی پرواز الفاظ کی شان و شوکت، تشبیہات
تعارات کی بلندی، تشبیب و گریز کی جدت سے ان باکمالون نے قصیدے کو ایک دقیق فن
یا تھا، لیکن قصیدے کی بنیاد بیشتر صلۂ دنیوی پر ہے، شاعرون کو قصیدہ لکھتے وقت بالعموم
کا خیال رہتا تھا جس نے ان کے دل سے خلوص اور صداقت کو محو کر دیا، مدح کے مقررہ
ین، اس مین مبالغہ کی کثرت، طرح طرح سے اظہارِ مطلب اور کوشش کر کے ممدوح کو

صلہ عطا کرنے پر آمادہ کرنا ان شاعرون کا کام رہ گیا تھا، ان مین اکثر ایسے بھی تھے، جو صلہ نہ پاکر ہجو تیار رکھتے تھے، جس کو فی البدیہہ سُنا دینے مین ذرا تامل نہین کرتے تھے، اسی لئے ان قصیدون مین اصلیت اور جوش کا فقدان ہے،

محسن کا کلام اس حیثیت سے قابلِ قدر ہے، کہ اسکی بنیاد خلوص و محبت پر رکھی گئی ہے، محسن نے اپنی شاعری کو اپنی شہرت، عزت یا صلہ کا ذریعہ نہین بنایا، اپنی تمناؤن کا اظہار خود کس خوبی سے چراغِ کعبہ کے آخر مین کرتے ہین، رسول کریمؐ سے خطاب کرنے کے بعد لکھتے ہین:

جس طرح ملا تو اپنے رب سے — انداز سے شوق سے ادب سے
یون ہی ترے عاصیانِ مہجور، — اکدن ہون تری لقا سے مسرور
صدقے مین ترے یہ آرزو ہے، — دم مین کرین راہِ آخرت طے،
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید — جس طرح سے صبح صادقِ عید
گزرے مری نعت کے سخن مین — رکھی ہو یہ مثنوی کفن مین
پھولے پھلے گلشنِ تمنا، — عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا
یان شوق و خلوص و التجا ہو، — وان مین ہون آپ ہون خدا ہو

مدیح خیر المرسلین کے آخر مین مناجات کا عنوان ہے،

محسن اب کیجئے گلزارِ مناجات کی سیر — کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر تا بادل،
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہو سب سے افضل — میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل،
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل،
دین و دنیا مین کسی کا نہ سہارا ہو مجھے — صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل،
ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سرسبز — جسکی ہر شاخ مین ہو پھول ہر اک پھول مین پھل،

آرزو ہو کہ رہے دھیان ترا تا دمِ مرگ ۔۔۔ شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح ۔۔۔ ہاتھ میں ہو یہ مستانہ قصیدۂ یہ غزل،
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ ۔۔۔ سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

ایک رباعی میں فرماتے ہیں :-

بندہ کو نگاہِ لطفِ مولا بس ہے ۔۔۔ حضرت کا مرے لئے وسیلہ بس ہے
میں مشتِ غبار ہوں سہارا مجھکو ۔۔۔ دامانِ رسولِ مصطفےٰ کا بس ہے

یہ خلوص نعت کے علاوہ ان کی غزلوں اور دیگر اصنافِ سخن میں بھی موجود ہے :-

لیکن صرف خلوص و محبت اور اصلیت و صداقت نے محسن کا پایہ بلند نہیں کیا، اس موقع پر یہ امر بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے، کہ ہر موقع پر شاعرانہ انداز بیان کو بڑی خوبی سے نباہا گیا ہے اور ان دونوں کے امتزاج نے ہی ان کے کلام کو پر کیف اور با اثر بنا دیا ہے، یہ امتیاز ان کی ابتدائی عمر کے کلام میں بھی موجود ہے، پہلا قصیدہ گلدستۂ رحمت ہے، جو ۱۲۵۸ھ میں تصنیف ہوا، اس وقت ان کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی، اس کا مطلع ہے :

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن ۔۔۔ غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوے ختن

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں :-

جملہ انبتہ اللہ نباتاً حسناً ۔۔۔ ان دنوں فصلِ بہاری میں ہے طغرائے چمن
رشکِ شمشاد اگا کرتے ہیں نخلِ قامت ۔۔۔ سرو گلزار زمیں پر جو ہوا سایہ فگن
خطِ گلزار ہوا جس نے لکھا خطِ غبار ۔۔۔ ہو گیا کاغذ مکتوب زمینِ گلشن

دوسرا مطلع ہے،

ہاں میں مفتوں ہوں اسی رشکِ چمن کا کہ چمن ۔۔۔ جسکی صورت سے سدا خار ندامت در تن

اسکو بیچا ہے گلستان کا مشبہ کہنا کہئے کیسے کہ وہ ہے لالۂ رخ ونسرین تن

پورے قصیدہ مین وہ تمام خوبیان جو اچھے قصیدہ گو شعراء کے کلام کا زیور ہین، اس مین جھلکتی ملین گی، کمالِ شاعرانہ کی تفصیل آگے آئیگی۔

محسن کے نعتیہ کلام مین سب سے زیادہ شہرت ان کے مشہور قصیدہ مدیح خیرالمرسلین کو نصیب ہوئی، جو ۱۲۹۳ھ مین تصنیف ہوا، اسی ایک قصیدہ کو سامنے رکھکر محسن کے کلام کا جائزہ لیا جائے، تو بھی ان کی شاعرانہ خوبیان نمایان ہو جاتی ہین، قصیدہ نعت مین ہے، لیکن اس کا مطلع ہے،

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

اس کے بعد تشبیب مین متھرا، گوکل، کنھیا اور گوپیون کا ذکر کیا ہے، بعض حضرات نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے، کہ نعتِ رسولِ اکرم صلعم کے سلسلہ مین ان چیزون کا بیان بے موقع اور بے محل معلوم ہوتا ہے، اس اعتراض کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے، کہ یہ نظم قصیدے کی صنف سے تعلق رکھتی ہے، اور قصیدے مین تشبیب کے مضمون کی قید نہین، کہین ذکر شباب ہے تو کہین مضامینِ عشقیہ کا بیان، کہین شکایتِ زمانہ ہے اور کہین اپنے حال کا رونا، کسی نے خاص مضمون کی غزل لکھدی ہے، اور کسی نے متفرق مضامین کی غزل، اور بعض ایسے قصیدے بھی موجود ہین، جن مین تشبیب موجود ہی نہین ہے، عربی شاعری مین اس قسم کی بکثرت مثالین موجود ہین،

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تشبیب کے پڑھنے کے بعد گریز کا مضمون دیکھکر کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہین رہتی، محسن نے خود اسی جواب کو تفصیل کے ساتھ نظم کرتے ہوئے لکھا ہے:-

پڑھے تشبیب مسلمان مع تمہید و گریز — رجعتِ کفر با یمان کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایمان پر، — شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشمِ انصاف سے دیکھو تو قصیدہ کی تشبیب — نیمِ رُخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہو طولِ سخن — مگر ایمان کی کہئے تو اسی کا تھا محل
غلبہ و سطوتِ ظلمت کے بیان میں مضمر — شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا — مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حُسنِ عمل
مدعا یہ ہے کہ اندوہ کی سیہ بختی سے، — ظلمتِ کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ق
ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کیلئے — سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبیِ مرسل
مہرِ توحید کی ضَو اوجِ شرف کا مہِ نو — شمعِ ایجاد کی لَو بزمِ رسالت کا کنول

اسے دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو بجائے عیب کے اس میں ایک خوبی مضمر ہے، پڑھنے والے کو اسلامی تصوّف اور ہندی تخیل کا سنگم نظر آتا ہے، جو لوگ سری کرشن کی داستان عشق اور اس رومانی فضا سے آشنا ہیں، جو ان کے وجود سے برج کے علاقہ میں موجود تھی، وہ اس کی تاثیر کو خوب محسوس کرتے ہوں گے، ہمارے ناقدین نے ہماری عام شاعری پر یہ اعتراض کیا ہے، کہ ہندوستان میں رہ کر بھی ہمارے شاعروں کا تخیل عرب کے بے برگ و گیا صحراؤں اور ایران کے "نغمہ زار و سبزہ زار و جوئبار" میں بھٹکتا پھرتا ہے، وہی تشبیہات استعارات اور تلمیحات جو متقدمین شعرائے فارس کے یہاں عام ہیں، وہی ان کا ورثہ ہیں، لیکن چونکہ ان کا تعلق براہ راست ایران کی سرزمین، تاریخ یا خاص ایرانی تہذیب و معاشرت سے ہے، اس لئے ہندوستانی شاعری میں جس کے مخاطب ہندوستانی ہیں، ان کا شمول لطف کو دوبالا کرنے کے بجائے شاعری کو بے مزہ بنا دیتا ہے، سری کرشن کی داستانِ حیات رومان و محبت

کی کہانی ہے، لیکن اس مین ابتذال، رکاکت اور سوقیانہ حالات و واقعات کا شائبہ نہین، بلکہ ہر جگہ خلوص و عقیدت، مذہبیت اور احترام کی جھلک زیادہ ہے، چونکہ ہندوستانی عام طور پر اس قصہ سے واقف ہین، اور بعض رسمین اور تہوار ابھی تک ان پرانے واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لئے منائے جاتے ہین، اس لئے تشبیب مین ان کے ذکر سے رومانی فضا پیدا ہو گئی ہے، جو اثر سے لبریز ہے، کسی اور مضمون سے یہ کیفیت یا تشبیب مین یہ زور پیدا کرنا مشکل تھا،

مضمون کے اعتبار سے اس قصیدے اور محسن کی شاعری کے دوسرے کارنامون کو پرکھئے، تو ان مین سب سے ممتاز صنعت جدت کی نظر آئے گی، جیسا کہ مذکور ہوا، ہماری شاعری بالعموم تقلیدی ہے، اور ہمارے شاعر تقلیدی آرٹسٹ، غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غرض ہر صنف کے مخصوص مضامین پیدا ہو گئے تھے، بقول حالی یہی ہزار بار کی چچوڑی ہوئی ہڈیان تھیں، جو ہمارے شاعرون کے لئے سرمایۂ افتخار بنی ہوئی تھین، محسن کے معاصرین بھی اس رسمی اور تقلیدی شاعری کے چکر سے آزاد نہ ہو سکے، اسی لئے ان کے یہان ہجر و وصال کی داستان شکوے شکایتین، خاص خاص حکایتین، گل و بلبل کے مضامین، مے و مینا کی گردش سے پرانے زمانہ کی یادگارون کا ایک عجائب خانہ نظر آتا ہے، جو رفتہ رفتہ اصلیت سے دور اور ابتذال و رکاکت سے قریب تر آ گیا، لیکن محسن نے اپنے دامن کو نئے ہی پھولون سے بھرا، ہی ایک قصیدے کی تشبیب کے مضامین ملاحظہ ہون،

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی   بحر اخضر مین تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
شاہد کفر ہے ٹکڑے سے اٹھائے گھونگھٹ   چشم کافر مین لگائے ہوئے کافر کاجل
جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت   یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل
جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیان   لوگ کہتے ہین کہ کرتے ہین فرنگی کونسل

صاف آمادۂ پرواز ہو شاما کی طرح | پر لگائے ہوئے مژگان صنم سے کاجل
خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل | رنگ مین آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل
شاہد گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل | برق کہتی ہو مبارک تجھے سہرا بادل
جبتلک برج مین جمنا ہو یہ کھلنے کا نہین | ہو قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
راجہ اندر ہے پریخانۂ مے کا پانی | نغمۂ نے کا سری کرشن کنھیا بادل

ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کےہان تلاش سے بھی نہیں ملی گی، ذوق و سودا قصیدے کے بادشاہ ہین، لیکن ان کی کسی تشبیب مین ایسی جدّت اور زور نہین، یہ مضامین تشبیہات، استعارات اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہین، محسن ہی کا حصہ ہین، اسی سے معلوم ہوتا ہے، کہ محسن کی پاکیزہ طبیعت عوام کی پامال شاہراہ سے بچکر اپنا راستہ الگ بنانا چاہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ انھون نے سرزمین نعت مین اپنی جدّت پسندی سے رنگ رنگ کے پھولون کا ایک گلزار کھلا دیا ہے،

جدّت پسند طبیعت سے ہی مضمون آفرینی کا سلسلہ ملتا ہے، ایرانی شعرا نے اپنی تخیل سے مضمون آفرینی کے نوادر پیش کئے ہین لیکن اکثر مضمون آفرینی کے شوق مین کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مصداق بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہین، ہندوستان کے فارسی گو شعرا مین بیدل اور ان کی تقلید مین اردو شعرا مین غالب نے اس طرف بطور خاص توجہ کی، ابتداے عمر مین غالب کا کلام اسی شوق کی بدولت مہملات سے جا ملا تھا، جب عمر اور مشق نے اصلاح کا ہاتھ رکھا تو سلاست کے راستہ پر آگئے، غالب کے علاوہ بعض اور جدّت پسند شاعر اس طرف متوجہ ہوئے، جن مین مومن نے بڑا نام پیدا کیا، لکھنؤ کی شاعری مین واردات قلب کو اساسی حیثیت نہیں دی گئی، بلکہ پوراز ور صنعت گری پر صرف کیا گیا، اور اس شوق نے یہان تک ترقی کی، کہ

یہان کے بیشتر شعرا معمہ اور چیستان گوئی کی بھول بھلیان مین بھٹکنے لگے، خیال آرائی اور مضمون آفرینی کا اکثر نتیجہ یہی دیکھا گیا ہے کہ شاعر چیستان اور معمے کہنے لگتا ہے، آخر عمر مین محسن کو بھی معمہ گوئی کا شوق پیدا ہوگیا تھا، لیکن ان کی عام شاعری اس عیب سے پاک ہے، اس مین مضمون آفرینی ہے، لیکن اعتدال کا دامن کہین ہاتھ سے نہین چھوٹا ہے، چند مثالون سے اوسکی وضاحت ہوجائیگی،

جگنو پھرتے ہین جو گلشن مین تو آتی ہے نظر
مصحفِ گل کے حواشی پہ طلائی جدول

سبزۂ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا،
شہسوارِ عربی کے لئے کالا بادل

قبلۂ اہلِ نظر کعبۂ ابروے حضور،
موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوے کالا بادل

مثنوی چراغِ کعبہ مین اس قسم کی بے شمار مثالین ہین،

کاغذ مین سطور کا تسلسل
ہے کھیت مین چاندنی کے سنبل

شبدیزِ قلم کی شانِ اعلیٰ
جنگل مین براق کے غزالا

تحریک اناملِ سخن گو
جبریلِ امین کا زور بازو

از رفعتِ من چہ پرسی
ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی

شبِ معراج کا ذکر کرتے ہوئے کس خوبی سے نئے مضمون پیدا کئے ہین :-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبہ مین وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام
شبنم کی ردا بقصدِ احرام

گویا کہ نہا کے آئی فی الحال
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سچی صفا سے رنگ فق ہے
سر سے پا تک عرق عرق ہے

بے محرمون سے چھپائے چہرہ
پردین کو بنائے منہ کا سہرا،

خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے
لپٹے ہوئے بالوں میں دلھن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی
کلیاں یوسف کے پیرہن کی

براق کی صفت :۔

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل
کھیت اس کا بہشت خلد جنگل
مہ پارہ فلک سے آنے والا
اطلس کو کتان بنانے والا
یوں چرخ سے نکلے وہ سبکرو
فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم
سیپی سے گہر حباب سے دم

سراپائے رسول اکرمؐ کے سلسلہ میں بھی چند شعر دیکھئے :۔

ابرو پہ جبین مہ شمائل
رکھی ہوئی رحل پر حمائل
واللیل کا ترجمہ ہے گیسو
تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو
جوہر کا بھرا ہوا خزینہ
آئینہ بے مثال سینہ
رعنائی قامت مناسب
روزی میں اذان وقت مغرب

(باقی)

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی اور اکبر تک کے حالات، قیمت: للعہ ۵۴۸ صفحے،

"منیجر"

مجمع النفائس

از

جناب اقبال انصاری، ایم اے، ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی

(۲)

کتاب پر تنقیدی نظر تذکرہ پر تنقیدی نگاہ ڈالنے سے قبل اس زمانہ کے ماحول، سوسائٹی اور خود مصنف پر روشنی ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے، تاکہ اس کا پس منظر، اور مصنف کی شخصیت پورے طور پر سامنے آجائے، اور وہ واقعات بھی واضح ہو جائیں، جو اس کتاب کی تالیف کے محرک ہوئے۔

خان آرزو کی صغرسنی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، کوئی دوسرا عزیز و بیگانہ ایسا نہ تھا جو اسکی تعلیم و تربیت کرتا، چنانچہ وہ ماں کی خدمت کے ساتھ خود تحصیل علوم کرتا رہا، اس کا باپ عالمگیری دربار میں ایک بڑے منصب پر فائز ہو چکا تھا، اگرچہ وہ سپاہی پیشہ تھا، لیکن ادب و شاعری سے لگاؤ رکھتا تھا، چنانچہ دورانِ قیام گوالیار میں خان آرزو کو راتوں کو سودا و سو اشعار یاد کرا دیا کرتا تھا، جو بعد میں اس کی شاعری کا سرمایہ بنے، بہرحال باپ کی قبل از وقت موت نے گھر برباد کر دیا، عسرت و تنگدستی کے بادل امنڈ آئے، مگر اس ہوشیار لڑکے کے قدموں میں کوئی لغزش نہ پیدا ہوئی، وہ تمام مصیبتوں کے باوجود گوالیار ہی میں مقیم رہا، ماں کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا، مجمع النفائس میں جہاں اپنا ذکر کیا ہے، وہاں اپنی ہر نقل و حرکت کو ماں ہی کے حکم کی تعمیل بتایا ہے، یوں ہی زمانہ گذرتا رہا، غربت و مصیبت کی گود کا پلا ہوا سپاہی علوم کی تحصیل اور گھر کی بگڑی ہوئی

حالات کو سنبھالنے میں پندرہ سولہ برس کے سن تک استقلال سے کام لیتا رہا، اٹھارہ برس میں جبکہ حوادث دنیا کو بہت کچھ دیکھ چکا تھا، عالمگیری لشکر کے ساتھ دکن جانا ہوا، وہاں سے نو مہینے کے بعد لوٹا اس وقت اس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا، سلطنت کی تباہی، بھائی بھائی کی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی سے دنیا کی بے ثباتی اور جاہ و ثروت کے فریب اس کی نظروں میں بالکل عریاں ہوگئے، اس ماحول نے اس کو اور زیادہ مستقل مزاج متحمل، بردبار اور متواضع و متوکل بنا دیا، میرزا محمد افضل سرخوش، بیدل، مرزا معز فطرت، میر عبد الجلیل بلگرامی اور ناصر علی سرہندی کی نغمہ سرائیوں اور ان کے اخلاقی محاسن نے اس کے مذاق سلیم پر جلا کرکے اسے انتہائی سنجیدہ، حلیم، مہذب، شایستہ اور خلیق بنا دیا اور ابھی اس کی عمر چوبیس ہی پچیس برس کی تھی کہ وہ لوگوں کا معتمد علیہ ہوگیا، فرخ سیر کے زمانہ میں شاہی دربار کی وابستگی نے اسے کافی روشناس اور اس کی ذکاوت و ذہانت نے بزرگوں اور خردوں سب کو اس کی جانب متوجہ کر دیا، اس طرح جلوس محمد شاہی سے قبل ہی خان آرزو نے بہترین عنصر جذب کرنے کے لئے زمین تیار کر لی تھی، محمد شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد اسکی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، اس دور میں ہندو مسلم کا احساس اور سنی شیعہ جذبات نام کو بھی نہ تھے لیکن ایرانی و ہندوستانی نزاع بہت کچھ جڑ پکڑ چکی تھی اور سوسائٹی پر ایرانی رنگ غالب تھا، جس میں انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت تھی،

خان آرزو پہلا ہندوستانی ہے جس نے ایران نوازی ترک کرکے ہندوستان کی تعریف کی اور ہندیوں کے رسوم وغیرہ کو جو اب تک ناقابل التفات سمجھے جاتے تھے واضح کیا، فارسی ادب اور اس کے استبداد کا ایوان جو اکبر کے زمانہ سے مستحکم ہو چکا تھا، خان آرزو کے زمانہ تک قائم تھا، چنانچہ ایرانیوں کی قدر و منزلت اس کے باوجود کہ وہ ہندیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کو گالیاں دیا کرتے تھے باقی تھی، ایرانی مسلم الثبوت استاد مانے جاتے تھے اور زبان کے معاملہ

میں جاہل سے جاہل ایرانی بھی استناد و استشہاد میں پیش کیا جاتا تھا جس دو سو برس کی پرانی اور مضبوط سوسائٹی کا یہ حال ہو اسکا یک قلم قلع قمع کر دینا کوئی معمولی بات تھی، اس میں اس کو عزم راسخ و استقلال کامل سے کام لینا پڑا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے اپنے کو نمایاں کر کے تقرب سلطانی حاصل کیا اور محمد شاہ کے دربار کا ملک الشعرا بنا، اس وقت سے اس کی ہر بات سند مانی جانے لگی اور کلام پر سبحان اللہ کا شور مچنے لگا، اس کے بعد اس نے ادب و شعر کی بنیاد ہندی چیزوں پر رکھی اور اپنے اشعار میں اکثر و بیشتر ہندی الفاظ استعمال کرنے لگا اور اپنے کمال سے ثابت کر دیا کہ ہندی کسی طرح ایرانیوں سے کم نہیں، بلکہ استناد و استشہاد کیلئے ان سے بہتر ہیں، کبھی بیدل و امیر خسرو کے تصرفات کو صحیح مان کر بیدل کی عظمت یوں قائم کی" چوں از راہ قدرت تصرفات نمایاں در فارسی نمودہ، مردم ولایت و کاسہ لیساں آنہا کہ از اہل ہند اند در کلام این بزرگوار سخنہا دارند و فقیر در صحت تصرفات صاحب قدرتان ہند ہیچ سخن نہ دارد بلکہ قائل آن است" (مجمع النفائس) کبھی ایرانیوں کی غلطیاں اور تصرفات دکھا کر دعویٰ کیا کہ" تصرف صاحب قدرتان ہند در فارسی چرا جائز نہ باشد؟" (مثمر)

اس کی اس کوشش نے ہندی فضلا کو وقیع بنا دیا اور وہ خان آرزو میں جذب ہوتے گئے، اس کا حلقۂ احباب وسیع ہونے لگا، تلامذہ کی تعداد بڑھنے لگی، ہندوستانی ارباب کمال کے علاوہ خود ایرانی اساتذہ بھی جو شاہی دربار سے متوسل تھے، اس کی باتوں اور دلائل پر قبول کی مہریں ثبت کرنے لگے اور خان آرزو درباری شعرا کا سرتاج بن گیا، جب اس کے فضل و کمال کا سکہ لوگوں پر بیٹھ چکا اور تلامذہ کی فوج تیار ہو چکی، اس وقت اقلیم سخن کے اس فرمانروا نے بغاوت کا علم بلند کیا اور اس کے حریف مقابل شیخ علی حزیں سے جنگ کی ٹھہر گئی، شیخ نے ایران نوازی اور اپنی عالی منصبی کے زعم اور ہندوستان سے نفرت کے جذبہ میں وغیرہ

اور ہجو کو سپر بنایا، لیکن اب انقلاب کی زمین تیار ہو چکی تھی، اس لئے لوگ اُن کے دشمن ہو گئے، کشمیریوں نے ہجو کشمیر کا بدلہ لیا، ثبات نے اپنے باپ کی ذلت کے انتقام میں حزیں کے دیوان سے تقریباً پانسو ایسے اشعار نکالے جن کے مضامین شعرائے متقدم کے کلام سے ماخوذ تھے، امراء شیخ کے پہلے ہی سے دشمن تھے، خود خان آرزو بھی ان کی گالیوں کا نشانہ بن چکا تھا، چنانچہ اس نے حزیں پر تنبیہ الغافلین لکھ ڈالی، جس میں شیخ کے تقریباً چار سو اشعار پر نکتہ چینی کی اور یہ اعتراضات اپنے تلامذہ کو زبانی یاد کرا دیئے، جہاں شیخ جاتا وہ اعتراضات سنائے جاتے، شیخ بگڑتا اور گالیاں دیتا، یہ چیز خان آرزو کے مقصد کے حصول میں نہایت مفید ثابت ہوئی اور ہندیوں میں ایرانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ اتنا بڑھا کہ شیخ کا دہلی میں رہنا دشوار ہو گیا اور وہ وہاں سے نکل گئے، ایک ہندی نژاد کا یہ دلیرانہ اقدام اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ لوگوں کی نظروں میں ایرانیوں کی جہالت، ہندوستان سے ان کی نفرت، ان کے سرقوں اور مبلغ علم کا پردہ فاش ہو گیا، اور روز بروز اُن کی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں سے گرنے لگی

دوسری طرف خان آرزو نے یہ تدبیر کی کہ ایرانی اساتذہ مثلاً عرفی، ظہوری، طالب آملی، زلالی خوانساری، مرزا صائب وغیرہ کے کمالات کا اعتراف کر کے اپنی بے تعصبی ظاہر کی، مثلاً ملا منیر لاہوری کا جواب لکھا اور سراج منیر لکھ کر ایرانی اساتذہ کی اہمیت واضح کی، قدسی کی استادی پر داد سخن دی، تذکرہ مدون کر کے ایرانیوں کے حسن و قبح اور ہندوستانیوں کی ادبیت و شعریت کو ظاہر کیا، ان تمام تصانیف میں خان آرزو نے جذبات و ذاتیات کے بجائے اصول کو مدنظر رکھا، اس کی جنگ اگرچہ علی حزیں سے تھی لیکن اس سلسلہ میں اس نے تمام ایرانیوں کے نقائص اور سقم ظاہر کر کے جنگ کو عالمگیر کر دیا، شعر میں ہندی، لاطینی، یونانی اور عربی زبان میں ایرانیوں کے تصرفات، ایران کے مختلف خطوں میں تلفظ کا اختلاف، ان کے یہاں ہندی الفاظ

کا استعمال دکھا کر ہندیوں کا فارسی زبان میں تصرف جائز قرار دیا، اور اس کام کی تکمیل انند رام مخلص سے کرائی، مخلص کو شاعری میں محض "برابر فکر او کسے در ہنو د نیست" (ریاض الشعراء) کی سند حاصل نہیں تھی، بلکہ اس کی افتاد طبیعت کچھ ایسی تھی کہ وہ عجائب و غرائب کو بہت پسند کرتا تھا زبان دانی کا مدعی اور اہل زبان سے برابر مقابلہ کیا کرتا تھا، ادبی محفلوں میں اہل ایران کے ساتھ حریفانہ گفتگو کرتا اور ان کے کلام پر تنقید کر کے ہندیوں کا کلام قابل استناد ثابت کرتا،

زوال سلطنت مغلیہ کے وقت فارسی زبان پر بھی کافی اضمحلال طاری ہو چکا تھا، انشا پردازی میں مختلف قسم کی بحثیں و نزاعیں پیدا ہو چکی تھیں، اسی میں ایک نزاع "استعمال الفاظ ہندی در فارسی" کے متعلق تھی، ایک گروہ کا خیال تھا کہ ہندی الفاظ کی آمیزش فصاحت میں فرق پیدا کر دیتی ہے، اور دوسری جماعت کا دعویٰ تھا کہ جب ترکی، تورانی، عربی وغیرہ کے میل سے فارسی میں کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوتی، تو ہندی جو فارسی کی ہم نسل ہے، کیوں اس قابل نہیں شمار کی جاتی؟ اس گروہ کے امام "سراج المحققین" خان آرزو تھے، مخلص اس بارہ میں اُن ہی کا پیرو تھا اور خانِ آرزو ہی کے ایما سے ایسی کتابیں تصنیف کیں جن میں ہر حیثیت سے ہندیوں کی فضیلت دکھاتے ہوئے فارسی میں ہندی الفاظ کا استعمال جائز قرار دیا، مرآۃ الاصطلاح میں ایک مقام پر لکھتا ہے "اعتقاد بعض عزیزان است کہ الفاظ ہندی در فارسی آوردن نیست ..... ایں چیزہا برائے خانان و مبتدیان مضائقہ دارد، اہل قدرت و استعداد مختار اند" یعنی اسی طرح کا خیال چمنستان میں ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہندی الفاظ کا استعمال قادر الکلام لوگوں کے لئے جائز ہے، خانِ آرزو نے بھی سینکڑوں جگہ مثمر، مجمع النفائس، چراغِ ہدایت و سراج اللغۃ وغیرہ میں یہی خیال ظاہر کیا ہے، مخلص اور خانِ آرزو کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ والہ داغستانی و آزاد بلگرامی کی "ایران پسندی" کے باوجود فضلاء کے معتدبہ حصے نے خانِ آرزو کا ساتھ دیا اور

اور ایران کی فضیلت اور اس کے استبداد کی چولیں ہلا دیں، تذکرہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جنگ کی اصل بنیاد کیا تھی اور اس نے کیونکر ایرانی و ہندوستانی نزاع کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ایرانیوں کے متکبرانہ برتاؤ کے متعلق لکھتا ہے۔" نازم انصاف مرزاے (صائب) مرحوم را و الا قلقچیانِ حال ایران و صاحبان گنج باد آورد کلامِ ہندی را بخاطر نمی آرند...." (مجمع النفائس)

خانِ آرزو کی طبیعت میں قدرت نے جدت طرازی، شوخی و ظرافت اور معقول پسندی کا وہ مادہ ودیعت کیا تھا جس کے سبب وہ ہمیشہ ایرانیوں پر غالب رہا اور اُن کو اصل رنگ روپ کو ہمارے سامنے پیش کرتا رہا، اس کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی ایرانی کو فاحش غلطی کرتے ہوے دیکھتا تو اس کی راے سے اتفاق کرتا پھر ان غلطیوں پر تنقید کر کے اسے احمق ثابت کرتا، مثلاً سعید اشرف کا شعر ہے،

داد از رانیاں ہندوستاں ... مارانیاں ہندوستاں

یہ گالی تھی، خانِ موصوف نے اس کا جواب یوں دیا کہ مثمر میں جب ہندی الفاظ میں ایرانیوں کے تصرفات دکھائے تو اس شعر کو بھی پیش کیا اور کہا کہ ہندی "مرانی" (ہمارانی) بولتے ہیں اور ایرانیوں نے "مارانی" لکھا ہے جو بالکل غلط ہے، کبھی نہایت سنجیدگی سے زبردست چوٹ کر جاتا ہے، مثلاً ایک ایرانی شاعر تازگی نے جس کا ذکر مجمع النفائس میں ہے بکثرت غلطیاں کی ہیں اس کے متعلق لکھتا ہے،" فقیر گوید ہرگاہ احوالے زباندان چنیں باشد واے بحال مردم شعراے ملک دیگر کہ بہ فارسی سخن رانند، دریں صورت اگر ہزار غلط از ہندی واقع شود برابر یک غلط اہل زبان نہ بود...." ایرانیوں کی تلخ باتیں سُن کر پی جاتا تھا، کوئی جواب نہ دیتا اور ان کے کلام کی تنقید میں اس کا بدلہ لیتا تھا لیکن انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا، دوسروں کی غلطیوں کو واضح کرنے کیساتھ اسکو خود اپنی غلطیوں کے اعتراف میں تامل نہ ہوتا تھا

خانِ آرزو نے اساتذہ کی موافقت کرکے، اُن پر اعتراض کرکے، ان کے مسلمات پر نقد و جرح کرکے، خود اپنی فروگذاشتوں کو واضح کرکے ایرانی شعراء کا جس جس انداز میں مذاق اڑایا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی ہندیوں کی نظروں سے گر گئے اور خانِ آرزو کی اس کوشش نے سوسائٹی کا رنگ بدل دیا اور یہ بات ثابت کردی کہ ہندوستانی کسی حیثیت سے بھی کسی طرح ایرانی اہل زبان سے کم نہیں ہیں، یہ شرف اور امتیاز صرف خانِ آرزو کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے علم و کمال کو اپنے ملک و قوم کی سربلندی کے لئے صرف کیا جس سے فیضی اور ابوالفضل جیسی ہستیاں بھی خالی نہیں، ان کے یہاں وہی درباداری اور خاکہ کشی ہے، اس کے برخلاف خانِ آرزو کے یہاں اور چیزوں کے ساتھ ہندوستانیت ہی، ہندوستان کو وہ اپنا ملک سمجھتا ہے، اپنی پرانی تہذیب و معاشرت کو مقبول بنانے کی کوشش کرتا ہے، اپنی شاعری و ادب کو ہندیوں کی عزت و وقار میں صرف کرتا ہے اور اپنی تحریروں سے ایرانی کبر و نخوت کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیتا ہے، یہ ہے وہ بنیاد جس پر یہ کتاب لکھی گئی، ادبی حیثیت سے مصنف کا پایہ معاصر و غیر معاصر تمام تذکرہ نگاروں میں مسلّم ہے اور خود اس کے کارنامے اس کے شاہد ہیں،

ذاتی حیثیت سے خانِ آرزو پاک مشرب، بے ریا، مہذب، زندہ دل، یار باش، متواضع، منکسر اور باوقار انسان تھا، وہ محمد شاہ کے دربار میں جس منصب جلیل پر فائز تھا اس کے اعتبار سے اس کو عوام سے میل جول کم رکھنا چاہئے تھا، لیکن اس کے برعکس اگر ایک طرف محمد شاہ، امیر خاں انجام اور اسحاق خاں شوستری سے اس کی صحبتیں رہا کرتی تھیں تو دوسری طرف وہ اپنے تلامذہ اور عوام سے بھی بعینہ اسی طرح ملتا تھا، عجز و انکسار کا یہ حال ہے کہ تذکرہ بھر میں اپنے لئے فقیر، ہیچ مدان، ناچیز، پیر عاصی، عصیاں شعار و خاکسار وغیرہ کے علاوہ کوئی فقرہ یہ لفظ استعمال نہیں کرتا، اپنی تحریروں کو حقیر بتاتا ہے، گو اس کا درجہ اساتذہ کا تھا لیکن ہر جگہ اپنے کو ناقص

ہی لکھتا ہوں اور کہتا ہے کہ میں مقتدایان فن کی گرد قدم تک بھی نہیں پہنچ سکا ہوں،

خان آرزو کی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جیسے لوگ دنیا میں قسمت کے ہاتھوں "ترنج زرافشان پرویز" کی طرح دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں پیدا کئے جاتے بلکہ خدا ان کو ابتلا، اور امتحان کے بعد عزت و بزرگی کی مسند پر بٹھاتا ہے کہ مصیبت و آزمائش اصلاح و تربیت کا بہترین وسیلہ ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، خان آرزو کی عظمت اس کی زندگی اور موت دونوں میں مسلّم رہی، چنانچہ اس کے معاصرین میں آزاد، خوشگو، واله ونقش علی کے علاوہ متاخر تذکرہ نگاروں میں شفیق، بھگوان داس، درگا داس، علی ابراہیم، حسین قلی خاں عظیم آبادی عبرتی اور احمد علی ہاشمی سندیلوی وغیرہ سب نے اس کے شعر و ادب کا اعتراف کیا ہے، فارسی تذکروں کے علاوہ اردو کے اکثر قدیم وجدید تذکروں میں بھی اس کی شخصیت نہایت ممتاز ہے، چنانچہ میر، میر حسن، گردیزی، قاسم، قائم علی لطف اور مصحفی وغیرہ نہ صرف آرزو کے کمالات کے معترف بلکہ اس سے مرعوب نظر آتے ہیں، میر تو یہاں تک لکھ گئے ہیں "کمالات اوشان از حیزہ بیان بیرون است" قائم کا بیان ہے کہ "در فضیلت وکمال فوقش متصور نیست" اور میر حسن کے نزدیک "امیر خسرو کے بعد ایسا صاحب کمال کوئی سننے میں نہیں آیا" ۔ خان آرزو ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ میر، سودا، درد اور مظہر جیسے نامور شعرا، ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں، میرا تو ذاتی خیال یہ ہے کہ آرزو کے اور کمالات کو چھوڑ کر تنہا مجمع النفائس ہی ان کو زندگی جاوید دینے کے لئے کافی ہے، یہ کتاب محض تذکرہ ہی نہیں ہے، بلکہ بہترین تنقید، بہترین ظرافت اور بلند پایہ شعر و ادب کا وہ شاہکار ہے جس کی مثال متقدمین ومتاخرین کسی کے یہاں نہیں ملتی، اس میں ادب کا وہ تنوع اور چاشنی ہے جو تحفۂ سامی، کلمات الشعراء، تذکرۂ خوشگو، عرفات، تذکرۂ طاہر، خزانۂ عامرہ، سرو آزاد، ریاض الشعرا، سفینۂ بے خبر اور مردم دیدہ وغیرہ کسی میں نہیں

حالانکہ یہ سب تذکرے تھوڑی تقدیم وتاخیر کے ساتھ قریب قریب ایک ہی زمانہ کی پیداوار ہیں یہ تذکرہ متقدمین و متاخرین کے درمیان حد فاصل ہے جس میں اسلاف کا بھی رنگ موجود ہے اور آیندہ نسلوں کے لئے ہدایات بھی ہیں، یہ درمیانی کڑی ہے جو ہم کو گذشتہ اور آیندہ ادب سے روشناس کراتی ہے، ایک انقلابی کارنامہ ہے جو پرانی روش کی تخریب کے بعد ہمیں نئی تعمیر کی ہدایت کرتا ہے وہ ایسا آئینہ ہے جس میں ہم ماضی و مستقبل کے ادب کا عکس دیکھ سکتے ہیں،

طرز تحریر ایسی سادہ اور دلکش ہے کہ اس میں ناول کا لطف آتا ہے، شعراء کی زندگی اور تصانیف پر ریمارک نہایت جامع اور مختصر، تنقیدیں نہایت مدلل اور چست اور اصلاحیں نہایت منصفانہ اور ادیبانہ ہیں، اگرچہ بعض مقامات پر ان کا عنوان طنزیہ ہے، غرض مجمع النفائس نہایت عالمانہ، ناقدانہ اور استادانہ تصنیف ہے، تحریر میں صفائی، سادگی اور بے تعصبی پائی جاتی ہے؛ مصنف کو اگرچہ عربی زبان پر پورا عبور تھا لیکن حتی الوسع عربی کے غریب اور نامانوس الفاظ سے اجتناب کیا ہے، یہ دیکھ کر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خان آرزو نے اٹھارہویں صدی میں جبکہ مسجع و مرصع عبارتوں کا زور تھا، اس کو ترک کرکے سادہ وسلیس عبارت میں خیالات کا اظہار کیا اور اس کمال کے ساتھ کہ بڑے سے بڑے واقعہ کو چند الفاظ میں بیان کر دیتا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی و مطالب کے دفتر سمائے ہوتے ہیں، مثلاً اہلی خراسانی کے متعلق لکھتا ہے:

"شاعر زبردست، خوب گو است جمیع اہل سخن رابرو اعتقاد تمام و اعتماد ما لاکلام، درعہد سلطان حسین بائقرا بود، عاشق مومن مرزا پسر بادشاہ مذکور۔ تا زمان شاہ اسمعیل زندہ بود اہل ولایت ترشیز است کہ وطن مولنا ظہوریست۔۔۔۔"

میرزا ابوالقاسم استرآبادی کے متعلق تحریر کرتا ہے:

"مشہور قندرسکی، کمالات ایں بزرگوار آنچہ فقیر آرزو شنیدہ و درکتاب دیدہ از حیز بیان بیرون است"

میرزا جلال آسیر کے متعلق رقم طراز ہے،

"........ در پاکی نسب و ظهور حسب کالشمس فی وسط النهار است، طبعش اگرچه مائل به شرب مدام افتاده بود، پیوسته اوقات را صرف اهل حال و صاحبانِ کمال نموده، شاگرد مولانا فصیح هروی است ...... او را بسیار به بزرگی یاد کرده، کلیاتش قریب هشت هزار بیت است، نصرآبادی گوید که رطب و یابس در کلامش هست ......"

خان آرزو نے تذکرہ میں کہیں مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے، اسحاق خاں شوستری کے ذکر میں البتہ اس کی جھلک ہے اور یہ شاید اس کے مربی ہونے کا نتیجہ ہے، جس میں جو عیب ہوتا ہے اسے ظاہر کر دیتا ہے، ملا عطاء اللہ کشمیری اظہار علم میں نہایت بخل و خست سے کام لیتا تھا، اور اپنا کلام کسی کو نہیں دیتا تھا، خانِ آرزو کا بیان ہے:

"در اظهار علم آں قدر خست دارد که روبروے اعزهٔ امیرزاده که درس می گوید حرف نمی زند تا مبادا دیگرے مستفید شود، خدایش بیامرزاد و همچنیں اشعار خود به کسے نمی دہد وگویا نتائج طبعش پس افگندهٔ گربه است که پیوسته نهاں می دارد۔"

ملا زلالی کا شمار اساتذہ میں ہے لیکن انکے یہاں بکثرت غلطیاں ہیں، خانِ آرزو اس کو یوں ظاہر کرتا ہے:

"ابیات مثنوی او نامربوط است، جلے محل تعجب است، آنچه ایں عاجز دیده و مطالعه نموده بقدر فهم خود دریافت کرده اکثر ابیات فی حد و انتهام ربوط نیست و ترکیبات نامانوس در بسیار سے از اشعار او چه مثنوی و چه قصیده بیش از بیش است بلکه می تواں گفت که معنی نه دارد۔"

خانِ آرزو نے مجمع النفائس کے دیباچہ میں صرف چار تذکروں کا ذکر کیا، تذکرۂ طاہر

تذکرۂ تقی اوحدی، کلمات الشعرا اور تحفۂ سامی جن سے اس نے اپنے تذکرہ کی تالیف میں مدد لی تھی، لیکن کتاب میں جابجا ان کے علاوہ دوسرے تذکروں، تواریخ اور سفائن کا بھی حوالہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی اس نے استفادہ کیا ہے، مثلاً اکبر کے ذکر میں اکبر نامہ کا نام لیا ہے، بایسنغر کے ذکر میں واقعات بابری کا، عرفی محمد رضائے شکیبی صفاہانی، باقی دباوندی، میرزا اسد اور انیسی وغیرہ کے ذکر میں مآثر رحیمی کا، درویش روغن گر، طالب معما، الله اور فخری ہروی کے ذکر میں مجالس النفائس میر علی شیر نوائی کا حوالہ ہے، فقیر، حزیں اور قزل باش خاں امید کے ذکر میں ریاض الشعرا کا نام لیا ہے، حکیم قطران بن منصور الاجل کے ذکر میں دولت شاہ اور عوفی اور مجد الدین نسوی کے ذکر میں لباب الالباب کا حوالہ دیا ہے، ابراہیم آذر، قاسمی اردستانی اور ملا غنی کے ذکر میں سفینہ صائب کا نام لیا ہے، لاہی کے ذکر میں لکھا ہے کہ "نظامی عروضی سمرقندی نے ان کو" دہستانی" لکھا ہے جس سے مراد چہار مقالہ ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ نظامی کی دوسری کوئی تصنیف مشہور نہیں ہے، ان کتابوں کے علاوہ جن کا نام یا حوالہ موجود ہے خان آرزو نے اور کتابوں کا بھی ضرور مطالعہ کیا ہوگا،

بعض نقائص ان خصوصیات کے باوجود بمقتضائے بشریت آرزو سے کچھ فروگذاشتیں بھی ہو گئی ہیں، جن کا ذکر ضروری ہے، مثلاً رشید وطواط کے ذکر میں اس کی مشہور و معروف تصنیف حدائق السحر کا کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ شرف الدین رومی کے ذکر میں ان کی کتاب حدائق الحقائق اور رشید وطواط کی حدائق السحر کا ذکر ہے، اسی طرح حزیں کے حالات میں ان کے متعلق نہ اپنی کوئی رائے ظاہر کی ہے اور نہ اس کی شاعری و مصنفات پر روشنی ڈالی ہے، اتنا لکھ کر نظر انداز کر دیا ہے، "می گویند کہ شاعر مذکور فاضل است و صاحب تصانیف لیکن ہیچ تصنیفے از و در علم حکمت و کلام بہ نظر نیامدہ" حافظ شیرازی کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے، عراقی اور فردوسی

دونوں کو مایوس رکھا، فردوسی کے ضمن میں شاہنامہ اور یوسف زلیخا کا ذکر ہے، لیکن اس کا انتخاب بیس اشعار سے زیادہ نہیں دیا ہے، حالانکہ انند رام مخلص کے اشعار کئی صفحوں میں نقل کئے ہیں تعجب ہے کہ شیخ محسن فانی کے ذکر میں اس کے محاسن کلام پر تو روشنی ڈالی ہے "شیخ در فن شعر سرآمد است" اور اس کے دیوان کے اشعار کی صحیح تعداد تک بتائی ہے لیکن اس کی "دبستان" کا ذکر نہیں کیا، بلکہ دیباچہ میں دبستان کو ملا مؤید کی جانب منسوب کر دیا ہے،

"در دبستان ملا موبد مسطور است کہ فرہوش نام پادشاہے بود در عہد آبادیاں ...."

اسی طرح اسدی طوسی صاحب گرشاسپ نامہ کو اس نے فردوسی کا استاد مانا ہے جو غلط ہے، ڈاکٹر ایتھے اور براؤن نے ثابت کیا ہے کہ دو اسدی گذرے ہیں جن کا آپس میں باپ بیٹے کا تعلق تھا اور تخلص اسدی دونوں میں عام تھا، رشید یاسمی نے ثابت کیا ہے کہ ان باپ بیٹوں میں سے کوئی بھی فردوسی کا استاد نہیں تھا، اس لئے کہ فردوسی بڑے اسدی سے تقریباً بیس برس بڑا تھا اور چھوٹا اسدی فردوسی کے مرتے وقت بچہ تھا، اس لئے ان دونوں میں سے کسی کا فردوسی کا استاد ہونا بعید از قیاس ہے، آذر نے بھی یہی غلطی کی ہے، بہرحال تذکرہ کی دوسری خصوصیات کے مقابلہ میں ان خفیف فروگذاشتوں کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ خان آرزو کا ارادہ پہلے تذکرہ لکھنے کا تھا ہی نہیں، بلکہ اسے بیاض کی شکل میں رکھنا چاہتا تھا جس کا تذکرہ دیباچہ اور خاتمہ میں موجود ہے، پھر تذکرہ کے ۳۵، ۱ شعراء کے حالات میں سے اگر دو چار کے ذکر میں کوئی نقص رہ جائے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں،

تلخیص و تبصرہ

عربی زبان کے جدید رجحانات

(۲)

عربی زبان کے موجودہ فن افسانہ نگاری میں یورپ کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں، اس دور سے پہلے عربی لٹریچر میں قصہ نویسی کا کوئی مستقل فن نہ تھا، تاریخی ناولوں کا وجود ضرور تھا، مگر وہ محض مدارس کے طلبہ کی ایک خاص قسم کی تعلیم کے لئے لکھے گئے تھے، اس لئے آرٹ کے نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت کچھ بلند نہیں ہے، جرجی زیدان (۱۸۶۱ء-۱۹۱۴ء) نے متعدد ناول لکھے، لیکن اس کا مقصد بھی ناول کے ذریعہ عوام کی تعلیم تھی، اس لئے ان ناولوں کا اسٹائل اور ان کی زبان علمی ہونے کے بجائے صحافتی ہے، افسانہ نگاری ادب اور صحافت کی درمیانی کڑی ہے، اس لئے صحیفہ نگاروں نے اپنے رسائل اور اخبارات کی توسیعِ اشاعت کے لئے افسانے اور مسلسل قصے لکھنے شروع کئے، لیکن عربی کے قدیم لٹریچر میں موجودہ مذاق کے مطابق ایسے افسانے نہ تھے جن کے اصول کی وہ تقلید کر سکتے، اس لئے وہ یوروپین زبانوں کے افسانوں کے ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے، یہ مذاق پیدا ہونے کے بعد اہلِ علم نے بھی فرانسیسی، انگریزی، جرمن اور اطالوی زبانوں کے اچھے افسانوں کے ترجمے سے عربی زبان کو مالا مال کرنا شروع کر دیا، اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ عربی بولنے والی جماعت میں اپنے کلچر کو یوروپین کلچر کے معیار کے مطابق بلند اور اعلیٰ دیکھنے کا

خیال پیدا ہوا، پھر بھی عربی افسانوں کا معیار خاطر خواہ بلند نہ ہو سکا، کچھ عرصہ کے بعد ایک روشن خیال طبقہ ان افسانوں کو آرٹ کے نقطۂ نظر سے لکھنے کی طرف متوجہ ہوا، اور منفلوطی کی العبرات، زیات کی "آلام فرتر" اور "رفائل" اور المزنی کی ابن الطبیعہ کی اشاعت کے بعد یورپین زبانوں کے افسانوں کے ترجمے کے لئے ایک معیار قائم ہو گیا، اسی کے ساتھ بعض اہل قلم مصری طرز کے طبعزاد افسانے لکھنے کی طرف بھی متوجہ ہوئے، الایام ڈاکٹر طہ حسین، ابراہیم الکاتب' مزنی، الاطلال، تیمور اور ابنۃ الملوک ابی حدید طبعزاد ناول ہیں، لیکن اب بھی افسانوں کے معیار کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر ہیکل بے افسانہ لکھتے وقت فن کے اصول کو ضرور پیش نظر رکھتے ہیں، لیکن دوسرے افسانہ نگار ابھی اس سے بالکل ناواقف ہیں، ان کے افسانوں میں کیرکٹر اور پلاٹ کی تطبیق اصول کے لحاظ سے نہیں ہوتی ہے، اور نہ ابھی وہ افسانوں میں مصری ہیئتِ اجتماعی کے مختلف طرز زندگی اور خیالات کو پیش کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں، لیکن ان خامیوں کے باوجود قصہ نویسی سے ایک مفید نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب عربی زبان میں ہر قسم کے خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہیں، جس سے عربی نثر کے اسٹائل میں ترقی ہوئی، چنانچہ موجودہ عربی اسٹائل کا انحصار ابن مقفع، جاحظ اور ابن العمید کی تقلید پر نہیں رہا، بلکہ اب ہر اہل قلم کے اسٹائل میں اس کی جداگانہ شخصیت نظر آتی ہے، ڈاکٹر طہ حسین کو زبان پر غیر معمولی قدرت ہے، وہ ایک خیال کو مختلف پیرایوں میں دلنشین طریقہ سے ادا کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے، وہ یورپین زبانوں کے فقروں اور خیالات کو ایسی سادہ اور صاف عربی میں پیش کرتے ہیں کہ اب وہ عربی زبان کے ضروری اجزاء بن گئے ہیں، پروفیسر احمد امین کے طرز انشاء میں صحیح، مناسب اور متوازن جملوں کے ساتھ متانت، منطق اور گہرائی ہوتی ہے، مزنی کی تحریروں میں ظرافت کی چاشنی ہوتی ہے، ڈاکٹر ہیکل اور

توفیق حکیم کا طرز فلسفیانہ ہے۔ ادب وانشاء کے ان مختلف اسالیب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آج عربی زبان کامیابی سے بلندیوں کے مدارج طے کر رہی ہے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کا نظریہ ہے کہ عربی زبان کا مطالعہ آرٹ کے نقطۂ نظر اور سائنٹفک اصول کے مطابق کرنا چاہئے، اس نظریہ کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے، چنانچہ مصر کے اہل علم نے عربی کی تصنیف کا موازنہ اور تحلیل کیساتھ انکا مطالعہ شروع کر دیا ہے، اور اب اس کی کوشش ہے کہ عربوں کے علمی کارناموں کا تجزیہ مغرب کے ذہنی رجحانات کی روشنی میں اور عرب شعراء کا موازنہ فرانسیسی اور انگریزی شاعروں سے کیا جائے، یہ کوشش ذہنی نشو ونما کو بلند اور وسیع کرنے میں بہت معاون ہوگی، ڈاکٹر طہٰ حسین نے اپنی تصنیف "حدیث الشعر والنثر" میں مختلف عرب شعراء کا ایک دوسرے سے موازنہ کر کے دکھایا ہے، کہ عربی زبان کا پایہ دنیا کے ادب عالی میں کتنا بلند ہے، ان کی دوسری تصنیف "الادب الجاہلی" میں اسلام سے پہلے کے ذہنی رجحانات کا سائنٹفک تجزیہ ہے، پروفیسر احمد امین نے فجر الاسلام اور ضحی الاسلام میں اسلام کے ابتدائی زمانہ سے لیکر عہد عباسیہ تک عربوں کی علمی کاوشوں پر تبصرہ کیا ہے، جدید عربی میں اس قسم کی اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن پروفیسر احمد امین کی مذکورۂ بالا تصنیف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جو حصے ہیں وہ بہت اہم اور لائق توجہ ہیں، اب تک عربی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں صرف واقعات سنین کے ساتھ لکھدیئے گئے ہیں، ایسی کوئی کتاب نہ تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مختلف زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالی گئی ہو، لیکن اب عربی نثر کے اس جدید دور میں انبیاء کی تعلیمات اور مفکروں کے افکار کا گہرا نفسیاتی مطالعہ بھی کیا جاتا ہے، ڈاکٹر ہیکل نے "حیات محمدؐ" میں نہ صرف سیرت لکھی ہے، بلکہ بہت سے فلسفیانہ مباحث بھی چھیڑے ہیں، توفیق حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تصویر اس طرح دکھائی

ہے، جیسے ایک ڈرامہ نگار اپنے ہیرو کو پیش کرتا ہے، عبد الرحمٰن بے نے بطل الابطال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس عہد کے حالات کی روشنی میں دکھائی ہے،

ان کوششوں کے ساتھ خالص ادبی کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں، چنانچہ عباس محمود العقاد کی رجعۃ ابی العلاء، اور ابن الرومی وحیاتہ من شعرہ اور محمود شاکر کی المتنبی اسی قسم کی مثالیں ہیں، محمود شاکر نے تو متنبی کے حالات میں بہت سی نئی تحقیقات کی ہیں، مثلاً اس واقعہ کو غلط ثابت کیا ہے کہ متنبی ایک سقہ کا لڑکا تھا، ان کی تحقیق میں متنبی علوی سادات میں سے تھا، اور اس کو سیف الدولہ کی بہن سے عشق ہو گیا تھا،

اس قسم کی تصانیف سے نقادوں اور مبصروں کی بھی ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جس نے شعراء، ان کی شاعری اور دوسری جدید تالیفات پر تنقید و تبصرہ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، ان مساعی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصر کی پوری قوم علمی تجدید کے لئے سرگرم ہے، حکومت کی جانب سے اور بعض نجی کے ایسے ادارے قائم ہیں جن سے اہل علم کی ہمت افزائی کے ساتھ عوام کی علمی ضروریات بھی پوری ہوتی رہتی ہیں، یونیورسٹی کے اساتذہ اور فضلا نے ایک مجلس قائم کی ہے جہاں سے عوام کے ذہنی نشو و نما کے لئے سائنس، فلسفہ اور تاریخ پر مستقل کتابیں اور ترجمے برابر شائع ہوتے رہتے ہیں، یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کی بھی ایک مجلس ہے جو عربی لٹریچر کی ترقی اور تجدید کے لئے کوشاں ہے، مصر کی وزارت تعلیم اور مصری بینک کی فلمی کمپنی کی طرف سے اہل علم و فضل کی ہمت افزائی کے لئے بڑے بڑے انعامات تقسیم ہوتے رہتے ہیں، حکومت نے اہل علم کے لئے ایک لسانی ادارہ (رائل فیلالوجیکل اکیڈمی) قائم کیا ہے، اس ادارہ کے مقاصد حسب ذیل ہیں،

(۱) عربی زبان کی اصلی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے اس کو اس لائق بنایا جائے کہ

ضرورت زمانہ کے مطابق اس میں آرٹ اور سائنس وغیرہ ہر قسم کے مضامین لکھے جاسکیں،

(۲) عربی میں غیر ملکی زبانوں یا عام بول چال کے جو محاورے نہ ہوں ان کے مترادفات عربی زبان کے اصول وطرز پر بنائے جائیں،

(۳) سائنس، آرٹ اور ادب کی اصطلاحات کا ایک فرہنگ اور ایک ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں الفاظ کی پوری تاریخ اور اس کے مختلف معانی ہوں، اس فرہنگ اور لغت کی تالیف کے علاوہ ایسے الفاظ کی جو مصر اور عرب کے جاہل طبقوں کی مقامی بولیوں میں رائج ہیں تحقیقات کی جائے،

اس ادارہ میں گیارہ کمیٹیاں ہیں جن کے ذریعہ صرف ونحو، مقامی بولیوں اور مختلف علوم وفنون کے وضع اصطلاحات کے اصول وقواعد مرتب ہوتے ہیں، اور پھر مختلف افراد کی تحقیقات اور مجلس اعلیٰ کی رضامندی کے بعد ان کو ادارہ کے رسالہ میں شائع کردیا جاتا ہے، اس رسالہ کی پہلی جلد ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی تھی، اس میں ایسے الفاظ کو از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو مردہ ہوچکے تھے اور مصری سوسائٹی کے موجودہ مذاق کے مطابق نہ تھے، اس لئے اہل علم اور عوام دونوں کی جانب سے اس کی مخالفت ہوئی، سائنس اور آرٹ کی اصطلاحات پر تو انھوں نے اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی، لیکن ایسے الفاظ پر جن کا تعلق سوسائٹی اور عوام سے تھا، سخت اعتراضات کئے گئے، مصر کے اجتماعی حلقوں نے ایسے الفاظ ومحاورات کو استعمال کرنے سے قطعی انکار کردیا، جو جدید اور رائج الوقت الفاظ ومحاورات کی جگہ ادارہ نے وضع کئے تھے، اور عذر یہ پیش کیا گیا کہ جدید الفاظ ومحاورات ادارہ کے قائم ہونے سے بہت پہلے عام فہم اور مروج ہوچکے ہیں،

بول چال کے محاوروں اور علمی زبان میں یہ اختلاف کوئی نیا نہیں بلکہ اس وقت سے

چلا آتا ہے، جب سے عربی زبان کی اصلاح کی تحریک شروع ہوئی ہے، عربوں کی قوت اور ان کے تمدن کے زوال کے بعد سے دیہاتوں کی مقامی بولیوں اور شہروں کے تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان میں فرق پیدا ہوگیا ہے، شہری تعلیم یافتہ صرف و نحو کی پابندی کے ساتھ زبان بولنے کے عادی تھے، اور دیہاتی بولیاں ان پابندیوں سے آزاد تھیں، عربوں کے زوال کے بعد علمی زبان بھی دیہاتی بولیوں سے متاثر ہونے لگی، لیکن جب عربوں میں قومیت کا احساس پیدا ہوا تو انھوں نے محسوس کیا کہ مقامی بولیوں کے اختلاف سے عرب قوم کی متحدہ قومیت خطرہ میں پڑ جائیگی، اور ان بولیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات سے وہ اپنے آبا و اجداد کی تاریخی اور علمی وراثت سے دور ہوتے جائیں گے، اس کے علاوہ مغربی علوم و فنون کی نامانوس اصطلاحات سے بھی عربی زبان پر بار پڑ رہا تھا، ان اسباب نے اہل علم کو عربی زبان کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا اور سب سے پہلے دمشق کی عربک اکیڈمی نے اس کی جانب قدم بڑھایا، اس ادارہ کا ہر ہفتہ جلسہ منعقد ہوتا تھا، جس میں الفاظ کا انتخاب کیا جاتا تھا، اور عام بول چال کی نحوی غلطیوں کو درست کیا جاتا تھا، اس ادارہ کے اثرات محدود تھے، اس لئے مصریوں نے ۱۹۳۲ء میں اسی نوعیت کا ایک بڑا ادارہ اپنے یہاں قائم کیا، اس نے ۱۹۳۵ء میں اپنی علمی کارگذاری کی ایک روداد شائع کی، اس کی اشاعت پر دو جماعتیں پیدا ہوگئیں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ ادارہ کا یہ کام نہ ہونا چاہئے کہ وہ پرانے رائج شدہ الفاظ زبان سے نکال کر اس کی جگہ مردہ اور بھولے ہوئے الفاظ دوبارہ رائج اور نئے الفاظ وضع کرکے عوام کو ان کے استعمال پر مجبور کرے، بلکہ اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ عربی زبان میں جن غیر ملکی الفاظ اور اصطلاحات کے مترادفات نہیں ہیں، ان کو وضع کرے، لیکن اس ادارہ کے حامیوں کا خیال ہے کہ اگر غیر ملکی الفاظ کے استعمال کی کثرت کو باقی رکھا گیا اور اس کو روکا نہیں گیا تو عربی زبان نہ صرف اجنبی الفاظ سے

پر ہو جائے گی، بلکہ اس کی اصلی خصوصیات بھی ضائع ہو جائیں گی، اس لئے غیر ملکی الفاظ کے استعمال میں صرف ونحو کے قواعد کی پابندی ضروری ہے، دونوں جماعتوں کے جھگڑے جاری ہیں لیکن ادارہ صرف ونحو کے قواعد کی اشاعت میں مشغول ہے، اور علمی الفاظ کے معانی ومطالب کی توسیع میں بھی کوشاں ہے، بشرطیکہ اس توسیع سے الفاظ کے اصلی تخیل میں فرق نہ پیدا ہو، غیر ملکی الفاظ کو معرب کرنے کی بھی کوشش جاری ہے،

زبان کی اصلاح کے ساتھ عربی زبان کے نحوی اور لسانی اصولوں میں ترمیم اور تغییر کرنے کی جانب بھی توجہ ہے، اور یہ عام طور سے محسوس کیا جانے لگا ہے کہ جو صرف ونحو مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، وہ نقائص سے پر ہے، جامعۂ ازہر کا ایک طالب علم دس سال نحو پڑھنے کے بعد بھی صحیح عبارت پڑھنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتا، اس کے علاوہ نحو کا تعلق مختلف ہوں، مختلف قسم کی مقامی بولیوں اور کلام پاک کی عبارتوں سے ہوتا ہے جس کا تعلق عوام سے کم ہے، ان کا تعلق صرف اپنی روزمرہ کی بولی سے ہوتا ہے، چنانچہ ایک جماعت کہتی ہے کہ صرف ونحو کے قواعد میں ایسی ترمیم کیوں نہیں کی جاتی جس سے روزمرہ کی گفتگو میں معیار اور توازن قائم ہو جائے، ازہر کی تعلیمی روایات کے لحاظ سے صرف ونحو کے قواعد میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اب اس کی ضرورت ہے کہ طلبہ اس روایت سے آزاد ہو کر صرف ونحو کے قواعد میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا کرنے کی کوشش کریں،

ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان کے جدید رجحانات کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(۱) تعلیم کی اشاعت میں تیز رفتاری (۲) یوروپین زبانوں کی کتابوں کے ترجمے (۳) صحافت نگاری میں ترقی، شیخ محمد عبدہٗ کی تحریک نے بھی علمی تجدید کے لئے ایک خوشگوار فضا پیدا کر دی ہے، اور اب عربی تحریروں کا معیار کافی بلند ہو گیا ہے، قدیم اور جدید کا جھگڑا ختم ہونے کے بعد عربی

لٹریچر اور اس کی تاریخ کے ناقدانہ اور مبصرانہ مطالعہ میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے، نثر کے مقابلہ میں شاعری کو ابھی فروغ حاصل نہیں ہو سکا ہے، تاہم ان دونوں میں نئے طرز اور مضامین اختیار کئے جا رہے ہیں، لیکن نحوی اور لسانی اصلاح کے سلسلہ میں مصر کے علمی اور معاشرتی حلقوں کے درمیان ابھی تک نزاع قائم ہے،

کسی زبان کی ترقی اور زوال کے اثرات اسکی بولنے والی قوموں کے تمدن اور کلچر پر نمایاں طور سے نظر آتے ہیں، جو قوم تمدن کے منازل طے کر رہی ہوتی ہے، اس کی زبان بھی اسی نوعیت سے متاثر ہوتی رہتی ہے اور عربوں کے تمدن اور مصریوں کے کلچر میں ترقی ہو رہی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ عربی لٹریچر تکمیلی شاہراہ پر گامزن ہے، محض امیدوں کی دنیا بسانا نہیں ہے، "ص ع"

تابعینؒ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، صحابۂ کرامؓ کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کیلئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہؓ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمرؒ بن عبد العزیز، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویسؒ قرنی، حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت امام باقرؒ، حضرت امام جعفرؒ صادق، حضرت محمدؒ بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت سعیدؒ بن جبیر، حضرت محمدؒ بن سیرین، حضرت ابنؒ شہاب زہری، امام ربیعۃ رائی، امام مکحولؒ شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؒ کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے،

مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

اسلامی ممالک کی علمی کوششیں

آجکل عربی زبان کے نوجوان اہلِ قلم کی توجہ کلام پاک کی جانب بہت زیادہ مبذول ہو رہی ہے، دو سال ہوئے ڈاکٹر راحت اللہ خاں نے لیزگ سے ایک مقالہ "قرآن مجید کے اثرات عربی شاعری پر" کے عنوان سے شائع کیا تھا، محمد سلیم الجنیدی دمشقی نے ایک طویل مضمون کلام پاک کے اسٹائل پر لکھا ہے جس کی اشاعت دمشق کے ایک ماہانہ رسالہ میں مسلسل ہو رہی ہے، مجلس تحریک قرآن، حیدرآباد دکن سے بچوں کی تفسیر شائع ہوتی ہے، جس کی مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں ہے بلکہ مشرقی اور جنوبی افریقہ اور دنیا کے مختلف گوشوں میں اس کی مانگ ہو رہی ہے،

کچھ دنوں پہلے پروفیسر کراؤس (فواد یونیورسٹی مصر) نے "منتخب رسائل جابر ابن حیان" شائع کی تھی، پروفیسر موصوف نے اس کی پہلی جلد پر ایک مقدمہ لکھا ہے جو چھپ کر قریب قریب تیار ہے، پروفیسر مذکور نے "رسائلِ جاحظ" کو بھی مرتب کیا ہے جو زیر طبع ہے،

قاہرہ میں "الوثائق السیاسیہ" کے چار سو صفحے چھپ چکے ہیں، اس میں عہد نبوی صلعم کی دو سو اٹھاسی اور خلفاے راشدین کے زمانہ کی تقریباً ایکسٹو سیاسی دستاویزیں ہیں، جن سے اس دور کے سیاسی حالات کے متعلق مختلف قسم کی معلومات حاصل ہوتے ہیں، اس کتاب میں بدر، احد،

یرموک کی لڑائیوں کے نقشے بھی دیئے ہیں، اس میں بعض ایسے خطوط کے عکس بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں، ان تمام فتوحات کے بھی نقشے ہیں جو عہد نبوی صلعم اور خلفاے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں، ان نقشوں سے نہ صرف فتوحات کی تفصیلات روشن ہو جاتی ہیں، بلکہ مقامات کی تعیین بھی پورے طریقہ سے ہو جاتی ہے، یہ کتاب اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر نصف صدی ہجری تک کی تاریخ کے لئے بہت ہی اہم اور مفید ہے،

استنبول سے فریدالدین عطّار کا "الٰہی نامہ" شائع ہوا ہے، مطبع دائرۃ المعارف (حیدرآباد) میں امام بخاری کی کتاب الکنیٰ اور تاریخ کبیر زیر طبع ہیں، مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے حنفی فقہ کے بعض نئے مخطوطات کی تصحیح و ترتیب جاری ہے، اس مجلس کی جانب سے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ کی چھ مختلف کتابیں شائع ہو چکی ہیں،

بعض سمندروں، دریاؤں اور قدیم شہروں کا طول و عرض

بحر منجمد کا رقبہ سات کروڑ اسی لاکھ مربع میل ہے، اطلانٹک دو کروڑ پچاس لاکھ، بحر ہند ایک کروڑ چالیس لاکھ، بحر جنوبی دو کروڑ پچاس لاکھ، بحر شمالی پچاس لاکھ، بحر روم دس لاکھ، بحر اسود ایک لاکھ ستر ہزار، بحیرۂ بالٹک ایک لاکھ پینسٹھ ہزار مربع میل ہیں، دریاے آمیزن کا طول چار ہزار سات سو میل ہے، مسئوری اور مسی سیپی چار ہزار چار سو میل، یانگ ٹی زی کیانگ دو ہزار نو سو اسّی، نیل تین ہزار دو، وولگا دو ہزار پینتیس، فرات ایک ہزار آٹھ سو میل، ڈینیوب ایک ہزار سات سو ساٹھ، دریاے سندھ ایک ہزار چھ سو پچاس، گنگا ایک ہزار پانچ سو پچاس میل، اور ٹیگرس ایک ہزار چار سو اسی میل طویل ہیں،

پرانے شہروں میں نینوا چودہ میل لمبا اور آٹھ میل چوڑا اور چھیالیس میل کے دور میں تھا،

اس کی فصیل ایک سو فیٹ بلند تھی، اس کی چوڑائی اتنی تھی کہ اس پر تین رتھ ایک ساتھ چل سکتے تھے، بابل فصیل کے اندر پچاس میل تک پھیلا ہوا تھا، اس کی فصیل کے آثار چھتر فیٹ چوڑے تھے اور بلندی سو فٹ تھی، اس میں سو پھاٹک تھے، کارتھج انتیس میل کے دور میں تھا، ایتھنس کا طول پچیس میل تھا، اس میں تین لاکھ پچاس ہزار شہری اور چار لاکھ غلام آباد تھے، قدیم روم کی دیوار کا قطر تیرہ میل تھا، اہرام مصر کی انتہائی اونچائی چار سو بیس فیٹ ہے، اسکا ہر ضلع نو سو ترپن فیٹ اور رقبہ گیارہ ایکڑ ہے، اس کے پتھر ساٹھ فیٹ لمبے ہیں، اور اس کی دو سو نو تہیں ہیں، اس کی تعمیر میں تین لاکھ بیس ہزار آدمیوں نے کام کیا، مصر کی مشہور بھول بھلیاں میں تین سو حجرے اور بارہ بڑے کمرے ہیں، مصر کے شہر طیبی کے کھنڈرات ستائیس میل تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کھنڈرات میں سو پھاٹک ہیں، ڈیانا کا مندر سو برس میں تعمیر ہوا، ڈلفس کے مندر (یونان) میں اتنی دولت تھی کہ ایک کرور پونڈ ایک وقت میں لوٹا گیا تھا اور نیرو یہاں سے دو سو بت لے گیا تھا،

امریکہ میں غذاؤں کی اصلاح و ترتیب

امریکہ کے عام باشندوں کی غذا کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے گذشتہ جون میں ممالک متحدہ امریکہ کے نو سو ڈاکٹروں اور غذاؤں کے ماہرین کا اجتماع واشنگٹن میں ہوا، جنھوں نے روزمرہ غذاؤں کی ایک فہرست شائع کی ہے جس کی پابندی کرنے سے ان کا خیال ہے کہ امریکہ کے باشندوں کی صحت اور تندرستی قائم رہیگی، روزانہ ایک پائنٹ دودھ (ایک پائنٹ ایک گیلن کے آٹھویں حصہ کے برابر ہوتا ہے) گوشت کی مقدار حسب خواہش ایک انڈا یا اسکی جگہ پر بجری سیم (؟) دو قسم کی ترکاریاں جنمیں سے ایک کا رنگ سبز ہو یا زرد، دو قسم کے پھل جنمیں سے ایک میں وٹامن سی ہونا چاہئے، روٹی کا آٹا بالکل خالص ہونا چاہئے تھوڑا مکھن بھی ہو جو وٹامن لے کیلئے ضروری ہے، انکے علاوہ ایسی غذائیں بھی ہوں جن سے اشتہا رفع ہو، ان غذاؤں کے اخراجات موجودہ اخراجات سے پانچ گنے زیادہ ہو جائیں گے، "ص ع"

ادبیات

جبریل و ابلیس

از

پروفیسر اکبر منیر، ایم، اے،

یہ نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے باونویں سالانہ جلسہ اپریل سنہ ۴۱ء میں پڑھی گئی

انتساب: (نوجوان مسلمان کے نام)

فطرت کے انتقام کی خاموش بجلیاں ۔۔۔ بھرتی ہیں کوندکوند کے پیمانۂ عذاب
آدم ہوا ہے فتنۂ ابلیس کا شکار ۔۔۔ ہے شش جہت میں نارِ جہنم کا التہاب
عالم تمام عقلِ فسون ساز کا اسیر ۔۔۔ اس مارِ پیچ پیچ سے کھاتا ہے پیچ و تاب
اے مسلمِ جوان! تجھے اسلام کی قسم ۔۔۔ کب تک رہیگا بادۂ غفلت سے مستِ خواب؟!
تاریکیوں میں چھپ گیا رخسارِ زندگی ۔۔۔ حسنِ عمل کے نور سے کر اسکو بے حجاب
حسنِ عمل ہے آئینۂ دینِ مصطفےٰ ۔۔۔ حسنِ عمل ہے شیشۂ اسلام کی شراب
مدت سے تیرے حسنِ عمل کی ہے منتظر ۔۔۔ گردوں پہ چشمِ انجم و خورشید و ماہتاب
تہذیب کا جہان میں تو آخری امین ۔۔۔ جبریلؑ کے پیام کی تو آخری کتاب

اسلام کیا ہے؟ عشق کا پیغام آتشیں
اسلام کیا ہے؟ دعوتِ قرآں کا انقلاب

دے شامِ غم کو صبحِ مسرت کی روشنی
اے خنجرِ ہلال ہو شمشیرِ آفتاب

خمخانۂ حجاز سے لا ساغرِ حیات
دے آدمی کو فتنۂ ابلیس سے نجات

جبریل و ابلیس

(شاعر)

شاعرِ شیریں نوا، آہوئے گردوں خرام
فرش پہ اس کا قدم، عرش پہ اسکا مقام

نورِ سخن پروری، پر تو پیغمبری
عاشقِ حق کا سرود، عاشقِ حق کا پیام

عشق کی گرمی سے شعر، برق فشاں برقِ خنجر
عشق کی مستی سے شعر، جامِ مئے لعل فام

عشق کے ساز سے جب چشمِ تخیل ہو مست
خنجرِ تقدیر کو، دیکھتی ہے بے نیام

عشق سے ہے تیز پا، عشق سے ہے تابناک
زندگیِ بے مقام، زندگیِ خوش خرام

عشق چراغِ حیات، عشق شرارِ حیات
عشق کے گلشن سے ہے حسنِ بہارِ حیات

دامنِ کہسار تھا، غیرتِ باغِ خلیل
بن رہی تھی آبجو، آئینۂ سلسبیل

نور سے آئینہ پوش، بزمِ جہاں تھی خموش
دے چکی تھی چاندرات دن کو پیامِ رحیل

وادیِ گلزار کو، لگ رہے تھے چار چاند
آتشِ سیال تھے، سبزۂ دکشتِ تخیل

دور فضا میں کہیں، شور ہوا یوں بلند
سیل میں ہوں جس طرح، وادیِ جیحون و نیل

خندۂ ابلیس سے گونج اٹھی کائنات
جنبشِ بیم میں تھے، بال و پرِ جبرئیل

دل تھا ہمہ آرزو، دل تھا ہمہ جستجو
راز کی تھی گفتگو، مین نے سنی موبمو

ابلیس

خطۂ مغرب سے پھر اٹھا ہے طوفانِ جنگ خون سے خاکِ فرنگ ہوتی ہے پھر لالہ رنگ
کوہ و بیابان مین جنگ، شہر و خیابان مین جنگ برف کے تودون مین جنگ، بحر کی موجون مین جنگ

اٹھے ہین یورپ کے مرد، لائے ہین ہم نبرد نیزہ و تیر و تبر، خنجر و توپ و تفنگ
خون کا سیلاب ہے، آدمِ خاکی کا دل تیرتا پھرتا ہون مین، خون مین مثلِ نہنگ
میرا نفس شعلہ ریز، میرا نفس شعلہ خیز مجھ سے دلون کی ترنگ، مجھ سے دلون مین امنگ
لاکھون ہین فتنے مرے جنمین سے ہین ایک دو فتنۂ تہذیب و رنگ، فتنۂ ناموس و ننگ
مشرق و مغرب زمین سب مرے زیرِ نگین میرے ہین روم و حبش، میرے ہین چین و فرنگ

مکر سکھاتا ہون مین فتنے اٹھاتا ہون مین
برق گراتا ہون مین آگ لگاتا ہون مین

وادی و دشت و جبل بن رہے ہین لالہ زار آدمِ خاکی کا خون، میرے چمن کی بہار
پھیل گئین شش جہت خون کی رنگینیان خون سے زمین لعل رنگ، خون سے فلک لعل بار
آدمِ خاکی تھا خام، بے خرد و بے مرام مین نے کیا ہوشیار، مین نے کیا پختہ کار
دم سے میرے ہین بپا، پھیلے ہین جا بجا محفلِ رقص و سرود، مجمعِ جام و قمار
سایۂ تہذیب مین، پل رہے ہین علم و فن کر رہا ہے آدمی، میرا ہنر آشکار
آدمی زادون کا قتل آدمی زادون کے ہاتھ آدم و حوا کی نسل، ہو گئی میرا شکار
گردشِ خنجر ہون مین، غرشِ تندر ہون مین ابر میرا مرگ بار، تیغ مری زہر دار

دشمنِ انساں ہوں میں فتنہ، دوراں ہوں میں
آگ کا دریا ہوں میں، خون کا طوفاں ہوں میں

(جبریلؑ)

اے ہمہ فتنہ نگاہ! اے ہمہ برقِ گناہ! محفلِ ارض وسما، کفر پہ تیرے گواہ
قلب ترا شعلہ زار، چشم تری مرگ بار تیر ترا بے خطا، ضرب تری بے پناہ
حال مجھے کچھ بتا، قافلۂ عشق کا جن کی تھی بانگِ درا اشہدان لا الٰہ
امتِ خیر البشر، فتنہ و شر کی سپر خنجرِ حق کی شہید، دینِ خدا کی سپاہ
شوق تھا جن کا نماز، ذوق تھا جنکا جہاد تیغ تھی جن کی زبان، تیر تھی جن کی نگاہ
حاملِ تیغ و کتاب، محرمِ موت و حیات چومتے جن کے قدم، مشتری و مہر و ماہ
جن کا تھا کیف و سرور، اللہ اکبر کا نور بادشہی میں فقیر، فقر میں شاہوں کے شاہ

قافلۂ عشق مست، قافلۂ حق پرست
دوست کی الفت سے مست دوست کی الفت سے ہست

(ابلیس)

میرے نفس سے ہے گرم خونِ دلِ کائنات کرتا ہے جبریل تو، اگلے زمانے کی بات
ہوگئے عاشق ترے، راہیِ ملکِ عدم دیر سے ماتم میں ہیں، راوی و نیل و فرات
تو نے سکھایا جنھیں اشہدان لا الٰہ میں نے بنایا انھیں بندۂ لات و منات
میرے فسوں سے وہ آج مرگ ہم آغوش ہیں مرگ ہے اُن کی حیات، مرگ ہے اُن کی ممات

ان کی جبین سے عیاں، غیر کے در کا نشان ان کے دلوں میں نہاں بتکدۂ سومنات

دور ہے ابلیس کا مردِ مسلماں کہاں!
حاملِ قرآں کہاں عاشقِ یزداں کہاں!!

ہو چکا ہنگامۂ عشق کا جوش و خروش "امتِ مرحوم" کی انجمنیں ہیں خموش
جذبۂ توحید کو میں نے کیا پاش پاش ضرب مری بے خراش ضرب مری بے خروش
کھل گئے افرنگ میں میرے نئے میکدے اُن سے شراب ہا و ہوان سے ہے اب ناؤنوش
ساقیٔ افرنگ کی، نرگسِ افسوں طراز چھینتی ہے دین و دل، لوٹتی ہے عقل و ہوش
بادۂ افرنگ سے مست ہوئے شیخ و شاب شاب ہیں ساغر بکف شیخ ہیں مینا بدوش

خنجرِ ابلیس آج، فاتحِ ایام ہے،
جاتا ہوں جبریل اب موسم آرام ہے،

ابلیس؛ تنہا۔ فضاے نیلگوں میں ہنگام پرواز)

ملتِ اسلام کی، ختم ہوئی ہاؤ ہو ٹوٹ گئے عشق کے شیشہ و جام و سبو
پھر بھی ہے آنکھوں پہ اُ دینِ پیمبر کا ڈر آدم خاکی کے چاک سیتے ہیں جس سے رفو
جذبۂ حق سے جری نسل و وطن سے بری پھاندتا ہے شش جہت، روندتا ہے چار سو
وحدتِ ادیاں کا وعظ، کرتا ہے یہ شہر شہر وحدتِ انساں کا وعظ، کرتا ہے یہ کو بکو!
دیتی ہے اس کی کتاب، درس مساوات کا درسِ مساوات ہے، قتل گہ آبرو
ملک خدا ہے زمیں! آدمی اس کا امیں! فتنۂ صد انقلاب! مرقدِ صد آرزو!
حرمتِ سود و ربا، پردۂ شرم و حیا محفلِ ابلیس سے، کرتے ہیں بیگانہ خو
اس کا نظام جہاد، قاتل شر و فساد لاتا ہے ذوقِ حیات، دیتا ہے جوشِ نمو

مذہبِ صوم و صلوٰۃ، مذہبِ حج و زکوٰۃ — فتنۂ بے آب و تاب! فتنۂ بے رنگ و بو!

اس کی شریعت تمام، فتنۂ پیکار خیز — اس کی طریقت تمام، فتنۂ پیکار جو!!

فتنۂ چالاک ہے، ولولۂ لا الٰہ — فتنۂ بیباک ہے، جذبۂ اللہ ہو!!

ڈر ہے یہ فتنہ کہیں، کل کو قیامت نہ ہو

مجمعِ جمہور میں، اس کی امامت نہ ہو

(جبریل - تنہا - بارگاہِ خداوندی میں)

تیرا ہے فرشِ زمیں، تیرا ہی عرشِ بریں — تیری کتابِ مبیں، تیرا رسولؐ امیں

ذات تری بے نیاز، ذات تری کارساز — تو ہے جہاں کی پناہ، تو ہی جہاں آفریں

آدمِ سینہ فگار، پھر ہوا اس کا شکار — اٹھا ہے پھر وہ لعیں، کھینچ کے شمشیرِ کیں

پھر ترے خاکی نژاد، پھر ترے قدسی نہاد — تیرے جہاں کے امیں، تیری زمیں کے مکیں

طائرِ بسمل صفت، پنجۂ ابلیس میں — ہوتے ہیں زار و نزار، کھوتے ہیں جانِ حزیں

برگِ خزاں کی طرح، گر رہے ہیں ماہ رو — قطرۂ باراں صفت مٹ رہے ہیں مہ جبیں

تیرتے ہیں خون میں، لوٹتے ہیں خاک میں — سینکڑوں حورانِ عین، لاکھوں غزالانِ چیں

غم سے دلِ آفتاب، جل کے ہوا ہی کباب — دردِ کے طوفان میں، غرق ہے ماہِ مبیں

چرخ پہ قدسی ترے، ہو رہے ہیں شرمسار — خلد میں حوریں تری، ہو رہی ہیں شرمگیں

مشعلِ اسلام سے، عشق کے پیغام سے — تو نے جہاں کو دیا، نورِ امید و یقین

کیا ہوا میرا پیام؟ کیا ہوا قدسی نظام؟ — جس سے تھی بزمِ زمیں، غیرتِ خلدِ بریں

دعوتِ قرآنِ پاک، لائی تھی جو انقلاب

خوش تھے اُسے دیکھ کر، چرخ، مہ و آفتاب

(ندائے غیب)

ہو گیا سینوں میں سرد، عشق کا جوشِ جنوں
عقل کی گردن پہ ہے، آدمِ ناداں کا خوں

خنجرِ تہذیب سے، کٹ رہی ہیں گردنیں
خنجرِ تہذیب سے، ہو رہے ہیں سرنگوں

تیشۂ تہذیب نے، لاکھوں تراشے صنم
پھر بھی نہ حاصل ہوئی، دولتِ امن و سکوں

مسلم کافر ضمیر، لاکھوں بتوں کا اسیر
بن گیا شیدائے دیں، طالبِ دنیا و دوں

عشقِ خداوند پاک، ہر صفت تابناک
وادیٔ ظلمات میں آج بھی ہے رہ نموں

اہلِ جہاں کی نجات، عشق کا پیغام ہے
عشق کا پیغامبر، شاہدِ اسلام ہے

ہیں ابھی لاکھوں جہاں پردۂ تقدیر میں
عقل کی زنجیر میں، عشق کی شمشیر میں

آدم و ابلیس کی کشمکشِ بے خروش
خاک کو بدلیگی پھر، جوہرِ اکسیر میں

آدمِ قدسی نہاد، پائے گا اپنا سراغ
عشق جہانتاب میں، عشق جہانگیر میں

سینوں میں اُبھریگا پھر، ولولۂ لا الٰہ
غوطہ لگائیں گے دل، آتشِ تکبیر میں

مرگ ہو یا زندگی، عشق کا ہے امتحاں
فتنے ہیں سب آب و گِل، عشق کی تعمیر میں

عقل کا صیدِ زبوں، کر رہا ہے غسلِ خوں
پل رہا ہے خون میں، عشق کا جوشِ جنوں

مطبوعات جدیدہ

خدا کی باتیں، مرتبہ و مترجمہ مولنا احمد سعید صاحب دہلوی نائب صدر جمعیۃ علماے ہند دہلی
تقطیع بڑی ضخامت ۲۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت: ۱عہ پتہ:- دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی،

اصل عربی میں احادیث قدسی کے کئی مجموعے موجود ہیں ان میں سے بعض کا ترجمہ بھی اردو میں ہو چکا ہے، مولنا نے ان تمام مجموعوں سے انتخاب کر کے اور اس میں بعض احادیث قدسیہ بڑھا کر "خدا کی باتیں" کے نام سے اس کا ترجمہ کیا ہے اس لئے یہ مجموعہ گویا سب مجموعوں کا خلاصہ اور عطر ہے، جا بجا احادیث کے اجمال کی تشریح و توضیح بھی کر دی ہے، اس مجموعہ میں عقائد، عبادات معاملات اخلاق آداب امر و نواہی اور ترغیب و ترہیب سے متعلق کئی سو صحیح احادیث قدسی ہیں، بعض بعض ضعیف حدیثیں بھی شامل ہو گئی ہیں، جن کی کہیں کہیں تصریح کر دی گئی ہے مولانا کے ترجمہ کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، دیندار مسلمانوں کے لئے یہ مجموعہ ایک قیمتی تحفہ ہے،

ہندوستان اور مسئلہ امارت مؤلفہ مولنا عبد الصمد صاحب رحمانی تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت: ۱۲ر پتہ: دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

مسلمانوں کی دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہندوستان میں امارت شرعیہ کے قیام کی ضرورت ایسی بدیہی ہو کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں

کے دوسرے اختلافی مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن گیا ہے، اور کچھ لوگ امارت کے لئے سیاسی قوت کو ضروری شرط تصور کرکے ہندوستان میں اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں، فاضل مؤلف نے اس کتاب میں کلام اللہ، احادیثِ نبوی، کتبِ فقہ، ائمہ و فقہاء کے فتاویٰ اور اسلامی تاریخ سے امارتِ شرعیہ کی دینی اہمیت اور ہندوستان میں اس کے قیام کی ضرورت کو دکھایا ہے اور اس کے خلاف جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان کی تشفی بخش تردید کی ہے کتاب کے شروع میں مولنا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ایک مقدمہ ہے جو بجائے خود اس مسئلہ کی دینی حیثیت اور ضرورت پر ایک مفید تبصرہ ہے، جو لوگ اس کو دین و مذہب کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں انھیں ضرور یہ کتاب پڑھنی چاہئے،

دوسری جنگ عظیم، مؤلفہ: جناب محمد مرزا صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۱۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت: عہ پتہ: کتب خانہ علم و ادب، دہلی،

آجکل ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس سے موجودہ جنگ کے اسباب اور شروع سے اب تک اس کی پوری روداد معلوم ہو سکے، لائق مؤلف نے یہ کتاب لکھ کر اس ضرورت کو پورا کر دیا، اس میں انیسویں صدی کے آغاز سے یورپ کی سیاست پر اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اس زمانہ کے سیاسی نشیب و فراز اور اس سے پیدا شدہ نتائج، گذشتہ جنگِ عظیم، موجودہ جنگ کے اسباب اور ۱۵ رمئی ۱۹۴۱ء تک اس کی پوری روداد معلوم ہو جاتی ہے، یہ کتاب ہر شخص کے پڑھنے کے لائق ہے، خصوصاً جن لوگوں کو مسلسل اخبار دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا انھیں اسے ضرور پڑھنا چاہئے، اس میں اس جنگ کی مسلسل اور پوری تاریخ مل جاتی ہے،

محشر خیال از سجاد انصاری مرحوم تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت نفیس قیمت مجلد قسم اول سے رقسم دوم عہ غیر مجلد عہ پتہ:۔ خان الیاس بمبئی

قزولِ باغ دہلی،

سجاد علی انصاری مرحوم بڑے ذہین، طباع اور خوش مذاق نوجوانوں میں تھے، ادب انشا کا ان میں ابداعی ملکہ تھا، ان کی انشا، فلسفہ و شاعری کی لطیف آمیزش کا دلکش نمونہ ہے لیکن افسوس ان کی جوانا مرگی نے ان کی ادبی صلاحیتوں کو پھولنے پھلنے کا موقع نہ دیا اور ان کی ادبی یادگار چند مضامین، ایک ناتمام ڈرامے، اور چند نظموں اور غزلوں سے زیادہ نہیں ہے، مرحوم کی وفات کے بعد خواجہ منظور حسین صاحب ایم اے نے "محشر خیال" کے نام سے ان مضامین کو مرتب کیا تھا، اب پندرہ سولہ برس کے بعد اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس میں ایک ناتمام ڈرامے اور جناب آل احمد صاحب سرور کے مقدمہ کا اضافہ ہے، یہ مقدمہ اپنی جگہ پر خود ایک مستقل چیز ہے، مرحوم کی ذہانت و طباعی تجدد اور انقلاب کی جانب منتقل ہو گئی تھی، چنانچہ وہ سوسائٹی کے بہت سے مقرر کردہ حدود و قوانین کے خلاف اپنے جداگانہ نظریئے رکھتے تھے، ان کا مرکز تصور حسنِ نسوانی اور ان کا مشرب خوش مذاقی اور زندہ دلی تھا، ان کے سارے خیالات اسی مرکز کے گرد چکر لگاتے تھے جس سے ان کے بہت کم مضامین خالی ہیں ان کے خیالات رنگین اور قلم شوخ نگار تھا اور اس کی جولانیاں مذہب کے حریم قدس تک پہنچ جاتی ہیں، اس لئے جابجا اُن کے خیالات مذہب سے متصادم نظر آتے ہیں، لیکن ان کے بعض سنجیدہ مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں سوءِ عقیدہ سے زیادہ شوخ نگاری کو دخل تھا، درحقیقت یہ مضامین اس دورِ زندگی کے ہیں جب انسان رنگین تصورات کی دنیا میں مست رہتا ہے اور خیالات کی آزادی اور اپج ہی کو ذہنی کارنامہ تصور کرتا ہے اور اگر علم و ذہانت کی مدد بھی اس میں شامل ہو گئی تو ان خیالات میں علمی شان پیدا ہو جاتی ہے، یہی حال ان مضامین کا ہے، اگر مرحوم پختہ عمر کو پہنچتے تو ان کا یہ رنگین فلسفہ بہت کچھ سنجیدگی سے بدل جاتا، پھر بھی چونکہ وہ فطرۃً ذہین تھے اسلئے

"محشر خیال" میں بھی کہیں کہیں "حقیقت" کی جھلک نظر آجاتی ہے جسے ادبی حکمت کا درجہ دیا جا سکتا ہے، بہرحال یہ مجموعہ اسکے بعض خیالات سے قطع نظر نفس ادبی حیثیت سے اُردو ادب میں اختراعی درجہ رکھتا ہے۔" "م"

شمع ۔ (ناول) مصنفہ اے۔ آر۔ خاتون دہلوی، ضخامت ۴۸۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت: عہ پتہ ملنے کا پتہ جلال منزل، کوچۂ پنڈت، دہلی،

یہ ایک ناول ہے جس کو دہلی کی ایک پردہ نشین خاتون نے لکھا ہے، اور یہ اپنی زبان، پلاٹ اور کردار نگاری کے لحاظ سے اردو کے بہت اچھے ناولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے، اس کی زبان شروع سے آخر تک شستہ، صاف اور سلیس ہے، تحریر میں کہیں گنجلک، تصنع اور آورد نہیں، الفاظ وہی استعمال کئے گئے ہیں جو عام طور سے گھروں میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں، اور تعجب یہ ہے کہ ۴۸۰ صفحے کی کتاب میں الفاظ اور جملوں کی ترکیب میں کہیں فارسی اضافت نہیں پائی جاتی ہے، پلاٹ کے قصہ میں ہندوستانی گھروں کی مختلف قسموں کی معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر کھینچی گئی ہے، ایک طرف ایسے گھر کا مرقع ہے جو نئی تعلیم کے اوصاف سے آراستہ ہے اور دوسری طرف ایسے گھر کے سبق آموز اور عبرتناک واقعات ہیں جو پرانی تہذیب کا مقلد ہے مگر قصہ میں نئی تعلیم کی تہربات کو سراہا گیا ہے اور نہ پرانی تہذیب کے ہر پہلو کی خواہ مخواہ تحقیر کی گئی ہے، بلکہ نئی اور پرانی تہذیب کے ملے جلے جلوؤں سے جو گھروں میں معاشرت اور فضا پیدا ہو سکتی ہے ان کو اس طرح روشن کر کے دکھایا گیا ہے کہ وہ ہندوستانی گھروں کے نمونے ہو سکتے ہیں، پھر اس میں کہیں پند و موعظت کا رنگ پیدا نہیں ہونے پایا ہے اور قصہ کا لطف برابر قائم رہتا ہے، اور معاشرت کے تمام روشن پہلو خود بخود سامنے آجاتے ہیں، پلاٹ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ شروع سے آخر تک مکالمے میں بیان ہوا ہے جو ناول نگاری کا بہت ہی مشکل فن ہے، مکالمے کی گفتگو بڑی سلیس اور بے تکلفانہ ہے، پلاٹ کے زیادہ واقعات گھر

کی چہار دیواری کے اندر ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہو بہو ہندوستانی نفسیات اور معاشرت کے مطابق ہیں، ان خصوصیات کے ساتھ ایک ناول میں جو رومانی اور حیرت انگیز واقعات ہونے چاہئیں، ان سے بھی یہ ناول خالی نہیں، شمع اور منصور کی محبت والفت میں عشق کے سارے کرشمے موجود ہیں، بے قراری، جاں سوزی، مایوسی اور آخر میں محبت کی فتح وکامرانی، مگر ان سب کے حدود متعین ہیں، ہیرو اور ہیروئن کے حرکات وسکنات میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو ہندوستانی شریف گھرانوں کے بلند معیارِ تہذیب سے گری ہوئی ہو، مصنف نے ہیروئن کے باپ اختر حسن کی موت کے بعد پھر اس کو جس طرح زندہ کیا ہے وہ پلاٹ کا بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ ہے، ناول کے کردار کے متعلق خود مصنفہ کا اپنا کوئی بیان نہیں ہے، پوری کتاب میں شاید ہی ان کے قلم سے دو چار جملے ایسے ملیں گے جن سے کسی فرد کی اچھائی یا برائی ظاہر ہوتی ہو، مکالمے اور پلاٹ کے واقعات سے اشخاص کے کیرکٹر خود بخود ذہن نشین ہوتے جاتے ہیں، جو ناول نگاری کا بڑا وصف ہے، شمع (ہیروئن) منصور (ہیرو) حلیمہ خانم قمر الحسن، اور طاہر کی سیرت کے مختلف پہلو بہت کامیابی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں، طاہر کی ظرافت کا معیار شروع سے آخر تک یکساں قائم رہتا ہے، ممکن نہیں کہ اس کے جملوں اور فقروں سے لبوں پر مسکراہٹ نہ آجائے، اور یہ مسلسل ظرافت کہیں گراں نہیں گذرتی،

میری دنیا از جناب سید عقیل احمد صاحب جعفری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، یہ غالباً مصنف خیرآباد ضلع سیتاپور سے ملیگی،

مصنفِ کتاب موروثی شاعر اور مذہب و ملت کا درد رکھنے والے مسلمان ہیں، انکی شاعری کا موضوع قومیات ہے، میری دنیا انکی قومی وسیاسی نظموں کا مجموعہ ہے، اس میں زیادہ تر سیاسی اور بعض تاریخی اور مذہبی نظمیں ہیں، ان میں شاعری کے مقابلہ میں واقعہ نگاری کو ترجیح دیگئی ہے، تاریخی اور مذہبی نظمیں زیادہ مؤثر ہیں، "ص ۲۱"

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ جس کو اہلِ نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۱۴۳ صفحے قیمت: ۱۲/

مختصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،

ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ/

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں۔

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں،

قیمت: عہ/ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲/

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے۔ مصنفہ: مولنا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۰ صفحے، قیمت: عمہ/

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسین رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہورِ اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۰، قیمت: ستے/

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اول سے مصطفٰی رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۰۰، قیمت: ستے/

جلد نمبر ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس المصنفین دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، **قیمت:** عہ/ ۲۰۲ صفحے

خلافت اور ہندوستان، آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸/ ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشا اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت: للعہ/ ۴۸۷ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، **قیمت:** سے/ ۳۹۶ صفحے،

تاریخ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلا وطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، **قیمت:** للعہ/ ۶۴۵ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظامِ حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انھی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل سوانح حیات، ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، **قیمت:** للعہ/ ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۸ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۱ء عدد ۴

مضامین

شذرات

اس نمبر کے سر مقالہ میں ایک اہم اسلامی مسئلہ کی تحقیق کی طرف حضرات علمائے کرام کو متوجہ کیا گیا ہے، امید ہے کہ ان میں سے وہ حضرات جو فقہی مسائل میں بصیرت رکھتے ہیں اس کی طرف توجہ فرمائیں گے، بحث صرف خالص فقہی نقطۂ نظر سے ہو، حشو و زوائد اور طعن و طنز سے پرہیز کیا جائے،

رحمت عالم کے ہندی ترجمہ کے لئے حسب ذیل اصحاب کی طرف سے امدادی رقمیں وصول ہوئیں،

ایک پروفیسر از حیدرآباد دکن	مار
ایک پروفیسر از رانچی بہار،	صہ
عبدالرزاق سیٹھ بن عمر از بمبئی،	عہ
حبیب الحق صاحب بھتیار پور مونگیر،	ہے

اس رقم میں سے اس کے ہندی ترجمہ میں ۵۰ روپیے خرچ ہوئے، باقی چھپائی میں تقریباً ۲۰۰ کی ضرورت ہوگی، فی الحال ۵۰ موجود ہے، باقی ۱۵۰ کی کمی ہے،

مولانا شبلی مرحوم کی مشہور تصنیف الکلام جس میں اسلامی عقائد پر مستقل بحث ہے، اب چھپ

ملی ہی لیکن اب دارالمصنفین نے اسکا ایک نیا اڈیشن شائع کیا ہے، جسکے شروع میں اڈیٹر معارف کے قلم کا ایک دیباچہ ہی جسمیں کتاب کے بعض مسائل پر تبصرہ ہی اور کتاب میں جا بجا مفید حواشی ہیں جن سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں، اور اگر کتاب میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو اسکی تصحیح کر دیگئی ہی، ان وجوہ سے اب یہ کتاب ان لوگوں کے لئے مفید بلکہ ضروری ہی، جن کے پاس اسکا پہلا اڈیشن ہو،

<•>

جس طرح کسی انسانی جسم میں فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں تو بخار، درد اور دوسرے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں اور جب وہ فاسد مادے نکل جاتے ہیں تو جسم میں صحت کا نور جھلکنے لگتا ہی، اسی طرح لڑائی دنیا کے جسم میں فاسد مادوں کے اجتماع کا لازمی نتیجہ ہے، اس لئے اگر اس وقت دنیا خون میں نہا رہی ہی، تو اس سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ممکن ہی کہ وہ اس غسل سے نکھر رہی ہو،

یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ جو قومیں اپنی قوت کے غرور میں خدا کو بھولی ہوئی تھیں، اس مشکل کے وقت میں اب اوسی کا سہارا ڈھونڈ رہی ہیں، بالشویک روس ابھی زندہ ہی مگر اس کے ماننے والوں کے ایمان میں فرق پیدا ہو چلا ہی یہاں تک کہ خود اس کو اپنی مذہبی ناطرفداری کا اعلان کرنا پڑا،

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا،

×

دولت کی بہتات، تمدن کے فساد اور اخلاق کے بگاڑ کا سبب ہے، اس لئے قرآن نے بتایا ہی، اور تاریخ نے اسکی تصدیق کی ہی کہ انسانیت کی بہت سی تمدنی برائیاں دولت کی افراط کا نتیجہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہی

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ	اور ہم نے کتنی آبادیوں کو جو اپنی دنیا کے عیش
مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ	میں اترا رہی تھیں برباد کر ڈالا، یہ ہیں ان کے
تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَ	رہنے کے مقامات جن میں پھر کوئی نہیں بسا
كُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ (قصص)	مگر کم اور ہم ہی اس کے مالک ہو گئے،

×

کم نگاہ انسان خدا کے ہاتھ کو گوشت پوست کی صورت میں اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھنا

چاہتا ہے؛ حالانکہ اس کے انتقام کا ہاتھ آگ، پانی، بجلی، زلزلہ، وبا، لڑائی، غرض ان مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے جن سے گنہگار قومیں ہلاک ہوتی رہی ہیں،

تاریخ کے ظاہر بیں برباد شدہ قوموں میں عاد، ثمود، فرعون، قوم صالح وغیرہ ناموں کو سنکر غیر تاریخی وجود کا شبہہ کرتے ہیں، حالانکہ غیر تاریخی یہ بھی نہیں، تاہم ان کی تاریخی قوموں میں بھی اس انجام کی مثالیں کم نہیں، قدیم یونانی کیا ہوئے، روم کے بسنے والے کہاں ہیں، کارتھیج کے بہادر کدھر گئے، سیتھینس کہاں ہیں، بابل، نینوی اور مصر میں خدائی کا دعوی کرنے والے کدھر گئے، ایران کے پاک نژاد کیانی کس سیلاب میں بہ گئے، سلجوق، غزنی، غوری، دیلم کہاں گئے، کیا ان میں سے ہر قوم قرآن پاک کے دعوی کی شہادت نہیں،

جو کچھ کل ہوا ہے وہ آج بھی ہوگا، عاد، ثمود، فرعون، نمرود کے مثالی پیکر ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور ہر زمانہ میں ہوں گے، ان کے پیکر بدلتے رہتے ہیں، لیکن حقیقت نہیں بدلتی اسی طرح قومی بربادیاں بھی ہر زمانہ میں بھیس بدل بدل کر آتی ہیں، مگر اسکی حقیقت عذاب الٰہی ہی کی ہے جو کبھی نہیں بدیگی، غفلت کا ماتا انسان جس طرح ہر مصیبت کو کسی مادی سبب کا نتیجہ بتا کر اپنی جگہ پر مطمئن ہو جاتا ہے اور آخر برباد ہو جاتا ہے، اسی طرح غفلت شعار قومیں بھی مادی اسباب میں چھپی ہوئی حقیقت سے ناآشنا رہ کر فنا ہو جاتی ہیں،

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ	اور کتنی آبادیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ
هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا	وہ گنہگار تھیں، تو وہ اپنی گری ہوئی چھتوں
وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ؆	پر بیکار ہو گئے ہوئے کنوؤں اور اونچے محلوں
(حج)	سمیت اجڑ گئیں،

مقالات

شریعتِ اسلام

اور

موجودہ ہندوستان مین کاشتکارونکے حقوق

زمیندار اور کاشتکار اور سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ شاید دنیا کی ساری لڑائیون سے زیادہ پرانی ہے، دنیا مین بیسیون مذہب اور تمدن کے اصول بنے اور بگڑے اور سب نے بقدر ضرورت اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی، مگر اصلاح کے مختصر دور کے بعد وہ مشکل پھر بعینہٖ قائم رہی، ایک زمانہ تھا جب زمیندار و سرمایہ دار برسر عروج تھے، اور وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، لیکن مشینون اور کارخانون کی کثرت اور سرمایہ داری کے عجیب عجیب ہتھکنڈون نے مزدورون اور کسانون کو مجبور کیا کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہون،

یہودی قوم نے نبوت و سلطنت کی خدائی نعمتون سے محرومی کے بعد جب سے خدا کے غیظ و غضب اور لعنت کی مستحق ٹھہری ہے، دنیا کی ہر آفت اور گمراہی کی رہنمائی کا فرض اپنے ہاتھ مین لے لیا ہے، دنیا کے عظیم الشان مذاہب یہان تک کہ عیسویت اور اسلام مین نئے نئے مذہبی فتنون کی پیدایش کی خدمت انہی نے انجام دی، ایک فرانسیسی

نے بائیس برس ہوئے کہا تھا کہ یورپ میں جو فتنہ اٹھتا ہے خوب غور سے دیکھئے تو اس کے اندر کسی نہ کسی یہودی کا ہاتھ ملے گا،

اس وقت یورپ اور امریکہ کے سب سے بڑے دولتمند مہاجن اور سرمایہ دار یہودی ہین، دوسری طرف عوام کی رہبری کا منصب حاصل کرنے کے لئے اور اپنی قوم کے سوا دوسرون کو سرمایہ داری کی لعنت سے بچانے کے لئے بھی انہی کا ہاتھ بلند ہوا، کارل مارکس یہودی کی کتاب اس نئی شریعت کا صحیفہ ہے، روس کا انقلاب انہی کے ہاتھون عمل مین آیا، اور ملک کی اکثریت پر انہی کی کثرت نے قبضہ جمایا،

بہرحال یہ ایک ضمنی بات تھی، اور عجب نہین کہ ان چند سطرون کی خاطر مجھے صفحون کی سخت تنقید برداشت کرنی پڑے،

سوال یہ ہو کہ آیا اسلام جو دین و دنیا دونون کی برکتین لیکر آیا، اور جس کا نظام عمل ہر قسم کے نظامات سے بہتر اور مکمل ہے، وہ اس باب مین کیا کہتا ہے، اس سلسلہ مین سب سے پہلے ایک خاص مسئلہ سے بحث ہے، جس کی اہمیت ہندوستان مین روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور بڑھتی جائے گی، یعنی کسانون اور کاشتکارون کے حقوق، عام متداول کتب فقہ مین یہ مسائل پوری تفصیل سے نہین ملتے، جستہ جستہ علماء کے اشارات اور اجتہادات ہین، اور ایک شخص کا تنہا شریعت کے کسی ایسے مسئلہ پر جس مین اجتہاد و اختلاف کا دروازہ کھلا ہو ذمہ داری کے ساتھ لکھنا مشکل ہے، اور لکھا بھی جائے، تو اس کا قبولِ عام حاصل کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، اسکی شکل یہی ہے کہ ہر فریق اپنے دلائل سے پورے سکون اور ہمدردی کے ساتھ دیانۃً دوسرے کو مطلع کرے تاآنکہ مسئلہ کا ہر پہلو روشن ہو کر صورت مسئلہ منقح ہو جائے اور مسلمانون کے عمل اور کاروبار کے لئے راستہ کھلے،

ناقِ وقت سے چند مہینے ہوئے کہ کلکتہ سے ایک استفتاء موصول ہوا جس پر بعض علما ء
ء جوابات تحریر تھے، اسی سلسلہ مین خیال ہوا کہ اسی استفتے کو بنیاد بنا کر تحقیق کا دروا زہ
ولا جائے، اور علماے کاملین سے استصواب کیا جائے، اور درخواست کی جائے کہ وہ
ں کے متعلق پوری دیانت اور متانت سے تحریر فرمائین، اس فتوے مین مولانا مفتی کفایت اللہ
احب کی تحریر بہت مختصر ہے، مجھے معلوم ہے کہ بعض اور علماے دیوبند و تھانہ بھون نے
ی اس مین وہی رائے ظاہر کی ہے جو جناب مفتی صاحب نے ظاہر کی ہے، مگر ضرورت
ہے، کہ اس پر مفصل دلائل پیش کئے جائین، مین نے جناب مفتی صاحب دام فضلہ سے زبانی
ی اور تحریراً بھی عرض کیا ہے، کہ وہ فرصت کا وقت نکال کر اس اہم مسئلہ پر توجہ
رمائین کہ آیندہ مسلمانون کی معاشی زندگی کا تعلق اس سے اور بھی روز بروز زیادہ
ڑھتا جائے گا، اور کاشتکارون کے حقوق اور وسعت پائین گے،

یہ بات ذہن مین رہے کہ دائمی استمراری بندوبست صرف بنگال وبہار اور یوپی کے
دو تین مشرقی اضلاع مین ہے، اس میں اراضی حکومتِ وقت کی براہِ راست ہین جیسا کہ
مجھے معلوم ہوا ہے،

والسلام

سید سلیمان ندوی

استفتاء

کیا فرماتے ہین علماے دین مسائل ذیل مین،

(۱) کاشتکاری پرجہ کو عرف مین موروثی کہتے ہین زمیندار کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ خود
ن مین کاشت کرے یا کسی دوسرے سے کاشت کرائے، اور پیداوار کو اپنے تصرف مین لائے

اورجو لگان سرکاری طور پر مقرر ہوچکا ہے، وہی لگان زمیندار کو ادا کرے، زمیندار کو اس مین سوائے لگان مقررہ کے اور کوئی حق نہین، نہ وہ کھیت نکال سکتا ہے اور نہ لگان ہی زیادہ کرسکتا ہے، توکیا یہ کاشت کاری شرعًا درست ہے یا نہین ؟

(۲) ان اطراف مین موروثی کو رہن بھی رکھتے ہین، اور روپئے سے اپنا کام چلاتے ہین اس قسم کی موروثی رہن رکھنا شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) اگرکسی کاشتکار کا انتقال ہو جائے اور تین لڑکے ایک لڑکی چھوڑے، تو اس کی کاشت کاری سے وراثت جاری ہو گی یا نہین، بصورتِ اول تخریج کس طرح ہو گی ؟

الجواب

(۱) موروثی کاشت کا قانونًا کاشت کار مالک ہے، زمیندار نے اس قانون کو قبول کرلیا ہے، اس لئے جب تک قانون رائج ہے، یا یہ قانون نہ بھی ہو، اور زمیندار مقررہ حق لینے پر راضی رہے، تو درست ہے، واللہ اعلم

(۲) رہن جائز ہے مگراس سے انتفاع ناجائز ہے، واللہ اعلم،

(۳) وراثت جاری ہو گی، اس لئے کہ قانون نے اسکو مالک بنادیا ہے، واللہ اعلم

ابوالبرکات عبدالرؤف عفی عنہ

الجواب

عــ۱۲ جوابکے تینون نمبر درست نہین، نمبر اول کا جواب یہ ہے کہ یہ قانون غیر شرعی ہے اور زمیندار کا اسکو تسلیم کرنا خوشی و رضا مندی سے نہین ہے، بلکہ مجبوری سے ہے، اس لئے کاشت

فرض ہے کہ یا تو وہ زمیندار کی حقیقی رضامندی حاصل کرے یا زمین چھوڑ دے (نمبر۲) کاشت کار زمین کا مالک نہیں اس کو صرف حق کاشت حاصل ہے، جو قانون رائج الوقت نے مثل ملک کے قرار دیا ہے، اس لئے حقِ کاشت کی رہن تو نہیں، مگر موجر کی اجازت حقیقی ہو تو کاشتکار اجارہ پر دے سکتا ہے (نمبر۳) اس حق کاشت میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی، اور قانون نے بھی کاشت کار کو زمین کے رقبہ کا مالک نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے قبضہ کو مستقل کیا ہے، اور وراثت حکم شرعی ہے، وہ کسی قانون خلافِ شریعت اساس پر جاری نہیں ہوسکتا،

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

از مولنا عبدالرؤف صاحب

۱۔ جہاں تک میں سمجھ سکا یہ اعتراضات کسی صحیح فقہی اصول پر مبنی نہیں ہیں، اگر ہندوستان دارالحرب ہے، تو مستامن قوانین کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے، اس کے علاوہ اراضیات کے ملک میں زمیندار کا قانون کو قبول کر لینا اور کاشت کار سے بجز مقررہ حق وصول کرنا زمیندار کی رضامندی کی دلیل ہے،

۲۔ کاشت کار زمین میں ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، اور مالک وہی ہے جو ملک میں ہر طرح کے تصرف کا حق رکھے، زمیندار حقِ مقررہ لینے کے سوا زمین میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا اسلئے وہ مالک نہیں ہوسکتا،

۳۔ جب کاشت کار مالک ہے، جیسا کہ نمبر۲ سے معلوم ہوا، تو اس میں شرعاً وراثت بھی جاری ہوگی،

یہ مسائل بڑے اہم ہیں اور اس میں بڑی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں، اس کا اثر سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی معیشت پر پڑے گا، چونکہ جناب مفتی صاحب نے یہ تحریر لکھی ہے اس لئے

امید ہے کہ اس مسئلہ پر وہ زیادہ تعمقِ نظر سے غور فرمائین گے، اور موجودہ حالات کو پیش نظر رکھکر اس مسئلہ کو صاف فرمائین گے،

اس ملک مین نہ اسلامی قانون رائج ہے، نہ کاشتکار یا زمیندار منفرداً اس کو بدل سکتے ہین، اس قانون کے قبل زمینداروں کا صحیح اصول سے زمین کا ہر جگہ مالک ہونا ثابت ہوتا ہے، تاریخون سے ثابت ہے کہ بہت جگہ ان کا غاصبانہ قبضہ تھا، یا باغیانہ دخل تھا، قانون نے ملک وحقوق کا ایک فیصلہ کیا، ملک کے باشندے بجبر یا بخوشی اس قانون پر رضامند ہو گئے،

کیا غیر اسلامی ملک مین جہان قانون مسلمانون کے اختیار مین نہ ہو، وہان یہ فتوی دینا جائز ہے، کہ اُس ملک کے قانون کے موافق زمین سے کسی طرح کا انتفاع حاصل کرنا مسلمانون کے لئے جائز نہین ہے، کیا اس طرح کی کوئی نظیر موجود ہے، ؟ اسلئے جب تک قانون بدلا نہ جائے، زمین کا مالک کاشتکار ہے، اسکو قانوناً بیع وشرار و اجارہ ورہن اور ہیئت کا تغیر وتبدل کرنا اور ہر طرح کے تصرف کا اسکو قانوناً حق ہے، زمیندار کو کسی طرح کے تصرف کا کوئی حق نہین، وہ صرف مقررہ مالگذاری لے سکتا ہے، اسی قانون کی بناء پر عرصۂ دراز سے عمل ہے بیع وشرا جاری ہے، اور قانونی طور پر تبدیلِ ہیئت ہو چکی ہے، اب تو وہ زمیندار ہین، جو زمینداریان خریدتے وقت بھی جانتے تھے، کہ زمین مین تصرف کا ہمین کوئی حق نہین، وہ ملک کا دعوی کرتے ہیں نہ کر سکتے ہین، فقط واللہ اعلم

ابو البرکات عبد الرؤف ۰ ار شوال ۱۳۵۷ھ

۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء

توضیح ہندوستان کی کاشت کا مختلف علاقون مین مختلف انتظام ہے، بعض جگہ حکومت واسطہ زمیندار، ان کے خود کاشت کاردن سے خراج وصول کرتی ہے، اور زیادہ مقامات

مین یہ انتظام ہے کہ حکومت حقِ شاہی زمینداروں سے وصول کرتی ہے، اور زمیندار کاشتکارون سے مالگذاری لیتے ہین،

حکومت کا عام شاہی قبضہ ملک کی اراضی پر تھا، اور کاشت کار حکومت کی اجازت سے (بضرورتِ کاشت) اس پر متصرف تھے، درمیان مین یہ زمیندارون کا طبقہ کیسے پیدا ہوا، یہ قابل تحقیق ہے، جہان تک تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے، زمینداری کی پیدا ہونے کی وجہ مختلف ہے، شاہی زمانہ مین مختلف وجوہ سے کچھ علاقے معزز اشخاص کو دیدیے جاتے تھے، شاہی خراج ان کو دینا پڑتا تھا، کاشتکارون سے مالگذاری وصول کرنا یا کاشت کاری کا بدل دینا، ایک سے لیکر دوسرے کو دیدینا، یا بلا واسطہ خود اپنے ہاتھ سے یا اپنے ملازم سے کاشت کرانا، یہ سب حق ان کو حاصل تھے، ایسی زمینداریان بعض جگہ وراثۃً کسی خاندان مین چلی آرہی ہین، یا بیع وشرا کی وجہ سے مختلف لوگون مین منتشر ہوگئی ہین، مگر اختیارات وہی باقی ہین، دوسری قسم زمینداری کی یہ ہے کہ شاہی سلطنت جب کمزور ہوگئی، تو مختلف قوی اور طاقتور اشخاص بعض بعض علاقون پر قابض ہوگئے، اور وہان کے کاشتکارون سے جبرًا مالیہ وصول کرنے لگے، اور مالک بن گئے،

ایسی زمینداریان ان کے خاندان مین موجود ہین، یا انہی خاندانون کی بیچی ہوئی دوسرے خاندانون مین منتقل ہوگئی ہین، یہ قبضہ کرنے والے زیادہ تر ڈاکو اور مفسد لوگ تھے، یا مرہٹے جو اس وقت خودسر ہوکر ہر جگہ ظلم کر رہے تھے، تیسری قسم یہ ہے، کہ انگریزون نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا، تو کاشتکارون سے مالیہ وصول کرنے کے لئے ایک ایک محدود علاقہ ایک ایک آدمی کے ساتھ بندوبست ہوتا تھا، میعاد مقررہ کے بعد دوبارہ اسی پہلے آدمی کے ساتھ بندوبست ہوجاتا تھا، کیونکہ وہی علاقہ کے حال سے واقف ہوتا تھا، دوسرے کیساتھ بندوبست کرنے مین

دقتین پیش آتی تھین، البتہ مالیہ کے تخمینہ مین ہر بندوبست کے وقت فرق ہوجاتا تھا، اور اکثر مقدار بڑھادی جاتی تھی، موروثی حق کا قانون جس کو مفتی صاحب ناجائز اور غیر شرعی کہتے ہین اوسکی بنیاد یہ ہے کہ یہ اخیر قسم کے زمیندار جن کا مالیہ ہر بندوبست کے بعد بڑھ جاتا ہے تنگ آ کاشت کار کا مالیہ وہ بڑھاتے تھے، تو کاشت کار ادا نہین کرسکتا تھا، اور کاشت کاری تم پر زیادہ مالیہ کی وجہ سے کوئی راضی نہیں ہوتا تھا، پھر کاشت کار کو یقین نہین تھا، کہ کھیت میرے پاس کب تک رہے گا، اس لئے نہ وہ کھیت مین محنت کرتا تھا اور نہ کھاد وغیرہ مین اپنا خرچ کرکے کھیت کو اچھا بنانے کی کوشش کرتا تھا، اس پریشانی کی وجہ سے خود ان ہی نے حکومت پر بندوبست (پرمانٹ سٹلمنٹ) کے لئے زور ڈالا، اور دائمی بندوبست یہی ہوا کہ حکومت مالیہ نہ بڑھائے، اور نہ نیا بندوبست کرے جو لوگ اتنی (مقررہ) مدت سے علاقہ کا بندوبست کر رہے ہین، اور مقررہ مالیہ ادا کر رہے ہین، جب تک وہ یہ مالیہ ادا کرتے رہین حکومت اس علاقہ کو دوسرے کیساتھ بندوبست نہین کرسکتی، اسی طرح زمیندارون کو حق نہین ہوگا کہ وہ کاشت کارون کا مالیہ بڑھائین، اور نہ یہ حق ہوگا کہ جب تک وہ مقررہ مالیہ ادا کرتے رہین، اون سے کھیت لیکر دوسرے کو دین، حکومت اور زمیندار کے اتفاق سے بنگال اور بہار مین سب سے پہلے (پرمانٹ سٹلمنٹ) کا قانون نافذ ہوا، اور اسی قانون کی وجہ سے زمیندار اور کاشت کار دونون کی حالت ترقی کرگئی، اور زمین د کاشت بالکل ہی بدل گئی، سونا دینے کی زمین ہزار کی ہوگئی، اس تجربہ کے بعد تمام ہندوستان کے لئے دائمی بندوبست کا قانون بہتر سمجھا گیا، زمیندارون نے بھی بہتر سمجھا اور کاشتکارون نے بھی،

پرمانٹ سٹلمنٹ کے بعد زمیندار کاشتکارون سے مقررہ مالگذاری کے سوا اور کچھ نہین لے سکتے تھے، مگر انھون نے یہ شروع کردیا کہ ایک کاشت کار کا وارث جب مورث کی جگہ قابض ہوتو

سے سلامی کے نام سے ایک بڑی رقم وصول کرتے تھے، یا کاشت کار جب اپنی کاشت
کے نام سے منتقل کرتا تھا، تو اوس سے سلامی طلب کرتے تھے، دوسرے اور تیسرے قسم
یندارون کو جائز طور پر یہ حق کبھی نہ تھا، اور پرمانٹ سٹلمنٹ کے بعد تو صریح طور پر اس قسم کے حق
خود دست بردار ہو چکے تھے، اور اسی دست برداری کے نتیجہ کے طور پر کاشت کی وراثت
ت کی بیع وشرا کا اختیار کاشت کار کو دیا گیا، پہلی قسم کی زمینداریان بہت کم رہگئی
اور جہان ہے وہ بھی پرمانٹ سٹلمنٹ کے ٹوٹ جانے پر راضی نہین ہون گے، حق وراثت کا
ن دائمی بندوبست کی فرع ہے، اور دائمی بندوبست زمیندارون ہی کوشش سے ہوا پھر نہ
م مفتی صاحب کس بنا پر کہتے ہین کہ زمیندار اس سے راضی نہین ہین،

اگر پرمانٹ سٹلمنٹ اٹھ جائے تو بنگال اور بہار مین زمینداری کوئی چیز نہین رہتی، بمبئی، پونا،
در، اڑیسہ، سی پی وغیرہ کی زمینداریان بھی باقی نہ رہین گی، یو پی مین جہان برٹش تحصیل کا علاقہ
، وہان بھی یہی حال ہوگا،

صرف ان علاقون مین جہان تعلقہ داری ہے ذرا حالت مختلف ہے، مگر بغیر دائمی بندوبست
، اُن کو کچھ نہین ملتا، زمین خراب ہوجائیگی، پیداوار گھٹ جائیگی، زمین بنجر بن جائیگی، اس لئے زمیندار
مانٹ سٹلمنٹ کا ٹوٹنا گوارا نہین کرسکتے، اگر سٹلمنٹ ٹوٹ جائے، تو حکومت کو اختیار رہجائیگا،
وہ جس قدر ٹکس مین اضافہ کرنا چاہے کرسکتی ہے جس سے زمیندار کاشت کار سب پریشان ہوجائنگے
سٹلمنٹ کی رضامندی کے یہ معنی ہین، کہ زمیندار اس بات کو قبول کرتا ہے، کہ وہ کاشتکار
پر لگان سٹلمنٹ کے معاہدہ کے خلاف نہ اضافہ کرسکتا ہے نہ کاشت کار سے زمین لے سکتا ہو
تواب کاشتکار کی ملکیت مین کیا باقی رہا، جب سٹلمنٹ مین یہ طے پاگیا، اور زمیندار کی رضامندی
سے بلکہ زمیندار کی خواہش پر طے پایا، کہ وہ کاشت کار کے قبضہ سے کاشت کو لے نہین سکتا، صرف

مقررہ مقدار مالگذاری کی اس کو ملنی چاہیئے، اور کاشت کارون کو جب یہ یقین دلایا گیا تو انھون نے محنت اور خرچ کرکے زمین کی حیثیت کو بڑھا دیا، بنجر زمینون کو آباد کرایا، جس مین معمولی چیز بمشکل پیدا ہوتی تھی، اوس مین اعلیٰ قسم کی چیزین پیدا ہونے لگین،

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ غاصب کے فعل سے شئے مغصوب مین زیادہ ترقی ہوجائے، اور زیادہ نفع کا ذریعہ بن جائے، تو غاصب اوس کا مالک ہوجاتا ہے، اور مغصوب منہ اس کا مالک نہین رہتا، تو کاشت کار جس نے حکومت اور زمیندار دونون کی اجازت کے بعد اپنی محنت اور مال سے زمین کو اس قدر ترقی دی ہو اس میں اوس کی ملکیت کیون ثابت نہ ہوگی، اور اس کی محنت کا مالک زمیندار کیون ہوجائے گا، وہ زمیندار اور حکومت کا مقرر کیا ہوا حق زمیندار کو ادا کر رہا ہے، باوجود اس کے اوس کاشت کی پیداوار اس کے لئے کیون حلال وطیب نہ ہوگی،

مذکورۂ بالا وجوہ کے بعد غالباً اس میں تردد کی کوئی وجہ نہین رہی کہ کاشت کا مالک کاشت کار ہے، زمیندار نہیں، اور اوس کو ان تمام تصرفات کا حق ہے جو مالک کو اپنی ملک مین حاصل ہوتا ہے،

ابوالبرکات عبدالرؤف عفی عنہ
قادری داناپوری

هوالموفق للصواب

جواب کے ہر سہ نمبر صحیح ہین، ملک شرعًا اختصاص العمل فی حق التصرف کا نام ہے، (بدائع ۵ بیع ۳) اور جب اختصاص مصطلح موروثی کاشتکاری میں کاشت کار کو حاصل ہے، تو ظاہر ہے کہ وہی مالک ہوگا، لہذا اس کا تصرف درست ہوگا، رہن رکھنا اور وراثت کا جاری ہونا سب ملکیت کی فرع ہین،

لہذا ہر دو امر بھی جائز ہون گے، علاوہ ازین ہندوستان کے غیر مسلم مقبوضات کو دارالاسلام کہنا مشکل ہو، اور دار الحرب ہونے کی صورت مین سابق ملکیت باقی نہین رہی، اموال واملاک غیر معلوم ہو جاتے ہین، ایسی حالت مین تسلط واستیلا ید حافظ وید ناقلہ تملیک کے لئے کافی ہے، البتہ مستامن ہونے کی صورت مین عہود کی رعایت واجب ہے، اور غیر مستامن ہونے کی صورت مین وہ بھی نہیں، عہد کے مطابق قوانین کو تسلیم کر چکنے کے بعد تسلیم کرنے والے مستامن کے لئے جبری وغیر شرعی قانون بتلا کر ناقابل عمل بتلانا محل تامل ہے، واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عمیم الاحسان مجددی برکتی عفی عنہ مفتی دارالافتا جامع مسجد ناخدا کلکتہ، یکم ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

دار العلوم دیوبند کا ماہانہ رسالہ

دار العلوم

مدت مدید سے مخلص اور دیندار مسلمان اپنے دینی وعلمی مرکز دار العلوم دیوبند کی طرف سے ایک علمی ؤ مذہبی رسالہ کے اجرا پر مصر تھے، الحمد للہ کہ ان کی یہ آرزو پوری ہو گئی اور بلا واسطہ دارالعلوم کی ملکیت والکابر علماے دیوبند کی سرپرستی ونگرانی مین رسالہ دار العلوم جاری ہوگیا،

رسالہ کے معیار کی بلندی اور اسکی خوبیون کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس مین جماعت دیوبند کے جلیل القدر علما کے بیش قیمت مضامین مسلسل شائع ہون گے،

رسالہ دار العلوم کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہو کہ مسلمان جس صحیح اور قابل اعتماد مذہبی رہنمائی کی امید اپنے مذہبی مرکز دار العلوم دیوبند سے رکھتے ہین، اُسے صرف یہی رسالہ پورا کر سکتا ہے،

اس رسالہ کا کوئی تعلق کسی شخص کی ذات سے نہین بلکہ براہ راست دارالعلوم سے ہے یہی اسکی ساکھ اور استحکام کی سب سے بڑی ضمانت ہو مخلص اور دیندار مسلمانون سے توقع ہو کہ وہ اس رسالہ کے معاونین مین شامل ہونا اپنا اہم ضروری جماعتی فریضہ تصور فرمائین گے، کاغذ وغیرہ کی انتہائی گرانی کے باوجود سالانہ چندہ صرف دو روپیہ ہے نمونہ مفت طلب فرمائین، وی پی طلب کرنیکے بجائے اپنا اور اپنے احباب کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائین

عبد الوحید ناظم ومرتب رسالہ دار العلوم دیوبند

تیموری شاہزادون کا علمی ذوق

از

سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے

"شاہان تیموری کے علمی ذوق کا سلسلہ ناظرین معارف مین پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تھا، لیکن درمیان مین سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کی طویل علالت کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، اب اس کا باقی حصہ پیش کیا جاتا ہے، سلسلہ کے لئے نومبر ۳۰ئہ کا معارف ملاحظہ ہو"

"م"

ہندوستان مین تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ مین ہمایون کے علاوہ آٹھ اور لڑکے پیدا ہوئے، کامران، عسکری، ہندال، الور، باربل، فاروق، شاہ رخ اور احمد جن مین موخرالذکر پانچون کا انتقال اسی کی زندگی ہی مین ہو گیا تھا، ہمایون، کامران، عسکری اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے، اور اسکی علم پرور صحبت مین تعلیم و تادیب سے فیضیاب ہوئے، اوس کی موت کے بعد اس کے لڑکون کو وراثت مین تنہا اسکی شجاعت اولوالعزمی اور پامردی نہین، بلکہ علم و ہنر کا شوق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا،

مرزا کامران | بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لئے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی، اور اس کے ادبی مذاق کے لئے اپنی تزک اس کے مطالعہ مین دی، اوس کے ذوقِ شعری کو

فروغ دینے کیلئے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے اشعار تحفے میں بھیجے، اور پھر علم و ہنر کی چاشنی کے لئے جہان گیا، وہاں کے کتب خانوں سے اوس کے پاس کتابیں بھیجیں، چنانچہ بابر کی کوششیں رائگان نہیں گئیں، مرزا کامران سخن گوئی و سخن دری کا مالک بنا،

اس کا ایک دیوان زمانہ کی دستبرد سے معلوم نہیں کیسے کتب خانہ خدابخش خان پٹنہ میں محفوظ رہ گیا ہے، اس میں مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہیں، ترکی میں ۸۰ غزلیں تین قطعات چھبیس رباعیات چودہ مثنویات اور کچھ مفردات ہیں، اسی طرح فارسی میں ۲۷ غزلیں تین قطعات چار رباعیات، چار چھوٹی چھوٹی مثنویات اور ایک ساقی نامہ ہے، فارسی کلام کو پروفیسر محفوظ الحق صاحب مدظلہ (پرنسپل پریذیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کرکے ایک پر مغز مقدمہ کیساتھ معارف پریس میں چھپوا کر شائع بھی کردیا ہے جو اسوقت میرے پیش نظر ہے،

میرزا کے کلام میں مضامین کی جدت اور خیالات کی بلندی نہیں لیکن تغزل کا پورا رنگ موجود ہے، مثلاً :-

با رقیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را	یارب آسان کن بمن این حالت دشوار را
وہ چہ باشد بے قراران را وہد صبر و قرار	آنکہ می بخشد خرام آن سرو خوش رفتار را
در تکلم لعل او زنیسان کہ می ریزد گہر	چون نگہ دارم ز گریہ چشم گوہر بار را
غیر جانان در جہان چیزی نپندار و دگر	ہر کہ بردارد ز پیش این پردۂ پندار را
کامران نامد مرا جز دوست چیزی در نظر	تا بکام خویش دیدم دولت دیدار را
اے قد رعنای تو سرو گلستان حسن	روی دلآرای تو لالۂ بستان حسن
روی خوش مہوشت تازہ گل باغ لطف	سرو قد دلکشت نخل گلستان حسن
شمس و قمر را نماند ماہ رخا رونقی	تا تو برآوردۂ سر ز گریبان حسن

میرزا جب عشقِ مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کی کیفیات منظوم کرتا ہے، تو نسبتہً زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے، مثلاً

زینسان کہ جمالِ خود آراستہ می آئی | دو زخ شکست آری در عشق بیفزائی
چون چہرہ بیارائی رخسارہ برافروزی | خود گوئی کجا ماند آئینِ شکیبائی
گر سر بگریبانم در ناظرِ خو بانم | در سینہ تو پنہانی در دیدہ تو پیدائی
از صفحۂ رخسارت صد نکتہ بیاد آید | اے وائے ازان روزی کان رابخطا آئی
گفتی کہ اسیرِ دانم گر خوانم و گر رانم | من بندۂ فرمانم ہر نوع کہ فرمائی
گر دیر نشین سازد ور رہبرِ دین سازد | ما رانبود یارا او راست توانائی
سودائے کسی دارد با زاین سر بے سامان | جائے ہوسے دارد با زاین دلِ ہرجائی

میرزا کے کلام میں اس قسم کے صوفیانہ جذبات کی کمی نہیں، دیوان کا آغاز تو ایک ایسی غزل سے ہوا ہے، جس میں شروع سے آخر تک صوفیانہ احساسات اور معتقدات ہیں،

چون مقصود نشد ہیچ کسے رہبرِ ما | بعد ازین خاکِ درِ پیرِ مغان و سرِ ما
کار ما چون زدرِ بستۂ زاہد نہ کشود | بو کزین پس زخرابات کشاید درِ ما
بار گی سست و شب تیرہ و رہزن کمین | وائی گر ہادی لطفت نشود رہبرِ ما
خو گرفتیم بدرد و غم عشقت بفرست | دم بدم دردو غمے بر دلِ غم پرورِ ما
دہ کہ از شوق دلم می طپد و مضطربم | می رسد مژدۂ وصلی مگر از دلبرِ ما
کامران سوختم از آتشِ ہجرانِ کسے | کہ بکویش نرسد ذرۂ خاکسترِ ما

ایک رباعی میں بھی یہی خیالات موجزن ہیں،

یارب زکرم دری بروئیم بکشای | زنگِ غم از دلِ حزینم بزدای

پیوند من از جملہ علائق بگسل — از ہر دو جہان سوی خودم راہ نمائی

ایک قطعہ میں کچھ پند و موعظت بھی ہے،

اے برادر ز من شنو سخنے — کہ ازان بہرہ ور شوی شاید

دل بکارِ جہان منہ کہ ازان — بارِ غم بر دلِ تو افزاید

کارِ عقبیٰ بساز ورنہ ترا — کار و بارِ جہان چہ کار آید

کامران کی ہنگامہ خیز زندگی اور اس کا دردناک انجام نظر کے سامنے ہو تو یہ قطعہ کتنا مؤثر اور عبرت انگیز ہو جاتا ہے، ایک مثنوی کی تمہید میں تو اوس نے شاید اپنی زندگی کا مرقع ہی کھینچ دیا ہے،

تا چہ سازد جہانِ بے سر بن — غافل از مکرِ آسمانِ کہن

رفت کارم ز دست دوست (از کار) — نیست کارم بغیر نالہ زار

نے ز نخلِ امید من ثمرے، — نے ز تخمِ نشاط و عیش برے

نکشاید دلم ز باغ و بہار — نیست مقصودِ من ز جلوہ نگار

اس کی تمنا تھی کہ

بیا ساقی آن مے کہ خالی رہد — ز دنیا و عقبیٰ خلاصی دہد،

اور یہ پوری ہوئی، وہ دنیا کے ہنگاموں اور آلودگیوں سے کنارہ کش ہو کر ساقی حقیقی کے اصلی میخانہ میں مخمور اور سرشار ہو کر جان بحق ہوا، یعنی اوس کی وفات ایام حج میں ہوئی،

میرزا کی شعر گوئی محض اسکی ذہانت و ذکاوت کا نتیجہ تھی، وہ حالات سے متاثر ہو کر اشعار موزون کرتا، اور کبھی کبھی فی البدیہہ اور برجستہ کہتا تھا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

باپ کے مرنے کے بعد زمانہ کی عام روش کے مطابق وہ بھی تخت و تاج کا خواہاں ہوا، بابر نے اپنی زندگی میں اوس کو قندھار کی مملکت عطا کی تھی، لیکن اوس کے مرنے کے ساتھ ہی سلطنت کی ہوس میں اوس نے لاہور پر بھی قبضہ کر لیا، ہمایون نے اپنے باپ کی وصیت اور کچھ اپنے مصالح کے خاطر کامران کے خلاف کوئی جارحانہ تدبیر نہ کی، بلکہ ایک فرمان لکھکر اسکو کابل اور قندھار کے علاوہ پنجاب کا بھی مالک بنا دیا، کامران نے متاثر ہو کر شکریہ میں ہمایون کی خدمت میں مندرجۂ ذیل غزل پیش کی،

حسنِ تو دمبدم افزون بادا | طالعت فرخ و میمون بادا
ہر غباری کہ ز راہت خیزد | کحلِ چشمِ منِ محزون بادا
خاک کو از رہِ لیلیٰ خیزد | جاے او دیدۂ مجنون بادا
بندہ حلقہ بگوشِ توچو من | صد چو دارا و فریدون بادا
ہر کہ گرد تو چو پرگار نگشت | او ازین دائرہ بیرون بادا
کامران تا کہ جہان راست بقا | خسرو دہر ہمایون بادا

ہمایون نے اس غزل کے صلہ میں کامران کو حصار فیروزہ انعام دیا،[1]

---

[1] اکبرنامہ جلد اول ص ۱۲۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے تذکرہ ہفت اقلیم کے استناد سے لکھا ہے، کہ مذکورۂ بالا غزل کے علاوہ یہ غزل بھی اس موقع پر بھیجی تھی،

چشم بر راہ تو داریم شد ایامے چند | وقت آن شد کہ نہی جانب ما گامے چند
آنکہ ہرگز نفرستی سوی ما پیغامے چند | چہ نشود گر کندم شاد بدشنامے چند
تا کسے میل دلم را بر خت پے نبرد | دولتِ وصلِ تو خواہم ولآرامے چند
بہر صید دلِ ما دانۂ خالِ تو بس است | ہر دم از زلف منہ بر سر ما دامے چند

مگر دونون بھائیون کی یہ شفقت و محبت بہت دنون تک قائم نہ رہی، اپنے اپنے مصالح کی بنا پر دونون ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے، اور آپس کے نفاق سے دونون کو بُرے دن دیکھنے نصیب ہوئے، ہمایون کو اپنے باپ کی سلطنت سنبھالنی تھی، وہ چارون طرف سے دشمنون کے نرغہ مین گھرا ہوا تھا، اسے دشمنون کو پسپا کرنا، ان کی مملکتون کو تسخیر کرنا اور تیموری سلطنت کی بنیاد رکھنی تھی، اوس کو امید تھی کہ اس کے بھائی اوس کی غمگساری اور رفاقت کرین گے، لیکن کامران نے باپ کی ہمت مردانہ اور جوشِ عمل وراثت مین پایا تھا، وہ کیونکر باپ کے تخت و تاج کے حصول مین اپنی قسمت آزمائی نہ کرتا، چنانچہ وہ ہمایون سے الگ ہو کر اس کا حریف بنا، ہمایون نے شیر شاہ سے پے درپے شکستیں کھائین، کامران نے ان شکستون سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن وہ اپنی قسمت کے لکھے ہوئے کو کیونکر مٹا سکتا تھا، ہمایون جب تیرہ سال کی آوارہ گردی کے بعد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی کے لئے لوٹا، تو پہلے اوس نے اپنے بھائیون کے خلاف جنگ کی، کامران اس وقت کابل مین تھا، دونون بھائیون مین سخت جنگ ہوئی، کامران قلعہ مین محصور ہو گیا، مگر دونون تک لڑائیان جاری رہین، جب لڑائی طول کھینچی تو ہمایون نے بھائی کو ایک رقعہ لکھا، جس کو ابوالفضل نے اس طرح درج کیا ہے:

"اے برادر بدخواہ اے عزیزِ جنگ جو از تدبیر این کار (کہ باعث کارزار و موجب قتل آزار مردم ہشیار است) باز آئی، و بر مردم شہرے و لشکرے رحم نمائے، امروز این ہمہ مردم کہ کشتہ می شوند فردائے قیامت،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۰)

ما خوابا سگے در ندیم تو با ما منشین،	حیف باشد کہ نشینی تو بہ بدنامے چند
کامران این غزلِ تو ہمایون بفرست	باشد از سال کند سوے توانامے چند

بود خون آن قوم در گردنت بود دست آن جمع در دامنت

ہمان بہ کہ بر صلح راے آوری طریق مروت بجاے آوری

مگر کامران نے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی مین سرشار ہو کر یہ شعر لکھ بھیجا،

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار وہد[۱]،

اس جنگ مین کامران کو شکست ہوئی، لیکن وہ اپنی شکست ماننے کو تیار نہ تھا، موقع

موقع سے وہ ہمایون کے خلاف جنگ کرتا رہا، لیکن قسمت نے اس کا کبھی ساتھ نہ دیا، ایک بار

شکست کھا کر سلیم شاہ سوری کے دربار مین پہونچا، وہان اوس کو امید تھی، کہ ہمایون کے

خلاف اوسکو امداد ملے گی، لیکن یہان اس کی امید کیا برآتی، کہ اس کو ہر قسم کی ذلتین اٹھانی پڑ

سلیم شاہ نے پہلے اسکی علمیت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی تاریخ داؤدی مین ہے،

"مرزا کامران از ملازمت ہمایون بادشاہ فرار نمودہ بہ سلیم شاہ التجا آوردہ، در مجلس اول

سلیم شاہ براے آزمایش طبع کامران میرزا سہ بیت یکے از اشعار اہل عراق دوم از فضلاے

ہندوستان وسوم از شعراے افغان آوردہ گفت چگونہ شعر است کامران مرزا گفت از خوبیہاے

شعری پرسید یا این می فرمائید کہ اشعار کیست، سلیم شاہ گفت می خواہم کہ بدانم کہ این اشعا

ہر سہ بیت اشعار کیست، کامران گفت بیت اول کہ خواندید شعر مغل عراق است، بیت

دوم از شعراے اہل ہند است و بیت سوم شعر افغان است، سلیم شاہ و جمیع حاضران

از کمال فہم و فراست مرزا کامران آفرینہا نمودند"

پھر بھی سلیم شاہ کے درباری اوس سے تمسخر کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ اپنی ذہانت اور گویائی

سے ان کو خاموش رکھتا تھا، ملا بدایونی لکھتے ہین:-

---

[۱] اکبرنامہ جلد اول ص ۳۰۴

"سلیم شاہ گاہے میرزا را طلبیدہ مشاعرہ می کرد و صحبت بناخوشی می گذشت و میرزا از ان تکلفات و تواضعات بسیار بجان آمدہ از عمر و زندگی بیزار گشت و فرصت جست فرار می جست و افغانان با وی زبان ہندی ہزلے می کردند، و چون بدربار می آمد می گفتند، مورو (مرغ) می آید، میرزا از یکے مقربان بحضور سلیم شاہ پرسید کہ مورو کرا می گویند او گفت مردے عظیم الشان را می گویند، میرزا گفت برین تقدیر سلیم شاہ خوش مورو باشد و شیر شاہ ازان ہم خوشتر بود"[1]

ایک موقع پر سلیم شاہ نے کامران کو اپنا شعر سنانے کو کہا، کامران نے جل کر برجستہ یہ شعر پڑھا

گردش گردون گردان گردنان را گرد کرد

بر سر اہل تمیزان ناقصان را مرد کرد

سلیم شاہ بہت خفیف ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہین، کہ

"سلیم شاہ فحوائے کلام را دانستہ واین ادا را فرو بردہ بعد کلان پنہانی حکم فرمود تا میرزا چشم بند نگاہ دارند"[2]

کامران یہان سے نکلا تو ادھر ادھر بھٹکتا رہا، کابل جارہا تھا کہ ہمایون کے آدمیون کے ہاتھون گرفتار ہوا، کامران نے بے بس ہو کر ایک عرضداشت لکھ بھیجی[3] لیکن کامران کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کا وہی حشر ہوا جو تیموری سلطنت کے ہزیمت خوردہ دعویدارون کا

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۹۰ [2] ایضاً [3] اکبرنامہ جلد اول ص ۳۲۴، پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مسٹر بیورج کے ایک مضمون (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابتہ سنہ ۱۹۰۳ء ص ۱۲۲-۱۱۵) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس عرضداشت کے ساتھ کامران نے معذرت مین ایک غزل بھی بھیجی تھی، مسٹر بیورج کو یہ غزل اکبرنامہ کے ایک قلمی نسخہ بلگرام مین ملی تھی، لیکن افسوس ہے کہ مسٹر بیورج نے اس غزل کو اپنے مضمون مین نقل نہین کیا، اور نہ یہ غزل اکبرنامہ کے مطبوعہ نسخہ مین موجود ہے،

ہو اگیا ہے، اسکی آنکھون کی روشنی زائل کردی گئی، جب اس نعمت سے وہ محروم ہوگیا، تو اسکا محبوب غلام بیگ ملوک اس کے پاس آیا، وہ اوس کے ہاتھون کو اپنی آنکھون سے لگاتا اور یہ شعر پڑھتا تھا،

ہر چند کہ چشمم برخت پردہ کشیداست
بیناست بچشمی کہ بسی روی تو دیدست [1]

کتنا حسرتناک شعر ہے، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہمایون بھی اس کا عبرتناک انجام دیکھنے آیا، ہمایون جب اوس کے پاس پہنچا، تو کامران نے استقبال مین یہ اشعار پڑھے

زقدر و شوکت سلطان نگشت چیزی کم　　زالتفات بہ مہمان سرای دہقانی
کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید　　کہ سایہ بر سرش افگند چو تو سلطانی

ان کو سُن کر ہمایون پر گریہ طاری ہوگیا [2]

کامران کے لئے دنیا اور دنیا کی نیرنگیون مین کوئی دلچسپی باقی نہین رہی تھی، ہمایون جب کابل جارہا تھا تو اوس نے سندھ کے پاس حج بیت اللہ کی اجازت مانگی، جو ملی، بھائی کو رخصت کرنے کے لئے ہمایون جب اوسکے خیمہ مین آیا، تو کامران کی زبان پر پھر دو چبھتے ہوے شعر تھے،

کلاہ گوشۂ درویش بر فلک ساید　　کہ سایہ ہمچو تو شاہے فگند بر سر او
برجانم از تو ہر چہ رسد جای منت است　　گر ناوک جفاست دگر خنجر ستم

ان اشعار کی خلش ابوالفضل نے بھی محسوس کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ بیت ثانی جانب شکر دارد، اما سخن شناس دریابد کہ از شکایت لبریز است،

---

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۳۲۹ [2] فرشتہ ص ۲۴۳ نولکشور پریس،

آنحضرت (کہ جہان مردمی و مہربانی بودند) اینہا منظوم نداشته رقمہا فرمودند[1]

کامران اپنے بچوں کو ہمایون کے حوالہ کرکے اپنی بیوی چوجک بیگم کے ساتھ حج کو چلا گیا، اور وہین زندگی کے بقیہ دن گذارے، تین بار حج کی سعادت سے مشرف ہوا، آخری بار جب حج کا فریضہ ادا کر رہا تھا، کہ منا کے میدان مین ۱۱ ذی الحجہ ۹۶۴ھ مین اپنے مالک حقیقی سے جا ملا، کامران کی موت کا قطعہ تاریخ کئی شعراء نے لکھا ہے[2]، مگر ملا بدایونی کو کامران کی ذات سے شاید بڑی دلچسپی تھی، انھون نے خاقانی کے اشعار مین اس کا ماتم کیا ہے،

ہرگز بباغ عہد گیا ہے وفا نہ کرد ہرگز ز شست چرخ خدنگے خطا نکرد
خیاط روزگار ببالائے ہیچ کس پیراہنے نہ دوخت کہ آنرا قبا نکرد
نقدے نہ داد دور کہ آنرا بدل نشد نردے نباخت دہر کہ آن را دغا نکرد

---

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۳۰۰

[2] مولانا قاسم کاہی نے مندرجۂ ذیل قطعہ لکھا:

کامران آنکہ بادشاہی را کس نہ بودست ہمچو او درخورد
شہ زکابل بکعبہ و آنجا جان بحق داد و تن بخاک سپرد
گفت تاریخ او چنین کاہی پادشہ کامران بکعبہ مرد

وتیسی نے لکھا،

شہ کامران خسرو نامدار کہ در سلطنت سنگ کیوان رساند
مجاور شد اندر حرم چار سال بکلی دل از قید عالم رہاند
ز بعد وقوف حج چارمین باحرام حج جان بجانان فشاند
چو در خواب وتیسی در آمد شبے عنایت نمود و سوی خویش خواند
بگفت از پے سعت از فوت ما بگو شاہ محرم در مکہ ماند

گردون در آفتاب سلامت گمانشاند کو را چو صبح روشن اندک بقا نہ کرد
خاقانیا بچشم جہان خاک در فگن کو در دو چشم دید ترا و دوا نہ کرد[1]

میرزا کی شعر گوئی کی تعریف ہر زمانہ کے مورخون اور تذکرہ نویسون نے کی ہے، بدایونی نے لکھا ہے :-

"ہمیشہ با علماء و فضلا صحبت می داشت و اشعارش مشہور است"[2]

داؤدی مین ہے :

"مرزا کامران در شعر آرائی و شعر فہمی طبیعت درست داشت"[3]

صاحب ہفت اقلیم کہتا ہے :-

"میرزا کامران در مضمار شاعری بر دو مرکب سواری نمودہ"

نواب حسین قلی خان عشق مؤلف تذکرۂ نشتر عشق نے لکھا ہے :

"طبع لطیف و معنی یاب داشت"

اس کے بعد میرزا کی موت پر جو قطعۂ تاریخ درج کیا ہے، اس مین بھی اس کی شعر گوئی کے سلیقہ کی داد ہے،

اخترِ برجِ سخن آن نکتہ دان دہ چہ شام از این جہان شد رہگرای
از سرِ جاہش بگفتم سالِ فوت کامران آسود در فردوس ہائے

مجمع النفائس کے مؤلف نے مرزا کامران کے حسبِ ذیل اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے،

باز دامانِ خود آن سرو بالا زدہ است کس بدامانش مگر دستِ تمنا زدہ است

۱ بدایونی جلد اول ص ۴۵۳ ۲ ایضاً ص ۳ تاریخ داؤدی قلمی نسخہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ،

عیب ما چند کنی قصۂ ضعان بشنو — کہ بیک جلوہ رہش دختر ترسا زدہ است

سوے مقصد نشد از ہیچ کسو رہبر ما — بعد ازین خاک در پیر مغان و سر ما

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہین:

"وے طبع موزون داشتہ و شعری چون در مکنون"

صبح گلشن مین ہے:

"طبع مستقیمش لطائف سخن را نیست و پناہ"

دیوان کامران کے مرتب پروفیسر محفوظ الحق صاحب رقمطراز ہین:

"میرزا واقعی غزل گو ہے، اور جو کچھ اوس نے کہا تیمناً، اس کے کلام مین صفائی اور سلاست کافی حد تک ہے، گو خیالات مین کوئی ندرت نہین، اور نہ کلام مین چندان پختگی معلوم ہوتی ہے لیکن طرز ادا قابل ستایش و داد ہے کلام برجستہ و بے تکلف اور نمکین ہے اور بعض اشعار مین تصوف کی بھی چاشنی ہے"[۵۱]

میرزا ابو القاسم شوکتی مرزا کامران کی اولاد نرینہ مین میرزا ابو القاسم بھی باپ کی طرح شاعر ہوا، شوکتی تخلص رکھتا تھا، ہفت اقلیم کا مولف اوس کو فطین و ذکی بتاتا ہے، اوس کے اصلی الفاظ یہ ہین:

"مرزا ابو القاسم در غایت فطنت و ذکاء و در نہایت ملاحت و صفا ....

بشعر گفتن میلی تمام داشتہ و بسخن نیک می رسیدہ و شوکتی تخلص می کردہ، این دو بیت

مر او راست"

---

۵۱ دیوان مرزا کامران مرتبہ پروفیسر محفوظ الحق صاحب،
(مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ)

یار ہر شانہ کہ در زلف بمن سازدہ است | نشتر غم بدل غم زدہ ما زدہ است
فضا بکشتن من این قدر شتاب مکن | بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن[1]

ریاض الشعراء کا مصنف لکھتا ہے کہ

"رخسارۂ حالش بزیور دانش وکمال آراستہ وپیراستہ بود"[2]

صبح گلشن میں ہے:

"در بزم و رزم بہیبت وشوکت قدم می گذاشت"[3]

میرزا ابوالقاسم اکبر کے حکم سے قلعہ گوالیار میں مقید رہا، اور آخر میں اوس کے حکم سے قتل کر دیا گیا، فرشتہ کی روایت ہے کہ قتل کے وقت اسکی زبان پر یہ شعر تھا،

فلک بکشتن من این قدر شتاب مکن | بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن[4]

اس کے بعد میرزا کامران کی کوئی اولاد نرینہ نہ رہی، اس لئے کسی نے اس کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا،

نماند از کامران نام و نشانی[5]

عسکری و ہندال | معاصر مورخون نے عسکری و ہندال کا ذکر شعراء کی حیثیت سے نہیں کیا ہے لیکن بعض تذکرون میں ان دونون کے نام شاعرون کی فہرست میں داخل ہیں،

مخزن الغرائب میں ہندال کی ایک رباعی ہے، جو ندرت کے لحاظ سے خوب ہے،

زان قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری | از ابر جدا کرد و بصد حیلہ گری
تا بر رخ گل چکاند از رشک پری | حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری

---

[1] ہفت اقلیم قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی [2] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی [3] صبح گلشن صفحہ ۳۳۹ [4] فرشتہ ص ۲۲۱ نولکشور پریس [5] ریاض الشعراء،

اسی مین عسکری کے مندرجۂ ذیل اشعار منقول ہین،

چنان بخود شدم از دوری آن گلعذار امشب | کہ ہردم گریہ ام آید بہ بے اختیار امشب
چنین کہ خو گرفتم با تنہائی تو | ہلاک می کندم آن قدر جدائی تو
گوشۂ میخانہ جائے دلکشائی بودہ است | بے تکلف گوشۂ میخانہ جائے بودہ است
اے عسکری از مست مدامی خوش باش | در معتقد بادہ و جامی خوش باش
گفتی بجز ابات نباشم بے او | با یار اگر درین مقامے خوش باش

شاہ ابو المعالی | ہمایون کی اولاد نرینہ مین اکبر کے علاوہ حکیم مرزا بھی تھا، اس شہزادہ کے ذوق علم کا ذکر معاصر مورخون نے نہین کیا ہی، لیکن ہمایون کا ایک داماد یعنی جوجک بیگم کی لڑکی اور میرزا حکیم کی بہن فخر النسا کا شوہر میر شاہ ابو المعالی ایک خوش مذاق شاعر تھا، اور شہیدی تخلص کرتا تھا، مآثر الامرا مین ہے:

"شاہ ابو المعالی خوش طبع و سلیقہ بشعر موافق داشت"[۱]

مرزا دانیال | اکبر کے تین لڑکے تھے، سلیم، دانیال اور مراد، جن مین دانیال فارسی اور ہندی کا شاعر تھا، اس کے ذوق شعری کا ذکر کرکے جہانگیر نے اپنی تزک مین لکھا ہی، کہ

"بہ تفنگ و شکارے کہ بہ تفنگ کنند میل تمام داشت، یکے از تفنگہاے خود را یکہ و جنازہ نام نہادہ بود، این بیت را خود گفتہ فرمود کہ بر آن نقش کنند"

از شوق شکار تو شود جان تر و تازہ | بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

اسکی ہندی شاعری کے بارے مین وہ رقمطراز ہے:

---

[۱] مآثر الامراء جلد سوم ص ۱۹۱ و ص ۱۸۷ ا نیز حالات کیلئے دیکھو اکبرنامہ جلد دوم ص ۱۹۸ و ص ۲۰۶ طبقات اکبری جلد دوم ص ۹۹-۶۵ ا منتخب التواریخ جلد دوم ص ۶۳-۵۰

"بہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بزبانِ اہلِ ہند و باصطلاحِ ایشان شعرے می گفت بدنبود سے[51]"

دانیال کے دربار میں شاعروں کا ایک مجمع رہتا تھا، انہی میں ملا محمد رضا نوعی (المتوفی ۱۰۱۹ھ) اور میر حیدری کفری تھے، ملا رضا خبوشان (خراسان) کے رہنے والے تھے، صغر سنی میں باپ کیساتھ ہندوستان آئے، مگر تھوڑے دنوں کے بعد وطن واپس چلے گئے، باپ کی وفات کے بعد پھر ہندوستان آئے، اور مرزا یوسف خان کے دربار میں ملازم ہوئے، اس کے ساتھ کشمیر گئے تو وہاں کی بہشت زار میں ان کی طبیعت میں بھی رنگ و بو پیدا ہوا اور طبع آزمائی کرنے لگے، نوعی تخلص رکھا، اشعار خواص و عوام میں مقبول ہونے لگے،

"رفتہ رفتہ بہ تقریبے بہ سمعِ مبارک شاہزادہ عالی جاہ شاہزادہ دان (یعنی دانیال) شاہ رسید آن قدر دان نکتہ سنجان از روے خواہش نوعی را از میرزا یوسف خان گرفتہ داخل بساط بوسان محفل حشمت و شوکت خود گردانیدہ.................... چون داخل مداحان آن شہزادہ عالی مقدار گردید، قصائد غرا در مدح آن جوان بخت عالی تبار گفت[52]"

مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے:

"شاہزادہ مومی الیہ (یعنی دانیال)، را صحبت مولائی مذکور پسند افتادہ در ترقی و تربیت او را کوشیدند و سر بے نیازی او را فرق فرقد سائی گردانیدند[53]"

دانیال کی فرمائش پر ملا نوعی نے ایک مثنوی "سوز و گداز" لکھی، جس میں ایک ہندو عورت

---

۵۱ تزک جہانگیری ص ۱۰، نولکشور پریس ۵۲ میخانہ مؤلفہ ملا عبدالنبی مرتبہ پروفیسر محمد شفیع
۵۳ مآثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۶۳۶۔

کے عشق کا قصہ مرقوم ہے، عورت کا شوہر بیاہ کے دن ایک چھت کے گر جانے سے دبکر مرگیا، وہ ستی ہونے چلی تو اکبر نے اسکو روکنا چاہا، لیکن شوہر کے عشق مین وہ آگ مین کود پڑی، اسی واقعہ کو نوعی نے دانیال کی فرمایش پر منظوم کیا ہے[۵۱]

نوعی کا قابلِ فخر کارنامہ "ساقی نامہ" ہے، جس کے صلہ مین میرزا عبدالرحیم خانخانان نے اسکو دس ہزار روپے، اور ہاتھی گھوڑے عنایت کئے تھے[۵۲]

میر حسین کفری بھی خراسان کا رہنے والا تھا، تیموریون کی علم نوازی کا شہرہ سن کر ہندوستان آیا، اور شاہزادہ دانیال کے سایۂ عاطفت مین پناہ لی، مآثر رحیمی مین ہے:

"مدتے ملازم شاہزادہ خورشید لوا شاہزادہ دانیال شد، و در ملازمت آن شاہزادۂ بختیار کمال تقرب و نزدیکے بہم رسانید، و قصائد غرا بمدح آن شاہزادہ گفتہ"

شاہزادہ کی وفات کے بعد عبدالرحیم خانخانان کی زر پاشیون سے سیراب ہوا[۵۳]

پرویز | جہانگیر کے لڑکون مین پرویز نے بھی علم و فن کی محفل سجائی، مگر اس محفل کو رونق دینے والے فضلا اور شعرا مین صرف دو نام ہم کو تذکرون مین ملے ہین، میرزا عبداللہ اور حکیم فغفور لاہجی، عبداللہ نیشاپور سے ہندوستان آکر پرویز کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوا تھا،

حکیم فغفور لاہجی طب، حساب، موسیقی اور شاعری کے فن مین یکتائے روزگار تھا، ایران سے ہندوستان آیا، اور دانیال کے دربار کو اپنے فضل و کمال سے پر رونق بنایا، پہلے رتمی پھر فغفور تخلص رکھا، حساب مین رسالہ اصابع اسکی ایک تالیف ہے[۵۴] (باقی)

---

۵۱ مآثر الکرام جلد دوم ص ۲۳ ۵۲ مآثر رحیمی جلد سوم ص ۶۳۳، ساقی نامہ میخانہ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع میں ملاحظہ ہو، نوعی کا ایک دیوان بنگال ایشیاٹک سوسائٹی مین موجود ہے ۵۳ مآثر رحیمی ص ۸۲۲ جلد سوم اس کلام کے نمونے بھی اس کتاب بھی مین گے ۵۴ ریاض الشعراء۔

حافظ جلال الدین سیوطی

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین

(۲)

حافظ سیوطی کے اصل علوم حافظ سیوطی کے اصل علوم، علوم شرعیہ تھے، حکمت و فلسفہ کے سلسلہ مین وہ کہتے ہین، کہ جب سے مین نے حرمتِ فلسفہ کی بابت ابن صلاح کا فتویٰ دیکھا، اس وقت سے مجھکو فلسفہ سے نفرت ہوگئی، اور اپنی توجہ کو علومِ شرعیہ کی طرف مبذول کردیا، خدا نے فلسفہ کے عوض مجھ کو حدیث مین وسعتِ نظر اور فہم کامل عنایت کی،

حساب کے متعلق سیوطی کا بیان ہے، کہ میرے لئے اس سے زیادہ سخت اور مشکل کوئی دوسرا علم نہین تھا جب کبھی مجھے حساب کے کسی مسئلہ سے سابقہ پڑا، تو مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ جیسے مین پہاڑ اٹھا رہا ہون،

حافظ سخاوی نے الضوء اللامع مین سیوطی کی اس کمزوری کا بڑا مذاق اڑایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بقول علامہ شوکانی یہ کوئی عیب نہین ہے اگر انسان کو تمام علوم مین مرتبۂ کمال حاصل نہ ہو، جس شخص کو جس مضمون سے دلچسپی ہوتی ہے اسی مین اسکا ذہن کام کرتا ہے،

سیوطی حسن المحاضرہ مین کہتے ہین، کہ خدا نے مجھے سات علوم مین تبحر عنایت فرمایا ہے، وہ علوم یہ ہین (۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) نحو (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع،

سیوطی کا خیال ہے، کہ فقہ کے سوا بقیان تمام علوم مین مجھکو وہ وسعتِ نظر اور بلند مقام

میسر آیا، جو میرے اساتذہ کو بھی نہیں ملا، البتہ فقہ میں میرے استاد بلقینی ہی کا پلہ بھاری ہے،

سیوطی کی جلالت علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ جب علماے عصر سے اجتہاد کی بحث چھڑی تو سیوطی نے سب سات سوال کئے، جن کا کوئی جواب نہ دیسکا، نواب صدیق حسن خان مرحوم نے طبقات کاشغری کے حوالہ سے اتحاف النبلاء ص ۲۹۱ میں لکھا ہے، کہ ان تمام سوالات کا ماحصل یہ تھا کہ ب ت ث الخ کا واضع کون تھا،

اس کے بالمقابل علماے عصر نے سیوطی سے پچاس سوالات کئے، تو انھون نے ہر سوال کا جواب ایک تصنیف کے ذریعہ سے دیا،

اجتہاد کا دعوی | علامہ سیوطی کو اپنے علم و فضل کے متعلق جو یقین تھا، اسکی بنا پر انھون نے اجتہاد کا دعوی کیا، اس اجتہاد کے منصب کی توقع اُن کو پہلے ہی سے تھی، چنانچہ حسن المحاضرہ مین سراج الدین بلقینی کے ترجمہ مین (جن کو وہ آٹھوین صدی کا مجدد مانتے ہین) کہتے ہین، کہ ممکن ہے کہ اس نوین صدی مین بھی مصر میں کوئی مجدد پیدا ہو !

ایک رسالہ رسالۃ فیمن یبعث اللہ لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ[1] مین لکھا ہے، کہ جس طرح امام غزالی کو اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا، اسی طرح مجھکو بھی امید ہے کہ مین نوین صدی کا مجدد ہون گا، اس لئے کہ مین فضل و کمال مین منفرد ہون علم اصول لغۃ کو مین نے ایجاد کیا، میرے علوم اور میری تصنیفات سارے عالم مین پہنچ گئین، شام، روم، عجم، حجاز، یمن، حبشہ اور تکرور ہر جگہ میرے علوم اور مصنفات کی رسائی ہے، ان کمالات مین میرا کوئی شریک نہین ہے،

دوسری جگہ اپنی ایک نظم کا حوالہ دیتے ہین جس کا خاتمہ اس شعر پر ہے،

وقد رجوت انی المجدد فیھا ففضل اللہ لیس یجحد

(مجھ کو امید ہو کہ میں اس صدی کا مجدد ہون، اور اللہ کی نعمت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہو)

---

[1] نسخہ قلمی لیڈن کٹیلاگ نمبر ۲، ۴ (Warner ۴۷۴) بحوالہ مقدمہ نظم العقیان از ڈاکٹر فیلپ ہٹی،

بہرحال علامہ سیوطی کو اجتہاد وتجدید کی جو توقع تھی، ان کے نزدیک وہ پوری ہوئی، اس لئے انھون نے اس کا دعوی کیا، اورحسن المحاضرہ مین اپنا ترجمہ مجتہدین کے سلسلہ مین لکھا اوراس مین صراحۃً یہ کہا، کہ میرے لئے اسباب اجتہاد مکمل ہوگئے، نیز رسالہ الکشف عن مجاوزۃ هذہ الامۃ الالف مین بہت زور وشور سے کہا، کہ جو لوگ میرے دعوی اجتہاد کے مخالف ہین اور مجھ سے معارضہ کا خیال رکھتے ہین، اگر وہ ایک جگہ جمع ہون اور مین ایک پھونک ماردون توسب کے سب پراگندہ ہوکر منتشر ہوجائین،

خود سیوطی کے عہد مین ان کے اجتہاد پر بڑا جھگڑا رہا، اور بقول علامہ سخاوی بعض لوگون نے یہ کہا کہ اجتہاد کا یہ دعوی اپنی غلطیون کی پردہ پوشی کے لئے ہے، لیکن بعد کے علماء نے عموماً ان کو مجتہد تسلیم کیا،

ملا علی قاری مرقاۃ ج ا ص ۲۴۷ مین بسلسلہ تجدید واجتہاد لکھتے ہین، کہ نوین صدی مین حافظ سیوطی منصبِ تجدید کے زیادہ مستحق ہین، انھون نے تفسیر اور حدیث کو زندہ کیا، علوم شرعیہ مین سے کوئی فن نہین چھوڑا جس مین ان کی چھوٹی یا بڑی تصنیف نہ ہو، ان کے بعض مخترعات اور زیادات بھی ایسے ہین، کہ جس کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہین، کہ اس صدی کے مجدّد مانے جائین،

مولانا عبدالحئی صاحبؒ (فرنگی محل) التعلیقات السنیۃ ص ۱۱ مین طبقات ابن شہبہ سے ان کے لئے یہ الفاظ نقل کرتے ہین،

هُو مُجَدِّدُ المأۃ التاسع — یہ نوین صدی کے مجدد ہین

اجتہاد کی نوعیت علامہ سیوطی کے اس دعوی تجدید واجتہاد مین ایک غلط فہمی یہ ہوئی، کہ لوگون

ل نسخہ مخطوطہ کیٹلاگ لیڈن نمبر (۲) ۴۰، (...) بحوالہ مقدمہ نظم العقیان۔

نے عموماً یہ سمجھا کہ یہ اجتہاد مطلق کا دعویٰ کر رہے ہین، اور لوگون کے نزدیک ائمۂ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق کا مدعی لائق تادیب تھا، حالانکہ سیوطی اپنے کو مجتہد مطلق نہین، بلکہ مجتہد منتسب کہا کرتے تھے،

شعرانی طبقات کے ذیل مین سیوطی سے نقل کرتے ہین، کہ لوگون نے میرے متعلق مشہور کر رکھا ہے، کہ مین نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ مین مجتہد منتسب ہون، جب مین مرتبۂ ترجیح کو پہونچا، تو افتاء مین ترجیح نوادی سے باہر نہین نکلا، اور جب مرتبۂ اجتہاد کو پہونچا، تو افتاء مین مذہب شافعی سے الگ نہین ہوا،

نواب صدیق حسن خانؒ طبقات کاشغری سے نقل کرتے ہیں، کہ مبحث اجتہاد مین سیوطی سے اور علماے عصر سے مناظرہ ہوا جس مین سیوطی نے بیان کیا، کہ مجتہد کی دو قسمین ہین، ایک تو مجتہد مطلق، یہ درجہ ائمۂ اربعہ پر ختم ہے، دوسرے مجتہد منتسب یعنی وہ مجتہد جو اپنے فتاوی مین امام منتسب کا پیرو ہے، مجتہد کی یہ قسم تا قیامت باقی رہے گی، اور مین اسی اجتہاد کا مدعی ہون،

معاصرین کا اختلاف علامہ سیوطی کے دعویٰ اجتہاد نے معاصرین کی نگاہ مین ان کو مبغوض بنا دیا، اور علما رکی ایک جماعت کو ان سے سخت قسم کا اختلاف ہو گیا، اس جماعت کے سرخیل علامہ سخاوی تھے،

علامہ سخاوی سیوطی کے استاذ تھے، حافظ سیوطی نے نظم و نثر مین علامہ سخاوی کی تعریف و توصیف بھی کی ہے، خود علامہ سخاوی نے بھی سیوطی کو اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے، ڈاکٹر فیلب ہٹی (Philip K. Hitti) نے نظم العقیان کے مقدمہ مین علامہ سخاوی کی التبر المسبوک ص ۲۵۰ سے ذیل کی عبارت نقل کی ہے، جس مین حافظ سیوطی کی مدح و ستائش

پوری طرح موجود ہے، اس کتاب میں سخاوی سیوطی کے والد کا ترجمہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

وھو والد الفاضل جلال الدین عبد الرحمن احد من اکثر من التردد علیّ و مدحنی نظماً و نثراً نفع اللّٰہ بہ،	یہ فاضل جلال الدین عبد الرحمن کے والد ہیں، جلال الدین ان لوگوں میں سے ہیں، جو اکثر میرے پاس آمدورفت رکھتے ہیں، نظم و نثر میں میری تعریف کی ہے، خدا ان کے ذریعہ سے نفع پہنچائے

تعلقات میں یہ یکسانی اور یکرنگی برابر موجود رہی، لیکن حسبِ روایتِ مورخین حافظ سیوطی کے ذوقِ ادعا نے اس کا خاتمہ کر دیا،

زاہد کوثری ذیل تذکرۃ الحفاظ ذہبی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

وَمَا ذنب السخاوی الیہ الا قلۃ صبرہ اذاء الدعاوی العریضۃ،	سخاوی کا اس کے سوا اور کوئی گناہ نہ تھا کہ وہ سیوطی کے بلند بانگ دعوؤں پر ضبط نہ کر سکے!

ان اختلافات میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک دوسرے کے زبان و قلم سے ایسی باتیں نکلیں کہ آج بھی ان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے،

سخاوی الضوء اللامع میں سیوطی کے متعلق حمق اور ہوس کے لفظ استعمال کرتے ہیں، انکا ترجمہ ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں،

"فسُبحان واھب العقول"

الضوء اللامع میں جہاں جہاں موقع ملا، انھوں نے سیوطی پر تعریض کی! مثلاً ترجمہ عبد الجبار بن علی الاخطابی (شاگرد سیوطی) میں ہوس، عبد القادر بن حسین المعروف بابن المغربی

کے ترجمہ میں سوء عشرۃ کا الزام لگایا، علی بن محمد بن عیسیٰ الاشمونی کے ترجمہ میں حمق اور ابن النجا بن خلف المصری کے ترجمہ میں حسد کی نسبت کی،

اسی طرح حافظ سیوطی نے سخاوی کے متعلق جو الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ حد درجہ عبرتناک ہیں! نظم العقیان ص ۱۵۲ میں ملتے ہیں،

وَانتقیٰ وَخرّج لنفسہٖ ولغیرہٖ مع کثرۃ لحنہٖ و عرسیہ من کل علو بحیث انہ لا یحسنُ مِنْ غیرالفن الحدیثی شیئاً اصلاً-

الکاوی علی السخاوی (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) میں لکھتے ہیں:

مَاترون فی رجلِ الف تاریخاً جمع فیہ اکابر واعیاناً لاکل لحومھم خوانا بذکر المساوی تلبسا للاعراض....... ان سئل عن مسئلۃ فی الاستنجا لم یحسن الجواب

رسالہ الوسیۃ النصر فی خصیصی بالقصر (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) میں لکھتے ہیں:

وَلیسَ ذلکَ بمستنکرٍمنْ عامی محض لا یعرف الصّحیح من المقصور ولا المرفوع من المجرور ولا غیر المعرب مِن المبنی......... فان قلبہ اقرب الی المسخ..... الخ

صاحب النور السافر نے اس سلسلہ میں سیوطی کے دو شعر بھی نقل کئے ہیں،

قل للسخاوی ان تعروث مشکلۃ　　　علی کبحر من الامواج ملتطم

ے شاعر ادیب ابن العلیف احمد بن حسین مکی نے سخاوی کی طرف سے دفاع کی اور دو کتابیں لکھیں، (۱) الشہاب الھاوی علی منشی الکاوی (۲) المنتقد اللوذعی علی المجتھد المدعی،

والحافظ الدیمی[۵۱] غیث الزمان فخذ غرقاً من البحر ادرشفا من الدیم

یہ اختلافات آخر وقت تک قائم رہے،

خلفا، امرا اور شاہانِ وقت سے تعلقات

حافظ سیوطی کا زمانہ ممالیک چرکسیہ کا زمانہ ہے، ان کا خاندان ہمیشہ دینی یا دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے سربلند رہا، اسی لئے شاہانِ وقت سے برابر ربط وضبط رہا، اور یہ تعلق امیر شیخو کے وقت سے شروع ہوتا ہے،

خود حافظ سیوطی کے والد اور خلیفہ مستکفی باللہ ثانی نیز ملک ظاہر جقمق کے تعلقات کا حال شروع مین گذر چکا ہے،

حافظ سیوطی کی پرورش چونکہ شروع ہی سے شاہی ماحول مین ہوئی، اس لئے امرا واعیان مملکت سے ان کے تعلقات بھی تھے،

شہاب الدین بن طباخ کے سلسلہ سے امیر بر کبائے چرکسی سے خاصی راہ ورسم تھی، اینال الاشقر سے بھی خاص تعلق تھا، اینال الاشقر ملک خشقدم (۸۶۲ھ) کے زمانہ مین ملطیہ طرابلس اور حلب کا نائب رہا، پھر ملک اشرف قایت بائے (۹۰۱ھ) کے زمانہ مین راس نوبۃ النوب[۵۲] کے مرتبہ کو پہونچا، علامہ سیوطی کو اینال الاشقر ہی نے شیخونیہ مین تدریس حدیث کے لئے مقرر کیا تھا،

خلفا مین متوکل علی اللہ ثانی سے زائد تعلق تھا اسکی وجہ غالبًا یہ ہے کہ متوکل علم دوست نیز سیوطی کے والد کا شاگرد تھا، جیسا کہ تاریخ الخلفاء مین مذکور ہے، متوکل ہی نے سیوطی کو

---

[۵۱] دیمی الفخر عثمان المحدث اسماء الرجال کے ماہر تھے، ان کے اور سخاوی کے درمیان کسی قدر رنجش تھی،
[۵۲] راس نوبہ تاتاریون کا ایک عظیم الشان عہدہ تھا، مصریون نے اس کو راس نوبۃ الامراء کہا، اس کا

ضی القضاۃ کا منصب عطا کیا تھا، سیوطی حسن المحاضرہ مین متوکل کا ذکر بہت محبت سے
رتے ہین، اسکے حق مین دعا کرتے ہین، اور کہتے ہین، کہ مین نے ان کے لئے دو کتابین لکھی ہین،

(۱) الاساس فی فضل بنی العباس،

(۲) دفع الباس عن بنی العباس،

دوسرے امراء وقت خود زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوتے، سلطان ملک اشرف
نصوہ غوری (۹۲۲ھ) جو ایک متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا، سیوطی کا معتقد تھا ان کی خدمت
ن تحفے بھیجتا تھا۔

مالیک چرکسیہ اور خلفاء مین جو اندرونی کشمکش تھی اور اس زمانہ کے جو سیاسی انقلابات
ھے، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ علامہ سیوطی کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا،

گوشہ نشینی ابن عماد حنبلی شذرات الذہب ج ۸ ص ۵۳ مین کہتے ہین، کہ حافظ سیوطی نے
چالیس سال کی عمر سے گوشہ نشینی اختیار کر لی، درس و افتا ترک کر دیا اور ایک کتاب "التنفیس"
لکھی جس مین اپنی معذوریون کو ظاہر کیا،

لیکن ہم کو چالیس سال کی عمر سے گوشہ نشینی کے تسلیم کرنے مین اس لئے تامل ہے کہ سیوطی
تاریخ پیدائش کے لحاظ سے غالباً ۸۸۹ھ مین چالیس سال کے ہوجاتے ہین، اور ۸۹۱ھ
مین بیبرسیہ کی ایک ممتاز جگہ پاتے ہین، ۹۰۲ھ مین قاضی القضاۃ بنتے ہین، اور ۹۰۶ھ مین
بیبرسیہ سے الگ ہوتے ہین، اس لئے قرین قیاس یہ ہے، کہ ان کی عزلت و گوشہ نشینی
کا زمانہ ۹۰۶ھ کے بعد سے شروع ہوتا ہے جس وقت ان کی عمر غالباً چھپن چھپن
برس کی رہی ہوگی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) مفہوم یہ ہے کہ امراء مین سب سے بلند مرتبہ والا، (حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۸۵)

گوشہ نشینی سے وفات تک کا پورا زمانہ روضۃ المقیاس مین گذرا،

روضۃ المقیاس | مقریزی کا بیان ہے کہ جس کو آج کل روضہ کہتے ہین، وہ درحقیقت مصر اورجیزہ کے درمیان ایک جزیرہ کا نام ہے، شروع اسلام مین یہ جزیرہ مصر پھر جزیرہ حصن کے نام سے مشہور ہوا، افضل بن امیرالجیوش کے وقت سے روضہ نام پڑ گیا، جو اب تک مشہور ہے،

سیوطی حسن المحاضرہ مین کہتے ہین، کہ ولید کے عہدِ خلافت مین اسامہ بن یزید التنوخی نے روضہ مین نیل کے لئے ایک مقیاس بنایا تھا،

غالبًا اسی وجہ سے اس کو روضۃ المقیاس کہتے ہین،

بہرحال اسی روضۃ المقیاس مین سیوطی دنیا سے رشتہ توڑ کر حق سے رشتہ جوڑنے مین مشغول ہوئے، مخلوق سے اس طرح منہ موڑا، کہ گویا کسی سے تعارف ہی نہین ہے شاہی دربار سے طلبی آتی، انکار کردیتے، امرا نذرین پیش کرتے وہ قبول نہ کرتے،

عزلت وگوشہ نشینی کی انتہا کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوگا،

صاحب النورالسافر قسطلانی (جن کی حافظ سیوطی کے ساتھ شکررنجی کا حال گذر چکا ہے) کے ترجمے مین لکھتے ہین، کہ جب قسطلانی اپنی صفائی کے لئے سیوطی کے پاس آئے، تو یہ روضۃ المقیاس مین گوشہ نشین تھے، قسطلانی نے گھر پہونچ کر دروازہ کھٹکھٹایا سیوطی نے پوچھا کون ہے، انھون نے کہا کہ مین قسطلانی ہون، اس لئے حاضر ہوا ہون، کہ آپ کا دل مجھ سے صاف ہوجائے، سیوطی نے اندر ہی سے کہہ دیا کہ میرا قلب صاف ہے، نہ دروازہ کھولا اور نہ سامنے آئے،

گوشہ نشینی کے زمانہ مین تصنیفی کام البتہ جاری رہا،

وفات و تدفین | شب جمعہ ۱۹ جمادی الاول ۹۱۱ھ (۱۷ اکتوبر ۱۵۰۵ء) کو ایک ہفتہ کی علالت کے بعد انتقال ہوا، علالت کچھ زیادہ نہ تھی، بائیں بازو میں سخت قسم کا ورم ہوگیا تھا، انتقال کے وقت ۶۱ سال دس ماہ اٹھارہ یوم کی عمر تھی،

باب قرافہ سے باہر حوش قوصون میں دفن ہوئے، حوش قوصون زاہد کوثری کی تحقیق میں قلعہ کے نیچے ہے، لیکن علامہ احمد تیمور پاشا جنھوں نے "قبر الامام السیوطی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، ان کے نزدیک حوش قوصون جامع کبیر کے پاس ہے،

ان کا بیان[1] ہے کہ بڑی تلاش و جستجو کے بعد امام سیوطی کی قبر کو میں نے پایا، یہ زمین سے اونچا عظیم الشان قبہ ہے، زینہ کے ذریعہ سے اوپر جایا جا سکتا ہے، علامہ سیوطی کی قبر کے سوا اس قبہ کی تمام قبریں مٹ گئی ہیں، اس جوار کے لوگ سیوطی کی قبر کی زیارت کیلئے آتے ہیں، اس پر نذریں چڑھاتے ہیں، اور "سیدی جلال" کے نام سے پکارتے ہیں،

عام زندگی | علامہ سیوطی کی عام زندگی کے متعلق باوجود تلاش کے ہم کو کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی! دوست احباب اور اہل و عیال تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ عادات اور معاملات میں کیا حال تھا؟ الغرض اس قسم کی تمام باتوں سے ہمارے سوانح نگار خاموش ہیں،

اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ مزاج میں کسی قدر ترفع تھا، ورنہ یہ جملہ زبان سے نہ نکلتا کہ ابن ظہیرہ میری نگاہوں میں میرے والد کا وہی آدمی ہے، جو بچپن میں مجھکو اپنے کندھے پر بٹھائے گھومتا تھا"

اور اگر سیوطی کے بارے میں سخاوی کی روایت تسلیم کیجائے تو یہ امر بھی حیرت انگیز ہی

---

[1] مکتوب احمد تیمور پاشا بنام Philip K. Hitti از مقدمہ نظم العقیان،

ان کی والدہ کو ان کے ترفع کی شکایت تھی، اسی طرح محیوی بن مغیزل جو ان کے شاگرد اور بڑے مداح تھے ان کی بعض مزاجی کمزوریون کی بنا پر بعد کو ان کے مخالف ہو گئے،

ان امور کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیش نظر ہے کہ سیوطی ایک صاحبِ کرامات بزرگ بھی تھے، شذرات الذہب مین ان کی بعض کرامتیں اور سچی پیشینگوئیان بھی مذکور ہین،

اور حق تو یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سلف کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچایا ہے، یہی ان کی سب سے بڑی کرامت ہے، اور یہ ان کا اس قدر عظیم الشان احسان ہے، کہ جس کے لئے ہم کو بہرحال ان کا ممنون رہنا پڑیگا غفر اللہ لہ تعالیٰ۔

٭ اس مضمون کا ماخذ کتب ذیل ہین، مضمون مین ہر جگہ حوالہ نہین دیا گیا ہے،

(۱) حسن المحاضرہ سیوطی (۲) بغیۃ الوعاۃ سیوطی (۳) نظم العقیان سیوطی (۴) تاریخ الخلفاء سیوطی (۵) الضوء اللامع سخاوی (۶) البدر الطالع شوکانی (۷) شذرات الذہب ابن عماد حنبلی (۸) النور السافر عیدروسی (۹) ذیل طبقات الحفاظ ذہبی (۱۰) خطط مقریزی (۱۱) معجم البلدان (۱۲) انساب السمعانی (۱۳) کشف الظنون (۱۴) اتحاف النبلا (۱۵) معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ (۱۶) الکاوی علی السخاوی سیوطی (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) (۱۷) التنویہ لتصرفی خصیصی بالعصر سیوطی (نسخہ مخطوطہ بانکی پور) (۱۸) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۱۹) خلافت و ہندوستان از مولنا سید سلیمان ندوی (۲۰) تفسیر کبیر (۲۱) مقالات شبلی (تعلیمی) (۲۲) مرقاۃ ملا علی قاری (۲۳) التعلیقات السنیۃ مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی،

مقالاتِ شبلی جلد پنجم

یہ مولینا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہین، اسمین علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النساء کی سوانحعمری وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہین، ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت ۱۲ منیجر

محسن کاکوروی

اور

ان کی خصوصیات

جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی ایم اے لکچرار دو یونیورسٹی علیگڈھ

(۲)

جدت پسند اور مضمون آفرین شاعرون کو اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے مبالغہ سے کام لینا پڑتا ہے، اکثر عام شاعر بھی اپنی دوکان سجاتے وقت اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، مبالغہ کو شاعری میں اس درجہ دخل ہے، کہ ان دونون کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھا جانے لگا ہی شاعر تخیل کی بلند پروازی مین اکثر دنیا کی حقیقتون سے بہت دور نکل جاتا ہے لیکن محسن ایسا نہین کر سکتے تھے، جہان تک تعریف و توصیف کا تعلق ہے، ان کے ممدوح یعنی رسول اللہ صلعم کی ذاتِ پاک اتنے اوصافِ حمیدہ کی جامع ہے، کہ ان کے بیان مین مبالغہ کی ضرورت ہی نہین، دوسرے انھون نے حدیث اور قرآن کی روشنی کو ہمیشہ اپنے لئے شمعِ ہدایت بنایا ہے، بعض نعت گو شاعر محبت کے جوش مین اکثر ایسی باتین کہہ گئے ہین، جو مذہبی نقطۂ نظر سے ناروا ہین، ان کا عذر یہ ہے کہ جوشِ محبت اور والہانہ شیفتگی کے عالم میں یہ سب کچھ کہا ہے، اس لئے وہ لائقِ معافی ہیں، لیکن محسن کو اس عذر اور معافی کی ضرورت نہین پڑتی، ہمارے یہان میلاد النبی کے سلسلہ مین جو مجالس منعقد ہوتی ہین، ان مین نعت گو شعرا

کا کلام ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور ایسے ایسے اشعار پر لوگ وجد کرنے لگتے ہین :-

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے   لینا ہے ہمین جو کچھ لے لین گے محمد سے

اس قسم کے اشعار مین شعراء نے حفظ مراتب کو نظرانداز کر دیا ہے، اور بعض طبائع ایسی زیادتیون کو کسی عنوان گوارا نہ کرین گی، محسن کے یہان والہانہ عشق اور محبت کے باوجود ایسی لغزشین تلاش کرنے پر بھی نہین ملین گی، اپنے کلام مین انھون نے جابجا قرآن اور حدیث کے ان مقامات کی طرف اشارہ کیا ہے، جہان سے ان کا مضمون ماخوذ ہے ایک مثال سے یہ واضح ہو جائے گا،

مثنوی چراغ کعبہ مین معراج کے سلسلہ سے حضرت جبریلؑ کی آمد کا ذکر کیا ہے، چونکہ کسی حدیث مین اس کی تصریح نہیں کہ حضرت جبریلؑ نے حاضر ہو کر کیا عرض کیا تھا، اسلئے فرماتے ہین:

آنا ہے طلب کا استعارہ   بردن کا ہے آمدن اشارہ

اور حاشیہ مین اسکی صراحت کر دی گئی ہے،

براق کی صفت مین ایک مصرعہ ہے ؎

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل

حدیث شریف مین بھی مذکور ہے کہ براق چھوٹے فرس کے برابر تھا، فلک اول کی سیر کے سلسلہ مین ایک شعر ہے،

وہ روز ازل کا سعد اکبر   وہ اول ما خلق کا مظہر

اسمین اشارہ ہے حدیث شریف کی طرف "اول ما خلق اللہ نوری"،

فلک ششم کی سیر مین ایک شعر ہے،

تھا داغ فراق لن ترانی مسرور وصال من رآنی

اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف من رآنی فقد رای الحق"

فلک ہفتم کے سلسلہ مین حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک شعر ہے،

کرتا تھا جو صرف میہمانی خوان نعمائے من عصانی

اس مین اشارہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعا ومن عصانی فانک غفور رحیم کی طرف

مقام اعلیٰ کے بیان مین ایک شعر ہے،

آنکھون کی تلاش جلوۂ رب کانون مین صدائے نحن اقرب

اس مین کلام مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے نحن اقرب من حبل الورید مثنوی

شفاعت و نجات مین بکثرت آیات کی طرف اشارے ہین،

ان چیزون سے محسن کی مذہبیت کا پتہ چلتا ہے، قرآن اور حدیث پر ان کی نظر تھی، اس لئے حالات و واقعات کے بیان مین ان کا مضمون کبھی ان کے حدود سے باہر نہین نکلتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ فن شاعری کو ایسے کمالات کا اظہار کرتے تھے، کہ ان پابندیون کے باوجود کلام مین زور اور تاثیر پیدا کر لیتے تھے، شاعری اور وعظ مین یہی فرق ہے، وعظ کی خشکی سے سامعین گھبرا اٹھتے ہین، لیکن جب شعر کا ساز بجنے لگے، اور اس کے پردون سے وہی راگ نکلے، جو پہلے واعظ کی زبان سے ادا ہو رہا تھا، تو سننے والے مسحور ہو جاتے ہین، انھون نے اپنے کلام مین شاعری اور مذہب کے امتزاج کا ایسا مرقع پیش کیا ہے، کہ اس مادیت اور الحاد کے دور مین بھی جس کی جاذبیت اور کشش باقی ہے،

مضمون کے اعتبار سے محسن کے کلام کی ایک خاص خوبی کا ذکر کرنا باقی رہ گیا، یہ انکی تہذیب اور متانت ہے، لکھنؤ کی مخصوص انداز کی شاعری کی بدولت وہان کا پودا دبستان شعر

آج تک مطعون ہے، یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ اپنے نامور سخنوروں کی فہرست میں پہلے ان شعرا کا نام رکھتا ہے، جن کا کلام اس دبستان کے دوسرے شعرا کے مقابلہ مین کہین زیادہ اور پاکیزہ ہے، لیکن معلوم نہیں اس موقع پر محسن کا نام کیون نظرانداز کر دیا جاتا ہے حالا تہذیب و متانت کے اعتبار سے محسن کی شاعری اپنی آپ نظیر ہے، اور مضمون، زبان، تشبیہات اور استعارات ہر اعتبار سے اسکی ثقاہت اور تطہیر مسلم ہے،

انیس اور دبیر نے مرثیہ گوئی کے فن مین مجدد کا درجہ حاصل کیا، اور مرثیہ گوئی کو بڑا فروغ بخشا، فصاحت اور بلاغت کے بڑے بڑے معرکے سر کئے، لیکن فن کاری کے اعتبار سے یہ بات دل مین کھٹکتی ہے کہ مرثیون مین جہان کہین عرب کے مردون عورتون اور ان کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، وہان خالص لکھنوی تہذیب و معاشرت کا چربہ اتارا ہے، بہت سی وہ رسمین جو مبشتر ہندوستانی بلکہ بعض خالص ہندوانی ہین عربون کے کردار میں شامل کر دی گئی ہین، جس سے کردار نگاری میں جگہ جگہ بھونڈاپن پیدا ہو گیا ہے اور تاثیر کی فضا، کم ہو گئی ہے، لیکن محسن خالص ہندوستانی فضا کے شاعر ہین، اور اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہین، ان کے خیالات ان کی زبان، ان کی تشبیہات اور استعارات اسی ملک کی پیداوار ہین، اسی لئے ان مین اثر بھی زیادہ ہے،

مضمون کی بلندی اور فکر کی پرواز کے اعتبار سے بھی محسن کا کلام نادر ہے، قصیدہ مدیح خیر المرسلین، مثنوی تجلی کعبہ اور چراغ کعبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ مضمون کی بلندی الفاظ کے شکوہ سے ہم پہلو و ہم آہنگ ہے، الفاظ کا حسن انتخاب قادر الکلامی کی دلیل ہے، مضمون کی مناسبت سے الفاظ کا صحیح استعمال اچھے شعر کے لئے ضروری شرط ہے، مثنوی چراغِ کعبہ مین واقعۂ معراج کو نظم کیا ہے، یہ واقعہ چونکہ شب مین پیش آیا،

اس لئے تمہید مین مضمون اور الفاظ کی ہم آہنگی سے رات کے مناسب ماحول اور فضا کا پورا لحاظ رکھا ہے،

ہے نام خدا سواد تحریر والّیل اذا سجیٰ کی تفسیر

آغاز روایت مین لکھتے ہین :-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے داخل ہوئی کعبہ مین وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیِ گل اندام شبنم کی ردا بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کی سعی صفا سے رنگ فق ہے سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرمون سے چھپائے چہرہ پردین کو بنا ئو منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا اندازِ خرامِ صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس ہمدم انفاسِ ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے لپٹے ہوے بالون مین دلہن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی کلیان یوسف کے پیرہن کی
ناخن کی جگہ ہلال کی مد دفتر سے طلوع کے ندارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے ہین رمیِ جمار کے اشارے

چونکہ یہ مثنوی ہے اسلئے زبان نہایت سادہ سلیس اور بامحاورہ استعمال کی ہے جس مین روزمرہ کا لطف آجاتا ہے،

محسن کے کلام مین فنی حیثیت | انیسوین صدی مین "صنعت" کو فطرت پر ترجیح دینے کا عام رواج تھا، یہی زمانہ محسن کاکوروی کو ملا، اس عہد کے لکھنؤ مین زندگی کے ہر شعبہ مین کمال صنعت

کی داد دی جارہی تھی، نثر اور نظم دونون کو تکلفات سے آراستہ کیا جارہا تھا، یہی سبب ہے کہ لکھنو کی شاعری لفظی صناعی اور صنعت گری کا نمونہ بن گئی، اس سے تاثیر جو شعر کا مقصد اصلی ہے، کم ہوگئی، لیکن اس مین شبہہ نہین کہ اس کا ظاہری لباس ایسا دیدہ زیب ہوگیا جو اس سے پہلے شاعری کو نصیب نہین ہوا تھا،

محسن نے اپنی شاعری مین اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہوئے لفظی صناعی پر بھی توجہ کی ہے، اور اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کے کلام کی ظاہری خوبی اسی کوشش کی مرہون منت ہے، لیکن اس موقع پر بھی محسن نے اپنی انفرادیت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے، اور ان کا قدم اعتدال کے راستہ سے نہین ہٹا ہے،

اسی صنعت گری کے شوق مین شعرائے لکھنو نے رعایت لفظی کی طرف توجہ کی، اس فن کے امام آغا حسن امانت ہوئے، اس دبستان کے دوسرے شعرا نے اس مین اس قدر مبالغہ کیا کہ بالعموم اسی کو شعر کا مقصد بنا لیا، جس سے ان کا کلام بے مزہ ہوگیا، لیکن محسن نے صنعت گری مین بھی شاعرانہ لطافت کو ہاتھ سے نہین جانے دیا، چنانچہ ان کی رعایات بے ساختہ، ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے، پورا کلام پڑھ جائیے ان تکلفات کی وجہ سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی، قصہ طلب تلمیحات بھی ہین، اور بکثرت ہین، لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی، اس اعتبار سے انکا کلام اگر ایک طرف تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے جاذبیت رکھتا ہے، تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیون پر سر دھنتے ہین،

ان کے فن مین سب سے زیادہ نمایان عنصر تلمیحات کا ہے، تلمیح یہ ہے کہ شعر مین تاثیر پیدا کرنے کے لئے نہایت مختصر الفاظ مین کسی مشہور و معروف واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے

چند مثالون سے اسکی وضاحت ہو جائیگی، سراپائے رسول اکرمؐ کا ایک شعر ہے،

شعلۂ طور کا کاغذ پہ کھینچا ہے نقشہ خاکہ انگارہ و کف دست ید بیضا ہے

اسمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جب فرعون نے آپ کے بچپن مین آپ کے سامنے اشرفیان اور آگ رکھدی، حضرت موسیٰؑ نے انگارہ ہاتھ مین لے لیا، اور آپ کا ہاتھ جل گیا جو بعد مین ید بیضا ہوگیا،

اسی کا ایک اور شعر ہے،

خواب مین بھی جو وہ زہرہ جبین پیش آئے مشتری طالع کنعان کی زحل ہو جائے

مثنوی صبح تجلی مین سے چند شعر یہ ہین:

آنکھین نظارے کی طلب گار نظارہ کا بخت خفتہ بیدار

منظور ہے حسن کا تماشہ، ہر دیدہ ہے دیدۂ زلیخا

ہے شرق سے غرب تک پریشان نور عینین پیر کنعان،

وہ سورۂ یوسف تجلی یہ مطلع مصر کی عزیزی،

اس مین حضرت یوسفؑ زلیخا اور حضرت یعقوبؑ کے واقعات کی طرف اشارہ ہے مثنوی چراغ کعبہ مین بکثرت تلمیحات ہین،

یونس سر حوت تک پہنچکر سکہ نہ بٹھائین ہر درم پہ

مین ایک تلمیح اور ایک رعایت ہے، یونس علیہ السلام کو ایک مچھلی نگل گئی تھی اور حوت فلک کے بارھوین برج کا نام ہے، جس کی صورت مچھلی کی سی ہے، ایک اور شعر ہے،

آیا جو کرم پہ عشق بے باک سینہ کیا شق جگر کیا چاک

اسمین واقعۂ شق صدر کی طرف اشارہ ہے،

دو شعر اور ہین،

ازراہ کمال مہربانی اس گھر سے ہوئی یہ میہمانی

رکھکر مے و شیر کو مقابل اس صاحب ذوق کا لیا دل

اس مین اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، کہ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت صلعم کے سامنے دو پیالے پیش کئے، ایک مین دودھ اور دوسرے مین شراب تھی، آپنے دودھ کے پیالے کو لے لیا اور شراب سے انکار کر دیا،

فلکِ چہارم پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی کہا جاتا ہو کہ سب سے اول حضرت ادریسؑ نے قلم سے لکھنا ایجاد کیا تھا، اس کا اظہار فلکِ چہارم کی سیر کی تمہید مین اس طرح کیا ہے،

بہرۂ خط عفو و اہلِ عصیان فرزانہ شفیع پیش یزدان

فلک ہفتم کی سیر میں ایک شعر ہے،

کعبے کا سواد صفحۂ بین شنگرفی نسخۂ ذبیحین،

اس مین اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف "انا ابن الذبیحین" یعنی مین بیٹا دو ذبیحون کا ہون، ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے والد حضرت عبد اللہ، مثنوی شفاعت و نجات مین بھی ایسی بکثرت مثالین موجود ہین،

تلمیحات کے علاوہ ایک اور عنصر جو محسن کی خصوصیت مین شمار ہونے کے لائق ہے، انکی تشبیہات ہین، تشبیہ شعر کی جان ہے، جس طرح جسم بغیر روح کے مردہ ہے، اسی طرح شعر بغیر تشبیہ کے مکمل نہین، اس اعتبار سے محسن کی صرف ایک مثنوی صبحِ تجلی ان کو زندۂ جاوید کرنے

کے لئے کافی ہے، اتنی لطیف اور رقصان تشبیہات کہین اور مشکل سے ہی ملتی ہین،

سبزہ ہے کنار آب جو پر | یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہو صدائے قمریان کی | تیاری ہو باغ مین اذان کی
محو تکبیر فاختہ ہے | قد قامت سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع مین رکی ہو | اور دوسری سجدہ مین جھکی ہو
سوسن کی زبان پر مناجات | جاری لب جو سے التحیات

تشبیہات کی یہ ندرت اور تسلسل محسن کا خاص حصہ ہے، چند مثالین اور ہدیۂ ناظرین ہین،

غنچے مین ہو خامشی کا عالم | یا صوم سکوت مین ہے مریم

غنچۂ ناشگفتہ کو مریم کہنا اور اوسکی خاموشی سے مریم کے صوم سکوت کا خیال پیدا کرنا تشبیہ کو بالکل مکمل کر دیتا ہے، جس سے پاکیزگی اور تقدس کی وہ فضا اور بڑھ جاتی ہے، جو صبح تجلی یعنی صبح ولادت رسول اللہ صلعم کے مناسب حال ہے، پھر اس سلسلہ کو یون جاری رکھا ہے،

کیاری ہر ایک اعتکاف مین ہو | اور آب روان طواف مین ہے

.... | ....

سالک ہے چمن مین نہر موزون | مجذوب ہے شاخ بید مجنون
ہے صوفی صاف دل صنوبر | تحریک نسیم حالت آور

.... | ....

ہے استغراق نیلوفر کو | پاس انفاس ہے سحر کو،

.... | ....

خلوت گہ حسن ہے زمانہ اور جلوۂ صبح شاہدانہ
ڈوبی ہوئی رنگ مین چمن کے نکھری ہوئی روپ مین دلھن کے
ہے چاندنی ایک ماہ پیکر سورج کھی آفتاب انور،

ہمارے خیال مین کسی دوسرے شاعر کی کسی ایک نظم مین اس قدر کثرت سے اور اتنی رقصان تشبیہات مشکل سے نکل سکین گی، قصیدہ مدیح خیرالمرسلین مین بھی یہی شان جلوہ گر ہے؛

جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل
لہرین لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمین پر مخمل
جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہین کلیان لوگ کہتے ہین کہ کرتے ہین فرنگی کونسل
چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

یہ تشبیہین شاعر کے اسلوبِ فکر، جدتِ اظہار اور مذاقِ شاعرانہ پر دلیل ہین، کیونکہ فطری اور سریع الفہم ہین، اور ان مین جدت و تازگی کی وہ شان ہے جو محسن کی خصوصیت ہے، اسے بھی محسن کا مخصوص امتیاز سمجھنا چاہئے، کہ ان کی مثنویون مین بھی قصیدے کا لطف آجاتا ہے، مثنوی صبح تجلی، چراغِ کعبہ وغیرہ اس کی اچھی مثالین ہین، چراغِ کعبہ کی تمہید مین بالکل تشبیب کی شان پیدا ہے،

ہے نامِ خدا سوادِ تحریر واللیلِ اذا سجیٰ کی تفسیر
دریاے روان ہے نظم آج یہ بحرِ خفیف بحرِ مواج،
جاتا ہے کلیم آسمان تک معراجِ سخن ہے لامکان تک
خلوت گہ دل ارم سرشتہ پروازِ طبیعت ایک فرشتہ
ہر گوہرِ قلزمِ تکلم سیارۂ آسمانِ ہفتم

بلند آہنگی کا یہ سلسلہ پوری نظم میں جاری و ساری ہے، یہ صحیح ہے کہ فارسی مثنویوں میں
مثنوی کے مضمون کی قید نہیں، لیکن اس کا انداز بیان اور زبان مخصوص ہے، اردو میں مثنوی گو
شعراء نے بالعموم عشقیہ اور بعض نے اخلاقی مثنویوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے، لیکن محسن نے اپنے
اپنے فن سے نئی اور لازوال دولت بخشی، مضمون اور زبان دونوں کے اعتبار سے محسن کی مثنویاں
ہماری شاعری میں بیش بہا اضافے ہیں،

قصیدے میں بھی محسن کسی باکمال سے پیچھے نہیں رہے، قصیدہ گوئی کا کمال تشبیب،
گریز اور خاتمے سے پرکھا جاتا ہے، ان ہی تین چیزوں کے بل پر سودا نے قصیدہ گوئی کے
فن میں امامت کا درجہ حاصل کیا، اس میں محسن کے کمال کے اظہار کے لئے چند مثالیں کافی
ہیں، قصیدہ مدیح خیر المرسلین کی تشبیب،

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل | برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

محسن کی قادر الکلامی کی بین دلیل ہے،

گریز کے لئے بیساختہ ہونا ضروری ہے، دیکھئے محسن کس استادانہ کمال کے ساتھ مدح
پر آئے ہیں،

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار | ہوئی آئینہ مضمون کی دوچنداں صیقل
روئے معنی ہے بھکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف | تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن | ہاتھ میں جام زحل شیشۂ تو زیر بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں | کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں | خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باراں مسلسل ہے ملائک کا ورود | بہر تسبیح خداوند جہان عز و جل

کہین طوبیٰ کہیں کوثر کہین فردوس برین ‏ کہین بہتی ہوئی نہرین نہرین نہر عسل

باغ تنزیہ مین سرسبز نہال تشبیہ ‏ انبیا جسکی ہین شاخین عرفا کونپل

گل خوش رنگ رسول مدنی عربی ‏ زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل

خاتمہ میں کہتے ہین ؛

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر ‏ کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر آیا دل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل ‏ میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

اسکے بعد مناجات کے نہایت پرتاثیر اشعار ہین،

محسن کا بقیہ کلام | نعتیہ کلام کے علاوہ محسن کے سرمایہ مین چند غزلین، ایک ناتمام عشقیہ مثنوی نگارستان الفت، ایک مثنوی فغان محسن، ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی تعریف مین چتر شہنشاہی کے نام سے اور چند قطعات تاریخ اور ہین لیکن شاعری کے لحاظ سے ان کا درجہ کچھ بہت اونچا نہین، یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا تخیل صرف نعت کی مقدس فضا مین بلند پروازی دکھاتا ہے، چنانچہ ان کی غزلین لکھنو کی عام شاعری کا نمونہ ہین، ان مین شاعر کی جدت، ذہانت اور طباعی کا کوئی غیر معمولی کمال نظر نہین آتا، اور بالعموم رعایت لفظی اور صنائع و بدائع کو دخل دیا گیا ہے، ایسا شاید اس وجہ سے ہو کہ یہ ابتدائی عمر کا کلام ہے، اور اس زمانہ مین چونکہ یہی روش عام تھی، اس لئے محسن نے بھی پہلا قدم اسی کی طرف اٹھایا، لیکن آخر مین تائید الٰہی اور طبیعت کی رسائی و تازگی سے اپنی راہ الگ نکال لی، غزلون کا اندازہ ذیل کے انتخاب سے ہوسکتا ہے، پہلی غزل ہے،

ہے عیان جلوہ بتون مین بھی خدا کے نور کا ‏ زاہد آنکھون مین لگائے سرمہ سنگ طور کا

سر جھکائے ہم ہین وہ تلوار کو کھینچے ہوئے ‏ یہ نیاز عاجز اور وہ ناز ہے مغرور کا

منعموں کی کتنی خاطر کی خدا نے حشر میں　　جرم ٹھہرا ٹوٹ جانا شیشۂ انگور کا
جب اٹھائیں اسقدر وہ فلک کی سختیاں　　حوصلہ پتھر ہو محسن دل سے چکنا چور کا

بعض اور اشعار ملاحظہ ہوں،

آنکھ پر ٹھہری نظر مائل ابرو ہو کر　　ہم پھرے کعبہ سوا ہے قبلہ تو منہ ہو کر
شب کا یہ جذب محبت کا تماشا دیکھا　　شمع پروانے کے ساتھ اڑ گئی جگنو ہو کر

مبارک میکشو کس دھوم سے شورش ہے باراں کی　　خدا حافظ ہے توبہ کا صراحی بے طرح چھلکی

خدا نے دل کیا پیدا لب رنگین جاناں پر　　تو گویا تیل چھڑکا آتش لعل بدخشاں پر

صاحب غیروں سے جی خفا ہے　　اور کیا مجھے آپ سے گلہ ہے،
فرہاد نہ پوچھ سختی ہجر　　دن آج پہاڑ سا کٹا ہے
دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو　　رونے کا کچھ آج ہی مزا ہے

ان کو کبھی خیال ہو میرا یہ وہم ہے　　جاگیں مرے نصیب یہ باتیں ہیں خواب کی
ہونے نہ پائی خشک بھی تر دامنی مری　　محشر میں دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی

رباعیات البتہ زوردار ہیں، بعض پر انیس کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے،

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے　　عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہدو کہ ملائک گوش برآواز رہیں　　مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے،

اک شان خدا ہے سید عالی جاہ　　ملک قدم وحدوث کا شاہنشاہ
جس دل پہ کھلی اس کی حقیقت محسن　　بیساختہ بول اٹھا کہ اللہ اللہ

رہ جاؤ گے ہاتھ زندگی سے دھوکر　　پچھتائیں گے اقربا تمھارے رو کر
محسن کیا پوچھتے ہو چھوڑو گھر بار　　جنت کو چلے چلو مدینے ہو کر

مثنوی نگارستان الفت میں خالص لکھنؤی مثنویوں کی تمام خصوصیات موجود ہیں،

زردی چھائی ہوئی رخساروں پر سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر
مردنی چھائی ہے چہرہ دیکھو، اپنی جاتی ہوئی دنیا دیکھو
کامدانی کا پہننا چھوڑا لٹ گیا تیرا سہانا جوڑا
بند آنکھیں کئے روتے دیکھا، رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا
سو کہیں ایک نہ مانی آخر مٹ گئی تیری جوانی آخر
چاندنی پچھلے پہر کی کب تک روشنی شمع سحر کی کب تک
دل ناشاد کو رکھ قابو میں نہ سہی یار نہ ہو پہلو میں،

مثنوی فغان محسن میں (جو ایک دوست کے قید ہو جانے پر لکھی گئی ہے) البتہ خلوص کے ساتھ جذبات نگاری کے مرقعے ملتے ہیں،

یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوا، تڑپنے لگا دل اچھلنے لگا،
مری چشم تر کا یہ کیا حال ہے کہ دامن سے تا آستیں لال ہے
مرا رنگ فق ہوتا جاتا ہے کیوں بدن خود بخود سنسناتا ہے کیوں
مرے منہ پہ زردی سی کیوں چھا گئی چمن میں مرے کیوں خزاں آگئی
نہ کیا کیا ہوس زندگانی کی تھی مگر موت آنی جوانی کی تھی،
کوئی دم میں دم ہی نکلتا ہے آج کلیجا مرا کوئی ملتا ہے آج
چلی آتی ہیں ہچکیاں دمبدم مجھے یاد کرتے ہیں اہل عدم
اندھیرا مری آنکھوں میں چھا گیا جبیں پر وہ دیکھو عرق آگیا

محسن کے تمام کلام کی نسبت صرف ایک بات کہنا اور باقی رہ گئی، یہ کلام کی شگفتگی ہے،

انیسویں صدی ہندوستان کی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے، انقلاب اور خونریزی کی ظلمت میں سلاطین کی گداگری، شریفون کی پریشان حالی، شاعرون اور ادیبون کی ناقدری، امیرون کی بے سروسامانی اور غریبوں کی فاقہ کشی کے بھیانک خواب نظر آتے ہیں، اسی وجہ سے اس دور کے شاعرون کے کلام اور ادیبون کی تصانیف پر قنوطیت کا گہرا رنگ چڑھ گیا ہے، جسے پڑھکر طبیعت افسردہ اور مضمحل ہوجاتی ہے، امید کا دامن چھوٹ جاتا ہے، آرزو کی آخری کرن ڈوب جاتی ہے، لیکن محسن کے یہان افسردگی کی جگہ شگفتگی، ناامیدی کی جگہ یقین، تزلزل کی جگہ استحکام نظر آتا ہے، اور اس حیثیت سے وہ یقیناً اپنے معاصرین مین ممتاز ہین،

الغرض محسن کا کلام اختراعی فن کاری کا ایک نادر نمونہ ہے، اور لکھنوی ہونے کے باوجود لکھنو کے عام رنگ سے جدا ہے جس مین شاعر کی شخصیت نے کمال خلوص و محبت کے خاکہ کو تصوف اور ہندیت کے رنگ سے آراستہ کرکے شاعرانہ صناعی سے مکمل کیا ہے، جس کی جدت جاذب اور جس کی مضمون آفرینی دلکش ہے، جہان حدیث و قرآن کی صحت کے لحاظ کے ساتھ مذاق شاعرانہ اور مذہبیت کا معتدل امتزاج نظر آتا ہے، جہان رکاکت اور ابتذال کی بجاے متانت، تہذیب اور شایستگی کا جلوہ ہے، جہان فنی حیثیت سے تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کا کمال بے نظیر ہے، جہان مثنویوں مین قصیدون کا لطف ہے، جہان تشبیب اور گریز کے مضامین نو شاعر کی قادرالکلامی پر دلیل ہین، لکھنو کے دبستان شعر کا نادر ترین مرقع ہے،

تلخیص و تبصرہ

مغل یا مونگل

ذیل مین جناب شیخ عنایت اللہ صاحب دہلوی (مترجم چنگیز خان و تیمور) کی ایک تازہ تحریر درج کیجاتی ہے، جو گو مختصر ہے، لیکن پر از معلومات ہے، مغلون کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا،

براعظم ایشیا کا نقشہ سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ سلطنت چین کے شمال مین دشت گوبی ہے اور دشت گوبی کے شمال مین کسی قدر مغرب کو جھکتی ہوئی بیکال کی جھیل ہے، اس بڑی جھیل کے ارد گرد جو علاقہ ہے، اوسے ترانس بیکالیہ نقشون مین لکھا جاتا ہے، ترانس بیکالیہ کے جنوب مشرق مین منچوریا کا ملک ہے، یہ ملک اور ترانس بیکالیہ کے علاقہ کا زیادہ تر حصہ یا یون سمجھئے کہ دشت گوبی کے شمال مشرقی گوشہ سے ملا ہوا ملک سرسبز و شاداب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہان چھوٹے بڑے دریا، جھیلین، جنگل، پہاڑ، وادیاں بکثرت ہین، اس سرزمین مین اور نیز دشت گوبی کے شمال مغربی حصون مین صدہا قبیلے یسون، ایماق، ایل والوس خانہ بدوش چارہ اور پانی کی تلاش مین آوارہ گرد رہتے تھے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ان چھوٹے بڑے قبیلون کے ایک عظیم الشان مجموعہ کی خانہ بدوشی کے لئے یہی صحرا، جنگل اور وادیان مخصوص تھین، یہین یہ قبیلے اپنے خیمے نصب کرکے کچھ وقت قیام کرتے تھے، پھر حسب ضرورت بدل

دیتے تھے، دریاے اونان اور کلوران کے قرب و جوار مین قبائل مغل کی آوارہ گردی کا حال بعض تاریخون مین مذکور ہے، نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ دریاے اونان علاقہ ترانس بیکالیہ کے جنوب مین بہتا ہے، اور دریاے کلوران ترانس بیکالیہ سے بہتا ہوا کچھ دور تک دشت گوبی مین آیا ہے، منچوریا ترانس بیکالیہ اور دشت گوبی کے اور بہت سے قبائل جو خانہ بدوشی کرتے تھے بعض کے نام یہ ہین، تاتار، نائمان، جغتان، قرایت، ایغور، دشت گوبی کے مغرب مین قراخطائیون کی حکومت شروع ہو جاتی تھی، چنگیز کو ایغور اور قراخطائیون کی پرانی ترکی قوم سے بتایا گیا ہے، غرض اس مجموعۂ قبائل مین وہ قبیلے تھے، جو اپنے کو مغل کہتے تھے بعض محققون نے لفظ مغل یا مونگل کے متعلق لکھا ہے، کہ ابتدا مین یہ لفظ مونگ کو، منگ کو تھا جس زبان کا یہ لفظ تھا، اوس مین اس کے معنی "جوانمرد" یا "روپہلی قوم والے" کے تھے، اصل اس قوم کی تنگوس یا قدیم ترکی سے تھی، تنگوس قوم کی نسبت خیال ہے، کہ وہ اور بھی شمال مین ملک سائبریا مین کسی برفستان کی رہنے والی تھی، اور غالبًا اسی برف کی رعایت سے روپہلی قوم کہتے تھے، مونگ کو قوی الجثہ دراز قامت خانہ بدوش تھے، بھیڑ بکری اونٹ اور گھوڑون کے گلون پر گذر اوقات تھا، عمدہ چراگاہون اور چشمون کی تلاش مین صحرا گرد رہتے تھے، دشت گوبی اور اس کے شمال کی ہموار زمینین ان خانہ بدوشون کے رہنے کے مقامات تھے، مونگ کو وہی قوم تھی، جسے یونان کے پرانے مورخ ہیرو ڈوٹس نے سیتھین لکھا ہے، اور یہ قرابت رکھتے تھے اقوام ہون اور آلان سے اور یہ ہون وہ تھے جنھون نے مغرب کی طرف یورش کرکے یورپ مین بڑی بڑی خونریزیان کی تھین۔

مدت ہوئی کہ چین کے لوگ انھی مونگ کو ودون کو ہی انگ نو کہتے تھے، اور انھی قومون کی روک تھام کے لئے چینیون نے مشہور دیوار چین بنائی تھی، خلاصہ یہ کہ انھی مونگ کو دون کو

یونانیون نے سیتھین، رومادالون نے ہون یا ہونی اور چین کے لوگون نے انھین ہی ا
ہی الگ تو بالعموم وہ خانہ بدوش قومین تھیں، جو آپس مین ہمیشہ لڑتی بھڑتی رہتی تھین
تہا سکتے کہ کوئی جماعت یا قوم بجز قوم قرایت کے کوئی سیاسی حیثیت رکھتی تھی،
ایک سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی قبیلہ کا نام مغل کیونکر ہوا؟
دسوین صدی عیسوی سے قبل غیر ملکون مین مغل کا نام کسی نے نہ سنا تھا،
چاہئے کہ کوئی قوم یا قبیلہ شروع ہی سے اپنا نام مغل رکھتا تھا، یہ بات نہ تھی، بلکہ
قبائل میں سے بعض رئیسون اور سردارون کا ذاتی نام مغل ہوتا تھا، جب کوئی ایسا
کا ذاتی نام مغل ہوتا، کسی قبیلہ کو اپنا مطیع و محکوم کر لیتا تھا، تو پھر اس قبیلہ کے کل
بھی اپنے تئین مغل کہنے لگتے تھے، اور اس طرح ایک فرد واحد کا نام بہت سے ا
عائد ہونے لگتا تھا، اور ایسا پورا قبیلہ مغل کہلانے لگتا تھا، یہ خیال اسٹنلی لین پول
یہ خانہ بدوش قبیلے اور قومین بالکل آزاد نہ تھین، بلکہ اپنے ہمسایہ چینیون،
اور ترکون کی محکوم اور باجگذار تھین، صید و شکار کے علاوہ مویشی پال کر اسکی نسل بڑ
تھے، گوشت اور ترش دودھ جسے قیز کہتے تھے، ان کی غذا تھی، جانورون اور کھال
تبادلہ، خطائیون چینیوں اور ترکون سے کرکے کچھ فائدہ کی صورت بھی پیدا کر
عملی طور پر مغلون کی تاریخ کی ابتدا چنگیز خان سے ہوتی ہے، انھی خانہ بدو
قبیلون مین ایک سردار یسوکائی بہادر تھا، اوس نے اپنی قوت اور ذہانت سے بہ
سے قبائل پر سرداری حاصل کرلی تھی، بہت سے قبیلون سے لڑکر اپنے قبیلے مین منہ
کیا اور بہتیرون کو بصلح و آشتی اپنا بنایا، مگر باوجود ان تمام کوششوں کے یسوکائی بہادر
ماتحت لوگون کی تعداد چالیس ہزار خیمون سے زیادہ نہ تھی، یسوکائی بہادر نے چنا

چینیون کو اپنا مطیع کیا تھا، وہان سب سے بڑا کام یہ کیا تھا، کہ اپنے ماتحت قبائل کو چین کی حکومت سے آزاد کرالیا تھا، ۱۱۶۵ئہ مین یسوکائی بہادر کا انتقال ہوگیا، اپنے بعد منجملہ دیگر اولاد کے ایک لڑکا چھوڑا، جسکی عمر ۱۳ برس کی تھی، اور نام اوس کا تموجن تھا، تموجن آگے چل کر چنگیز خان کے معزز لقب سے مشہور ہوا،

باپ کے چھوڑے ہوے یہی ۴۰ ہزار خیمے تھے جس کی بنیاد پر تموجن نے سلطنت کا وہ قصر عالیشان تعمیر کیا، جس کی مثال دنیا مین نہ تھی، باپ کی زندگی مین تموجن کو جو صرف ۱۳ برس کا کمسن لڑکا تھا، چنگیز خان کا لقب نہ ملا تھا، باپکے مرنے پر دریائے اونان کے کنارے جو قبیلے خانہ بدوش رہتے تھے، اور زندگی مین باپ ان کا سردار تھا، اون پر تموجن حکومت کرنے لگا،

یہان ہمارا مقصد تموجن چنگیز خان کی فتوحات کا مفصل ذکر کرنے کا نہین ہے، صرف اتنا بتانا کافی ہوگا، کہ تیس برس تک گھر کے دشمنون سے کش مکش کے بعد جس مین اوسے کامیابی ہوئی وہ اپنے باپکے قبائل اور ہمسایہ قبیلون پر باوجود سازشون کے جن مین دشمنون نے اوسے جان سے مار دینا چاہا آخرکار سب پر حاوی ہوگیا، اور موقع ملا کہ بیس برس زندگی کے جو باقی تھے ان مین ملک گیری اور کشورستانی کا شوق پورا کرے، اس شروع کے بیس برس کے زمانہ مین دشت گوبی کے شمال اقطاع مین خنگائی کے پہاڑی سلسلہ سے لیکر جو منچوریا کے شمال مغربی گوشہ سے شروع ہو کر دشت گوبی مین دور تک آیا ہے، دریائے اونن تک جو مشرقی ترکستان کا دریا ہے، اور کوہ التائی سے نکل کر سائبیریا مین بہتا ہوا دریائے اوبی مین شامل ہوکر قطب شمالی کے بحر منجمد مین گرتا ہے، تمام قبیلون اور قومون کو اپنا مطیع و منقاد بنایا انہی قومون اور قبیلون مین مشہور قوم قرایت کی تھی، قوم قرایت کا بادشاہ جس کا نام طغرل اور سلطنت چین کا عطا کیا ہوا خطاب ونگ خان تھا، یسوکائی بہادر کی زندگی مین یسوکائی

سے بھائی چارہ رکھتا تھا، اور اسی تعلق سے تموجن بھی ان کی عزت کرتا تھا، وَنگ خان نے تموجن کے دشمنوں کے کہنے میں آکر تموجن کے ساتھ بڑی بڑی دغابازیاں کیں، اور اس کے خلاف سخت سازشیں کیں، بہرکیف جب قرایت کی قوم تموجن کی محکوم ہو گئی، تو ۱۲۰۶ء میں تموجن نے ایک قوریلتای منعقد کی، اس قوریلتای میں تمام قبیلوں اور ایل اولوسوں کے سردار جمع ہوئے اور مذہب شامان جو مغلوں کا مذہب تھا اس کا ایک موبد بھی آیا، اس شامان نے حاضرین کے سامنے باوازبلند کہا، کہ آسمان (تنگری) تموجن کو ایسا بڑا لقب دینا چاہتا ہے، جو کسی سردار اور رئیس کو حاصل نہیں، آج سے وہ بجائے تموجن کے چنگیز خان کے لقب سے پکارا جائے چنگیز خان کے معنی "خصوصیت کے ساتھ زبردست بادشاہ" کے ہیں، غرض ۴۴ برس کی عمر میں قوموں اور قبیلوں ایل و الوس پر وہ حکومت قائم کی، جس پر اب کوئی اعتراض کرنے والا یا مخالفت کرنے والا نہ تھا، تین برس کے بعد جب قوم ایغور بھی مطیع ہو گئی، تو چنگیز خان نے چین پر فوج کشی شروع کر دی، گو چین پر کامل فتح بجائے چنگیز کے اس کے پوتے تولای یا قوبیلای کی قسمت میں لکھی تھی، قوبلای خان فرزند تھا اکتائی خان کا جو منجھلا بیٹا تھا چنگیز خان کا اور باپ کے مرنے پر خاقانی پر باپ کا جانشین ہوا تھا، چین کی سلطنت کو چھوڑ کر چین کے شمالی صوبجات میں مشرق کی سمت میں لیاوتنگ کی اور مغرب میں تنگوت کی ریاست ہیا چنگیز خان کی زندگی ہی میں سلطنت مغلیہ کی ماتحت یا باجگذار ریاستوں میں شمار ہونے لگی تھیں، اب دنیا پر حکمرانی کرنے میں جو چیز سد راہ تھی، وہ مغرب کی سمت میں قراخطائیوں کی ترکی حکومت تھی۔

سلطنتِ قراخطای کی حدود اراضی آجکل کے مشرقی ترکستان سے مطابق ہوتی ہیں سلطنت قراخطای کے بادشاہوں کو "گورخان" کہتے تھے، اور یہ سلطنت اپنی سرحد سے ملحق یاستھا سے ایران و ماوراء النہر سے باج وصول کرتی تھی، مگر جب چنگیز خان اور اس کے لشکر نے

قراخطائیون کی حکومت تسلیم کرنے کی جگہ ان پر حملہ کردیا اور ثابت کردیا کہ مغلون سے کسی کا مقابلہ کرنا قطعی بےکار ہے، اس کے کچھ زمانہ بعد چنگیز خان نے مشرقی ترکستان کے جنوبی شہرون کاشغر، یارقند اور ختن پر بھی اپنا قبضہ جمایا، اور پھر قراخطائیون کے باقی ملک پر بھی قابض ہوگیا اب مغلون کی حکومت کی سرحدین اس سلطنت سے جا ملین، جو خوارزم شاہ نے اپنی قوت بازو سے پیدا کی تھی، غرض اب خوارزم شاہ کی سلطنت مغلون کا نشانہ بنی، اور دنیا سمجھ گئی کہ مغلون کو اپنی سلطنت سے دور رکھنا قطعی ناممکن ہے،

مغلون کا لشکر اب کئی بڑے حصون مین تقسیم ہوگیا ایک حصہ لشکر کا خوارزم خراسان اور افغانستان مین پھیل گیا، اور لشکر کا دوسرا حصہ آذربائیجان، گرجستان اور جنوبی روس پر چھاگیا، تیسرا حصہ لشکر کا چین کے فتح کرنے مین بدستور مصروف رہا،

اسی زمانہ مین کہ فتوحات کی موجین مختلف اطراف مین بڑھ رہی تھین، چنگیز خان کا انتقال ۶۲۴ھ ۱۲۲۶ء مین ہوگیا، (اس تاریخ مین اختلاف ہے)

اب تک چنگیز خان اور اس کے بیٹون نے جن ملکون کو فتح کرکے اپنی حکومت وہان قائم کی تھی، وہ بحر اصفر (سی آف جاپان) سے لیکر بحر اسود تک پھیلے تھے، اور اس حکومت کی حدود ارضی مین وہ ملک اور قبیلے شامل تھے، جو مغلون نے چینیون تنگوتون، افغانون ایرانیوں یا ترکون سے چھینے تھے،

مغل سردارون مین دستور تھا کہ جب کوئی سردار ان مین لڑتا تھا، تو اس کی اولاد ذکور مین وہ قبیلے اور قومین تقسیم کردیجاتی تھین، جن پر سردار متوفی اپنی زندگی مین حکومت کرتا تھا، یہ تقسیم متروکہ بجائے ارضی تقسیم کے قبیلی تقسیم ہوتی تھی، اور وجہ ظاہر تھی، چونکہ قبیلے اور قومین خانہ بدوش صحراگرد تھین اس لئے کوئی خاص ملک یا مقام بطور وطن کے ان کیلئے

مخصوص نہین کیا جاسکتا تھا، پس یہی طریقہ ایل و اوس قومون اور قبیلون کی تقسیم کا ان مین جاری تھا،

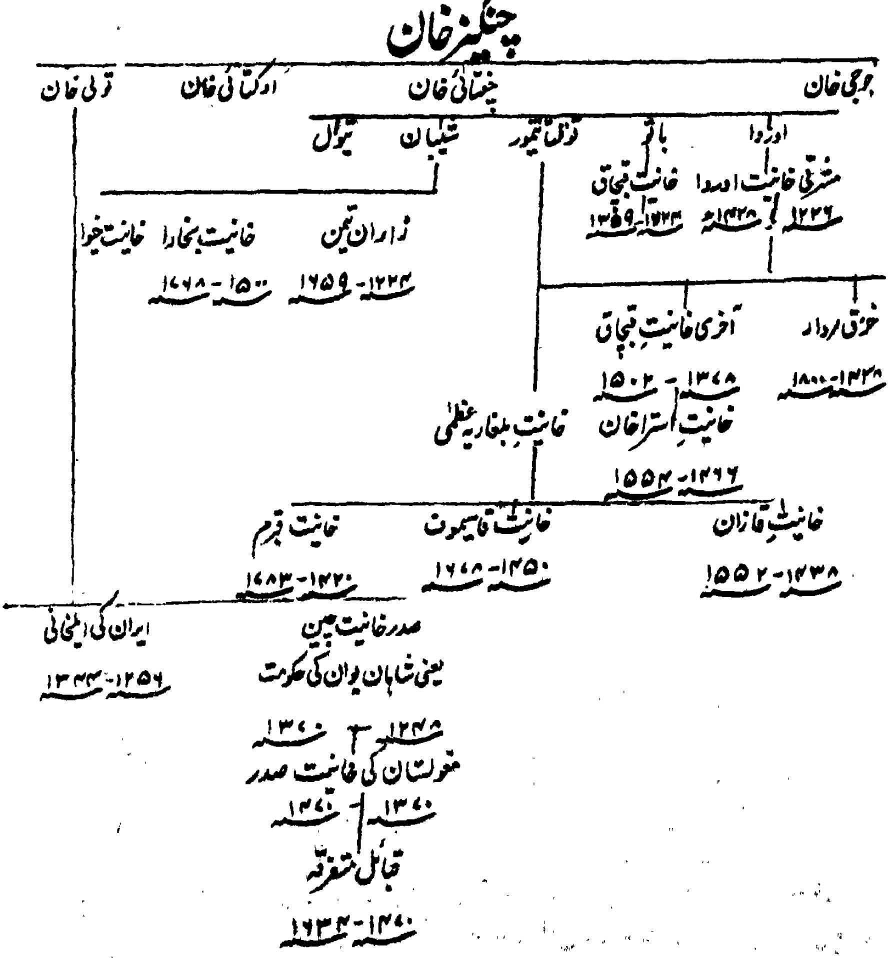
غرض چنگیز خان نے بھی جس قدر قبائل اور قومین اوس کے زیر نگین تھین، اپنی اولاد مین اس طرح تقسیم کین کہ خاص خاص قبائل اور قومین جو خانہ بدوش رہتی تھین، اور جن کے حدود اراضی کا جن مین وہ صحرانورد رہتے ہون کوئی واضح تعین نہین ہوسکتا تھا، ان مین سے کچھ کچھ ہر ایک فرزند کو دین، اور صدر خانیت کا جس کا خود مالک تھا، اس کے لئے بھی اپنا ایک جانشین مقرر کیا، اس صدر خانیت کے خان کو خاقان کہتے تھے، اور وہ تمام خانون اور قوم کے چھوٹے بڑے سردارون کا حاکم اعلیٰ سمجھا تھا، اس صدر خانیت کے خاقانون کو ہم چنگیز خان کی اولاد کی حکمرانی کا سلسلہ شروع کرتے ہین،

یہان یہ ذہن مین رکھنا ضروری ہے کہ چنگیز خان کے چار فرزند تھے، جن مین قومون اور قبائل کی تقسیم ہوتی تھی ان کے نام یہ ہین، (الف) جوجی خان سب سے بڑا بیٹا تھا (ب) چغتائی خان منجھلا فرزند تھا (ج) اوکتائی خان سنجھلا بیٹا تھا، اور باپ کے مرنے پر بھی صدر خانیت کا خاقان ہوا (د) تولی خان، یہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا،

چنگیز خان کی اولاد مین حکمرانی کے سلسلہ کو اس طرح بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (۱) اوکتائی خان کا سلسلہ جو ملک زنگاریہ کے قبائل پر حکومت رکھتا تھا، اوکتائی خان کی اولاد سے خاقان اس وقت تک ہوتے رہے، جب تک کہ اس کی اولاد کا سلسلہ قائم رہا اسکے بعد چنگیز خان کے سب سے چھوٹے فرزند تولی خان کی اولاد مین خاقانی منتقل ہوگئی (۲) تولی خان کا سلسلہ جو دولن یعنی منغولستان کے قبیلون پر حکمران تھا، اوکتائی خان کی اولاد کے سقوط کے بعد تولی کی اولاد سے خاقان ہوتے رہے، یہانتک کہ چین مین منچوؤن کا راج ہوگیا، (۳) تولی خان کی اولاد

کی وہ شاخ جو ایران مین حکمران ہوئی، یعنی ہلاکو حسان اور اوس کے بعد جو اوس کی اولاد جانشین ہوتی رہی، ان ہی کو ایل خان کہا گیا ہے، (جوجی خان کا سلسلہ جو خانیت قپچاق کے ترکی قبیلون پر حکمران ہوا، اسی جوجی کی اولاد مین خانان سیر اوردا اور خانان آق اوردا ہے، اور انہی سے خانیت استراخان قائم ہوئی اور اسی استراخان کی خانیت سے یورپ میں قازان، قاسیموف اور قرم کی خانیتین قائم ہوئین (۵) چغتائی خان کا سلسلہ، چنگیز خان کا یہ فرزند ماوراء النہر مین حکومت کرتا تھا،

اب ہم یہان ایک شجرہ بطور گوشوارہ کے دیتے ہین جن سے معلوم ہوگا کہ وہ حکمران خاندان کون کون تھے جن کی اصل چنگیز خان سے تھی، اور انھون نے ایشیا اور یورپ مین کہان کہان کتنی مدت تک حکومت کی،



اوپر کے شجرہ مین کل تفصیل آگئی ہے، لیکن جن ناظرین کو شجرے کے دیکھنے مین زحمت معلوم ہوتی ہو، ان کے لئے ہم شجرہ کو معمولی عبارت میں لکھے دیتے ہین،

غرض ان چار فرزندون مین سے سب سے بڑے فرزند جوجی خان کے پانچ بیٹے تھے، اوردا، باتو، توقایتمور، شیبان اور تیول۔

اوردا کی حکومت شرقی خانیت کہلائی گئی یا اوسے آق اوردا کی حکومت کہتے تھے، اس کا زمانہ ۱۲۲۶ء سے ۱۴۲۸ء تک رہا، حکومت کا مقام دریاے دو لگا سے مشرق کی طرف تھا،

باتو کی اولاد مین خاقان قپچاق ہوئے، انھون نے اپنے دارالحکومت سرائے سے ۱۲۲۴ء سے ۱۳۵۹ء تک یورپین روس کے بڑے حصہ پر حکومت کی،

توقایتمور اسکی اولاد نے بلغاریہ عظمیٰ مین ۱۳۶۶ء سے ۱۵۵۲ء تک حکومت کی، بلغاریہ عظمیٰ کی جانب سے جو یورپ مین واقع تھی، چار مختلف خانیتن پیدا ہوئین، ایک خانیت قازان جس کا زمانہ ۱۴۳۸ء سے ۱۵۵۲ء تک رہا، اور یوروپین روس کا مشہور شہر قازان اوس کا دارالحکومت رہا،

شیبان اسکی اولاد سے خانان تمین جنھین زاران تمین کہتے تھے، ان کا سلسلہ چلا، (تمین کا شہر یورال کے پہاڑی سلسلے سے مشرق مین، مگر پہاڑی سلسلے سے قریب نقشون میں دکھایا جاتا ہے) زاران تمین کی حکومت کا زمانہ ۱۲۲۴ء سے ۱۶۵۹ء تک رہا، اسی شیبان کی اولاد سے توغائے خانان خیوہ اور خانان بخارا ہوئے، خانان خیوہ کا زمانہ حکومت ۱۵۱۵ء سے ۱۸۷۳ء تک، اور خانان بخارا کا دور حکومت ۱۵۰۰ء سے ۱۸۶۸ء تک رہا،

تیول جوجی خان کے اس فرزند سے سرداران توغاے اور خانان سائی بیریا

کا سلسلہ چلا،

اوکتائی خان چنگیز خان کے مرنے پر منغولستان مین خاقان ہوا اور مستقر حکومت قراقورم کا شہر تھا، اوس کی اولاد مین ۱۲۲۰ئ سے ۱۲۴۰ئ تک خاقان ہوتے رہے،

تولی خان چنگیز خان کے سب سے چھوٹے فرزند سے چین کی صدر خانیت کا سلسلہ چلا، منغولستان کی صدر خانیت کے علاوہ صدر خانیت تھی جو تولی کی اولاد نے چین مین قائم کی جنھون نے مغلون کے ان خاقانون کو یوان خاندان کہا، زمانہ حکومت ۱۲۴۰ئ سے ۱۳۷۰ئ تک اسی تولی کی اولاد سے منغولستان مین ۱۳۷۰ئ سے ۱۴۷۰ئ تک خاقان ہوتے رہے، جب یہ خاقان نہ رہے تو حکومت مختلف قبائل مغل مین چلی گئی، اس تولی خان کی اولاد سے ایران کے ایل خانون کا سلسلہ چلا تو ۱۲۵۶ئ سے ۱۳۴۴ئ تک قائم رہا،

(باقی)

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈلیمب کی دلچسپ محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ مصنف نے اس مین تاتاری و فرنگی و عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیونکر اس وقت کی دنیا ے اسلام پر چھا جانے کا مستحق ہوا، ترجمہ کی صحت اور خوبی کے لئے مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے سابق ناظم دار الترجمہ عثمانیہ کا نام نامی ضمانت ہے،

معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ ضخامت ۲۷۲ صفحے،

قیمت :- ۱۲؍

مینیجر

اخبارِ علمیہ

غیر مسلموں کی بعض اسلامی تصانیف

برنارڈ لیوس نے "فرقہ اسماعیلیہ کی ابتدا" (The Origins of Ismailism) کے نام سے ایک کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع کی ہے، اس میں فاطمیون کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ کیا گیا ہے، اور اسلام کے ان متعدد فرقوں کے عروج کا تجزیہ کیا گیا ہے، جن کے رجحانات اسماعیلی تحریک میں مدغم ہوگئے، مصنف کا خیال ہے کہ اسماعیلی تحریک کی ابتدا ایک ایسے فرقہ کی کوشش سے ہوئی جس کے خیالات اسماعیل بن جعفر سے ملتے جلتے تھے، اسماعیل اور محمد بن اسمٰعیل نے اس تحریک کو ترقی دی، اس کے دوسرے ممتاز اور اہم رہنما ابو الخطاب میمون القداح اور عبداللہ بن میمون تھے، مصنف کی یہ بھی رائے ہے کہ اسمٰعیل بن جعفر کے زمانہ سے خاندان فاطمیہ کے برسر اقتدار ہونے تک ائمہ کی دو شاخیں تھیں، امام مستقر اور امام مستودع یعنی مستقل اور عارضی امام، موخر الذکر میمون القداح کے خاندان سے تھے، مصنف نے یہ بھی دکھانے کی کوشش کی ہے، کہ فاطمیون میں قائم کے بعد جتنے خلفاء ہوئے، وہ علوی تھے، لیکن خلافت فاطمیہ کا بانی سعید مہدی علوی کے بجائے القداحی تھا،[1]

---

[1] خلافت فاطمیہ کا بانی تو عبیداللہ مہدی قداحی تھا، معلوم نہیں سعید سے کون مراد ہے، پھر قداحی بھی علوی ہیں، اس لئے کہ قداح عبداللہ بن میمون کا لقب ہے، "م"

ایک دوسری کتاب بیروت سے شائع ہوئی ہے، اس میں اسلام اور عیسائی مذہب کے نفسیاتی اور تاریخی تعلقات دکھائے گئے ہین، یہ کتاب اسلام اور مسلمانون کے متعلق عیسائیون کی خوش فہمیون اور اس روشن خیالی کو ظاہر ہین بھی ان کے متعصبانہ خیالات کا دلچسپ نمونہ ہے، اس کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے، کہ عیسائی اب تک مسلمانون کے مذہبی عقائد یا ان کے انفرادی اور معاشرتی کردار کا مطالعہ کرتے رہے ہین، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی مبلغین مسلمانون تک اپنا مذہبی پیام پہنچانے مین کامیاب نہین ہو سکے ہین، لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سامی قومون کی نفسیاتی خصوصیات اور رجحانات کا مطالعہ کیا جائے اسلام اور عیسائی مذہب کے عقاید کی نفسیاتی خلیج بہت وسیع ہے، سامی تخیلات مادی چیزین ہوتی ہین، اس لئے ان کے یہان روحیت کی تجسیم ہو سکتی ہے، ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا خیال ہے، کہ روح ایک جسمانی چیز ہے یعنی روحیت غیر روحی چیز ہے، ایک مسلمان کبھی یہ نہین مان سکتا ہے، کہ خدا روح ہے، یہ اوس کے لئے ایک نفرت انگیز چیز ہے چنانچہ اسلام اور عیسائی مذہب مین اساسی اختلاف سیاست، عقائد، اور اخلاق کا نہیں، بلکہ روحیت کے تخیل کا ہے، ایک مسلمان کے لئے عیسائیون کے مذہبی اعتقاد اور اخلاقی معیار کو قبول کرنے مین کوئی مشکل نہین ہوتی لیکن اس کے لئے یہ ناقابل فہم مسئلہ ہے کہ شخصیت یا وجود کا ظہور بھلائی، سچائی، خوبصورتی اور محبت مین کیسے ہو سکتا ہے، سامی ذہن مین وجود کا تخیل ہمیشہ جسمانی ہوتا ہے، اور اس خصوصیت کو نہ سمجھنے کی بنا پر عیسائیون نے ہمیشہ اسلام کا سطحی مطالعہ کیا ہے، اس لئے عیسائی اگر مسیح کی تعلیم مسلمانون تک پہونچانا چاہتے ہین تو مسلمانون کو روحیت کی حقیقت سے روشناس کرنا چاہئے، اسلام ایک مذہب ہے، معتقدات کا، لیکن عیسائی مذہب نام ہے، عفو، مصالحت اور جدید زندگی کے روحانی تجربات کا، عیسائی عقائد ذہنی اذعان نہیں بلکہ ذاتی تجربات ہین،

اس کتاب مین عیسائیون اور مسلمانون کے سیاسی اور مذہبی تعلقات پر بھی تبصرہ ہے، اور مؤلف کو اس کا اعتراف ہے، کہ عیسائی حکمران اپنے مسلمان محکومون کے ساتھ نسبتہً زیادہ غیر روادار رہے ہین، مسلمان بادشاہون نے عیسائیون پر ظلم وستم کئے ہین، لیکن ان کا فعل مذہبی تعصب کی جانب منسوب نہین کیا جا سکتا ہے، مؤلف کا خیال ہے کہ عیسائیون کے لئے ایک مشکل زمانہ آگیا ہے، اور مسلمان اپنی ترقی اور عروج کے لئے نئی قوتین پیدا کر رہے ہین، اسلئے اب ضرورت اس بات کی ہے، کہ عیسائی مسلمانون کی نفسیاتی خصوصیات کو پیش نظر رکھکر انکی طرف ملتفت ہون،

ایک فرانسیسی اہل قلم نے عربی کا ایک لغت لکھا ہے، جس کا نام نشوء اللغۃ العربیۃ و نموہا واختلابہا ہے، اس میں عربی الفاظ کے اشتقاق ماخذ اور تاریخ پر بحث کی گئی ہے ایک عیسائی نومسلم علی بن ربان الطبری نے نوین صدی عیسوی کے وسط مین "کتاب الدولہ والدین" کے نام سے عیسائیون کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی، یہ کتاب ۱۲۱۹ء کے لکھے ہوئے ایک قلمی نسخے کی مدد سے مرتب کرکے ۱۹۲۲ء مین مع انگریزی ترجمہ کے شائع کی گئی تھی، اس کی اشاعت پر عیسائی مبلغون کو بڑی ناگواری ہوئی، اور اب ایک عیسائی اہل قلم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ مطبوعہ نسخہ ایک غیر مستند مخطوطہ سے مرتب کیا گیا ہے،

موجودہ جنگ مین برطانیہ کے اخراجات

ریوٹر کے ایک بیان سے معلوم ہوا ہے، کہ اکتوبر کے پہلے ہفتہ تک موجودہ جنگ میں برطانیہ ایک کروڑ تیس لاکھ پونڈ روزانہ خرچ کرتی رہی ہے، اس سال اب تک برطانوی پارلیمنٹ جنگی مصارف کے لئے دو ارب پونڈ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت دے چکی ہے، ستمبر کے مہینہ

سات کروڑ اسی لاکھ پونڈ ہفتہ وار، اور ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ روزانہ خرچ ہوا، ان میں نوے لاکھ پونڈ تو خالصۃً لڑائی میں اور بیس لاکھ پونڈ متفرق کاموں میں خرچ کئے جا رہے تھے، گذشتہ جون میں اخراجات کا اوسطاً ایک کروڑ دو لاکھ پچاس ہزار پونڈ تھا جس میں اسی لاکھ پونڈ کی رقم لڑائی میں خرچ ہو رہی تھی، گذشتہ جنگ عظیم میں برطانیہ کے زیادہ سے زیادہ اخراجات اسی لاکھ پونڈ روزانہ تھے،

امن پسندوں کی کانفرنس

ابھی حال میں امریکہ کے کیکرز (Quakers) کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے ارکین نے موجودہ جنگ کے اسباب پر غور کرکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں امن کیسے قائم رہ سکتا ہے، ان کا خیال ہے کہ برسوں کی خونریزی، ہلاکت اور بربادی کے بعد دنیا کو ازسرِ نو تعمیر نہیں کیا جا سکتا ہے، امن کوئی ایسی شرط نہیں جو اس میں خلل ڈالنے والے کی شکست ہی سے پوری ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ایک قوت آفرین طریقہ ہے، جس کے ذریعہ سے ناانصافی کو دور کرکے دنیا کی حالت بدل کر ساری برائیاں دور کی جا سکتی ہیں، اور امن کے اس نصب العین کی تکمیل کے لئے چھ چیزوں کی ضرورت ہے، (۱) ثالثی فیصلہ (۲) تخفیفِ اسلحہ (۳) بین الاقوامی معاہدہ (۴) تمام قوموں کو غیر ممالک کے بازار میں مساویانہ حقوق (۵) ہجرت کے قوانین تمام قوموں کی بہبودی میں مساوات (۶) ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل جن سے دوسری قومیں متاثر ہوں، بین الاقوامی مشورہ سے فیصلہ،

"ض ع"

ادبیات

وعظ جدید

از جناب اسد ملتانی

ہر مسلماں پر نمازِ پنجگانہ فرض ہے
تاکہ یہ باقاعدہ ورزشِ حیات انگیز ہو

غور سے دیکھیں تو روزے کا بھی مقصد ہے یہی
تندرستی کا سبب یہ عادتِ پرہیز ہو

مدعا یہ ہے جو اہلِ زر پہ واجب ہے زکوٰۃ
ہر ادارے کا خزانہ نقد سے لبریز ہو

اسلئے حج کے سفر کا ہے مسلمانوں کو حکم
تاکہ ان کا جذبۂ سیر و سیاحت تیز ہو

رسمِ قربانی کا بھی دراصل یہ مقصود ہے
مردِ مومن جنگ مین سنگین دل خونریز ہو

جنت و دوزخ سے ہے اک صورتِ امید و بیم
تاکہ یہ ذوقِ عمل کے واسطے مہمیز ہو

کوہکن ہین ہم اسی عشقی کی جوئے شیر کے
جس سے دنیا ہی میں حاصل شوکتِ پرویز ہو

یوں نئے واعظ بیان کرتے ہین اسکی حکمتین
دین جیسے اک دروغِ مصلحت آمیز ہو

ماتمِ فانی

از جناب یحییٰ اعظمی

رہروِ عالمِ باقی ہوئی جانِ فانی
آج ماتم کدہ ہے بزمِ جہانِ فانی

کام کر ہی گئین آفتِ بادِ فنا کی موجین
حیف خاموش ہوئی شمعِ زبانِ فانی

اٹھ گیا غم کدۂ دہر کا وہ نائی غم کھینچ دیتا تھا جو تصویر جہانِ فانی
دے گا داد اس کی نواؤں کی جہانِ باقی دادِ فانی میں کہاں مرتبہ دانِ فانی
میر و غالب سے کوئی خلد میں جا کر پوچھے احترام و ادب و عظمتِ شانِ فانی
ہو گئی بزمِ سخن کیفِ اثر سے محروم اب غزل میں وہ کہاں سوزِ نہانِ فانی
بزمِ امکان میں کہاں سب کو وہ ہوتا ہے عطا لذت اندوز تھی جس درد سے جانِ فانی
زہرِ غم اس کے لئے آبِ بقا سے بڑھکر تھا یہی زندگی روحِ روانِ فانی
ترجمانِ غمِ ہستی ہی رہی تا دمِ مرگ شعلۂ غم سے بجھی تھی جو زبانِ فانی
اس کا ہر نقش ہے سرچشمۂ صد موجِ حیات نہیں مٹنے کا زمانہ سے نشانِ فانی

کارفرما ہیں فضاؤں میں جو اس کے نغمے
آج تک وجد میں ہے کون و مکانِ فانی

شورِ نشور

از

از جناب نشور واحدی

قامتِ دلربا پہ شباب آ گیا یا سوا نیزے پہ آفتاب آ گیا،
جب سے سمجھے کہ عہدِ شباب آ گیا آپ ہی آپ کچھ اجتناب آ گیا،
دیکھتے دیکھتے انقلاب آ گیا قد مکمل ہوا اور شباب آ گیا
جب لڑکپن گیا اور شباب آ گیا کچھ نگاہیں جھکیں کچھ حجاب آ گیا
جاگی جاگی اُن آنکھوں کا عالم نہ پوچھ سامنے ایک جامِ شراب آ گیا
اک نگاہِ محبت کی تخمیر میں سب سمٹ کر جہانِ خراب آ گیا

وہ چلے وہ بڑھے وہ جواں ہو گئے | چند لمحوں میں یوم الحساب آگیا
جھوم اٹھی ایک سارماں بھری زندگی | جب ہوائیں چلیں جب سحاب آگیا
رات دلکش ہوئی حسن محشر ہوا | جب کسی بام پر ماہتاب آگیا

آیئے آئیے اس طرف وہ نشور!
شاعرِ یادگارِ شباب آگیا،

جشن جذبات

از

ثاقب کانپوری

اب مجھ سے وجہ گریہ پیہم نہ پوچھئے | شرمندہ ہوں گے آپ مرا غم نہ پوچھئے
جب التفاتِ حسن سے تھی بارشِ کرم | سرمستی و خوشی کا وہ عالم نہ پوچھئے
میں خود بھی جانتا نہیں میں چاہتا ہوں کیا | مجھ سے میرا تخیلِ مبہم نہ پوچھئے
اپنی تباہیوں کا کہیں ذکر کر نہ دوں | للہ وجہ گریۂ شبنم نہ پوچھئے
حاصل تھا جس میں مجھکو سرورِ مئے نشاط | وہ لطف وہ عنایتِ پیہم نہ پوچھئے
ہوں آپ ہی کے عشق و محبت سے اشکبار | آنکھیں ہیں میری کس لئے پُرنم نہ پوچھئے
کانوں میں آرہی تھی انا الحق کی یہ صدا | سرشاری خودی کا وہ عالم نہ پوچھئے

ثاقب کے کچھ عقائد مذہب ہی اور ہیں
اس نے پیا ہے کس طرح زمزم نہ پوچھئے

مطبوعات جدیدہ

پاکستان اور مسلمان

مرتبہ جناب انیس الرحمن صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۸۰ اصفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مرقوم نہیں، پتہ:۔ غالباً سورج بھون الہ آباد سے ملے گی،

یہ کتاب پاکستان کی مخالفت میں لکھی گئی ہے، مؤلف نے اس میں پاکستان کی مختلف اسکیمون پر جواب تک سامنے آچکی ہین، مختصراً اور پنجابی اسکیم پر مفصل تنقید کرکے اسکی خامیان اور عملی دشواریان دکھائی ہین، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جغرافی اور تاریخی حیثیت سے ہندوستان ایک ناقابل تقسیم ملک ہے، اور یہان کے مسلمان اور ہندو سیاسی، نسلی اور کلچرل حیثیت سے ایک قوم ہین اور پاکستان کی اسکیم نہ صرف اقتصادی اور انتظامی حیثیت سے ناممکن العمل، بلکہ سیاسی حیثیت سے غیر دانشمندانہ اور مسلمانون کیلئے نہایت مہلک ہے، آخری بحث یعنی اقتصادی و انتظامی دشواریون اور مسلمانو کے حق مین اسکے بُرے نتائج کو واقعات اور دلائل وشواہد کی روشنی مین قابلیت کے ساتھ دکھایا گیا ہے، البتہ کلچر کے اشتراک کی بحث نہ صرف اسلامی روح سے خالی ہے، بلکہ حقائق و واقعات کے اعتبار سے بھی غلط ہے، مؤلف نے موجودہ ہندوستانی کلچر کو بجنسہ اسلامی کلچر تصور کر لیا ہے، حالانکہ ہندوستانی مسلمان کا مذہب تک خالص اسلام سے بہت دور ہو گیا ہے، اس کلچر کو اسلامی کلچر قرار دینا اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، اس پہلو سے قطع نظر اس مین جابجا تاریخی غلطیان اور غلط فہمیان بھی ہین، "مثلاً اکبر کی انتہائی رواداری اور ہندو تہذیب سے عشق حضرت سلیم چشتی جیسے باکمال صوفی کے زیر اثر تھا، ۔۔۔۔اسلامی تصوف اور ہندو فلسفے کے میل جول سے جو تصوف

پیدا ہوا، اسکی پیداوار امیر خسرو گرونانک اکبر اور داراشکوہ کی شخصیتیں ہیں .... سنگیت پریجات کو عملی جامہ اکبر کے زمانہ میں تان سین امیر خسرو اور سدارنگ نے پہنایا ..... بیرونی نے سنسکرت کی بیس نادر الوجود کتابوں کا ترجمہ کیا" اس قبیل کے اور بیانات میں پیچ در پیچ غلطیاں ہیں، اولاً کسی مذہب و قوم کے میل جول سے مسلمانوں میں جو چیز بھی ایسی پیدا ہو، جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہو وہ قابل ترک ہے، اس کو کسی ثبوت میں نہیں پیش کیا جاتا، پھر مؤلف نے جو ثبوت پیش کئے ہیں، اس میں بھی غلط بیانی ہے، اکبر کی انتہائی رواداری اور ہندو تہذیب سے عشق کو حضرت سلیم چشتی سے کوئی تعلق نہیں، یہ اسکی بے دینی اور اسلام دشمنی کا نتیجہ تھا، اوس نے اسلام اور مسلمان دونوں کو جو نقصان پہنچایا، اوس کی تلافی آج تک نہ ہو سکی، داراشکوہ گو اکبر کی طرح دشمن اسلام تو نہ تھا، لیکن اس کی دینی گمراہی بھی اس سے کم نہ تھی، اگر اورنگ زیب نہ پیدا ہو گیا ہوتا، تو ان دونوں نے اسلام کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، حضرت امیر خسرو ہندوستانی موسیقی میں ضرور کمال رکھتے تھے، لیکن اس کے علاوہ ان کو اور کسی نوع کی ہندویت سے کوئی علاقہ نہ تھا، وہ ایک سچے مسلمان اور پاک باطن صوفی تھے، گرونانک اسلامی تصوف اور ہندو فلسفہ کی پیداوار نہ تھے، بلکہ اسلامی توحید کی پیداوار تھے، اکبر کے زمانہ میں امیر خسرو کے سنگیت پریجات کو عملی جامہ پہنانے کی تحقیق بھی خوب ہے، دونوں کے درمیان صدیوں کا فرق ہے، ۷۲۵ھ میں امیر خسرو کی وفات ہوئی اور ۹۴۹ھ میں اکبر پیدا ہوا، بیرونی نے سنسکرت کی چند کتابوں کا ضرور ترجمہ کیا لیکن ان کی تعداد بیس بتانا غلط ہے، اس قبیل کی اور غلطیاں بھی ہیں بہرحال کلچر اور قومیت کی بحث کو چھوڑ کر اور حیثیتوں سے کتاب بہت اچھی اور پر از معلومات ہے،

خطوط غالب

(جلد اول) مرتبہ جناب مہیش پرشاد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ سپید، ٹائپ بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ ہندوستانی اکیڈیمی الٰہ آباد،

مرزا غالب کے خطوط اپنی جدت اور سادگی و پرکاری کے لحاظ سے اردو زبان میں سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں، اردو کے طرز انشا میں کتنے ہی تغیرات ہوں، لیکن ان خطوط کی بہار بے خزان ہے، ان کی دلآویزی اور تازگی میں کبھی فرق نہ آئے گا، مرزا کے خطوط کے کئی مجموعے عود ہندی اردوئے معلی اور مکاتیب غالب شائع ہو چکے ہیں، اول الذکر کے کئی کئی اڈیشن نکل چکے ہیں، لیکن ان میں کتابت و طباعت کی غلطیاں بکثرت ہیں، بعض اڈیشن تو بالکل مسخ ہیں، پھر ان کے خطوط میں تاریخی ترتیب کا التزام نہیں ہے، بہت سے خطوط میں سرے سے تاریخیں ہی نہیں ہیں، مکاتیب غالب مرتبہ مولوی امتیاز علی صاحب عرشی البتہ ان نقائص سے پاک ہے، لیکن اس میں صرف والیان رامپور اور ان کے متوسلین کے نام کے خطوط ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ غالب کے خطوط کی ایک معتدبہ تعداد ایسی ہے، جو ان میں سے کسی میں نہیں ہے، ان میں سے بعض خطوط کتابوں یا رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، اور بعض اب تک لوگوں کے پاس قلمی موجود ہیں، جن کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی، منشی مہیش پرشاد صاحب نے جن کو غالب کے خطوط کے لفافوں تک سے شغف ہے، بڑی تلاش و محنت سے ان تمام متفرق خطوط کو جہاں تک مل سکے، حاصل کر کے اور ان تینوں مجموعوں کے خطوط کو ملا کر تاریخی ترتیب کیساتھ ۵۰۴ خطوط کا یہ جامع اور صحیح مجموعہ مرتب کیا ہے، کتاب کی ترتیب و تصحیح کی نظر ثانی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے جن کی اس باب میں دیدہ وری اور ژرف نگاہی مسلم ہے، فرمائی ہے، جو کتاب کی صحت کی سب سے بڑی ضمانت ہے، موصوف کے قلم سے مکاتیب غالب کے مجموعوں اور ان کے مختلف اڈیشنوں کے حالات اور مرزا کے رسم الخط اور اس کے ضمن میں اردو کے مروجہ رسم الخط پر جو ڈاکٹر صاحب کا دلپسند موضوع ہے، مفید نقد و تبصرہ ہے، ان خطوط میں ان کی ادبی خوبیوں سے قطع نظر اردو فارسی نظم و نثر اور شعر و ادب اور اس عہد کے متفرق واقعات و حالات کے متعلق جن کی حیثیت اب تاریخ کی ہو گئی ہے، مفید معلومات ہیں، اس لئے یہ مجموعہ علمی اور تاریخی حیثیت سے بھی معلومات کا ایک قیمتی

ذخیرہ ہے، منشی لعیتی پرشاد نے اسے مرتب اور اکیڈمی نے اُسے شائع کرکے اردو زبان کی گرانقدر
خدمت انجام دی ہے،

اسلام اور مسیحیت مولفہ مولینا ثناء اللہ صاحب امرتسری تقطیع اوسط ضخامت
۲۲۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ :۔ دفتر اہلحدیث امرتسر،

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بحث و مناظرہ اور ایک دوسرے کے مذہب پر تنقید کا پرانا طریقہ عرصہ ہوا بند ہو چکا لیکن پنجاب کے دیسی عیسائی پیٹ کی خاطر اب بھی اس دھندے کو قائم کئے ہوئے ہین، چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب نے اسلام پر مذہب عیسوی کی برتری کے ثبوت مین تین کتابین توضیح البیان فی اصول القرآن مسیحیت کی عالمگیری اور دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت لکھی ہین، اس مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اسلام کے اصول فطرت کے خلاف ہین، ان مین عالمگیر ہونیکی صلاحیت نہیں اصل دین فطرت مسیحی ہے، مولینا ثناء اللہ صاحب نے جن کا قلم پنجاب کے اکھاڑے مین شمشیر مجاہد کی حیثیت رکھتا ہے، ان تینون کتابون کے جواب مین اسلام و مسیحیت لکھی ہے، اور اپنے خاص انداز مین تینون دعوون کی پوری تردید کی ہے، اور بائبل سے موسوی اور عیسوی مذہب کی غیر فطری تعلیمات ان کی تنگی سختی اور درشتی اور اس کے مقابلہ مین اسلام کی فطری تعلیمات، ان کی سادگی سہولت اور وسعت کو دکھایا ہے، اور پادری صاحب نے اپنی کوتاہ نظری سے اسلام کی جن تعلیمات پر اعتراض کیا ہے، مولینا نے اوس سے زیادہ سخت تعلیمات بائبل سے پیش کردی ہین، جن لوگون کو مناظرہ کا ذوق اور اس قسم کے مسائل سے دلچسپی ہو، ان کے لئے اس کتاب مین کافی سامان ہے، ماشاء اللہ مولینا کا قلم اس بوڑھاپے مین بھی پورا جوان ہے لیکن یہ تعجب ہے کہ مولینا جیسے کہنہ مشق کے قلم سے بعض عام پنجابی غلطیاں اب تک سرزد ہوتی ہین، جیسے "مین نے بکر سے سو روپے لینا ہے" صفحہ ۲، یا "اوس کے احکام کا بل عمل ہین" ص ۲۴۹،

ہم نے اس کا بل کو اپنی قابیت سے پہلے کا بل پڑھا، غالبا یہ کاتب کی غلطیاں ہیں بعض مسائل جیسے چھ مہینہ دن اور چھ مہینے رات والی سرزمین میں روزہ کے عدم وجوب کے مسئلہ میں ہمیں موٴلف سے اختلاف ہے، حدیث دجال اقدر دھا جواب کی صحیح صورت تھی، قتل مرتد کے مسئلہ میں بھی اختلاف کی گنجایش ہے نقل اعتراض کے سلسلہ میں پادری برکت اللہ کی ایک عبارت ہے، کہ "ذات الوہیت میں باپ بیٹا اور روح القدس تین اقنوم ہیں، اور اس کے لئے متی ۱۸ ۔ ۱۹ کا حوالہ دیا گیا ہے" لیکن افسوس کہ متی کے اس حوالہ میں یہ مضمون کہیں نہیں، پادری صاحب کو اس مضمون کا صحیح حوالہ اگر موجود ہو تو ضرور بتانا چاہئے،

ٹیپو سلطان مرتبہ محمد عبد اللہ صاحب بٹ بی اے آنرز تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۹ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عار، بے جلد ۱۲، قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور

گذشتہ سال آل پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے ہندوستان کے مجاہد اعظم سلطان ٹیپو شہید کی یادگار میں یوم ٹیپو منایا تھا، اس میں سلطان کے متعلق مختلف مضامین پڑھے گئے، فیڈریشن کے سکریٹری جناب عبد اللہ بٹ نے ان مضامین کو کتابی صورت میں مرتب کر دیا ہے، اس میں سلطان کے حالات اوس کے اخلاق و سیرت سیاسی و انتظامی قابلیت طرز جہانبانی اور سیاسی مجاہدات و کارناموں پر بہت سے مفید مضامین ہیں، اور بعض انگریز مصنفین نے سلطان کے خون سے ناگناہی اپنی قوم کا دامن بچانے کے لئے سلطان کے خلاف جو الزامات لگائے ہیں، خود انگریزوں ہی کی تحریروں سے اس کی پوری تردید کی گئی ہے، اس مجموعہ کا کوئی مضمون فائدہ سے خالی نہیں مولینا محمد علی صاحب ایم اے کنٹب مدراس جناب مہر و سالک عبد اللہ بٹ صاحب اور پروفیسر سلیم چشتی کے مضامین خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہیں ان کے مطالعہ سے سلطان کی سیاست و عظمت، حادہ حریت اور اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کی پوری تصویر نگاہ کے سامنے آجاتی ہو،

صبح نشاط جناب اصغر حسین صاحب نظیر لدھیانوی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت غیر مجلد سے مجلد للعہ پتہ فضل حسین خان ایڈیٹر اوصاف لدھیانہ

سراقبال مرحوم کے اثر نے پنجاب میں جن شعراء کو پیدا کیا، ان میں ایک ممتاز نام جناب نظیر لدھیانوی کا ہے، وہ نئے دور کی پیداوار ہیں، ان کا کلام شاعری کے نئے رجحانات کا نہایت اچھا ترجمان، اس کے محاسن کا حامل اور اسکی خامیوں اور بے اعتدالیوں سے پاک ہے، انھوں نے سال کو ماضی سے وابستہ اور ملک قوم اور وطن کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا ہے، ان کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے، چنانچہ صبح نشاط میں ہر رنگ و بو کے نہایت پاکیزہ اور ستھرے نمونے موجود ہیں، جذبات فطرت بھی ہیں معارف ملت بھی مناظر قدرت بھی ہیں، مذہب و سیاست بھی، پند و موعظت بھی ہے، اور اخلاق و حکمت بھی حسن کی داستان بھی ہے اور عشق کی زبان بھی، غرض اس مجموعے میں شاعر کے ساز شاعری کا ہر نغمہ موجود ہے، قوم و ملت نظیر کی شاعری کا خاص مرکز ہے اسلئے اس مجموعہ میں یہی عنصر غالب ہے، اور اس سے متعلق ہر قسم کی قومی مذہبی اور تاریخی نظمیں ہیں، پورا مجموعہ خیالات کے اعتبار سے بلند و پاکیزہ اور شعری و ادبی حیثیت سے استقام شاعری سے پاک ہے، چند فارسی نظمیں بھی ہیں،

مسلمانوں کی دنیا مسلمانوں سید الطاف علی صاحب علوی تقطیع اوسط ضخامت

۴۵ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ نظامی پریس بدایوں،

مولوی الطاف علی صاحب بریلوی ان اصحاب میں ہیں، جو مسلم ایجوکیشنل کے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی خدمت بھی کرتے رہتے ہیں، ان کے قلم سے متعدد مفید کتابیں نکل چکی ہیں، "مسلمانوں کی دنیا" انکا ایک اصلاحی افسانہ ہے، اس میں مسلمانوں کے طبقہ امراء کے لغو مشاغل اخلاقی کمزوریوں اور معاشرتی خرابیوں کو دکھایا گیا ہے، جس سے انکی اخلاقی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے، اس افسانے سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ قومی کام کرنیوالوں کی کوششیں رخنہ اندازیوں کے باوجود بالآخر کامیاب ہوتی ہیں (م)

ستان کی قدیم | ہندوستان کی قدیم تاریخی
می درسگاہیں | کتابوں میں مرتب طور
وستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان
رسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا
، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم
ایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی
اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا،
و اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین
ی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام
تائع کیا ہے، ضخامت ۴۴ ا صفحے، قیمت: ۱۲ار
ر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں
ئی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور
ب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان
لف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا
تا ہے، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے
یخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض
ی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے
ر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان
بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں
تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،
مت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عمر
اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری
ون میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے
کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں
ی بادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب
وئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی
تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو
نے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے

لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں
کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں
مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں،
قیمت: عمر ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ار

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ: مولنا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت ۲ار

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۳۰۰ قیمت عہ

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصے میں عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مفصل و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۵۰۰ قیمت عہ

[illegible]

[illegible]

موجودہ دنیائے اسلام

[illegible]

[illegible]

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۱ نومبر ۱۹۴۱ء

معارف

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتّبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دارالمصنّفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اوران کے جوابات، مورخانہ تحقیق وتنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ۔ قیمت: عہ رو عہ ۲۹۲ صفحے

خلافت اورہندوستان، آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہنداورخلفاے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اورسلاطین ہند کی تاریخ، سکوں اورکتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ر ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشاء اورشاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اوراس کی تاریخ کے ماخذ اورعالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط وواقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کیگئی ہے۔

قیمت: للعہ ر ۴۸۲ صفحے،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط ورقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان سے علم وادب، سیاست اورتاریخ کے بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: سے ر ۲۹۰ صفحے،

تاریخ صقلیہ اوّل، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اوراسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیروبرکت کا سرچشمہ بنا دیا اورتقریباً پانچسو برس تک اس کا اثر رہا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اُردو وانگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش وتحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اورجلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ ر ۴۲۶ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اورباشندوں کے اخلاق وعادات کا ذکر ہے، پھر نظامِ حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اوران کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اورتجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم وآداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعروشاعری، علوم عقلیات، ریاضیات وطبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اورانہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اورشعراء کے مفصل سوانح حیات ان کی تصنیفات اورکلام نثر ونظم کا ذکر ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ ر ۵۰۰ صفحے،

جلد ۴۸ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۱ء عدد ۵

مضامین

شذرات

مجلس نظام اسلامی کی خواہش کے مطابق اسلام کے سیاسی و اقتصادی نظامات پر جو کتاب لکھی جا رہی تھی اس کا پہلا حصہ جو سیاسی نظام پر ہے تقریبًا مکمل ہوگیا ہے، مولنٰنا اسحاق صاحب ندوی سندیلوی سابق مدرس جامع العلوم کانپور اس کو مرتب کر رہے ہیں، موصوف انگریزی بھی جانتے ہیں اور انھوں نے ان مسائل کا کافی مطالعہ کیا ہے اور ان پر رسائل اور مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں

ایران اس وقت جس سیاسی کشمکش میں ہے اس سے کون واقف نہیں لیکن یہ بات حیرت سے سنی جائیگی کہ اس کشمکش اور پریشانی کے ساتھ ساتھ علم و فن کی خدمت کرنے والے اس حالت میں بھی اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، اسی ہفتہ ایران سے ایک نئی کتاب درۃ التاج لغرۃ الدباج فارسی میں تصنیف علامہ قطب الدین شیرازی المتوفی ۷۱۰ھ چھپ کر آئی ہے، دباج اس زمانہ میں گیلان کا ایک امیر تھا جس کے نام پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، کتاب قدیم فلسفہ و حکمت کی ساری شاخوں پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، بالفعل اس کے پانچ حصے شائع ہوئے ہیں، سید محمد مشکوٰۃ نام ایک ایرانی فاضل نے متعدد قلمی نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح کی ہے، اور شروع میں تصنیف اور مصنف پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے،

ہر زمانہ میں پیروانِ مذہب کے اندر اہلِ عقل اور اہلِ نقل کے دو گروہ قائم رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں، اہلِ عقل یہ چاہتے رہے ہیں کہ ہر زمانہ میں جو علوم، خیالات اور افکار پیدا ہوتے رہتے ہیں، دین کو اس زمانہ کے

لوگوں میں قابلِ قبول بنانے کے لئے اس کی ترجمانی ہر زمانہ میں اس کے علوم و افکار کے مطابق کیجاتی رہی ہے،

بات یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک نہ ایک کوئی ایسا نظری خیال پیدا ہو جاتا ہے جو ہر طرح مشکوک، ناپائدار اور بے دلیل ہونے کے ساتھ اس درجہ یقینی، پائدار اور مدلل معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا ہر انسان اس کو بے چون وچرا تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، متکلمین یہ چاہتے اور کرتے رہے ہیں کہ دین کی تعبیر اور اس کے مسائل کی ترجمانی اسی کے مطابق کر دیں تاکہ اس زمانہ کے لوگ ان کو آسانی سے قبول کریں،

ابھی جدید علم کلام کی آفرینش کو نصف صدی بھی نہیں گذری کہ اس پر چار دور گذر گئے، سرسید نے جن کے زمانہ میں سائنس کا نیا نیا زور تھا، فطرت اور انکار خرقِ عادت کے اصول پر اس کو تول کر پیش کیا، ان کی اس ترازو پر جو مسئلہ پورا اُترا اس کو مانا، اور جو نہیں آیا وہ کم و بیش کرکے اگر پورا آگیا تو اسی کمی بیشی کے ساتھ اس کو قبول کر لیا، اور اس پر بھی جو نہیں آیا اس کو رد کر دیا، مولنا شبلیؒ کے عہد میں جدید تہذیب و تمدن کی گرم بازاری ہوئی تو انکی ساری عمر اسلام اور مسائلِ اسلام کو تہذیب و تمدن یا سویزیلشن کے اصول پر سمجھنے اور سمجھانے میں گذر گئی، اور اسی لئے وہ ہمیشہ تاریخِ اسلام اور تواریخ سلاطین اسلام سے تمدنی مسائل کی تحقیق کرکے اور ان کو موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے مستحسن کرکے دکھاتے رہے،

ان کے بعد تیسرا دور سیاسیات کا آیا جس میں عقائد و عبادات کے بجائے اسلامی مسائل میں سے سیاسیات کی بحث اہم ہو گئی اور ان کی تعبیر جمہوریت، دستوریت، نظامِ شوریٰ، خلافت، امارت و ملیت اور دین و ملت اور وطنیت میں تطبیق کی صورت میں نمایاں ہوئی، اس کے بعد ہی بالشوازم نے جنم لیا

تو پیٹ اور روٹی اور مزدوری کے نظریے سامنے آگئے، متکلمین عصر نے ان کی تطبیق کی طرف توجہ فرمائی ہی تھی کہ یورپ کی یہ جنگ سامنے آگئی اور نازی ازم اور فسزم کی تحریکوں کی قوت ظاہر ہوئی، اب اس زمانہ کے متکلم اسلام ایک تحریک کا نام رکھ کر سارے مسائل کی گتھیوں کو حل کرنے میں مصروف ہیں، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟

لیکن دوسرا فریق جو اہل نقل کا ہے اس کے نزدیک اسلام کے حقائق و مسائل اپنی جگہ پر خود مستقل ہیں، ان کی تعبیر و ترجمانی کسی زمانہ میں بھی کسی عارضی مصالحت اور ہنگامی تطبیق کی خاطر ایسی نہیں کرنی چاہئے کہ دین، اطفالِ عقلی کا بازیچہ بن جائے اور اس کی اپنی اصل مستقل حیثیت کے بجائے دوسروں کے ضمیمہ کی ہو جائے، جو دھوپ چھاؤں کی طرح ہر نئی حرکتِ آفتاب کے ساتھ نیا نیا رنگ بدلتا رہے،

اہلِ عقل کے نظریہ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں دین پر براہِ راست قلبی یقین کے بجائے عقلیات کے سہارے یقینِ ثانوی پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے، یہ سہارا جہاں ہٹا عقائد و اعمال کی ساری عمارت نیچے بیٹھ جاتی ہے، اس کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ چونکہ اس میں دین کی کوئی مستقل حیثیت قائم نہیں رہتی، بلکہ ہر عصر اور زمانہ میں اس کے نئے نئے قالب بدلتے رہتے ہیں، اور اس کی نئی نئی شکلیں نکلتی رہتی ہیں، اس لئے یہیں سے فرقہ آرائی کا سامان پیدا ہوتا ہے، اور نئے نئے فرقوں کا ظہور ہوتا ہے، اور پھر ہر طرف سے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کی لعنت برسنے لگتی ہے،

مقالات

عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پروفیسر جامعہ عثمانیہ

عرب اور خاصکر مکہ معظمہ کی معاشرتی حالت کا جو قبلِ اسلام پائی جاتی تھی، اگر قریب سے مطالعہ کیا جائے، تو ناگزیر اس نتیجہ پر پہونچنا پڑتا ہے، کہ اس زمانہ کے عربون مین غیر معمولی صلاحیتین پائی جاتی تھین جب اسلامی تعلیمات نے ان صلاحیتون کو صیقل کیا، تو عربون نے اپنی اپج اور کارکردگی کی قابلیت سے دنیا کو حیران کر دیا، اور جب "وحدت اور حرکت کے مذہب" یعنی اسلام نے ان کی توانائیون کو ایک مرکز پر جمع کیا، اور ان مین مزید قوت پیدا کر دی تو یہی عرب اس قابل ہوگئے کہ پوری دنیا کو مبارزت دین، اور وقتِ واحد مین اس وقت کی دونون عالمگیر شہنشاہیتون یعنی ایران اور روم (بزنطینہ) سے جنگ کرین،

مین نے اپنے بعض مقالون مین کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے، کہ زمانۂ جاہلیت کی عربی خانہ جنگیان عربون کے کردار کو بنانے اور ان مین حیرت انگیز قوتِ برداشت اور دیگر اعلیٰ ہمات پسند قابلیتین پیدا کرنے مین مدد و معاون رہین، جن پر خود نپولین[1] کو رشک تھا، عرب مین معیناتِ وفیا

[1] سینٹ ہیلینا کی یادداشتین (فرانسیسی) جلد (۳) صفحہ ۱۰۲،

پر لگنے والے بازارون اور کاروانون کی حفاظت کے لئے بدرقون یا خفارون کا انتظام کچھ اتنا مکمل اور وسیع ہوگیا تھا کہ اس نے پورے جزیرہ نمائے عرب مین ایک معاشی "وفاق" قائم کر دیا تھا جس سے عربون مین وحدت کے خیالات پیدا ہونے لگ گئے تھے، اور اسلام کے تحت ان کی سیاسی وحدت کا راستہ صاف ہوگیا تھا، اسی طرح شہری مملکت مکہ کا دستور بھی خاصہ ترقی یافتہ تھا، جس سے وہان کے باشندون کو اس بات کی تربیت مل چکی تھی، کہ ایک عالمگیر شہنشاہیت کے نظم و نسق کو چلا سکین [۵]

آج میرے پیش نظر ایک اور مسئلہ ہے، اور وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے عربون کی علمی صلاحیتین بھی اتنی خاصی تھین، کہ ہجرت کی ابتدائی صدیون مین عربون نے علوم و فنون کی حیرت انگیز نصیبین کا ئین، انہی صلاحیتون کو اجاگر کرنا، ان کی خفتہ قابلیتون کو بیدار کرنا، اور اون کو مفید اغراض مین کام مین لانا، یہ البتہ اسلام کا کارنامہ ہے،

عہد نبوی کے نظام تعلیم کا اس سے بہتر پس منظر کیا ہوگا، کہ اسلام سے پہلے عرب مین علمی حالت جیسی کچھ تھی، اس کا خاکہ پیش کیا جائے،

عرب مین زمانۂ جاہلیت مین تعلیم بدقسمتی سے ہمارے پاس زمانۂ جاہلیت کے تعلیمی معاملات کے متعلق بہت کم معلومات محفوظ ہین، اسکی کچھ تو یہ وجہ ہے، کہ اس زمانے مین وہان لکھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، اور کچھ یہ کہ لاکھون کروڑون کتابین ہلاکو خان وغیرہ نے بغداد، قرطبہ اور دیگر مقامات پر ایسے زمانے مین تباہ کر دین، جب کہ ابھی فن طباعت سے کتابین چھاپنے کا کام نہین لیا جانے لگا تھا، اس دشواری کے باوجود جو کچھ تھوڑا بہت مواد ہم تک پہونچ سکا ہے، اسکی مدد سے زمانۂ جاہلیت کی تعلیمی حالت کا پتہ چلتا ہے جس سے ہمین حیرت ہوتی ہے اور اس

---

[۵] "شہری مملکت مکہ" جو رسالہ اسلامک کلچر جلد (۱۲) شمارہ ۳ مین شائع ہوا، ملاحظہ ہو،

قوم کے متعلق رشک ہونے لگتا ہے، جو ان پڑھ ہونے پر اتراتی تھی۔[1]

اولاً اون کی زبان کو لیجئے، یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ کوئی زبان اپنے لغات، محاورات اور ادبی کمالات میں اس زمانے میں ترقی کرتی ہے، جب اوس کے بولنے والون کا تمدن عروج پر ہو، اور اس سے پہلے اوس زبان کی حالت اتنی پست ہوتی ہے، کہ اوس کو جانورون کی آواز سے کچھ ہی بلند قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس وقت اس زبان مین نہ تو اونچے خیالات ادا کئے جاسکتے ہین، اور نہ معمولی روزمرہ کی ضرورتون کے سوا اس مین کوئی علوم و فنون ملتے ہین، اگر اس معیار پر اسلام سے مین پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے، تو ہم زبان کی نزاکت، لغات کی کثرت، قواعد صرف و نحو کے استحکام، اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہین، یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ مستند عربی زبان زمانۂ جاہلیت کی سمجھی جاتی ہے، اسلامی تمدن کے عہد زرین کی زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے، اگر اگر ہم زمانۂ حال کی کوئی زبان مثلاً جرمن، روسی، فرانسیسی یا انگریزی کو لین، تو ان کے دو مؤلف جن مین مثلاً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ حائل ہو تو ایک ہی زبان کے یہ مؤلف ایک دوسرے کو بالکل نہین سمجھ سکین گے، اس کے برخلاف امرء القیس کی زبان اور قواعد صرف و نحو بالکل وہی ہین جو مثلاً زمانۂ حال کے مصری شعراء شوقی اور حافظ کے ہین، قرآن اور حدیث اس جاہلی زبان مین ہین جس پر عربی شہنشاہیت کے تمدن نے کوئی اثر قائم کرنے کا موقع نہین پایا تھا، قرآن اور حدیث زمانۂ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ مین آتے تھے،

---

[1] خود ایک حدیث مین ہے "ہم ایک اُمّی قوم ہین، لکھنا اور حساب کرنا ہمین نہین آتا" مختصر جامع بیان العلم ص ۳۵ معارف: اصل حدیث صحیح بخاری وغیرہ مین بھی ہے مگر اس مین فخر کا شائبہ نہین، بلکہ تمری مہینون کے اختیار کی وجہ بتائی گئی ہے،

جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو، اسی زمانہ میں عربی زبان لغات کی حد تک اتنی وسیع اور متمول ہو گئی تھی، کہ اس کا مقابلہ زمانۂ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے بھی باسانی کیا جا سکتا ہے، ان چیزوں کی مجھے تفصیل بیان کرنی غیر ضروری ہے، کیونکہ ہر عربی دان اس سے واقف ہے، میرا منشا صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ اسلام سے پہلے عربوں کی زبان جس پختگی اور وسعت سے بہرہ ور ہو چکی تھی، وہ یقیناً اس بات کے بغیر ممکن نہیں، کہ اس سے پہلے اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کی بڑی صلاحیتیں اور بڑے چرچے رہے ہوں، بے شمار نظمیں زمانۂ جاہلیت کی طرف منسوب ہیں، خود نثر میں بہت سے خطبوں، تقریروں، ضرب المثلوں، کاہنوں کا ہنوں، اور حکموں (پنچ) کے فیصلوں وغیرہ کی صورت میں ہم تک ان کی یادگاریں پہنچی ہیں، ان کے دیکھنے سے ہر ناظر یہ اندازہ کرلے گا، کہ اس زمانہ کے عربوں میں بلاغت، ظرافت، حسنِ ذوق، اور دقتِ نظر کا معیار کتنا بلند تھا،

خود لفظ "عرب" کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنا مطلب اچھی طرح سے واضح کر سکتا ہو، تمام غیر عرب عجم کہلاتے ہیں، جس کے معنی گونگے کے ہیں،

یہانتک تو استنباطات اور قیاس آرائیاں ہوتی رہیں، خود تاریخی واقعات بھی مفقود نہیں ہیں، مدرسوں کے سلسلے میں کسے یقین آئے گا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں بلکہ ایسی تعلیم گاہیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتی ہوں، ؟ بہر حال ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (جلد ۴ صفحہ ۱۰۳) میں بیان کیا ہے، کہ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلۂ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت جب بچی تھی، تو ایک مدرسہ جاتی تھی، جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرے، اس دلچسپ واقعے سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبیلۂ قریش کے رشتہ دار قبیلۂ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے، جو چاہے کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے کیوں نہ ہوں،

ان میں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پانے کے لئے جاتی تھیں،

بازار عکاظ میں ہر سال جو ادبی چرچا ہوا کرتا تھا اس کے باعث اسے ایک "پان عرب لٹریری کانگریس" کہنا بے جانہ ہوگا، عکاظ نے مورخین اور مولفین کو ہمیشہ سے ہی بہار رکھا ہے، حال میں جامعہ مصریہ کے پروفیسر احمد امین نے مجلہ کلیۃ الادب میں اس موضوع پر ایک بہت اچھا مضمون لکھا ہے، مجھے یہاں عکاظ کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں، یہاں اس قدر کافی ہے کہ اس ادارے کا صرف نام لے لیا جائے، جس نے عربی زبان کو معیاری بنانے کے لئے اتنا نمایاں حصہ لیا ہے،

غیلان بن سلمہ ثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[۵] کہ وہ ہفتہ میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا جس میں نظمیں پڑھی جاتیں، اور ان پر تنقید ہوتی، ہفتے کے باقی دنوں میں وہ کسی دن عدل گستری کا کام انجام دیتا اور کسی دن دوسرے فرائض میں مشغول ہوتا، اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جاہلیت میں طائف والوں کا علمی ذوق بھی کتنا بلند تھا،

اس زمانے میں مکہ کی علم دوستی اس سے بھی کچھ زیادہ ہی بلند تھی، سبع معلقات مکہ ہی کے معبد کعبہ میں لٹکائے جاتے رہے، اور اسی اعزاز و امتیاز نے ان سات نظموں کو عربی ادبیات میں ایک لافانی زندگی عطا کر دی ہے،

ورقہ بن نوفل مکہ کا ایک باشندہ تھا، اوس نے زمانہ جاہلیت میں توریت اور انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا،

غالباً یہ مکہ والے ہی تھے، جنھوں نے عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی

---

[۵] الازمنة والامکنة، مؤلفہ مرزوقی جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ تا صفحہ ۱۹۶ نیز معارف ابن قتیبہ،

حیثیت عطا کی تھی؛ غالباً یہی وجہ تھی کہ یہان کے اجڈ سپاہی بھی لکھے پڑھے ہوا کرتے تھے، اس کی مزید تفصیل آگے آئیگی،

قصہ نویسی، ناول اور ڈرامہ زمانۂ حال میں ادبیات مین بہت بڑی اہمیت رکھتے ہین، مکہ والون کو بھی اس کا بڑا ذوق تھا، چنانچہ چاندنی راتون مین خاندانی اجتماع گاہون پر یا شہر کے مرکزی دار الندوہ مین یہ لوگ جمع ہوتے، اور پیشہ ور قصہ گو وغیرہ وہان برجستہ یا سنے ہوے قصے بیان کرکے دلچسپی کا سامان مہیا کرتے، اس کے کچھ حوالے میرے مضمون "شہری مملکت مکہ" مین ملین گے،

ادبی ذوق جاہلیت مین صرف عربون ہی مین نہ تھا، بلکہ عرب مین رہنے والی دوسری قومون مین بھی اس کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ یہودی سموأل بن عادیا اور دیگر یہودی اور نصرانی شعرأ کے دیوان بھی پائے جاتے تھے، مدینہ منورہ کے یہودیون نے ایک بیت المدراس قائم کر رکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا، اور اسلام کے آغاز تک اس کا پتہ چلتا ہے، (دیکھئے سیرۃ ابن ہشام مین غزوۂ بنی قینقاع وغیرہ)

زمانۂ جاہلیت مین عربی زبان مین لکھنے پڑھنے کی چیزون کے لئے بڑی کثرت سے الفاظ ملتے ہین، چنانچہ صرف قرآن مجید مین ہی حسب ذیل الفاظ کا ذکر ہے :-

رَق اور قرطاس (کاغذ) قلم، نون (دوات) نستنسخ، مرقوم، مسطور، مستطر، مکتوب، تخطہ، تملی، یملل (لکھنے کے معنی میں جو مختلف افعال پائے جاتے ہین، یہ ان کے صیغے ہین) کاتب، مداد (سیاہی یا روشنائی)، زبر، کتب، صحف (کتابون اور تحریری چیزون کے معنون مین) وغیرہ،

۱؎ فہرست ابن ندیم صفحہ؛ نیز کتاب الخراج مؤلفہ قدامہ بن جعفر کا ٹکڑا جو آکسفورڈ مین ہے (گو غلطی سے قلانہ کی طرف منسوب ہے)

غرض ان اور اسی طرح کی مماثل بنیادون پر علوم و فنون کی وہ بلند عمارتین بعد مین زمانۂ اسلام کے عربون نے کھڑی کین جن پر پورے کرۂ ارض کی علمی دنیا فخر کرسکتی ہے،

قبل ہجرت اسلام

یہ چیز عام طور سے معلوم ہے کہ اسلام کا آغاز اس وقت سے ہوا، جب حضرت محمد صلعم پر چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اتری، اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا، کہ زندگی مین آپ نے لکھنے اور پڑھنے کے فن مین حصہ لیا ہو، یا آپ عمر بھر اُمی ہی رہے اسکے باوجود یہ کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے، کہ خدا کے پاس سے آپ کو جو سب سے پہلی وحی آئی، اس مین آپ کو اور آپکے متبعین کو "اقراء" یعنی پڑھنے کا حکم تھا، اور قلم کی ان الفاظ مین تعریف کی گئی تھی، کہ جملہ انسانی علم اسی سے ہے :-

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرۂ خون سے پیدا کیا، پڑھ یہ تیرا بزرگ پروردگار ہی ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ چیز بتائی، جسے وہ نہیں جانتا تھا"

(قرآن مجید سورۂ ۹۶ - آیۃ ۱ تا ۴)

ایک حدیث مین رسول کریم صلعم نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا[1]،

سہولت کے لئے ہم بھی وہی مشہور تقسیم اختیار کرسکتے ہین، جو قبل ہجرت و بعد ہجرت کے نام سے رسول کریم صلعم کی زندگی کے متعلق استعمال کی گئی ہے، اور اسی تقسیم سے وہ زمانے بھی

---

[1] ترمذی ۲/۱۲۲ - ابوداؤد ۱۹/۳۹، ابن حنبل جلد (۵) ص ۳۱۵، طیالسی ص ۵۵۷،

متعین ہو جاتے ہین، جب آپ کے ہاتھ مین دنیادی اقتدار تھا یا نہ تھا،

یہ امر نمایان کئے جانے کے قابل ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتین جن مین لکھنے پڑھنے یا علم سیکھنے کا ذکر ہے، وہ مکی آیتین ہین، اس کے برخلاف مدنی آیتون مین کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ

۱- کیا وہ لوگ جو جانتے ہین، اور جو نہین جانتے، برابر ہو سکتے ہین،

(قرآن مجید ۳۹/۹)

۲- تم کو علم سے تھوڑی مقدار دیگئی ہے ۔ (" ۱۷/۸۵)

۳- اللہ سے اس کے بندون مین صرف عالم ہی ڈرتے ہین، (" ۳۵/۲۸)

۴- اور کہہ میرے آقا مجھے علم مین زیادتی عطا کر، (" ۲۰/۱۱۴)

۵- تمھیں وہ چیز سکھائی گئی، جو نہ تم جانتے تھے، اور نہ تمھارے آباؤ اجداد،

(قرآن مجید ۶/۹۲)

۶- اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائین، اور سمندر سات دیگر سمندرون کیساتھ سیاہی بن جائے تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہو سکین، (قرآن مجید ۳۱/۲۷)

۷- قسم ہے پہاڑ کی، اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر جو پھیلائی گئی ہو،

(قرآن مجید ۵۲/۱تا۳)

۸- قسم ہے دوات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو، (" ۶۸/۱)

۹- اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پہ لکھی ہوئی بھی ہوتی (قرآن ۶/۷)

۱۰- اگر تمھین معلوم نہ ہو، تو یاد رکھنے والون سے پوچھ لو، (" ۱۶/۴۳)

یہ تمام مکی آیتین ہین،

کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لئے نہیں ہوتا، چنانچہ ہمیں حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث میں رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]،

اسکی تائید قرآنی آیتوں سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا:

۱۔ (ابراہیم اور اسماعیل نے دعا کی): اے ہمارے آقا ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول بھیج، جو انھیں تیری آیتیں سنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ کرے، تو ہی طاقتور اور عقلمند ہے، (قرآن مجید ۲/۱۲۹)

۲۔ وہی ہے جس نے اُمیوں میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا تاکہ انھیں اسکی آیتیں سنائے ان کا تزکیہ کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اگرچہ اس سے پہلے وہ خاص گمراہی میں مبتلا تھے، (ایضاً ۶۲/۲)

۳۔ بیشک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی جب اوس نے ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول بھیجا، جو انھیں اوس کی آیتیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے وہ فاش گمراہی میں مبتلا تھے، (ایضاً ۳/۱۶۴)

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں، خاص کر ایسے شخص کے لئے جو مذہب و سیاست کو بالکل الگ اور ایک دوسرے سے آزاد چیزیں نہ سمجھتا ہو، اور جس کا مطمح نظر یہ ہو کہ

"اے ہمارے پروردگار ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، (قرآن مجید ۲/۲۰۱)

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانہ میں جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی کوئی ایک درجن مدینہ والوں نے اسلام قبول کیا تھا، تو ان کی خواہش پر رسول کریم صلعم نے ان کے

---

[1] ابن عبد البر کی مختصر جامع بیان العلم ص ۲۵ معارف ابن ماجہ باب فضل العلماء

ساتھ مکہ سے ایک تربیت یافتہ معلمؓ روانہ کر دیا تھا جو انھیں قرآن مجید کی تعلیم دیسکے، اور دینیات اسلام سے واقف کرا سکے، بے شبہہ اس ابتدائی زمانہ مین تعلیم سے مراد صرف مبادی دین اور عبادت کے طریقون کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی،

زمانہ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے مین بیان کیجا سکتی ہے، یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے، اس کو لکھ لین اور اسکی نقلین کرین، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے، تو انھیں قرآن مجید کی چند سورتین اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملی تھین، اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھین،

اس سلسلے مین سب سے آخر میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہون جو قرآن شریف کی ایک مکی سورۃ (کہف) مین مذکور ہے، کہ کس طرح وہ طلب علم کے کیلئے گھر سے نکلے، سفر کی صعوبتین برداشت کین، اور دل دہلانے والے تجربے حاصل کئے، اس قصے کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے، ہر چیز نہین جان سکتا، اور یہ کہ علم مین زیادتی کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے[۲]

بعد ہجرت

ہمارے پاس بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے، اس کو سنہ وار ترتیب کی جگہ فن وار مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا، مثلاً مدرسون کا انتظام امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانون کی تعلیم، نصاب تعلیم، عورتون کی تعلیم، صوبہ جات مین تعلیمی انتظام، صوبہ جات مین دورہ اور تنقیح کرنے والے افسر وغیرہ،

---

[۱] سیرت ابن ہشام ص ۲۲۹ [۲] طلب علم کے لیے سفر کے سلسلے مین دیکھئے مقدمہ دارمی ص ۲۶

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم کو مدینہ منورہ روانہ کیا تھا جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں، جب ہجرت کے بعد رسول کریم صلعم خود مدینہ منورہ پہنچے تو بیشمار اور بیحد اہم جنگی اور سیاسی مصروفیتوں کے باوجود آپ اس کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے، کہ مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور سے نگرانی کرسکیں، چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے سعید بن العاص رضی کا تقرر کیا تھا، کہ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں، یہ بہت خوشنویس بھی تھے،[1] رسول کریم صلعم کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی، کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر مکہ والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپ نے ان لوگوں کا جو مالدار نہ تھے، انکی رہائی کے لئے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں،[2] حضرت عبادہ ابن الصامت رض کہتے ہیں، کہ رسول کریم صلعم نے مجھے صفہ میں اس غرض سے مامور کیا تھا، کہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دوں،[3]

صفہ سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے، یہ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا جو اس غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا، کہ باہر سے تعلیم کے لئے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھر طالب علموں کے لئے دار الاقامے کا بھی کام دے، اور مدرسہ کا بھی، اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دیجاتی تھی، قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں، فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا، جس کی نگرانی خود رسول کریم صلعم شخصی طور سے فرمایا کرتے تھے، اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے، یہ طلبہ اپنی فرصت کے گھنٹوں میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے،[4]

---

۱ استیعاب ابن عبدالبر ص۲۹۳، نیز نظام الحکومۃ النبویہ مؤلفہ کتانی ج۱ ص۴۸ بحوالہ ابو داؤد ۲ ابن سعد ج۲ ص۱۴، سہیلی ج۲ ص۹۲، مسند ابن حنبل ج۱ ص۲۴۷، کتانی کتاب مذکور ج۱ ص۴۸ ۳ کتانی ج۱ ص۴۸ بحوالہ ابوداؤد وغیرہ (معارف: ابوداؤد، کتاب البیوع باب کسب المعلم) ۴ بخاری باب سریۂ بیر معونہ،

درس گاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے
جن کے مدینے میں گھر تھے، اور وہ صرف درس کے لئے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے، وقتاً فوقتاً عارضی
سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی، مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، ا
ب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی،[1]

مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے، اور اپنا ضروری نصاب تکمیل
لے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے،[2]

رسول کریم صلعم اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں
وانہ کر دیتے، تاکہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں، جس کے بعد وہ مدینہ
ں آجاتے،[3]

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے، کہ رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی کہ جب
ینہ کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے، تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترک وطن کر کے مرکز اسلام کے قریب آبسیں[4]
ں بعض وقت ان کو اپنی نوآبادی بسانے کے لئے سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں،[5]

ترک وطن کے اس حکم میں فوجی، سیاسی اور تمدنی جو اغراض پوشیدہ تھے، وہ ظاہر ہیں، ابن سعد[6] نے
ن کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا، ایک معلم روانہ

---

۱ مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ ۲ بخاری باب رحمۃ البہائم نیز تفسیر طبری جلد (۱۱) صفحہ ۵ نیز تفسیر خازن
سورہ (۹) آیۃ ۱۲۲ کی تفسیر جہاں قرآن مجید میں حکم ہے، کہ پوری قوم جہاد پر نہ جائے، بلکہ چند لوگ تعلیم حاصل
کے رہنمائی کا فریضہ انجام دیں، نیز ابن عبدالبر کی کتاب العلم صفحہ ۲۱۲ ۳ کتانی کی نظام الحکومۃ النبوۃ
صفحہ ۴۳ و مابعد ۴ دیکھئے مفتاح کنوز السنۃ لفظ ہجرہ ۵ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲ وغیرہ ۶
طبقات ابن سعد باب الوفود،

کیا، جلون کو ہجرت کے متعلق جو عام ہدایتیں تھیں، اسکی انھون نے لفظی تعمیل کی، اور کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نکرے وہ مسلمان ہی نہین سمجھا جائے گا، قبیلے والے پریشان ہوئے، مگر وہ سمجھدار تھے، انھون نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تاکہ براہ راست جناب رسول اکرم صلعم سے معلوم کرین، کہ ہجرت کے حکم کا کیا منشأ ہے، اور یہ عرض کرین کہ انھیں اپنا وطن چھوڑنے مین کس قدر عظیم معاشی نقصان ہے، رسول کریم صلعم نے انکی مشکلات کو سُن کر انھیں اجازت دی کہ وہ اپنے وطن ہی مین رہین، اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا، جو اسلامی سرزمین مین ہجرت کرانے والون کے ساتھ رکھا جاتا تھا،

مدنی زندگی مین رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی، کہ قبائل مین تعلیم و تربیت کے لئے معلم روانہ کرین، بیر معونہ کے مشہور واقعے مین ستر قاریان قرآن بھیجے گئے تھے، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھین نجد کے ایک آباد علاقے مین اور کثیر قبائل مین کام کرنا تھا،

قبائلی نمائندون کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ و نادر واقعہ نہ تھا [1] اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ایسے لوگون کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کی رسول کریم صلعم خود شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے، اور یہ لوگ عمومًا صفہ مین ٹھہرائے جاتے تھے،

مدینہ منورہ مین صفہ واحد درسگاہ نہ تھی، بلکہ یہان کم از کم نو مسجدین خود عہد نبوی مین تھین [2] اور اس مین کوئی شبہ نہین ہے، کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلہ والون کے لئے درسگاہ کا بھی کام دیتی تھی، خاص کر بچے وہان پڑھنے آیا کرتے تھے، قبا مدینہ منورہ کے جنوب مین مسجد نبوی سے کوئی دو ڈھائی میل پر واقع ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ وقتًا فوقتًا رسول کریم صلعم وہان تشریف لیجاتے اور وہان کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے [3] بعض احادیث مین رسول کریم صلعم کے

---

[1] اسکی تفصیل اوپر آچکی ہے [2] ابو داؤد کتاب المراسیل نیز عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۴۶۹
[3] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۹۶،

عام حکم ان لوگون کے متعلق محفوظ ہین، جو اپنے محلے کی مسجد کے مدرسے مین تعلیم پاتے تھے،[۱] آنحضرت صلعم نے یہ بھی احکام صادر کئے تھے، کہ لوگ اپنے ہمسایون سے تعلیم حاصل کیا کرین،[۲]

ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رض نے بیان کیا ہے[۳]، کہ ایک دن جب رسول کریم صلعم مسجد نبوی مین داخل ہوئے، تو دیکھا کہ وہان دو قسم کے لوگ موجود ہین، کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت مین مشغول تھے، اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم مین منہمک، آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دونون ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہین، البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے، جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہین، ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے، کہ چاہے تو دے چاہے تو نہ دے، البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہین جو علم حاصل کر رہے ہین، اور جہالت کو دور کر رہے ہین، سچ تو یہ ہے کہ خود مین بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہون —— یہ کہتے ہوے آپ نے اس حلقے مین اپنے لئے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا،

یہان اس مشہور اور اکثر حوالہ دیجانے والی حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے، کہ ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابدون سے زیادہ سخت گذرتا ہے[۴]،

رسول کریم صلعم خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت عمر رض وغیرہ بڑے صحابہ ان درسون مین شریک رہا کرتے تھے، جہان قرآن وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی، آنحضرت صلعم مسجد نبوی کے حلقہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے، اگر وہان کوئی بے عنوانی نظر آتی، تو فوراً تدارک

---

[۱] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۴ [۲] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ جلد ۱ ص ۴۱ (معارف صحیح بخاری املاء نبوی بیان حضرت عمر رض)

[۳] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۵ نیز دیگر کتب حدیث [۴] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان عالم وفقیہ، بحوالہ بخاری و دیلمی، نیز ترمذی، باب العلم،

فرمایا کرتے، چنانچہ ترمذی میں ہے[1] کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں رسول کریم صلعم نے قضا وقدر کے متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا، آپ اپنے حجرے سے باہر آئے، مارے غصے کے آپ کا چہرہ تمتما رہا تھا، اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انار کا رس آپ کے رخساروں اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہو، آپ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گذشتہ امتیں اسی مسئلہ میں الجھ کر گمراہ ہو گئی تھیں،

یہ رسول کریم صلعم کی ایک طے شدہ سیاست تھی، کہ صرف وہی لوگ مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں، جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے، یہ کوشش بیکار نہ گئیں، اور خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی، کہ ہجرت کو چند ہی دن گذرے تھے، کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے، اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لیجایا کرے، اس کا منشا، قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی "خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے، اور شہادت کے اغراض کے لئے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے، اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے"[2]

مدینہ میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی، اور ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا، اگر اس میں شک نہیں کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اس زمانے میں پتہ چلتا ہے،[3]

ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط و کتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے

---

[1] شمائل ترمذی بحوالہ قاضی [2] قرآن مجید ۲/۲۸۲،

[3] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ، ۱/۲۴۵ تا ۲۷۷،

رضاکاروں کے ناموں کی فہرستیں[۱] مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر وغیرہ میں خفیہ نامہ نگار[۲] جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت صلعم کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری[۳] اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد و معاون ہوئیں، کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے، تاریخ نے رسول کریم صلعم کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہیں[۴]، صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونی چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلعم کی حکومت دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر چلتی تھی، اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپ کو انجام دینے پڑے تھے،

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت صلعم ہی سے شروع ہوا[۵]، آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہوسکتا ہے جن میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اسکی سیاہی کو ریگ ڈالکر خشک کرلو[۶]، یا یہ کہ حرف "س" کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو[۷] غالباً یہ حکم اسلئے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہے، یا یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہئے، کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے، کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاد دہانی ہو جاتی ہے[۸]،

---

۱ کتانی کتاب مذکور جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ بحوالہ صحیح مسلم ۲ کتانی ۱/۳۶۲ تا ۳۶۳ (معارف: خفیہ نامہ نگار کی اصطلاح صحیح نہیں، ممکن ہے کسی نے اتفاقاً کوئی اطلاع بھیجدی ہو) ۳ صحیح بخاری ۱۸۱/۵۶ کتانی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ مسلم شماری کی فہرستوں سے پندرہ سو اندراجات شہر مدینہ میں ہونے معلوم ہوتے تھے، جو ظاہر ہے کہ ابتدائے ہجرت کا زمانہ ہوگا ۴ اس پر جدید ترین تالیف الوثائق السیاسیہ کے نام سے میں نے شائع کی ہے ۵ کتانی ۱/۱۷۷ فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری باب خاتم، ۶ کتانی ۱/۱۲۵ ۷ ایضاً ۱/۱۲۵ و ما بعد ۸ ایضاً ۱/۱۲۶ و ما بعد، (معارف: اوپر کی تینوں باتیں صحیح حدیثوں میں نہیں)

عہد نبوی ہی مین یک فنی ذوق یا تخصص ترقی کرگیا تھا اور خود جناب رسالت مآب صلعم اوسکی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے، کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو، وہ فلان صحابی کے پاس جائے جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو، وہ فلان کے پاس جائے وغیرہ؛[1]

متعدد حدیثون مین معلون کو معاوضہ قبول کرنے کی ممانعت کی گئی ہے[2] عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے، کہ وہ درس گاہ صفہ مین قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انھین ایک کمان نذر کی، مگر رسول کریم صلعم نے انھین اوس کے قبول کرنے سے روک دیا؛[3]

ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالتمآب صلعم کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی، جو غیر زبانین جانتے ہون، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ جو دربار رسالت کے میر منشی کہے جاسکتے ہین، فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی)، جانتے تھے[4] آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ ان کو حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لین، اور چند ہفتون مین وہ اس مین طاق ہوگئے تھے[5] چنانچہ یہودیون کو اگر کوئی خط بھیجا جاتا یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا، تو حضرت زید بن ثابتؓ اس کو لکھ یا پڑھ لیا کرتے تھے،

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہین ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے، اس سے پتہ چلتا ہو کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا، معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے، اور وہ جو پڑھا سکتا، اس سے پڑھتے، بہرحال اتنا

---

[1] طبقات ابن سعد بر موقع [2] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "علم" بحوالہ طبرانی نیز بخاری ۲۲/۳۱۲ ابوداؤد ۳۴
[3] ابوداؤد جلد ۲ ص۱۲۹، اس کا ذکر شبلی کی سیرۃ النبی طباعت دوم، جلد ۲ ص۶۴ مین بھی ہے،
[4] کتانی ۲۰۲/۱ بحوالہ العقد الفرید مؤلفہ ابن عبد ربہ وغیرہ
[5] ایضاً ۲۰۳/۱ بحوالہ بخاری وغیرہ،

معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن وسنت کے جزء گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ نثر[1] بازی[2]، تیراکی[3]، تقسیم ترکہ کی ریاضی[4] مبادی طب[5]، علم ہیئت[6]، علم انساب[7] اور علم تجوید[8] قرآن کی تعلیم وبجا یا کرے، ایک حدیث میں یہ بھی حکم ہے کہ استاذ کی عزت کیجائے[9]،

مکہ کے باشندوں کو زبان کی صفائی کا بیحد لحاظ رہتا تھا، اور وہ یہ بھی چاہتے تھے، کہ ان کے بچے صحرا کی آزاد زندگی میں پرورش پائیں، اور مکہ کی رنگارنگ کی آبادی میں مل کر متاثر نہ ہوں، اسی وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو مختلف قبائل میں بھیج دیتے تھے، جہاں وہ کئی سال رہ کر والدین کے پاس واپس آتے، خود رسول کریم صلعم کو بھی اس سے سابقہ رہا تھا، اور آیندہ زندگی میں آپ اُسے یاد کیا کرتے تھے، کہتے ہیں، کہ معززین مکہ میں اس کا رواج آج بھی چلا آتا ہے،

تربیت دلانے کا ایک دوسرا طریقہ مکہ والوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ تجارت کے لئے جو کارواں جایا کرتے تھے، اس میں کسی معمر کے ساتھ نوعمروں کو بھیجا کریں، چونکہ مکہ کی معاشی زندگی کا دارومدار بہت بڑی حد تک تجارت پر تھا، اس لئے اس طریقے کی اہمیت مکہ والوں کیلئے جیسی کچھ تھی ظاہر ہے، سفر کے تجارب کا فائدہ ماسوا تھا،

اس زمانے میں نوعمروں اور معمروں کی تعلیمی ضرورتوں کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا، چنانچہ احادیث میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے، کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دینی چاہئے، نشانہ اندازی

---

[1] جمع الجوامع مؤلفہ سیوطی تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابن مندہ، ابونعیم و دیلمی [2] ایضاً تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ [3] ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی و دارقطنی وغیرہ نیز ابن عبد البر کی کتاب العلم ص۸، ابوداؤد ۱/۱۸، ابن ماجہ ۱/۲۳ [4] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "تعلمن" بحوالہ مالک [5] ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ ابن سنی [6] ایضاً تحت عنوان "تعلموا من انسابکم" بحوالہ مالک و ترمذی و بیہقی و طبری [7] ایضاً تحت عنوان "تعلموا من امر النجوم" بحوالہ دیلمی [8] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی،

پیراکی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھی، اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بچپن ہی سے ان کو سکھایا جاتا تھا، اور سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو انھیں سزا دینے کا حکم تھا،[۱]

عورتوں کے ساتھ علیحدہ سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلعم نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر لیا تھا، جب آپ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لیجاتے ان کو تعلیم دیتے، اور ان کے سوالات کا جواب دیتے،[۲] آنحضرت صلعم نے عورتوں کے لئے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا،[۳] ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک خاتون سے خواہش کی کہ وہ آپ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں[۴] آنحضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ بی بی عائشہؓ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم، نیز ادب، شاعری اور طب میں بڑا دخل تھا[۵] یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم نے فرمایا، کہ آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو[۶] قرآن نے بھی رسول کریم صلعم کی بیویوں پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا ہے، کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں[۷] ایک حدیث میں بیان ہوا ہے، کہ جس کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اُسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے، اور اس کی تربیت کرے، اور اچھی تربیت کرے، پھر اوس کو آزاد کر کے باضابطہ نکاح کر لے، تو اوسے دوگنا ثواب ملے گا،[۸]

رفتہ رفتہ مملکت اسلامیہ جو ابتداءً ایک شہر مدینہ کے کچھ حصہ پر مشتمل تھی، پھیلتی گئی، اور نہ صرف خانہ بدوش بدوی، بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت کرنے والے عربوں کی بھی بڑی تعداد میں

---

۱ جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان علموا الصبی بحوالہ ابن حنبل و ترمذی و بغوی ۲ صحیح بخاری کتاب العلم
۳ جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان علموا "نعم لہو المومنۃ فی بیتہا الغزل" بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ،
۴ کتانی ۹۴ تا ۹۵/۱ بحوالہ قاضی عیاض و ابوداؤد ۵ سیرۃ النبی مؤلفہ شبلی طبع دوم ۲/۴۰۴ ۶ احادیث
فضل عائشہ کسی کتاب حدیث میں دیکھی جا سکتی ہیں ۷ قرآن مجید ۳۳/۳۴ ۸ ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۶

اسلام قبول کرنا شروع کیا، ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا، کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے، عہدِ نبوی کے اختتام پر حکومتِ اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتون سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی، کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلّم بھیجدیئے جاتے تھے، اور کچھ صوبہ دار گورنرون کے فرائضِ منصبی مین یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا جاتا تھا، کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتون کا مناسب انتظام کرین[۱]، یمن کے گورنر عمرو ابن حزم کے نام جو طویل تقررنامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالتمآب صلعم نے لکھا تھا، اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے[۲]، اس مین بھی گورنر کو ہدایت ہے، کہ لوگون کے لئے قرآن، حدیث، فقہ اور علومِ اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کرین، اسی دستاویز مین ایک دلچسپ جملہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم مین کسطرح فرق کرنا چاہئے، اور وہ جملہ یہ ہے کہ "لوگون کو اس بات کی نرمی سے ترغیب دین کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کرین"[۳] گورنرون کو جس تعلیم کے رائج کرنے کا حکم تھا، اسمین دنیاوی ضرورتون مین سے وضو، جمعہ کا غسل، نماز باجماعت، روزہ اور حجِ کعبہ کے احکام شامل تھے،

صوبہ وار درسگاہون کا معیار بلند کرنے کے لئے رسول کریم صلعم نے صوبہ یمن مین ایک صدر ناظرِ تعلیمات مقرر کیا تھا، جس کا کام یہ تھا، کہ مختلف اضلاع و تعلقات مین ہمیشہ دورہ کرتا رہے، اور وہان کی تعلیم اور تعلیم گاہون کی نگرانی کرے[۴]، کوئی تعجب نہیں جو اور صوبہ جات مین

---

[۱] کتانی ۴۲/۱ و ما بعد [۲] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۱ تا ص ۹۶۲، تاریخ طبری ص ۱۷۲۶، ص ۱۷۲۹، کتانی ۲۴۸/۱ تا ۲۴۹ وغیرہا

[۳] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علّموا" (علّموا ولا تعنفوا فان العلم خیر من العنف ——— علّموا ویسّروا ولا تعسّروا) بحوالہ ابن سعد و بیہقی و ابن حنبل،

[۴] تاریخ طبری ص ۱۸۵۲ تا ۵۲ و ۱۹۸۳، (احوال سنہ ۱۱ھ)

بھی اس طرح کے افسر مامور کئے گئے ہوں،

آخر میں تعلیم کی نظری حیثیت کے متعلق قرآن و حدیث کے بعض احکام کی جانب اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا، چنانچہ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں، کہ شروع سے آخر تک بار بار اور صاف و صریح الفاظ میں اندھی تقلید کو برا ٹھرایا گیا ہے[۵۱] اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر شخص خود اپنے طور پر غور و فکر کرے، اور کسی رسم و رواج کی پیروی محض آبائی و موروثی ہونیکی بنا پر نہ کرے[۵۲] کسی اور مذہبی کتاب میں فطرت کے مطالعہ پر اتنا زور نہیں دیا گیا ہوگا، جتنا قرآن مجید میں ہے، کہ سورج، چاند، سمندر کی موجیں، دن اور رات، چمکتے ستارے، درخت، پودے اور حیوانات ——— تمام ہی قوانین فطرت کے تابع بنائے گئے ہیں، جن سے ان کے خالق کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے، قرآن مجید کے مطابق علم لامتناہی ہے[۵۳] اور بڑے سے بڑے عالم کا علم بھی تھوڑا ہی ہوتا ہے، یہ کہ سارا عالم انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اور انسان جو زمین میں خدا کا نائب ہے، اپنے برتاؤ اور کردار کے مطابق جانچا جائے گا: اسی طرح قرآن مجید میں اس کا بھی بار بار ذکر ہے، کہ حق و صداقت کی پیروی کیجانی چاہئے، اور موروثی عقائد و رواجات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے،

احادیث میں بھی علماء کی بڑی تعریف کی گئی ہے، اور ان کو سب سے بہتر انسان

---

۵۱ ابن عبد البر کی کتاب العلم ص۱۱۶ باب ذم التقلید بحوالہ آیت "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ" ۵۲ طلب علم کی فضیلت کے لئے دیکھو ابو داؤد، ۲۴/۳ مقدمہ ابن ماجہ ص۱۷، مقدمہ دارمی ص۳۱ وغیرہ، ترمذی ۳۹/۲، ۱۹۱،

۵۳ قرآن مجید ۱۸/۶۵ قرآن مجید میں قصہ موسیٰؑ و خضرؑ کا مقصد بھی طلب علم کی فضیلت اور علم انسانی کی قلت کو نمایاں کرتا ہے،

قرار دیا گیا ہو[۵۱] حتی کہ ان کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہو[۵۲] آخر میں ایک حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس کا اکثر حوالہ آتا ہے، اگرچہ ماہرین اس کو اس کے موجودہ الفاظ میں صحیح حدیث نہیں سمجھتے، لیکن اسکا مفہوم قرآن و حدیث کی عام تعلیمی پالیسی سے بالکل متفق ہو یعنی علم حاصل کرو اگرچہ چین ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے[۵۳]

ایک حدیث میں یہ دعا ماثور ہے، کہ "اے خدا میں تجھ سے علم نافع اور رزقِ طیب اور عملِ مقبول کی استدعا کرتا ہوں"[۵۴] اور اسی پر یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے،

اللّٰھُمَّ انی اسئلك علمًا نافعًا ورزقًا طیبًا وعملًا متقبلًا، آمین!

معارف: جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو عالم بھی ہیں، اور یورپ کی متعدد زبانوں سے واقف بھی ہیں، اور خاص طور سے عہدِ نبوی کے مختلف نظامات کے معلومات جن کا خاص فن ہو، وہ انگریزی میں مسلسل ان عنوانات پر اسلامک کلچر میں مضامین لکھ رہے ہیں، اب انھوں نے اپنے اس سلسلہ کے چند مضامین کو حذف و اضافہ کے ساتھ دوبارہ اردو میں مرتب کر کے ہمارے پاس بھیجا ہے، ان مضامین میں یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہو کہ یہ یورپی طرزِ خیال و ذہنیت کو سامنے رکھکر لکھے گئے ہیں، جو اردو کے قالب میں آنے کے بعد بھی اپنے فرنگی طرزِ تخیل کی غمازی کر رہے ہیں، "س"

---

[۵۱] من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہہ فی الدین (بخاری ۱۳/۱ و ۱۰/۹۶، ترمذی ۳۹/۱، مقدمہ ابن ماجہ ف ۱۷، مقدمہ دارمی ف ۲۳، ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۶ تا ص ۱۷، حدیث خیر الناس العلماء والمتعلمون (مقدمہ دارمی ف ۲۵ و ف ۳۱) ابوداؤد ۲۴/۱ و ۳

[۵۲] العلماء ورثة الانبیاء (بخاری ۱۰/۱، ترمذی ۳۹/۹، ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۱)

[۵۳] اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة (ابن عبد البر کی کتاب العلم، بیہقی کی شعب الایمان، ابن عدی کی الکامل اور سیوطی کی جمع الجوامع میں یہ حدیث ہے)

[۵۴] حدیث نبوی بحوالہ کتاب العلم مؤلفہ ابن عبد البر ص ۴۲،

تیموری شاہزادون کا علمی ذوق

از

سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین

(۲)

داراشکوہ | علمی حیثیت سے تیموری شہزادون کا گل سرسبد داراشکوہ تھا، وہ ایک باکمال مصنف شاعر اور خطاط تھا، اس کو شروع مین تصوف اور بعد مین ہندو مذہب سے گہرا شغف پیدا ہوگیا تھا، نثر مین اسکی تصانیف ان ہی دو موضوعون پر ہین، ان تصانیف سے داراشکوہ کے جن مذہبی اعتقادات اور صوفیانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے، ان پر بحث کرکے ہم ناظرین کو اس کی جانب سے بدظن کرنا نہین چاہتے بلکہ صرف اوسکے علمی کمالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے[۱] مگر اس کی تصانیف کی تاریخ وار ترتیب سے ناظرین کو خود اندازہ ہوجائے گا، کہ وہ کس طرح رفتہ رفتہ صحیح و خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف کی طرف مائل ہوگیا،

ا- سفینۃ الاولیاء، دارا کی یہ پہلی تصنیف ہے کہ جو اوس نے اپنی عمر کے پچیسوین سال ۱۰۴۹ھ

۱؎ داراشکوہ کی ایک تصنیف مجمع البحرین کو پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کیا ہے اور اوس کے دیباچہ مین دارا کی تصنیفات اور تراجم پر بڑی محنت و کاوش سے ایک انگریزی مقالہ لکھا ہے، جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی سابق رفیق دارالمصنفین نے بھی مقدمۂ عالمگیر مین دارا کی تصانیف پر بحث کی ہے،

مین لکھی، اس کتاب کے شروع مین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے، اور پھر خلفاے راشدین، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ کے مناقب ہین، اس کے بعد اولیاء اللہ کے احوال ہین جن مین قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ، اور سہروردیہ کے سلاسل کا ذکر خاص طور پر ہے، ایک باب مین متفرق سلسلوں کے صوفیاے کرام کے بھی کچھ حالات ہین، آخر مین ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتِؓ آنحضرت صلعم کے بعد ان خواتین کا ذکر ہے جنھون نے راہ سلوک مین کمال حاصل کیا، یہ کتاب مختلف مطبعون مین چھپ گئی ہے، ۱۸۵۳ء مطبع مدرسہ آگرہ سے ایک انگریز مسٹر بیل کے اہتمام مین جو نسخہ شائع ہوا تھا، اوس کے صفحات ۲۰۴ ہین،

دارا شکوہ نفحات الانس، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیا، اور طبقات سلطانی وغیرہ جیسے تذکرون سے مطمئن نہ تھا، کیونکہ اس کے خیال مین ان کتابون مین صوفیائے کرام کے حالات سلسلہ بہ سلسلہ علیحدہ علیحدہ منقول نہ تھے، اور ان کی پیدایش اور وفات کے سال کی تفصیل بھی ان مین اطمینان بخش نہ تھی، اسی لئے ان خامیون کو سفینۃ الاولیا لکھ کر پورا کیا، تمام تذکرہ نویسون نے اس کو ایک مستند تذکرہ قرار دیا ہے، حتی کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار مین اسکا حوالہ جابجا دیا ہے، سفینۃ الاولیاء کی تحریر کے وقت دارا شکوہ حنفی المشرب تھا، اور تصوف مین سلسلۂ قادریہ سے متوسل تھا، مگر آگے چل کے اس کے عقائد مین اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہوگئی،

اس کتاب کے ادب و انشار کے متعلق دارا خود لکھتا ہو:

" واگرچہ عبارتِ این کتاب راست براست است و در عبارت آرائی مقید نشدہ

سلہ سفینۃ الاولیا مطبع مدرسہ آگرہ ۱۸۵۳ء، دیباچہ

به فارسی ساده عام فہم نوشتہ لیکن بعضے جا اقتدار بعبارت نفحات الانس قطب الاولیار قدوۃ الاتقیار نیر آسمان عرفان خورشید فلک ایقان حضرت مولای نور امامت والدین عبدالرحمن جامی قدس سرہٗ انشا ے کہ کمال فصاحت و متانت دارد و اینہا را استاد خودمی داند کردہ و زبان روز مرہ خود را نیز ترک ساختہ[1]"

۲- **سکینۃ الاولیار**، دارا نے یہ کتاب اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال ۱۰۵۲ھ میں لکھی، اس میں اس نے اپنے پیر لسان اللہ ملا شاہ محمد یا محمد شاہ بدخشانی اور پیر کے مرشد میاں میر (یا ملاجیو) کے حالات، ملفوظات، کرامات اور ان کے خاندان اور خلفار کے احوال کی تفصیلات لکھی ہیں، اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بتائی ہے:-

سکینۃ الاولیار ..... اور کتابوں کی طرح اولیار حق کے معتقدون اور مخلصوں کے لئے بطور یادگار رہے، اور معلوم ہو جائے کہ کوئی زمانہ اس عالی گروہ سے خالی نہین رہا، اور نیز یہ کہ اس زمانے مین بھی جب کہ ۱۰۵۲ھ ہجری ہے، اس قسم کے لوگ ہین، اور تھے[2]"

دارا نے راہِ سلوک کی منزلین جس طرح طے کین، اوس کا حال اس طرح لکھتا ہے،

"جمعرات کے روز چوبیس سال کی عمر میں خواب مین فرشتہ نے مجھے آواز دی اور چار مرتبہ کہا "تجھے اللہ تعالیٰ ایسی چیز عنایت کرے گا، جو روے زمین کے کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی"۔ نیند سے بیدار ہو کر مین نے اپنے دل مین سوچا کہ اس قسم کی سعادت البتہ عرفان ہو گی، اور بے شک اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت بخش دے گا،

---

[1] سفینۃ الاولیار، ص ۴، ۳ [2] مجھکو سکینۃ الاولیار کا فارسی نسخہ نہیں مل سکا، اس کا اردو ترجمہ جو مل الدین ملک چنن الدین تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی منزل نقشبندیہ کشمیری بازار ہور نے شائع کیا ہے، میرے پیش نظر ہے۔

ان اللہ غفور رحیم، میں ہمیشہ اس دولت عظمیٰ کا طالب رہا، یہان تک کہ ۲۹ ربا ذی الحج ۱۰۴۹ھ کو ایک دوست خدا کی صحبت مین پہنچا، وہ مجھ پر نہایت مہربان ہوا، جو بات دوسرے لوگون کو ایک مہینہ مین حاصل ہوتی تھی، وہ مجھے پہلی رات مین مل گئی، اور جو کچھ دوسرے ایک سال مین حاصل کرتے تھے، مجھے ایک مہینہ مین حاصل ہوگئی، جہان تک کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدون اور ریاضتون سے پہونچتا، میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بغیر ریاضت یک بارگی پہنچ گیا، دونون جہان کی محبت میرے دل سے اُٹھ گئی، اور فضل ورحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے، اور جو مین چاہتا تھا، وہ مجھے مل گیا" (ص۵)

گو ہم دارا کے صوفیانہ عقائد سے بحث کرنا نہین چاہتے لیکن یہ کہنا نامناسب معلوم نہین ہوتا، کہ دارا نے جس عجلت اور تیزی سے راہِ سلوک کی منزلین طے کین، وہ ہندستان کے صوفیائے کرام مین کسی اور نے نہیں کین، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے بیس سال تک اپنے مرشد کے پاس رہکر ریاضت کی، اور برسون سمرقند، بغداد، ہمدان، تبریز، استراباد، سبزوار، حصار، بلخ اور ہندوستان وغیرہ کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد راہِ سلوک کی منزلین طے کرسکے، حضرت بختیار کاکیؒ بیس برس تک رات کو مطلق نہ سوئے، حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے اتنے مجاہدے کئے، کہ ایک بار حضرت معین الدین چشتیؒ ان کے حجرے مین تشریف لائے، تو ضعف سے ان کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوسکے، حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ۳۰ سال تک جنگلون مین عبادت کی، اس لئے دارا کا یہ لکھنا کہ اس نے یکبارگی "سب کچھ" حاصل کرلیا، مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے،

دارا کو اپنے مرشد کے مرشد ملا جیو سے والہانہ عقیدت تھی، اور وہ ایک قصبہ "بارہی"

مین عزلت نشین تھے، اسلئے دارا ان کو باری تعالیٰ کہتا تھا، (حسنات العارفین ص۳۰) ملا جیو نے خواب مین اسکو مشاہدہ اور مراقبہ کرنا سکھایا، اور خواب ہی مین اپنے سینہ کی امانت اس کے سینے مین منتقل کی، جس کے بعد داراشکوہ کو سلوک میں فتح پر فتح حاصل ہوئی، (ص۴۳)

ملا جیو کو بھی اپنے مرید کے مرید سے غیر معمولی شیفتگی تھی، وہ اپنے "یارون" اور "مریدون" سے کہا کرتے تھے، کہ جس طرح میں دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہون، تم بھی رہا کرو، اگر تم اس کی طرف متوجہ نہ ہوگے، تو خدا سے پھر جاؤ گے" (ص۴۲) (العیاذ باللہ) وہ اپنے مریدون کو داراشکوہ ہی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے، (ص۴۲)

لسان اللہ شاہ محمد یعنی دارا کے اصلی مرشد کو بھی دارا سے بڑی محبت تھی، انھون نے اسکی شان مین ایک غزل بھی کہی تھی، لیکن یہ اس قدر غلط اور بے معنی یا اتنی مسخ چھپی ہے، کہ بالکل مہمل ہوگئی ہے، ایک شعر جس کے کچھ معنی سمجھ میں آتے ہیں، یہ ہے:-

اے بے خبر ز عالم راز نہانِ دل روزے شود کہ تو بشوی ہمزبانِ دل

ملا شاہ محمد کو داراشکوہ سے یہ امید تھی، کہ وہ ہندوستان مین طریقۂ قادری کو رواج دیگا، لیکن یہ امید برنہ آئی، (ص۱۳۸)

داراشکوہ نے اپنے مرشد کے خوارق وکرامات کی بہت سی تفصیلات لکھی ہین، اور انہی کے ذریعہ سے ان کی روحانی عظمت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، آخر مین اس کے مرشد کی ہمشیرہ بی بی جمال خاتون کے احوال وکرامات بھی درج ہین، اور اس کے بعد ملا جیو کے خلفاء کا ذکر ہے، دارا نے ان خلفاء کے اشعار کے انتخاب بھی اس کتاب میں دیئے ہین، کتاب مین جابجا کشف المحجوب، نفحات الانس، غنیۃ الطالبین، تفسیر عرائس، تفسیر قشیری، فصل الخطاب، بحر الحقائق، تفسیر حسینی، صحیح مسلم، مشکوٰۃ، معجم البلدان وغیرہ کے حوالے ہین جن سے اندازہ ہوتا

کہ یہ کتابیں دارا کے زیر مطالعہ رہیں،

۳- **رسالہ حق نما**:- میری نظر سے نہیں گذرا،

۴- **حسنات العارفین یا شطحیات**:- دارا اس کتاب کی تمہید میں لکھتا ہے، کہ "وجد و ذوق کی حالت میں اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق" نکل جاتے تھے، جن کو سن کر "پست فطرت دون ہمت" اور "زاہد خشک" لوگ تنگ ظرفی کرتا ہی سے اس پر تکفیر کے فتاوی صادر کئے، اس تکفیر سے بچنے کے لئے اس نے مذکورہ بالا کتاب تالیف کی جس میں نہ صرف صوفیاے کرام اور علماے عظام بلکہ رسول اللہ صلعم اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایسے کلمات اور اقوال نقل کئے ہیں جو اس کے خیال میں شطحیات ہیں، ان اقوال سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے، کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج میں ایک ایسا مقام آتا ہے، جب ایک سالک شریعت و طریقت کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے، اور بے خودی میں اسکی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں، جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں لیکن وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتے، چنانچہ دارا یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے، کہ راہ سلوک میں ایسے ہی مقام پر پہنچ کر اس کی زبان سے شطحیات صادر ہوئیں، اور اسی مقام کے وجد و ذوق میں وہ صوم و صلوٰۃ سے مستغنی ہو گیا،

دارا نے جتنے کلمات و اقوال نقل کئے ہیں، ان پر مفصل بحث کرکے یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ ان کلمات کی نسبت غیر معتبر مشکوک اور مجہول الروایت ہے، اور بعض اقوال کی تشریح و توضیح صحت سے دور ہے، مگر اس مضمون میں ہم اس قسم کی بحث سے قصداً پرہیز کرنا چاہتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بعض شطحیات ایسی ضرور ہیں جو بعض صوفیاے کرام کی زبانوں سے غیر اختیاری طور پر نکلیں لیکن وہ خود کسی حال میں بھی دارا کی طرح ان کے جواز کے قائل نہ تھے، کیونکہ اسلامی تصوف شریعت کے دائرہ سے الگ نہیں ہے، اور شطحیات علماء و صوفیہ میں سے کسی نے بھی روا نہیں رکھا ہے، چنانچہ

ہندوستان کے اکابر مشائخ اور صوفیہ کا عمل اسی پر رہا ہے، ان کے افعال و اقوال اس کے شاہد ہیں،

۵۔ **مجمع البحرین**:- یہ کتاب دارا نے اپنی عمر کے ۴۲ ویں سال میں لکھی، اس میں اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے، اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفہ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہیں، توحید کے شیدائی ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں حقانیت کی منزل تک پہونچ سکتے ہیں، اس کتاب کی اشاعت پر دارا کو مرتد اور ملحد قرار دیا گیا، اور آگے چل کر اس کے یہی عقائد اوس کے زوال اور موت کا سبب بنے، یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے[۱]

دارا کی تصانیف یہی پانچ ہیں، اس کے بعد اوس نے زیادہ تر ہندو مذہب کی کتابوں کے ترجمے کئے یا کرائے، ان ترجموں کی تمہید میں دارا نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ حنفی المشرب اور سلسلۂ قادریہ کا پیرو ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ ہندو ہونے کی کوشش کر رہا تھا، یا کم از کم وہ اپنے عقائد کو ایسے سانچے میں ڈھال رہا تھا، کہ ہندو اس کی طرف مائل ہو کر تخت و تاج کے حصول میں اوس کے معاون اور مددگار ہوں،

۶۔ **سر اکبر**:- یہ اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے، جو دارا شکوہ نے ۱۰۶۷ھ میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا، اس کتاب میں بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے، کہ اصل قرآن مجید یہی کتاب ہے، (نعوذ باللہ) اس کی وجہ تصنیف کے متعلق وہ خود رقمطراز ہے، (نقل کفر کفر نہ باشد)

جب یہ فقیر بے اندوہ محمد دارا شکوہ ۱۰۵۰ھ ہجری میں کشمیر جنت نظیر گیا تھا، تو میں نے

---

[۱] پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ نے مجمع البحرین کو بہت ہی دقت نظر کے ساتھ اڈٹ کر کے اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیا ہے،

عنایتِ الٰہی اور اوس کے فضل نامتناہی سے کاملون کے کامل، عارفون کے خلاصہ، استادون کے استاد، پیشواؤن کے پیشوا، اور حقائق آگاہ کے معتقد یعنی حضرت ملاشاہ سلمہ اللہ سے سیادت اور ارادت حاصل کی، مجھکو ہر گروہ کے عارف کو دیکھنے اور توحید کے متعلق اعلیٰ باتین سننے کا ذوق تھا، اور تصوف کی بہت سی کتابین نظر سے گذر چکی تھین، اور کچھ رسالے بھی تصنیف کئے تھے، لیکن طلب توحید مین جو ایک بحر بیکران ہے، اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی، دقیق مسائل ذہن مین آتے تھے جن کا حل بجز کلام الٰہی اور استاذ ذات نامتناہی کے ممکن نہ تھا، چونکہ قرآن مجید وعظیم اور فرقان کریم کی اکثر باتین رمز کی ہین، اور آج کل اُن کے جاننے والے کم ہین، اس لئے مین نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابون کو پڑھون، کیونکہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے یعنی جو بات مجمل ہوگی دوسری کتابون مین مفصل پائی جائیگی اس تفصیل سے اجمال معلوم ہوجائیگا، مین نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابین پڑھین لیکن انمین توحید کا بیان مجمل اور اشارات مین تھا، اور ان آسان ترجمون سے جن کو اہلِ غرض نے کیا تھا مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا، اس بات کی فکر مین ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان مین توحید کی گفتگو کیون بہت زیادہ ہے، اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علما کو وحدت سے انکار اور موحدون پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ ان پر اعتبار ہے، برخلاف اسکے جہلاے وقت خداشناسون اور موحدون کے قتل، کفر اور انکار مین مشغول ہین، اور توحید کی تمام باتون کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہین، رد کرتے ہین وہ خدا کے راستے کے راہزن ہین، ان باتون کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا، کہ اس قوم قدیم (یعنی ہندوؤن) کے درمیان تمام آسمانی کتابون سے پہلے چار آسمانی کتابین تھین، رگ بید، سام بید، اتھربن بید…… اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی برہما

یعنی آدم صفی اللہ پر یہ تمام احکام نازل ہوئے، اور یہ باتین ان کتابون سے ظاہر ہین،...... اور محض توحید کے اشغال اس مین درج ہین جس کا نام اپنکھت ہے، اُس زمانہ کے انبیا نے ان کو علحدہ کرکے ان پر شرح و بسط کے ساتھ تفسیرین لکھی ہین، اور ہمیشہ ان کو بہترین عبادت سمجھکر پڑھتے ہین، اس خاکسار کی نظر چونکہ وحدت ذات کی اصل پر تھی، اور نہ کہ عربی، سریانی، عراقی اور سنسکرت زبان پر تھی، اس لئے چاہا کہ ان اپنکھت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے، اور جس کے جاننے والے اس قوم مین بھی کم رہ گئے ہین فارسی زبان مین بغیر کسی کمی اور بیشی اور نفسانی غرض کے لفظ بلفظ بالمقابل ترجمہ کرکے سمجھون کہ یہ جماعت اوس کو اہلِ اسلام سے پوشیدہ اور پنہان رکھتی ہے، اس کا کیا بھید ہے؟ شہر بنارس جو اس قوم کا دار العلم ہے، اور جہان پنڈت اور سنیاسی جو کہ سرآمد وقت اور بید اور اپنکھت کے جاننے والے تھے،....... اس خاکسار سے تعلق رکھتا تھا،......

۱۰۶۷ھ ہجری مین بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، اور توحید کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتین جن کا مین طلب گار تھا، لیکن حل نہین پاتا تھا، اس قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئین، جو بلاشک وشبہ پہلی آسمانی کتاب ہے، اور بحر توحید کا سرچشمہ ہے اور قدیم ہے، اور قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر ہے، اور صراحۃً ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ آیت بعینہٖ اس کتابِ آسمانی سرچشمۂ بحر توحید اور قدیم کے حق مین ہے، انّہ لقرآنٌ کریمٌ فی کتٰبٍ مکنونٍ لا یمسّہ الا المطھّرون تنزیلٌ من رب العٰلمین یعنی قرآن کریم ایسی کتاب مین ہے، جو پوشیدہ ہے، اور اس کو نہین چھوتے ہین، مگر وہ جو کہ پاک ہین، وہ نازل ہوئی ہے، خداوند عالم کی طرف سے متعین طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق مین نہیں، لفظ تنزیل

سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوح محفوظ کے حق مین ہے، چونکہ اپنکہت کہ وہ ایک مخفی راز ہے، اصل کتاب کی ہے، اور قرآن مجید کی آیتین بعینہ اس مین پائی جاتی ہین پس تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب یہی کتاب قدیم ہے، اس فقیر کو جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا، اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا، اس ترجمہ کے کرنے مین اس کے سوائے کوئی مطلب اور مقصد تھا، کہ وہ اور اوس کی اولاد اوس کے دوست اور حق کے طلب گار فائدہ اٹھائین "

مولانا شبلی مرحوم نے سر اکبر کے نسخون کو ۱۹۰۶ء مین ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ بنارس کی علمی نمایش گاہ مین دیکھا تھا، اس کتاب کے دیباچہ کو پڑھکر ان پر جو اثرات طاری ہوئے، ان کا اظہار اس طرح کرتے ہین، کہ " عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ داراشکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے، اس لئے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا، تو ملک مین بددینی پھیل جائے گی، عام مورخون کا خیال ہے، کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ داراشکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا، دلون کا حال خدا کو معلوم، لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا، اور کچھ شبہہ نہین کہ اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے "

(مقالات شبلی جلد ہفتم ص ۱۰۱)

علمی حیثیت سے اس ترجمہ سے یہ فائدہ ہوا کہ برہمنون کا علمی بخل جاتا رہا، اور اب تک ان کے جو علوم محض رازہائے سربستہ تھے، وہ بالکل فاش ہوگئے، اور اس فارسی ترجمہ کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانون مین ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ جرمنون کو اپ نشد کے راز سر اکبر ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے،

سر اکبر کا ایک خوش خط قلمی نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں ہے، گمان یہ ہے کہ اس

نہ کا خط دار اشکوہ یا اس کے کسی منشی کے ہاتھ کا ہے، آخری عبارت یہ ہے :-

تین ترجمہ اپنکھتہا ئے بیر جپار وید کہ موسوم بسرّ اکبر است و تمام معرفت نور الانوار از فقیر بے اندوہ محمد دار اشکوہ خود بعبارت راست براست در تمت شہ آخر دوشنبہ بست وششم ماہ رمضان سنہ یکہزار وشست وہفت در شہر دہلی، در منزل نگمودہ با تمام رسانید، ازین گنج معرفت بہرہ ور از ہستی موہوم خلاص گشتہ بہستی حق رسید رستگار جاوید گردید، تمام شد کتاب ترجمہ اپنکھتہار موافق چتر بیدؔ

۷- **بھگوت گیتا** :- اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے جس کے شروع میں یہ عبارت ہے

"گیتا بزبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علامی از کتاب مہابھارت از فن ششم کہ آنرا بھکم پرب گویند سری کرشن جیو ارجن سنباد"

اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ بھگوت گیتا کا یہ فارسی ترجمہ شیخ ابو الفضل کا کیا ہوا ہے لیکن برٹش میوزیم کے فہرست نگار نے اس کی بقیہ عبارت میں ابو الفضل کے اس ترجمہ کی عبارت میں تطبیق نہیں پائی، جو اکبر کے عہد میں ترجمہ کیا گیا تھا، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے، اس کے فہرست نگار نے اس نسخہ کے ترجمہ کو دار اشکوہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ بھی واضح طور سے بتایا ہے، کہ برٹش میوزیم کے نسخہ کو ابو الفضل کی طرف منسوب کرنا درست نہیں انڈیا آفس کے فہرست نگار نے ایک اور کتاب **نادر النکات** دار اشکوہ کی طرف منسوب کی ہے،

---

۱ معارف نمبر ۶ جلد ۱۴ میں سرّ اکبر کے موضوع پر ایک بہت ہی مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے جس کا مطالعہ ناظرین کے لئے مفید ثابت ہوگا ۲ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد اول ص ۵۹ ۳ انڈیا آفس کیٹلاگ جلد اول کالم ۹-۱۰۰۵ ۴ ایضاً کالم ۲۰۵،

مگر اس کا نام صرف سفینۃ الاولیاء کے سلسلہ میں آگیا ہے، فہرست نگار نے اس کی کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے، پروفیسر محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ کتاب شاید رسالہ حق نما یا مکالمہ بابا لال و داراشکوہ کا دوسرا نام ہو، کیونکہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ میں جو آخر الذکر نسخہ ہے اسکا دوسرا نام مخزن نکات بھی ہے،

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف داراشکوہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

"از تصانیف مشہور وے کتاب سفینۃ الاولیاء و سکینۃ الاولیاء و سر اکبر و دیوان اکسیر اعظم و رسالہ حق نما و رسالہ معارف وغیرہ است"

رسالہ معارف میری نظر سے نہیں گذرا، دیوان اکسیر اعظم کا ذکر آگے آئیگا،

مخزن الغرائب کے مولف نے اپنے دیباچہ میں ان کتابوں کی فہرست دی ہے جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہے، اس فہرست میں داراشکوہ کی بیاض کا حوالہ ان الفاظ میں دیا ہے:

"بیاض محمد داراشکوہ ولی عہد شاہجہان بادشاہ قادری تخلص صاحب مجمع البحرین که باصطلاحات صوفیہ ہند نوشتہ"

مگر اس بیاض کا ذکر کسی کتب خانہ کے کیٹلاگ میں نہیں، ورنہ اس سے دارا کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہو سکتا تھا، لیکن مخزن الغرائب کے جیسے دقیق النظر تذکرہ نگار کا اس بیاض سے استفادہ کرنا داراشکوہ کے کمال شاعری کی سند ہے،

پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مجمع البحرین کے دیباچہ میں مختلف ماخذوں سے دارا کی تین تالیفات کا ذکر کیا ہے، پیرس کے قومی کتب خانہ میں ایک مخطوطہ نگارستان منیر ہے جس کے آخر میں ایک مرقع کا دیباچہ ہے، کتب خانہ ہذا کے فہرست نگار کا بیان ہے کہ اس دیباچہ کا محرر داراشکوہ ہی ہے، پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ شاید یہ دیباچہ اس مرقع کا ہو جو دارا نے

اپنی محبوب بیوی نادرہ بیگم کو ۱۰۵۱ھ میں بطور تحفہ دیا تھا، مخزن ستمبر ۱۹۰۴ء میں دارا کی ایک فارسی **مثنوی** اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل (جلد دوم نمبر ا) میں دارا کی ایک **تزک** کا ذکر ہوا ہے، مگر ان کتابوں کے نام کسی تذکرہ اور تاریخ میں نہیں پائے جاتے،

ان تالیفات کے علاوہ حسب ذیل کتابیں دارا کے حکم سے لکھی گئیں،

۱- **مکالمۂ داراشکوہ و بابالال** بابالال بیراگی ذات کا کھتری اور قصور کا باشندہ تھا، لیکن اس کا استھان دھیان پور (بٹالہ) میں تھا، میاں جیو کا دوست تھا، اس لئے داراشکوہ کو بھی اس سے عقیدت تھی، اپنی کتاب شطحیات میں بابالال کے متعلق لکھتا ہے:

بابالال ہندیہ کہ از کمال عرفاست و در ہنود بغیران دمتانت وے کسے دیدہ نشد، مرا گفت، در ہر قومے عارف و کامل می باشد کہ حق سبحانہ تعالیٰ بہ برکت او آن قوم را نجات می دہد، و تو منکر ہیچ قومے مباش" (ص ۳۳ مطبع مجتبائی)

مجمع البحرین میں بابالال بیراگی کا نام مسلمان صوفیۂ کرام کے ساتھ آیا ہے، (ص ۲۶)

داراشکوہ ۱۰۶۲ھ میں قندھار کی مہم سے واپس آیا، تو لاہور میں بابالال سے ملا، اور دونوں کی گفتگو سات مجلسوں میں ختم ہوئی، ان مکالموں کو داراشکوہ کے حکم سے اس کے میر منشی چندر بھان برہمن نے قلمبند کر لیا تھا، مکالمے دلچسپ ہیں، جن میں یہ دکھلایا گیا ہے، کہ حق و صداقت کسی ایک مذہب کی ملکیت نہیں، اب سے بہت پہلے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے مطبع مجتبٰے ہند دریا گنج دہلی سے چھپ گیا ہے، اس کا اردو ترجمہ ایک ہندو لالہ چرنجی لال نے کیا ہے،

۲- **جوگ بشست**: یہ سنسکرت کی مشہور کتاب "یوگ واسی شسست" کا فارسی ترجمہ ہے، جو داراشکوہ کے حکم سے اس کے ایک درباری نے ۱۰۶۶ھ میں کیا، ترجمہ کی وجہ دارا نے یہ بتائی ہے:

"اس کتاب کے انتخاب کا ترجمہ جو شیخ صوفی کے ساتھ منسوب ہے، ہم نے مطالعہ کیا تو رات کو خواب میں دیکھا کہ دو بزرگ قبول صورت ایک اونچے پر اور دوسرے کسی قدر ان سے نیچے کھڑے معلوم ہوئے جو اونچے پر کھڑے تھے، بشسٹ تھے، اور دوسرے رامچندر ...... میں بے اختیار بشسٹ کی خدمت میں حاضر ہوا، بشسٹ نے نہایت مہربانی سے ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا، اور فرمایا کہ اے رام چندر یہ سچا طالب ہے، اور سچی طلب میں تیرا بھائی ہے، اس سے بغلگیر ہو، رامچندر کمال محبت کے ساتھ مجھ سے ملے، اس کے بعد بشسٹ نے رام چندر کے ہاتھ میں مٹھائی دی، تاکہ مجھے ملا دے، میں نے وہ شیرینی کھائی، اس خواب کے دیکھنے پر ترجمہ کی خواہش از سر نو زیادہ ہوئی، اور درِ عالی کے حاضرین میں سے ایک شخص مقرر اس خدمت پر ہوا، اور ہندوستان کے پنڈتوں سے ...... اس کتاب کے لکھنے میں اہتمام و انصرام کیا۔[۱]

اس ترجمہ کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ منہاج السالکین کے نام سے مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے، جو نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوا ہے، اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگا، کہ دارا ہندوؤں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، کہ وہ بھی رام چندر کی طرح ایک اوتار ہے،

۳- **تاریخ شمشیر خانی**: یہ شاہنامہ کی گویا تلخیص ہے، جو دارا کے حکم سے کی گئی، دارا کے وسیلہ سے جو کتابیں لکھی گئیں ان میں جناب پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے قصص الانبیا کا نام بھی گنایا ہے،

دارا کی علمی سرپرستی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اہل قلم اپنی کتابیں لکھ کر اس کے

---

[۱] بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر مرتبہ نجیب اشرف ندوی رفیق دار المصنفین،

نام سے منسوب اور معنون کرتے تھے، نورالدین محمد بن عبد اللہ بن عین الملک نے ۱۰۵۶ھ میں طب پر ایک ضخیم کتاب لکھی، اور اسکا نام طب داراشکوہی رکھا، پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کا نام علاجات داراشکوہی ہے، ابراہیم سکین نے اپنی کتاب ترجمۂ اقوال واسطی میں ابوبکر بن محمد بن موسیٰ الواسطی کے اقوال کا فارسی ترجمہ کیا، اور اس کو داراشکوہ کے نام سے معنون کیا۔

دارا نثر نگار ہونے کے علاوہ ایک ممتاز شاعر بھی تھا، اسکی شاعری کی داد اس کے مرشد نے "بے نظیر" اور "دلپذیر" کہکر دی تھی، کلمات الشعراء کے مصنف سرخوش نے لکھا ہے:

"طبع بلند و ذہنے رسا داشت، مطالب صوفیہ در رباعی وغزل منظوم می کرد و بحسب اعتقادی کہ بسلسلۂ عالیہ قادریہ داشت، قادری تخلص می کرد........ دیوان مختصر از و جمع شدہ"

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے دیوان کا نام اکسیر اعظم تھا اور وہ اسکی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سخنش دریاے توحید است کہ از زبانِ گوہر افشانِ او روان گشتہ و یا خورشید وحدانیت است کہ از افقِ بیان مطلع انوارش طلوع شدہ، مغزی باید کہ سخنش را بفہمد و دمی باید کہ معانی آن در وی امکان پذیرد" (خزینۃ الاصفیاء ص ۱۷۱ جلد اول)

دارا کا دیوان نایاب تھا، مگر ابھی حال ہی میں خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمۂ آثار قدیمہ) کو اس کے ایک دیوان کا نسخہ ملا ہے، موصوف نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک ماہانہ جلسہ (جولائی ۱۹۳۸ء) کے مضمون میں یہ بتایا ہے، کہ اس دیوان میں دارا کی ۱۳۴ غزلیں اور ۲۸ رباعیات ہیں، اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا، اب تک اس دیوان کی طباعت نہ ہو سکی ہے، لیکن شاید علی گڈھ کی مجلس تاریخ کی طرف سے بہت جلد شائع ہونے والا ہے، مختلف تذکروں میں ہم کو

---

۵ سکینۃ الاولیاء صفحہ ۱۴۴۔

دارا کے جو جستہ جستہ اشعار ملے ہیں، ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں، اس سے دارا کے ذوق شعری کا اندازہ ہوگا،

تذکرۂ سرخوش:۔

ہر خم و پیچی کہ شد از تاب زلف یار شد — دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد
خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود — چون بزلف او رسید آخر پریشانی کشید
بشکست دل ابلہ از گردش پایم — در کار من اینہم گرہی بود کہ وا شد
بقدر مال باشد سرگرانی — ز وزن زر فزاید بار دستار
بخیہ بر خرقۂ فناکیشان — موج آب حیات را ماند
ہمہ چیز تو خوب لیک این بد — کہ تو بسیار دیر می آئی
تا دوست رسیدیم چو از خویش گذشتیم — از خویش گذشتن چہ مبارک سفری بود

مخزن الغرائب: رباعی

معروف شدم تا کہ بعرفان گشتم — عارف شدم وز خویش عریان گشتم
پیدا کردی مرا ولیکن من ہم — پیدا کردم ترا و قربان گشتم

دیگر

عارف دل و جان تو مزین سازد — خاری کہ بود باش گلشن سازد
کامل ہمہ راز نقص بیرون آرد — یک شمع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین میں دارا شکوہ نے شطحیات کی تائید و حمایت میں بکثرت اشعار نظمیں اور رباعیاں لکھی ہیں، ان میں جو اشعار اور رباعیاں اوس نے اپنی طرف منسوب کی ہیں، ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، مثلاً وہ اس مضمون کو کہ ذاکر مذکور سے غافل ہو سکتا ہے، مگر اوس کا غافل ہونا عوام کے

غافل ہونے سے مختلف ہے یوں ادا کرتا ہے،

خوش گرچہ بیاد خود نشستن ہمہ وقت   این قید چہ لازم ست بر من ہمہ وقت
غافل شدنِ خلق زحق از حق ست   خود را تعب است یاد کردن ہمہ وقت

یا توحید کی حقیقت خود توحید کو فراموش کرنا ہے،

توحید خموشی ست و فکر است مدام   بحث آمد و شد ز دست توحید تمام
یک گفتن تو بہ بین تو ی ثابت کرد   توحید رود ز نقطہ چون گیری نام

ابو عبد اللہ خفیفؒ سے پوچھا گیا، کہ تصوف کیا ہے، تو فرمایا "غفلت را ہم وجود اللہ دانستن"
دارا نے اس نکتہ کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے،

ہر چند کہ خلق را گرفتہ کو.لی ،   غفلت شدہ است بر ہمہ مستولی
مشغول بحق ست بفہمد ،   یا نہ ہر کس کہ بہر چیز کند مشغولی

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے، اوس کے لئے ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا،

کافر گفتی تو از پے آزارم ،   این حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم ،   من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم

منصور نے صرف اپنے میں خدا کو دیکھا، لیکن عارف ہر چیز میں خدا دیکھتا ہے،

عارف بخود ا طلاق خدائی نکند   از ذاتِ لطیف خود جدائی نکند
گر بندہ کسے بود خدا او باشد   چون جملہ خداست خود نمائی نکند

توحید علم سے حاصل نہیں ہوتی ہے، کہنا اور ہے، اور ہونا کچھ اور ہے،

خواہی کہ شوی داخلِ اربابِ نظر   از قال بحال بایدت کرد گذار
از گفتن توحید موحد نشوی ،   شیرین نشود دہان ز نام شکر

عارف کسی کی پیروی نہیں کرتے ہیں،

ہردم برسد بعارفان ذوقِ جدید خود مجتہداند نے ز اہلِ تقلید
شیران نخورند جز شکارِ خود را روباہ خورد فتادہ جسم قدید

دنیا کی تمام چیزوں کو معرفت حاصل ہے، لیکن یہ راز صرف عارف کو معلوم ہوتا ہے،

توحید شناخت ہر کرا حالی نیست در راہِ طلب ہمت او عالی نیست
خوش آنکہ میانِ خویش حق را بشناخت او در ہمہ جاست ہیچ جا خالی نیست

عرفان اپنے کو ہیچ سمجھنے نہ کہ اپنے کو فنا کردینے میں ہے،

کے کار تو در شمار حق حق می آید، قلبے تو در اعتبار حق می آید،
باید کہ تو عین خویش دانی حق را فانی شدنت چہ کار حق می آید،

بر عارف اطلاق مردن جایز بنود چہ جان بجانان پیوست آب آب شد وخاک خاک و
ہوا ہوا و آتش آتش"

بیرون و درون کوزہ پر بود ہوا پیچید درون کوزہ آواز و صدا
کوزہ بشکست وگشت آواز آواز بشکست حباب و گشت عینِ دریا

خدا کا نام لیکر ذکر کرنا غفلت کا باعث ہی،

ہستی وجود خویشتن کردم رد گردید مسا ویم ہمہ نیک و بد
اکنون نتوان نام خود و نامش برد گر نام بگیرم ز من او می رنجد

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہیں ہوتا،

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا، ہر قطرہ آب ہست عین دریا،
حق را بچہ نام کس تواند خواندن ہر نام کہ ہست ہست از اسمائے خدا

داراشاہ دلربا کو ایک رقعہ مین لکھتا ہے کہ اس کے دل سے اسلام مجازی محو ہوگیا، اور اب کفر حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے، اور اس کفر حقیقی کی قدر معلوم کرنے کے بعد وہ زنار پوش، بت پرست، بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہوگیا ہے، اور اس کے لئے کسی چیز کے اقرار و انکار کا سوال باقی نہین رہا ہے،

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست
بدانستے کہ دین در بت پرستی است

اگر کافر ز اسلام مجازی گشت بیزار
کرا کفر حقیقی شد پدید ار،

درون ہر بتے جانیست پنہان
بزیر کفر ایمانیست پنہان،

بتر سا زادہ دادم دل بیک بار
مجرد گشتم از اقرار و انکار[1]

داراشکوہ نہ صرف شاعر تھا، بلکہ شاعرون کا سرپرست اور مربی بھی تھا، میر رضی دانش مشہد سے ہندوستان آیا تو دارا ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہوکر درجۂ عروج پر پہنچا، مرآۃ الخیال کا مؤلف میر رضی دانش کے ذکر مین لکھتا ہے :

"از تربیت کردہاے شاہ بلند اقبال سلطان داراشکوہ است و بدست یاری استعداد و پایمردی طالع بمحفل ہمایونش راہ دانست"

رضی دانش کے متعلق مخزن الغرائب مین ہے :-

"شاہزادہ داراشکوہ .... ویرا تربیت کلی فرمودہ از باعث قدردانی شہزادہ نہایت عزت و شہرت بہند یافت"

مرآۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے، کہ رضی دانش کی مندرجۂ ذیل غزل پر دارا نے ایک لاکھ روپئے بطور انعام دیئے،[2]

---

[1] رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۳۲۳،
[2] مرآۃ الخیال، کلکتہ اڈیشن ص ۲۵۸

موسم آن شد کہ ابر تر چمن پرور شود نکہتِ گل مایۂ شورِ جنون در سر شود

تاک را سیراب سازد ابر نیسان در بہار قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

نالۂ بلبل نہان در پردۂ برگِ گل است بید ما غم کاش ازین یک پردہ نازک تر شود

ما بذوقِ گریۂ مستی درین بزم آمدیم مے بدہ ساقی بقدرِ آنکہ چشم تر شود

راز پوشیدن نیاید دانش از بے تابِ عشق درمیانِ انجمن پروانہ خاکستر شود

مرآۃ الخیال میں ہے، کہ دارا کو مطلع بہت پسند آیا، لیکن سرخوش رقمطراز ہے کہ اس کو دوسرا شعر مرغوب ہوا، چنانچہ اس شعر کو مصرعِ طرح بنا کر شعراء کو غزلیں لکھنے کی فرمایش کی، اوس نے بھی اس پر ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے،

سلطنت سہل است خود را آشنائی فقر کن قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود[۱]

داراشکوہ اپنے میرمنشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا بھی دلدادہ تھا، اور مرآۃ الخیال کے مؤلف کیلئے باعثِ تعجب ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"عجب کہ شاہزادہ باآن ہمہ مستعد ان کہ در عرصۂ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحہ خاطر اربابِ دانش را چون شفقہاے موسم بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود، این معنی خالی از دو چیز نبودہ باشد، یا مذاق شاہزادہ ہمان طرز آشنائی داشت، یا او بزور طالع بدین پایہ رسید"[۲]

داراشکوہ کو برہمن کا یہ شعر بہت پسند تھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

داراشکوہ نے برہمن سے شاہجہان کے سامنے بھی یہ شعر پڑھایا، شاہجہان سنکر برافروختہ ہوا،

---

[۱] سرخوش مخطوطہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

لیکن افضل خان نے اس کا غصہ سعدی کا یہ شعر پڑھکر ٹھنڈا کیا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند چون بیاید ہنوز خر باشد[۵۱]

داراشکوہ فن خطاطی میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اوس نے شاہجہانی عہد کے مشہور استاذ آقا عبدالرشید دیلمی سے سیکھا، اور وہ اس کا بہت ہی محنتی اور لائق شاگرد تھا، تذکرۂ خوشنویسان مین ہے:

"داراشکوہ پسر شاہجہان بادشاہ شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشتغال امور شاہزادگی، ودیگر علوم بروئیہ آقا عبدالرشید شاید کسے مثل او نوشتہ باشد"[۵۲]۔

داراکو نستعلیق اور نسخ دونون مین کامل مہارت تھی، پروفیسر محفوظ الحق نے اس کی خطاطی کے بہت سے نمونون کا ذکر مجمع البحرین کے دیباچہ مین کیا ہے، مثلاً اوس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کلام پاک عزیز باغ لائبریری حیدرآباد دکن مین ہے، اس کے حروف شروع سے آخر تک سُنہرے ہین، ایک مطلا بجسبورہ کا نسخہ بخط نسخ اور ایک "دہ پند ارسطو" کا نسخہ بخط نستعلیق وکٹوریہ میموریل ہال مین محفوظ ہے، آصفیہ لائبریری حیدرآباد مین داراکے خط کی دو کتابین ہین، رسالہ حکمت ارسطو اور شرح دیوان حافظ (فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول ص ۴۲۹) ان کے علاوہ اسکی لکھی ہوئی وصلیان مختلف جگہون مین پائی جاتی ہین، بعض کتابون پر اس کے دستخط اور مختصر تحریرین بھی ہین، جو خطاطی کے نادر نمونے کہی جاسکتی ہین،

سپہر شکوہ | خزینۃ الاصفیار کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد جب اسکا نو سالہ لڑکا اورنگزیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو عالمگیر نے اس بچہ کا حال پوچھا، بچے نے

---

۵۱ مرأۃ الخیال ص ۱۵ ص ۲۱۴،

۵۲ تذکرہ خوشنویسان ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۵۴

فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

ہجر دارا بر دلِ من کمتر از یعقوب نیست		او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

عالمگیر یہ جواب پاکر رنجیدہ ہوا اور بولا بھیڑیئے کو مارنا اور اس کے بچہ کی پرورش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں، چنانچہ اس بچہ کو مروا ڈالا[۵۱] خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے نو سالہ بچے کا نام نہیں لکھا ہے، مصنف موصوف کی مراد شاید سپہر شکوہ سے ہو، مگر یہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ عالمگیر نے اپنے سولھویں سال جلوس ۱۰۸۳ھ میں اپنی لڑکی نواب زبدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے حبالۂ عقد میں دیا،[۵۲]		(باقی)

---

[۵۱] خزینۃ الاصفیاء ص ۱۷۵ جلد اول [۵۲] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ صفحہ ۸۳ دار الترجمہ حیدر آباد دکن،

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط ورقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے،

قیمت :- للعہ

ضخامت، ۲۹۷ صفحے

منیجر دار المصنفین

تاریخ ملک ارسلان غزنوی

از

جناب غلام مصطفےٰ خانصاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) اسسٹنٹ لکچررکنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

برٹش میوزیم کے مخطوطہ نمبر ۹۰۲۸ کے ورق ۱۷ ب اور ۱۸ ب سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرہنری ایلیٹ نے غالب کے شاگرد نواب ضیاء الدین (نیر رخشان) سے فرمایش کی تھی، کہ مسعود[^1] سعد سلمان (م ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء) اور سید حسن غزنوی (م ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء) کے کلام سے تاریخی اشارات جمع کئے جائین لیکن افسوس ہے کہ وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ کرسکے، ورنہ یہ زمانہ جس کو بارتھولڈ نے اپنی کتاب "ترکستان" مین "تاریک زمانہ" کہا ہے کسی قدر نمایان ہوجاتا، بہرحال ہم کوشش کرتے ہین، کہ ان شاعرون اور ان کے معاصرین کے کلام سے غزنوی عہد کے اختتام کی تاریخ مرتب ہوسکے، چنانچہ ملک ارسلان کی تاریخ کو اس سلسلہ کی ایک کڑی سمجھنا چاہئے،

ملک ارسلان کے والد یہ بادشاہ اس معاملہ مین ضرور خوش قسمت ہے کہ تاریخ نے اوس کو مسعود سوم غزنوی (م شوال ۵۰۸ھ/فروری ۱۱۱۵ء) ہی کا بیٹا سمجھا، ورنہ اس کے بھائی بہرام شاہ غزنوی (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء)

[^1]: یہ عجیب بات ہے، کہ جب نیر رخشان نے ورق ۱۸ ب مین لکھا کہ مسعود سعد سلمان کی وفات ۵۱۵ھ ہجری مین ہوئی، تو وہ بہرام شاہ غزنوی کے متعلق جو بعد کو تخت نشین ہوا کیونکر لکھ سکتا ہے، تو سرہنری ایلیٹ نے اوس ورق کے حاشیہ پر انگریزی میں لکھ دیا ہے، کہ میرا مقصد مسعود سعد سلمان سے نہ تھا، بلکہ صرف سید حسن غزنوی سے تھا،

کو صاحب طبقات ناصری[۱] تک نے اوس کا پچا کہا ہے، تاریخ کے قول کی تصدیق عثمان مختاری[۲] (م ۵۵۴ھ / ۱۱۵۹ء)
کے اس شعر سے بھی ہو جاتی ہے :

ابو الملوک ملک ارسلان بن مسعود — طراز ملک جہان پادشاہ ملک طراز[۳]

ملک ارسلان کی والدہ | اسکی والدہ کے متعلق تاریخ کو ضرور دھوکا ہوا ہے، ہم یہان کوشش کرتے ہین
کہ اس کے متعلق شبہات دور ہو جایئن، عموماً تمام تاریخون مین ہے کہ سلطان سنجر سلجوقی (م ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء) کی
بہن "مہد عراق" بہرام شاہ (برادر ملک ارسلان) کی مان تھی، ابھی اس بات کو پرکھنا ہی تھا، کہ اسی
سلسلے مین ایران کے جدید مورخ عباس پرویز کا دعوی یاد آیا، جو بغیر ثبوت کے فرماتے ہین، کہ

---

[۱] نسخہ بانکی پور ورق ۱۲۳ (الف) یا کلکتہ اڈیشن صفحہ ۲۲، ذیل کے اشعار سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ (ارسلان کی طرح) بہرام شاہ بھی مسعود سوم کا لڑکا تھا :

شاہ بہرام شاہ بن مسعود — کہ نیاز د بعدل او محمود — (حدیقۂ سنائی لکھنؤ اڈیشن ص ۶۲۵)

شاہ بہرام شاہ بن مسعود — کہ ہمی ز د چرخ صفۂ بارش — (دیوان سید حسن غزنوی انڈیا آفس نمبر ۱۳۱ ورق ۱۴۶ ب)

[۲] ڈاکٹر ایتھے نے عثمان مختاری کی تاریخ وفات (فہرست انڈیا آفس صفحہ ۷۳۰) ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء یا ۵۵۴ھ / ۱۱۵۹ء بتائی ہے؛ لیکن یہ تاریخ غلط ہو گی، اگر ہم تاریخ صبح صادق (جلد سوم ورق ۱۰۲ الف بانکی پور) کا یہ قول صحیح سمجھین کہ ذیل کے شعر والا قصیدہ خسرو ملک نبیرۂ بہرام شاہ (نہ کہ فرزند ملک ارسلان) کی مدح مین ہے جو ۵۵۹ھ / ۱۱۶۳ء مین تخت نشین ہوا:

ابو الملوک خداوند خسروان زمین — جمال ملکت خسرو ملک پناہ سپاہ

[۳] دیوان مختاری ورق ۰ ب بانکی پور، عثمان مختاری کا مکمل دیوان بانکی پور مین ہے، انتخاب جامعۂ عثمانیہ مین ہے، اور اسی کی صحیح نقل لیکن قدیم نسخہ پروفیسر مسعود حسن رضوی لکھنوی کے پاس ہے [۴] روضۃ الصفا ۱۲۷۰ء جلد چہارم صفحہ ۹۹، راحت الصدور مین سنجر کی وفات ۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء مین بتائی ہے، مجالس العشاق (لکھنؤ اڈیشن صفحہ ۲۳۲) بھی ملاحظہ ہو،

وہ سنجر کی بیٹی تھی،[1] گویا شبہ درشبہ پیدا کردیا ہے، بہرحال ان کا یہ قول کہ وہ سنجر کی بیٹی تھی قطعی غلط ہے، کیونکہ سنجر کی ولادت راحت الصدور میں ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء ہے، اور بنداری کے یہاں[2] جمعہ ۲۵ رجب ۴۷۱ھ (یکم فروری ۱۰۷۹ء) ہے، اگر بنداری کا قول اصح مانا جائے، اور تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کرلیا جائے کہ سنجر نے اپنے دادا الپ ارسلان کی طرح[3] تیرہ[13] سال کی عمر میں شادی کی یعنی ۴۸۴ھ/۱۰۹۲ء میں تو اسکی بیٹی "مہد عراق" اگر سب سے پہلی اولاد ہو تو وہ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء سے پہلے پیدا نہ ہوئی ہوگی، اس تاریخ کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ دیکھنا ہے، کہ اس لڑکی کی شادی کب ہوئی اور کب ہوسکتی تھی ؟

تاریخ فرشتہ (جلد اول - صفحہ ۴۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سلطان ابراہیم غزنوی (م ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) اپنے بیٹے کی شادی "مہد عراق" کے ساتھ کرچکا اور اسے سلجوقیوں کی طرف سے یک گونہ اطمینان ہوگیا، تو وہ ہندوستان آیا اور قلعہ اجودھن (پاک پٹن) کو ۴۷۲ھ/۱۰۷۹-۸۰ء میں فتح کیا، ابن الاثیر (جلد دہم، صفحہ ۷۸) نے اس فتح کی تاریخ ۱۰ صفر ۴۷۶ھ (یک شنبہ ۹ جولائی ۱۰۸۳ء) لکھی ہے، بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس فتح کی تاریخ کے پہلے وہ شادی ہوچکی تھی، اب اگر معتبر بنداری کا قول اصح سمجھا جائے، کہ سنجر کی ولادت ۴۷۱ھ/۱۰۷۹ء میں ہوئی تو عباس پرویز کے بے بنیاد قول کو کون مان سکتا ہے، کہ وہ شادی (جو ۴۷۲ھ یا ۴۷۶ھ سے پہلے ہوئی) سنجر کی بیٹی سے ہوئی تھی، جب کہ اس کی بیٹی ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء سے پہلے پیدا

---

[1] "از طاہریان تا مغول" جلد اول صفحہ ۵۰۹ [2] مصری اڈیشن ۱۳۱۰ھ ص ۲۳۴ [3] سنجر کے والد ملک شاہ کی پیدائش ۴۴۵ھ/۱۰۵۳ء میں ہوئی اور ملک شاہ کے والد الپ ارسلان کی پیدائش ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء میں ہوئی تھی یعنی ملک شاہ اپنے والد کی ۱۴ سال کی عمر میں پیدا ہوا، ملاحظہ ہو راحت الصدور یا اس کا خلاصہ (رائل ایشیاٹک جرنل مورخہ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۹۴، ۵۹۵)

نہیں ہو سکتی تھی، چنانچہ اب واضح ہوا کہ یہ قول صحیح ہے، کہ "مہد عراق" سنجر کی بیٹی نہ تھی، اب طبقات ناصری[۱] کے اس قول کو پڑھنا کہ "مہد عراق" ارسلان کی سوتیلی ماں اور بہرام شاہ کی حقیقی ماں تھی، صرف فخر الدین مبارک شاہ (م ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء یا ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء) کو اس سے اختلاف ہے، اور اس نے اس شادی کے متعلق اپنی کتاب آداب الحرب[۲] میں تفصیل دی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء) نے غزنین کی طرف بڑھنے کے لئے خوارزم، خراسان اور عراق سے ایک بہت بڑی فوج جمع کی، تو سلطان ابراہیم غزنوی نے اپنے ایلچی مہتر رشید (ابوالرشد رشید) کو صلح کی غرض سے بھیجا، وہ ایلچی ایک عرصے تک ملک شاہ کے دربار میں رہا، اور آخر کار اوس نے کوشش کر کے مسعود سوم غزنوی کی شادی چغری بیگ ابوسلیمان[۳] داؤد ابن میکائیل بن سلجوق کی لڑکی یعنی ملک شاہ کی پھوپھی سے طے کرائی، آداب الحرب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"ملک شاہ، مہتر رشید را گفت"، من دختر ندارم، اما عمتے ہست مرا بعراق، دختر چغر بیگ داؤد نام زد کردم، کس بفرست تا بیارند و بدان حضرت برند" بر فور فرمود تا بعراق نامۂ نوشتند کہ عمت خویش را بامیر علاء الدولہ مسعود غزنی دادم، زود تر برگ او بسازند کہ کسان می آیند تا ہرچہ زود تر گسیل کنند، و آن دختر، مادر ملک ارسلان بود......"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ملک ارسلان کی ماں، چغر بیگ ابوسلیمان داؤد کی لڑکی[۴]

---

[۱] کلکتہ ایڈیشن صفحہ ۲۳ [۲] شائع کردہ اورینٹل کالج لاہور ص ۲۷۰-۱ [۳] اس کے پورے نام کے لئے ملاحظہ ہو رائل ایشیاٹک جرنل مورخہ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۰۰ [۴] مس اقبال شفیع کو شک ہے کہ یہ شادی کیونکر ہو سکتی تھی، جب کہ چغر بیگ کی وفات ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں ہوئی، اور مسعود سوم تین سال بعد پیدا ہوا (اسلامک کلچر مورخہ اپریل ۱۹۳۸ء ص ۱۹۶) لیکن بڑی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا مسلمانوں میں رائج ہے،

تھی جو غالباً عراق میں رہنے کی وجہ سے "مہد عراق" کے لقب سے مشہور ہوئی، ملک ارسلان کے اس رشتہ کے متعلق ذیل کے تیسرے شعر میں مسعود سعد سلمان نے اشارہ کیا ہے: (از زبان ملک ارسلان گوید)

من مایۂ عدل و مایۂ جودم ¹ سلطان ملک ارسلان مسعودم

محمود خصالم و رسم و رہ دانم زیرا شرف نژاد محمودم

با قوت و قدرت سلیمانم ¹ زیرا ز اصل و نسل داؤدم ¹

اسی شاعر نے ایک اور جگہ اشارہ کیا ہے:

توئی ز گوہر محمود و گوہر داؤد کدام شاہ نسب دار و از چنین ونژاد ²

اس شعر کے دوسرے مصرع میں اگر شاعرانہ مبالغہ نہ ہو بلکہ حقیقت ہو تو یہی خیال ہوتا ہے کہ صرف ملک ارسلان ہی ان دو خاندانوں سے تعلق رکھتا تھا، اور اس کا بھائی بہرام شاہ اس ماں سے نہ تھا،

ملک ارسلان کی ولادت | اس بادشاہ کی ولادت کے متعلق بھی تاریخوں میں اختلاف ہے، اس لئے اسے بھی پرکھنے کی ضرورت ہے،

ابن الاثیر (جلد دہم صفحہ ۱۷۵) اور ابو الفدا (جلد دوم ص ۲۳۹) وغیرہ عربی مورخوں نے لکھا ہے کہ ملک ارسلان ۲۷ سال کی عمر میں جمادی الآخر ۵۱۲ھ (ستمبر ۱۱۱۸ء) میں قتل ہوا، یعنی اس حساب سے اس کی تاریخ ولادت ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء سمجھنا چاہئے، لیکن صاحب طبقات ناصری (کلکتہ اڈیشن ص ۲۳)

---

¹ دیوان مسعود سعد سلمان، طہران اڈیشن ص ۶۱۱ ² ایضاً ص ۱۱۳، اسی طرح مسعود سعد سلمان نے (دیوان ص ۶۵) جب بہرام شاہ کی نسل کی تعریف کی ہے، تو صرف یہ کہا ہے:

گویند ہفت کشور زیر نگین کند شاہے ز اصل و نسل یمینی دین توئی

اس کے علاوہ اگر "مہد عراق" ارسلان کی ماں نہ ہوتی تو وہ سنجر کے پاس اسے تحائف کے ساتھ بہرام شاہ کے خلاف کیوں بھیجتا، نیز ارسلان نے جب سنجر کی فوج کشی کا حال سنا تو سنجر کے حقیقی بھائی محمد سلجوقی سے سفارش چاہی کہ سنجر بہرام شاہ کی مدد نہ کرے،

نے لکھا ہے کہ اس نے ۳۵ سال کی عمر میں ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء میں وفات پائی یعنی اس دوسرے حساب سے اسکی پیدائش ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء میں ہوئی،

اس کے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ ملک ارسلان کے والد مسعود سوم غزنوی کی شادی قلعۂ اجودھن (پاک پٹن) کی فتح کے پہلے ہو چکی تھی، اور فرشتہ نے اس فتح کی تاریخ ۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء بتائی ہے، اس کے معنی یہ ہوے کہ وہ شادی اس کے پہلے یعنی غالباً ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں ہوئی، لیکن ذیل کے واقعات کے قطعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تاریخ صحیح نہیں ہے :

(الف) راحت الصدور سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس سال یعنی ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں ملک شاہ سلجوقی سمرقند وغیرہ[۵۱] کی فتح میں مشغول تھا، اور آداب الحرب سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سلطان ابراہیم غزنوی کے ایلچی عبد الرشید نے ملک شاہ کے دربار میں ایک عرصہ تک گفت و شنید کی، اور مختلف چالوں سے ملک شاہ کو اس شادی کے لئے آخر کار مجبور کر ہی دیا، اس سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ اس طویل گفتگو کے لئے ملک شاہ کو پورا سکون چاہئے تھا، جو اُسے ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں سمرقند کی مہم کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکتا تھا،

(ب) نظامی عروضی نے چار مقالہ (مقالہ دوم حکایت ششم) میں لکھا ہے کہ جب مسعود سعد سلمان ۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء میں محبوس ہوا تو اس نے یہ رباعی سلطان ابراہیم کے پاس بھیجی :

در بند تو اے شاہ ملک شہ باید تا بند تو پائے تاجداری ساید
آں کس کہ ز پشت سعد سلمان آید گر زہر شود ملک ترا نگزاید

اگر نظامی عروضی کی یہ تاریخ (۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء) صحیح مان لیجائے، تو پھر یہ خیال پیدا ہوتا ہے

---

[۵۱] راحت الصدور یا اس کا خلاصہ رائل ایشیاٹک جرنل جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۹۰ [۵۲] میرزا قزوینی نے مسعود سعد سلمان کی پہلی قید اور نظامی عروضی کی اس تاریخ کے متعلق کوئی پختہ رائے نہیں دی، ان کا

کہ وہ شادی اس تاریخ تک نہ ہوئی ہوگی، کیونکہ اس رباعی کے پہلے شعر سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک سلطان ابراہیم اور ملک شاہ کے درمیان تعلقات اچھے نہ تھے، کیونکہ وہ شادی جس کے لئے سلطان ابراہیم نے لاکھ جتن[1] کئے تھے، ضرور بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہوگی، اور ایسی حالت میں ایک محبوس شاعر کا ایسا لکھنا کوئی آسان کام نہ تھا،

(ج) ہم ابھی آداب الحرب سے بتا چکے ہیں، کہ سلطان ابراہیم غزنوی کا ایلچی رشید مہتر عرصے تک ملک شاہ کے دربار میں رہا، اور جب اوس نے مسعود سوم غزنوی کی شادی کے لئے درخواست کی، تو ملک شاہ نے جواب دیا کہ "من دختر ندارم، اما عمتے ہست مرا بعراق......"

اس گفتگو کا زمانہ یقیناً ۴۷۴ھ ۸۲-۱۰۸۱ء کے بعد ہوگا، کیونکہ ابن خلدون[2] سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسی سال ملک شاہ نے اپنی ایک لڑکی خلیفہ المقتدی (م ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء) کے عقد میں دی تھی، چنانچہ ثابت ہوا کہ وہ شادی ۴۷۴ھ ۸۲-۱۰۸۱ء کے بعد اور فتح اجودھن کے پہلے ہوئی ہوگی کیونکہ فرشتہ نے اس فتح کا زمانہ اس شادی کے بعد ہی بتایا ہے، لیکن چونکہ اوس نے اس فتح کا زمانہ ۴۷۲ھ ۱۰۷۹ء بتایا ہے اس لئے ابن الاثیر کا قول زیادہ معتبر ہے، یعنی ۲۰ رصفر ۴۷۶ھ (یک شنبہ ۹ رجولائی ۱۰۸۳ء) اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ شادی ۲۰ صفر ۴۷۶ھ کے پہلے اور ۴۷۴ھ کے بعد ہوئی، یعنی ۴۷۵ھ ۸۳-۱۰۸۲ء میں سلجوقی اور غزنوی خاندان پھر وابستہ ہوئے،

اس تفصیل سے نتیجہ یہ نکلا کہ طبقات ناصری کا قول اصح ہے، کہ ارسلان ۴۷۶ھ ۱۰۸۳ء میں پیدا ہوا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۴) خیال ہے، کہ اس شاعر کی قید ۴۸۰ھ ۱۰۸۷ء سے لیکر ۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء کے کچھ پہلے تک رہی (ملاحظہ ہو، انگریزی ترجمہ "تنقید مسعود سلمان" از پروفیسر براؤن صفحہ ۴۲، ۴۳) لیکن اس شاعر کے دیوان میں رشید یاسمی کا مقدمہ بہتر معلوم ہوتا ہے، [1] فرشتہ (ص ۴۸ جلد اول) نے اس باہمی تعلق کے لئے دوسری تفصیل دی ہے، [2] تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ جلد چہارم ص ۱۴

جب کہ وہ شادی ۵۰۴ھ/۱۱۰۰-۱۱۰۱ء میں ہو چکی تھی،[۱]

تخت نشینی اور خانہ جنگیاں مسعود سوم غزنوی کی وفات[۲] شوال ۵۰۸ھ (مارچ ۱۱۱۵ء) میں ہوئی، اور اسکی وصیت[۳] کے مطابق اس کا بڑا لڑکا شیرزاد تخت نشین ہوا، لیکن تاریخ اوس کے حال سے خاموش ہے، شعراے معاصرین مثلاً ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے بعض قصائد سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اپنے والد کی زندگی میں سپہ سالار رہ چکا تھا، ورنہ اس کی یک سالہ بادشاہی تاریخی اعتبار سے بالکل پوشیدہ ہے، اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے، کہ اس کو مطلق طمانیت حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں آخرکار ملک ارسلان نے اپنے اس بھائی کو قتل کیا،[۴] اور دوسرے بھائیون کو یا تو قتل کر دیا، یا قید کر دیا، لیکن اوس کا بھائی بہرام شاہ[۵] جو تگین آباد (علاقۂ گرم سیر) مین اپنے باپ کے ساتھ باپ کی وفات کے

---

[۱] مسعود سعد سلمان کے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ شادی زمستان میں ہوئی یعنی شعبان شوال ۵۰۴ھ (۱۱ دسمبر ۱۱۱۰ء - ۲۰ مارچ ۱۱۱۱ء) جب کہ وہ شاعر قید تھا:

آنت رامش بخواہ گوہر شادی بیار — رعد مثال آن بزن ابر نہاد این بیار
روے چو در رخ زمین گشت ز سبزہ بہشت — نقش گرفتہ جہان شد بزمستان بہار
عمدۂ پایندہ ملک خاصہ خسرو رشید — آمد باز از عراق شاد دل و شادخوار
داد بشہزادۂ زادۂ شاہی چنو — در ہنر مملکت دیدہ نشد روزگار
وایم پوشیدہ نیست بر دل بیدار تو — کہ من چو بینم ہمی در فزع این حصار
چو بوم خسپم زدہم در شکم این مضیق — چون زاغ خیزم زترس بر سر این کہسار

(دیوان مسعود سعد سلمان صفحہ ۲۰۹، ۲۱۲)

[۲] جنات الفردوس ورق ۶۴ الف (بانکی پور) مجمل فصیحی ورق ۱۶۰ الف (بانکی پور) تاریخ ابن الاثیر جلد ۹ ص ۱۱۴ (مطبوعہ مصر و غیرہ)

[۳] تاریخ گزیدہ (حبیب گنج) مراۃ العالم ورق ۱۰۹ الف وغیرہ [۴] ایضاً ص [۵] طبقات ناصری (اردو) ص ۱۸

پہلے سے تھا، بھاگ نکلا جس کی تفصیل ہم آیندہ لکھین گے،

ملک ارسلان نے جب میدان صاف پایا، تو غزنین مین "السلطان الاعظم سلطان الدولہ" کے لقب سے چہارشنبہ ۹ شوال ۵۰۹ھ (۲۲، فروری ۱۱۱۶ء) مین تخت نشین ہوا، مسعود سعد سلمان نے ایک قصیدہ مین اس تخت نشینی کی تاریخ بتائی ہو جس کے بعض اشعار یہ ہین :

بون ایزد شش روز رفتہ از شوال
برآمد از فلک دولت آفتاب کمال

گذشتہ پانصد و نہ سال تازی از ہجرت
زہے مبارک ماہ وزہے مبارک سال

ابوالملوک ملک ارسلان بن مسعود
کہ بحر کوہ وقار ست و کوہ بحر نوال

چہ روز بود کہ بیتی از زوال حشمہ مہر
محالفان را شد عمر و جان جان زوال

چہارشنبہ بود و چہار گوشہ تخت
گرفت نصرت و تائید دولت و اقبال[۵۲]

مسعود سعد سلمان کے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرام شاہ اور ارسلان کے درمیان تکین آباد مین کچھ جنگ ضرور ہوئی :-

ز شاہ منیم دلہاے اہل حضرت شاد
ہزار رحمت بر شاہ و اہل حضرت باد

سپہ کشیدہ و آراستہ بداو جہان
بدست حشمت برکندہ دیدہ بیداد

ابوالملوک ملک ارسلان بن مسعود
خدایگان جہاندار شاہ شاہ نژاد

---

[۵۱] ملک ارسلان کے سکون مین یہ القاب کندہ ہین، (تاریخ الیٹ جلد دوم صفحہ ۴۸۳) لیکن روجرس کی کتاب (حصہ چہارم صفحہ ۱۶۰) سے معلوم ہوتا ہے، کہ سکون کے ایک رُخ پر "السلطان الاعظم ملک ارسلان" کندہ ہے، اور دوسرے رُخ پر بیل کا سر بنا ہوا ہے، اور سنسکرت مین "شری سمنت دیو" لکھا ہوا ہے مین نے تانبے کے یہ سکے پروفیسر محمود شیرانی کے یہان دیکھے ہین،

[۵۲] دیوان مسعود سعد سلمان مطبوعہ طہران صفحہ ۳۱۷ - ۳۱۸،

بکامگاری بر دیدۂ زمانہ نشست | قدم زربتت بر تارکِ سپہر نہاد
چہ روز بود کہ در بوتۂ سیاستِ او | عیارِ ملک بہ پالود و خنجر پولاد
چہارشنبہ روزے کہ از چہارم چرخ | سوو ریخت ہمی مہر بر تکین آباد
زمین تو گوئی مرخصمِ ملک را بگرفت | بدان زمان کہ برآمد ز طاغیان فریاد
گہے عزیمت کرد و گہے ہزیمت شد | چنان کہ باشد در پیش باز گرسنہ خاد
چہ منفعت ز عزیمت کہ آن نبود قوی | چہ فائدہ ز ہزیمت کہ آن نیافت نہاد[1]

ان اشعار میں بہرام شاہ کی شکست کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ تکین آباد میں رہی تھا، ایک دوسرے قصیدہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے :-

چو ابر نصرت بارید چرخ فصلِ خزان | بہار گشت ز ملکِ تو در تکین آباد
ز تیغ تیز تو فریاد کرد دشمنِ تو | ولیک آنجا سودے نداشت آن فریاد[2]

عثمان مختاری کے ذیل کے منتخب اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ارسلان اپنی تخت نشینی پر اپنی حکمرانی کے لئے رے بھی گیا تھا[3] :

---

[1] دیوان مسعود سعد سلمان ص ۱۲۷ - ۱۲۸، ان اشعار کے چھٹے شعر میں "چہارم چرخ" اور "مہر" اس رعایت سے ہیں کہ وہ "برج اسد" میں ہیں، اور ارسلان کے معنی بھی ترکی میں اسد کے ہیں [2] ایضاً ص ۱۱۱، ۱۱۲ [3] روضۃ الصفا (جلد چہارم ص ۱۰۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ مودود (م ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) کے زمانے سے غزنوی حکومت ہندوستان کے علاوہ غزنین اور کابل اور اطراف تک ہی محدود رہی، تاریخ بیہقی (ص ۱) سے معلوم ہوتا ہے، کہ غزنوی حکومت ۴۲۳ھ/۱۰۳۲ء سے صرف غزنین تک محدود رہی، لیکن عثمان مختاری کے مذکورۂ بالا اشعار سے صاف واضح ہے کہ رے (طہران کے جنوب میں) بھی غزنوی سلطنت میں تھا، حالانکہ سمرقند وغیرہ سب سنجر کو خراج دیتے تھے، ورنہ گوشمالی کیجاتی تھی، (ملاحظہ ہو تاریخ ماوراء النہر ص ۱۰۱)

بهمنجنه ست خرم و آرای چراغ رے ۔۔۔ تا بر جهنیم گوهر شادی ز گنج مے
در خدمت رکاب خداوند شرق و غرب ۔۔۔ ذکرے دگر کنیم و جهانے کنیم طے
بنگر که تا دو مه بچه مدت بود سپاه ۔۔۔ سلطان ابوالملوک ملک ارسلان به رے
شاہے که در غنیمت هندوستان مدام ۔۔۔ دایان سند بخشد غلامان او زنے
شاہے که پیش افسر چون آفتاب او ۔۔۔ تخت ملوک بوسه دهد خاک را چو فے
روزے جلوس شاه نگر دو دن ندارسد ۔۔۔ کاسے چرخ حق شاه بحرمت گزار هے
هر تا جور که جز نابرادر تو دم زند ۔۔۔ با تیغ تو بر و نکند عقل حکم کے
شکر تو در دهان جهان باد چون شکر ۔۔۔ اقبال پیش تخت تو بسته میان چو نے
بے خوردنت موافق و شافی و طبع ساز ۔۔۔ بهمنجنه ات مبارک و مسعود نیک پے[1]

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے، کہ ملک ارسلان نے شہر رے مین بہمنجنہ کے دن تخت نشینی کی یعنی ماہ بہمن کی دوسری تاریخ کو جب کہ ایران مین ایک عید ہوتی ہے، اور جو مطابق ہوتی ہے ماہ فروری سنہ ۱۱۱۶ء یعنی شوال سنہ ۵۰۹ھ سے جب کہ وہ غزنین مین تخت نشین ہو چکا تھا

ہم اب بھی دیکھ چکے ہین، کہ بہرام شاہ اپنے والد مسعود سوم کی وفات کے وقت تگین آباد مین تھا، وہان سے وہ سیستان گیا، اس کے ساتھ بقول محمد عوفی[2] ایک ہی خادم تھا، انھون نے اپنے گھوڑون کے نعل الٹے لگوائے تھے، تاکہ دشمن ان کی روانگی کو نہ سمجھ سکے، سیستان ہوتا ہوا بہرام شاہ کرمان پہنچا جہان ارسلان شاہ بن کرمان شاہ بن قاورد (م سنہ ۵۳۶ھ / ۱۱۴۲ء)[3] نے

---

[1] مونس الاحرار قلمی ص ۱۹۶ حبیب گنج [2] تاریخ الیٹ جلد ۲ ص ۱۹۹، اس وقت سیستان مین سنجر کا بہنوئی تاج الدین (شوہر صفیہ) حکمران تھا، لیکن تاریخ نہین بتاتی، کہ اوس نے اس وقت بہرام کی مدد کی تھی [3] مجمل فصیحی (ورق ۱۶۴ الف) نے اس کی تاریخ وفات سنہ ۵۳۶ھ / ۱۱۴۱ء لکھی ہے، لیکن تواریخ آل سلجوق

بقول محمد بن ابراہیم" اورا (بہرام شاہ را) بجزوارہا زر داد و چندان عطا کرد کہ در حوصلۂ انسانی گنجائی نداشت وگفت چون سلطان اعظم سنجر بر مسند سلطنت است ترک ادب است مرا لشکر دادن والا بدانچہ مقدور بود تقصیر نمی کردم ویکے از امرای حضرت در خدمت بہرام شاہ بپایۂ سریر سنجری فرستادہ استدعاے اعانت بہرام شاہ کرد......[۵]"

حضرت سنائی بن ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) نے بھی کرمان کے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بہرام شاہ کی ابتدائی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے :-

مثل ابتداے دولت شاہ ۔۔۔ ہست چون یوسفؑ و برادر و چاہ
گرچہ ز اخوان ہوان رسید اورا ۔۔۔ کار محنت بجان رسید اورا
آخر الامر عالم و شہ شد ۔۔۔ بر سپہر شرف خور و مہ شد
نہ چو رہ رفتنش نیاز آمد ۔۔۔ منہزم رفت و شاہ باز آمد
بے زیان باز گشت سوے مکان ۔۔۔ خود ز سیر آفتاب را چہ زیان
روے بخشش ازان بکرمان کرد ۔۔۔ تا عدو را غذاے کرمان کرد[۶]

چنانچہ کرمان سے بہرام شاہ، سنجر کی خدمت مین پہنچا، اور آخر کار اسکی اعانت سے بہرہ ور ہوا، اوسکی تفصیل آداب الحرب (ص ۳۲-۳۴) میں ہے، اسکے علاوہ کچھ اور مواد ہے جسکو انشاء اللہ تاریخ بہرام شاہ میں مہیا کرین گے،

(باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۶) کرمان (از محمد بن ابراہیم برلن ۱۸۸۶ء ص ۲۵) مین ۵۳۶ھ (۱۱۴۲ء) ہے، یہ بادشاہ بھی عثمان مختاری کا ممدوح تھا، جسکی مدح مین ایک بہت اچھا قصیدہ اس شاعر نے اس مطلع سے شروع کیا ہے :-

رفتم براہ غزنین بر آب آہنین ۔ خفتم بحد کرمان بر آتشین سراب (ملاحظہ ہو مجموعہ قصائد فارسی ۴۵ ص ۲۰ حبیب گنج)

[۵] تواریخ آل سلجوق کرمان ص ۲۶ [۶] حدیقہ طبع لکھنؤ ص ۶۳۵ و ص ۶۴۲ سنائی کے متعلق ڈاکٹر ایتھے نے بوڈلین لائبریری کی فہرست صفحہ ۶۲-۲ہ میں بحث کی تھی، پھر علامہ سید سلیمان ندوی نے نہایت تفصیل سے معارف مارچ ۱۹۳۳ء میں بحث کی ہے، مجھے بھی ایک نہایت اہم ماخذ اسکے متعلق ملا ہے جو انشاء اللہ آیندہ کبھی پیش کیا جائیگا،

تلخیص و تبصرہ

خانانِ سیرا وردہ

(۶۲۲ھ ۱۲۲۴ء سے ۹۰۷ھ ۱۵۰۲ء تک)

(۲)

جوجی خان چنگیز خان کے سب سے بڑے فرزند کو وہ قبائل باپ سے ورثہ میں ملے تھے جو ان کی مفتوحہ سلطنت قراخطای کی حدود مین خانہ بدوشی کرتے تھے، سلطنت قراخطای کا موقع دریائے سیحون (سر) کے شمال مین تھا، اور یہین جوجی باپ سے کچھ دنون پہلے فوت ہوا، جوجی کے مرنے پر اس کا سب سے بڑا فرزند اوردہ باپ کا جانشین ہوا، لیکن اوردہ سے ایک چھوٹے بیٹے باتو نے یورپ پر فوج کشی کرکے اپنے محکوم قبیلون کی تعداد مین مغرب میں دور تک کے قبیلون کو شامل کرکے بڑا اضافہ کرلیا، اور خود ملک قپچاق کا جہان سے ترکون کا عمل دخل تھا، بادشاہ ہوگیا،

باتو کی اس سلطنت کے شمال مین بلغاریہ عظمیٰ کا ملک واقع تھا، جو باتو کے ایک دوسرے بھائی توقاتیمور کے حصہ میں آیا تھا، بلغاریہ عظمیٰ کے علاقہ مین دریائے وولگا کی بالائی گذرگاہ سے ملحق زمینین واقع تھین، جوجی خان کا ایک اور بیٹا شیبان اُن کاہستانون پر حکومت کرتا تھا، جو آجکل کاہستانِ قرغز قزق کہلایا جاتا ہے، یہ کاہستان شیبان کے بڑے بھائی اوردہ کے محکوم قبائل کے شمال میں تھے،

جوجی خاں کا پانچواں بیٹا تیول قیان چینگ (پی چی نیک) پر حکومت کرتا تھا، پچینک کا

نام بعد کو توغای ہوگیا یہ قبیلے دریاے یائق (یورال) اور دریاے وبہ کی درمیانی زمینون مین خانہ بدوش رہتے تھے، مگر یہ جس قدر قبائل اوپر بیان ہوئے، اور اس کے سردار سب کم وبیش خاندان باتو کے محکوم تھے، باتو گو جوجی خان کا سب سے بڑا بیٹا نہ تھا، مگر قوت واقتدار مین وہ سب سے بڑھا ہوا تھا چنانچہ اوس نے دریاے وولگہ (اتیل) کے کنارے یورپ کی حدود مین ایک عالیشان شہر تعمیر کیا، جس کا نام سراے تھا، اور اوسے مملکت جوجی کا پایہ تخت قرار دیا، اور جس قدر قبیلے اوس کے زیرنگیں تھے، وہ سب قبائلِ سرادرده کہلائے جانے لگے، یہ نام اس وجہ سے پڑا تھا، کہ باتو خان کا شاہی خیمہ جوزری وزربفت کا تھا، اوسے مغلی زبان مین سرادرده کہتے تھے، (سیر سونا، اوردہ خیمہ)

یہان یہ بیان کرنا ضروری ہے، کہ صرف شاہی خاندان اور فوج کے اعلیٰ افسر اور سردار تو مغل نسل کے لوگ ہوتے تھے لیکن اکثر قبیلے جو جوجی خان کے بیٹون کے حصہ میں آئے تھے، وہ مفتوحہ ترک و ترکمان تھے، جوجی خان کے گھرانے کو حسب ذیل شقوں میں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

(الف) باتو خان کا سلسلہ اس سلسلہ مین وہ خانانِ سیرادردہ ہین جو مغربی قپچاق کے قبائل کوک اوردہ پر حکومت کرتے تھے، یہ حکومت ان کی ۱۲۲۴ء سے ۱۳۵۰ء عیسوی تک قائم رہی، (ب) اوردہ کا سلسلہ، اس سلسلہ کے سردار خاندان مین نام کے رئیس تھے، ان کی حکومت مشرقی قپچاق مین قبائلِ آق اوردہ پر ۱۲۲۰ء سے ۱۴۲۸ء تک رہی اور مغربی قپچاق مین جب کہ باتو کی اولاد باقی نہ رہی، ۱۳۷۸ء سے ۱۵۰۲ء تک وہ خان ہوتے رہے، اور آخر کار وہ قوت میں گھٹتے گھٹتے وہ خانانِ استراخان رہ گئے جنکی حکومت ۱۴۶۶ء سے ۱۵۵۴ء تک رہی، (ج) توقا تیمور کا سلسلہ، توقا تیمور جوجی خان کا بیٹا تھا، اس سلسلے میں خانانِ بلغاریہ عظمی ہوئے، بلغاریہ عظمی کا ملک قپچاق کے شمال مین واقع تھا، اسی توقا تیمور کے سلسلے سے مغربی قپچاق کے خانان بھی ہوے ہین، آخر کار ان توقا تیمور سے خانانِ قازان بھی ہوئے، جن کی حکومت ۱۴۳۸ء سے ۱۵۵۲ء تک رہی اور اسی سلسلہ

توقا تیمور سے خانانِ قاسیموف تھے، جو ۱۴۵۰ء سے ۱۶۷۸ء تک صاحبِ حکومت رہے، اور اسی سلسلۂ توقا تیمور سے خانانِ قرم (کریمیا) میں ہوئے جو ۱۴۲۰ء سے ۱۷۸۳ء تک حکومت کرتے رہے۔

(د) شیبان پسر جوجی کا سلسلہ، شیبانی خانوں کی حکومت ازبکوں یا جن کا دوسرا نام قرغز قزق تھا، ان کے کاہستانوں میں رہی (۱۲۲۴ء سے ۱۶۵۹ء تک) بعد کو شیبان کے محکوم قبیلوں نقل مکان کیا، اور پھر خیوہ اور بخارا کے خانان بھی اسی شیبانی سلسلہ سے ہوئے، (ان کا زمانہ ۱۵۰۰ء سے ۱۸۶۲ء تک رہا) اب ہم الف ج د کی تفصیل حسب ذیل کرتے ہیں:

(الف) باتو پسر جوجی کا سلسلہ:- اس سلسلہ سے سیر اوردہ کے خانان ہوئے، ان خانوں کے زیرِ نگیں مغربی قپچاق[۵] کے قبائلِ کوک اوردہ تھے، جن کا زمانہ حکومت ۱۲۲۴ء سے ۱۳۵۹ء تک رہا، یہ بات باتو کے سلسلۂ خانان کو نصیب ہوئی، کہ وہ مغرب کی اس خانیت پر حکومت کرے، جسے ہم توشق کے ساتھ مغرب کی خانیت بزرگ کہہ سکتے ہیں، (یورپین نظر سے دیکھا جائے) تو اس خانیت کی اس وجہ سے اہمیت حاصل ہے، کہ انہی خانوں کے باہمی نفاق سے اوس کو اپنی سلطنت کے وسیع کرنے کا موقع مل گیا، شروع میں باتو خان کی اولاد مختلف ریاستہائے روس کی حاکم و مختار تھی، ان روسی ریاستوں سے

---

[۵] مغربی قپچاق کہاں تھا؟ مغربی قپچاق سے مراد وہ ملک ہے جو (یورپ میں) دریائے ڈون (Don) سے دریائے (Volga) یعنی آبِ اتیل سے سیراب ہوتا ہے، شرقاً غرباً وہ دریائے (Ural) یایق سے دریائے نیپر (Dnieper) تک اور شمالاً جنوباً بحرِ اسود سے اور بحرِ خزر سے لیکر بولگ کے مقام تک ہے، بولگ (Bolgary) شہر سامارف (واقع یورپین روس) سے نو میل کے فاصلہ پر ہے (غرض مغربی قپچاق کا زیادہ تر حصہ یورپ میں پڑتا ہے، اور کچھ حصہ مغربی ایشیا میں) دیکھو جوورتھ کی تاریخ مغول، دوسری جلد صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۱۰۲ تک، نقشہ دیکھنے سے قپچاق مغربی کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے،

سیر اوردہ کے خانان خراج وصول کرتے تھے، ان کی بیٹیوں سے شادیاں کرتے تھے، پھر تقدیر نے وہ پلٹا کھایا، کہ یہی خانون کی اولاد روسیوں کی محکوم و باجگذار بن گئی، غرض جو کبھی حاکم تھی، وہ محکوم ہوگئے، لیکن مغرب کی خانیت بزرگ کی یہ حالت اوس وقت ہوئی جب کہ باتو خان کی اولاد ختم ہو چکی تھی اور باتو خان کے بھائیون کی اولاد مغرب کی خانیت پر بیٹھنے لگی تھی، جب تک باتو کی اولاد مین خانیت رہی، تو قپچاق مین مغلون کی قوت کو پورا عروج رہا، باتو کی اولاد مین جانی بیگ خان تک جو دس خان گذرے، اسکی تاریخ بمقابلہ دیگر شاخون کے بالکل صاف ہے، لیکن جانی بیگ خان کی موت پر جو ۱۳۲۰ء میں واقع ہوئی، حکومت میں ابتری پڑی جانی بیگ کے فرزند بردی بیگ نے صرف ۲ برس حکومت کی، جانی بیگ کے دو بیٹے جو جانی بیگ کو اپنا باپ کہتے تھے، ایک ہی سال تخت نشین ہوئے، اس کے بعد بیس برس کا زمانہ بڑی پیچیدگیون کا آتا ہے، جس میں ایسے خانان تخت پر بیٹھے، جن کے حریف مسند خانی کے لئے موجود تھے،

جوجی خان کے پانچ بیٹے تھے، جب باتو خان کی اولاد باقی نہ رہی، تو باقی بھائیون کی اولاد مین خانیت قپچاق مغربی کے لئے دعویدار پیدا ہوتے رہے، شمال مین بلغاریہ عظمیٰ کے خانون کا سلسلہ اور جنوب مین خانان قرم (کریمیا) سلطنت کرتے تھے، اور یہ سب قراؤتا پسر جوجی کی اولاد سے تھے، جنوب مین قفقاز کا ملک تھا، یہان تیرک اور کومہ کے دریاؤن کے کنارے برکہ خان کے قبائل اپنے ڈیرے ڈالتے تھے، برکہ خان باتو خان کا چھوٹا بھائی تھا، اور باتو کے بعد وہی باتو کا جانشین ہوتا، اور اس برکہ خان کی صولت وجلالت کی وجہ سے سیر اوردہ کو وہ اقبال و اختیار نصیب ہوا تھا، جس سے روس کی ریاستون مین ہر وقت خوف اور دہشت طاری رہتی تھی، خانیت سیر اوردہ کے مشرق مین آق اوردہ کے قبائل تھے، ان قبیلوں کے خان اوردہ پسر جوجی کی اولاد سے ہوتے تھے، اور مشرق ہی مین شمال کی طرف ازبکون کے قبیلے تھے، جن کے خان شیبان پسر جوجی کی اولاد سے ہوتے تھے، اور مشرق میں شمال کی طرف ازبکن

کے قبیلے تھے، جن کے خان شیبان پسر جوجی کی اولاد سے ہوا کرتے تھے، بحر خزر کے شمال ساحل پر توغای کے قبیلے اپنے مویشی چراتے تھے، اس زمانے کے پندرہ خانون کی فہرست جو ہم آگے درج کرینگے وہ کسی قدر قیاس پر مبنی ہے، لیکن ہم نے ان کے زمانہ ہائے حکومت کی تصدیق سکون سے کرلی ہے، ۱۳۷۸ء مین خانیت سیرا اوردہ کی حکومت جوجی کے سب سے بڑے فرزند اوردہ کی اولاد سے توقتمش کے قبضے مین چلی گئی،

(ب) اوردہ پسر جوجی کا سلسلہ اس سلسلہ کے محکوم قبائل مشرقی قپچاق[۱] کے قبائل آق اوردہ تھے، (زمانہ ۱۲۲۶ء تا ۱۴۲۸ء) اوردہ کی اولاد سے کبھی کبھی مغربی قپچاق کے خان ہوئے ہیں (زمانہ ۱۳۷۸ء تا ۱۵۰۲ء) انہی سے خانان استراخان ہوئے، جن کا زمانہ حکومت ۱۴۱۶ء سے ۱۵۵۴ء رہا، گو جوجی کی اولاد میں باتو سب سے زیادہ صاحب قوت و اقتدار تھا مگر جوجی کے بڑے فرزند اوردہ کو وہ قبائل ملے تھے، جو جوجی کو چنگیز خان نے دئے تھے یعنی وہ قبیلے جو دریائے سیحون کے علاقون مین خانہ بدوش رہتے تھے، یہ قبیلے اوردہ پسر جوجی کو اپنا موروثی حاکم سمجھ کر خاص طور پر اس کے اطاعت گذار تھے، سیرا اوردہ کا وایان بازو کوک (نیلا) اوردا اور بایان بازو اق اوردا یعنی سپید رنگ والا اوردا کہلایا جاتا تھا، کوک (نیلے) کو آق سفید پر ترجیح ہوتی تھی، یا یون سمجھئے کہ باتو کے قبیلے جو کوک اوردا کہلائے جاتے تھے، وہ بڑے بھائی کے قبائل پر مرجح سمجھے جاتے تھے، یہ کوک کا لفظ اس کے نام کے ساتھ اس لئے تھا کہ

---

[۱] مشرقی قپچاق سے مراد وہ علاقہ ہے، جو دریائے سیحون کی بالائی گذرگاہ یعنی دریا کے سرچشمون سے ملحق ہے، اور یہان سے لیکر النع تاغ اور کوچک تاغ کے پہاڑون تک چلا گیا ہے، مغرب مین اسکی سرحد باتو کے کوک اوردہ قبائل سے شمال مین شیبان کے قبائل ازبک سے اور مشرق مین چغتائی خان کی خانیت سے ملتی تھی، اور جنوب مین دشت قزل قم اور اسکندر دت کا پہاڑی سلسلہ تھا،

(ہوورتھ جلد ثانی صفحات ۲۱۶-۳۵۲)

وہ ایک طور پر آق اردا کے زیر دست تھے، آق اردہ چونکہ دور بحر خزر سے بھی پرے کے کاہستانول میں خانہ بدوش رہتا تھا، اس وجہ سے آق اردا نے کوک اردا کے سامنے سر جھکا دیا، جو دریاے دون اور وولگا (اتیل) والی زمینون مین رہتے تھے، لیکن آق اردا چونکہ برفستانی ملک مین خانہ بدوش رہتے تھے، اسلئے وہ زیادہ سختیان جھیلنے کے خوگر ہوگئے تھے، آخر کار انھون نے اپنے سردارون کو باتو کی زیادہ مہذب مگر کمزور اولاد پر خان بنا دیا، آق اردہ کے پہلے حکمرانون کا حال بہت کم معلوم ہے، صرف اتنا علم ہے کہ اوش خان کے بعد ان کا بیٹا ہمیشہ خان ہوتا رہا، اور جس بڑے واقعہ کا حقیقت مین علم ہے وہ کوچی سیر اردہ کے دور حکومت میں غزنہ اور بامیان دو بڑے مقام جو جغتائی خان کی یا ایل خانانِ ایران کی بادشاہی مین تھے، اون پر کوچی قابض تھا، اوروس خان اردہ پسر جوجی کی اولاد مین پہلا خان ہے، جسے اردہ کے سلسلۂ خانان مین کسی قدر خصوصیت حاصل ہے اوروس خان نے امیر تیمور گورگان کی فوجون کو ایک مرتبہ سے زیادہ شکست دی، تیمور گورگان نے زعم جہانداری مین جوجی کے محکوم قبیلون پر اردہ کے خاندان سے ایک شخص توقتمش کو سردار بنا دیا، توقتمش کا باپ ایک معرکہ میں مارا گیا تھا، اور خود توقتمش کو اوروس خان نے جلا وطن کر دیا تھا، امیر تیمور نے توقتمش کی کچھ فوج سے مدد کی تاکہ اوروس خان سے مقابلہ کرکے جس سرداری پر تیمور نے اوسے نامزد کیا ہے، اوسے حاصل کرے، توقتامیش[۱] نے کئی مرتبہ اوروس خان سے ہزیمتیں اٹھائین، اور جب تک اوروس خان مر نہ گیا اور اس کے فرزند توقتکیہ نے کچھ دنون بعد باپ کے بعد حکومت نہ کر لی، اوس وقت تک توقتامیش اوروس خان کے دوسرے بیٹے کے ہاتھ سے آق اردہ کی حکومت نہ چھین سکا،

حقیقت یہ ہے کہ سیر اردہ کی تاریخ میں توقتامیش آخری باعظمت سردار ہے، جب

---

[۱] فارسی تاریخون میں توقتمش آتا ہے، مگر یورپین تاریخیں اس نام کو توقتامیش لکھتی ہین،

آق اوردہ کے تختِ حکومت پر وہ بیٹھ گیا، تو پھر اوس نے مغربی قپچاق پر فوج کشی کی، اور دارالحکومت سرائے میں مامائے کو شکست دی، جو وہاں شاہ ساز بنا ہوا تھا، توقتامیش کو یہ فتح ۱۳۷۸ء میں حاصل ہوئی تھی، اس فتح نے آق اوردہ اور کوک اوردہ میں جو نزاع مدت سے چلا آتا تھا، اس کا خاتمہ کر دیا، اب مشرقی اور مغربی قپچاق ایک ہی شخص کے تحت ہوگیا، اور اس وقت سے اوردا پسر جوجی کی اولاد نے کوک اوردا پر حکومت کرنی شروع کر دی، اور اپنے ہمراہ مشرقی قپچاق کے بہترین لوگون کو مغربی قپچاق میں لے آیا، جب آق اوردہ کی زمینین اس طرح خالی ہوئین، تو شیبان پسر جوجی کی اولاد ان زمینون مین اپنے خیمے نصب کرنے لگی، توقتامیش کے دورِ حکومت مین سیر اوردہ نے بہت کچھ اپنی گئی گذری شان پھر حاصل کر لی اور پھر اس کا اقبال قائم ہونے لگا، توقتامیش نے روس پر فوجکشی کی، موسکو کا محاصرہ کر لیا، اور وہان آگ لگادی (۱۳۸۲ء) اور موسکو کے صاحبِ اقتدار علاقے کو لوٹا اور غارت کیا، پہلے زمانے کے مغلون کی تاخت و تاراج کا نمونہ پھر شروع کر دیا، اور خانانِ سیر اوردہ کی پہلی سی شان و عظمت پھر پیدا کر لی، لیکن اس وقت پرانی شان و شوکت پھر زندہ کرنا، ایک عارضی فعل تھا، توقتامیش کی یہ بدقسمتی سمجھئے یا محسن کشی تصور کیجئے کہ وہ امیر تیمور گورگان سے لڑ پڑا، جس نے سابق مین اسکی مدد کی تھی، امیر تیمور ہی کی مدد اور استعانت سے توقتامیش کو کامیابی نصیب ہوئی تھی، اور اپنے ہی محسن سے وہ لڑ پڑا، اور گستاخانہ طریقہ سے اسکے ساتھ پیش آیا، کہ کسی کی ہمت تیمور کے ساتھ ایسی گستاخی کرنے کی نہ ہوئی تھی، چنانچہ تیمور نے دو موقعون پر ایک ۱۸ جون ۱۳۹۱ء مین مقام ارتوبہ پر اور دوسری دریائے تیرک کے کنارے جب کہ ۱۳۹۵ء مین توقتامیش جلاوطنی سے واپس ہو رہا تھا، ایسی سخت شکست دی جس نے خانانِ قپچاق کی قوت کو بالکل ہی توڑ دیا، یہ سچ ہے کہ امیر تیمور کے واپس چلے جانے پر توقتامیش ۱۳۹۸ء میں پھر دارالحکومت

سرائے میں واپس آگیا، مگر تیمور قتلغ نے جو اوس کے پرانے دشمن اُردس خان کا بیٹا تھا، جلد توقتامیش کو وہان سے نکال دیا، اب توقتامیش مجبور ہوکر لتھوانیا کے بادشاہ وی توت کے پاس چلا گیا یہان آکر توقتامیش نے وی توت بادشاہ لتھوانیا کو تاتاریون سے لڑوا دیا، یہانتک کہ سنہ ۱۴۰۶ء مین توقتامیش کا انتقال ہوگیا،

توقتامیش کے زوال پر جو زمانہ آیا، وہ سیرا اوردہ کی تاریخ مین بہت ہی پیچیدہ اور تاریک ہے، تخت سرای کے مختلف مدعیون کی باہمی کشمکش ہوتی رہی، معلوم ہوتا ہو کہ کم سے کم تین گھرانے ایسے تھے جن سے لوگ سیرا اوردا کی خانیت حاصل کرنا چاہتے تھے، ان مین ایک گھرانا اوردس خان کا تھا، جس کی مدد پر توغای کا سردار ایدگو ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا، یہ توغای سردار ایدگو گویا ماما ی کے بعد دوسرا شاہ ساز سرائے مین پیدا ہوا تھا، دوسرا گھرانا توقتامیش کا تھا، جسکے فرزند خانی کے متمنی تھے، تیسرا گھرانا شیبان کے خاندان کے نوجوان ارکان تھے، آگے جو فہرست خانون کی ہم نے دی ہے، اس سے اس پریشان زمانہ کا اندازہ ہوسکتا ہے، بعض موقعے ایسے آئے کہ دو دو آدمی ایک ہی وقت مین سرای پر خانی کرتے تھے، بلکہ بعض شہرون کے ایک ہی وقت مین دو دو مالک ہوتے تھے، شہر سرای اور دوسرے بڑے شہرون کی کیفیت آئے دن کے محاصرون اور قبضون کے سوا کچھ نہ تھی، اور یہی اختتام ہوگیا سیرا اوردہ کی باعظمت تاریخ کا، آخر کار روس کی سلطنت نے سنہ ۹۰۸ھ مطابق سنہ ۱۵۰۳ء مین سیرا اوردا کے علاقون پر اپنا قبضہ کرلیا، اب سیرا اوردا کی تاریخ کے چند ٹوٹے ہوئے ٹکڑون کے حالات لکھنے باقی رہ گئے ہین، ان ہی ٹکڑون مین ایک خانیت استراخان کی تھی جس پر اوردہ پسر جوجی کی اولاد نے حکومت کی، اس خانیت کا بانی ایک شخص قاسم نامی تھا، اوس نے سنہ ۱۴۶۶ء مین اس مختصر سی خانیت کی بنا ڈالی، اور اسی قاسم کے خاندان مین سنہ ۱۵۵۴ء تک خانیت رہی، پھر موسکو کے رئیس اعظم نے اس خاندان کو معزول کر دیا،

خانان سیرا وردہ یعنی مغربی قپچاق کا کوک اوردہ یعنی باتو کا خاندان، باتو (۶۴۱ھ ۱۲۴۳ء) سرتاق (۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء) منگو تیمور (۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء) تودا منگو (۶۷۹ھ ۱۲۸۰ء) تولا بوغا (۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء) توقتو (۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء) ازبیگ (۷۱۲ھ ۱۳۱۲ء) تینی بیگ (۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء) جانی بیگ محمود (۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء) بردی بیگ محمد (۷۵۸ھ ۱۳۵۷ء) قولپا (۷۶۰ھ ۱۳۵۹ء) نوروز بیگ (۷۶۰ھ ۱۳۵۹ء) باتو خان کے بھائیون کی حسب ذیل اولاد سیرا وردا کی خان ہوئی شیبان کی اولاد سے خضر (۷۶۰ھ) مرواد (۷۶۲ھ) پولاد خواجہ (۷۶۲ھ سے ۷۶۸ھ تک) تولون بیگ (۷۷۲ھ) الیان (۷۷۵ھ) خاغان (۷۷۶ھ) عرب شاہ (۷۷۹ھ) اوردا کی اولاد سے تیمور خواجہ، مرید خواجہ، قتلغ خواجہ، عبد اللہ (۷۶۴ھ) محمد بولاق (۷۷۱ھ) یوقا تیمور کی اولاد سے کلدی بیگ (۷۶۲ھ) عزیز شیخ (۷۶۴ھ) حسن (۷۶۸ھ) ۱۳۶۷ء میں مغربی قپچاق کی حکومت آق اوردا کے قبضہ مین چلی گئی، مشرقی قپچاق کے خانان آق اوردا یعنی اوردا پسر جوجی کے گھرانے مین جو خان ہوئے وہ یہ ہین، اوردا (۶۳۳ھ ۱۲۲۶ء) کوچی (۶۷۹ھ ۱۲۸۰ء) بایان (۷۰۱ھ ۱۳۰۱ء) ساسی بوقا (۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء)، ایبی سان (۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء) مبارک خواجہ (۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء) چمتائی (۷۴۵ھ ۱۳۴۴ء) اوردس (۷۶۲ھ ۱۳۶۱ء) توق تکیا (۷۷۷ھ ۱۳۷۵ء) توقتامیش غیاث الدین (۷۷۸ھ ۱۳۷۶ء) اس آخری خاندان نے کوک اوردا اور آق اوردا کو شامل کر کے ایک کر دیا:

خاندانہائے حریف یعنی آق اوردا کی خانی کے لئے خاندان احمد اور خاندان شیبان کے لوگ جو دعویدار ہوئے، ان کی تفصیل یہ ہے، خاندان اوردا سے تین خاندان قائم ہوئے یعنی

(۱) توقتامیش کا خاندان جس مین خانی کے دعویدارون کے نام یہ ہین، بیگ پولاد (۷۹۲ھ) جلال الدین (۸۱۲ھ) کریم بردی (۸۱۵ھ) کبیک (۸۱۶ھ) جبار بردی (۸۱۸ھ)

(۲) دوسرا خاندان اوردس کا تھا جس سے حسب ذیل دعویدار پیدا ہوئے، تیمور قتلغ (۷۹۹ھ) شادی بیگ (۸۰۲ھ) پولاد (۸۱۰ھ) تیمور (۸۱۳ھ) تا (۸۱۴ھ) چکرا (۸۱۵ھ)

کوچک محمد ۸۱۶ھ .... ۸۶۲ھ، محمود ۸۹۳ھ، احمد ۸۹۴ھ، سید احمد، مرتضیٰ، شیخ احمد ۸۸۶ھ (۳) تیسرا مشرقی قپچاق کا سلسلہ جو قوری چاک سے چلا، بوراق ۸۳۲ھ (اس نے غربی قپچاق کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا ۸۲۶ھ خاندان توقا تیمور، دولت بردی (بوراق کی عدم موجودگی مین) خاندان شیبان سے صرف دو دعویدار پیدا ہوئے، درویش اور سید احمد،

اخبار علمیہ

ہوور لائبریری

اسٹینفورڈ یونیورسٹی (ریاستہاے متحدہ امریکہ) مین مندرجۂ بالا نام سے گذشتہ جون مین ایک کتب خانہ قائم ہوا ہے، جس مین جنگ، صلح، بغاوت اور انقلاب کے متعلق لٹریچر کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے، کہ دنیا کے کسی کتب خانہ مین نہیں پایا جاتا، اس مین موجودہ دنیا کی معاشرت اور سیاست پر بھی کافی ذخیرہ ہے، کتب خانہ کے بانی ہربرٹ ہوور سابق صدر ریاستہاے متحدہ امریکہ نے پچیس سال کی مسلسل اور شدید محنت کے بعد یہ ذخیرہ جمع کیا ہے، اس مین مختلف سلطنتون، حکومتون، وزارتون، سیاسی محکمون اور ادارون انقلابی مجلسون، جاسوسون، سیاسی سازش کرنے والون، قاتلون اور غدارون کے بہت سے ایسے پوشیدہ اور رازدارانہ کاغذات ہین، جو بیسوین صدی کی معاشرتی اور سیاسی تاریخ کے مطالعہ کے لئے بیحد معاون ہین، کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے کاغذات فرانس، انگلستان اور جرمنی کے کسی کتب خانہ مین نہیں مل سکتے، ہوور کو اس قسم کے کتب خانہ کو قائم کرنے کا خیال ۱۹۱۴ء مین اسطرح پیدا ہوا، کہ اس نے ایک کتاب مین پڑھا تھا کہ انقلاب فرانس کے زمانہ کا لٹریچر زیادہ تر برباد ہوگیا، یہ پڑھکر وہ متاثر ہوا، کیونکہ اس کا خیال ہے کہ کسی زمانہ کی حقیقت جنگی تاریخون کے بجاے معاشرتی اور سیاسی کاغذات سے زیادہ منکشف ہوتی ہے، اس کا یہ بھی خیال

موجودہ دور کی کشاکش کے مقابلہ مین انقلاب فرانس کی اہمیت کچھ زیادہ نہین ہے، اسی لئے
جودہ دور کے متعلق ہر قسم کا لٹریچر جمع کرنا شروع کیا، اور اس کے لئے اس نے پندرہ اساتذہ
طلبہ کو مختلف ملکون مین بھیجا، جہان ان کو اتنے کاغذات ملے، کہ ہوور نے ان کو کئی جہاز پر
لد اپنے یہان منگوایا، جرمنی سے کاغذات پندرہ چھکڑون پر آئے، ان کاغذات مین
نی کی جنگی مجالس کے بہت سے راز ہین، مگر ہوور نے انھین بھی اس وعدہ پر حاصل کر لیا، کہ
غذات تیس سال تک سربمہر رہین گے، روس سے پچیس چھکڑے کاغذات آئے، ان مین
یٹ روس کے ضلعون، شہرون اور قصبون کی پوری جزوی تفصیلات ہین، ہنگری مین سوویٹ
انقلاب ہوا، اور یہان سوویٹ حکومت ختم ہوگئی، تو اس انقلاب مین حکومت کے
ے کاغذات ہوور کے ایک نمایندہ کو مل گئے جس نے ان کو امریکہ کے سفارتخانہ مین
لہ کر دیا، ہنگری کی دوسری حکومت نے ان کاغذات کو واپس لینا چاہا، تو ہوور نے اس
یہ ان کو واپس کئے، کہ ان کی عکسی تصویر لینے کی اجازت دیدیجائے،

اس کتب خانہ مین ساٹھ حکومتون کے سکریٹری کاغذات کی پچیس ہزار جلدین ہین، تینتیس
کی اسی ہزار کتابین اور رسالے ہین، چھبیس زبانون کے ایکہزار سات سو چھبیس اخبارات
پہلی جنگ عظیم کے دو ہزار ساٹھ سکریٹری نقشے ہین، تصویرون، سکون، اشتہارون، پوسٹرون
کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، تین سو سربمہر ذخیرے ایسے ہین، جو ابھی کئی سال تک
بند رہین گے، ایک بڑے ٹرنک مین دنیا کی ایک بہت مشہور جاسوس عورت کے [illegible]
ت محفوظ ہین، گمان ہے کہ یہ کاغذات ماتا ہری کے ہون گے، جولیس سیزر کے بھی بہت
غذات مل گئے ہین، امن اور صلح کی کانفرنسین جو مختلف اوقات مین منعقد ہوئین ان
نسے مخفی دستاویزین بھی اس ذخیرہ مین موجود ہین، موجودہ جنگ عظیم کے سلسلہ مین

ہوور نے نازی ازم اور فاشزم سے متعلق بہت سے کاغذات حاصل کرلئے ہین، اور وہ جہاز ون پر لاددیئے گئے ہین تاکہ جنگ ختم ہوتے ہی حفاظت سے کتب خانہ مذکور مین پہنچا دیئے جائین کتب خانہ میں ایک شعبہ پروپاگنڈا لٹریچر کا ہے، ہوور کا خود بیان ہے کہ یہ سارا لٹریچر بالکل جھوٹ، کذب اور افترا پر مشتمل ہے، اور اس کو اس بات پر تعجب ہے کہ صریح جھوٹ اور افترا سے عوام کے ذہن جس طریقہ سے پراگندہ مسموم اور بدظن کئے جاتے ہین، ان سے یہ بالکل بے خبر رہتے ہین، اس کتب خانہ کے لئے پچاس لاکھ ڈالر وقف ہین، اور اسٹینفورڈ یونیورسٹی سے بھی امداد ملتی رہتی ہے، اس کی عمارت کے اخراجات کا تخمینہ ساٹھ لاکھ ڈالر ہے، پوری عمارت ایک برج کی شکل کی ہے، جس مین سات منزلین ہین، اور عمارت کے کسی حصہ مین آفتاب کی روشنی نہیں پہونچتی ہے، بلکہ خوبصورت قندیلون کے ذریعہ سے ساری منزلین روشن رہتی ہین،

آفتاب پر پڑنے والی روشنی

سویڈن کے ایک ماہر طبیعیات نے آفتاب کی روشنی پر بعض دلچسپ تحقیقات کی ہین، فضائے بسیط مین آفتاب کی لہرین پانچ لاکھ میل تک بڑھکر پیچھے ہٹتی ہین، اور پیچھے ہٹ کر پھر آگے بڑھتی ہین، بعض اوقات ایک نامعلوم جگہ سے گیسون کے بادل نمودار ہوکر آفتاب کے اوپر چھاجاتے ہین، اور ان کے چھاجانے کے بعد روشنی کے جلتے ہوئے شرارے آفتاب کی سطح کی طرف عقب سے پھر رجوع ہوتے ہین، ماہرین ہئیت کے لئے یہ چیز معما ہے، کہ یہ شرارے کہان سے نمودار ہوتے ہین، بعض ماہرین طبیعیات کا خیال ہے، کہ یہ شرارے آفتاب کے ہالے سے پیدا ہوتے ہین کیونکہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے، کہ ہالہ مین تقریباً دو درجن غیر مشخص شعاعی لہرین موجود ہین، بعض ماہرین ہئیت کی رائے ہے، کہ وہ ایک نئے عنصر "کرونیم" کا پتہ دیتے ہین بعض علمائے سائنس کا

گمان ہے کہ وہ آکسیجن کی طرح روشنی کے عناصر ہین، جو طبیعی طور سے متلاطم اور مضطرب ہوتے ہین، مگر سویڈن کے مذکورۂ بالا ماہر طبیعیات بنگٹ ایڈلن (Bengt Edlen) نے اپنی جدید تحقیقات سے ان مشکوک خیالات مین بہت سی نئی باتین پیدا کی ہین، اس کی تحقیق مین ہالہ وزنی عناصر مثلاً لوہا، چونا اور نکل پر مشتمل ہے، ماہرین طبیعیات کو یہ ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوئی ہے، ایڈلن کا خیال ہے کہ ہالہ کے ان وزنی کیمیائی مادون مین جو روشنی کی لہرین پیدا ہوتی ہین اس کے لحاظ سے ہالہ کی حرارت بیس لاکھ ڈگری ہوگی، حالانکہ اس سے پہلے کی تحقیق تھی کہ یہ حرارت دس ہزار ڈگری سے زیادہ نہیں، ایڈلن کو اپنی تحقیقات پر شبہہ تھا، اس لئے دو سال اسکو پوشیدہ رکھا، لیکن اب اس کے سارے شبہات دور ہوگئے ہین، ۱۹۳۶ء کے سورج گرہن سے اس کے نظریہ کی تصدیق مختلف رصد گاہون سے ہوئی، گذشتہ جون مین ہارورڈ کی رصدگاہ مین بھی اس کی تصدیق کی گئی، اور اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ آفتاب کے اندر بعض ایسے متلاطم اور مرتعش ذرات ہین، جو بالکل نہین دکھائی دیتے، انہی ذرات سے آفتاب کی گردش سے گیس نکلتے ہین، اور ان گیسون کی برقی لہرین آفتاب کے اندرونی حصہ سے نکلتی ہین، اس وجہ سے وہ جلد ٹھنڈی نہین ہوتی ہین، اور اس کی گرمی بہت دور تک باقی رہتی ہے، مگر جیسے جیسے یہ لہرین ٹھنڈی ہوتی جاتی ہین، اپنے مرکز کی طرف مائل ہوتی جاتی ہین، (ص ع)

افکار عصریہ

سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیان کی ہین، یہ کتاب ان تمام ترقیون کا خلاصہ ہے کتاب ۲۶ بابوں میں تمام ہوئی ہے، اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

منیجر

مطبوعات جدیدہ

فہم قرآن از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ، پتہ ندوۃ المصنفین قرولباغ دہلی،

آج کل فہم قرآن اور اسکی تفسیر تاویل کے بلند بانگ دعووں اور حدیث و سنت کے حجت شرعی نہ ماننے کا فتنہ اتنا عام ہوتا جاتا ہے، کہ فہم قرآن کے لئے عربی کی ابجد سے واقفیت بلکہ اردو ترجمہ کی مدد کو کافی سمجھا جاتا ہے، اور نعوذ باللہ حدیث نبوی کو دفتر بے معنی قرار دیکر اسے ناقابل اعتبار ٹھہرایا جاتا ہے، معارف میں ان مباحث پر مبسوط اور مدلل مضامین نکل چکے ہیں، مولنا سعید احمد صاحب اڈیٹر البرہان دہلی نے اس موضوع پر یہ مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے، اس میں آیت قرآنی لقد یسرنا القرآن سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرکے اوس کا اصلی مقصد و منشا واضح کیا گیا ہے، کلام اللہ کی تفسیر کے اصول و شرائط بتائے گئے ہیں، پھر کلام اللہ اور احادیث نبوی کے تعلق سے انکے حجت شرعی ہونے اور اوس کے وثوق و اعتماد کے علمی و تاریخی دلائل دیئے گئے ہیں، ان مباحث میں تدوین حدیث کی تاریخ، وضع حدیث کا انسداد، حفاظ صحابہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حفاظ تابعین میں امام زہری اور اصحاب صحاح میں امام بخاری و مسلم کی علمی و اخلاقی جلالت ان کی صحیحین کے درجہ اور اسناد و درایت وغیرہ کی بحثیں ہیں، احادیث و سنت کی صحت، اوس کے وثوق اور اس کے حجت شرعی ہونے کے دلائل اور اس سے متعلقہ مباحث اتنے کثیر ہیں، کہ کسی مختصر کتاب میں ان کا احاطہ دشوار ہے، تاہم اس کتاب میں اس کے اکثر اہم پہلو آگئے ہیں، اور فی الجملہ

ایک طالبِ حق کی تشفی کے لئے کافی ہیں، موضوع کے اشتراک کی وجہ سے اس کتاب کے بعض مباحث اور دار المصنفین کی سیر الصحابہ اور معارف کے مضامین کے درمیان کہیں کہیں توارد ہو گیا ہے، اسکی ایک دلچسپ مثال، عدالت صحابہ کی بحث (ص ۱۴۵) میں بعد التجسّس کا ترجمہ ہے، اس کا ترجمہ غلطی سے ان کی (صحابہ) عدالت کے بجائے "تہمتون کے بُعد" ہو گیا ہے، بعینہٖ یہی غلطی اسوۂ صحابہ کے پہلے ایڈیشن میں ہوئی تھی، عہدِ صحابہ میں تدوینِ حدیث اور احادیث کے مجموعون کی بحث تشنہ ہے، اس میں صرف دو تین صحابہ کی کتابت حدیث کا تذکرہ ہے، حالانکہ ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، اور خطبات مدراس میں پوری تفصیل مذکور ہے، یہ چیز اس لئے تفصیل کے ساتھ دکھانے کی تھی، کہ منکرینِ حدیث کا سب سے بڑا اعتراض یہی ہے، کہ حدیثین عہدِ رسالت کے مدتون بعد مدوّن ہوئین، اسی طرح یہ بیان صحیح نہین ہے، کہ "روایت سے حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کا جمع حدیث کی طرف متوجہ ہونا، اور ابوبکر بن حزم کو اس کے لئے حکم دینا ثابت ہوتا ہے، یہ نہین معلوم ہوتا، کہ اس حکم کی تعمیل مین احادیث جمع بھی کی گئین، (ص ۹۲)" حالانکہ فتح الباری اور جامع بیان العلم ابن عبد البر میں اس کی تصریح موجود ہے، کہ حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے نہ صرف ابوبکر بن حزم کو بلکہ صوبون کے تمام والیون کو احادیث کی تلاش اور اوس کے جمع کرنے کا حکم دیا تھا، اس حکم پر محدثین نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے، اور حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے اس کی نقلین مختلف ملکون مین بھجوائین،

ممالک اسلامیہ کی سیاست — مؤلفہ جناب عشرت حسین صاحب صدیقی بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر

قیمت مجلد ؏، پتہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی نمبر۳،

یورپ کے سیاسی اور تجارتی مفاد کا اسلامی دنیا سے نہایت گہرا تعلق ہے، اسی مفاد کی

بنا پر وہ مدتوں سے یورپ کی حکومتوں کا شکار بنے ہوئے ہیں، لائق مؤلف نے اس کتاب میں مصر، ترکی، عرب، فلسطین، شام، عراق، ایران، افغانستان اور افریقہ کے اسلامی خطوں کے مختصر سیاسی حالات، ان کو اور یورپین حکومتوں کے تعلق اور ان میں ان کی سیاست اور موجودہ صورت حال کی سرگذشت بیان کی ہے، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے یہ حالات بہت مختصر ہیں، تاہم فی الجملہ اسلامی ممالک کی موجودہ حالت اور ان کے ساتھ یورپ کی سیاست کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں،

بحرالکاہل کی سیاست: مؤلفہ جناب امین خالدی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲؍ پتہ: جامعہ ملیہ دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی نمبر ۳،

ایک زمانہ تک بحرالکاہل کی سیاسی اہمیت صرف چین، جاپان اور مشرق بعید کے ملکوں تک محدود تھی لیکن اب بحرالکاہل کے راستہ سے تجارت کی روزافزوں ترقی، برطانیہ کی نوآبادیات اور چین میں روس، برطانیہ اور امریکہ کے اقتصادی مفاد اور تجارتی اور سیاسی مسائل کی اشتراک کی بنا پر ان حکومتوں کے لئے بھی بحرالکاہل کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اس کتاب میں بحرالکاہل کے ساحلی ملکوں اور اس کے جزائر کے جغرافیہ، تاریخ اور اقتصادی اور سیاسی مسائل کی روشنی میں اس اہمیت کو دکھایا گیا ہے، ہر ملک کی پیداوار، رقبہ، آبادی اور تجارت کے اعداد و شمار کے نقشے بھی دیدیئے ہیں، جن سے ان مسائل کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے، جن لوگوں کو عالمگیر سیاسی مسائل سے دلچسپی ہو، یہ کتاب ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

صدر المدرسین: مؤلفہ مولینا شہید انصاری فرنگی محلی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸؍ پتہ: مصنف فرنگی محل لکھنؤ سے ملے گی،

مولانا عنایت اللہ صاحب مرحوم فرنگی محلی خاندانِ فرنگی محل کے علم وعمل کی آخری یادگار تھے، افسوس کہ گذشتہ جولائی میں یہ یادگار بھی مٹ گئی، مرحوم علم وعمل تعلیم وتدریس تالیف و تصنیف کے اعتبار سے اپنے اسلافِ کرام کے سچے جانشین تھے، ان کی ساری عمر تعلیم وتدریس کے شغل میں گذری، ان کے لائق بھتیجے مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری نے صدر المدرسین کے نام سے مرحوم کے حالات لکھے ہیں، اس میں انکی سیرت وسوانح کے ساتھ انکی علمی تعلیمی سیاسی اور تصنیفی خدمات پر بھی مختصر روشنی ڈالی ہے،

ہمارے مزدور: مؤلفہ جناب محمد عبد القادر صاحب لکچرار معاشیات جامعۂ عثمانیہ، تقطیع اوسط ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ: انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

صنعت وحرفت کے فروغ کے ساتھ صنعتی کارخانوں اور مزدوروں کا مسئلہ روز بروز اہم اور عالمگیر ہوتا جاتا ہے، لائق مؤلف نے اس رسالہ میں مزدوروں کی حالت ان کی زندگی انکے حقوق فرائض، اصلاح وتنظیم، مراعات، سہولتوں اور ان کے اور کارخانہ داروں کے درمیان اختلاف کی صورت میں مفاہمت کے طریقوں اور اس مسئلہ کے متعلق اور دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے،

تازیانے، مرتبہ جناب الطاف مشہدی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ؏، پتہ: لاجپت رائے اینڈ سنز، تاجرانِ کتب لاہور،

آج کل ترقی پسند ادب یعنی ان افسانوں کی جانب رجحان زیادہ بڑھتا جاتا ہے، جن میں ہماری زندگی کی زبوں حالی اور ہمارے اخلاقی اور معاشرتی نقائص کی مصوری کی گئی ہو، جناب الطاف مشہدی نے تازیانے کے نام سے مشہور افسانہ نگاروں کے اس قسم کے چودہ افسانوں کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہے

افسانون کا انتخاب اچھا ہے، سب افسانے کسی نہ کسی اصلاحی پہلو سے تعلق رکھتے ہین،

کلیاتِ میر، مرتبہ جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی تقطیع بڑی ضخامت ۹۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ مطبع نولکشور لکھنؤ،

کلیاتِ میر کے کئی اڈیشن نکل چکے ہین لیکن ان مین سے کوئی بھی اغلاط سے خالی نہیں تھا، بعض تو بالکل مسخ ہین، ان کا کاغذ بھی نہایت خراب ہے، میر کے کلام کی اہمیت کے لحاظ سے ضرورت تھی کہ صحت اور حسن طباعت کے اہتمام کے ساتھ ایک نیا اڈیشن شائع کیا جاتا، اس فرض کو جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی نے ادا کیا، اور متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخون سے تصحیح و مقابلہ کے بعد یہ نسخہ مرتب کیا ہے، کلیات کے شروع مین ان کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے، اس مین میر کے حالات اور ان کے کلام پر تبصرہ ہے، حالات خاصی تفصیل سے ہین، میر کی زندگی کے مختلف فیہ واقعات مین لائق مؤلف نے عموماً اپنی تحقیق کے بجائے دوسرے ارباب علم کے بیانات نقل کرکے اون کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا ہے، کہین کہین خود بھی کوئی نئی بات کہی ہے، میر کے زمانہ کے بہت سے الفاظ و مصطلحات اب متروک و فراموش ہو چکے ہین، آخر مین ان کا ایک فرہنگ دیدیا گیا ہے، امید ہے کہ اصحابِ ذوق مین یہ نیا اڈیشن مقبول ہوگا،

گلبانگ حیات، مصنفہ خواجہ محمد مسیح پال امین حزین تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عار، پتہ مصنف سیالکوٹ سے ملیگی،

سیالکوٹ کی سرزمین نے جسے اقبال کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، انہی کا ہمنوا ایک اور شاعر پیدا کیا، جو دنیائے شاعری مین امین حزین کے نام سے مشہور ہے، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ دونون نے ایک ہی استاد شمس العلماء میر حسن سے فارسی مین فیض حاصل کیا، اس سے زیادہ مشابہت اور یکرنگی دونون کے فکر و خیال، تصورِ زندگی اور موضوعِ شاعری مین ہے، بلکہ اس اعتبار سے حزین کی شاعری

کو اقبال کی شاعری کا عکس کہنا چاہئے، ان کا مرکزی تصور بھی اثبات خودی ایمان و یقین جوش عمل ولولۂ آرزو اور زندگی کی تڑپ ہے، اور گلبانگ حیات حزین کی زبان سے نوید زندگی ہے، اس مجموعہ میں گو مختلف رنگ کے نمونے ہیں لیکن مرکزی خیال تقریباً سب میں ایک ہے، حتی کہ غزلوں میں بھی رنگین نوائی کے بجائے رجز زندگی ہے، قطعات خاص طور سے بہت حکیمانہ اور روح حیات کی تفسیریں ہیں،

الہامات سلیمانی، مرتبہ جناب منظور الحق صاحب کلیم تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت اوسط قیمت معلوم نہیں، پتہ:- منظور الحسن صاحب کلیم پنشین ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول شاہجہان پور،

مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی اپنے گوناگون کمالات کے ساتھ شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے اور تفنن کے طور پر کبھی کبھی فکر سخن بھی فرمالیا کرتے تھے، عربی فارسی اور اردو تینون زبانون میں ان کے کلام کے نمونے موجود ہین، ان کے خلیفۂ مجاز منظور الحق صاحب کلیم نے ان کو الہامات سلیمانی کے نام سے شائع کر دیا ہے، اس مین منظوم شجرے قصیدے نعتین منقبت، منظوم مکتوبات غزلین تاریخین وغیرہ مختلف اصناف کے نمونے موجود ہین، شاہ صاحب کے متوسلین کے لئے یہ مجموعہ تبرک کی حیثیت رکھتا ہے،

رباعیات حیدر، از جناب حیدر دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ حالی پبلشنگ ہاؤس اردو بازار جامع مسجد دہلی،

جناب حیدر دہلوی دہلی کے خوشگو شعراء میں ہین، رباعیات حیدر ان کی رباعیون کا مجموعہ ہے اس مین شراب شباب حقائق تلخ حقائق و معارف، برکات وطن، اور دوپہری، انسان، شاعر، شہداء اور آثار وطن سے متعلق سو سے اوپر رباعیاں ہین، یہ رباعیان تخیل اور زبان دونون کے اعتبار سے پر لطف ہین، "م"

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں | ہندوستان کی قدیم [illegible] کی [illegible]

ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان
مدرسوں اور تعلیمگاہوں کا حال معلوم کرنا
ہیں، تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم
نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی
قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا،
جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین
اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام
سے شائع کیا ہے، ضخامت ۱۴۴ صفحے، قیمت: ۱۲ ار

مختصر تاریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں
پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور
تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی
مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا
ہو جاتا ہے، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے
تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض
سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے
متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان
کو بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں
کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،
ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ ر

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری
مدرسوں میں جاری کیا ہے، اور حکومت یو پی نے
اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں
[illegible]ری یادشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب
میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی
اسلامی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو
سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچوں کے

[illegible] تہذیب [illegible] ہے جو ان تمام تہذیبی [illegible]
کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں
مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں،
قیمت: عہ ر ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ
چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا
گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں
کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت
ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل
کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور
اب کیا ہیں؟ ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ ر

از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلامی جلد اول، اس میں اسلامی
تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے
اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر
مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ:
مولنا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲ ر

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن
رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے
حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے
اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ
ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۳۰۰ قیمت عہ ر

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے
رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج
و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں
عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل
حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے
زیادہ مبسوط و مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۴۰۰ قیمت عہ ر

رحمتِ عالم

ابتدائی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی ابہام اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں چھوٹے بچوں کے دار الاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ عہ ہے، لیکن ۲۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲ر فی نسخہ زائد ہوگی،

موجودہ دنیائے اسلام

عرب کی موجودہ حکومتیں، جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق وعقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد، حجاز، عسیر، یمن، حضرموت، عمان، بحرین، کویت، عراق، فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

چینی مسلمان، ایک مسلمان صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، حجم ۲۴۲ صفحے، قیمت: عہ

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ

(مطبع معارف میں بہ اہتمام ... چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے دسمبر ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت ۔ پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تاریخی کتابیں

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اوران کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں پہلا نمونہ، قیمت: ۱۲ مجلد ۲؍

خلافت اور ہندوستان، آغازِ اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفائے اسلام سے جو تعلقات رہے ہیں، ان کی تشریح اور سلاطینِ ہند کی تاریخ، سکوں اور کتبوں سے ان کے تعلقات کا ثبوت،

قیمت: ۸ ؍ ۸۹ صفحے

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فنِ انشا، اور شاہی مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و واقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

قیمت: للعہ؍ ۴۸۰ صفحے،

رقعاتِ عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بہت حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: ۴؍ ۲۹۰ صفحے،

تاریخ صقلیہ اول، مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو و انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت: للعہ؍ ۴۴۵ صفحے،

تاریخ صقلیہ دوم، یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظامِ حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور ان کے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جن میں مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اس کے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے، جس میں مختلف علوم، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات، طبیعیات کا تذکرہ ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا اور شعراء کے مفصل حالات ان کی تصنیفات اور کلام نثر و نظم کا ذکر ہے، آخر کا باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے متعلق ہے، قیمت: للعہ؍ ۵۰۰ صفحے

جلد ۵۰ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات

رحمتِ عالم کے ہندی ترجمہ کے لئے تین صاحبوں نے چندے بھیجے ہیں، اور تینوں علما رہیے ہیں، جن میں سے ایک نے صہ دکن سے بھیجے ہیں، اور دوسرے نے صہ علی گڈہ کے نواح سے، اور تیسرے نے صہ رسی پی کے ایک گوشہ سے، اب اس کام کے لئے کسی چندہ کی ضرورت نہیں، احباب زحمت نہ فرمائیں،

ایک زمانہ تھا جب کہ قرآنِ پاک کا کوئی انگریزی ترجمہ کسی مسلمان کے قلم سے موجود نہ تھا لیکن پچھلے بیس برس کے عرصہ میں بحمداللہ متعدد ترجمے چھپ کر شائع ہوئے اور مسلمانوں میں پھیلے لیکن ابھی تک کوئی ترجمہ ایسا نہیں ہوا تھا جس پر اہلِ علم اور علماے دین کو پورا اعتبار ہو، اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی (بی اے) نے کی ہے، موصوف مسلسل کئی سال سے پورے انہماک کے ساتھ اس میں مصروف تھے، اب بحمداللہ ان کا یہ کام اتمام کو پہنچ گیا

اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ترجمہ حاصلِ مراد اور مطلب کا نہیں کیا گیا ہے جس میں بیسیوں لفظی و معنوی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بلکہ پوری لفظی پابندی کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اس بات کی کوشش کی گئی ہو کہ ہر قرآنی لفظ کا ٹھیک ترجمہ صحیح انگریزی لفظ میں ادا ہو جائے،

مطلب و معنی میں خالص متبعینِ سنّت کے اصول کی پیروی کی گئی ہے، یعنی ہر قسم کی تاویلاتِ فاسدہ سے احتراز برتا گیا ہے، آیت کے حل اور معنی کے تعین میں تفسیر کی معتبر کتابوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، شرح طلب آیتوں پر حاشیے لکھے گئے ہیں جن میں تاریخی، جغرافی، کلامی، فقہی، تمدنی مسائلِ متعلقہ کی تفصیل کی گئی ہے، اور جہاں ضرورت ہوئی ہے توراۃ و انجیل، اور یہود و نصاریٰ کی مستند کتابوں سے حوالے دے کر قرآنِ پاک کی تصدیق کی گئی ہے، انگریزی زبان کی صحت میں متعدد زبان دانوں سے مشورے لئے گئے ہیں،

ہمارے ملک میں مصنف و مترجم کی اصلی دقت اپنے کام کے ختم کرنے کے بعد شروع ہوتی ہے، جب وہ اپنے کام کو ختم کرکے یہ آواز لگاتا ہے،

من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

پھر اس کے جواب میں کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھتی، چاہئے تو یہ تھا کہ کوئی فیاض دل اٹھتا اور اس کی طبع و اشاعت کا کام دین کی خدمت سمجھ کر انجام دیتا، لیکن بہرحال اب جو صورت اس کی قرار پائی ہے وہ بھی اچھی ہے، یعنی تاج کمپنی نے تجارتی حیثیت سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے، اور اب امید ہے کہ موجودہ زمانہ کی ناگزیر دشواریوں کے باوجود کچھ دنوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ان کے کلامِ الٰہی کا ایک مستند ترجمہ آجائے، انشاء اللہ اس ترجمہ سے نوجوان مسلمانوں، اور ان ملکوں کے مسلمانوں کو جہاں انگریزی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے، بیحد فائدہ پہنچے گا،

ادارۂ معارفِ اسلامیہ لاہور کا سالانہ اجلاس جیسا کہ پہلے سے معلوم ہے امسال لکھنؤ میں ہوگا، ادارہ کی مجلسِ عاملہ نے اسکے لئے ۱۶-۱۷-۱۸ مارچ ۱۹۴۲ء کی تاریخیں مقرر کی ہیں، ۱۰ ماہ دسمبر کو اس کے لئے لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایوانِ عباسیہ میں شہر کے اکثر اہلِ علم و قلم اور

نظر دوست حضرات کا جلسہ ہوا جس میں مجلسِ استقبالیہ کی ابتدائی کارروائیاں طے ہوئیں، جناب مولنا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی ازہری مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء اور جناب مولانا حکیم خواجہ شمس الدین صاحب جنرل سکریٹری اور جناب پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی ناظم نمایش کتبِ علمی، جناب مستفر اللہ صاحب خازن اور چھ سات اصحاب انتظامی مجلس کے ممبر قرار پائے، جن کے نام علاوہ مذکورۂ بالا عہدہ داروں کے یہ ہیں، نواب زادہ شمس الحسن خاں صاحب شمس بی اے، ال ال بی (بھوپال ہوس) مولنا محمد شفیع صاحب مدرس اعلیٰ مدرسۂ نظامیہ فرنگی محل، مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی اور یہ ہیچ مدان، شاید ایک دو نام یاد نہ رہے ہوں صدارتِ استقبالیہ کے لئے چند نام زیرِ غور ہیں، یونیورسٹیوں کے تعاون کی بھی امیدیں ہیں،

یہ تو اجلاس کی ظاہری شکل ہے، لیکن اس کی حقیقی کامیابی اہلِ علم و اہلِ قلم دار بابِ تحقیق اور شائقینِ علم کی شرکت اور مقالات کی اہمیت ہے، ہم کو امید ہے کہ پنجاب، یوپی اور بعض دوسرے صوبوں کے شائقینِ علم و تحقیق اس میں اپنے محققانہ مقالے پڑھیں گے، اور سعیِ بلیغ فرمائیں گے کہ یہ اجلاس اپنی معنوی خصوصیات کے لحاظ سے کامیاب ہو،

اس اجلاس کے متعلق ہر قسم کی اطلاع، خط و کتابت، اور استفسار براہِ راست جنرل سکریٹری صاحب اجلاس ادارۂ معارف اسلامیہ، دار العلوم ندوہ لکھنؤ سے کریں، یا سکریٹری صاحب دفتر ادارۂ معارف اسلامیہ اورنٹیل کالج لاہور سے،

مقالات

قرآنی تصورِ مملکت

از

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی ایچ ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ

"لائق مضمون نگار جامعہ عثمانیہ مین قانون بین الممالک کے استاذ ہین، اور دنیا کی مختلف قومون کے تصورِ مملکت اور دستورِ حکومت پر ان کی نگاہ ہے، اس مضمون میں اسی نقطۂ نظر سے اسلامی تصورِ مملکت کو انھون نے پیش کیا ہے، موجودہ زمانہ مین اسلامی تعلیمات اور اس کے نظام کو جدید طرز مین اس طرح پیش کرنا جو دوسری قومون اور جدید طبقہ کے لئے بھی قابلِ توجہ ہو، ایک مفید خدمت ہے، یہ مضمون چونکہ اسی نقطۂ نظر سے اور ایک خاص طبقہ کو پیشِ نظر رکھکر انگریزی مین لکھا گیا تھا، اس لئے زبان اور طریقۂ تعبیر مین اس کے ذوق کا لحاظ رکھا گیا تھا، جس کی کچھ جھلک اس اردو مضمون مین بھی موجود ہے،

جزیرہ نماے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہین ہو سکا تھا، اور یہ ایک انوکھا اور عجیب و غریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد صلعم کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کر لیا، جس ملک مین نراج کا دور دورہ ہو، وہان دس ہی

سال کی کوشش مین ایک مرکزیت اور نظام قائم کر دینا رسول کریم صلعم کا عظیم الشان کارنامہ تھا، آنحضرت صلعم اپنے آپ کو آسمانی وحی کا تابع قرار دیتے تھے، جو وقتاً فوقتاً آتی تھی، اور جس کا مجموعہ اب قرآن کے نام سے دنیا مین موجود و مشہور ہے، اگر کوئی شخص سیرۃ نبویہ کا قریب سے مطالعہ کرے، تو اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اس قول کی صحت کو باور کرنے مین ذرا بھی دشواری نہ ہوگی، کہ قرآن رسول کریم صلعم کی زندگی کا آئینہ ہے، (کَانَ خلقہ القرآنَ) اسی لئے یہ معلوم کرنا کہ آنحضرت صلعم کی شریعت مین مملکت کا تصور کیا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ قرآن کو دیکھنے سے ممکن ہے،

یہ چیز قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید مین نہ صرف ازمنۂ سابقہ کے پیغمبرون کے حالات بیان ہوئے ہین، بلکہ ان کی سیرتون کو جو قرآن میں ہین اب بھی ماخذ تسلیم کیا گیا ہے، بجز اس کے کہ صراحت سے قرآن اُسے یا اس کے کسی جزء کو منسوخ قرار دے، دوسرے الفاظ مین انبیائے سابقہ کی سنت مسلمانون پر اب بھی واجب التعمیل ہے، بجز اس کے کہ اس کے کسی معین جزء کے نسخ کا کوئی حکم قرآن مجید مین یا رسول کریم صلعم کے افعال و اقوال مین صراحت سے ملتا ہو، ایک آیت ملاحظہ ہو :-

"اولئکَ الذین اٰتینٰھمُ الکتٰبَ وَالحکمَ والنبوۃَ الخ یہی وہ لوگ ہین جنکو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اگر کوئی لوگ اس کو نہ مانین تو ہم یہ امانت ایسے لوگون کے سپرد کرین گے، جو اس سے انکار نہ کرین، یہی وہ لوگ ہین[۵] جن کی خدا نے ہدایت کی ہے، اس لئے تو ان کی رہنمائی کی پیروی کر، (قرآن ۶/۸۹ تا ۹۰ نیز دیکھئے ۴۲/۱۳)

---

[۵] اس سے اوپر کی آیتون مین (۱۸) پیغمبرون کے نام لئے گئے ہین جن مین نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، ہارون، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام شامل ہین، اور انہی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے،

امام بخاری اور ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے، کہ جب کبھی کسی معاملہ میں براہ راست آسمانی وحی نہیں آتی، تو رسول کریم صلعم بجاے عام عربی روایات کے اہل کتاب کے طریقون کی پیروی فرمایا کرتے تھے،

یہ چیز سیاسی معاملات کی حد تک بھی اسی طرح صادق آسکتی ہے، جس حد تک معاشی و معاشرتی معاملات مین،

معاشرۂ انسانی کی تاریخ پر نظر ڈالین، تو معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کا قیام بڑے عرصہ کے بعد ہو سکا، قرآن مجید مین واقعات کی جو ترتیب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ سب سے پہلے حضرت آدم پیدا ہوئے، جن کو خدا نے زمین پر نائب یا خلیفہ مقرر کیا، وہ نسل انسانی کے باپ تھے، اور بزرگ خاندان ہونے مین ان کا کوئی حریف نہین ہو سکتا تھا، ان کی وفات کے بعد کئی نسلون تک انکی اولاد مین مختلف قسم کے اختلافات اور برائیان کم یا زیادہ مقدار مین ساری رہین، اسی لئے قرآن مجید کے مطابق پیغمبر بھیجے گئے، جو خدا اور عام انسانون کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے، اور انسانون کو یہ بتاتے تھے، کہ ان کے خالق کی مشیت اور اسکا حکم کیا ہے، اور نیکی کی ترغیب دیتے اور برائی سے روکتے تھے، ان پیغمبرون نے خلوص کے ساتھ جو بے غرضانہ نصیحتین کین، اور ان کی باتون کو کچھ لوگون نے مانا بھی تو اس جماعت کی حیثیت کسی مملکت کی قرار دینی مشکل ہے، بظاہر قدیم ترین زمانہ مین انبیاء علیہم السلام کی آمد کے باوجود سیاسی نظام اور اقتدار کی ضرورت نہیں پائی جاتی تھی، قرآن مجید مین بھی بارہا ذکر ہے، کہ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو سرفرازی عطا ہوئی مگر ایک مملکت کو دوسری مملکت کی جگہ قائم کرنے کا کوئی ذکر نہین ہے، قرآن مجید مین ان قومی وحدتون کے غیر سیاسی وجود کے باوجود ان لوگون کی معاشی اور سماجی سرگرمیون کو نظرانداز نہین کیا گیا ہے، لیکن ان چیزون کا ذکر صرف اس طور سے ہوا ہے، کہ لوگ ان کو خدا کی نعمتین سمجھکر

یاد رکھیں، اور خدا کی اطاعت کا فریضہ بجالائیں،

بادشاہی کے ذکر کا آغاز قرآن مجید مین حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملنے لگتا ہے جبکہ ایک شخص اپنے ملک کے تمام لوگون کی جان و مال پر اپنا اقتدار چلاتا ہوا نظر آتا ہے (دیکھئے قرآن مجید ۲/۲۵۸ نمرود کا قصہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے ادارۂ مملکت مین زیادہ استحکام و ترقی نظر آتی ہے، چنانچہ ان کے زمانہ کے حالات مین (دیکھئے قرآن مجید ۱۲) بادشاہون اور وزیرون اور سرکاری قیدخانون کا بھی ذکر ملتا ہے (سورۂ یوسف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو حالات قرآن مجید مین ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان مقدس رہنما کی تمنا اور کوشش یہ تھی، کہ ارضِ موعود مین ایک مملکت قائم کرین، مگر قوم نے نااہلی کے مظاہرے (عدمِ اطاعتِ احکامِ الٰہی) سے مایوسی کا سامان کر دیا، آخر ان کی قوم کو چالیس سال تک انتظار کرنے کی ضرورت پیش آئی، کہ ایک بالکل نئی نسل پیدا ہو، جس کی بچپن ہی سے ان کی نگرانی مین تعلیم و تربیت ہو، اور پھر اس نئی نسل کی مدد سے وہ ارضِ موعود کو فتح کرین، گو اسی اثنا مین حضرت موسیٰؑ نے وفات پائی، اور ان کی چہل سالہ تربیتی اسکیم ان کے بعض فیض یافتہ مومنین نے مکمل کی، حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین جو فرعون مصر تھا، وہ قرآنی تذکرے کے مطابق ایک خاصا باقاعدہ حکمران تھا، جس کا ایک وزیر تھا، اور جس کے مشورے کے لئے معمرین اور اہل الرائے لوگون کی ایک مجلس بھی پائی جاتی تھی، اس مجلس کے اجلاسون کی جو روداد قرآن مجید مین ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بے سوچے سمجھے اور عاجلانہ فیصلے نہین کیا کرتی تھی، بلکہ اوس کے مشورے مناسب اور قابلِ عمل ہی ہوتے تھے، مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ سے ان کی جدت طرازیون کے باعث کیا برتاؤ کرنا چاہیئے؟ جب فرعون نے یہ سوال پیش کیا، تو مجلس شوریٰ نے نرمی اور اعتدال کا مشورہ دیا تھا، اس زمانہ مین عوام الناس تک ایک حد تک سیاسی شعور

رکھتے نظر آتے ہین، چنانچہ (قرآن مجید ۲۸:۱۹) جب ایک شخص نے حضرت موسیٰؑ کو ان کی سخت گیری کے باعث ملامت کرنی چاہی تو اوس نے یہ الفاظ کہے تھے، کہ

"ان ترید الا ان تکون جبارا فی الارض الخ تو تو زمین مین ایک جبار بنجانا چاہتا ہے، اور صلاح و فلاح کا کام کرنے والون مین سے نہین ہونا چاہتا"

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ مین مجلس دوگانہ یا مرکب بادشاہت کا بھی پتہ چلتا ہے،[۱]

طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کا قصہ قرآن مجید مین ایک خصوصی دلچسپی کا حامل ہے، بنی اسرائیل کو ان کے دشمن نے شکست دیکر ان کے گھروں سے جلا وطن کر دیا تھا، انتقام کی خواہش نے انھین اس بات پر آمادہ کیا، کہ اپنے پیغمبر سے یہ خواہش کرین کہ ان پر ایک بادشاہ نامزد کیا جائے جو اُن کو ساتھ لیکر دشمنون سے لڑسکے :

"اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الخ یاد کرو جب موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے بنی سے کہا کہ ہم پر ایک بادشاہ کو مامور کر تاکہ ہم اللہ کی راہ مین لڑسکین، اُس (بنی) نے کہا اگر تم لڑنا فرض ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کر دو تو؟ انھون نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ ہم اللہ کی راہ مین نہ لڑین، جب کہ ہمین ہمارے گھرون اور ہمارے بچون سے نکال باہر کر دیا گیا ہے،! اس کے باوجود جب لڑنا ان پر فرض کیا گیا تو انھون نے روگردانی کی، بجز چند لوگون کے، اللہ ظالمون کو خوب جانتا ہے، ان کے پیغمبر نے ان سے کہا: دیکھو اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھون نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ وہ ہمارا بادشاہ بنے؟ ہم اس سے زیادہ بادشاہت

---

[۱] قرآن مجید ۳۲:۲۰ چنانچہ خود حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی کے متعلق خدا سے دعا کی تھی کہ واشرکہ فی امری (اس کو میرے کام مین شریک بنا)

کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ مالدار نہیں ہیں، اس (نبی) نے کہا اللہ نے اسی کو تم پر فوقیت دی ہے اور علم اور جسم میں اس کو وافر حصہ دیا ہے، اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے، اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے"۔

(قرآن مجید ۲۴۶ تا ۲۴۷/۲)

علاوہ اور اہمیتوں کے اس اقتباس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ مال و دولت یا حسب و نسب نہیں بلکہ علم و جسم یعنی سیاست[۱] دانی اور بہادری بادشاہت کی اولین ضرورتیں ہیں، اس اقتباس سے یہ اہم چیز بھی معلوم ہوتی ہے، کہ اس زمانہ میں یہودیوں نے مذہب اور سیاست کو الگ چیزیں ہونا تسلیم کر لیا تھا، اور نبی کے علاوہ بادشاہ کی ضرورت سمجھی گئی تھی، بادشاہ فرائض نبوت بجا نہیں لا سکتا تھا، اور نہ نبی فرائض بادشاہت، البتہ یہ چیز قابل ذکر ہے، کہ طالوت یعنی بادشاہ ساؤل کے فوری جانشین حضرت داؤدؑ اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ دونوں بادشاہت اور نبوت ہر دو حیثیتوں کے حامل بنے، ان کا کچھ تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:-

حضرت داؤدؑ کا قرآنی تذکرہ بیحد اہم ہے، کیونکہ اس میں فرائض بادشاہت کا (جن میں عدل گستری سب سے اہم ہے) ذکر کیا گیا ہے:-

(۱) وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ الخ "اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، پھر خدا نے اوس کو بادشاہت اور حکمت عطا کی" (قرآن مجید ۲۵۱/۲)

(ب) وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ الخ "ہم نے اسکی حکومت کو مضبوط بنا دیا، اور اس کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی زبان عطا کی" (ایضاً ۲۰/۳۸)

(ج) يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ الخ "اے داؤد!

---

[۱] معارف: قرآنی اصطلاح میں علم کا مفہوم معرفت حق ہے،

بیشک ہم نے تجھکو زمین پر ایک نائب مقرر کیا ہے، اس لئے لوگون مین حق کے ساتھ فیصلے کیا کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر ورنہ وہ تجھے خدا کی راہ سے بھٹکا دین گی، جو کوئی خدا کی راہ سے بھٹکے، تو اس کا انجام بُرا ہوتا ہے، کیونکہ وہ قیامت کے حساب و کتاب کو بھول جاتا ہے؛ (قرآن مجید ۳۸/۲۶)

حضرت سلیمانؑ کے سلسلے مین یہ بیان کیا گیا ہے، کہ "اور سلیمان کو داؤد کا وارث بنایا" [۵] اگرچہ بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا، لیکن اس قرآنی تذکرے کا منشا، یہ بالکل نہین ہے، کہ بیٹا بطور حق کے بادشاہ بنا ہو، بلکہ یہ محض خدا کی عنایت تھی، کہ باپ کی جگہ بیٹے کو بھی حکومت ملی، اور اقتدار کا اصلی سرچشمہ خدا ہی کی مشیت ہو،

حکمرانی کے کل پرزون کی حرکت کا سب سے دلچسپ منظر قرآن مجید مین ملکۂ سبا کے تذکرہ مین ملتا ہے، چنانچہ:-

"قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ" الخ

"اُس (ملکہ) نے کہا اے سردارو مجھے میرے اس معاملہ مین مشورہ دو، مین تمھاری موجودگی کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہین کرتی، انھون نے کہا ہم بڑے طاقتور اور بہادر لوگ ہین، حکم دینا تیرا کام ہے، اس لئے تو سوچ کر فیصلہ کر، اُس (ملکہ) نے کہا جب کبھی بادشاہ کسی شہر مین داخل ہوتے ہین، تو اُسے تباہ کر دیتے ہین، اور وہان کے معززین کو ذلیل بنا دیتے ہین، اور وہ ایسا ہی کرین گے، البتہ مین اُن (حضرت سلیمان کے ملک والون) کو ایک تحفہ بھیجون گی، اور دیکھونگی کہ سفیر کیا واپس لاتے ہین، چنانچہ جب سفیر سلیمان کے پاس پہونچے، تو انھون نے فرمایا کیا تم مجھے مال کے ذریعہ سے کچھ مدد دینی

---

[۵] قرآن مجید ۲۷/۱۶

چاہتے ہو، جبکہ وہ چیز جو خدا نے مجھے دے رکھی ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے، جو اس نے تمھیں دی ہے، ہاں تمھیں تو اپنے تحفے ہی پر ناز ہے، ان کے پاس واپس جاؤ، ہم بیشک ان کے پاس ایسی فوجین لیکر آئین گے، جن کا وہ مقابلہ نہیں کرسکین گے، اور ہم ان کو وہان سے ذلیل کرکے نکال دین گے، اور وہ پست ہو جائین گے"

(قرآن مجید ۲۷ ۳۲ تا ۳۷)

ہر زمانہ مین اس امر کی ضرورت تسلیم کیجاتی رہی ہے، کہ ملت کی رہنمائی کے لئے ایک قوانین کا مجموعہ بھی موجود ہو، قرآن مجید مین اکثر اس کا ذکر آیا ہے، کہ پیغمبرون کو کتابین یا صحیفے دیئے گئے، کتاب کے لفظی معنی حکم دینے کے بھی آتے ہین، اور صحیفہ سے مراد دستور العمل ہوتا ہے، حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ مین خاص طور سے اس کا ذکر ہوا ہے، کہ جونہی وہ فرعون کی سرزمین سے نکل کر باہر آگئے، تو خدا نے حضرت موسیٰؑ کو احکام لکھی ہوئی تختیان (الواح) عطا کین، جن کی تعمیل بنی اسرائیل پر فرض قرار دیگئی،

ظالم بادشاہون کے ظالمانہ اور نامناسب افعال کی قرآن مجید مین بار بار برائی کی گئی ہے (دیکھئے قرآن مجید ۱/۸ ، ۳/۲۸ وغیرہ) ایک چیز جو قرآنی تذکرون مین خاص طور سے قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مملکت سے زیادہ حکمرانِ مملکت کو نمایان کیا گیا ہے، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مملکت کا ذکر محض ضمناً آیا ہے، اور سیاسی وحدت مین بادشاہ کا ذکر ہی سب سے نمایان ہے، کیونکہ قدیم زمانون مین یہی صورتِ حال تھی،

اسلامی مملکت | اب تک ہم نے اپنی تحقیقات کو زمانۂ قدیم کی مملکت تک محدود رکھا تھا، اس کے معنی یہ نہین، کہ آنحضرت صلعم نے جو اسلامی مملکت قائم کی تھی، اس کے لئے کوئی خصوصی احکام قرآن مجید مین نہین دیئے گئے، ہمارے تذکرہ کا منشا یہ تھا کہ چونکہ انبیاء سلف کی سنت بھی مسلمانون کے لئے

واجب التعمیل قرار دی گئی ہے، اس لئے ان کے زمانہ کے احکام کا تذکرہ نہ صرف اسلامی مملکتی تصور کے لئے ایک پس منظر کا کام دیتا ہے، بلکہ واقعتہً وہ اسلامی قانون سیاسی و انتظامی کا جزو بنجاتے ہیں۔ وہ احکام جو قرآن مجید میں نبی کریم صلعم کو خاص طور پر دیئے گئے ہیں، ان کا موضوع وار تذکرہ کیا جاتا ہے،

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے ربانی ماخذ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اور قیامت کے حساب کتاب پر بار بار زور دیا گیا ہے تاکہ بادشاہ میں کسی دنیاوی ذمہ داری کے نہ ہونے کے باعث استبداد نہ پیدا ہو جائے، اگرچہ قرآن مجید میں علاقے یا زمین کا ذکر بعض وقت حکمرانی کے ساتھ آیا ہے لیکن وہ بڑی حد تک ضمنی ہے، بنیادی نہیں مثلاً:

(ا) قل اللهم ملك الملك توتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء الخ

کہہ اے خدا ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہتا ہے، ملک دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے ملک واپس لے لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے تو ہی ذلیل کرتا ہے، بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے،

(قرآن مجید ۳/۲۶)

(ب) هو الذی جعلکم خلٰیف الارض ورفع بعضکم فوق بعض الخ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب مقرر کیا، اور تم میں سے چند کو دوسروں پر رتبے میں فوقیت دی تاکہ تمھیں اس چیز کے ذریعہ سے آزمائے، جو اس نے تمھیں دی ہے،

(ایضاً ۶/۱۶۶)

(ج) ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش قلیلاً ما تشکرون الآیۃ

ہم نے تم کو زمین میں اقتدار عطا کیا اور تمھارے لئے وہاں روزی مہیا کی (ایضاً ۷/۱۰)

جامعۂ روما کے پروفیسر نالینو کو یہ تسلیم کرنے مین کوئی ہچکچاہٹ نہین معلوم ہوتی کہ اسلامی حکمران کی تخت نشینی کے وقت جو بیعت لیجاتی ہے، وہ ایک طرح سے معاہدۂ معاشری کہلا سکتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

"کسی شخص کو خلافت کا رتبہ عطا کرنا فقہا کے نزدیک ایک معاہدہ ہوتا ہے، جس کا ایک فریق وہ شخص ہوتا ہے، جو اس عہدے کو قبول کرے، اور دوسرا فریق جماعت اسلامی ہوتی ہے، یہ معاہدہ اس وقت تک مکمل نہین ہوتا، جب تک کہ بیعت یعنی اظہار وفاداری امت کے اصحاب حل وعقد کی طرف سے نہ عمل مین آجائے"[۱]۔

لفظ بیعت کے معنی خود ایک معاہدہ کے ہوتے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وفاداری اور اطاعت کی ایک طرف سے پیشکش کی جائے اور دوسرے فریق کی طرف سے اُسے قبول کیا جائے، (دیکھئے قرآن مجید ۱۰/۴۸، ۱۲/۶۰) دوسرے الفاظ مین حکمران کا اقتدار چاہے مشیت عامہ سے پیدا نہ ہوتا ہو، لیکن اسی پر مبنی ہوتا اور اسی کا محتاج ضرور رہتا ہے،

اگرچہ رسول کریم صلعم کے متعلق مسلمانون مین یہ چیز جزء عقیدہ ہے، کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہین، اور اگرچہ خلفا پیغمبرون کے سیاسی جانشین سمجھے گئے لیکن معصومیت کا یہ اعزاز ان کے لئے کبھی تسلیم نہین کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر قومون مین بادشاہ کوئی غلطی نہین کرسکتا" کا جو سیاسی نظریہ یا کلیہ پایا جاتا ہے، وہ مسلمانون مین کبھی جگہ نہ پاسکا، اس کے برخلاف مسلمانون کو اسی پر ناز ہے، کہ نہ صرف عام حکمران بلکہ خود پیغمبر صلعم بھی حقوق العباد کے معاملے میں انہی عام قوانین کے پابند ہین جن کے عام مسلمان، اور یہ کہ رسول اللہ صلعم نے کبھی کبھی خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے، اور منصفانہ

---

[۱] فرانسیسی رسالہ موسومہ خلافت کی عام نوعیت، اور سلاطین عثمانیہ کے دعوے خلافت پر تبصرہ مطبوعہ روما ص ۱۱،

فیصلہ کیا[۱] پیغمبروں کی معصومیت کا منشا، اسلامی علم کلام میں صرف یہ لیا جاتا ہے کہ وحی کی تبلیغ اور خدا کے احکام پہنچانے میں ان سے کوئی غلطی یا سہو سرزد نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ دیگر معاملات میں پیغمبر کی حیثیت بھی ایک انسان ہی کی ہوتی ہے، اور احادیث میں متعدد مرتبہ بیان ہوا ہے، کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ "دنیاوی معاملات میں میں بھی تمھاری ہی طرح ایک انسان ہوں، سیاسی حیثیت سے رسول کریم صلعم جماعت اسلامی کے ایک فرد تھے، اور ان قوانین کے جن کو آپ نافذ کرتے تھے، خود بھی پوری طرح پابند تھے،

غرض جملہ مخلوقات کی طرح کرۂ ارض اور انسانی بستی کا بھی اصل مالک اور بادشاہ خدا ہی کی ذات ہے، اور وہی صلاحیتوں کو دیکھکر کسی انسان کو اپنی نیابت سے سرفراز کرتا ہے، اور پھر دیکھتا ہے، کہ وہ عمل کیسا کرتا ہے، اِنَّ الاَرضَ یَرِثُھا عِبادِیَ الصّالِحُونَ اِنّی جاعِلٌ فی الارضِ خَلِیفۃً لِیَنظُرَ کَیفَ تَعمَلُونَ اِنَّ الاَرضَ لِلّٰہِ یُورِثُھا مَن یَشاءُ مِن عِبادِہٖ وغیرہ) خدا کا خلیفہ برحق تو نبی ہوتا ہے جس کا براہ راست وحی سے تقرر ہوتا ہے، اور وحی ہی سے اسکی رہنمائی ہوتی ہے، اس کے باوجود بھی سرور کائنات صلعم اپنی اطاعت اور پیروی کی بیعت لیتے رہے، نبی کے دنیا کو پردہ فرمانے پر احکام شریعت سے ناواقفوں کو واقف کرانے کی حد تک حدیث شریف میں ہے کہ العُلَماءُ وَرَثَۃُ الاَنبِیاءِ[۲] لیکن سلطنت رانی اور سیاست مدن کے لئے مادر دی، ابن خلدون وغیرہ کے الفاظ میں اصحاب حل وعقد کسی کا انتخاب کرتے ہیں، اور یہ انتخاب مصداق حدیث شریف یَدُ اللّٰہِ عَلَی الجَماعَۃِ منشا ربانی کا اظہار اور باعث خیر و برکت ہوتا ہے، اور یہی اصحاب حل وعقد، انتخاب اور بیعت کے بعد بھی حکمران کی حکمرانی میں مرجع کا کام دیتے ہیں، اور ضرورت ہو

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۴۴۲، کامل ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۴۱ نیز سیرۃ شامی میں آٹھ دس ایسے واقعے درج ہیں [۲] معارف :- سند آ یہ حدیث ثابت نہیں،

تو اُسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔[1] حکمران کے حقِ اجتہاد کے حدود، مصالح ملکی اور نظم و نسق میں شوریٰ کا موقف، اصحابِ حل و عقد کی دستوری حیثیت، وغیرہ پر تفصیل سے بحث یہاں ممکن نہ ہوگی البتہ اس سوال کا جواب شاید ضروری ہے، کہ اصل دنیاوی اقتدار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہوتا ہے، اس کا جواب حضرت امام اعظمؒ کے الفاظ میں:-

انّ نواحی دار الاسلام تحت	اسلامی سرزمین کے جملہ حصّے اسلامی
ید امام المسلمین وید ہ ید	بادشاہ کے اقتدار میں ہوتے ہیں، اور
جماعۃ المسلمین۔	اس کا اقتدار مسلمانوں کی جماعت ہی
(مبسوط سرخسی ج ۱۰ ص ۹۳)	کا اقتدار ہوتا ہے،

امام ابو حنیفہؒ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی نے مزید وضاحت سے کہا ہے، کہ کسی ملک کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں غلبہ اور محافظ قوت کس قوم کو حاصل ہے، تعداد سے بحث نہیں "لھما الدار انما تنسب الی اھلھا لثبوت ید ھو لقاھرۃ علیھا وقیام ولا یتھم الحافظۃ فیھا (محیط رضی الدین سرخسی مخطوطہ استانبول ورق نمبر ۵۰ ب) اور حنفی علما متفق ہیں، کہ اسلامی مملکت کا انتظام امام پوری امت مسلمہ کے نائب کے طور پر کرتا ہے، چنانچہ شارح شیبانیؒ کے الفاظ میں الامام بمنزلۃ جماعۃ من المسلمین فی استیفاء ھذا الحق" (مبسوط سرخسی ج ۹ ص ۲۰۴) یعنی اس حق کے نفاذ میں امام کی حیثیت امت مسلمہ کے قائمقام کی ہوتی ہے،

بہرحال یہ اسلامی تصورِ اقتدار اعلیٰ ہے، کہ مقتدر اعلیٰ خداوند خلاق کی ذات کبریائی ہے اور حکمرانی شریعت کو حاصل ہوتی ہے، اور خلیفۃ اللہ فی الارض" یا "شریعت کے نفاذ کے افسر کا انتخاب

---

[1] بدائع الصنائع للکاسانی ج ۷ صفحہ ۱۶

بھی خدا ہی کرتا ہے، اور اس بارے میں خدا کی مشیت کا اظہار "یَدُ اللہِ علی الجماعۃ" اور "لَا یجتمع اُمتی علی الضلالۃ" وغیرہ احادیث شریفہ کے بمصداق اور عہد خلافت راشدہ کے نظائر کے مطابق اصحاب حل وعقد کی بیعت کے ذریعہ سے ہوتا ہے،

دین و دنیا کا ملاپ | قدیم زمانوں میں جب انسانی تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی تھی، اور تقسیم کار کی اتنی زیادہ ضرورت پیش نہ آئی تھی، کسی ملک میں مرکزی حکومت کے اختیارات یا تو عدل گستری کے متعلق ہوتے تھے، (جس میں دشمن سے جنگ بھی شامل ہے، اور فقہ کی کتابوں میں باب الجہاد کا ذکر "حدود" یعنی سزاؤں کے سلسلہ ہی میں ملتا ہے) یا قومی معبود کی پرستش وعبادت کے متعلق دیگر سلطنتی نظم ونسق کے مسائل اٹھتے ہی نہ تھے، بلکہ وہ عوام کے انفرادی معاملات سمجھے جاتے تھے، اور عبادت ہی نہیں عدل گستری اور جنگ بھی مذہبی مراسم کی تابع تھی، تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ کشوری اور مذہبی فرائض میں دوری پیدا ہوتی جاتی تھی، چنانچہ رومیوں نے جُس (Jus یا دنیاوی قانون) کو ہمہ گیر فاس (Fas یا مذہبی قانون) سے ایک الگ چیز کے طور پر ایجاد کیا، یہودیوں نے "قالوا لِنبیّ لھم ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ" (قرآن ۲/۲۴۶) اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر جس کے ساتھ ہم خدا کی راہ میں جنگ کر سکیں،"

اور نبوت ، بادشاہت یا مذہب ، سیاست کو جدا کر دیا، حضرت عیسیٰؑ کی طرف بھی یہ قول انجیل میں منسوب ملتا ہے، کہ "قیصر کی چیزیں قیصر کو دیدو، اور کلیسا کی کلیسا کو" بدھ متیوں اور ہندوؤں کے ہاں بھی ترک دنیا ہی انسانیت کا کمال قرار پایا،

غرض قدیم اہل مذہب نے دنیائے ناپائدار کو دل لگانے کے قابل چیز نہ سمجھا، لیکن اس میں دو دنیادی مسائل نظر انداز ہو کر خامی پیدا ہو گئی، ایک تو گنتی کے چند فرشتہ صفت انسانوں کے سوا باقی جو لاکھوں کروڑوں واقعۃً انسان تھے، ان کے معاملات مادیت پسندانہ ہو گئے، اور دوسرے

سیاست کی اخلاقی بنیاد مذہبی، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب الکائیوں یا دہائیوں میں ختم ہوجانے والے فرشتہ صفت انسانوں کے لئے ہوتے تھے، اور اسلام ناز کرسکتا ہے، کہ وہ امیوں اور اوسط درجہ کے انسانوں کے لئے ایک قابلِ عمل دستور لایا، یہ ظاہر ہے، کہ دنیا میں ایسوں ہی کی بہت بڑی اکثریت ہوتی ہے، انسان نما فرشتے اور انسان نما شیطان دونوں کی تعداد ہمیشہ بہت محدود ہی ہوتی ہے،

مذہب اور سیاست دو بالکل الگ چیزیں ہیں، مذہب خدا اور بندے کے تعلقات کا نام ہے، اور سیاست بندے اور بندے کے معاملات کا، ان دونوں کو ایک کہنے والا گویا ہاتھ اور پاؤں کو ایک کہتا ہے، لیکن جس طرح ایک زندہ اور تندرست انسان میں ہاتھ اور پاؤں دونوں ہی ایک مشترکہ اور مرکزی قوت مثلاً عقل یا ارادے کے تابع ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح دین اسلام نے مذہب اور سیاست کو ایک مشترکہ دستور العمل کے تابع کردیا، جو قرآن یا ربّانی کلام تھا، اور دونوں ہی کی رہنمائی کے لئے احکام کا ماخذ ایک ہی قرار دیکر سیاست میں اخلاقی اساس اور اخلاق میں حقیقت پسندی باقی رکھی، کوئی شخص ہاتھوں کے بل تھوڑی دور ضرور چل سکتا ہے، اور پاؤں سے بُرا بھلا کچھ لکھ بھی ضرور سکتا ہے، اسی طرح عبادت کو سیاست اور سیاست کو عبادت بنا کر انسان چندروز گذار ضرور سکتا ہے لیکن یہ غیر فطری عمل نہ تو سہولت بخش ہوگا اور نہ مفید،

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ایک بزرگ سیرت نگار نبوت کے الفاظ میں "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لیکر آئے، آپ نے صرف آسمانی بادشاہت کی خوشخبری نہیں سنائی، بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دنیا میں خدا کی بندگی بے خوف وخطر کیجا سکے، اور خدا کی بادشاہی دنیا میں قائم ہو"۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

"خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، یہ وعدہ کیا، کہ وہ ان کو زمین مین حاکم بنائیگا، (جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا، جو ان سے پہلے تھے) اور اُن کے لئے ان کے اوس دین کو جو اُس نے اُن کے واسطے پسند کیا ہے، جما دیگا" (قرآن ۲۴/۵۵)

قرآن نے معلمی اور سب سے اچھی دعا انسانون کے لئے یہ بتائی ہے :-

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وَّفِی الاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے، اور آخرت مین بھلائی دے، اور ہم کو آگ کے عذاب (دوزخ) سے بچا، (قرآن ۲/۲۰۱)

اور ایک جگہ فرمایا :

"لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنیا حَسَنَۃٌ وَلَدَارُ الاٰخِرَۃِ خَیْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ اور جنھون نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا مین بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے، اور پرہیز گارون کا گھر کیسا اچھا ہے! (قرآن ۱۶/۳۰)

.... جن لوگون نے خدا کی راہ مین اپنی جانون کی بازی لگا ئی ان کو بشارت ہے :-

فَاٰتٰھُمُ اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنیا وَحُسْنَ ثَوَابِ الاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا، اور اللہ نیکی کرنیوالون کو چاہتا ہے، (قرآن ۳/۱۴۸)

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری و عزت، مال و دولت اور حکومت و سلطنت ہے،

جنھون نے خدا کی راہ مین اپنا گھر بار چھوڑا، اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، ان کو دونون جہان کی نعمتین بخشین :-

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا الخ اور جنھون نے (ہمارے لئے) ستائے

جانے کے بعد گھر چھوڑا، ہم ان کو دنیا مین اچھا ٹھکانا دین گے، اور بیشک آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے، (قرآن ۱۶/۴۱)

....(اور اولیا، و اتقیا یعنی فرشتہ صفت مسلمانون کو ترکِ دنیا کی ہدایت نہ کی، بلکہ دنیا داری اور دین داری دونون کے ملاپ کا حکم دیا):-

الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصّلوٰة و آتوا الزّکوٰة الخ وہ ایسے لوگ ہین، کہ اگر ہم ان کو زمین مین جما دین تو وہ نماز کھڑی کرین، اور زکوٰة دین، اور اچھے کامون کو کہیں اور بُرے کامون سے روکین، اور ہر کام کا انجام خدا کے ہاتھ مین ہے،

(قرآن ۲۲/۴۱)

...ان آیتون سے یہ اشارہ بھی نکلا، کہ مسلمانون کے ہاتھون مین خدا کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہئے۔ اور یہ اشارہ بھی کہ دین و دنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے، اور "احسن تقویم" کا مظاہرہ ہو سکتا ہے، ورنہ وہ یا تو فرشتہ ہو جائے گا، یا شیطان اور ان دونون اصناف سے جدا ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائیگا،

ایسی آیتین قرآن مجید مین بکثرت ملتی ہین جن میں یہ بتایا گیا ہے، کہ خدا نے اپنی ہر مخلوق انسان کی خدمت یا استفادے کے لئے پیدا کی ہے، اور انسان اپنی خالق کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، مگر اس کی تفصیل یہان طول بحث سمجھی جائیگی،

بیعت | حکمران کی اطاعت کو جیسی کچھ اہمیت حاصل ہے، ظاہر ہے، قرآن مجید مین بھی اس پر کچھ کم زور نہین دیا گیا ہے، مثلاً:-

(۱) یا ایّھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول و اُولی الامر منکم، اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، اور ان لوگون کی جو تم مین سے افسرانِ حکومت ہون،

اگر تم میں کسی معاملہ میں آپس میں جھگڑا ہو تو اُسے اللہ اور رسول سے رجوع کر دو، اگر تمہیں خدا اور یوم آخرت پر سچا ایمان ہو، یہی بہتر اور مآل کار اچھا طریقہ ہے، (قرآن مجید ۵/۵۹)

(ب) اِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوا بِهٖ الخ اگر امن یا خوف کی ان کو کوئی خبر ملتی ہے، تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، بہتر ہوتا کہ وہ اسکی اطلاع رسول کو اور اپنے افسروں کو دیتے تو سمجھدار لوگ اوس کو سمجھ جاتے، (قرآن مجید ۵/۸۳)

یہ تو افسروں کی اطاعت کا ذکر تھا جناب رسالت مآب صلعم کی شخصی اطاعت پر تو اس سے بھی زیادہ مواقع پر زور دیا گیا ہے کہیں صرف حکم ہے، تو کہیں اوس کے فوائد بتا کر ترغیب دیگئی ہے، رسول کی اطاعت اور پیروی کے ان احکام کا یہ ناگزیر نتیجہ تھا، کہ بعد کے زمانہ میں آپکے قول اور فعل کا تذکرہ محفوظ کرنے کی اتنی عظیم الشان کوششیں اہل علم کی جانب سے عمل میں لائی گئیں ایسی بعض آیات حسب ذیل ہیں :-

(۲) مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا . . . .

. . . . ، جو کچھ رسول تمھیں دے اُسے لے لو، اور جس سے منع کرے اوس سے رُک جاؤ، (قرآن مجید ۲۸/۵۹)

(ب) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بیشک اللہ کے رسول میں تمھارے لئے ایک اُسوۂ حسنہ پایا جاتا ہے، (ایضاً ۲۱/۳۳)

(ج) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ الخ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور جب وہ کچھ کہے تو سنکر روگردانی نہ کرو. . . . . اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں تاکہ تم کمزور نہ پڑ جاؤ، اور تمھاری ہوا نہ

اکھڑ جائے[۵] اس کے برخلاف صبر سے کام لو، اللہ صبر سے کام لینے والوں کیساتھ ہوتا ہے

(قرآن مجید ۲۰ ۴۶)

(د) وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، وہ (یعنی رسول خدا) اپنی خواہش سے کچھ نہین کہتا، بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے، (قرآن مجید ۵۳/۳)

آرنلڈ نے اپنی کتاب خلافت مین بالکل ٹھیک رائے ظاہر کی ہے، کہ اس طرح رعیت کے فریضۂ اطاعت پر زور دیا گیا، مگر اس کے ساتھ ہی حکمران کے لازمی فرائض کا اتنا ذکر نہین ہوا، اس سے اسلامی حکمران جابر اور استبداد پسند نہین بن گیا، کیونکہ حشر و نشر اور حساب و کتاب کا عقیدہ نیز حکمران کا بھی قانون اسلامی کے ماتحت ہونا اس پر گرفت رکھنے کیلئے کافی ثابت ہوئے، اس کے یہ معنی نہیں، کہ حکمران کے فرائض پر قرآن مجید نے زور نہ دیا ہو

(ا) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَھُمْ الخ (اس کیلئے بلاؤ، اور (اے محمد) استقامت سے رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر، بلکہ کہہ: مین ایمان لاتا ہون ہر اُس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ تم مین انصاف کرتا رہون، اللہ ہمارا اور تمھارا آقا ہے، ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمھارے کام، ہم مین اور تم مین کوئی حجت نہیں، اللہ ہمین یکجا کرے گا، اور ہمین اسی کی طرف جانا ہے، (قرآن مجید ۴۲/۱۵)

(ب) فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ تب ہم یقیناً ان لوگون سے دریافت کرین گے، جن کے پاس ہمارا پیغمبر بھیجا گیا تھا، اور ہم پیغمبرون

---

[۵] ایک بحری محاورہ ہے، بادبانون سے ہوا نکل جائے تو ملاح بے بس ہو جاتا ہے، اس محاورے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قدیم عربون کو سمندر سے کتنا لگاؤ تھا،

سے بھی پوچھیں گے" (قرآن مجید ۱۷/۳۴)

متعدد آیتوں میں اس پر زور دیا گیا ہے، کہ اجتماعی اور حکومتی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دیجائے، مثلاً قرآن مجید (۲۷ تا ۲۸ و ۹/۲۴)

یا ایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول الخ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں خیانت کرو،

واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ الخ اور یہ جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمایش ہے، اور خدا ہی کے پاس اجر عظیم پایا جاتا ہے،

مذکورۂ بالا آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ ذاتی مفاد کے لئے یا بیوی بچوں کی خاطر بھی ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے، جو نامناسب ہو، اور عالم آخرت کے حساب و کتاب کیلئے ہمیں اپنے ہر فعل میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے،

ضمناً اس چیز کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے، کہ "حُب ملی" اسلام میں ایک نیم مذہبی، نیم سیاسی وحدت کے تصور پر مبنی ہے، جغرافی یا لسانی یا نسلی وحدت سے اُسے کوئی سروکار نہیں، چنانچہ :-

(۱) یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً وقبائل لتعارفوا الخ (اے انسانو ہم نے تم کو مرد اور عورتیں بنایا، اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تم پہچانے جا سکو، لیکن اصل میں تم میں سے سب سے زیادہ بزرگ خدا کے پاس وہی ہوتا ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، علم اور خبر خدا ہی کو حاصل ہوتی ہے"

(قرآن مجید ۴۹/۱۳)

(ب) کل مومن اخوۃ ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں (ایضاً ۴۹/۱۰)

(ج) واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم
إذ کنتم أعداءً فألف بین قلوبکم ... اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور
تفرقہ نہ کرو، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے، اور (ایمان لانے
کے باعث) اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈالدی، اور اس کی عنایت سے تم
بھائی بھائی بن گئے، تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اور اسی نے تم کو بچایا
اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم کو بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پا سکو، اور تم میں سے ایک
ایسی قوم پیدا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھی بات کا حکم دے، اور بُری بات سے
روکے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہونگے۔ (ایضاً ۳/۱۰۴)

یہ بیان کرنے کی شاید ہی کچھ ضرورت ہو کہ ایمان اور عمل صالح کی فوقیت کے سوا اسلام حسب و نسب کی کسی برتری کو قطعاً تسلیم نہیں کرتا، انبیاء کی اولاد تک عمل غیر صالح[۱] کے باعث عذاب میں گرفتار ہوئی،

عدل گستری یہ حکمران کا اولین فریضہ ہے کہ اُسے ناطرفدار ہونا چاہئے، اور انصاف کے ساتھ حسب موقع و ضرورت رحم بھی کرنا چاہئے، (دیکھیے قرآن مجید ۹/۱۶، ۵/۸، ۴/۱۳۵، ۱۶/۹۰)
غیر مسلم ذمی رعایا کو عدالتی خود مختاری دینے کا قرآن مجید میں حکم ہے، جہان ان کے ساتھ ان کے شخصی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائیں گے، اگر غیر مسلم رعایا اسلامی عدالت میں اپنی مرضی سے مقدمہ یا مرافعہ پیش کرے، تو اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جانا چاہئے (دیکھیے قرآن مجید ۵/۴۲ تا ۵۰) اس بارے میں مزید تفصیل ایک علٰحدہ مضمون کی متقاضی ہے[۲] البتہ اتنا اور اشارہ

---

[۱] قرآن مجید ۱۱/۴۶ [۲] "عدل گستری ابتدائے اسلام میں" کے عنوان سے ایک مضمون مجلہ عثمانیہ حیدرآباد مارچ ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے جس کے حوالے فرانسیسی مولفین سے بھی دئے ہیں

کیا جا سکتا ہے، کہ قیامت کی جزاے اعمال، حساب کتاب، چشم دید گواہ، تحریری شہادت، کراماً کاتبین کی ڈائری وغیرہ کی جو تفصیل قرآن مین آئی ہے، وہ عہد نبوی کے مروجہ امور ہون گے جن کے ذریعہ سے عالم آخرت کا خاکہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے،

شورائیت | قرآن مجید مین حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لیکر کیا کرے، چنانچہ :-

(۱) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ الخ اور اُن سے معاملات مین مشورہ کر پھر جب تو عزم کرلے تو خدا پر توکل کر، بیشک خدا توکل کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

(قرآن مجید ۳/۱۵۹)

(ب) فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى الخ

جو کچھ تمھین دیا گیا وہ دنیا وی زندگی کا ایک حقیر متع ہے، اور بس، ورنہ خدا کے پاس جو چیز ہے، وہ بہتر اور زیادہ پائدار ہے، یہ ان لوگون کو ملے گی، جو اپنے رب پر ایمان لاتے اور اس پر توکل کرتے ہین، اور جن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہین، اور جو اس چیز کو خرچ (خیرات) کرتے ہین، جو ہم نے اُن کو عطا کی،

(ایضاً ۴۲/۳۶ تا ۳۸)

(ج) طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ

(مشورون وغیرہ کے لئے فیصلے کے بعد) اطاعت اور (فیصلے کے وقت) قول معروف ہونا چاہئے اور پھر جب کسی کام کا عزم کر لیا جائے، تو اگر وہ لوگ خدا سے اپنے کئے ہوے وعدے کو پورا کرین تو انہی کے لئے اچھا ہے، (ایضاً ۴۷/۲۱)

غرض اگر مشورہ لینے کی ایک طرف پابندی عائد کی گئی ہے، تو دوسری طرف مشورہ کے بعد جو بھی چیز قرار پا جائے اسکی تعمیل کرنا بلا لحاظ اس کے کہ وہ اپنی راے اور مشورے کے مطابق تھی

یا مخالف ضروری قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی اس کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ آخری ذمہ داری چونکہ حکمران پر ہوتی ہے، اس لئے اس کو مشورے کے متعلق حق تنسیخ دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید ۳/۱۵۹ مین بیان کیا گیا ہے،

قانون سازی | قرآن مجید نے نبی کریم صلعم کو ہر قول و فعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے (دیکھئے قرآن مجید ۳۳/۲۱ و ۵۳/۴، ۵۹/۷ وغیرہ) اس حکم کے باعث اسلامی فقہا یا قانون سازون کا کام آسان تر ہو گیا، کیونکہ ایک طرف تو جن چیزون کا ذکر قرآن مجید مین نہ تھا، ان کے لئے حدیث نبوی مین کافی مواد مل گیا، اور دوسری طرف یہ بھی دیکھا گیا، کہ خود رسول کریم صلعم نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا، بلکہ اسکی صراحت کے ساتھ اجازت بھی دی تھی، جیسا کہ معاذ بن جبل رض گورنر یمن کے تقرر نامے وغیرہ مین مذکور ہے، اگرچہ قرآن اور حدیث کی قیاس کے ذریعہ سے تنسیخ نہین ہو سکتی، لیکن قیاس اور تعبیر کی اجازت سے علماء و فقہاء کو انفرادی رائے سے کام لینے کی خاصی گنجائش مل گئی، حتیٰ کہ یہان تک تسلیم کیا گیا، کہ مجتہد سے غلطی ہونے کے امکان کے باوجود اسکو اس کام سے نہیں روکا جا سکتا، چنانچہ ایک حدیث مین مذکور ہے، کہ "اجتہاد کرنے والا خطا بھی کر سکتا ہے، صواب کو بھی پہنچ سکتا ہے، اور صحیح فیصلہ کی صورت مین اسے دو ثواب ملین گے اور خطا کی صورت مین ایک ثواب" اس طرح اس کا بھی موقع نکل آیا، کہ ایک مجتہد کے بعد دوسرا مجتہد بھی اجتہاد کرے، اور کسی بہتر نتیجہ پر پہنچنے کے باعث سابقہ مجتہد کا فیصلہ منسوخ قرار پائے، اور خود اجماع کے متعلق بھی فقہاء نے ایسی ہی سہولت تسلیم کی ہے، جب تک ان اجازتون سے فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اسلامی قانون میں زمانہ کا ساتھ دینے کی گنجائش رہی، اور وہ ترقی کرتا رہا، اور جب سے قدیم فقہاء کے فیصلوں کے خلاف اجتہاد کا دروازہ چند لوگون نے بند کر دیا، تو اس سے قانون اسلامی کو بیحد نقصان پہنچا، لیکن یہ مسئلہ یہان دائرۂ بحث سے خارج ہے،

جہان بانی کے قواعد قرآن مجید مین اندرونی اور بیرونی سیاست کے قواعد خاصی تفصیل سے ملتے ہین جن سے حالتِ امن و صلح و غیر جانبداری مین حکمران کی رہنمائی مقصود تھی، رسول کریم صلعم نے خود ایک مملکت قائم کی، اور اس ملک مین جہان ہمیشہ سے نراج سا چلا آ رہا تھا، ایک مرکزیت اور ایک مملکت قائم کی، اور عربون کو خانہ جنگیون کے ذریعہ اپنی توانائیون کو ضائع کرنے سے روک کر انھیں اپنے زمانہ مین دنیا کی سب سے بڑی فاتح اور نو آباد کار قوم بنا دیا، اور ان کے ذہنون سے احساسِ کمتری کو کلی طور پر دور کر کے ان مین وہ صحت ور جذبہ بھر دیا، جسے احساسِ برتری یا احساسِ خود شناسی کہا جا سکتا ہے، اور جو کسی ترقی پذیر قوم کے لئے اس قدر ضروری ہوتا ہے، چنانچہ:-

(ا) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر، تم وہ بہترین قوم ہو، جو انسانون کے لئے پیدا کی گئی، تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو، اور بُری بات سے روکتے ہو، (قرآن مجید ۳/۱۱۰ نیز ۳/۱۹ و ۳/۸۵)

(ب) اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا الخ ان لوگون کو جن سے لڑا جا رہا تھا (برابر کا جواب دینے کی) اجازت دیدی گئی، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا ...... یہ وہ لوگ ہین کہ اگر ہم ان کو زمین مین اقتدار عطا کرین، تو وہ خدا کی عبادت کو قائم کر دین، اور زکوٰۃ دین، اچھی بات کا حکم دین، اور بُری بات سے روک دین،

(ایضاً ۲۲/۳۹ تا ۴۱)

(ج) قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ، ان سے اس وقت تک لڑتے رہو، تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے، اور خدا ہی کا دین چھا جائے،

(ایضاً ۸/۳۹)

(د) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا الخ اے محمد ہم نے تجھے صرف اس لئے بھیجا ہے، کہ تمام لوگون کے لئے بشیر و نذیر بنے، گو اکثر لوگ اسے نہین جانتے، (قرآن مجید ۳۴/۲۸)

غالبًا یہی وہ ایقان یا احساسِ فرض تھا، جس نے انھیں دنیا مین حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے اپنی ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ کر دیا، جہاد کا حکم مذکورۂ بالا اور دیگر آیاتِ قرآنی مین ملتا ہے، اس کا منشا یہ بالکل نہ تھا، کہ دوسرون کی جائداد لوٹی جائے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا، کہ وہ ایک مقدس ترین اور بڑا ایثار طلب فریضہ تھا، کہ اپنی جان جوکھون مین ڈالکر دوسرون کی رہنمائی کرین، اور ان کو سیدھا راستہ دکھائین، یہ بار جو محض خدا کی راہ مین تھا اوسے اُنھون نے ہنسی خوشی برداشت کیا،

قانون بین الممالک کے خاصے تفصیلی احکام ہمین قرآن مجید مین ملتے ہین، جن پر مختلف مقالے بھی لکھے جاتے رہے ہین[1] یہان ان کی تفصیل کی گنجایش نہین، صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ قرآن مجید مین انتقامی جنگ (۲/۱۹۰ تا ۱۹۵) معاہدات کی تعمیل (۹/۴) مدافعت (۴/۷۵، ۲۲/۳۹ تا ۴۱) ہمدردانہ جنگ (۴/۷۵) فریقِ ثانی کی طرف سے معاہدہ شکنی کا خوف (۸/۵۸) مذہبی رواداری (۲/۲۵۶، ۱۰/۹۹، ۱۰۰/۱۰) غیر مسلم رعایا سے برتاؤ (۹/۲۹) قیدیون سے برتاؤ (۴۷/۴ و ۸ تا ۹/۷۶) پناہ جویون کو امن دینا (۹/۶) مفتوحہ اراضی کا انتظام (۵۹/۶) صلح کرنا (۸/۶۱) غیر جانبداری (۴/۸۸ تا ۹۱، ۱۱ تا ۱۲/۵۹، ۶۰/۸ تا ۹) وغیرہ وغیرہ امور کا اصولی ذکر ملتا ہے،

قومی دولت | کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء تاکہ وہ تم مین سے صرف مالدارون

---

[1] چنانچہ اسلامک کلچر حیدرآباد مین جنوری ۱۹۴۱ء و مابعد کے پرچون میں کئی سو صفحون کا ایک طویل مقالہ چھپا ہے، اسکی کتابیات مین سابقہ اہلِ علم کی کوششون کی بھی تفصیل ہو،

مین گردش نہ کرتی رہے" (قرآن مجید ۵۹)

یہ اسلامی اصولِ دولتِ عامہ کا خلاصہ ہے جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے، اسلامی معاشیات کے پیش نظر یہ چیز رہی ہے، کہ دولت کی ملک کے ہر طبقہ مین تقسیم عمل مین آئے، اور وہ یکجا اکٹھی نہ ہو بلکہ گردش کرتی رہے، معیار سے زائد دولت پر لازمی محصول (یعنی زکوٰۃ) وصیت کرنے کے اختیارات کی تحدید اور کسی شخص کی جائداد سے اسکی وفات پر اس کے قریبی رشتہ دارون کو لازمی طور سے حصہ ملنا، نیز غربا اور محتاجون کے لئے حکومت کی آمدنی مین لازمی طور سے حصہ مقرر کیا جانا — یہ اور اس کے مماثل قاعدے قرآن مجید نے مقرر کئے ہین، جن سے تقسیم و گردشِ دولت کا مقصد پورا ہوتا ہے اور ساتھ ہی انفرادی ملکیت پر کوئی قید عائد نہ ہونے سے ہر شخص کو اپنے قوائے فطری سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی ترغیب ہوتی رہتی ہے، اور سود کی ممانعت اور قرضہ ہائے حسنہ کا انتظام جو قرآن مجید نے کیا ہے، وہ اسلامی قواعدِ معاشیات کو ایک مکمل نظام کی حیثیت دیدیتے ہین جو نہ تو سرمایہ داری ہے اور نہ اشتراکیت، بلکہ اس مین ان دونون کی خوبیان ہین، اور ساتھ ہی دونون کی برائیون سے اس نظام کو محفوظ رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے،

اخلاق عامہ

میرے نزدیک مذہب اور سیاست دونون ایک دوسرے سے ممتاز عمل ہین، ان کو ایک سمجھنا غلطی ہے، مذہب انسان اور خالق کے تعلق کا نام ہے، اور سیاست بندون کے باہمی تعلقات کے لئے برسرِ کار ہوتی ہے، لیکن اگر ان دونون مین کوئی رابطہ اور حلقۂ اتصال نہ پیدا کیا جائے تو انسانیت کو لامحدود نقصان پہنچ جاتا ہے، اسلام نے اس کا ایک حل تلاش کر لیا، اور اس کو کامیابی سے عمل مین لاکر بھی دکھا دیا، اور وہ یہ تھا کہ اگرچہ مذہب اور سیاست دونون کے دائرہ ہائے عمل بالکل جدا جدا ہین، لیکن دونون کے قواعد کا ماخذ ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا، چنانچہ مسلمانون کا مذہب اور مسلمانون کی سیاست دونون کی رہنمائی قرآن و حدیث، اصولِ انصاف، استحسان،

درہم آہنگئ ضمیر سے ہوتی ہے،

سیاسی اصطلاحات | اسلامی اوراق ہائے سیاست نے اپنی بہت سی اصطلاحین قرآن مجید ہی سے لی ہین، چنانچہ اُمّت اور ملّت سے سیاسی جماعت مراد ہوتی ہے، خلیفہ اور امام اس جماعت کے سردار کا نام ہوتا ہے، (دیکھئے قرآن مجید ۲/۱۴۳ نیز سیرۃ ابن ہشام ص ۳۴۱ مین رسول کریم صلعم نے شہر مدینہ کے لئے ہجرت کے بعد جو دستورِ مملکت نافذ فرمایا تھا، اور جس کا پورا متن خوش قسمتی سے ہم لب پہنچ چکا ہے، اس کی دفعہ (۲) مین بھی انہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے، لفظِ خلیفہ کے لئے دیکھئے قرآن مجید ۲/۳۰ اور لفظ امام کے لئے ۲/۱۲۴،

جانشینی | لفظ خلیفہ کے ساتھ ہم جانشینی کے خار دار مسئلہ سے دو چار ہو جاتے ہین، یہی وہ مسئلہ ہے جس نے تیرہ سو سال سے مسلمانون کو دو بڑی متخاصم جماعتون مین تقسیم کر دیا ہے، جو اسلام رسول کریم صلعم اپنی اُمّت کے لئے لائے تھے، اور جس کی آپ عمر بھر تبلیغ کرتے رہے، اس کے بنیادی اصولون مین کہین بھی اس کا ذکر نہین ہے، کہ آپ کی جانشینی کے لئے کیا اصول ہو، اور اس اصول کا ماننا اس سے بھی کم ایک جزءِ عقیدہ امر بن سکتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس کے بالکل برعکس صورت حال پیدا ہو گئی، اور ہر دو فریقون کے ہان غلو رکھنے والے خیالات بھی پھیلتے رہے، حالیہ زمانہ مین ایک حل جو اس کے لئے سوچا گیا ہے وہ سنجیدہ غور کا مستحق ہے، وہ یہ کہ سُنّی اور شیعہ دونون اس امر پر متفق ہین کہ تاریخی واقعہ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب صلعم کے بعد حضرت علیؓ پہلے خلیفہ نہین ہوئے، اسی طرح شیعہ اور سُنّی دونون ہی اس پر متفق ہین کہ روحانی امور مین حضرت علیؓ جناب رسالت مآب صلعم کے خلیفہ بلا فصل[1] ہین، چنانچہ چشتیہ، قادریہ سہروردیہ وغیرہ قریب قریب

---

[1] معارف: خلیفہ بلا فصل" کے معنی گویا یہ ہوئے کہ جس نے براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے فیض پایا ہو، اس معنی کے لحاظ سے تمام اکابر صحابہ خلفاء بلا فصل تھے، اور عالم روحانی مین تعدد خلفا بلا فصل ممنوع نہین،

تمام صوفی سلسلے اسی کو مانتے ہیں[1] اب رہا یہ امر کہ حضرت علیؓ کو سیاسی جانشینی کا بھی استحقاق تھا یا نہیں، یہ ایک خالص علمی مسئلہ رہ جاتا ہے، جس کو آئے دن کی روزمرہ سیاسی زندگی پر اب تیرہ سو سال بعد اثرانداز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی،

جس طرح ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک اول الذکر ہی کی شریعت باقی رہتی ہے اسی پر قیاس کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حکمران کی وفات کے باوجود اس کے جانشین کے انتخاب تک اول الذکر ہی کا اقتدار جاری رہتا ہے اور اسی کے مقرر کردہ افسر اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے رہنے کے پابند ہیں، چنانچہ:-

کَانَ اَبُوحنیفۃ یقول اذا مات	امام ابوحنیفہ فرماتے تھے، اگر خلیفہ
الخلیفۃ فالقاضی علیٰ قضائہ	کا انتقال ہو جائے، تو قاضی اپنی
والوالی علیٰ ولایتہم حتیٰ یغیرلہ	قضات پر اور والی اپنی حکومت
القائم بعدہٗ، (مناقب ابی حنیفہ	پر باقی رہتا ہے، جب تک خلیفہ کا
للموفق ج ۱ صفحہ ۸۰)	جانشین اسے بدل نہ دے،

اسی مسئلہ کو قاتلِ حضرت عمرؓ کے بعض بے گناہ ہم وطنوں کی شہادت اور ان شہداء کی عدم داروگیر کے افسوسناک تاریخی واقعہ کے باعث تھوڑی سی اہمیت تھی، اس لئے اس کا بھی ذکر کر دیا گیا،

یہ سرسری خاکہ زیادہ قابل اہلِ علم کے لئے دعوت ہے، کہ اس اہم موضوع پر توجہ کرکے ملک و ملت کی رہنمائی کریں، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

---

[1] اور یوں بھی عالم مادی میں "دو شاہان در اقلیمے نہ گنجند" صحیح ہو تو ہو عالم روحانی میں ایک سے زیادہ خلیفہ بلافصل ہونے میں کوئی مانع نہیں۔

تیموری شاہزادوں کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین

(۳)

شجاع و مراد شاہجہان کے لڑکوں میں تخت و تاج کے لئے جو خونریز جنگ ہوئی، اس میں مورخین شجاع اور مراد کا عبرتناک انجام دکھانے میں اس قدر محو ہوگئے، کہ ان دونوں کے علمی فضل و کمال کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ شاہجہان کے دو لڑکے دارا اور اورنگزیب جس تعلیم و تربیت کی بدولت آسمانِ علم پر مہر و ماہ بن کر چمکے، ظاہر ہے کہ اس سے شجاع اور مراد بھی ضرور فیضیاب ہوے ہوں گے، مگر جس طرح وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دئے گئے، اسی طرح ان کے علمی اوصاف بھی صفحۂ تاریخ سے گم کر دئے گئے، لیکن ان دونوں کی علمی قابلیت ان کے رقعات سے اور ان کی علم نوازی کا حال ان کے درباری شعراء اور متوسلین سے معلوم ہو سکتا ہے، شجاع اور مراد کے رقعات مختلف کتابوں میں جستہ جستہ ملتے ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ اورنگزیب و دارا کی طرح گو بلند پایہ ادیب اور انشا پرداز تو نہ تھے، پھر بھی انکی تحریروں میں اس زمانہ کے ذوقِ ادب کی پوری چاشنی ضرور ہے،

شجاع اور مراد دونوں شعراء اور اربابِ کمال کے قدردان اور سرپرست تھے، ملا محمود جونپوری شاہجہانی عہد کے بہت ہی ممتاز عالم تھے، فلسفہ میں ان کی تصنیف شمس بازغہ اور معانی

و بیان مین فوائد فی شرح الفوائد اب تک بلند پایہ سمجھی جاتی ہے ۱۰۶۲ھ مین جب ان کا انتقال ہوا، تو ان کے استاذ مولانا محمد افضل جونپوری پر اتنا اثر ہوا کہ شاگرد کی وفات کے بعد ان کے لبون پر کسی نے مسکراہٹ نہین دیکھی، اور کل چالیس روز کے بعد وہ بھی شاگرد سے جا ملے[۱] شجاع ملا محمود جونپوری کے فضل و کمال سے فیضیاب ہونا چاہتا تھا، اسلئے ان کو اپنے دربار آنے کی ان الفاظ مین دعوت دی، جس سے اس کے دل مین ان کی عزت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے:

"افادت و افاضت پناہ فضائل و کمالات دستگاہ ملا محمود بعنایت بے غایت خسروانی ممتاز گشتہ بداند کہ چون بیامن برکات الٰہی خاطر فیض مآثر ما ہموارہ متوجہ آن ست کہ ارباب علم و حکمت و اصحاب دین و ملت از ملتزمان محفل فیض منزل بودہ، دقائق علمی و حکمی را بوقت عرض می رسانیدہ باشند و آنچہ بر ضمیر الہام پذیر ماکہ آئینہ صور غیبی و گنجینۂ اسرار لاریبی است پرتو انداختہ باشد، بآن جماعت می فرمودہ باشیم تا کارہا بر وفق احکام الٰہی و سنت نبوی بعمل می آمدہ باشد بنابران از روے مہربانی یا دآن دانش آگاہ حقائق انتباہ نمودہ طلب فرمودہ ایم کہ بدرقۂ الطاف سلطانی طریق سعادت پیمودہ خود را بشرف حضور تمام فیض سراسر سعادت معزز گرداند بعد ازان کہ شرف اندوز ملازمت گردد و چندے فیض ظاہر و باطن از حضور معلّٰی برگیرد اگر خواہد بوطن معاودت نماید، او را مشمول عنایات و مورد توجہات فرمودہ رخصت انصراف ارزانی خواہیم داد، و اگر خواہش بودن درین آستان سلطنت آشیان داشتہ باشد، بنوعے کہ باطمینان دل و ذوق خاطر گذراند، درباب او توجہ مبذول خواہیم داشت، باید کہ بمجرد وصول این منشور کرامت و اختصال بے توقف و عذر روانہ عتبہ بوس گردد و در عہدہ شناسد"[۲]

---

۱ تذکرۃ العلماء، ص ۲۲۱ ۲ رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۲۴۲،

فارسی سخنگویوں میں شیخ منعم لاہوری[۱] اور ہندی شعراء میں چنتامن ساکن کوڑہ جہان آباد شجاع کے مقربین خاص میں تھے، چنتامن اپنے عہد کا بہت ہی مشہور سنسکرت کا عالم تھا، اسکی ہندی شاعری کا مجموعہ "کبت بچار" کے نام سے موسوم ہے، اس میں سلطان زین الدین محمد بن شاہ شجاع کی مدح میں بھی بہت سی کبتائیں ہیں،[۲]

شاہزادہ مراد کا سب سے محبوب شاعر سعید قریشی تھا، جو ملتان کا باشندہ تھا، جب مراد کو گجرات کی نظامت تفویض ہوئی، تو سعید قریشی بھی اس کے ساتھ گیا، اور اپنی بذلہ سنجی شیریں بیانی اور شعر گوئی کی بدولت مراد کی نگاہوں میں اتنا چڑھا کہ دربار کے تمام امراء اس پر فریفتہ ہو گئے، مراۃ الخیال کا مصنف اسکی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے،

"بیان بزرگی صوری وشرح حالت معنوی وذکر وسعت مشرب واظہار محاسن شیم وابراز مکارم اخلاق واداے کشادگی پیشانی وتقریر بے تعینی وقت وتحریر استعداد سخنش زبان قلم وقلم زبان بر نتابد"

"اوائل ملازمت میں ایک روز سعید قریشی مراد کے دربار میں پہونچا، تو داروغہ غسلخانہ نے جو "یکے از چیلہ ہا بود" اندر آنے کی اجازت نہ دی، سعید قریشی نے فوراً یہ رباعی لکھکر مراد کے پاس بھیجی :

اے شاہ جنابت چو جناب اللہ است   ہر حکم تو چون حکم کتاب اللہ است
این چیلہ دیو فعل مناع ورت   ابلیس صفت مانع باب اللہ است

مراد رباعی پڑھکر بہت محظوظ ہوا، اور سعید قریشی کو زنانخانے کے علاوہ ہر جگہ آنے جانیکی اجازت دیدی

---

[۱] ان کی شاعری کے نمونے کے لئے دیکھو مخزن الغرائب قلمی نسخہ ص ۸۰۰ دار المصنفین اعظم گڈھ،
[۲] مآثر الکرام جلد دوم ص ۲۲۶

ایک بار عید اضحیٰ کے موقع پر مراد اپنے ہاتھوں سے بکرا ذبح کر رہا تھا، بکرے کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، مراد نے بکرے کی آنکھ دیکھی، پھر اس کی نظر سعید قریشی کی طرف اٹھی، سعید قریشی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

عید قربانست دمی خواہم کہ قربانت شوم ہمچو چشم گوسپند کشتہ حیرانت شوم

ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر مراد کی سواری عید گاہ جارہی تھی، سعید قریشی مجرا کے لیے حاضر ہوا، مراد نے اس سے دریافت کیا کہ عید الفطر کی تہنیت میں اس نے کچھ کہا ہے، یا نہیں اتفاق سے سعید قریشی نے کچھ نہ کہا تھا، یہ پوچھنے کے بعد مراد نماز میں مشغول ہوگیا، سعید قریشی کو موقع مل گیا اس درمیان میں اس نے ایک غزل تیار کرلی، مراد نماز پڑھ چکا تو سعید نے غزل پیش کی، مراد شراب کا بڑا دلدادہ تھا، اس غزل میں اسکی خاص رعایت رکھی ہے،

روز عیدست لب خشک بمے آلودکنید چارۂ کار خود ای تشنہ لبان زود کنید

دیر گاہیست کہ از دیر مغان دور تریم زود باشید بکف جام زر اندود کنید،

شربت حب تبالب جان بخش ایاز نوش داروی دل خستہ محمود کنید،

حرف بے صرفۂ واعظ نتوان کرد بگوش گوش بر زمزمۂ چنگ و نے وعود کنید

ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید،

شیوۂ صدق چو سرمایہ ہر سود بود ہست امید کہ این شیوۂ بے سود کنید

پرورش یافت رہ از طالع مسعود سعید

سعی در یافتن طالع مسعود کنید[1]

شاہزادہ مراد نہ صرف غزل سے محظوظ ہوا بلکہ سعید قریشی کی اس بدیہہ گوئی پر بھی

---

[1] مرآۃ الخیال ص ۱۲۲

حیرت کا اظہار کیا،

مراد کی رندی اور اس کے دربار کی رنگینیون کی خبر شاہجہان کو پہونچی تو اوس نے اپنے ایک ہوشمند اور زیرک امیر علی نقی کو مراد کی نگرانی کے لئے بھیجا، علی نقی سعید قریشی کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے دونون مین اتنا عناد بڑھا کہ سعید قریشی کی جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ایک رات مراد کو اطلاع کئے بغیر گجرات سے نکل بھاگا، مراد کو خبر ہوئی تو اسکی جدائی گوارا نہ کر سکا، اور اسکو واپس بلانے کے لئے قاصد دوڑائے، لیکن سعید قریشی نے واپس آنے کے بجائے یہ غزل معذرت مین لکھ بھیجی،[1]

مشکل بود بکری تو دیگر نشست ما | بپیچیدہ است زلف تو بہر شکست ما
چون سبزہ دررہ تو بجز پافتادگی | اے سرو من بگو کہ چہ آید ز دست ما
دردم کہ بار قیب تو خاطر نشان کند | جز تیر بے خطا کہ برآمد ز شست ما
دل بستہ درخیال میان جان بہ بند زلف | سد سکندری شدہ این بند و بست ما

فارغ ز دین و کفر شدہ بعد ازین سعید
ما و سر نیاز و بت خود پرست ما

سلطان محمد یہ اورنگزیب عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا اور نواب بائی کے بطن سے تھا، اورنگزیب ایک شفیق اور دور اندیش باپ کی طرح اپنے لڑکون کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے ہمیشہ کوشان رہا، تاکہ اس کے بعد اس کی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا جانشین لائق اور ہوشمند شخص ہو، مگر اسکی یہ کوشش بار آور نہیں ہوئی، سلطان محمد کو مختلف رقعات مین سفر و حضر کی حالت مین ذیجا گو نہانے دھونے کھانے اور پینے، نماز اور وظائف مین مشغول ہونے، لکھنے پڑھنے اور شکار کھیلنے، دربار منعقد کرنے یہانتک کہ اٹھنے بیٹھنے، امراسے ملنے جلنے اور فوجون کے معائنہ کرنے وغیرہ کا لائحہ عمل لکھتا

---

[1] مرآۃ الخیال ص ۲۶۳

رہتا تھا، اس مین خاص اوقات مین کلام پاک کی تلاوت اور عربی زبان کے مطالعہ کی بھی تاکید ہے، مگر سلطان محمد کو تعلیم سے زیادہ شکار سے دلچسپی تھی، اس لئے اورنگزیب کبیدہ خاطر ہوکر اس کو لکھتا ہے :-

"ما ازین کہ ایشان را بیش از وقت در خدمتِ خود بشکار بردہ ایم تاسف داریم، چہ آن بندا قبال تا لذتِ شکار یافتہ اند، از اکتسابِ کمالات از خواندن و نوشتن و مانندِ آن دست باز داشتہ، چندان رغبتے باین امور ندارند ایشان را چون خواہم گذاشت کہ بدین شغل از کسب کمال باز مانند"

سلطان محمد کو اورنگزیب کی خاص ہدایت تھی، کہ وہ ترکی زبان سیکھ کر اس میں بول چال کی مہارت پیدا کرے، کیونکہ مغل فوج مین ترکی النسل سپاہی اور افسرون کی تعداد کافی ہوتی تھی، اس لئے ان سے براہِ راست تعلق رکھنے کے لئے ترکی زبان کا سیکھنا تیموری شاہزادون کے لئے ضروری تھا، مگر سلطان محمد کو اس زبان سے رغبت نہ تھی، چنانچہ جب وہ شمالی ہند کی ایک مہم پر روانہ ہوا تو ترکی کے استاد کو ساتھ نہ لے گیا، اورنگزیب کو یہ ناگوار ہوا، اس نے غصہ کی حالت مین ایک خط لکھا، کہ استاد کو اپنے پاس بلاکر ترکی مین گفتگو کرنے کی مشق جاری رکھے، سلطان محمد نے اپنے استاذ کی پیری اور ناتوانی کا عذر پیش کرکے اغماض کرنے کی کوشش کی مگر اورنگزیب نے قبول نہ کیا، اور دوبارہ ایک غضب آلود رقعہ لکھا،

"پیری و ناتوانی او عذر نمی شود، واگر باشد، عذر بے فراست، آن جوان بخت در حضر نیز او را معدوم انگاشتہ درین یکسال کہ او نوکر است و مبلغہا در وجہ مواجب از سرکار نامدار یافتہ اصلا التفاتے بخواندن ترکی نداشتند وجہ بجہت عالی از تعین معلمان کسب کمالات ایشان است؟ الا این ہمہ ممنونیتِ آن مردم چرا بایستے کشید؟ ہرگاہ آن والا گہر قدر این

عواطف ندانستہ و فرصت را مغتنم نداشتہ در تحصیل امورے کہ سبب آراستگی و کمال نفس انسانیت و ابنائے سلاطین را پیرایہ خوشتر از آن نیست رغبت نہ نمایند، مارا چہ زیان احوال کہ بہ ہوش آمدہ اند و نیک را از بد می شناسند، در آنچہ بہبود ایشاں باشد خود کوتاہی نخواہند نمود"۔

اورنگ زیب سلطان محمد کو فارسی تحریر و تقریر کی مہارت اور پاکیزگی کی بھی برابر ہدایت کرتا رہتا تھا، اور اس نے خاص خاص کتابوں خصوصاً اکبرنامہ کے مطالعہ کی تاکید کرتا تھا ایک رقعہ میں ہے،

"اگر در نوشتن احتیاط نرود و عبارت مطابق آداب و قاعدہ نباشد جائے انفعال است در اوقات فرصت بمطالعۂ کتب نیز علی الخصوص اکبرنامہ پرداختہ از مشق انشار غافل نہ گردند، و ہمگی جہد مصروف آن سازند کہ تقریر و تحریر پاکیزہ و پسندیدہ شود، تا معانی الفاظ و ربط مناسب آن بواقعی خاطر نشان نہ گردد، در گفتن و نوشتن بکار نبرند و ہرچہ بگویند و بنویسند باید کہ فہمیدہ و سنجیدہ باشد"۔

چنانچہ سلطان محمد نے اکبرنامہ کا مطالعہ شروع کیا، اور جب اورنگ زیب کو خط لکھا تو اکبرنامہ کے مصنف کی تقلید میں بسم اللہ کے بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" تحریر کیا، اورنگزیب کو یہ ناگوار ہوا تو اس نے تنبیہ کی،

"مقصود از خواندن اکبرنامہ شیخ ابوالفضل تتبع عبارت آن کتاب است نہ اتباع مذہب مصنف کہ از روے بدعت اسلوب مسنون را تغیر دادہ ....."

سلطان محمد نے اکبرنامہ کی تقلید میں اپنے عریضہ کو "نشانِ والا" اور مہر کو "مہر خاص" لکھا تھا، اورنگزیب نے اس پر بھی فہمایش کی، کہ یہ الفاظ شاہی رقعہ اور مہر کے لئے خاص ہو چکے ہیں

ایک بار سلطان محمد نے اورنگزیب کو لاپروائی میں خراب کاغذ پر بڑے سطر میں رقعہ لکھ دیا، اورنگزیب نے اوس کو ڈانٹ کر لکھا،

"ہر چہ بنویسند دست نگاہ داشتہ بر کاغذے لائق می نوشتہ باشند بے پروائی حسن خط

دا بر ہم نہ زنند"[1]

مگر افسوس ہے کہ اورنگزیب کی یہ ساری تربیت رائگان گئی، اور سلطان محمد عنفوان شباب ہی میں دنیا سے چل بسا۔

اکبر و کام بخش شاہزادہ اکبر ملکہ دلرس بانو کے بطن سے تھا، ۱۶۸۰ء میں راجپوتون کے خلاف جنگ میں مشغول تھا کہ ان کے ورغلانے پر باپ سے منحرف ہو کر باغی ہو گیا، اور جب اسکی بغاوت ناکام رہی تو وہ ہندوستان سے بھاگ کر ایران چلا گیا، اور وہان ۴۸ سنہ جلوس عالمگیری مین فوت ہوا، عالمگیر اس کی دو باتون کا مداح تھا، ایک یہ کہ اوس نے نماز باجماعت کبھی قضا نہین کی، دوسرے مذہب کا اتنا دلدادہ تھا کہ مذہبی جوش مین مخالفین ملت سے کبھی خوفزدہ نہین ہوا،[2]

کام بخش اودے پوری کے بطن سے تھا، عالمگیر کے ۲۰ وین سال جلوس مین حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی، عالمگیر نے اس خوشی مین اسکو خلعت و دو اسپ با ساز طلا، و سرپیچ مرصع و مالائے مروارید و سپر با گل مرصع و ترکش با کمان عطا کئے،[3] مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ تحصیل علوم مین اپنے تمام بھائیون پر سبقت لے گیا تھا، اوس کو ترکی زبان مین خاص مہارت حاصل تھی، اور مختلف اقسام کے خطوط کی کتابت مین استاذ زمانہ تھا،[4]

---

[1] رقعات عالمگیر ص ۲۰۸، [2] مآثر عالمگیری دار الترجمہ عثمانیہ ص ۳۹۳ [3] ایضاً ص ۱۰۸، [4] ایضاً ص ۳۹۴،

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کی تاریخ جنگ و جدل اور انتشار و اختلال کی ایک داستان ہے، مورخین ان خون آشام واقعات کو قلمبند کرنے مین ایسے محو ہوگئے ہین کہ ان کی ساری توجہ بادشاہِ وقت اور امراء کی سیاست اور ریشہ دوانیون مین الجھ کر رہگئی ہے اسلئے ان شاہزادون کے علمی حالات پرتاریکی کے پردے پڑگئے ہین، حالانکہ اورنگزیب کے پوتے شہزادہ عظیم الشان کے بارے مین عام طور سے مشہور ہے، کہ جب اوس نے اشوک کے دارالسلطنت پاٹلی پتر اور شہر پٹنہ کو عظیم آباد کے نام سے مستقر حکومت بنایا، تو اس عہد مین عظیم آباد شاہجہان آباد ہی کی طرح سیاسی اور علمی حیثیت سے نمایان ہوگیا تھا، مگر اس زمانہ کی علمی مجلسون کے غلغلے مستند متداول تاریخون مین بلند نہین ہوئے، اس لئے شہزادہ عظیم الشان کے علمی کارنامون پر اعتبار و وثوق کے ساتھ روشنی نہین ڈالی جاسکتی،

آخری شاہانِ تیوریہ سے اکبری جاہ و جلال، شاہجہانی سطوت و شہامت اور عالمگیری تدبر و ہوشمندی رخصت ہو چکی تھی، اسی کے ساتھ وہ اپنی زبان بھی کھو بیٹھے تھے، محمد شاہ کے زمانہ سے دربار مین عام چرچا اردو زبان ہی کا رہنے لگا، اور زمانہ کے عام مذاق کے مطابق دربار کے شہزادے اسی زبان مین غزل گوئی کی مشق کرنے لگے، غزل گو شہزادون کی تعداد بہت ہے، لیکن ہم مثال کے طور پر صرف دو چار ایسے شہزادون کا ذکر کرنا چاہتے ہین، جن کی سخنگوئی اور علم نوازی کا حال بعض مستند تذکرہ نویسون نے بھی لکھا ہے، لیکن ان شہزادون کے علمی ذوق پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک ایسے باکمال شہزادہ کا ذکر ضروری ہے، جو اگرچہ تخت و تاج کے وارثون مین تو نہ تھا، لیکن علمی حیثیت سے تیموری خاندان کا نہایت ممتاز شہزادہ تھا،

میرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی

یہ مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی ہے، یہ شاہ عالم بادشاہ کا ہم جد اور اورنگزیب عالمگیر کی پوتی نواب عفت آرا

بیگم کا نواسہ تھا، سنہ ۱۱۷۲ھ میں قلعۂ معلّیٰ دہلی میں پیدا ہوا، اور وہیں تعلیم و تربیت پائی، یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، بادشاہِ وقت اور شہزادے محض ایک غیر اسلامی حکومت کے وظیفہ خوار اور نظر بند تھے، اظفری بھی قلعۂ معلّیٰ دہلی میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد خفیہ طور سے وہاں سے فرار ہو گیا، اور جے پور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچا، نواب آصف الدولہ نے اسکی بڑی پذیرائی کی، اظفری لکھنؤ میں سات سال تک رہا، وہاں سے مدراس پہونچا، اور یہیں سنہ ۱۲۳۴ھ میں سپرد خاک ہوا،

اظفری کو عربی فارسی اردو اور ترکی چاروں زبانوں میں مہارت تھی، آخر عمر میں مدراس پہنچکر انگریزی بھی سیکھ لی تھی، مختلف علوم و فنون مثلاً طب، رمل، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شاعری میں دسترس رکھتا تھا، فارسی اردو اور ترکی میں صاحبِ دیوان بھی تھا، مگر افسوس ہے، کہ اس کا فارسی اور ترکی دیوان مفقود ہے، اس کا اردو دیوان مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوا[1] ہے، یہ سطر لکھتے وقت اسکی ایک تالیف "واقعاتِ اظفری" پیش نظر ہے جس کا اردو ترجمہ مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، اس کتاب میں اظفری نے اپنے سفر کے علاوہ قلعۂ معلّیٰ کے بہت سے حالات لکھے ہیں، اس لئے یہ کتاب تاریخی اور جغرافی حیثیت سے بھی اہم ہے، اس میں شاہ عالم کے زمانہ کے بہت سے ایسے حالات درج ہیں، جو عام سیاسی تاریخوں میں نہیں ملتے، نظر بند شہزادوں کے عادات و اطوار، رسم و رواج، جادو منتر اور عملیات کے متعلق بھی بہت سے معلومات ہیں، پھر قلعہ سے فرار ہونے کے بعد اظفری نے جن جن مقامات کی سیر کی وہاں کی عجیب چیزوں، رسم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے، آخر میں اپنی مختلف تالیفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

"اپنے قیامِ لکھنؤ کے زمانہ میں میں نے کامل ایک سال کے اندر ایک ترکی چغتائی

لغت کی کتاب تالیف کی جس مین قدیم مؤلفین کے طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھ بہت آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ہین،

ایک مہینہ مین نسخہ "محبوب القلوب" کا مقفیٰ نثر مین فارسی زبان مین ترجمہ اور کچھ اس پہ اضافہ کیا ہے، اصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف اور ترکی زبان مین ہے،

ایک ہفتہ مین "نصاب ترکی" "صنعت مقلوبات" مین مرتب کی، جس مین دو سو بیس شعر ہین"

تین روز مین امیر خسرو کی "خالق باری" کے جواب مین اسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ہندی زبان مین مرتب کیا، اس مین ساڑھے چھ سو شعر ہین، اور اس کا نام مین نے "تنکری تاری" رکھا ہے،

حکیم حسین رضا خان کی استدعا پر جو ہماری سرکار کے ملازم ہین، چند ہفتون کے اندر بقراط کے "رسالہ قبریہ" کا فارسی میں ترجمہ کیا، پھر اُسے نظم کا لباس پہنایا، یہ رسالہ عربی زبان مین مریضون کی ردی علامتون کے بیان مین ہے،

اس کے بعد "نسخہ سانحات" کی تالیف مین مشغول ہوا جس مین میری اکثر نصیحتین اور تنبیہین مذکور ہین، اب تک اس میں ایک سو نو سانحے درج ہو چکے ہین،

جس وقت مین عظیم آباد پہونچا تو راے ٹیکارام کی خواہش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب "نصاب ترکی چغتائی" تصنیف کی، جس میں چار سو باون اشعار ہین، راے ٹیکارام ہمارا موروثی خانہ زاد ہماری سرکار کا بخشی ..... ہے۔

جب مین مقصود آباد مین وارد ہوا تو ..... مرزا جان تپش کی خواہش پر اپنے واقعات ۳
کی تالیف شروع کی (واقعات اظفری مراد ہے)

مرزا جہاندار شاہ | شاہ عالم ثانی کے جن لڑکون نے باپ سے شعر و شاعری کا ذوق ورثہ مین پایا، ان کے نام حسب ذیل ہین :

مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ، مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ،

شاہ عالم نے مرزا جہاندار شاہ کو ولی عہد بنایا تھا، مگر اوس نے عالم شباب مین سفر آخرت کیا، واقعات اظفری، طبقات الشعراء، مجموعۂ نغز، تذکرۂ ہندی اور گلزار ابراہیم اور گلشن بے خار مین اس شاہزادہ کا ذکر شاعرون کی فہرست میں اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے، واقعات اظفری کے مصنف کا بیان ہے، کہ شاہزادہ جہاندار شاہ بہت بذلہ سنج، ظریف اور شوخ طبع تھا، اوس کے اردو اشعار مین بڑی شوخی ہوتی تھی، موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا، فارسی اور اردو دونون زبانون مین جہاندار تخلص کرتا تھا،

طبقات الشعراء مولفہ قدرت اللہ شوق سنبھلی مین ہے :-

"جوانی بود مجمع قابلیت و اہلیت ...... جدّت ذہن و جودت طبع و فہم رسا و فکر بجا داشت و اشعار فارسی و ہندی ہر دو را موزون می ساخت"

قدرت اللہ قاسم نے اسکو "شیرین گفتار" لکھا ہے، گلزار ابراہیم کے مصنف نے اس کے جود وسخا کے بیان مین بڑی تر زبانی دکھائی ہے، یہ شاہزادہ ۱۱۹۸ھ مین دہلی سے لکھنؤ آیا، اور یہان آکر اوس نے جو علمی بزم سجائی اس کا حال گلزار ابراہیم مین اس طرح ہے،

"اس شاہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے میں دو مرتبہ مشاعرے کی اپنے دولت خانہ مین ٹھہرائی تھی، شعرائے با وقار کو اپنے چوب دار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے، اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے، چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا، تو اس ہیچمدان نے یہ

عذر کہہ بھیجا کہ کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہو، ازبس کہ ان صحبتوں میں مناظرے ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں، اور اس تخم ناکاشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض میں بو دوں، پذیرانہ ہوا، اور پھر چوبدار آیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا حاضر ہونا مشاعرے میں نہایت ضرور ہے، مناظرہ کا مطلق ہمارے یہاں نہیں دستور ہے غرض ایماسے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا، اور شرف سعادت ملازمت کا حاصل کیا، مگر غزلیں اس دن ازراہ تفضلات کے پڑھوائیں، اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عنایتیں فرمائیں، پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو مورد عنایت و امداد فرمایا[1]"

اس شہزادہ کا انتقال ۱۲۰۱ھ میں بمقام بنارس ہوا، مختلف تذکروں میں اسکے اشعار منقول ہیں، نمونہ کے طور پر ہم یہاں اسکے کچھ اشعار درج کرتے ہیں،

واقعات اظفری:-

تری جب سے الفت کے پالے پڑے ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے،
پھرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے، یہاں تک کہ پاؤں میں چھالے پڑے"

فارسی کلام:-

فتادہ مشکل دیگر زعشق جان مرا که کس نمی شنود شرح داستان مرا
فزودہ ایم غرورت زعرض بیتابی باین گناہ برآرد کسے زبان مرا

---

[1] گلزار ابراہیم، انجمن ترقی اردو ص ۹، گلشن بے خار میں اس شہزادہ کے متعلق یہ الفاظ ہیں:
"بفہم و فراست وعقل و کیاست ممتاز اقران و امثال خود بودہ"

دلم ز سینہ برآرید و پیش او ببرید ... ز نام ما برسانید این بیان مرا

طبقات الشعراء:-

زلف آمیختہ جو یہ رُخ پہ صنم رکھتے ہیں ... روز اور شب کو با غماز ہم رکھتے ہیں

میرا دل فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں ... منظور ہو جو گوشہ دستار کے لئے

جز جیب و آستین نہیں مونس جہان میں کوئی ... دیکھا تو اپنے دیدۂ خونبار کے لئے

اس زلف عقدہ گیر کا یکتار ای صنم ... بس ہے جہان کے سبحہ و زنار کے لئے

گلزار ابراہیم:-

نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم ... اسی ہی آرزو میں مر چلے ہم

رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں ... بسان شمع رو رو کر چلے ہم

تذکرۂ ہندی:-

کونسی بات تری ہم سو اٹھائی نہ گئی ... پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی

قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے ... وضع نالہ کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی

بیمار عشق اب تک جانبر بھی کوئی ہوا ہے ... تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

بچ جائیگا تو اک دن سنتا ہے اے جہاندار ... دیتا تو ہے دل اس کو لیکن بُرا کرے ہے

کون میکش اے جہاندار آج گذرا باغ میں ... ہاتھ میں ہر شاخ گل کو می کا پیالہ دیکھنا

مرزا احسن بخت قدرت اللہ شوق سنبھلی نے اپنے تذکرہ طبقات الشعرا میں شہزادہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"از او قابلیت ذاتی برائے تفنن طبع گاہے متوجہ فن شعری شود و بعد سال و ماہے غزل فارسی و ہندی بہم می رساند این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانی بعضے متوبان

ومنصبداران او بسمع رسیدہ بتحریر می آید، اگرچہ نومشق است فاما ذہن صائب وفکر مناسب دارد"

اس کے بعض اشعار یہ ہین :-

فرقت مین اوسکی یا رب کھینچین ہم آہ کب تک آنکھین تو تھک گئی ہین دیکھین گے راہ کب تک
یاد ہے گلعذار کی صورت گل ہے نظروں میں خار کی صورت
کیا قیامت ہے اس کی نوک مژہ خنجر آبدار کی صورت

مرزا سلیمان شکوہ مغلون کے آخر زمانہ مین مرزا سلیمان شکوہ کا نام علمی حثیت سے بہت نمایان ہے اس شہزادہ کے متعلق قدرت اللہ شوق کا بیان ہے:

"مخزن قابلیت وعلم ومعدن انسانیت وحلم .... از بسکہ جودت طبع وجدت ذہن بسیار دارد، از راہ قابلیت ذاتی گاہے متوجہ فن شعری شود وغزل فارسی وہندی بہم میرساند واکثر در خدمت او مشاعرہ شعرا می شود"۔

گلشن بے خار مین ہے :-

"مرزا سلیمان شکوہ .... مدتے جلوہ فرماے لکھنو بودہ، اکثر شعراے آنجا از خوان نعمتش بہرور وکامیاب بودند، چند سال است کہ دہلی وارد شدہ بود، الحال تربیت شعراے مستقر الخلافۃ اکبرآباد است" (ص ۱۲۶، مطبع دہلی اردو اخبار پریس)

سلیمان شکوہ نے دہلی چھوڑنے کے بعد لکھنو مین جو علمی مجلس آراستہ کی تھی، آزاد نے اوسکی تصویر اس طرح دکھائی ہے:

"مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم کے بیٹے تھے ۔...... شاعر بھی تھے، چنانچہ عام اہل دہلی کے علاوہ شعرا کا مجمع دونون وقت ان کے ہان رہتا تھا، سودا، میر ضاحک، میر سوز،

وغیرہ کا ورق زمانہ الٹ چکا تھا مصحفی، جرأت، مرزا قتیل وغیرہ شاعرون اور شعر فہمون کے جلسے رہتے تھے، جو محفل ایسے گلشن فصاحت کے گلدستون سے سجائی جائے وہان کی رنگینیان کیا کچھ ہون گی جی چاہتا تھا کہ ان کی باتون سے گلزار کھلا دون، مگر اکثر پھول ایسے فحش کانٹون مین الجھے ہوئے ہین، کہ کاغذ کے پرزے ہوتے جاتے ہین، اس لئے صفحہ پر پھیلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، پہلے مرزا سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیا کرتے تھے، جب سید انشاء پہونچے، تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا، بزرگون سے سنا اور طرز کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادہ موصوف کے سر دیوان کی غزل اور اکثر غزلین بھی سید ممدوح کی اصلاح کی ہوئی یا لکھی ہوئی ہین ؟

فحش کانٹون سے مراد شاید سلیمان شکوہ کے دربار کے اہل علم اور شعراء کے حسد اور رشک ورقابت ہو، مولوی عبدالحق صاحب (انجمن ترقی اردو) تذکرۂ ہندی مؤلفہ غلام ہمدانی مصحفی کے مقدمہ مین رقمطراز ہین :-

"دلی کے شاہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانہ میں لکھنؤ میں تھے، صاحب عالم نے لکھنو کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی، اور سارا ٹھاٹ وہی قائم کر رکھا تھا، دلّی سے جو جاتا پہلے اُن کی سرکار مین اپنا ٹھکانا ڈھونڈتا، شعر وسخن سے ذوق رکھتے تھے، اور شعراء اور اہل کمال کے قدر دان تھے، انشاء، جرأت، سوز، مصحفی، وغیرہ انہی کے دربار مین ملازم تھے، یا انعام واکرام سے سرفراز ہوتے تھے، بارہ سو سات ۱۲۰۷ھ ہجری مین مصحفی بھی میر انشاء اللہ کی وساطت سے اس دربار مین داخل ہوئے، ہمارے دربارون مین حسد ورشک، رقابت وغمازی اور سازو باز کی گرم بازاری ہمیشہ رہی ہے .... انشاء، جرأت اور مصحفی خواجہ تاش

اور ہم پیشہ تھے، اول اول شاعرانہ چشمک رہی بعد میں بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ جدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ گئی، .... غرض ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، جس کے مزے صاحب عالم ..... بھی لینے لگے، اور شہر والوں کو ایک دل لگی ہاتھ آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ انشا اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے، اور مصحفی کو خفت نصیب ہوئی، صاحب عالم کی نظریں اُن کی طرف سے پھر گئیں"

طبقات الشعراء میں مرزا سلیمان کے اشعار کے جو نمونے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں،

کس سے سلیمان پوچھے اس کے مکان کا پتا　　واقف حال کب کوئی اُسکے ہر بود و باش سے

وفور اشک سے کیونکر ہو اپنی چشم تر خالی　　جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی

بھر آتا ہے دل جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی　　نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی

تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیمان　　تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا

گلشن بے خزاں میں ہے:-

جنازہ تیرے دیوانے کا اس تو قیر سے اُٹھا　　کہ شور نالہ ہر ایک خانۂ زنجیر سے اُٹھا

گالیاں سیکڑوں ہر بات میں اب دینے لگے　　دیکھو جھڑتے ہیں کیا مونھ سے مرے یار کے پھول

مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ | یہ بھی شاہ عالم کا لڑکا تھا، شاعری میں قمر تخلص رکھتا تھا، قدرت اللہ شوق سنبھلی کا بیان ہے:

"جوانے بود وجیہ مجمع قابلیت و نیز عالی حوصلہ و خوش سلیقہ قدردان انسان کامل بسیار قابل و خوش تلاش و خوش فکر بودہ، فاما اجلش مہلت ندادہ"

واقعات اظفری میں ہے:-

"ہر علم و فن خاص کر خوشنویسی اور آداب و تمکنت میں سارے تیموری خاندان میں

منتخب تھے، آہ کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضہ سرسام دنیا سے چل بسے" (ص ۱۹۴)

اس کے بعض اشعار یہ ہیں :-

نہوتا آفتاب عشق کا جلوہ اگر پیدا ۔۔۔ توکب ہوتا شب تاریک سے نور نظر پیدا

جلامت استخوان میری تجھے ای عشق کہتا ہون ۔۔۔ ہوا ہو اس نیستان بیچ دل سا شیر نر پیدا

قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی ہو ۔۔۔ ہوا ہو ایک عالم کو تب ہی سے درد سر پیدا

کوئی تیے پہ نہ آیا مجرمون کے غیر صبر ۔۔۔ مفت میزان ستم مین ہم گئے قاتل کو تل

اے قمر دلگیر مت ہو کھول دینگے آن میں ۔۔۔ حضرت مشکل کشا عقدہ تری مشکل کے کل

بہادر شاہ ظفر کے زمانہ مین قلعہ معلیٰ شعر و شاعری کا ایک گہوارہ تھا، جیسا کہ "آخری شاہان تیموریہ کے علمی ذوق" کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے، قلعہ معلیٰ کے شہزادون مین شاید ہی کوئی ایسا شہزادہ ہوگا جس کو شعر و شاعری سے لگاؤ نہ رہا ہو، اور وہ مشاعرون مین حصہ نہ لیتا رہا ہو، لیکن اس کی تفصیلات طویل بھی ہین، اور اردو کی بعض مطبوعہ کتابون مین ان کے جستہ جستہ حالات ملتے ہین، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین،

تصحیح گذشتہ مہینہ کے معارف مین دارا شکوہ کے علمی ذوق کے مضمون میں دو مقام پر تسامح ہو گیا ہے، سفینۃ الاولیاء کے ذکر میں یہ سطر "حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار مین اس کا حوالہ جا بجا دیا ہے،" سہواً ضبط تحریر مین آگئی ہے ناظرین براہ کرم اس کو قلمزد کر دین، دانش کی جو غزل نقل کی گئی ہے، اس کا پہلا مصرع اس طرح ہونا چاہئے،

موسے آن شد کہ ابر تر چمن پرور شود

تاریخ ملک ارسلان غزنوی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب ایم اے علیگ اسسٹنٹ لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

(۲)

پہلی جنگ سنجر دراصل اس زمانہ مین (یعنی ۵۱۱ھ، ۱۱۱۷ء) اپنے بھائی سلطان محمد سلجوقی (م ۵۱۱ھ، ۱۱۱۷ء) کا نائب تھا، لیکن پھر بھی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے اوس نے ارسلان کے پاس خطوط بھیجے کہ بہرام شاہ کے ساتھ مصالحت کر لی جائے، اور بھائیون کے باہمی جھگڑون کو ختم کر دیا جائے لیکن ارسلان نے ایک نہ سُنی،[۱] اس کے علاوہ ارسلان نے اپنی والدہ کے ساتھ بہت سختی کا برتاؤ کیا تھا،[۲] اس لئے سنجر خود بہرام شاہ کو لیکر حملہ آور ہوا،

ملک ارسلان نے جب سنجر کی روانگی کی خبر سُنی تو بہت گھبرایا، اور ایک ایلچی سلطان

---

[۱] تاریخ بدایونی جلد اول ص ۳۹ طبع کلکتہ، منتخب التواریخ (از محمد یوسف بن رحمت اللہ) ورق الف ۳۱۶ بانکی پور [۲] طبقات ناصری کے انگریزی ترجمہ ص ۵ کے حاشیہ پر راورٹی نے لکھا ہے کہ ملک ارسلان نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ وہ اپنے رقص سے محظوظ کرے لیکن یہ بات سمجھ مین نہیں آسکتی، کیونکہ کیسا ہی ناخلف بھی ہو، وہ اپنی حقیقی والدہ سے کم ازکم اس زمانہ میں رقص کیلئے حکم نہیں دیسکتا تھا لیکن چونکہ ہر بات ممکن ہے، اور فرشتہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ارسلان کے زمانہ میں عتاب الٰہی ہوا اور آسمان سے آگ برسی اسلئے گمان کیا جاسکتا ہے کہ شاید رقص کا واقعہ بھی صحیح ہو،

محمد سلجوقی کے پاس اس سفارش کی غرض سے بھیجا کہ سنجر کو روک دیا جائے، سلطان محمد حالانکہ سنجر کا حقیقی بڑا بھائی تھا، لیکن سنجر کے استقلال ہمت سے مرعوب تھا، اس لئے اُس نے صرف اتنا کیا کہ سنجر کے پاس سفارش ضرور بھیجی لیکن ساتھ ہی ایلچی سے یہ کہہ دیا کہ اگر سنجر روانگی کے لئے بالکل آمادہ ہو تو ہرگز میری سفارش اس تک نہ پہنچانا، ایلچی نے سنجر کی آمادگی دیکھ کر خاموشی اختیار کی،[۵۱]

سنجر تیس ہزار سپاہیوں کی فوج لیکر روانہ ہوا، اور مقام بُست پر حاکم سیستان یعنی تاج الدین اور اس کے بھائی فخر الدین کی بھی معیت حاصل ہوئی، ادھر ملک ارسلان نے بھی تیاری کی، اور تیس ہزار سوار لا تعداد پیادے اور ایک سو ساٹھ ہاتھی جمع کرلیے[۵۲]، ان ہاتھیوں کے متعلق مسعود سعد سلمان نے بھی اشارہ کیا ہے :-

(۱) مُلکِ ملک ارسلان + ساکن روضِ الجنان (۲) جمع شد از ہر سوے + دو دیست کوہ روان

(۳) جملہ بر آن ہر یکے + یکسا اژدہاے دمان (۴) بر سر ہر پیل مست + نشستہ یک پیلبان[۵۳]

لیکن اس تیاری کے باوجود سنجر کی دھاک اس کے دل میں ایسی بیٹھی ہوئی تھی، کہ ایک مرتبہ پھر اس نے سنجر کو "اپنانے" کی کوشش کی اور اپنی والدہ "مہد عراق" کو دو لاکھ دینار اور بیشمار تحائف کے ساتھ بُست کے مقام پر سنجر کے پاس بھیجا، لیکن چونکہ ملک ارسلان نے اپنے بھائیوں کو قید یا قتل کر دیا تھا، اور خود اپنی ماں کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا تھا، اس لئے اس نے سنجر کو غزنین کی طرف روکنے کے بجائے اور زیادہ آمادہ کیا، اس لئے خراسان اور سیستان کی فوجیں آگے

---

۵۱ منتخب التواریخ (از محمد یوسف) ورق ۲ ۱۲۷، الف فرشتہ ص ۴۹-۵۰، حبیب السیر ص ۳۳ وغیرہ میں یہ تفصیل ہے ۵۲ ابن اثیر (جلد دہم ص ۱۸۱) سے معلوم ہوتا ہے، کہ ارسلان نے ایک لاکھ دینار سنجر کے پاس بھیجے تھے، اور ارسلان کی فوج میں ایک سو بیس ہاتھی تھے اور ہر ہاتھی پر چار سوار تھے

۵۳ دیوان مسعود سعد سلمان ص ۴۶۵، ۴۶۶،

بڑھین اور غزنین سے ایک فرسخ پر ایک مقام پر ملک ارسلان کی فوجون سے مقابلہ ہوا[1] تاج الدین ابو الفضل نے بڑی بہادری دکھائی، اور بہت سے ہاتھیون کو مار ڈالا، اور پکڑ لیا، پھر تو ارسلان کی فوجون کے پاؤن اکھڑ گئے، اور وہ بھاگ نکلین،

تاج الدین ابو الفضل کے درباری شاعر خواجہ صاعد مستوفی نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے، جسکے بعض اشعار یہ ہین:-

گفتی از صف کشیدہ پیل دگروہ ۔۔۔ کوہ صحرا شدہ دست وصحرا کوہ
سر خرطوم ہر یک از مستی ۔۔۔ گہ بلندی گرفت وگہ پستی
تا بر آویخت سر ز آب نہنگ ۔۔۔ کرد اندر ہوا بصد آہنگ
رفت بر اوج ماہ زہرہ ہمی ۔۔۔ بانگ نائے شنیدہ نرہ ہمی
ملک نیمروز نصر خلف ۔۔۔ شدہ پیادہ، درآمد اندر صف
پیش صف باز رفت نیزہ بدست ۔۔۔ راہ پیلان نبوک نیزہ ببست
دشنہ در کف چو شیر در غرید ۔۔۔ شکم پیل مست را بدرید
شد ہراسیمہ پیل وگشت ستوہ ۔۔۔ اندر آمد ز پائے ہمچو کوہ
لشکر سیستان دلیر شدند ۔۔۔ ہر یکے ہمچو نرہ شیر شدند

---

[1] اس لڑائی کی تاریخ ابن اثیر (جلد دہم ص ۱۷۰) ابو الفداء (جلد دوم ص ۲۳۹) اور ابن خلدون (اردو جلد چہار دہم ص ۱۳۲) وغیرہ نے ۵۰۸ھ ۱۱۱۴-۱۵ء مین بتائی ہے، لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے، کیونکہ اس سال مسعود سوم کا انتقال ہوا، اس کے بعد ایک سال شیرزاد حاکم رہا، پھر ارسلان نے قبضہ جمایا، اور جیسا کہ آداب الحرب مین ہے، بہرام شاہ ایک مدت تک اس کے بعد سنجر کے دربار مین رہا اسلئے روضۃ الصفا (جلد چہارم ص ۱۴۷) کی تاریخ ۵۱۰ھ ۱۱۱۶ء اصح ہے مزید یہ کہ ہمعصر شاعر مسعود سعد سلمان نے خود ارسلان کی تخت نشینی ۵۰۹ھ ۱۱۱۶ء مین بتائی ہے

زور بازوے خویش بنمودند | نیزۂ و تیغ کار فرمودند
ملک نیمروز کرد آن روز | کارزارے کہ گشت ازان پیروز
خاک میدان زخون گلستان کرد | وز دلیری دیرد لی آن کرد
کہ نکرد دست رستم دستان | وز ہمہ عمر خویش صدیک آن
آن یل گرزگیر خصم شکن | آن نریمان نہاد رستم تن
بخت و اقبال یار او گشتہ | جنگ و پیکار کار او گشتہ
شد و میدان رزم گلشن او | نہ کشد کوہ تاب جوشن او

عبدالواسع جبلی (م ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) نے اس ممدوح کی مدح میں کئی قصیدے لکھے ہیں، ایک طویل قصیدہ شعروں کا ہے، جو اسی واقعے کے متعلق ہے، مذکورۂ بالا اشعار کی طرح چونکہ یہ بھی کمیاب ہیں، کچھ انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے:-

م است این بر آورده سر از دریاے موج افگن | بکوه اندر دمان آتش بہ بحر اندر کشان دامن
ف فروز و عالم سوز شاہ نیمروز آن کس | کہ در ملک است کافی کف و وافی عہد صافی ظن
بوالفضل نصر ابن خلف فرزانہ تاج الدین | کہ بر باید ہمی تاج از سر شیران شیر اوژن
ن گہ کز سجستان شد سوے غزنین یکے لشکر | ہمہ با دولت خسرو ہمہ با صولت بہمن
ستائید دیو آہن، فلک تاثیر، کوه آلت | نہنگ آسیب، شیر آفت، ملک آشوب، پیل افگن
نے کہ از گردون بنوک نیزه ستیاره | ربودندے چو گنجشکان بمنقار از زمین ارزن
ت جنگ را آمد برون با لشکرے دیگر | چو شیران عرین پردل چو دیوان لعین پرفن
ور ده بہ پیش صف چون گردون تندہ بیلانے | کہ گردون شان بوقت کین نیارد گشت پیرامن

تاریخ ابو الخیر خانی ورق ۱۳۰ الف، بانکی پور۔

چو کوہِ زفت شخص انگر، چو غولِ وشت حیلہ گر — چو بادِ تیز دریا بر، چو سیلِ تند ہامون کن
چو ضرغامِ دژم جوشان چو عفریتِ حرون کوشان — چو تمساحِ دہان ہایل چو ثعبانِ سیہ زمین
سپاہے از نژادِ دیو و تو در جنگِ شان رستم — گروہے بر نہادِ خوک و تو در جرِ شان بیژن
قضا در تیغِ سیمابی نشاندہ ریزۂ مرجان — اجل بر درعِ زنگاری فشاندہ خردۂ ریون
چنان رفت از کمانِ تو سوے دشمن ہمی ناوک — کہ گاہِ رجم سیارہ ز گردون سوے اہرمن
چو شد راے ہمایونت قرینِ رایتِ اعلیٰ — شد آثارِ اہلِ ظاہر شد اسبابِ ظفر مبین
نگشت از فرِ تو خستہ ازین خونخوارگان یک کس — نگشت از زخمِ تو رستہ ازین بیچارگان یک تن
درین رفعت پدید آمد کہ نادر دو از بنی آدمؑ — چو اہلِ سیستان ہرگز برد ہی ایزدِ ذو المن
خداوندا اگر ہستم بشخص از خدمتت غایب — ز جورِ عالمِ جانی، ز دورِ گنبدِ توسن
مرا جز راست پیوستہ ثناے تو بہر موضع — مرا ورد راست ہموارہ دعاے تو بہر مسکن [۵۱]

بہرحال اگر تاج الدین نے اتنی بہادری دکھائی تو یہ کیا کم ہے، کہ ارسلان نے بھی سنجر، تاج الدین اور موخر الذکر کے بھائی فخر الدین جیسے مشہور بہادروں کا مقابلہ کیا، [۵۲]

ملک ارسلان آخر کار ہندوستان کی طرف بھاگ آیا، اور اپنے وائسراے محمد بن ابو حلیم

---

[۵۱] مونس الاحرار ص ۴۰، ۴۳-۴۷، حبیب گنج،

جبلی کا مکمل دیوان بھی حبیب گنج میں موجود ہے، اس کا انتخاب جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں ہے، اور حمیدیہ لائبریری بھوپال کے مجموعۂ کلام متقدمین میں بھی چھوٹا سا انتخاب ہے۔

[۵۲] محمد ابن ابو حلیم کے متعلق ابھی تک وضاحت نہیں ہوئی، ایرانی ادیب رشید یاسمی نے مقدمۂ دیوان سعد سلمان اور اسی دیوان کے ص ۱۵ پر لکھا ہے، کہ اس کے خاندان کا پہلا شخص جس کا پتہ ملتا ہے نجم الدین تھا، جو سلطان ابراہیم کے عہد میں جاجرم سے آیا، اور وہ ابو حلیم کا بیٹا تھا، لیکن ابو الفرج رونی

سے فوج جمع کرائی، اُدھر سلطان سنجر وغیرہ کامیابی کے ساتھ ۲۰ شوال ۵۱۰ھ مطابق یک شنبہ ۲۰ فروری ۱۱۱۷ء کو غزنین مین داخل ہوئے، اور چالیس روز تک یعنی جمعہ یکم ذی الحجہ ۵۱۰ھ (۶ - اپریل ۱۱۱۷ء) تک وہان قیام کیا، اور حکم دیدیا، کہ شہر اور اہل شہر کو ہرگز کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے، اس دوران مین سنجر نے جشن نوروز بھی ۱۲ مارچ (چہارشنبہ ۱۵ ذی القعدہ) کو منایا ہوگا، پھر سنجر نے بہرام شاہ کو افغانستان کا حاکم مقرر کیا، اس شرط پر کہ مؤخر الذکر ایک ہزار دینار

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۴) (م ۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء) کے یہ اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ "ابو حلیم" دراصل کنیت تھی، باپ کا نام نہ تھا:-

بجنگ شیر عرب نجم دین و صدر جہان چو شاخ معجزہ ہم اژدہا وہم خشب است
موافق آمدہ بار اسے طبع کنیت او کہ حلم او گہ قدرت قوی تراز غضب است

(دیوان ابو الفرج ص ۲۷-۲۸)

اے تیغ تو کشیدہ تراز تیغ آفتاب اے نجم دین واز تو بکفر اندر اضطراب
پیش درنگ حلم تو عاجز بود درنگ گاہ شتاب جود تو واماندہ بود شتاب

(دیوان ابو الفرج ص ۲۰-۲۱)

اسکی مدح میں ابو الفرج رونی کے اور قصائد بھی ہین، مثلاً صفحات ۴۹-۵۱، ۹۹-۱۰۱ وغیرہ پر، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ہندوستان مین سپہ سالار رہا، اس کے بعد اس کا لڑکا زریر (محمد) اسی عہدے پر فائز ہوا:-

ز کسب جاہ پدر شاد باد دیر خوردار زریر نجم سپہ پرور سپہ سالار
ہنوز رایت منصور او بظاہر سند رسید ہیبت شمشیر او بدریا بار
نظام دولت محمود یان ملک مسعود کہ اختیار خدایست وافتخار تبار
کراست از ہمہ شاہان خسران جہان چنین سپہبد رزم آزما و نیزہ گزار

(دیوان ابو الفرج ص ۴۷-۴۸)

ابو حلیم نجم الدین کا یہی لڑکا محمد سپہ سالار ہند مقرر ہوا، اور صرف یہی وہ شخص ہندوستان مین

روز ادا کرے[۵]، اسی مقصد کے لئے ایک "عامل" بھی مقرر کیا گیا، کہ وہ یہ خراج وصول کرتا رہے،

ابن اثیر (جلد دہم ص۱۱۱) اور حدیقۃ الصفا، (ورق ب نمبر ۲۲۹ بانکی پور) سے معلوم ہوتا ہو کہ سنجر کو جو دولت غزنین مین ہاتھ آئی، اُس مین بیش بہا چیزون کے علاوہ پانچ تاج بھی ملے جن مین ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار سے زائد تھی، سترہ تخت سونے چاندی کے ملے، اور تیرہ سو دیگر شاہانہ اسباب حاصل ہوا، ابن خلدون (جلد چہارم ص۱۳۲) سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسی دولت کی ہوس کی وجہ سے سنجر کے وزیر ابوجعفر محمد بن فخر الملک بن نظام الملک کو قتل کیا گیا تھا،

بہرام شاہ کی اس تخت نشینی کے وقت سید حسن غزنوی (م ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء) نے ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے :-

منادی بر آمد ز ہفت آسمان   کہ بہرام شاہ است شاہ جہان[۵]

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۵) سپہ سالار مقرر ہوے تھے، محمد کے والد کے متعلق اسی لئے بہرام شاہ نے یہان ہندوستان مین اس سے کہا تھا "بازگرد و خود را بدنام مکن کہ پدرت این دولت را از خدمت ہاے پسندیدہ دارد و فراخور آن خدمت ہا تربیتہا یافتہ است، از روان او شرم می دارم ..." (آداب الحرب ص۴۶) اس کے اور رشتہ دارون کے متعلق مسعود سعد سلمان کے دیوان (صفحات ۲۳۲، ۳۰ وغیرہ) میں بیان ہے، آداب الحرب ص ۵۰ پر ایک نوٹ پرنسپل محمد شفیع نے بھی لکھا ہے، [۱] محمد عوفی (تاریخ ادبیات جلد دوم ص۱۹۹) نے چہارشنبہ ۱۴ شوال ۵۱۱ھ تاریخ بتائی ہے، جو یقیناً غلط ہے، کیونکہ ۱۴ شوال کو اس سال جمعہ تھا، چہارشنبہ نہ تھا، مزید بحث آگے آئیگی، میں نے روضۃ الصفا (جلد چہارم ص۹۷) کی تاریخ صحیح سمجھی ہے [۵] راحت الصدور ص ۱۰۸، [۵] میں اس شاعر پر کام کر رہا ہون، اس کے کلام کے میرے پاس ۸ نسخے ہین، لیکن ایسا کوئی قصیدہ نہیں ہے، جس کا وہ مطلع ہو، تاریخون نے مثلاً فرشتہ، طبقات ناصری وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے، ماور ٹی نے ص ۱۱۰ کے حاشیہ پر بہرام شاہ کے سکہ کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہی شعر اس پر کندہ تھا، اگر یہ واقعہ ہے، تو گویا اس شاعر کو بہت بڑی شہرت حاصل تھی،

پھر سنجر واپس خراسان چلا گیا، اور بہرام شاہ کو غزنین مین چھوڑ گیا،

دوسری جنگ | جب سنجر کی روانگی کی خبر ملک ارسلان نے سُنی تو وہ ہندوستانی فوج کیسا تھ غزنین کی طرف بڑھا، بہرام شاہ مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے وہ غزنین سے بھاگ کر قلعۂ بامیان (غزنین کے شمال ومغرب) مین چھپ گیا، یہ زمانہ یقیناً ۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء کا ہوگا، کیونکہ ہم دیکھ چکے ہین، کہ ۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء کے ذی الحجہ (اپریل) تک تو سنجر غزنین ہی مین تھا، اور ملک ارسلان کا یہ حملہ اوس کے بعد ہوا،

بہرام شاہ نے پھر سنجر سے مدد کی درخواست کی، سنجر نے بلخ سے ایک فوج بھیجی،[۱] ملک ارسلان اب ہندی فوج کو لیکر کیا مقابلہ کرسکتا، اس لئے پھر منہ کی کھائی اور بھاگا، سنجر کی فوج نے اسکا پیچھا کیا، اور شکران[۲] کی پہاڑیون کے پاس اُسے پکڑ لیا، اور بہرام شاہ کے حوالہ کردیا،

ملک ارسلان کی اس دوسری جنگ کے متعلق ہم کچھ مفید باتین مسعود سعد سلمان کے ان چند اشعار سے حاصل کرسکتے ہین،:

ای بُت لبت ملیست کہ اندر خمارنیست	وے مہ رخت گلیست کہ در دستہ زخارنیست
سرو وچنار باران در ہر چمن ولیک	با حسن وزیب قد تو سرو وچنارنیست
اے قندھار گشتہ ز تو جایگاہ تو	واللہ کہ بعینہٖ چو تو در قندھارنیست
سلطان یمین دولت بہرام شاہ کوست	شاہے کہ در زمانہ ز شاہانش یارنیست
دل در شکار شیر ہند از براے آنک	یک شیر نز نہیم تو در مرغزارنیست
گہ گہ کہے بچوگان بازی روا بود	گرچہ ز برف روے زمین آشکارنیست

---

[۱] محمد عوفی (تاریخ الیٹ۔ جلد دوم ص ۱۹۹) نے لکھا ہے، کہ بہرام شاہ بھی بلخ کو بھاگ گیا تھا،
[۲] ایضاً

اے پیشوائے وقبلۂ خود امیدوار باش | کز عمر خویش دشمنت امیدوار نیست
پیرار و پار بندہ ز جان نا امید بود | وامسال حال بندہ چو پیرار و پار نیست[1]

ان اشعار سے یہ چند باتین حاصل ہوتی ہین :

(۱) آخری شعر مین "پیرار و پار" سے ضرور ملک ارسلان کے عہد کے متعلق اشارہ کیا گیا ہی، کیونکہ وہ بہرام شاہ کا دشمن تھا، اور بہرام شاہ کی مدح مین اس عہد کی برائی کرنا ایک قصیدہ گو کے لئے ضروری تھا، چونکہ ارسلان ۵۰۹ھ / ۱۱۱۶ء مین تخت نشین ہوا تھا، اس لئے "پیرار" سے مراد ۵۰۹ھ / ۱۱۱۶ء ہے، "پار" ۵۱۰ھ / ۱۱۱۶-۱۷ء ہوا تو یقیناً "امسال" ۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ قصیدہ ملک ارسلان کی دوسری شکست کے بعد لکھا گیا، جب کہ وہ نا امید ہو چکا تھا، اسی کی طرف شعر نمبر ۷ مین بھی اشارہ ہی،

(۲) لفظ ارسلان کے معنی "ترکی" مین شیر کے ہین، اسلئے پانچوین شعر مین اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حضرت سنائی (م ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء) نے بھی اسی "شیر" کے متعلق ذیل کے ساتوین شعر مین اشارہ کیا ہے اور اس کے قتل کا ذکر بھی چوتھے شعر مین کیا ہے :

ہر کہ حسبت اندرین ولایت صد | از سر جہل بود نز سر قدر
بود باغی ز بغی فسق و فساد | چون بقایائے قوم ہود و عاد
شد ز بس خون کہ ریخت از جسش سون | گوئی یاقوت شد زمین از خون
کرد خصم بے آب را در خواب | سرش از تن جدا چو کوزۂ آب
ہمہ جہال دہر دانند این | جملۂ غافلان شناسند این
کہ نزیبد برائے ملک خطاب | خرس بر تخت و خوک در محراب
اندران جنگ دشمن خصمانش | صورت شیر بود و شادروانش

---

[1] دیوان مسعود سعد سلمان ص ۴۹ ۔

تشنہ ماندہ زبانِ دشمن او — جانِ او خشم کردہ با تنِ او
پیش بہرام شاہ بن مسعود — ظفر و فتح در رکوع و سجود[۱]

(۳) مسعود سعد سلمان کے مذکورۂ بالا چھٹے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ (ملک ارسلان کی دوسری شکست کے بعد) موسم سرما میں لکھا گیا، یعنی یہ دوسری شکست ضرور ۵۱۱ھ کے موسم سرما (یعنی ۲۱ دسمبر ۱۱۱۷ء - ۲۰ مارچ ۱۱۱۸ء) کے پہلے ہو چکی تھی، لیکن تیسرے شعر میں قندھار محض استعارۃً معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس شہر کی خوبصورتی اور اس "بتکدۂ خوبان" کے متعلق اسی دیوان کے صفحات ۲۰۵- ۴۳۸ اور ۵۹۴ پر بھی استعارے پائے جاتے ہیں،

ملک ارسلان کی وفات | سنجر کی فوج نے جب ارسلان کو بہرام شاہ کے حوالہ کر دیا، تو اوس نے کچھ عرصہ تک تو ضرور قید مین رکھا، لیکن پھر ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء مین رہا کر دیا، ارسلان نے اپنی اس آزادی کو غنیمت سمجھ کر پھر ہاتھ پاؤن مارنے کی کوشش کی جس پر بہرام شاہ نے اُسے جمادی الآخر ۵۱۲ھ (مطابق ستمبر ۱۱۱۸ء) مین قتل کر دیا، اور وہین غزنین مین اپنے والد مسعود سوم کی قبر کے پاس دفن کر دیا[۲]، افسوس کہ غزنین مین ان قبرون مین سے اب کسی کا پتہ نہیں ملتا، نظامی عروضی تو پہلے ہی کہہ چکے تھے:

بسا کاخا کہ محمودش بنا کرد — کہ از رفعت ہمی با مہ مرا کرد
نہ بینی زان ہمہ یک خشت بر پائے — مدیح عنصری ماندہ است برجائے

---

[۱] حدیقہ سنائی رح طبع لکھنؤ ص ۶۶۳-۶۶۴ و [۲] اس تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابن اثیر (جلد دہم ص۲۰۶) ابو الفداء (جلد دوم ص ۲۳۵) وغیرہ، راورٹی نے اپنے ترجمہ کے ص ۹۰ کے حاشیہ نمبر ۵ پر ارسلان کی بدنیتی کے متعلق لکھا ہے اور اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۶ پر یہ لکھا ہے کہ ارسلان نے شاہ آباد مین شوال ۵۱۱ھ میں انتقال کیا، (یعنی قتل نہیں ہوا) ارسلان کے تاج، چتر، اور علم وغیرہ کے متعلق انشاء اللہ تاریخ بہرام شاہ کے سلسلہ میں ذکر آئے گا، جس مین غزنوی بادشاہون کی ان چیزون کے متعلق مفصل بحث ہوگی،

تلخیص تبصرہ

خانانِ قرم (کریمیہ)

۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء سے ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۳ء تک

(بسلسلہ گذشتہ)

(ج) توقا تیمور کا سلسلہ، توقا تیمور کے حصہ مین بلغاریہ عظمی کے قبائل آئے تھے، بعد کو قرم اور کفہ کے قبائل بھی محکوم ہوگئے، توقا تیمور کی اولاد سے کبھی کبھی سیرا وردہ کے خان بھی ہوئے، آخر کار توقا تیمور کی اولاد سے قازان قاسموف اور قرم کے خانان بھی ہوئے[1]، توقا تیمور جوجی خان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، توقا تیمور کے محکوم وہ قبیلے تھے، جن کا تعلق سیرا وردہ کے دست چپ والے بازو سے تھا لیکن توقا تیمور کے ڈیرے خیمے دریاے ایتل (وولگا) کے بالائی مرکز گاہ سے ملحق علاقون مین لگائے جاتے تھے، ان علاقون مین بلغاریہ عظمی کا بڑا حصہ آجاتا تھا، اس شاخ کے ابتدائی مقامات جہان وہ اپنے ڈیرے ڈالتے تھے نہیں معلوم، باتو خان کی اولاد سے چوتھے خان سیرا وردہ منگو تیمور نے توقا تیمور کے بیٹے یورنگ تیمور کو جزیرہ نماے قرم اور کفہ دے دیئے تھے، غرض اس طرح یورنگ تیمور کا خاندان باتو کی خانیت کے شمال اور جنوب مین آباد ہوگیا، چنانچہ جب باتو خان کے خاندان مین تخت سیرا وردا کے لئے نزاع اٹھی تو توقا تیمور کے گھرانے والے بھی اس مین مداخلت کرنے لگے، ہم دیکھ چکے ہین، کہ سیرا وردہ کی خانیت مین جب حریف خاتون کا عمل دخل ہوا ہے، تو توقا تیمور کی اولاد سے تین شخص

[1] دیکھو ہوورتھ کی تاریخ منغول صفحات ۱۵۸-۲۱۶-۲۹۴، ۳۶۳، ۶۲۹، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵،

(یعنی کلدی بیگ عزیز شیخ اور حسن) سیرا وردا کے خان ہوئے، لیکن توقا تیمور کی شاخ کو شہرت اس وقت ہوئی جب کہ امیر تیمور گورگان کے حملہ کے بعد سیرا وردا کی خانیت معرض زوال میں آئی، تو قا تیمور کی اولاد میں ایک شخص الغ محمد جس نے بوراق کے بعد خانیت بزرگ یعنی سیرا وردا پر قبضہ کر لیا تھا، اوس نے ۱۴۳۰ء میں اپنے پرانے مقبوضہ ملک یعنی بلغاریہ عظمیٰ کی طرف مراجعت کی، اور یہاں اوس نے اپنے بزرگون کی خانیت کو خانیتِ قازان کے نام سے زندہ کیا، خانیت قازان کو جنوب مین خانیتِ سیرا وردا سے خوف نہ تھا، اب خانیت قازان سلطنتِ روس کی آنکھون میں خار بن کر کھٹکنے لگی، بہرکیف جب خان قازان محمد امین کا انتقال ۱۵۱۹ء مین ہو گیا، تو بانی سلطنتِ قازان کا اقبال بھی رخصت ہوا، اب قرم قاسیموف، استراخان، اور دیگر مغل ریاستہائے اسلامی سے لوگ بلائے جا کر قازان مین خان مقرر کئے جانے لگے، یہ واقعہ ۱۵۵۲ء مین پیش آیا، جب الغ محمد کو اسکے بیٹے محمودک نے قتل کر دیا، تو اوس کے باقی بیٹے بھاگ کر روس چلے گئے، اور کچھ دنون روسی فوج مین خدمت کرتے رہے، انہین سے ایک کو جس کا نام قاسم تھا، روسیون نے علاقہ گوردیز مین ایک شہر جو دریائے اوکہ پر واقع تھا، مع اوس کے علاقے کے تفویض کیا، گوردیز کا علاقہ صوبہ ریازان مین تھا، اس قاسم نے جو شہر اوسے تفویض ہوا تھا، اس کا نام اپنے نام پر قاسیموف رکھا، اور سال کے خانان خانانِ قاسیموف کے نام سے مشہور ہوے، روسیون نے قاسم کو جو یہ شہر دیا تھا، تو اس سے ان کی نیت یہ تھی، کہ قازان کی خانیت مین انہین بڑا اقتدار حاصل تھا، اگر کوئی خرخشہ اٹھے تو خان قاسیموف کی معرفت اپنا کوئی مطلب نکالین، چنانچہ جب الغ محمد کی اولاد باقی نہ رہی، تو اسی قاسم کی اولاد سے دو خان قازان مین ہوئے، خانیت قاسیموف آزاد و مطلق نہ تھی، چنانچہ ۱۶۸۱ء میں وہ روسی سلطنت میں شامل کر لی گئی،

توقا تیمور سے جو تین خانیتیں قائم ہوئین، (یعنی خانیت قاسیموف، خانیتِ قازان اور خانیتِ قرم) ان سب میں قرم کی خانیت کو سب سے زیادہ اقتدار حاصل ہوا، الغ محمد کا ایک بھائی تاش تیمور تھا ایک زمانہ مین یہ توقا میش کے سپہ سالارون میں تھا، اور یہی شخص بانی ہوا خانانِ قرم کے متقدد صاحبِ حکومت

خاندان کا، اور اس کا فرزند حاجی گیرائی قرم کا پہلا خان بالعموم تسلیم کیا گیا ہے، دولِ یورپ کے "مشرقی سوال" مین خانیتِ قرم ایک زبردست مسئلہ رہا ہے، اوسے ٹرکی کا ایک دور کا قلعہ اور روسیون کا طرفدار سمجھ کر ٹرکی اور روس دونون نے اسے ایک اہم چیز سمجھا، آخر کار ان تکلیف دہ ہمسایون کے متعلق روس اور ٹرکی مین باہم سمجھوتا ہوگیا، اور ۱۷۸۳ء کے عہدنامہ کے بموجب قرم کی خانیت کا چراغ گل کر دیا گیا، ان ہی زبردست خانون مین ایک خان جس کا نام سلطان قرم گیرائی تھا، اپنا ملک چھوڑ کر اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈن برا مین آباد ہوگیا، اور ایک اسکاٹش لیڈی سے اوس نے اپنی شادی کر لی،

خانانِ قرم کے نامون کی فہرست اور ان کی حکومت کے زمانے یہ ہین، حاجی گیرائی (۸۲۳ھ / ۱۴۲۰ء) نور دولت (۸۷۱ھ / ۱۴۶۶ء) سنگلی گیرائی (۸۷۱ھ / ۱۴۶۹ء) نور دولت (بار دیگر ۸۷۸ھ / ۱۴۷۴ء) جانی بیگ گیرائی اول (۸۸۲ھ / ۱۴۷۷ء) منگلی گیرائی (بار دیگر ۸۸۳ھ / ۱۴۷۸ء) محمد گیرائی اول (۹۲۱ھ / ۱۵۱۵ء) غازی گیرائی اول (۹۲۹ھ / ۱۵۲۳ء) سعادت گیرائی اول (۹۲۹ھ / ۱۵۲۳ء) اسلام گیرائی اول (۹۳۸ھ / ۱۵۳۲ء) صاحب گیرائی اول (۹۳۸ھ / ۱۵۳۲ء) دولت گیرائی اول (۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء) محمد گیرائی ثانی (۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء) اسلام گیرائی ثانی (۹۹۲ھ / ۱۵۸۴ء) غازی گیرائی ثانی (۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء) فتح گیرائی بار دیگر (۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۴ء) سلامت گیرائی (۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء) جانی بیگ گیرائی ثانی (۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء) محمد گیرائی ثالث (۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء) جانی بیگ ثانی (بار دیگر خان ہوتا ہے)، (۱۰۳۶ھ / ۱۶۳۲ء) عنایت گیرائی (۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۸ء) بہادر گیرائی (۱۰۴۸ھ / ۱۶۴۲ء) محمد گیرائی رابع (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۴ء) اسلام گیرائی ثالث (۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۶ء) محمد رابع (بار دیگر) (۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء) عادل گیرائی (۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۵ء) سلیم گیرائی اول (۱۰۸۱ھ / ۱۶۷۰ء) مراد گیرائی (۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء) حاجی گیرائی ثانی (۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء) سلیم گیرائی اول (بار دیگر) (۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء) سعادت گیرائی ثانی (۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۱ء) صفا گیرائی (۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۱ء) سلیم اول (پھر خان ہوتا ہے) (۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء) دولت گیرائی ثانی (۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۸ء) سلیم اول (تیسری بار خان ہوتا ہے) (۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ء) غازی گیرائی ثالث (۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء) کپلان گیرائی اول (۱۱۱۹ھ / ۱۱۰۷ء) دولت گیرائی (بار دیگر) (۱۱۱۹ھ / ۱۱۰۷ء) کپلان (بار دیگر) (۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء) قرا دولت گیرائی (۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۵ء) سعادت گیرائی ثالث (۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۵ء)

منگلی گیرائی ثانی (۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ء) کلپان اول (تیسری مرتبہ خان ہوتا ہے) (۱۱۴۲ھ ۱۷۳۰ء) فتح گیرائی ثانی (۱۱۴۹ھ ۱۷۳۶ء) منگلی ثانی (بار دیگر) (۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء) سلامت گیرائی ثانی (۱۱۵۳ھ ۱۷۴۰ء) سلیم گیرائی ثانی (۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء) ارسلان گیرائی (۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء) حالم گیرائی (۱۱۶۸ھ ۱۷۵۵ء) قرم گیرائی (۱۱۷۱ھ ۱۷۵۸ء) سلیم گیرائی ثالث (۱۱۷۷ھ ۱۷۶۴ء) ارسلان گیرائی (بار ثانی) (۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء) مقصود گیرائی (۱۱۸۱ھ ۱۷۶۷ء) قرم گیرائی (بار دیگر) (۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء) دولت گیرائی (بار دیگر) (۱۱۸۲ھ ۱۷۷۰ء) کلپان گیرائی ثانی (۱۱۸۴ھ ۱۷۷۰ء) سلیم ثالث (بار دیگر) (۱۱۸۴ھ ۱۷۷۱ء) مقصود گیرائی ثانی (بار دیگر) (۱۱۸۵ھ ۱۷۷۲ء) صاحب گیرائی ثانی (بار دیگر) (۱۱۸۵ھ ۱۷۷۵ء) دولت گیرائی ثالث (بار دیگر) (۱۱۸۹ھ ۱۷۷۵ء) شاہین گیرائی (۱۱۹۱ھ ۱۷۷۷ء)

اس کے بعد قرم روس کو تفویض کر دیا گیا،

(د) شیبان کا سلسلہ، شیبان کے محکوم قبائل وہ تھے، جو دریاے یائق (یورال) اور دریاے چو کی درمیانی زمینون مین خانہ بدوش رہتے تھے، شیبان کی اولاد مین سے کبھی کبھی سیرا اوردا کے خان بھی ہوئے تھے، اور ان مین سے نزاران یا خانانِ تیومن بھی ہوے، (۱۲۲۶ء ـ ۱۶۵۹ء) ان ہی سے خانانِ بخارا (۱۵۰۰ء سے ۱۵۹۸ء) اور خانانِ خیوہ (۱۵۱۵ء سے ۱۸۷۲ء تک) ہوئے،

جب باتو پسر جوجی نے ملک ہنگاریہ (ہنگری) پر فوجکشی کی، تو اس کا بھائی شیبان ساتھ تھا، شیبان نے ایسے ایسے بہادری کے کام کئے، کہ باتو نے خوش ہو کر اوسے ہنگری کا بادشاہ بنا دیا، اور اس کے ساتھ چند قبائل بھی اوسے عنایت کئے، جو اوردا کی خانیت کے شمال میں خانہ بدوش رہتے تھے، شیبان کا دستور یہ تھا، کہ موسمِ گرما مین وہ اپنے ڈیرے یورال کے پہاڑی سلسلے سے دریاے ایلک اور دریاے ارغیز تک کی زمینون مین نصب کرتا تھا، اور موسم سرما مین ان زمینون پر اپنے خیمے لگاتا تھا، جو دریاے سیحون (سیر دریا) دریاے چو اور دریاے ساری سو سے سیراب ہوتی تھین، (یہ کل دریا ایشیا کے نقشے مین ملتے ہین، کوئی صاحب اگر ان زمینون کی وسعت کا اندازہ کرنا چاہین، تو

وہ نقشے سے کر سکتے ہین) شیبان سے چھٹی پشت مین منگو تیمور خان ہوا، یہ ہمعصر تھا سیرادروا کے خان ازبگ کے اور اسی ازبگ خان کے نام کی رعایت سے شیبان کے محکوم قبائل بھی اپنے کو ازبک کہنے لگے، اور اُس وقت سے آجتک یہ ایک مشہور نام چلا آتا ہے، جب باتو کی اولاد سیرادروا مین خان بنائے جانے کو نہ رہی، تو شیبان کی اولاد سے کئی خان سیرادروا میں ہوئے اور حریف خاندانون کے دوسرے طبقہ مین بھی توقامیش کے زوال کے بعد خاندانِ شیبان کی نشانی غالبًا درویش خان اور سید احمد مین نظر آتی ہی،

شیبان کا اصل سلسلہ اپنے ابتدائی خیمہ گاہون مین زارانِ تیومن کے نام سے حکومت کرتا رہا، اور وسیع ملک سائبیریا کے بڑے حصہ پر ان ہی زارانِ تیومن کا حکم چلتا تھا، زارانِ تیومن سنہ ۱۶۵۹ء تک صاحبِ حکومت رہے، پھر قلیماق کے قبیلون نے ان کے ملک پر قبضہ کر لیا، مگر اس قبضہ سے کچھ پہلے انکی حکومت مین ضعف آچکا تھا،

مگر زارانِ تیومن سے کہین بڑھکر ان شاخون کو اقتدار حاصل تھا، جن کی اصل پولاد پسر منگو تیمور سے تھی، جو ایک وقت میں سیرادروا کا خان تھا، پولاد خان کے دو بیٹے یعنی ابراہیم اور عرب شاہ تھے، اس مین سے ایک خانانِ بخارا، اور دوسرا خانانِ خیوہ یا خوارزم کا مورثِ اعلیٰ تھا،

خانیت بخارا کا بانی فی الواقع محمد شیبان ہوا، جو پوتا تھا ابوالخیر خان کا، اور ابوالخیر خان خود پوتا تھا ابراہیم خان کا، خانیت بخارا کی ابتدا سنہ ۱۵۰۰ء میں ہوئی، اور اب تک یعنی سنہ ۱۸۹۴ء تک چلی جاتی ہے، گو سنہ ۱۸۶۸ء میں جنرل کوفمان نے اوسے روسی سلطنت کا ماتحت بنا دیا تھا،

عرب شاہ جو خانیتِ خیوہ (یا خوارزم) کا بانی ہوا، گو وہ سیرادروا کا خان نہین ہوا تھا، مگر توقامیش کے حملہ سے پہلے اوس نے قپچاق مین اپنا سکہ مضروب کیا تھا، اور اس سے ساتوین پشت مین ایلبرس خان نے زبردستی ماورا النہر پر اپنا قبضہ کر لیا، اور اس کے قرب وجوار کے ملکون پر تصرف

کیا، یہ واقعہ شیبان خان کے مرنے کے بعد پیش آیا، یہ زمانہ غالباً ۱۵۱۱ء تھا، اس کی اولاد آب خانان خیوہ کہلاتی ہے، مگر ۱۸۷۳ء سے وہ سلطنت روس کے تابع ہوگئے ہین، امیر گورگان کی سلطنت کے ویران ہونے پر جو خانیتن قائم ہوئین ان کا ذکر بعد کو آئے گا،

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جوجی خان کا ایک فرزند تیول بھی تھا، یہ تیول قبائل تیچ نیک کا جو جنوبی روس مین دریائے بگ کے علاقوں میں ڈیرے ڈالتے تھے، سردار تھا، (دریائے بگ روس کے علاقہ یوکرین کا ایک دریا ہے) اور قبائل تیچ نیک مین سے ایک شخص دادا تھا تو غائی کا، تو غائی خانیت سیرا وردا کے معاملات مین بہت دخل دیتے تھے، لیکن بعد کو تیچ نیک قرقا خان سے لڑ پڑے، اور نتیجہ یہ ہوا، کہ تیچ نیک ملک بدر کر دیئے گئے، ان کے ساتھ وہ قبیلے بھی تھے، جنھون نے دریائے وولگا (اتیل) کے پار اپنا نام تو غائی رکھ لیا تھا، اور دریائے یائق (یورال) اور دریائے یمبہ کی درمیانی زمینون مین اپنی بستیان بسالی تھیں، ان قبیلون کی تاریخ بہت جستہ جستہ ملتی ہے، ان کی حالت اکثر خانہ بدوشانہ اور صحرا گردی کی تھی،

یوگوسلاویہ کے مسلمان

یوگوسلاویہ مین مسلمانون کی آبادی پندرہ لاکھ سے بھی زیادہ ہے، وہ زیادہ تر بوسنیا، ہرزگونیا کے علاقون اور سربیا کے حصون مین آباد ہین، یہ سب سلاوی نسل سے ہین جنھون نے اسلام قبول کر لیا ہے، ان زندہ اور ترقی یافتہ مسلمانون کے حالات بہت کم پردۂ عام پر آتے ہین، موجودہ جنگ مین بھی ان کے کارنامے بہت نمایان ہین،

اکثر لوگون کو حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان یورپ کے قلب مین کیسے جڑ پکڑ گئے، یون تو اسکی تاریخ ترک سلاطین کی مہمات یورپ سے ہوتی ہے، جب ۱۳۸۹ء مین انھون نے سربیا کے

اہزادہ کوسوز (Kossovo) کو شکست دی تھی، لیکن اس سے بہت پہلے جنوبی سربیا مین کی اور دوسرے مسلمان آباد ہو چکے تھے، جب ترکون نے اس ملک کو فتح کیا، تو یہان بہت سی ملاحیں جاری کین، اور یہان کے مسلمانون کو اہم عہدون پر مقرر کیا، اور البانیا سے بہت سے سلمانون کو لاکر سربیا کے علاقہ مین پولیس کی خدمت پر مامور کیا، اور خاص مراعات عطا کین ں طرح آہستہ آہستہ سربی اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے، اور جنوبی سربیا کا علاقہ مسلمان ہو گیا،

بوسنیا کی کہانی اس سے مختلف ہے، قرون وسطی میں مشرقی کلیسا، اور مغربی کیتھولک طاقتون کے درمیان سخت اختلاف تھا، اور یہ دونون بوسنیا پر اپنا اپنا اثر ڈال رہے تھے، لیکن ان وگون نے (Bogomiles) کے عقیدہ کو مان لیا، اس پر عیسائی کلیسا نے ان پر بے دینی کا فتوی صادر کر دیا، اور مذہبی جنگون کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوسنیا کے زمیندار بہت آسانی سے اسلام کے حلقہ مین آگئے، کیونکہ ان کے اور مسلمانون کے عقائد بہت کچھ ملتے جلتے تھے، وہ مسلمان تو ہو گئے، لیکن انھون نے قومیت نہین بدلی، اور اپنی زبان، روایات، شاعری، موسیقی اور اپنے فنون لطیفہ ہر چیز کو محفوظ رکھا،

ترکون نے بوسنیا پر چار صدی سے زیادہ حکومت کی لیکن یہان کے مسلمانون کی آزادی مین کوئی فرق نہین آیا ایک زمانہ تک سلطان کے نمایندون کے اختیارات بہت محدود تھے، وہ شہر سراجودہ (Serajevo) میں صرف ایک مرتبہ داخل ہو سکتے تھے، اور چوبیس گھنٹون سے زیادہ قیام نہیں کر سکتے تھے اور بوسنیا سلطنت عثمانیہ کا ایک آزاد صوبہ بن گیا تھا، سلاطین ترک کے بعض نامور سپاہی اور مدبرین یہین کے باشندے تھے،

اہل بوسنیا حد سے زیادہ حریت پسند واقع ہوئے ہین، اس کا ثبوت ۱۸۳۱ء کے اس واقعہ سے ملتا ہے، کہ جب سلطان محمد نے بوسنیا مین ایک نیا نظام قائم کرنے، اور ملک اور فوج

کو از سرِ نو ترتیب دینے کا ارادہ کیا تو بوسنیا کے مسلمانون نے اس کو گوارا نہ کیا، اور اپنی آزادی برقرار رکھی، بوسنیا کے سپاہی ایسے جوان مرد اور بہادر تھے، کہ سلطنتِ عثمانیہ نے ہمیشہ ان پر ناز کیا، جب وہ آنا پر چڑھائی کر رہے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند منٹون میں اس شہر کی قسمت کا فیصلہ کر دین گے، یہی وہ یورپی مسلمان ہین، جنھون نے ترکون کے ساتھ نصف یورپ تک ہلالی جھنڈا پہنچا دیا، میدانِ جنگ مین وہ غیر معمولی جوہر دکھلائے کہ یورپ کے جنگ جو سپاہیون مین کوئی بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکا،

سراجو (Sarajevo) بوسنیا کا نہایت ہی خوبصورت شہر ہے، ۱۹۱۲ء مین ساری دنیا کی نگاہین اس پر پڑ رہی تھین، یہ اسلامی بوسنیا کا دار السلطنت ہونے کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ سلاوی مسلمانون کی تمدنی زندگی کا مرکز بھی ہے، اس لئے یہ شہر انھیں بہت عزیز ہے، اور یورپ کے قلب مین مشرق کا نمونہ ہے، دریاے ملجاکا کے دونون جانب سبز وادیان ہین، ان ہی سبز وادیون کے آغوش مین یہ شہر آباد ہے، اس کے مشرقی بازار، اس کی تپلی تپلی گلیان، اس کے سیکڑون چمکیلے مینارے، دریا کے کنارون پر اس کے خوبصورت باغات ایسی دلکش تصویرین ہین، جو ذہن و دماغ سے مٹ نہین سکتین،

لیکن اتنے ترقی یافتہ ہونے کے باوجود وہ اسلام پر سختی سے قائم ہین، ان کی عورتین اب بھی چہرے پر نقاب اور سر پر ایک قسم کی اوڑھنی ڈالتی ہین، ان کا لباس سر سے پیر تک پورے جسم کو چھپائے رہتا ہے، مرد یا ترکی ٹوپی پہنتے یا سُرخ پگڑی باندھتے ہین، چھوٹی بچیان ڈھیلا ڈھالا پائجامہ پہنتی ہین، وہ چھوٹے چھوٹے مکانات میں رہتے ہین، جن کا بالائی حصہ مینارون کی طرح ہوتا ہے، اور کھڑکیون کے دروازے لکڑی کے ہوتے ہین، کہ باہر سے بے پردگی نہ ہو،

سراجو کے بازار مین سڑک کے کنارے زین ساز، ظروف ساز، بڑھئی، موچی اور بساطی اپنی

دکانیں پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں، اکثر برقعہ پوش عورتیں بھی برتن بیچتی ہیں، ان دوکانوں میں قسم قسم کی چیزیں بکتی ہیں، قدیم اسلامی طرز کی پیتل کی صراحیاں اور مٹھائیاں، پھلوں کے مربے، رنگین کشیدہ کاری کے نمونے، بھیڑ کا بھنا ہوا گوشت، یہ چیزیں بڑی مقدار میں بکتی ہیں،

قہوہ خانوں میں ایک ہجوم ہوتا ہے، جہاں لوگ لذیذ ترکی قہوہ پی پی کر تازہ خبروں پر رائے زنی کرتے، اور سگریٹ پیتے ہیں، جا جسے (مخصوص اسلامی طرز کا ایک شہر) کی ترکی سراؤں میں امیر و غریب سب ہی قسم کے لوگ آتے اور کھاتے پیتے ہیں، یہاں کے مرد چمکیلے لباس پسند کرتے ہیں، اور عورتیں بلوز میں چاندی کے سکے ٹانکتی ہیں لیکن یہاں کے بازار سراجو کے مقابلہ میں گندے ہیں، یہاں پیاز، مسالوں، پنیر اور کا جک کی عجیب قسم کی ملی جلی بو سارے بازار میں پھیلی رہتی ہے، یہ چیزیں بوسینا کے پہاڑی علاقوں سے لائی جاتی ہیں،

یہاں کی ایک اور خاص اور نمایاں چیز یہ ہے، کہ ہر ترکی قہوہ خانے کے پاس ایک مغنی ہاتھ میں بربط لئے اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں، لیڑوں کی کہانیوں اور بیگ اور پاشاؤں کی بہادری کی داستانوں کے راگ الاپا کرتا ہے، جس کو لوگ بہت توجہ اور شوق سے سنتے ہیں، اور ان کے جوش کے ساتھ مغنی کا نغمہ تیز ہوتا اور انھیں شاندار ماضی کی یاد دلاتا ہے،

بوسینا میں مسلمان، عیسائی، یہودی، رومی، یونانی کیتھولک ہمیشہ متحد ہو کر رہے، لیکن سب نے اپنی انفرادی خصوصیات کو محفوظ رکھا، یوں تو یوگوسلاوی قوم کی فلاح اور ترقی میں سب کا ہاتھ ہے لیکن اس کی تعمیر و تشکیل میں بوسینا کے مسلمانوں کا خاص حصہ ہے، بوسینا نے موجودہ دور کے بہترین مصنفین پیدا کئے، صفوت بیگ بساجک، حمزہ ہومو، احمد مراد بیگووک وغیرہ سارے ملک میں مشہور ہیں، ان کی اکثر تصانیف یورپ اور ایشیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں، نقاشوں اور سنگ تراشوں کی بھی کمی نہیں ہے، مجاذرک کی مصوری کی ساری دنیا میں

دعوم ہے، اور فنون لطیفہ کے دلدادہ اس کی غیر معمولی جدت طرازی اور کمال فن پر شیدا ہین، یہان کے ڈاکٹرون، ہئیت دانون، قانون دانون، مورخون، مفتیون، پروفیسرون اور ججون کی شہرت بھی کچھ کم نہین ہے، اس ترقی مین عورتین بھی مردون سے پیچھے نہیں ہین، اور اپنی ترقی یافتہ ترکی بہنون کی طرح وہ بھی حکومت کے ہر شعبہ مین نظر آتی ہین خصوصاً معلم کی حیثیت سے تو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہین،

اسلام حکومت کا تسلیم شدہ مذہب ہے، یوگوسلاوی حکومت اسلامی انجمنون کی مدد کے لئے کافی رقمین منظور کرتی تھی، یوگوسلاوی مسلمانون کے واحد مذہبی رہنما اور سردار اور شیخ الاسلام فہیم ایندی فیا ہین، ان کی اب بھی بہت اہم حیثیت ہے، وہ کابینہ کے وزیر بھی تھے، انکا قیام بلغراد میں رہتا تھا، یہین سے وہ اپنے وسیع شعبہ کی دیکھ بھال کرتے تھے، جس کے ذریعہ وہان کے مسلمانون کی اسلامی روایات محفوظ ہین،

گجرت ان کی سب سے بڑی اور طاقتور انجمن ہے، ان کی ذہنی زندگی گجرت کی ترقی کے ساتھ وابستہ ہے، ۱۹۰۳ء مین جب یہ انجمن قائم ہوئی تو کسی کو یہ گمان بھی نہ تھا، کہ وہ اتنی مفید اور بلند خدمتین انجام دے سکیگی، اس انجمن کے چھبیس ہزار ممبر ہین، اس کی غرض یتیمون کی پرورش اور تعلیم وتربیت، غریب طالب علمون کو وظائف دینا ہے، ہونہار طالب علمون کو بلغراد، قاہرہ، الجیریا، بلکہ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیون تک بھیجتی ہے، انجمن کی طرف سے دستکاری کے مدرسے قائم ہین، جہان لڑکیون کو کاتنے، قالین بننے اور زردوزی کے کام کی تعلیم دی جاتی ہے، یوگوسلاویہ کے مسلمانون نے مختلف شعبون مین جو ترقی کی ہے، وہ زیادہ تر گجرت کی مرہون منت ہے،

بوزنیا، ہرزگوینا اور شمالی سربیا کے مسلمانون نے اب تک اپنے آبائی پیشہ اور تجارت کو

نہین چھوڑا ہے، دیہاتون کے کسان کھیتون مین بڑی محنت سے کام کرتے اور اپنے زراعتی کامون مین لگے رہتے ہین، اور شہرون مین تجارت اور دوسرے دھندون مین مصروف رہتے ہین، لکڑی تانبے، جواہرات، زردوزی اور قالین کے کامون مین زیادہ ماہر اور ممتاز ہین، سراجوین مشہور پروفیسر آرنلڈ کا قائم کیا ہوا ایک مدرسہ بھی ہے، حکومت کی جانب سے بھی ایک قالین بافی کا کارخانہ ہے، غرض یوگوسلاویہ کے مسلمانون کی حالت ہر اعتبار سے بہت اطمینان بخش ہے،

ا-ع

سائنس

(انجمن ترقی اردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ)

جون ۱۹۴۱ئہ کے چند مضامین

۱- ایک اور ایک سو زائد انجن کے ہوائی جہاز (۲) بجلی اور گرج پر ابن سینا کے خیالات (۳) حشرات کی تباہ کاریان اور فائدے (۴) تاریخ زمین کے ماخذون پر ایک نظر (۵) مچھلی کا تیل (۶) ہماری غذاؤن کے ماخذ (۷) آیوڈین،

جولائی ۱۹۴۱ئہ کے چند مضامین

(۱) کاغذ سازی (۲) بچہ پر موروثی اثرات (۳) اصول تعلیل اور جدید طبعیات (۴) ہوائی حملہ اور زہریلی گیسین

یہ رسالہ ملکی زبان مین سائنس کا واحد رسالہ ہے، جس مین مختلف مضامین کے علاوہ ہر نا دلچسپ معلومات، سائنس سے متعلق سوال و جواب، سائنس اور صنعت سے متعلق تازہ ترین خبرین اور نئی کتابون پر تبصرے شائع ہوتے ہین، رسالہ مین متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہین، امید ہے کہ علم کے شائقین اور اردو زبان کے بہی خواہ سرپرستی فرمائین گے، اشتہارات کے نرخ طلب کئے جا سکتے ہین،

چندہ سالانہ :- پانچ روپیہ سکہ انگریزی، نمونہ کا پرچہ آٹھ آنہ

المشتھر:- معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

اخبار علمیہ

انگریزی رسالون کے بعض اہم مضامین

سالِ روان مین اسلامی علوم وفنون، اور اسلامی ممالک پر دنیا کے مختلف حصّون کے انگریزی رسالون مین جو اہم مقالات شائع ہوئے ہین، ان مین بعض یہ ہین،

"جرنل آف دی امریکن اورنٹیل سوسائٹی" بالٹی مور (مارچ ۴۱ء) مین ایک جرمن اہلِ قلم کا مضمون "دسوین صدی عیسوی مین عربی زبان کی علمی تنقیدات" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس مین مقالہ نگار نے یہ دکھایا ہے، کہ اس صدی مین شعراء کی زبان اور قرآن مجید کی معجز بیانی نے اربابِ علم وادب کو شعر وشاعری کا لسانی تجزیہ کرنے کی طرف متوجہ کیا، اس تجزیہ سے شاعری مین جمالیاتی عناصر کو نمایان کرنے پر زیادہ زور دینے کی کوشش کی گئی، برلن کے ایک رسالہ Der Islam مین مولانا روم کے سوانح اور ان کے مریدون کے حالات پر ایک مقالہ چھپا ہے، "ایشیاٹک ریویو" لندن (اپریل ۴۱ء) مین ایک انگریز مقالہ نگار نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "مستقبل الثقافۃ المصریۃ" پر ایک مستقل مضمون لکھکر یہ بتایا ہے، کہ جدید عربی لٹریچر مین یہ کتاب بہت ہی اہم ہے، "ایشیا" نیویارک (مارچ ۴۱ء) مین [illegible] مین ساتوین صدی عیسوی تک کے عربون کی حکومت کے آثار پر روشنی ڈالی گئی ہے، "جرنل آف دی رائل امریکن سوسائٹی" (اپریل ۴۱ء) مین ایک

مسلمان اہل قلم نے مصر کے شمالی مشرقی حصون مین مختلف قومون کی آبادی سے جو فرقہ وارانہ عناصر پیدا ہوگئے ہین، ان پر ایک مبسوط مضمون لکھا ہے "ایشیاٹک ریویو" لندن (اپریل سنہ ۴۱ء) مین سردار اقبال علی شاہ صاحب نے ایک مقالہ مین یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، کہ مشرق قریب کے مسلمانون کی ہمدردی انگریزون کے ساتھ ہے، موجودہ جنگ سے ان ممالک مین جو اقتصادی حالات پیدا ہوگئے ہین، ان پر بھی اس مضمون مین ایک تبصرہ ہے، "نیشنل جیوگریفک میگزین" واشنگٹن کے ایک مضمون مین (مئی سنہ ۱۹۴۱ء) ایک امریکن مضمون نگار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ٹمبکٹو کے فن موسیقی کے فروغ مین حبشیون کے ساتھ مسلمانون کا بھی حصہ رہا ہے، "سوشیولوجیکل ریویو" لندن (جنوری - اپریل سنہ ۴۰ء) میں مراکش کے گاؤن، قصبون اور قبیلون کے بازار پر ایک مقالہ شائع ہوا ہے،

"اسلامک ریویو" ووکنگ مین ایک مسلمان اہل قلم نے موجودہ زمانہ کے حالات و مصالح کی بنا پر تعدد ازدواج کو ایک ضروری مسئلہ قرار دیا ہے، "ایشیاٹک ریویو" لندن (اپریل سنہ ۴۱ء) کے ایک مقالہ مین یہ ظاہر کیا گیا ہے، کہ موجودہ جنگ مین عرب قوم رفتہ رفتہ انگریزون کی کی طرف مائل ہو رہی ہے، جرمنی کے پروپگنڈے اور چاپلوسی کے باوجود یہ قوم ہٹلر کی شہرہ آفاق کتاب Mein Kampf کے ان فقرون کو فراموش نہیں کر سکتی، جن مین اس کو ایک "ادنیٰ درجہ کی قوم" بتایا گیا ہے، "کن ٹمپرری ریویو" لندن کے ایک مضمون نگار نے بتایا ہے کہ مصر جنگ میں صرف اپنی مدافعت کے لئے شرکت کر سکتا ہے، اور اوس کے دوستانہ تعلقات سے انگریزون کو بڑی سہولتین بہم پہنچ رہی ہین، "گریٹ برٹین اینڈ دی ایسٹ" (جنوری سنہ ۴۱ء) مین مشہور اہل قلم ماشن بروک ویلیز نے مسلمانون پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، کہ نازی حکومتون کا رویہ کلام پاک کے احکام کے سراسر خلاف ہے، "اٹلانٹک منتھلی" بوسٹن (اپریل سنہ ۴۱ء) کی ایک بحث مین یقین دلایا گیا ہے، کہ ترکی معت اقوام کی حیرت انگیز دانشمندی

اور بغاوت کے ذریعہ اپنی جنگی اور اقتصادی مشکلات پر قابو حاصل کرکے انگریزوں کے ساتھ ہتھیار

"ک تھیریری آف ریڈیو لندن" (مئی ۱۹۵۲ء) میں عصمت انونو، رفیق سیدام، سراج اوغلو، اور سپہ سالار

چقماق کی زندگی کے حالات اور کارنامے بھی شائع کئے گئے ہیں،

ہندوستان کی بعض طبی تحقیقات

طبی مسائل کی تحقیقات کے لئے ۱۹۱۱ء میں ایک ادارہ انڈین ریسرچ فنڈ ایسوسی ایشن کے نام سے دلی میں قائم ہوا تھا، چنانچہ گذشتہ تیس سال میں اس ادارہ کی طرف سے غذا، ملیریا، ہیضہ، طیگ، دق، جذام اور زچگی کے متعلق بہت سی نئی تحقیقات شائع ہو چکی ہیں، جن سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ روزمرہ کی غذاؤں میں چاول کے ساتھ گیہوں یا باجرہ کے آٹے کے استعمال سے غذا مقوی ہو جاتی ہے، پودے اور دال کی غذائیت میں دال سے بھی کافی قوت پہونچتی ہے، اس لئے ہندوستان کے زراعتی تحقیقات کے اعلیٰ سرکاری ادارے دال کی کاشت پر زیادہ زور دیرہے ہیں، طبی نقطۂ نظر سے غذاؤں میں برگ پوش (یا ورقی) ترکاریوں کی اہمیت روز بروز زیادہ بڑھ رہی ہے، کیونکہ ان ترکاریوں میں وٹامن اے اور سی اور چونا زیادہ ہوتا ہے، جن سے ان میں بڑی قوت پہنچتی ہے، مچھلی کو بھی غذا کا ایک اہم جز قرار دیا گیا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے، کہ اگر یورپ اور جاپان کی طرح ہندوستان میں بھی مچھلیوں کی پرورش کی طرف توجہ کیجائے، تو وہ ہندوستانی غذاؤں کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہو سکتی ہیں،

ہندوستان کے مختلف امراض میں ملیریا روز بروز زیادہ مہلک ہو رہا ہے، اس مرض سے ہندوستان میں ہر سال دس لاکھ موتیں ہوتی ہیں، اور دس کرور سے زیادہ اشخاص اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں، اس کے انسداد کے لئے صوبہ متحدہ، مدراس اور اڑیسہ میں ادارے قائم کئے گئے ہیں، ان اداروں کی تحقیقات کے بعد مرض کی زیادتی اور ہلاکت خیزی میں کمی ہونے کی امید ہے،

" ع ح "

ادبیات

کس لئے

از پروفیسر آل احمد صاحب سرور

(۱)

اے ہم نفس یہ گرمیِ گفتار کس لئے؟
یہ ولولہ، یہ شوق، یہ آزار کس لئے؟
خوابیدہ انجمن مین یہ تلوار کس لئے؟
بنجر زمین پہ ابرِ گہربار کس لئے؟

(۲)

مانا کہ دل مین سوزِ محبت بھی ہو تو کیا!
پہلو مین دردِ درد مین لذت بھی ہو تو کیا!
کچھ نشۂ بلندیِ فطرت بھی ہو تو کیا!
احساسِ فرض، پاسِ حمیت بھی ہے تو کیا!

(۳)

اس جنسِ بے بہا کا خریدار کون ہے؟
اس جامِ لالہ رنگ سے سرشار کون ہے؟
سرمایہ دارِ دولتِ بیدار کون ہے؟
اپنے ہی احتساب پہ تیار کون ہے؟

(۴)

یہ جلوۂ تبسمِ برق و شرر فضول!
یہ دعویِ طہارتِ قلب و نظر فضول!
رنگینیِ تراوشِ خونِ جگر فضول!
کیفِ دعا فضول دعا مین اثر فضول!

(۵)

ذہنی مسرتین بھی متاعِ جنون بھی ہیچ!
پابندیِ نظام کا سارا فسون بھی ہیچ
امید بھی فضول، امیدون کا خون بھی ہیچ
حسنِ عمل بھی ہیچ ہے جذبِ درون بھی ہیچ

(۶)

شاعر کو چاہیے رہے عشقِ بتان مین مست
مومن کو چاہیے ہو خیالِ جہان مین مست
بلبل قفس مین مست ہو یا آشیان مین مست
قدغن ہے کوئی رہ نہ سکے گلستان مین مست

(۷)

اے ہم نفس یہ گرمیٔ گفتار کس لیے؟
یہ ولولہ، یہ شوق، یہ آزار کس لیے؟
خوابیدہ انجمن مین یہ تلوار کس لیے؟
بنجر زمین پہ ابرِ گہربار کس لیے؟

دعوتِ نشاط

از جناب اصغر حسین خان نظیر لودھیانوی

آ کہ ظلمت گہِ عالم کو درخشان کر دین
ذرّہ ذرّہ کو چراغِ رہِ عرفان کر دین

بحرِ خاموش کو آمادۂ طوفان کر دین
منکرِ حشر کو بھی حشر بدامان کر دین

ربطِ باہم سے نئے دور کا سامان کر دین
مشکلِ عشقِ سیہ بخت کی آسان کر دین

موجِ انفاس سے گلشن کو معطر کر کے
باد کو عطر فشان پھول کو خندان کر دین

آبیئن بادۂ اخلاص لبِ جو پہ روان
ختمِ افسانۂ خونریزیٔ ہجران کر دین

مئے گلرنگ سے لبریز کرین جام و ایاغ
رات کے گوشۂ خلوت کو فروزان کر دین

اک اشارہ سے کرین ساقیٔ مطرب کا ظہور
چنگ کو نغمہ سرا، جام کو رقصان کر دین

صحنِ گلزار مین جس حوض پہ بیٹھین مل کر
اپنے ساقی سے اُسے چشمۂ حیوان کر دین

ڈالین جس مور پہ الطاف و محبت کی نگاہ
دم زدن مین اُسے ہمدوشِ سلیمان کر دین

اپنا آئینۂ دل اوس کے مقابل رکھکر
اپنے کردار پہ واعظ کو پشیمان کر دین

جو نظر آئے پرستارِ صنم خانہ نظیر
رنگِ توحید اوسے دے کے مسلمان کر دین

مطبوعات جدید

اقسام القرآن از مولانا حمید الدین فراہی مرحوم مترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸ ر،

پتہ :- دائرۂ حمیدیہ سرائمیر اعظم گڈھ،

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید مین جابجا جو قسمین کھائی ہین، ان کے متعلق ایک متشکک کے دل مین مختلف قسم کے شکوک اور اعتراضات پیدا ہوسکتے ہین، مثلاً یہ کہ قسم کھانا فی نفسہٖ کوئی اچھی چیز نہین، اور خدا کے مرتبہ سے تو بہت فروتر ہے، پھر اگر قسم کھائی بھی جائے، تو کسی بلند مرتبہ چیز کی، اور اللہ تعالیٰ نے بہت چھوٹی چھوٹی چیزون مثلاً توحید، رسالت اور آخرت وغیرہ پر یقین لانے کے لئے قسم کھائی ہے، تو ان پر محض قسم سے کسی منکر کے دل مین یقین نہین پیدا ہوسکتا، مولانا مرحوم نے اس کتاب مین انہی شکوک کے جوابات دیئے ہین، پہلے امام رازی اور ابن قیم کے جوابات نقل کرکے ان کی کمزوری دکھائی ہے، پھر اس بارہ مین اپنی تحقیق بیان کی ہے، ان کے نزدیک کلام مجید کی قسمین درحقیقت دلیلین ہین، چنانچہ مختلف قومون کی تاریخ، قسم کی غرض وغایت اس کے طریقون اسکی مختلف قسمون اور کلام مجید اور کلام عرب کی روشنی مین دکھایا ہی، کہ ہر موقع پر قسم کا ظاہری طریقہ متعارف معنون مین قسم نہین ہوتا، بلکہ اس سے مقصود استدلال ہوتا ہی، اور کلام پاک کی تمام قسمین اسی قبیل کی ہین اسلئے نہ خدا کے رتبہ سے فروتر ہین، اور نہ اس کے لئے مقسم بہٖ کی تعظیم و تقدیس ضروری ہے، پھر عام مفسرین پر اس پہلو کے مخفی رہنے کے

اسباب ظاہر کئے ہین، اور دلائل کو قسم کے لباس مین پیش کرنے کی بلاغتین مستحسن اور غیر مستحسن قسمون اور موقع کے لحاظ سے قسم کے مستحسن اور غیر مستحسن الفاظ کا فرق دکھایا ہے، اس ضمن مین اور بہت سے مفید معلومات اور ذوقی نکتے بھی آگئے ہین، مصنف مرحوم کی مخصوص قرآنی تحقیقات کی طرح یہ تحقیق بھی دلنشین اور عقلی ونقلی دلائل سے مدلل ہے، جن لوگون کو کلام پاک کے مطالعہ کا ذوق ہو، یہ کتاب ان کے پڑھنے کے لائق ہے،

ایمان مولانا سید سلیمان ندوی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ:- جناب محامد اللہ صاحب انصاری معتمد نشر واشاعت انجمن تاریخ وتمدن مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

مولانا سید سلیمان ندوی نے انجمن تاریخ وتمدن مسلم یونیورسٹی کے جلسہ ستمبر ۱۹۳۸ء مین یہ تقریر فرمائی تھی، اس مین قومون اور ملتون کے عروج وزوال اور ان کی موت وحیات کے فلسفہ کی روشنی مین ایمان اور اسلامی عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے، کہ کسی قوم کی تعمیر اور اس کی بقا کے لئے اس کے تمام افراد مین ایک مشترکہ عقیدہ، ایک متحدہ نصب العین اور چند اصول حیات پر اعتقاد جازم اور اسکے حصول وبقا کے لئے پوری تنظیم ووحدت کے ساتھ عملی جدوجہد بمنزلہ اساس کے ہے، بغیر اس کے نہ کوئی قوم زندہ رہ سکتی ہے، اور نہ آگے بڑھ سکتی ہے، اور بغیر مشترک نصب العین کے عمل ناممکن اور بے نتیجہ ہے، اس اصولی بحث کے بعد تاریخ کی روشنی مین عالمگیر انسانی وحدت اور اسکی فلاح کے بارہ مین نسل، قومیت اور اقتصادی عقیدون کی ناکامی اور اس کے اسباب کو دکھا کر اس کے مقابلہ مین اسلامی عقائد کی برتری اسکی عالمگیری اور اس کے اجزاء کی حکمتون اور مصلحتون کو ظاہر کیا ہے، اور اس کے متعلق جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہین انھین دفع دخل مقدر کے طور پر دور کیا ہے، یہ تقریر برسون کے تجربہ اور فکر وتدبر کا نتیجہ ہے، اور عوام سے زیادہ ہمارے پریشان فکر خواص

کے پڑھنے کے لائق ہے،

تمدن اسلام ازمولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۳ صفحے،

کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، یہ کتاب بھی سابق پتہ سے ملیگی،

یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس مین مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی نے اپنے مخصوص موثر تبلیغی انداز مین ایک مسلمان کی پوری زندگی کے مراسم اور تقریبات کے متعلق اسلامی تعلیمات اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے مین اسلامی قوانین کی سادگی اور پاکیزگی اور اس کے فوائد مصالح اور برکتون اور اس کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کے پیرو نکی زندگی کے مفاسد اور انسانی فلاح مین موجودہ تمدن کی ناکامیون اور اسکی اصلاح کے لئے اسلامی قوانین کی تقلید پر اضطرار کو دکھایا ہے، یہ تقریر نہ صرف مسلمانون بلکہ دوسری قومون کے لئے بھی سبق آموز ہے، اور اس لائق ہے کہ مسلمان اسے اپنی زندگی کا دستورالعمل بنائین،

یاران میکدہ ازجناب عبدالشکور صاحب بی اے علیگ تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۱۵۱ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:-

مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

انسان کی مختلف قسمون اور ان کی خصوصیات کا نفسیاتی مطالعہ بڑی دلچسپ چیز ہے، اس کتاب میں مزاحیہ رنگ مین ایک درجن مختلف خصوصیات کے انسانون کے کردارون کا جن مین مرد بھی ہین اور عورتین بھی، خاکہ پیش کیا گیا ہے، ہر کردار کی جزئیات کی مصوری سے مصنف کی قوت مشاہدہ کا پتہ چلتا ہے، کتاب بہت دلچسپ ہے، انسانون کی قسمین اتنی گوناگون ہین، کہ ان سب کا احاطہ مشکل ہے، تاہم اس کتاب مین بہت سے دلچسپ نمونے آگئے ہین،

تذکرۂ شمیم، از جناب سعید رضوی بی اے، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ:- مصنف صحبتیا باغ لکھنؤ سے ملیگی،

جناب مؤلف نے اس کتاب مین اپنی منہ بولی بہن انوار فاطمہ شمیم مرحومہ پروفیسر کراستھ یٹ گرلس کالج الہ آباد کے حالات لکھے ہین، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک مسلمان اتون اعلیٰ تعلیم کے باوجود کس طرح اپنی نسوانی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے اپنے تمام ینی و دنیوی حقوق و فرائض ادا کرسکتی ہے، مرحومہ کی ذات علمی قابلیت، دینداری، رت و اخلاق کے لحاظ سے مسلمان عورتون کے لئے قابلِ تقلید نمونہ تھی اسلئے یہ حالات آج کل ن تعلیم یافتہ عورتون کے پڑھنے کے لائق ہین، جناب مؤلف کو مرحومہ سے دلی تعلق تھا، جس کا ری پوری کتاب مین نمایان ہے، انداز بیان موثر اور دلنشین ہے،

ملیریا مؤلفہ جناب ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب بی اے، ایل ایل بی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ:- ڈاکٹر محمد عبد الحئی ہومیو پیتھ جونپور،

ملیریا ہندوستان کا سب سے زیادہ موذی مرض ہے، اس سے لاکھون جانین سالانہ ضائع وتی ہین، جناب محمد عبد الحئی صاحب نے جو ایک تجربہ کار ہومیو پیتھ ہین، اس کتاب مین اس مہلک ض کی تمام قسمون، اس کی علامتون، طریقۂ علاج اور دواؤن وغیرہ کے متعلق بہت مفصل ور مفید معلومات جمع کر دئیے ہین، آخر مین مٹیریا میڈیکا کی وہ دوائین جو اس مرض مین زیادہ فید ثابت ہوئی ہین اور ایک مکمل اور جامع ریپرٹری بھی دیدی ہے، کتاب کی فنی خوبی کا یحج اندازہ تو اس فن کے واقف کار ہی کرسکتے ہین، لیکن بظاہر کتاب بہت جامع اور مفید علوم ہوتی ہے،

خزینۂ رباعیات از جناب شفق عماد پوری تقطیع جیبی ضخامت ۲۴۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت :۔ عہ، پتہ :۔ شمسی پریس بکڈپو گھسیارٹولہ گیا،

جناب شفق عماد پوری کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، خزینہ رباعیات ان کی رباعیون کا مجموعہ ہے، اس مین، توحید، تحمید، نعت منقبت، فلسفۂ الٰہیات، اخلاق و تصوف، دل، دنیا، ہستی، جوانی، پیری، فنا و بقا، جاڑا گرمی، برسات، روزے، عید، عشرہ محرم قومی تخیل خیام، ساقی حسن و عشق، مکالمے، ضرب الامثال، مذاق، نصائح، اور آپ بیتی کے متعلق چار سو رباعیان ہین، جناب شفق کی قادرالکلامی مسلم ہے، یہ تمام رباعیان اس کا نمونہ ہین،

ایضاحِ سخن، مؤلفہ جناب مولوی تمنا عمادی پھلواروی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک پتہ :۔ مسلم ایسوسی ایشن پھلواروی ضلع پٹنہ،

اصلاحِ سخن جناب احمد علی صاحب شوق سندیلوی کی مشہور کتاب ہے، اس مین ان کی سو غزلون پر ہندوستان کے اکثر ممتاز اساتذہ کی اصلاحین ہین، مولوی تمنا صاحب نے ان تمام اصلاحون پر نقد و تبصرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن ایک ہی غزل کی نوبت آئی تھی، کہ یہ کام رک گیا، عام استفادہ کی غرض سے اسی کو انھون نے شائع کر دیا ہے، جناب مؤلف ایک مشہور اور صاحبِ نظر استاد ہین، اس لئے انکا یہ تبصرہ بھی ناقدانہ اور مستبصرانہ ہے، اور اس مین شعر و شاعری کے متعلق بہت سے ادبی نکتے معلوم ہوتے ہین، لیکن جس طرح ان اصلاحون پر نقد کی گنجایش تھی، اسی طرح اس نقد پر کہین کہین گفتگو کی گنجایش نکل سکتی ہے، لیکن ادبی حیثیت سے اسکی اہمیت و افادیت مسلم ہے اور نومشق شعرا، اور اردو زبان و ادب کے طلبہ کی ادبی بصیرت کیلئے اس کا مطالعہ بہت مفید ہے،

"م"

تان کی قدیم | ہندوستان کی قدیم تعلیمی
ا درسگاہیں | کتابوں میں مرتب طور
ستان کے مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان
ہوں اور تعلیمگاہوں کا حال معلوم کرنا
تو نہیں مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم
بت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی
سلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا۔
اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین
مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام
ئع کیا ہے، ضخامت ۴۴۳ صفحے، قیمت: ۱۲ /
ریخ ہند ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں
جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور
ب سے خالی نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہندوستانی
ت قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا
ہے، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے
مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض
ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے
د ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان
نے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں
فریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،
ت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ /
س کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سکنڈری
ت میں جاری کیا ہے، اور حکومت یوپی نے
... نسخے سرکاری لائبریریوں کیلئے خریدے ہیں
با دشاہی، ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب
ئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی
[illegible] سے با خبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو
[illegible]

[illegible] کی عجیب اور پسندیدہ ہے، ... تمام ... بڑی [illegible]
کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں
مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں
قیمت: عہ / ضخامت ۲۰۰ صفحے

ہندوستان کی کہانی ہندوستان کی تاریخ کا یہ
چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا
گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں
کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت
ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل
کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور
اب کیا ہیں؟ ضخامت ۶۷ صفحے، قیمت ۱۲ /
از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی،

تاریخ اخلاق اسلام جلد اول، اس میں اسلامی
تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے
اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر
مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ:
مولنا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۰ صفحے، قیمت عہ / ۱۲

تاریخ اسلام حصہ اول (از آغاز اسلام تا حضرت حسن
رضی اللہ عنہ) اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے
حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے
اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ
ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۰، قیمت سکہ

دولت عثمانیہ حصہ اول (مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے
رفیق دارالمصنفین) یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج
و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں
عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک پانچ صدیوں کے مفصل
حالات ہیں، اور دوسرے میں اب تک ترکی حکومت کی اہم ...
[illegible]